3

مِرقاۃُ المفاتیح

شرح اُردو

مِشکوٰۃُ المصابیح

للعلامہ الشیخ القاری علی بن سلطان محمد القاری

مترجم: مولانا راؤ مُحمّد ندیم

www.KitaboSunnat.com

مُکتبہ رحمانیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجلس التحقیق الاسلامی زیر اہتمام

محدث لائبریری

قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی

کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے

درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

مرقاۃ المفاتیح اردو

للعلامہ الشیخ القاری علی بن سلطان محمد القاری ھجری ۱۰۱۴

شرح

مشکوٰۃ المصابیح

للامام العلامۃ محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی المتوفی ۷۴۱

مترجم: مولانا راؤ محمد ندیم

جلد سوم

www.KitaboSunnat.com

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار لاہور

فون: 042-37224228-37355743

MAKTABA-E-REHMANIA

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جملہ حقوق ملکیت بحق ناشر محفوظ ہیں

MAKTABA-E-REHMANIA

مکتبہ رحمانیہ

نام کتاب: .... مرقاۃ المفاتیح اردو (جلد سوم)

مترجم: .... مولانا راؤ محمد ندیم

ناشر: .... مکتبہ رحمانیہ

مطبع: .... لٹل سٹار پرنٹرز لاہور

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرما دیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لیے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔ (ادارہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

عنوان	صفحہ
بَابُ الصَّلاۃِ عَلَی النَّبِيِّ ﷺ وَفَضْلِهَا	۲۱
حضور نبی مکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے اور اس کی فضیلت کا بیان	//
قعدہ میں درود پڑھنے کا طریقہ	۲۲
درود کے مختلف الفاظ	۲۶
درود پڑھنے کی فضیلت	۲۹
ایک مرتبہ درود پڑھنے کے تین فائدے	۳۰
زیادہ درود پڑھنے والا قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کے قریب ہوگا	//
فرشتے درود پہنچاتے ہیں	۳۱
سلام کا جواب	۳۲
گھروں کو قبرستان نہ بناؤ	۳۳
درود نہ پڑھنے پر وعید	۳۶
درود کی فضیلت	۳۷
درود سے دین و دنیا کی بھلائی ہے	۳۸
درود کے بعد دعا قبول ہوتی ہے	۳۹
فرائض کے بعد دعا قبول ہوتی ہے	۴۰
رسول اللہ ﷺ امی ہیں	۴۱
درود نہ پڑھنے والا بخیل ہے	۴۳
رسول اللہ ﷺ درود سننے کے لئے تشریف نہیں لاتے	۴۴
فرشتوں کا درود و سلام	
ایک خاص درود	۴۵
رسول اللہ ﷺ کا ایک طویل سجدہ	
درود کے بغیر دعا قبول نہیں ہوتی	۴۶
بَابُ الدُّعَاءِ فِي التَّشَهُّدِ	۴۷
تشہد میں دُعا پڑھنے کا بیان	//
تشہد کے بعد کی دعا	۵۰
تشہد کے بعد کی ایک دعا	//
نماز کے آخر میں سلام پھیرنے کا بیان	۵۲
امام نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کرے	۵۴
اپنی نماز سے شیطان کا حصہ مقرر نہ کرو	۵۵
نماز کے بعد کی دعا	۵۶
نماز کے بعد کی ایک دُعا	۵۷
سلام پھیرنے کا طریقہ	۵۸
فرض کے بعد سنتوں کے لئے جگہ تبدیل کرنا	۵۹
تشہد کے بعد رسول اللہ ﷺ کی دُعا	۶۱
سلام پھیرنے کی کیفیت	۶۲
سلام کا جواب	//
بَابُ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ	۶۴
نماز کے بعد ذکر کا بیان	//
نماز کے آخر میں تکبیر کہنا	//
فرض نماز کے بعد بیٹھنے کی مقدار	۶۵
فرض نماز کے بعد کی دُعا	۶۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
نماز کے بعد جن چیزوں سے پناہ مانگی گئی	۶۷	نماز میں چھینکنے کا مسئلہ	۱۰۴
نماز کے بعد تسبیح	۶۸	جمائی شیطان کی تاثیر سے ہے	۱۰۵
قبولیت دعا کا وقت	۷۵	نماز میں تشبیک منع ہے	//
ہر نماز کے بعد معوذات پڑھنے کا حکم	۷۶	نماز میں اِدھر اُدھر متوجہ ہونے سے ثواب کم ہو جاتا ہے	۱۰۶
طلوع اور غروب کے وقت ذکر کی فضیلت	//	نماز میں نگاہ سجدہ والی جگہ پر ہو	۱۰۷
دو نمازوں کے درمیان وقفہ کا حکم	۷۸	نماز میں اِدھر اُدھر متوجہ ہونے پر وعید	۱۰۸
نماز کے بعد کی تسبیح	۸۰	نماز میں آنکھ کے کنارے سے دیکھنا جائز ہے	۱۰۹
آیۃ الکرسی کی فضیلت	۸۱	نماز میں شیطان کے اثرات	//
فجر اور مغرب کے بعد ذکر کی فضیلت	۸۴	رونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی	۱۱۰
فجر کے بعد ذکر کی فضیلت	//	نماز میں کنکر ہٹانے کا مسئلہ	۱۱۱
بَابُ مَالَا يَجُوزُ مِنَ الْعَمَلِ فِي الصَّلٰوةِ		سجدہ کی جگہ پھونکنا منع ہے	۱۱۲
وَمَايُبَاحُ مِنْهُ	۸۶	نماز میں موذی چیز کو مارنے کا حکم	۱۱۳
نماز میں جائز اور ناجائز چیزوں کا بیان	//	نماز میں دروازہ کھولنا	۱۱۴
چھینک کے جواب سے نماز فاسد ہو جاتی ہے	//	نماز میں حدث لاحق ہونے کا مسئلہ	۱۱۵
نماز میں سلام کا جواب دینے کا حکم	۹۱	نماز میں وضو ٹوٹ جائے تو نکلنے کا طریقہ	۱۱۷
نماز میں زمین کو ہموار کرنا	۹۳	سلام کے بغیر نماز کا پورا ہو جانا	۱۱۸
نماز میں خصر منع ہے	//	امام کو مصلے پر حدیث یاد آ جائے	۱۱۹
نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا منع ہے	۹۵	سجدہ کی جگہ کو گرمی سے بچانا	۱۲۱
نماز میں بوقتِ دُعا نظر آسمان کی طرف نہ اٹھائی جائے۔	۹۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جن کے ساتھ ایک واقعہ	
نماز میں بچے کو کندھے پر اُٹھانا	۹۷	نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب دینا	۱۲۲
نماز میں جمائی کا حکم	۹۸	بَابُ السَّهْوِ	۱۲۳
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جن کے ساتھ واقعہ	۹۹	سجدۂ سہو کا بیان	//
لقمہ دینے کی ایک صورت	۱۰۱	تعداد رکعت میں نسیان سے سجدہ سہو کا حکم	//
نماز میں سلام کا جواب منع ہے	۱۰۲	سجدۂ سہو قبل السلام ہوگا	۱۲۴
نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب دینا	۱۰۳	پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہونے کا مسئلہ	۱۲۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ
کلام فی الصلوٰۃ کا مسئلہ	۱۲۹
سجدہ سہو کے بعد تشہد کا حکم	۱۳۸
پہلا قعدہ چھوٹنے کا حکم	۱۳۹
اگر نماز میں شک ہو جائے تو کیا کرے	۱۴۱
بَابُ سُجُودِ الْقُرْاٰنِ	//
قرآن کریم کے سجدوں کا بیان	//
سورۂ نجم کا سجدہ	//
سورۃ الانشقاق اور علق میں سجدہ	۱۴۵
سجدہ تلاوت کے لئے صحابہ کا شوق	//
سورۂ نجم کے سجدہ کا حکم	۱۴۶
سورۂ ص کا سجدہ	۱۴۷
قرآن کریم میں پندرہ سجدے ہیں	۱۴۸
دو سجدوں کی وجہ سے سورۂ حج کی فضیلت	۱۵۰
سجدۂ تلاوت نماز میں ادا کرنا	۱۵۱
رسول اللہ ﷺ سجدہ تلاوت کی آیت پڑھنے پر سجدہ تلاوت کرتے تھے	۱۵۳
سجدۂ تلاوت سواری پر ادا کرنے کا حکم	۱۵۴
رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد مفصلات کی سورتوں میں سجدہ نہیں کیا	۱۵۵
سجدۂ تلاوت کی تسبیح	//
سجدہ تلاوت کے وقت درخت کی دعا	۱۵۶
رسول اللہ ﷺ نے سورۂ نجم کا سجدہ کیا	۱۵۸
سورۂ ص کا سجدہ	۱۶۰
بَابُ اَوْقَاتِ النَّهْيِ	۱۶۱
یہ باب اوقاتِ مکروہہ کے بیان میں ہے	//

عنوان	صفحہ
سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے	//
جن اوقات میں نماز ادا کرنا منع ہے	۱۶۲
نمازِ فجر اور عصر کے بعد نماز پڑھنا مکروہ ہے	۱۶۴
اوقاتِ نماز	۱۶۵
عصر کے بعد دو رکعت کا مسئلہ	۱۶۹
صبح کی سنتوں کا مسئلہ	۱۷۰
بیت اللہ کا طواف ہر وقت ہو سکتا ہے	۱۷۴
زوال کے احکام جمعہ کے دن نافذ نہیں ہوتے	//
جمعہ کے دن زوال کا انتظار نہیں	۱۷۵
مکروہ اوقات کی وضاحت	۱۷۶
عصر کے بعد کوئی نماز نہیں	//
نمازِ عصر کے بعد دو رکعتوں کی ممانعت	۱۷۷
فجر کی نماز کے بعد اور عصر کے بعد نماز جائز نہیں	۱۷۸
بَابُ الْجَمَاعَةِ وَ فَضْلِهَا	۱۷۹
جماعت اور اِس کی فضیلت کا بیان	//
جماعت کی نماز کا ثواب	//
جماعت ترک کرنے پر وعید	۱۸۱
باجماعت نماز کی فقہی و شرعی حیثیت کا تعین	۱۸۲
نابینا آدمی کے لئے جماعت کی نماز میں حاضری ضروری ہے	۱۸۴
بارش اور سخت سردی میں گھر میں نماز پڑھ لینا جائز ہے۔	۱۸۶
جب جماعت کے وقت کھانا آجائے تو پہلے کھانا کھا لیا جائے	۱۸۷
اگر کسی کو بول و براز کی حاجت ہو تو نماز سے پہلے اس کو	

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
پورا کیا جائے	۱۸۸	نمازی ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی علامت ہے ...	۲۰۵
جب فرض نماز شروع ہو جائے تو دوسری کوئی نماز جائز نہیں	//	نمازِ فجر کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کی فضیلت	۲۰۶
		دو آدمی جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں	۲۰۷
عورتوں کے مسجد میں جانے کا حکم	۱۹۰	عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت ہے	//
عورت جب گھر سے باہر نکلے تو خوشبو استعمال نہ کرے	۱۹۱	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۲۰۹
عورت خوشبو لگا کر عشاء کی نماز کے لئے نہ آئے	//	بَابُ تَسْوِيَةِ الصَّفِّ	۲۱۱
عورتوں کو مسجد میں جانے سے نہ روکو	۱۹۲	صفوں کے برابر کرنے کا بیان	//
عورت کی نماز بند کمرے میں افضل ہے	//	صف سیدھی نہ رکھنے پر وعید	//
خوشبو لگا کر مسجد میں جانے والی عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی	//	پہلی صف مکمل ہونے کے بعد دوسری صف بنائی جائے	۲۱۲
		صفوں کو سیدھا رکھنا نماز کی تکمیل ہے	۲۱۳
خوشبو لگا کر مجلس میں جانے والی عورتوں کے لئے وعید .	۱۹۳	صفوں کو سیدھا رکھنا ورنہ اختلاف پیدا ہو جائے گا	//
منافقین کے لئے جماعت مشکل ہوتی ہے	۱۹۴	مساجد میں بازاروں کی طرح شور وغل نہ کرو	۲۱۵
تین آدمی جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں	۱۹۵	صحابہ کرام ز پہلی صف میں کھڑے ہونے سے بچتے تھے	۲۱۶
عذرِ شرعی کے بغیر جماعت کو چھوڑنا جائز ہے	۱۹۶	ملائکہ کی صفوں کی طرح صف بندی کرو	//
جب جماعت کھڑی ہو جائے اور کسی کو بول و براز کی		مردوں اور عورتوں کی بہترین صف کون سی ہے؟	۲۱۷
حاجت ہو تو پہلے اس سے فارغ ہو جائے	۱۹۷	اگر صف میں خلا ہو تو شیطان داخل ہو گا	۲۱۸
تین چیزوں سے منع کیا گیا ہے	۱۹۸	پہلی صف مکمل ہو کئی آخری صف میں ہو	۲۱۹
نماز میں تاخیر کرنے کی ممانعت	۱۹۹	صفوں کے قیام کے وقت سب سے افضل قدم	۲۲۰
منافق جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں سستی کرتا ہے	//	صف میں دائیں طرف کھڑا ہونا افضل ہے	//
جماعت کی نماز ترک کرنے پر وعید	۲۰۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کو اہتمام سے درست کرتے تھے	//
اذان کے بعد مسجد سے نکلنا درست نہیں	//	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں اور بائیں رُخ کر کے صفوں کو	
اذان ہونے کے بعد مسجد سے نکلنے والا نافرمان ہے ...	۲۰۳	سیدھا کرنے کا حکم دیتے تھے	۲۲۱
اذان ہو جانے کے بعد مسجد سے نکلنے والا منافق ہے ..	۲۰۴	نماز میں کندھوں کو نرم رکھو	//
اذان کا جواب نہ دینے والے کا حکم	//	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں .	۲۲۲
نابینا آدمی کے لئے جماعت میں شرکت ضروری ہے ..	//	صفِ اوّل کی فضیلت	//

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ
صفوں سے متعلق ہدایات	۲۲۳
امام کو درمیان میں رکھو	۲۲۴
صف میں تاخیر کرنے والے کے لئے وعید	//
صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے کی ممانعت	۲۲۵
بَابُ الْمَوْقِفِ	۲۲۶
امام و مقتدی کے کھڑے ہونے کی جگہ کا بیان	//
ایک مقتدی ہو تو امام کے دائیں جانب کھڑا ہو	//
دو مقتدی امام کے پیچھے کھڑے ہوں	۲۲۷
جماعت کی نماز میں مرد اور عورت میں کھڑے ہونے کی ترتیب	۲۲۸
عورت محرم ہونے کے باوجود صف کے پیچھے کھڑی ہو .	۲۲۹
اگر امام رکوع میں چلا جائے تو آنے والا مقتدی کیا کرے	//
امام اس آدمی کو بنایا جائے جو افضل ہو	۲۳۱
امام بلند جگہ پر اکیلا کھڑا نہ ہو	//
تعلیم کے لئے امام بلند جگہ پر کھڑا ہو سکتا ہے	۲۳۳
اتفاقیہ جماعت	۲۳۴
صف بندی کا طریقہ	۲۳۵
حضور ﷺ کا صحابہ سے لیا ہوا عہد	۲۳۶
بَابُ الْإِمَامَةِ	۲۳۸
امامت کا بیان	//
امامت کا مستحق کون ہے؟	//
امامت کا مستحق علم والا ہے	۲۴۱
امام اور مؤذن بہترین آدمی ہوں	۲۴۲
ملاقات کے لیے جانے والا امامت نہ کرائے	۲۴۳

عنوان	صفحہ
نابینا آدمی امام بن سکتا ہے	۲۴۴
تین آدمیوں کی نماز قبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچتی	۲۴۵
تین آدمیوں کی نماز قبول نہیں ہوتی	۲۴۶
صحیح امام نہ ملنا قیامت کی علامت ہے	۲۴۷
فاسق امام بن سکتا ہے	۲۴۸
نابالغ امام کی امامت	۲۵۰
آزاد شدہ غلام کی امامت کا مسئلہ	۲۵۳
وہ لوگ جن کی نماز قبول نہیں ہوتی	
بَابُ مَا عَلَى الْإِمَامِ	۲۵۴
وہ چیزیں جو امام پر لازم و ضروری ہیں	//
اس باب میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ امام مقتدیوں کی رعایت کرے اور مختصر نماز پڑھائے	//
نماز میں طویل قیام کی نیت کے بعد قیام کو مختصر کرنا	۲۵۵
امام پر لازم ہے کہ مقتدیوں کی رعایت رکھے	۲۵۶
طویل نماز پڑھانے والے امام کی شکایت	//
غلط نماز پڑھانے والے کیلئے تنبیہ	۲۵۸
امام کو چاہئے کہ مقتدیوں کی رعایت رکھے	۲۵۹
سورۃ الصّٰفّٰت کی قراءۃ	۲۶۰
بَابُ مَا عَلَى الْمَأْمُومِ مِنَ الْمُتَابَعَةِ وَحُكْمِ الْمَسْبُوقِ	۲۶۱
مقتدی کے لئے امام کی متابعت کے لزوم اور مسبوق کے حکم کا بیان	//
امام کی متابعت	//
مقتدیوں کو خاص ہدایت	//
مقتدیوں کو آمین کہنے کا حکم	۲۶۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم	۲۶۳	دوسری مرتبہ پڑھی ہوئی نماز نفل ہو جائے گی	۲۸۳
نماز کے دوران امام کے تغیر کا حکم	۲۶۵	دوبارہ پڑھی جانے والی نماز کا حکم	۲۸۴
امام سے سبقت کرنے والے کے لئے وعید	۲۶۷	ایک نماز کو ایک دن میں دو مرتبہ پڑھنا منع ہے	۲۸۵
جو آدمی نماز کے لئے آئے اور آتے ہی جماعت میں شریک ہو جائے	۲۶۹	نمازِ مغرب اور فجر کو ادا کر لینے والا اگر جماعت کو پائے تو اس کیلئے کیا حکم ہے؟	۲۸۶
سجدہ میں شرکت سے رکعت نہیں ہوتی	//	بَابُ السُّنَنِ وَفَضَائِلِهَا	۲۸۷
مسلسل چالیس روز تک تکبیر اولیٰ میں شامل ہونے کا ثواب	۲۷۰	سنتوں اور اُس کی فضیلتوں کا بیان	//
جماعت میں شرکت کے ارادہ سے نکلنے والے کو اجر مل جاتا ہے	۲۷۱	سنتوں کی تعداد کا بیان	//
جماعت پالینے کا اجر	۲۷۲	ظہر کی سنن قبلیہ اور بعدیہ کا ذکر	۲۸۹
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں ابوبکرؓ نے امامت کرائی	۲۷۳	نماز جمعہ کے بعد گھر میں دو رکعت پڑھ لے	۲۹۰
سورۂ فاتحہ کے ترک سے خیر کثیر سے محروم ہیں	۲۷۷	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نماز کی تعداد	//
امام سے سبقت کرنے والے کے لئے وعید	//	فجر کی سنتوں کی تاکید	۲۹۲
بَابُ مَنْ صَلَّى الصَّلٰوةَ مَرَّتَيْنِ	۲۷۸	فجر کی سنتیں دُنیا و مافیہا سے بہتر ہیں	۲۹۳
دو مرتبہ نماز پڑھنے والے کا بیان	//	مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتوں کا حکم	۲۹۴
ایک نماز کو دو مرتبہ پڑھنا	//	جمعہ کے بعد چار رکعتیں	۲۹۵
فرض نماز پڑھنے کے بعد دوبارہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم	۲۷۹	ظہر سے قبل اور بعد میں چار رکعتوں کا حکم	۲۹۶
جو آدمی نماز پہلے پڑھ چکا ہو وہ دوبارہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لے	۲۸۱	ظہر سے پہلے چار رکعتوں کی فضیلت	//
اگر گھر میں نماز پڑھ لی تو مسجد میں دوبارہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھے	۲۸۲	صلوٰۃ زوال کی فضیلت	//
		نمازِ عصر سے پہلے چار رکعت کا بیان	۲۹۷
		نمازِ عصر سے پہلے دو رکعتوں کا بیان	۲۹۸
		نمازِ مغرب کے بعد چھ رکعتوں کا بیان	//
		نمازِ مغرب کے بعد بیس رکعتوں کی فضیلت	۲۹۹
		نمازِ عشاء کے بعد کی سنتوں کا بیان	۳۰۰
		فجر اور مغرب کی سنتوں کا بیان	//
		ظہر سے قبل چار رکعت کا بیان	//

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ
عصر کی نماز کے بعد دو رکعت کا بیان	۳۰۲
مغرب سے پہلے دو رکعتوں کا بیان	//
نفل نماز گھر میں پڑھی جائے	۳۰۵
مغرب کی سنتوں میں قراءت کا مسئلہ	//
نمازِ مغرب کے بعد دو یا چار رکعت کی فضیلت	۳۰۶
فرض اور نفل کے درمیان فرق کرنا چاہیے	۳۰۷
عشاء اور فجر کے درمیان کتنی رکعتیں ہیں	۳۰۹
فجر کی سنتوں کے بعد گفتگو کرنا	۳۱۰
فجر کی سنتوں کے بعد استراحت کا بیان	۳۱۱
صلوٰۃ اللیل کی رکعات	۳۱۲
رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز ہلکی دو رکعتوں سے شروع کرتے تھے	۳۱۳
تہجد کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کی قراءت	۳۱۴
وتر تین رکعت ہے	۳۱۹
رسول اللہ ﷺ کی تہجد کی نماز کی کیفیت	//
رسول اللہ ﷺ آخر عمر میں نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے	۳۲۱
نمازِ تہجد میں رسول اللہ ﷺ کی قراءت	۳۲۲
نمازِ تہجد کی کیفیت	۳۲۳
تہجد کی نماز میں طویل قیام کی فضیلت	۳۲۶
تہجد کی نماز میں قراءت کا طریقہ	۳۲۷
حضرت ابوبکر اور عمر i کو کیفیت قراءت کی ہدایت	۳۲۸
رسول اللہ ﷺ کا پوری رات ایک آیت کو بار بار پڑھنا	۳۳۰
فجر کی سنتوں کے بعد لیٹنے کا حکم	۳۳۱
عمل پر مداومت محبوب ہے	//
رسول اللہ ﷺ کا رات کے وقت اٹھنے کا عمل	۳۳۲

عنوان	صفحہ
رات کی نماز کیلئے کئی بار جاگنا اور نماز پڑھنا پھر سو جانا ..	//
رسول اللہ ﷺ کی تہجد کے بارے میں حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان	//
بَابُ مَا يَقُوْلُ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ	۳۳۶
آپ ﷺ رات کی نماز میں جو کچھ پڑھتے تھے اُس کا بیان	//
نمازِ تہجد کی دعا	//
تہجد کے وقت کی دُعا	۳۳۹
بیدار ہونے کے بعد کی دعا	۳۴۱
بیدار ہونے کے وقت کی دُعا	۳۴۳
رات کو سوتے وقت اور جاگتے وقت کا عمل	۳۴۴
نمازِ تہجد سے پہلے کی دُعا	۳۴۵
تہجد کے وقت کی ایک دُعا	۳۴۶
رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز	۳۴۷
بَابُ التَّحْرِيضِ عَلٰى قِيَامِ اللَّيْلِ	۳۴۸
رات کے قیام پر رغبت دلانے کا بیان	//
رات کی عبادت سے روکنے کیلئے شیطان کی چال	//
عبادت سے شکر کی ادائیگی	۳۴۹
فجر کی نماز کے لئے نہ اٹھنے والے کا حال	۳۵۰
رسول اللہ ﷺ کا ازواج 1 کو نماز کے لئے اٹھانا	۳۵۱
رات کے وقت اللہ عز وجل کی رحمت کا نزول	۳۵۲
رات میں قبولیتِ دُعا کی گھڑی	۳۵۵
داوٗد d کا صوم وقیام اللہ کو پسند تھا	//
آپ ﷺ کا رات کے آخری حصہ میں عبادت کرنا	۳۵۶
نمازِ تہجد کی فضیلت	۳۵۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ
تہجد پڑھنے والوں کے لئے خوشخبری	۳۶۰
خاوند اور بیوی کا ایک دوسرے کو عبادت کے لئے جگانا	۳۶۱
دُعا قبول ہونے کا وقت	//
جنت کے بالا خانے	۳۶۲
تہجد کی نماز شروع کرنے کے بعد چھوڑنے کی ممانعت	۳۶۳
حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت	۳۶۴
فرض نماز کے بعد صلوٰۃ اللیل کا درجہ ہے	۳۶۵
تہجد کی نماز برائی سے روکتی ہے	//
سب گھر والے تہجد پڑھیں	۳۶۶
بلند مرتبہ لوگ	۳۶۷
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صلوٰۃ اللیل	۳۶۸
بَابُ الْقَصدِ فِي الْعَمَلِ	۳۶۹
اعمال میں میانہ روی اختیار کرنے کا بیان	
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال میں بھی اعتدال تھا	//
اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل	۳۷۰
عبادت ہمیشہ اپنی طاقت کے مطابق کرنی چاہئے	۳۷۱
جب تک دِلجمعی ہو تب تک عبادت کرنی چاہئے	//
سخت نیند کی حالت میں نماز نہ پڑھنی چاہیے	۳۷۲
عبادت میں اپنے اوپر سختی کرنا	۳۷۳
رات کے وظائف کی قضا دن میں	۳۷۵
نماز ہر حالت میں پڑھی جائے	۳۷۶
بغیر عذر کے نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا	۳۷۷
باوضو ہو کر لیٹنے اور سونے کی فضیلت	۳۷۹
اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے	//
بعض عبادات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز	۳۸۲

عنوان	صفحہ
نماز راحت و آرام کا سبب ہے	۳۸۳
بَابُ الْوِتْرِ	۳۸۴
نماز وتر کا بیان	//
ایک رکعت وتر	۳۸۶
نماز وتر رات کے آخری حصہ میں پڑھنا	۳۸۸
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ اللیل کے مختلف طریقے	//
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا	۳۸۹
وتر کا مستحب وقت	۳۹۲
رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھنا	۳۹۳
صلوٰۃ وتر رات کے ہر حصہ میں پڑھی جاسکتی ہے	۳۹۴
صلوٰۃ ضحیٰ کی اہمیت	۳۹۵
آنحضرت کا عمل میں آسانی اختیار کرنا	//
رکعات صلوٰۃ تہجد	۳۹۷
صلوٰۃِ وتر کا پڑھنا واجب ہے	۳۹۸
صلوٰۃِ وتر کی فضیلت	۴۰۲
نمازِ وتر دنیا کے ہر چیز سے بہتر ہے	۴۰۳
قضاء وتر کا حکم	۴۰۵
صلوٰۃ وتر میں خاص سورتیں پڑھنا	۴۰۶
دُعاء وتر	۴۰۸
صلوٰۃِ وتر کے بعد کی تسبیح	۴۱۲
صلوٰۃ وتر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بھی پڑھتے تھے	۴۱۳
حضرت معاویہ h کا ایک رکعت وتر پڑھنا	۴۱۶
وتر نہ پڑھنے والے کے بارے میں وعید نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	۴۱۷
فرض کی طرح وتر کی بھی قضا واجب ہے	۴۱۸
صحابہ رضی اللہ عنہم کا مسائل کے جواب میں محتاط انداز	//

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ
ایک رکعت میں ایک سورت سے زائد بھی پڑھی جاسکتی ہیں	۴۱۹
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک واقعہ	۴۲۰
نبی کریم ﷺ کا بیٹھ کر نماز شروع کرنا پھر کھڑے ہو جانا	۴۲۱
وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھنا مسنون ہے	۴۲۲
وتروں کے بعد کی دو رکعات کا ایک اور طریقہ	//
وتر کے بعد کی دو رکعات کا تہجد کے قائم مقام ہونا	۴۲۳
وتروں کے بعد دو رکعات میں حضور ﷺ کی قراءت ..	//
بَابُ الْقُنُوْت	۴۲۴
قنوت کا بیان	//
رحمت دو عالم ﷺ کی شفقت	۴۲۵
قنوتِ نازلہ رکوع کے بعد پڑھی جائے	۴۲۷
حضور ﷺ کا ایک ماہ تک قنوتِ نازلہ پڑھنا	۴۲۹
حضور ﷺ نے قنوتِ نازلہ کتنا عرصہ پڑھی	۴۳۰
حضرات خلفائے راشدین [بھی وتر کے علاوہ قنوت نہیں پڑھتے تھے	۴۳۲
وتر میں قنوت پڑھنے کا مسئلہ	۴۳۵
بَابُ قِیَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ	۴۳۶
ماہ رمضان میں قیام کا بیان	//
آنحضرت ﷺ نے بھی تراویح کی نماز پڑھائی ہے ...	۴۳۸
آنحضرتؐ بھی قیام رمضان کیلئے ترغیب دیتے تھے ...	۴۴۱
نوافل نماز گھر میں پڑھنے کے اثرات	۴۴۲
حضور ﷺ کا آخری عشرہ کے بعض راتوں میں تراویح پڑھانا	//
شعبان کی پندرہویں رات کی فضیلت	۴۴۵
گھر میں نفل پڑھنے کی فضیلت مسجد نبوی پر	۴۴۸
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح کے لئے لوگوں کو ایک امام کے پیچھے جمع کرنا	//
تراویح کی تعداد رکعات	۴۵۱
تراویح میں لمبی قراءت	۴۵۲
تراویح دیر سے پڑھنا بھی جائز ہے	۴۵۴
اللہ کی رحمت کے بغیر کوئی بھی جنت میں نہیں جاسکتا	۴۵۵
بعض بد بخت اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ سے بھی محروم ہوتے ہیں	۴۵۷
پندرہویں شعبان کے روزے اور رات کی عبادت کی فضیلت	۴۵۸
بَابُ صَلٰوةِ الضُّحٰی	۴۶۰
نماز ضحی کا بیان	//
آنحضرت ﷺ کی چاشت کی نماز	۴۶۲
حضورؐ زیادہ تر چاشت میں چار رکعات پڑھتے تھے	//
صلوٰۃ ضحیٰ جسم کے تمام جوڑوں کا صدقہ ہے	۴۶۳
صلوٰۃ ضحیٰ یعنی چاشت کا بہترین وقت	۴۶۵
صلوٰۃ ضحیٰ پڑھنے پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ	۴۶۶
صلوٰۃ ضحیٰ جسم کے ہر جوڑ کا صدقہ ہے	۴۶۷
صلوٰۃ ضحیٰ پڑھنے پر جنت میں محل ملتا ہے	۴۶۹
نمازِ اشراق کی فضیلت	//
امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معمول	۴۷۱
آنحضرت ﷺ کی اُمت پر شفقت	۴۷۲
بَابُ التَّطَوُّعِ	۴۷۴
(نفل نماز کا بیان)	//

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ
تحیۃ الوضو کی وجہ سے حضرت بلالؓ کا منفرد اعزاز	۴۷۵
صلوٰۃ استخارہ کا طریقہ اور دُعا	//
برائی کے بعد فوراً توبہ کرنی چاہیے	۴۸۰
مصیبت کے وقت سرکار دو عالم ﷺ کا عمل	۴۸۳
ہر وقت باوضو رہنے اور تحیۃ الوضو پڑھنے کی فضیلت	۴۸۴
صلوٰۃ حاجت کا طریقہ اور دعا	۴۸۵
بَابُ صَلٰوۃِ التَّسْبِیْحِ	۴۸۸
نمازِ تسبیح کا بیان	//
صلوٰۃ تسبیح گناہوں کا کفارہ ہے	۴۸۹
نوافل کا ذخیرہ بھی ہونا چاہیے	۴۹۵
نمازِ نفل اور تلاوت کی برکات	۴۹۶
بَابُ صَلٰوۃِ السَّفَرِ	۴۹۸
سفر کی نماز کا بیان	//
مسائل متفرقہ	۴۹۹
سفر شروع کرتے ہی نماز قصر شروع ہو جاتی ہے	۵۰۰
قصر نماز سفر کی وجہ سے ہے لہٰذا حالت امن میں بھی پڑھی جائے	۵۰۱
سفر میں قصر کرنا واجب ہے	۵۰۲
گھر واپسی تک مسافر قصر پڑھے	۵۰۳
بلا ارادہ پندرہ دن سے زائد بھی رہنے سے مقیم نہیں بنتا۔	۵۰۵
حالت سفر میں نوافل نہ پڑھنے پر بھی مواخذہ نہیں	۵۰۶
مسافر جمع صوری کر سکتا ہے	۵۰۷
نفل نماز سواری پر بھی پڑھی جا سکتی ہے	//
مسافر امامت کروا سکتا ہے	۵۱۰
قصر صرف چار رکعت والی نماز میں ہوگی	//

عنوان	صفحہ
غزوۂ تبوک کے سفر کا واقعہ	۵۱۱
سفر میں سواری پر نفل پڑھتے ہوئے بوقت تحریمہ قبلہ رو ہونا ضروری ہے	۵۱۲
اگر اشارے سے نماز پڑھ رہا ہو تو سجدے کا اشارہ رکوع سے پست ہونا ضروری ہے	//
مسافر امام کے ساتھ چار رکعتیں پڑھے اور اکیلا دو ہی رکعتیں پڑھے	۵۱۳
ابتداءً سفر وحضر کی نماز برابر تھی	۵۱۴
صلوٰۃ سفر کو اللہ نے فرض ہی قصر یعنی دو رکعتیں کیا ہے۔	۵۱۶
سفر میں دو رکعتیں پڑھنا عظمت ہے	//
مسافت قصر کی مقدار	۵۱۷
سفر میں سنت پڑھنے کا بیان	۵۱۸
بَابُ الْجُمُعَۃِ	۵۲۰
جمعہ کا بیان	//
امت محمدیہ کا منفرد اعزاز	۵۲۲
تمام دنوں میں بہترین جمعہ کا دن ہے	۵۲۷
جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی	۵۲۹
جمعہ میں فضیلت والی ساعت کا تعین	۵۳۰
قبولیت والی ساعت ہر جمعے میں ہوتی ہے	۵۳۳
جمعہ کے دن درود زیادہ سے زیادہ پڑھنا چاہیے کیونکہ مقبول عبادت ہے	۵۳۹
جمعہ کی فضیلت	۵۴۲
جمعہ سیّد الایام ہے	۵۴۴
جمعہ کے دن کی خصوصیات	۵۴۷
جمعہ کے دن درود پڑھنے کے فضائل	۵۴۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ
جمعہ کو مرنے والا فتنہ قبر سے محفوظ رہتا ہے	۵۵۰
جمعہ وعرفہ مسلمانوں کی عیدین ہیں	۵۵۱
بَابُ وُجُوبِهَا	۵۵۴
جمعہ کے واجب ہونے کا بیان	//
ترکِ جمعہ پر مہرِ جباریت کا لگنا	//
نمازِ جمعہ کا کفارہ	۵۵۷
اذانِ جمعہ سن کر جمعہ کی تیاری واجب ہو جاتی ہے	۵۵۸
نمازِ جمعہ کیلئے جماعت شرط ہے	۵۵۹
تارکِ جمعہ کیلئے وعید شدید	۵۶۱
بلا عذر نمازِ جمعہ چھوڑنے والا عملی منافق بن جاتا ہے	۵۶۳
بلا عذر جمعہ کی نماز کو چھوڑنے والا اللہ تعالیٰ کی توجہ اور رحمت خاصہ سے محروم ہے	//
بَابُ التَّنْظِيفِ وَالتَّبْكِيرِ	۵۶۵
جمعہ کے دن پاکی حاصل کرنے اور جمعہ کیلئے جلدی جانے کا بیان	//
نمازِ جمعہ پورے ہفتہ کے صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہے ...	//
نمازِ جمعہ پڑھنے اور خطبہ سننے کی فضیلت	۵۶۸
خطبہ کے وقت کسی چیز سے کھیلنا بھی لغو ہے	۵۶۹
جمعہ کیلئے پہلے آنا اونٹ صدقہ کرنے کے برابر ہے	۵۷۱
خطبہ سننا واجب ہے کسی کو چپ کرانا بھی لغو ہے	۵۷۳
مسجد میں کسی کو اُٹھا کر خود بیٹھنا جائز نہیں	۵۷۶
جمعہ کے دن عمدہ لباس پہننا اور خوشبو لگانا سنت ہے	۵۷۸
جمعہ کیلئے مخصوص لباس بنانا مستحب ہے	۵۸۱
بوقتِ جمعہ امام سے دور بیٹھنا جنت سے دوری کا سبب ہے	۵۸۳
جمعہ کے روز گردنوں کو پھلانگنے کا بدلہ	۵۸۴
دعا بھی بے موقع فائدہ مند نہیں	۵۸۷
علم پر عمل نہ کرنے والے کی مثال	۵۸۹
جمعہ کے دن مسواک ضرور کرنی چاہئے	۵۹۰
بیوی سے خوشبو لے کر لگانا جائز ہے	۵۹۲
بَابُ الْخُطْبَةِ وَالصَّلٰوةِ	۵۹۴
خطبہ اور جمعہ کی نماز کا بیان	//
نمازِ جمعہ کا وقت	//
سونے اور کھانے میں مشغول نہ ہو بلکہ جمعہ کی تیاری کرے	۵۹۵
گرمیوں میں ظہر و جمعہ دیر سے پڑھنا سنت ہے	۵۹۶
جمعہ کی پہلی اذان کی ابتداء	۵۹۷
دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے	۶۰۰
خطبہ مختصر مگر جامع ہونا چاہئے	۶۰۱
خطبہ میں آواز بقدرِ ضرورت بلند ہونی چاہئے	۶۰۳
خطبہ میں آیات قرآنی پڑھنا سنت ہے	۶۰۵
صحابیہ کا ایمانی جذبہ	۶۰۶
عمامہ باندھ کر خطبہ پڑھنا سنت ہے	۶۰۷
بوقت خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم	۶۰۹
دونوں خطبوں کے درمیان کلام جائز نہیں	۶۱۲
خطبہ کے وقت لوگ کس جہت مُنہ کر کے بیٹھیں	۶۱۳
خلافِ سنت کام دیکھ کر غصہ آنا غیرت ایمانی ہے	۶۱۵
خطبہ کے وقت اُنگلی سے اشارہ کرنا جائز ہے	۶۱۷
خطبہ شروع کرنے سے پہلے منبر پر کھڑے ہو کر خطیب کسی کو بلا سکتا ہے	۶۱۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ
جس شخص کی نماز جمعہ فوت ہو جائے تو ظہر پڑھ لے ...	۶۱۹
بَابُ صَلٰوةِ الْخَوْفِ	۶۲۱
نمازِ خوف کا بیان	//
صلٰوۃ خوف کا طریقہ	۶۲۲
غزوہ ذات الرقاع کا ایک واقعہ	۶۲۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ پر اعتماد	۶۲۸
صلٰوۃِ خوف کا ایک اور طریقہ	۶۳۱
صلٰوۃِ خوف کا ایک اور طریقہ	۶۳۴
بَابُ صَلٰوةِ الْعِيْدَيْنِ	۶۳۵
عیدین کی نماز	//
نمازِ عیدین عید گاہ میں پڑھنا مسنون ہے	۶۳۶
عیدین کی نماز کیلئے اذان و اقامت مسنون نہیں	۶۳۸
عیدین کا خطبہ نماز کے بعد پڑھنا چاہئے	۶۳۹
عیدین کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں کو رقت آمیز وعظ	۶۴۰
عید گاہ میں نمازِ نفل پڑھنا ناجائز ہے	۶۴۱
عورتیں اگر عید گاہ میں جائیں تو انتہائی پردے کے ساتھ	۶۴۳
عید الفطر کے دن عید سے قبل میٹھی چیز کھانا سنت ہے...	۶۴۶
عید گاہ کی طرف ایک راستے سے جانا دوسرے سے واپس آنا سنت ہے	۶۴۷
شہر میں عید کی نماز سے قبل قربانی جائز نہیں	۶۴۸
قربانی کا وقت	۶۴۹
گائے، بکری کا ذبح کرنا اور اُونٹ کا نحر مستحب ہے.....	۶۵۰
اسلامی تہوار	//
عید الفطر میں عید کی نماز سے پہلے کچھ کھانا مسنون ہے	۶۵۲
تکبیراتِ زوائد چھ ہیں	۶۵۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بوقت خطبہ کمان پر سہارا لینا	//
بوقتِ خطبہ لاٹھی کا سہارا لینا مسنون ہے	۶۵۶
بوقتِ خطبہ کسی انسان کا سہارا لینا بھی جائز ہے	//
عید گاہ کی طرف جانے اور واپس آنے کا مسنون طریقہ	۶۵۷
بوقتِ عذر مسجد میں بھی نمازِ عیدین پڑھی جا سکتی ہے.....	۶۵۸
عید الفطر کی نماز دو شوال کو پڑھی جا سکتی ہے........	۶۶۰
عید گاہ سے باہر عید کیلئے نداء درست ہے	۶۶۱
بَابٌ فِي الْاُضْحِيَةِ	۶۶۵
قربانی کا بیان	//
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی	۶۶۶
قربانی کے جانور کی عمر کیا ہو؟	۶۷۱
اونٹ میں نحر اور باقی جانوروں میں ذبح افضل ہے.....	۶۷۴
اونٹ اور گائے میں سات آدمی قربانی میں شریک ہو سکتے ہیں	//
قربانی کرنے والے کے لئے مستحب امور	۶۷۵
عشرہ ذوالحجہ کے اعمال کی فضیلت	۶۷۸
خصی جانور کی قربانی جائز ہے........	۶۷۹
فوت شدہ کی طرف سے قربانی درست ہے........	۶۸۳
عیب دار جانور کی قربانی درست نہیں	۶۸۴
ٹوٹے سینگ والے جانور کی قربانی کا مسئلہ	۶۸۵
موٹے تازے جانور کی قربانی کرنی چاہئے	۶۸۷
بھیڑ کے چھ ماہ کے بچے کی قربانی جائز ہے	//

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ
قربانی کے حصے	۶۸۸
دس ذوالحجہ کو سب سے پسندیدہ عمل قربانی ہے	۶۸۹
عشرہ ذوالحجہ کی عبادت کی فضیلت	۶۹۱
قربانی کا وقت عید کی نماز کے بعد ہے	۶۹۲
قربانی کے تین دن ہیں	//
قربانی کے وجوب کی دلیل	۶۹۵
قربانی کی ابتداء	//
بَابُ الْعَتِيْرَةِ	۶۹۶
عتیرہ کا بیان	//
فرع اور عتیرہ کی اسلام میں کوئی حقیقت نہیں	//
عتیرہ منسوخ ہے	۶۹۸
بَابُ صَلٰوةِ الْخُسُوْفِ	۷۰۲
صلوٰۃ خسوف کا بیان	//
آنحضرت ﷺ نے صلوٰۃ کسوف طویل پڑھی	۷۰۳
نمازِ خسوف کا بیان	۷۰۶
آنحضرت ﷺ کا سورج گرہن کے موقع پر لوگوں کے اعتقاد فاسد کی نفی کرنا	//
خسوفِ شمس کی صورت میں دعا تسبیح اور نماز میں مشغول ہو جانا چاہئے	۷۱۱
سورج گرہن کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پریشانی کا طاری ہونا	۷۱۳
صلوٰۃ کسوف کے بارے میں ایک روایت	۷۱۵
سورج گرہن کے وقت آنحضرت ﷺ کی طویل دعا ...	۷۱۷
سورج گرہن کے وقت صدقہ	۷۲۲
صلوٰۃ کسوف میں قرآن آہستہ آواز میں پڑھنا مسنون	

عنوان	صفحہ
ہے	//
کسی حادثہ کے وقت سجدہ کرنا	۷۲۴
بَابٌ فِي سُجُوْدِ الشُّكْرِ	۷۲۸
یہ باب سجدۂ شکر کے بیان میں ہے	//
وهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الْاَوَّلِ وَالثَّالِثِ	۷۲۹
اِس باب میں پہلی اور تیسری فصل نہیں ہے	//
خوشی کے وقت آپ ﷺ کا عمل	۷۳۰
کسی مبتلاء مصیبت کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنی چاہئے اور پناہ مانگنی چاہئے	۷۳۱
اُمت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا	۷۳۳
بَابُ صَلٰوةِ الْاِسْتِسْقَاءِ	۷۳۷
نمازِ استسقاء کا بیان	//
آنحضرت ﷺ کا طلب بارش کے لئے نماز پڑھنا	۷۳۸
صلوٰۃ استسقاء میں ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنا مستحب ہے	۷۴۰
استسقاء میں ہاتھ اُٹھانے کا ایک طریقہ	۷۴۱
بارش کے وقت نفع بخش بارش کی دعا مانگنا مسنون ہے .	۷۴۲
بارش کا پانی متبرک وصاف شفاف ہے	//
استسقاء میں تحویلِ رداء کا ذکر	۷۴۳
سیاہ چادر بھی پہننا مسنون ہے	۷۴۴
استسقاء کیلئے ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا مسنون ہے	۷۴۵
دُعا کے اندر خشوع وخضوع اور عاجزی کا ہونا ضروری ہے	۷۴۶
بارش کیلئے خاص دعاء	۷۴۷
طلبِ بارش کی ایک اور دُعا	۷۴۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صلوۃ استسقاء کیلئے مناسب وقت اور موقع کا انتظار فرمانا	۷۴۹
کسی بزرگ کے وسیلہ سے دعا مانگنا	۷۵۴
ساری مخلوق اللہ تعالیٰ سے استسقاء کی دعا کرتی ہے	۷۵۵
بَابٌ (فِي الرِّيَاحِ وَالْمَطَرِ)	۷۵٦
ہوا مدد کا ذریعہ بھی ہے اور عذاب کا ذریعہ بھی	//
بادل اور ہوا دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متفکر ہونا	۷۵۷
آندھی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص دعا	۷۵۸
پانچ چیزوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے	۷٦۰
خشک سالی سے ہی قحط نہیں پڑتا	۷٦۱
ہوا اللہ کی رحمت ہے	۷٦۲
ہوا پر لعنت نہیں کرنی چاہئے	//
ہوا کے چلنے کے وقت دعا مانگنی چاہئے	۷٦۳
ریح اور ریاح میں فرق	۷٦۴
بارش کے وقت کی دُعا	۷٦۵
گرج اور بجلی گرنے کے وقت کی دُعا	۷٦٦
گرج کی آواز سن کر تسبیحات میں مشغول ہو جانا چاہئے	۷٦۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الموضوع

الموضوع	صفحہ
بَابُ الصَّلاۃِ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ وفضلِہا:	۲۱
حضور نبی مکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے اور اس کی فضیلت کا بیان:	//
الفصل الاول:	۲۲
الفصل الثانی:	۳۰
الفصل الثالث:	۴۱
بَابُ الدُّعَاءِ فِی التَّشَہُّدِ:	۴۷
تشہد میں دُعا پڑھنے کا بیان:	//
الفصل الاول:	//
الفصل الثانی:	۵۷
الفصل الثالث:	۶۱
بَابُ الذِّکرِ بَعدَ الصَّلوٰۃِ:	۶۴
نماز کے بعد ذکر کا بیان:	//
الفصل الاول:	//
الفصل الثانی:	۷۵
الفصل الثالث:	۷۸
بَابُ مَالَا یَجُوزُ مِنَ العَمَلِ فِی الصَّلوٰۃِ وَمَایُبَاحُ مِنہُ:	۸۶
نماز میں جائز اور ناجائز چیزوں کا بیان:	//
الفصل الاول:	//
الفصل الثانی:	۱۰۲
الفصل الثالث:	۱۱۹
بَابُ السَّہوِ:	۱۲۳
سجدۂ سہو کا بیان:	//
الفصل الاول:	//
الفصل الثانی:	۱۳۸
الفصل الثالث:	۱۴۰
بَابُ سُجُودِ القُرآنِ:	۱۴۱
قرآن کریم کے سجدوں کا بیان:	//
الفصل الاول:	//
الفصل الثانی:	۱۴۸
الفصل الثالث:	۱۵۸
بَابُ اَوقَاتِ النَّہیِ:	۱۶۱
یہ باب اوقاتِ مکروہہ کے بیان میں ہے:	//
الفصل الاول:	//
الفصل الثانی:	۱۷۱
الفصل الثالث:	۱۷۶
بَابُ الجَمَاعَۃِ وَفَضلِہَا:	۱۷۹
جماعت اور اس کی فضیلت کا بیان:	//
الفصل الاول:	//
الفصل الثانی:	۱۹۲
الفصل الثالث:	۱۹۹
بَابُ تَسوِیَۃِ الصَّفِّ:	//
صفوں کے برابر کرنے کا بیان:	//
الفصل الاول:	۲۱۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الموضوع	صفحہ
الفصل الثانی :	۲۱۸
الفصل الثالث :	۲۲۲
بَابُ الْمَوْقِفِ :	۲۲۶
امام ومقتدی کے کھڑے ہونے کی جگہ	//
الفصل الاول	//
الفصل الثانی :	۲۳۱
الفصل الثالث :	۲۳۵
بَابُ الْإِمَامَةِ :	۲۳۸
امامت کا بیان:	//
الفصل الاول :	//
الفصل الثانی :	۲۴۲
الفصل الثالث :	۲۵۰
بَابُ مَاعَلَى الْإِمَامِ :	۲۵۴
وہ چیزیں جو امام پر لازم وضروری ہیں:	//
الفصل الاول :	//
الفصل الثانی :	//
الفصل الثالث :	۲۵۹
بَابُ مَاعَلَى الْمَامُومِ مِنَ الْمُتَابَعَةِ وَحُكْمِ الْمَسْبُوقِ:	۲۶۱
مقتدی کے لئے امام کی متابعت کے لزوم اور مسبوق کے حکم کا بیان:	//
الفصل الاول :	//
الفصل الثانی :	۲۶۹
الفصل الثالث :	۲۷۳
بَابُ مَنْ صَلَّى الصَّلٰوةَ مَرَّتَيْنِ:	۲۷۸
دومرتبہ نماز پڑھنے والے کا بیان:	//

الموضوع	صفحہ
الفصل الاول :	//
الفصل الثانی :	۲۷۹
الفصل الثالث :	۲۸۱
بَابُ السُّنَنِ وَفَضَائِلِهَا :	۲۸۷
سنتوں اور اُس کی فضیلتوں کا بیان:	//
الفصل الاول :	//
الفصل الثانی :	۲۹۵
الفصل الثالث :	۳۰۰
بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ:	۳۳۶
آپ ﷺ رات کی نماز میں جو کچھ پڑھتے تھے اُس کا بیان:	//
الفصل الاول :	//
الفصل الثانی :	۳۴۳
الفصل الثالث :	۳۴۶
بَابُ التَّحْرِيضِ عَلَى قِيَامِ اللَّيْلِ :	۳۴۸
رات کے قیام پر رغبت دلانے کا بیان:	//
الفصل الاول :	//
الفصل الثانی :	۳۵۸
الفصل الثالث :	۳۶۳
بَابُ الْقَصْدِ فِي الْعَمَلِ :	۳۶۹
اعمال میں میانہ روی اختیار کرنے کا بیان:	//
الفصل الاول :	//
الفصل الثانی :	۳۷۹
الفصل الثالث :	۳۸۲
بَابُ الْوِتْرِ :	۳۸۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ
نماز وتر کا بیان:	//
الفصل الاول:	۳۸۶
الفصل الثانی:	۳۹۵
الفصل الثالث:	۴۱۶
بَابُ الْقُنُوت:	۴۲۴
قنوت کا بیان:	//
الفصل الاول:	۴۲۵
الفصل الثانی:	۴۲۹
الفصل الثالث:	۴۳۵
بَابُ قِیَامِ شَہْرِ رَمَضَان:	۴۳۶
ماہ رمضان میں قیام کا بیان:	//
الفصل الاول:	۴۳۸
الفصل الثانی:	۴۴۲
الفصل الثالث:	۴۴۸
بَابُ صَلٰوۃِ الضُّحٰی:	۴۶۰
نماز ضحی کا بیان:	//
الفصل الاول:	۴۶۲
الفصل الثانی:	۴۶۶
الفصل الثالث:	۴۷۰
بَابُ التَّطَوُّع:	۴۷۴
(نفل نماز کا بیان):	//
الفصل الاول:	//
الفصل الثانی:	۴۸۰
الفصل الثالث:	//
بَابُ صَلٰوۃِ التَّسْبِیْح:	۴۸۸
نماز تسبیح کا بیان:	//
الفصل الاول:	۴۸۹
الفصل الثانی:	//
الفصل الثالث:	//
بَابُ صَلٰوۃِ السَّفَرِ:	۴۹۸
سفر کی نماز کا بیان:	//
الفصل الاول:	۵۰۰
الفصل الثانی:	//
الفصل الثالث:	۵۱۳
بَابُ الْجُمُعَۃِ:	۵۲۰
جمعہ کا بیان:	//
الفصل الاول:	۵۲۲
الفصل الثانی:	۵۳۳
الفصل الثالث:	۵۴۴
بَابُ وُجُوْبِہَا:	۵۵۴
جمعہ کے واجب ہونے کا بیان:	//
الفصل الاول:	//
الفصل الثانی:	۵۵۵
الفصل الثالث:	۵۶۱
بَابُ التَّنْظِیْفِ وَالتَّبْکِیْرِ:	۵۶۵
جمعہ کے دن پاکی حاصل کرنے اور جمعہ کیلئے جلدی جانے کا بیان:	//
الفصل الاول:	//
الفصل الثانی:	//
الفصل الثالث:	۵۸۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ
بَابُ الْخُطْبَةِ وَالصَّلٰوةِ :	۵۹۴
خطبہ اور جمعہ کی نماز کا بیان:	//
الفصل الاول:	//
الفصل الثانی:	۶۱۲
الفصل الثالث:	۶۱۴
بَابُ صَلٰوةِ الْخَوْفِ :	۶۲۱
نمازِ خوف کا بیان:	//
الفصل الاول:	۶۲۲
الفصل الثانی:	۶۳۳
الفصل الثالث:	۶۳۴
بَابُ صَلٰوةِ الْعِيْدَيْنِ :	۶۳۵
عیدین کی نماز:	//
الفصل الاول:	۶۳۶
الفصل الثانی:	۶۵۰
الفصل الثالث:	۶۶۱
بَابٌ فِي الْاُضْحِيَةِ:	۶۶۵
قربانی کا بیان:	//
الفصل الاول:	۶۶۶
الفصل الثانی:	۶۷۹
الفصل الثالث:	۶۹۲
بَابُ الْعَتِيْرَةِ :	۶۹۶
عتیرہ کا بیان:	//
الفصل الاول:	//
الفصل الثانی:	۶۹۸
الفصل الثالث:	۷۰۰
بَابُ صَلٰوةِ الْخُسُوْفِ :	۷۰۲
صلوٰۃ خسوف کا بیان:	۷۰۳
الفصل الاول:	//
الفصل الثانی:	۷۲۲
الفصل الثالث:	//
بَابٌ فِي سُجُوْدِ الشُّكْرِ :	۷۲۸
یہ باب سجدۂ شکر کے بیان میں ہے:	//
الفصل الاول: خال عن الفصل الاول والثالث	۷۲۹
اِس باب میں پہلی اور تیسری فصل نہیں ہے:	۷۳۰
الفصل الثانی:	//
بَابُ صَلٰوةِ الْاِسْتِسْقَاءِ :	۷۳۷
نمازِ استسقاء کا بیان:	//
الفصل الاول:	۷۳۸
الفصل الثانی:	۷۴۳
الفصل الثالث:	۷۴۹
بَابٌ (فِي الرِّيَاحِ وَالْمَطَرِ) :	۷۵۶
ہوا مدد کا ذریعہ بھی ہے اور عذاب کا ذریعہ بھی:	//
الفصل الاول:	//
الفصل الثانی:	۷۶۲
الفصل الثالث:	۷۶۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تابع

کِتَابُ الصَّلٰوۃِ

بَابُ الصَّلاۃِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَفَضْلِھَا

حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے اور اس کی فضیلت کا بیان

اِس مسئلہ میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ مندرجہ ذیل ارشادِ ربانی میں امر کا محمل کیا ہے؟

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴾ [الأحزاب : ٥٦]

''اے اہل ایمان! پیغمبر اسلام پر بکثرت درود وسلام بھیجا کرو۔''

آیا یہ امر وجوب کے لئے ہے یا استحباب کے لئے۔ پھر درود شریف کا پڑھنا فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ نیز یہ کہ ہر مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی آنے پر درود شریف کا تکرار کرنا ہوگا یا نہیں؟ ایک ہی مجلس میں ''تداخل'' ہوگا یا نہیں؟

سو اس سلسلے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ میں تو درود شریف کا پڑھنا فرض ہے جبکہ جمہور علمائے امت اسے سنت قرار دیتے ہیں۔ اس کی تفصیلی مباحث کے لئے تو حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''القول البدیع فی الصلوۃ علی الشفیع'' کی طرف رجوع کیجئے تاہم اتنی بات ذہن میں رہے کہ احناف کے نزدیک فتویٰ اس بات پر ہے کہ آیت مذکورہ میں امر وجوب کے لئے ہے اور ایک مجلس میں ایک ہی مرتبہ درود شریف پڑھ لینا بھی کافی ہے۔

فائدہ: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں فتویٰ نقل فرمایا ہے کہ جو یقیناً صحیح ہے تاہم وادیٔ عشق ومحبت میں قدم رکھنے والے جانتے ہیں کہ محبوب کا کثرت سے تذکرہ ہی دلِ عشاق کو حیاتِ نو عطا کرتا ہے اس لئے تقاضائے عشق یہ ہے کہ ہر مرتبہ درود وسلام کا نذرانہ پیش کرے اور اسے اپنے لئے سعادت سمجھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الفصل الاول:

قعدہ میں درود پڑھنے کا طریقہ

۹۱۹: وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِی لَیْلٰی قَالَ لَقِیَنِیْ کَعْبُ بْنُ عُجْرَۃَ فَقَالَ اَلَا اُھْدِیْ لَکَ ھَدِیَّۃً سَمِعْتُھَا مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ بَلٰی فَاھْدِھَا لِیْ فَقَالَ سَاَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ فَاِنَّ اللّٰہَ قَدْ عَلَّمَنَا کَیْفَ نُسَلِّمُ عَلَیْکَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ (متفق علیہ) اِلَّا اَنَّ مُسْلِمًا لَمْ یَذْکُرْ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ فِی الْمَوْضِعَیْنِ۔

أخرجہ البخاری فی صحیحہ ٦/٤٠٨ حدیث رقم ٣٣٧٠ ومسلم فی صحیحہ ١/٣٠٥ حدیث رقم (٦٦۔٤٠٦)۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت کعب بن عجرہؓ سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کیا میں تمہیں وہ چیز بطور ہدیہ پیش نہ کروں جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ وہ ہدیہ ضرور بتائیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اے اللہ کے رسول آپ پر اور آپ کے اہل بیت پر ہم درود کس طرح بھیجیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ تو بتا دیا ہے کہ ہم آپ پر سلام کیسے بھیجیں۔ (آپ یہ بتائیں کہ ہم صلوٰۃ کیسے بھیجیں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس طرح کہو: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ...... اے اللہ محمد ﷺ پر اوران کی آل پر رحمت نازل فرما۔ جس طرح کہ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی ہے بے شک تو بزرگ اور برتر ہے۔ اے اللہ محمد ﷺ پر اوران کی آل پر برکت نازل کر جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کی آل پر برکت نازل کی۔ بے شک تو بزرگ اور برتر ہے۔

تشریح: ''قولہ کیف الصلوۃ علیکم اھل البیت؟'' اس عبارت میں لفظ ''اھل البیت'' ترکیب نحوی کے اعتبار سے منصوب ہے۔ جس کی دو وجہیں ہوسکتی ہے۔

① یہ منصوب علی المدح والاختصاص ہے۔

② منادی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

تاہم اسے مجرور پڑھنا بھی جائز ہے۔ اس صورت میں یہ ''علیکم'' کی ضمیر مخاطب سے ''عطف بیان'' واقع ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تردید:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مجرور پڑھنے کی وجہ ضمیر مخاطب سے بدل ہونے کو قرار دیا ہے۔ جو کہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ اسم ظاہر، اسم ضمیر سے بدل صرف اسی صورت میں بن سکتا ہے۔ جبکہ وہ ضمیر غائب کی ہو۔ جیسے ''ضربتہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیدا'' اور یہاں ضمیر، مخاطب کی ہے، نہ کہ غائب کی۔ اور یہی لفظی فرق ہے عطف بیان اور بدل کے درمیان، جیسا کہ ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''کافیہ'' میں تحریر فرمایا ہے۔

''**قوله كيف نسلم عليك**'' صحابہ کرام علیہم الرضوان کے سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ نے ہمیں آپ پر درود وسلام پڑھنے کا حکم دیا ہے اور سلام کا طریقہ بھی بتایا ہے لیکن ''صلوٰۃ'' کا طریقہ ارشاد نہیں فرمایا۔ آپ ہمیں اس کا طریقہ بھی بتادیجئے تاکہ اس امر الٰہی کی تعمیل وتکمیل ہو سکے۔

بظاہر اس سوال کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح کلمات تسلیم آپ کی زبان مبارک سے اللہ نے ہمیں سکھائے ہیں۔ اسی طرح کلمات درود بھی آپ کی مقدس وبابرکت زبان کے ذریعے معلوم ہوجائیں تاکہ اس کا کامل اور مکمل ثواب حاصل ہو سکے۔ نیز اس میں اس حقیقت کا بھی اعتراف ہے کہ سرور کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم کی کماحقہ تعریف کرنا ہمارے امکان اور طاقت سے باہر ہے اور اس میں بھی ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کے محتاج ہیں۔ اس کی مثال مسلم شریف کی وہ روایت ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم، جناب باری میں عرض کرتے ہیں:

''**سبحانك لا احصى ثناء عليك، انت كما اثنيت على نفسك**''

بس اتنا ہی کہتا ہوں کہ آپ ویسے ہی ہیں جیسی آپ نے خود اپنی تعریف کی ہے۔

جبکہ ''مظہر'' اس سوال کا مقصد یہ قرار دیتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر صلوٰۃ وسلام کی تعلیم تو ''**يايها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما**'' کہہ کردے دی ہے۔ اب یہ بتائیے کہ آپ اہل بیت پر کیسے درود پڑھا جائے؟ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آیت مذکورہ سے صلوٰۃ وسلام کا حکم تو مستفاد ہوتا ہے۔ لیکن ان کی کیفیت معلوم نہیں ہوتی۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اسی کیفیت کے متعلق سوال کیا ہو جیسا کہ سوال کے الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

الفاظِ حدیث پر روایتاً بحث:

اس حدیث کے مطابق تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے کلماتِ درود کے متعلق سوال کیا تھا جبکہ بقول حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے صحیحین کی ایک اور روایت کے مطابق بھی کلماتِ درود کے متعلق ہی سوال کیا تھا۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث میں جس کی سند جید ہے مروی ہے کہ جب آیت صلوٰۃ وسلام نازل ہوئی تو ایک آدمی نبی کریم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کو سلام کرنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے۔ درود پڑھنے کا طریقہ بھی ارشاد فرمادیجئے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں مذکور درود شریف کے کلمات تلقین فرمائے۔

مسلم شریف ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ سوال اس طرح بھی منقول ہے کہ اللہ نے ہمیں آپ پر درود پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ یہ بتائیے! کہ ہم آپ پر درود کیسے پڑھیں؟ یہ سوال سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے اور اتنی دیر خاموش رہے کہ ہم تمنا کرنے لگے کاش! آپ سے یہ سوال پوچھا ہی نہ جاتا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف متوجہ ہوکر مذکورہ درود شریف تلقین فرمایا اور آخر میں فرمایا کہ سلام کا طریقہ وہی ہے جو تمہیں معلوم ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درود سے متعلق ایک نکتہ:

بعض عارفین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نبی ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم تو دیا لیکن اس کے الفاظ وطریقہ تعلیم نہیں فرمایا۔ اس لئے بندے اپنی کمزوری کا اظہار کرتے ہوئے بارگاہ اقدس میں عرض کرتے ہیں کہ پروردگار! تو خود ہی ہمارے آقا ومولیٰ جناب رسول اللہ ﷺ پر درود شریف بھیج دے کیونکہ ہم تو ان کی شان ومرتبت سے ناواقف ہیں اور تو بہتر طریقے سے جانتا ہے کہ ان کی شایان شان کیا طریقہ ہوسکتا ہے؟ اس لئے اپنے پسندیدہ طریقے کے مطابق ہماری طرف سے نبی ﷺ پر درود بھیج دے۔

نہایہ میں ''اللھم صل علی محمد'' کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے۔ کہ اے اللہ! دنیا میں نبی ﷺ کو ان کے نام کی بلندی وعظمت، غلبہ دعوت اور ابقاء شریعت کے ذریعے عظمتیں عطا فرما اور آخرت میں شفاعت عظمٰی اور دوگنے اجر وثواب کے ذریعے عظمتیں رحمت فرما۔

''قولہ وعلی آل محمد'' اس جملے میں یہ بات قابل غور ہے۔ کہ ''آل محمد ﷺ'' سے کیا مراد ہے؟ سو اس سلسلے میں علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

① اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جن پر زکوٰۃ حرام ہے۔ جیسے بنی ہاشم اور بنی مطلب وغیرہ۔

② اس کا مصداق ہر متقی شخص ہے جیسا کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

③ اسکا مصداق ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور وہ لوگ ہیں جن پر زکوٰۃ حرام ہے۔ اسی کے ضمن میں آپ کی اولاد بھی آجاتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء کے نزدیک اس کا مصداق بنو ہاشم ومطلب کے مسلمان افراد ہیں۔ بعض حضرات نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد اور نسل کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ بعض حضرات نے نبی ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور ذریت طیبہ دونوں کو اس کا مصداق قرار دیا ہے، بعض حضرات نے ہر مسلمان کو اس کا مصداق قرار دیا ہے جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا میلان بھی اسی رائے کی طرف ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا مختار مذہب بھی یہی ہے، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرح مسلم میں اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ تاہم قاضی نے اس میں متقی ہونے کی قید بھی بڑھائی ہے۔

اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو تمام نے اپنے فوائد میں اور دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آل سے کون لوگ مراد ہیں؟ تو فرمایا ''کل تقی من آل محمد ﷺ''

دیلمی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

﴿ اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ﴾ ''اس کے متولی صرف پرہیز گار ہیں'' [الانفال: ٣٤]

قولہ ''کما صلیت علی ابراھیم'': کلمات درود میں دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو چھوڑ کر خاص حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ اس لیے ہے کہ وہ حضور ﷺ کے جد اعلیٰ ہیں اور ہمیں دین کے اصول میں ان کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ یا توحید مطلق اور انقیاد میں ان کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قوله علی آل ابراهيم : یہاں مراد حضرت اسماعیل و اسحاق علیہما السلام اور ان کی اولاد ہے۔

مسئلہ تشبیہ:

درود ابراہیمی کے ان کلمات پر تشبیہ کے سلسلے میں ایک مشہور اعتراض وارد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ذمی و بلغاء کے یہاں مسلّم ضابطہ ہے کہ مشبہ بہ افضل ہوتا ہے مشبہ کی نسبت۔ یہاں مشبہ حضور ﷺ ہیں اور مشبہ بہ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور ﷺ کی نسبت زیادہ افضل ہوں حالانکہ پوری امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ تمام انبیاء کرام سے علی الاطلاق افضل ہیں؟

اس سوال کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

① حضور ﷺ نے درود ابراہیمی کے یہ کلمات اس وقت تلقین فرمائے تھے جب آپ کو افضلیتِ کلی کا علم نہ تھا۔

② تواضعاً تلقین فرمائے تھے۔

③ یہ تشبیہ اصل میں ہے، مقدار و مرتبہ میں نہیں (کہ جس قدر درود کا نزول نبی ﷺ پر ہو، اسی قدر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی ہو، یہ مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ دونوں پر درود کا نزول ہو، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں کی مقدار و مرتبہ بھی برابر ہو) جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں بھی یہی توجیہہ کی گئی ہے:

"يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ" [البقرة: ۱۸۳]

"اے اہل ایمان! تم پر اسی طرح روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے۔"

یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ جس مقدار میں پہلے لوگوں پر روزے فرض کئے گئے تھے تم پر بھی اسی مقدار میں فرض کئے گئے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ان پر روزے فرض ہوئے، تم پر بھی ہو گئے۔ اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ:

﴿ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ ﴾ [النساء: ۱۶۳]

"بے شک ہم نے آپ پر اسی طرح وحی بھیجی ہے جیسے حضرت نوح پر بھیجی تھی"۔

کا یہی مطلب ہے، نیز آیت قرآنی:

﴿ وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ﴾ [القصص: ۷۷]

"جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا ہے، تم بھی لوگوں پر احسان کرو"۔

میں بھی تشبیہ سے یہی مراد ہے۔

④ درود ابراہیمی میں کاف (کما صلیت) برائے تشبیہ نہیں ہے بلکہ برائے تعلیل ہے جیسا کہ قرآن کریم میں بھی کاف برائے تعلیل استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

⑤ تشبیہ کا تعلق محمد ﷺ سے نہیں بلکہ آل محمد ﷺ سے ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، آل محمد (ﷺ) سے یقیناً افضل ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⑥ یہاں مجموع کو مجموع سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ آل ابراہیم میں بکثرت انبیاء آئے ہیں۔ پھر خود نبی علیہ السلام بھی آل ابراہیم میں سے ہیں۔

⑦ یہاں تشبیہ فصاحت کے ایک مخصوص قانون کے مطابق دی گئی ہے جیسے "الحاق مالم يشتهر بما اشتهر" کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

⑧ سوال میں ذکر کیا گیا دعویٰ اور قانون ہی صحیح نہیں ہے کیونکہ مشبہ بہ ہمیشہ افضل نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات تشبیہ اپنے سے برابر اور کم تر چیز کے ساتھ بھی دی جاتی ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت میں ہے:

﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ﴾ [النور: ٣٥]

قوله "انك حميد مجيد": حمید بروزن فعیل، مفعول کے معنی میں ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اے اللہ! آپ اپنی ذات، صفات اور افعال میں اپنی مخلوق کی زبانی محمود ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فعیل بمعنی فاعل کے ہو، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اے اللہ! آپ اپنی ذات اور اپنے اولیاء کی خود ہی تعریف کرنے والے ہیں۔ اور حقیقت کو دیکھا جائے تو اصل حامد بھی وہی اور محمود بھی وہی۔ اسی طرح مجید کا معنی عظیم اور معزز ہے۔

قوله اللهم بارك على: اصل میں یہ لفظ "برك البعير" سے ماخوذ ہے۔ جو اس وقت بولا جاتا ہے جب اونٹ کو بٹھا دیا جائے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اے اللہ! آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عزتیں اور شان و شوکت عطاء فرما رکھی ہے، اسے دوام اور ثبات بھی عطاء فرما۔ تاہم "برکت" کا اطلاق "زائد" چیز پر بھی ہوتا ہے، یاد رہے کہ ان میں سے پہلا معنی ہی اصل ہے۔

فائدہ: مسلم شریف کی روایت میں مذکورہ الفاظ کے ساتھ "في العالمين" کا اضافہ بھی منقول ہے جس کا متعلق محذوف ہوگا اور اس پوری عبارت کا ترجمہ یہ ہوگا۔

"اے اللہ! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل و اولاد پر تمام کائنات میں درود و برکت کا ظہور فرما جیسے اپنے اہل زمانہ پر حضرت ابراہیمؑ و آل ابراہیمؑ پر ان دونوں چیزوں کا ظہور فرمایا تھا"۔

درود کے مختلف الفاظ

٩٢٠: وَعَنْ اَبِيْ حُمَيْدِ نِالسَّاعِدِيِّ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٦/٤٠٧ حديث رقم ٣٣٦٩ ومسلم في صحيحه ١/٣٠٦ حديث رقم (٦٩-٤٠٧)۔

ترجمہ: حضرت ابو حمید ساعدیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ پر صلوٰۃ کس طرح بھیجیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہو: اَللّٰهُمَّ صَلِّ ...... اے اللہ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پر اور آپ کی اولاد پر رحمت نازل فرما۔ جیسے تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر رحمت نازل فرمائی اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد ﷺ پر اور آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پر اور آپ کے اولاد پر برکت نازل کر جیسے تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر برکت نازل فرمائی۔ بے شک تو بزرگ اور برتر ہے۔

تشریح: ''قولوا اللّٰھم'' لغوی تحقیق کے مطابق ''اللّٰھم'' اصل میں ''یا اللہ'' تھا حرفِ نداء ''یا'' کے عوض آخر میں میم لے آئے، یہی وجہ ہے کہ حرف نداء اور میم دونوں کو جمع کر کے ''یا اللّٰھم'' کہنا انتہائی شاذ ہے (کیونکہ عوض اور معوض جمع نہیں ہوتے) اور بعض حضرات نے اس میم کو علامتِ جمع قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ جس طرح واؤ علامت جمع ہوتی ہے اسی طرح میم بھی ہے۔ اس صورت میں ''اللّٰھم'' کا ترجمہ ہوگا ''اے وہ ذات! جس میں سارے اسماء حسنٰی جمع ہو گئے۔ بعض حضرات نے میم کو دوسرے جملے کا جزو قرار دیتے ہوئے اصل عبارت یہ بیان کی ہے:

''یا اللّٰہ امنا بخیر'': ''اے اللہ! ہمیں خیر کے ساتھ امن عطا فرما''۔

جبکہ بعض حضرات نے میم کو زائد اور برائے تفخیم قرار دیا ہے۔

ان چاروں اقوال میں سے دوسرے قول کی تائید خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ ''اللّٰھم'' کا لفظ ''مجتمع الدعاء'' ہے اسی طرح نضر بن شمیل فرماتے ہیں کہ جس شخص نے ''اللّٰھم'' کہہ کر دعاء کی، گویا اس نے اللہ کو اس کے سارے ناموں سے پکارا۔ نیز ابو رجاء کا قول بھی اسی کا مؤید ہے کہ اس میم میں اللہ تعالیٰ کے تقریباً ننانوے اسماءِ مبارکہ موجود ہیں۔

''قولہ صلّ علی محمد'': حضور نبی مکرم، سرور دو عالم ﷺ کا یہ اسم مبارک آپ کے تمام اسماء مبارکہ میں ''علم'' کی حیثیت سے مشہور ہے جو آپ کے جد محترم خواجہ عبدالمطلب کو بذریعہ الہام تلقین کیا گیا تھا تاکہ سارے آسمان و زمین والے ان کی مدح سرائی میں رطب اللسان رہیں چنانچہ خواجہ عبدالمطلب کی یہ معصوم خواہش اس طرح پوری ہوئی کہ پوری دنیا نے اس کا مشاہدہ کیا، اسی لئے خواجہ عبدالمطلب'' جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں تحریر فرمایا ہے'' اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

وشق لہ من اسمہ لیجلہ ☆ فذو العرش محمود وھذا محمد

اللہ نے ان کا نام اپنے نام سے بنایا ہے تاکہ انہیں بزرگیاں عطاء فرمائے چنانچہ مالک عرش کا نام ''محمود'' ہے اور (میرا) یہ (پوتا) ''محمد'' ہے (ﷺ)۔

یاد رہے کہ یہ نام حضور ﷺ کے تمام ناموں میں سے زیادہ مشہور ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ نے آپ کی ذات اور صفات میں وہ محامد اور صفاتِ حمد جمع فرمادی ہیں جو کسی اور کو عطاء نہیں فرمائیں۔ چنانچہ میدان حشر میں آپ کے دست مبارک میں جو جھنڈا ہوگا، اس کا نام بھی ''لواء الحمد'' (تعریف کا جھنڈا) ہوگا۔ آپ کو جو مقام ملے گا، اس کا نام ''مقام محمود'' ہوگا۔ یعنی جہاں اولین و آخرین سب ہی آپ کی تعریف کریں گے۔ اسی طرح جب آپ ﷺ انسانیت کا حساب کتاب شروع کروانے کیلئے بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوں گے تو آپ کو عجیب وغریب 'کلمات حمد' الہام کئے جائیں گے جو آپ ﷺ سے پہلے کسی کی زبان سے ادا نہ ہوئے ہوں گے۔ نیز آپ ﷺ کی امت کا لقب ''حمادون'' ہوگا کہ وہ خوشی اور غمی ہر حال میں حمد و ثناء رب جلیل میں مشغول رہتے ہیں۔

آپ ﷺ کا دوسرا اسم گرامی ''احمد'' تو اس اعتبار سے اور بھی اہم ہے کہ پورے عرب میں اس سے پہلے یہ نام کسی نے رکھا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی نہ تھا۔ جبکہ اسم محمد ﷺ پر بعض لوگوں نے اپنے بچوں کے نام اس لالچ میں رکھے تھے کہ شاید انہیں آخری نبی ہونے کا اعزاز حاصل ہو جائے لیکن انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ رسالت ایک عظیم ترین منصب ہے جس کے عالی مقام حاملین اللہ کے علم میں پہلے سے طے شدہ ہوتے ہیں۔ ایسے افراد کی تعداد پندرہ تک بیان کی گئی ہے۔

فائدہ: کلمات درود کی روایات میں سے بعض میں "وارحم محمدا وآل محمد کما رحمت علی ابراهیم" کا اضافہ بھی منقول ہے اور بعض لوگ اسے پڑھتے بھی ہیں۔ جبکہ بعض روایات میں "ترحمت" کا لفظ بھی آیا ہے لیکن یہ اضافہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اہل عرب میں "رحمت علیہ" کا لفظ مروج و مستعمل ہی نہیں ہے یقیناً یہ بعد کی پیداوار ہے۔ اور "ترحم" میں تکلف اور تصنع کا معنی پایا جاتا ہے (کیونکہ یہ باب تفعل سے مصدر ہے) اور اللہ تعالیٰ پر تکلف کا اطلاق ناپسندیدہ ہے۔

بلکہ امام نووی رحمہ اللہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ یہ اضافہ بدعت ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں، ہمارے بعض ائمہ احناف سے بھی یہی منقول ہے اور ابن دحیہ نے تو ان الفاظ کو پڑھنا ناجائز ہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا تذکار مبارک کرنے والے کو درود شریف پڑھنا چاہیے۔ دعاءِ ترحم کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾ [النور: ٦٣]

"پیغمبر اسلام ﷺ کو آپس میں اس طرح مت پکارا کرو جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو"۔

تفصیل اس اجمال کی بعض علماء نے یہ بیان فرمائی ہے کہ رحمت کا تعلق اکثر ان افعال سے ہوتا ہے جو قابل ملامت ہوتے ہیں (چنانچہ کسی کو گناہ کرتے ہوئے دیکھ کر کہا جاتا ہے کہ اللہ اس کے حال پر رحم کرے) جبکہ ہمیں نبی ﷺ کی تعظیم کا حکم ہے اس لئے ان الفاظ سے احتراز ہی بہتر ہے۔

بعض متاخرین حفاظ حدیث نے کلمات درود سے متعلق تمام متفرق روایات کو جمع کر کے اس اضافہ کو صحیح قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ان کلمات ترحم کا استعمال مطلقاً افضل ہے لیکن متاخرین شوافع وحنابلہ نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ چونکہ یہ سارے کلمات کسی ایک حدیث میں وارد نہیں ہوئے اس لئے بدل بدل کر درود شریف پڑھنا زیادہ بہتر ہے اور میرے نزدیک بھی یہی رائے زیادہ صحیح اور قابل قبول ہے۔

"قوله وازواجه وذریته": لفظ ذریت کو ذال کے ضمہ کے ساتھ ضبط کیا گیا ہے تاہم حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے مطابق اسے ذال کے کسرہ کے ساتھ پڑھنا بھی صحیح ہے۔ اس صورت میں یہ "ذرء" بمعنی خلق سے ماخوذ ہوگا، یا یہ "ذر" بمعنی گردہ سے ماخوذ ہے یا یہ "ذر" بمعنی چھوٹی چیونٹی سے ماخوذ ہے۔ اس صورت میں وجہ تسمیہ یہ ہوگی کہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ عالم ارواح میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے چیونٹی کی شکل میں نکال کر پھیلایا تھا اس لئے اس پر "ذریت" کا لفظ بولا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ "ذریت" کا اطلاق انسان کی نسل پر ہوتا ہے خواہ مذکر ہو یا مؤنث، اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ ذریت کے عموم میں بیٹی کی اولاد داخل نہیں ہوتی۔ سوائے نبی ﷺ کی بنات طیبات کی اولاد کے۔ کہ نبی ﷺ کی طرف نسبت کی یہ خصوصیت ہے چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور دیگر بنات طیبات کی اولاد لفظ "ذریت"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا مصداق ہوگی۔ یہ الگ بات ہے کہ ان میں سے بعض کی نسل چلی اور بعض کی نسل منقطع ہوگئی۔

''قوله كما صليت على آل ابراهيم'': اس حدیث میں واردشدہ کلمات درود پر ایک مرتبہ پھر نظر ڈالیئے جو یہ ہیں:۔

''اللهم صلى على محمد وازواجه وذريته كما صليت على آل ابراهيم''

اس میں ''كما صليت على آل ابراهيم'' کے الفاظ قابل غور ہیں۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر آپ کو یہ اعتراض ہو کہ یہ کلمات درود گذشتہ کلمات کے موافق نہیں ہیں کہ اس میں حضرت ابراہیمؑ کا ذکر ہے؟ تو اس کا جواب قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ یہاں ''آل'' کا لفظ مقحم یعنی زائد ہے جیسے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی تعریف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔

''انه اعطى مزمارا من مزامير آل داؤد''

''اسے آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار عطاء کیا گیا ہے''۔

یہاں بھی ''آل'' کا لفظ زائد ہے کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی کوئی اولاد حسن صوت میں مشہور نہیں ہوئی۔ لیکن قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جواب محل نظر ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل تو مشہور ہے۔ اس لئے اس کی مثال میں یہ آیت قرآنی پیش کرنا زیادہ بہتر ہے۔

﴿ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ ﴾ [البقرة:۲۴۸]

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اصل میں یہاں گذشتہ حدیث میں کئے گئے سوال سے متعلق کی گئی توجیہات میں سے اس توجیہ کی تائید کی گئی ہے جس کے مطابق صحابہ کرامؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل بیت پر درود پڑھنے کا طریقہ پوچھا تھا اور ''كيف نصلى عليك'' کا معنیٰ ''كيف نصلى على اهلك'' ہے اس صورت میں ''آل محمد'' سے پہلے ذکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بطور تمہید کے ہوگا۔ کیونکہ انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نسبت سے عظمت و بزرگی حاصل ہوگی۔

لیکن اس توجیہہ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ پھر تو آل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود مقصود بالذات بن جائے گا۔ حالانکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ درود وسلام کا اصل مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کی آل اولاد آپ کے تابع ہے نہ کہ مقصود بالذات، اسی وجہ سے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ صحیح مسلک کے مطابق کسی بھی غیر نبی پر ابتداءً درود پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ اہل بدعت کا شعار ہے اور ہمیں اس سے منع کیا گیا ہے۔

شیخ ابومحمد الجوینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلام کا حکم بھی درود شریف کی طرح ہے یعنی انبیاء و ملائکہ کے علاوہ دوسرے افراد پر صرف تبعاً ہی جائز ہے، اصالۃً اور مقصود بنا کر جائز نہیں۔

درود پڑھنے کی فضیلت

۹۲۱: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا۔ (رواه مسلم)

أخرجه في صحيحه ۳۰۶/۱ حديث رقم (۷۰-۴۰۸)-وأبوداؤد في السنن ۱۸۴/۲ حديث رقم ۱۵۱٤-والترمذي ۳۵۵/۱ حديث رقم ٤۸۵-والنسائي ۵۰/۳ حديث رقم ۱۲۹٦-والدارمي ٤۰۸/۲ حديث رقم ۲۷۷۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرے گا۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنے پر دس رحمتوں کے جس نزول کا تذکرہ آیا ہے، وہ ''من جاء بالحسنة فله عشر امثالها'' والے قاعدے کے مطابق کم از کم ثواب ہے اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے جس صلوٰۃ کا تذکرہ اس حدیث میں بندۂ مومن سے متعلق آیا ہے اسے ظاہر پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے جیسے درود پڑھنے والے کے اعزاز میں فرشتوں کو سنایا جاتا ہو جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں آتا ہے کہ اگر بندہ مجھے کسی محفل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر محفل میں یاد کرتا ہوں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سماع ملائکہ کے ساتھ اسے مقید کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ اسی حدیث قدسی میں یہ بھی تو مراد ہے کہ اگر بندہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔

الفصل الثانی:

ایک مرتبہ درود پڑھنے کے تین فائدے

۹۲۲: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَاةً وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِيْئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ۔ (رواه النسائي)

أخرجه النسائي في السنن ۳/ ۵۰ حديث رقم ۱۲۹۷۔ وأحمد في المسند ۳/ ۱۰۲۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرے گا۔ اور اس کے دس گناہ بخش دے گا اور اس کے دس درجات بلند ہوں گے۔ (نسائی)

تشریح: ابن ملک فرماتے ہیں کہ ''صلوٰۃ اللّٰہ'' سے مراد رحمت اللہ ہے جو درود پڑھنے والے بندۂ مومن پر نازل ہوتی ہے اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ العبد سے مراد بندہ کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے عظمت و بزرگی کا طلب کرنا ہے اور صلوٰۃ اللہ کے دو معنی ہوں گے۔

① لفظ صلوٰۃ کا معنی ''بخشش'' ہوگا، اس صورت میں چونکہ پہلے بھی بخشش کا ذکر آ چکا ہے، اس لئے یہ مشاکلہ لفظی کے قبیل سے ہوگا۔

② لفظ صلوٰۃ ''تعظیم'' کے معنی میں ہو۔ اس صورت میں لفظاً و معنی دونوں طرح موافقت ہو جائے گی اور یہی وجہ مراد لینا زیادہ بہتر ہے تاکہ بخشش کا مفہوم مکرر نہ ہو جائے۔

نیز اس حدیث میں ''دس'' کا جو عدد آیا ہے، اس سے عدد مخصوص مراد نہیں بلکہ کثرت و زیادت مراد ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ درود پڑھنے والا قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کے قریب ہوگا

۹۲۳: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْلَی النَّاسِ بِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَیَّ صَلَاةً ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۱/ ۳۵٤ حدیث رقم ٤٨٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں میں سے میرے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر درود زیادہ پڑھتے ہیں۔

تشریح: حضور نبی مکرم، سرورِ دو عالم ﷺ پر کثرت سے درود شریف پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کے دل میں نبی ﷺ کی تعظیم بہت زیادہ ہے اور تعظیم مقتضی ہے نبی ﷺ کی پیروی کی، اور نبی ﷺ کی پیروی دلیل محبت ہے جس پر پروردگار عالم کی محبت مرتب ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ [آل عمران: ۳۱]

”اے حبیب ﷺ! آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت بھی فرمائے گا اور تمہارے گناہوں کو بھی معاف فرمائے گا“۔

اسی وجہ سے بکثرت درود شریف پڑھنے والے کو یوم قیامت نبی ﷺ کا قرب حاصل ہوگا۔ اس حدیث کے ضمن میں علامہ ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ اس صحیح حدیث کی روشنی میں معلوم ہوا کہ قیامت کے دن نبیؐ کے سب سے زیادہ قریب محدثین کرام ہوں گے کیونکہ اس امت میں ان سے زیادہ درود شریف پڑھنے والی کوئی جماعت اور گروہ نہیں ہے اور بعض حضرات نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ محدثین قولاً و فعلاً دونوں طرح نبی ﷺ پر درود شریف پڑھتے ہیں اس لئے انہیں یہ اعزاز حاصل ہوگا۔

فرشتے درود پہنچاتے ہیں

۹۲۴: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِی الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِیْ مِنْ اُمَّتِیَ السَّلَامَ ۔ (رواہ النسائی و الدارمی)

أخرجه النسائی فی السنن ۳/ ٤٣ حدیث رقم ١٢٨٢۔ والدارمی فی السنن ۲/ ٤٠٩ حدیث رقم ۲۷۷٤۔ وأحمد فی المسند ۱/ ٤٥٢۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے زمین پر سیاحت کرتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔ (نسائی، دارمی)

تشریح: امت مرحومہ میں سے جب بھی کوئی شخص نبی ﷺ پر درود و سلام کا تحفہ پیش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ فرشتے اسے نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں خواہ درود و سلام کے یہ کلمات تھوڑے ہوں یا زیادہ۔ لیکن یہ اسی صورت میں ہوتا ہے جبکہ درود و سلام پڑھنے والے جناب رسول اللہ ﷺ کے روضۂ مقدسہ و مطہرہ سے دور ہو اور اگر درود و سلام پیش کرنے والا روضۂ اقدس و اطہر کے قریب ~~ہوتو نبی~~ ﷺ سے خود براہ راست سماعت فرماتے ہیں اور یہی نہیں بلکہ اس کا جواب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی ارشاد فرماتے ہیں۔

اس حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ کی دائمی حیات کی طرف بھی بڑے لطیف انداز میں اشارہ کیا گیا ہے اور یہ کہ نبی ﷺ کو اس چیز سے خوشی ہوتی ہے کہ آپ کے امتی آپ ﷺ پر درودوسلام کا نذرانہ عقیدت پیش کریں۔ نیز یہ کہ ہر امتی کا درودوسلام قبول ہوجاتا ہے کیونکہ جب ملائکہ نے اسے قبول کر کے خدمت اقدس میں پیش کردیا تو اس کا مطلب یہی ہے کہ انہوں نے اسے قبول کرلیا ہے کیونکہ وہ مزاج شناس نبوت ہوتے ہیں۔

اس حدیث کو امام نسائی اور دارمی نے اپنی اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے جبکہ میرک فرماتے ہیں کہ ابن حبان اور حاکم نے بھی اس روایت کی تخریج فرمائی ہے لیکن ان دونوں کی روایت میں ''فی الارض'' کی قید نہیں ہے۔ اسی طرح شیخ جزری رحمہ اللہ کے کلام سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جبکہ حضرت مصنف علیہ الرحمہ کا اسلوب اسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایات میں شمار کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق اس روایت کو امام احمد، ابونعیم اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے اور ابن عساکر نے تو اسے متعدد اسناد سے روایت کیا ہے جن میں سے بعض اسانید درجۂ حسن تک پہنچی ہوئی ہیں۔ حافظ صاحب رحمہ اللہ کے بقول ہی اس سلسلے کی مندرجہ ذیل روایت بھی سند حسن سے مروی ہے تاہم اس میں ایک راوی مجہول ہے اور وہ روایت یہ ہے:

''حیثما کنتم فصلوا علی فان صلاتکم تبلغنی''

''تم جہاں کہیں بھی ہوا کرو، مجھ پر درود شریف پڑھا کرو کیونکہ اس صورت میں (جبکہ تم مجھ سے دور ہو) تمہارا درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے''۔

سلام کا جواب

۹۲۵: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّارَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ۔ (رواہ ابوداود والبیهقی فی الدعوات الکبیر)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۲/۵۳۴ حدیث رقم ۲۰۴۱۔ وأحمد فی المسند ۲/۵۲۷۔ فی المخطوطة "سحاب"۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی آدمی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ (ابوداؤد) امام بیہقیؒ نے اس کو دعوات کبیر میں بیان کیا ہے۔

تشریح: ''اس حدیث کی وضاحت میں قاضی عیاض رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ شاید اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی روحِ مقدسہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ رہتی ہے۔ جب کسی امتی کا سلام آپ ﷺ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح مبارکہ کو اس سلام کے جواب کی طرف متوجہ فرمادیتے ہیں۔ جیسا کہ دنیا میں بھی جناب رسول اللہ ﷺ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات میں کھوئے رہتے تھے اور جب کوئی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تو اسے بھی اللہ کی طرف سے ہونے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والے فیضان کا حصہ عطاء فرماتے۔

ابن ملک فرماتے ہیں کہ رد روح سے مراد یہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی روح مبارکہ جسدِ اطہر میں نہیں ہے۔ ردّ سلام کیلئے اسے لوٹایا جاتا ہے بلکہ یہاں اسے کنایۃ استعمال کیا گیا ہے اور اس سے مراد اللہ کی طرف سے اس بات کا اعلام والہام ہے کہ آپ کے فلاں امتی نے آپ پر درود وسلام کا نذرانہ پیش کیا ہے۔

فائدہ: اس مسئلے کی مکمل وضاحت کیلئے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے جو قابل دید ہے۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور امام بیہقی نے اپنی کتاب الدعوات الکبیر میں نقل کیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے بقول اس حدیث کی تخریج طبرانی اور ابن عساکر نے بھی کی ہے۔ اور یہ حدیث سند کے اعتبار سے حسن کے مرتبے میں ہے بلکہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی کتاب الاذکار میں اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

اسی سلسلے کی ایک دوسری روایت میں سلام اور جواب سلام کے اس حکم کو روضہ مقدسہ کے قریب ہونے کے ساتھ مقید کیا گیا ہے لیکن بعض حفاظ حدیث کا کہنا کہ یہ اضافہ ہماری معلومات کے مطابق کسی سند سے ثابت نہیں ہے۔

گھروں کو قبرستان نہ بناؤ

۹۲۶: وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا وَصَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ حَيْثُ كُنْتُمْ۔ (رواه النسائی)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۲/ ۵۳٤ حدیث رقم ۲۰٤۲۔ وأحمد فی المسند ۲/ ۳٦۷۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اور میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ تم مجھ پر درود پڑھا کرو کیونکہ تم جہاں کہیں بھی ہو تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے۔ (نسائی)

تشریح: ''اس حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے گھروں کو قبر بنانے سے جو ممانعت فرمائی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گھروں کو قبروں کی طرح مت بنانا جو کہ اللہ کے ذکر اور اس کی طاعت سے خالی ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی برکتوں کو حاصل کرنے کیلئے نفلی عبادات کا کچھ حصہ گھروں میں کیا کرو۔ لیکن ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مردوں کو گھروں میں دفن نہ کرو۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ اس دوسرے معنی پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر مردوں کو گھروں میں دفن کرنے کی ممانعت ہوتی تو نبی ﷺ کو آپ کے گھر میں دفن نہ کیا جاتا لیکن یہ رائے اس لئے ناقابل اعتبار ہے کہ یہ نبی ﷺ کے خصائص میں سے ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:۔

''ما قبض نبی الا ودفن حیث یقبض''

''ہر نبی کو وہیں دفن کیا جاتا ہے جہاں ان کی روح قبض کی جاتی ہے''۔

اس حدیث کا ایک تیسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قبروں کو اپنی رہائش گاہ نہ بناؤ کیونکہ اگر تم نے وہاں رہنا شروع کردیا تو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ رقت اور دلوں کی نرمی تم سے رخصت ہو جائے گی جو قبروں کو دیکھ کر ہونی چاہئیے۔ اس لئے قبروں کی زیارت کر کے اپنے گھروں کو واپس لوٹ آیا کرو، یا کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ قبرستان میں رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے تم پر ہر وقت ایک جذب کی کیفیت رہنے لگے اور اس کی وجہ سے نظام کائنات معطل ہو کر رہ جائے اسی وجہ سے بعض بزرگوں کا یہ قول ہے:۔

''لو لا الحمقی لخربت الدینا''

''اگر احمق نہ ہوتے تو دنیا ویران ہو جاتی''۔

اور اسی وجہ سے عورتوں کو بکثرت قبرستان جانے سے منع کیا گیا ہے۔

اس حدیث کا ایک چوتھا معنی بعض حضرات نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ کچھ نماز اپنے گھروں میں بھی پڑھا کرو اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ کیونکہ انسان جب مر کر اپنی قبر میں پہنچتا ہے تو وہاں نماز نہیں پڑھ سکتا۔

اس حدیث کا پانچواں مطلب یہ بیان کیا گیا ہے اپنے گھروں کو صرف سونے کی حد تک استعمال میں نہ لاؤ کہ وہاں نماز بالکل ہی نہ پڑھو کیونکہ نیند بھی موت ہی کی طرح ہے اور مرنے والا نماز نہیں پڑھ سکتا۔

حافظ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص اپنے گھر میں نماز نہیں پڑھتا وہ اپنے آپ کو مرے ہوئے شخص کی طرح بنالیتا ہے اور اپنے گھر کو قبر کی طرح بنالیتا ہے اس احتمال کی تائید میں اس روایت کو بھی پیش کیا جا سکتا ہے جس کی تخریج امام مسلم نے اپنی صحیح میں کی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں۔

''مثل البیت الذی یذکر اللّٰہ فیہ و البیت الذی لا یذکر اللّٰہ فیہ کمثل الحی و المیت''

''اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہو اور اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر نہ کیا جاتا ہو زندہ اور مردہ کی طرح ہے''۔

اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ تم لوگ مردوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں یعنی قبروں میں نماز نہیں پڑھ سکتے۔ یا یہ کہ گھروں میں نماز پڑھنا نہ چھوڑو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم مُردوں کی طرح اور تمہارے گھر قبروں کی طرح ہو جائیں اور اس معنی کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

''اجعلوا من صلاتکم فی بیوتکم و لا تتخذوھا قبورا''

''اپنی نماز کا کچھ حصہ اپنے گھروں کیلئے بھی رکھا کرو، انہیں قبریں مت بناؤ''۔

ایک بزرگ نے اس حدیث کا مطلب ایک لطیف نکتہ کی صورت میں یوں بیان فرمایا ہے کہ اپنے گھروں کو قبروں کی طرح مت بناؤ کہ جہاں آنے والوں کی کوئی خاطر تواضع نہیں کی جاتی (بلکہ آنے والے مہمانوں کا اعزاز واکرام کیا کرو)۔

میری قبر کو عید گاہ نہ بناؤ:

اس حدیث کے دوسرے جملے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قبر مبارک کو عید یا مظہر عید بنانے سے منع فرمایا ہے کیونکہ عید کا دن خوشی کا موقع ہوتا ہے اور اس دن انسان مختلف قسم کی تفریحات سے لطف اندوز ہوتا ہے جبکہ زیارت قبر کا موقع خوشی کا نہیں ہوتا۔ اور بعض حضرات نے اس جملے کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ اس حدیث میں روضہ مقدسہ کی بکثرت زیارت کرنے کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترغیب دی گئی ہے اور عید بنانے کی ممانعت کی گئی ہے کیونکہ وہ تو سال میں صرف دو مرتبہ آتی ہے۔
علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ اس جملے کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو روضۂ مقدسہ پر اس طرح اجتماع کرنے کی ممانعت فرمائی نے جس طرح عید کے دن سیر وتفریح کیلئے اجتماع کیا جاتا ہے اور لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔ چونکہ یہود ونصاری اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور مقدسہ کے ساتھ ایسا کیا کرتے تھے اس لئے وہ غفلت اور قلبی سختی میں مبتلا ہو گئے۔ نیز صنم پرستوں اور بتوں کے پجاریوں کی بھی یہی عادت اور خصلت رہی ہے کہ وہ ہمیشہ سے اپنے مُردوں کی اتنی تعظیم کرتے آئے ہیں کہ انہیں معبود بنا کر پوجنا کچھ برا محسوس نہیں ہوتا۔ یہی وہ چیز ہے جس کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں اشارہ فرمایا ہے۔

''اللهم لا تجعل قبری وثنا یعبد''

''اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا دیجئے گا کہ اس کی پوجا کی جانے لگے''۔

گویا اس ممانعت کا اصل مقصد یہ ہے کہ روضۂ مقدسہ کے بارے میں حد سے تجاوز کرنے کی کراہت واضح ہو جائے۔ اسی وجہ سے ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اس قوم پر اللہ کا بہت شدید غضب نازل ہوتا ہے جو اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور مبارکہ کی مسجد بنا لیتی ہیں۔

بعض حضرات نے عید کو ''اعتیاد'' سے اسم قرار دیا ہے اور حدیث کے اس جملے کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ میری قبر پر اس کثرت سے مت آؤ کہ میرا ادب واحترام تمہارے دلوں سے رخصت ہو جائے (کیونکہ کسی چیز کی کثرت اس کے ادب واحترام میں کمی کا باعث بہرحال بنتی ہی ہے)۔ اور کہیں یہ خیال کسی کے ذہن میں پیدا نہ ہو جائے کہ جو لوگ میری قبر پر حاضر ہو کر درود وسلام پیش کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ دور سے بھی ان کا درود وسلام مجھ تک نہیں پہنچایا جاتا، چنانچہ آگے فرمایا:۔

''فصلوا علی، فان صلاتکم تبلغنی حیث کنتم''

''مجھ پر درود پڑھتے رہا کرو کیونکہ تم جہاں کہیں بھی ہو تمہارا درود میری خدمت میں پیش کیا جاتا ہے''۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اصل میں نفوس قدسیہ جب جسمانی تعلقات سے آزاد ہو جاتے ہیں تو انہیں عروج حاصل ہوتا ہے کہ وہ ملأ اعلی سے جا کر مل جاتے ہیں اور ان کیلئے کوئی رکاوٹ اور حجاب و پردہ باقی نہیں رہتا۔ اور انہیں ہر چیز اپنی آنکھوں سے دکھائی دیتی محسوس ہوتی ہے (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہ چیز بطریق اولیٰ حاصل ہو گی کیونکہ آپ تو نفوس قدسیہ کے سردار ہیں)۔ یا یہ کہ فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دیتے ہیں، اور اس میں بھی ایک راز ہے جس پر صرف وہی مطلع ہو سکتا ہے جس کیلئے اللہ کی طرف سے آسانی کی گئی ہو۔

اس حدیث کی تخریج امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے اور میرک کے بقول ''الاذکار'' میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق اس حدیث کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں نقل فرمایا ہے اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاذکار'' میں اس کی تصحیح بھی فرمائی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درود نہ پڑھنے پر وعید

۹۲۷: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ يُّغْفَرَلَهٗ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ عِنْدَهٗ اَبَوَاهُ الْكِبَرَ اَوْ اَحَدُهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خاک آلود ہو اس شخص کی ناک کہ جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا۔ خاک آلود ہو اس آدمی کی ناک کہ اس پر رمضان المبارک آیا اور اس کی بخشش سے پہلے گزر گیا۔ خاک آلود ہو اس آدمی کی ناک کہ اس کے والدین یا ان میں سے کسی ایک نے اس کے سامنے بڑھاپا پایا اور انہوں نے اس کو جنت میں داخل نہیں کیا۔ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں اس شخص کیلئے سخت تہدیدی کلمات استعمال کئے گئے ہیں جس کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکارِ مبارک ہو اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھے، علماء کرام فرماتے ہیں کہ یا تو یہ کلمات خبر پر محمول ہیں یا بددعاء پر، اور مطلب یہ ہوگا کہ ان تعظیمی کلمات کے ترک کرنے پر جزاءً اسے ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جبکہ بعض علماء کرام کی رائے کے مطابق اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس شخص کو یہ چار کلمات اپنے منہ سے ادا کرنے پر قدرت تھی اور وہ اس کے ذریعے اپنے لئے اللہ کی دس رحمتیں، دس درجات کی بلندی اور دس گناہوں کی معافی کا پروانہ حاصل کر سکتا تھا لیکن اس کے باوجود اس نے ایسا نہ کیا تو وہ خائب وخاسر رہا۔

''قولہٗ ورغم انف رجل دخل علیہ رمضان ثم انسلخ'':

حدیث کے اس جملے میں لفظ ''ثم'' لانے کی وجہ پر بحث کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ اصل میں آغازِ رمضان اور اختتامِ رمضان کے درمیان ایک لمبا عرصہ اور طویل مدت ہوتی ہے جسے ظاہر کرنے کیلئے ''ثم'' کا لفظ لایا گیا جو کہ تراخی پر دلالت کرتا ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک سنتے ہی درود وسلام کا مطالبہ ہے کیونکہ وہاں کوئی مدت حائل نہیں۔ اسی طرح والدین کے ساتھ حسن سلوک بھی ان کی ضرورت واحتیاج کے فوراً بعد ہی مؤکد ومطلوب ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ اس جملے کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی مثال یوں سمجھو جیسے تم اپنے کسی دوست کو ملامت کرتے ہوئے کہتے ہو کہ تم نے بہت برا کام کیا، تمہیں اتنی فرصت بھی ملی اور تم پھر بھی اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے، اسی طرح جس شخص کو رمضان المبارک کی دولت ملی لیکن پھر بھی وہ اپنے گناہوں کو معاف نہ کروا سکا۔

یعنی رمضان المبارک کا مہینہ ملنے کے باوجود اس میں توبہ نہ کر سکا۔ یا اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ عبادت کر کے اس مہینے کی صحیح تعظیم نہ کر سکا کہ اس کے گناہ معاف ہو جاتے۔ یا اس مقدس مہینے میں بھی وہ اعمال سیئہ مثلاً سود، رشوت وغیرہ کا مرتکب ہوتا رہا جس کی بناء پر اس کے اعمال صالحہ کا اثر بھی باطل ہو گیا اور اس کی معافی نہ ہو سکی۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ الفاظِ حدیث پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بظاہر یہاں ''ولم یغفر لہ'' کا لفظ ہونا زیادہ مناسب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا، لیکن "قبل ان یغفر له" فرما کر اس بات کی طرف تنبیہ فرمادی کہ مغفرت اور بخشش میں تاخیر کا ہونا اس کی اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ حق تو یہ تھا کہ رمضان المبارک ختم ہونے سے پہلے پہلے اس کے گناہوں کی بھی معافی ہو چکی ہوتی لیکن اس کی کوتاہی نے ایسا نہ ہونے دیا۔

اس حدیث کی تخریج امام ترمذی رحمۃ اللہ نے فرمائی ہے اور سنداً اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔ اسی طرح ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور بزار نے اپنی مسند میں بھی اس کی تخریج کی ہے۔ جیسا کہ میرک نے ذکر کیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی متعدد اسناد ہیں جن میں سے بعض صحیح بعض حسن اور بعض ضعیف ہیں۔

درود کی فضیلت

۹۲۸: وَعَنْ اَبِیْ طَلْحَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ وَالْبِشْرُ فِيْ وَجْهِهٖ فَقَالَ اِنَّهٗ جَاءَنِيْ جِبْرِيْلُ فَقَالَ اِنَّ رَبَّكَ يَقُوْلُ اَمَا يُرْضِيْكَ يَامُحَمَّدُ اَنْ لَّا يُصَلِّيَ عَلَيْكَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِكَ اِلَّا صَلَّيْتُ عَشْرًا وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِكَ اِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا۔ (رواه النسائي والدارمي)

أخرجه النسائي في السنن ۲/ ۵۰ حديث رقم ۱۲۹۵۔ والدارمي في السنن ۲/ ۴۰۸ حديث رقم ۲۷۷۳۔ وأحمد في المسند ۴/ ۳۰۔

ترجمہ: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر بشاشت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے تھے وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ اس بات سے راضی نہیں ہیں کہ آپ کی امت میں سے جو کوئی آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا۔ اور جو کوئی آپ کی امت میں سے آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجوں گا۔ (نسائی۔ دارمی)

راویٔ حدیث:

ابوطلحہ۔ یہ ابوطلحہ ہیں ان کا نام "زید بن سہل" ہے۔ انصاری ہیں۔ یہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں۔ یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ کے شوہر ہیں۔ یہ مشہور تیر اندازوں میں سے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ "ابوطلحہ" کی آواز لشکر میں ایک جماعت کی آواز سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ ۳۱ھ میں وفات پائی جب کہ ان کی عمر ستتر (۷۷) سال کی تھی۔ اہل بصرہ کا خیال ہے کہ وہ سمندر میں سفر کر رہے تھے کہ انتقال ہو گیا اور کسی جزیرہ میں سات (۷) دن کے بعد دفن کیے گئے۔ بیعت عقبہ میں ستر (۷۰) صحابہ کے ساتھ یہ بھی شریک ہوئے تھے پھر بدر اور اس کے بعد غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ صحابہ کی ایک جماعت ان سے روایت کرتی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں جس بشارت کا تذکرہ آیا ہے، درحقیقت اس کا تعلق امت مرحومہ سے ہے، یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر خوشی کے آثار نمایاں تھے۔ اس کی تائید اسی حدیث کی ان بعض اسناد سے بھی ہوتی ہے جن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اس حدیث کا مضمون اس طرح وارد ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اپنی امت کو اس بات کی خوشخبری سنا دیجئے کہ جو شخص آپ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کیلئے دس نیکیاں لکھ دیں گے۔ دس گناہوں کو معاف فرما دیں گے، دس درجات کو بلند فرما دیں گے اور پلٹ کر اسے بھی ان ہی جملوں سے جواب عطاء فرمائیں گے۔ جن سے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا ہے اور ایک روایت کے مطابق درود شریف پہنچانے کی خدمت پر مأمور فرشتہ درود شریف پڑھنے والے سے کہتا ہے کہ اللہ تجھ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

اس حدیث کو امام نسائی اور دارمی کے ساتھ ساتھ میرک کے بقول ابن حبان نے اپنی صحیح میں حاکم نے اپنی مستدرک میں اور ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں نقل کیا ہے اور امام احمد و حاکم نے اسے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی نقل کیا ہے۔ لیکن اس کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے:۔ ''فسجدت اللہ شکرا''

''یہ بشارت سن کر شکریہ کے طور پر بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز ہو گیا''۔

حاکم نے اس اضافے کی تصحیح بھی کی ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی متعدد اسانید قرار دی ہیں۔

درود سے دین و دنیا کی بھلائی ہے

۹۲۹: وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اُکْثِرُ الصَّلَاةَ عَلَیْكَ فَكَمْ اَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِیْ فَقَالَ مَا شِئْتَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكَ قُلْتُ النِّصْفَ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكَ قُلْتُ فَالثُّلُثَیْنِ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكَ قُلْتُ اَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِیْ كُلَّهَا قَالَ اِذًا تُكْفٰی هَمَّكَ وَیُكَفَّرُلَكَ ذَنْبُكَ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/٥٤٩ حدیث رقم ٢٤٥٧۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول میں آپ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں۔ میں کتنا وقت آپ پر درود بھیجنے کے لئے خاص کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قدر کہ تمہارا دل چاہے میں نے عرض کیا۔ کیا چوتھائی وقت مقرر کر دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جتنا تمہارا دل چاہے۔ اگر زیادہ وقت مقرر کرو گے تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا کیا آدھا وقت مقرر کر دوں۔ فرمایا جتنا تمہارا دل چاہے۔ اگر زیادہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا پھر دو تہائی وقت مقرر کر دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنا تمہارا دل چاہے اگر زیادہ کرو گے تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کیا میں تمام وقت ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے لئے مقرر کر دیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تمہارے لئے کفایت کرے گا۔ اس سے تمہارے دین و دنیا کے مقاصد پورے ہوں گے۔ اور تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے سوال کا منشا یہ ہے کہ جن اوقات میں میں اپنی ذات کیلئے دعاء مانگتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ اس کے بدلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف کی تعداد بڑھا دوں۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے؟ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ تم جتنی مقدار بڑھانا چاہو تمہیں اختیار ہے، انہوں نے عرض کیا کہ میں اپنے اوقاتِ دعاء کا ایک چوتھائی حصہ درود شریف کیلئے وقف کرلوں؟ فرمایا جیسے تم مناسب سمجھو، لیکن اگر تم اس میں اضافہ کرلو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ انہوں نے اضافہ کرتے کرتے بالآخر یہ عرض کیا کہ میں جتنا وقت دعاء کیلئے الگ کرتا ہوں، اب میں اس سارے وقت میں آپ ﷺ پر صرف درود شریف ہی پڑھا کروں گا۔ یہ سن کر جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے ایسا کرلیا تو تمہاری ساری پریشانیوں سے تمہاری کفایت کی جائے گی اور تمہارے گناہوں کو بخش دیا جائے گا۔

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الفاظِ حدیث میں "**همك**" مصدر ہے اور مفعول کے معنی میں ہے: "**تكفى**" کیلئے مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس کا مفعول اوّل "انت" ضمیر مفعول "**مالم يسم**" فاعلہ ہے۔ جیسا کہ سید جمال الدین نے "الازھاء" سے نقل کیا ہے۔

جبکہ سید اصیل الدین کی صحیح میں اس لفظ "**تكفى**" کو "یا" کے ساتھ "**يكفى**" ضبط کیا گیا ہے۔ اس صورت میں "**همك**" مرفوع ہوگا کیونکہ یہ بعض اوقات ایک مفعول کی طرف بھی متعدی ہو جاتا ہے۔

حافظ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے مطابق حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بار بار سوال کرنے اور درود شریف کی مقدار بڑھانے کا مقصد یہ تھا کہ نبی ﷺ ان کیلئے کوئی حد متعین کردیں تا کہ وہ اس پر عمل پیرا ہوسکیں۔ لیکن نبی ﷺ نے ان کیلئے کوئی حد اور مقدار مقرر کرنا مناسب خیال نہ فرمایا تا کہ ایک تو فضیلت اور فریضہ میں التباس پیدا نہ ہو جائے۔ اور دوسرے یہ کہ اس پر بھی اضافہ ممکن رہے اور اس کا دروازہ بند نہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ اس اضافے کو ہمیشہ ان ہی کی رائے پر موقوف فرماتے رہے تا کہ وہ رغبت اور شوق سے اس کی مقدار میں اضافہ کرتے رہیں تا آنکہ انہوں نے خود ہی یہ عرض کردیا کہ اب میں اپنے لئے دعاء کرنے کی بجائے ہمہ وقت آپ ﷺ پر ہی درود شریف پڑھتا رہوں گا۔

اس موقع پر نبی ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ پھر تمہارے تمام دینی و دنیوی اہم کاموں میں تمہاری کفایت کی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ پر درود شریف پڑھنے میں ایک تو "ذکرِ الٰہی" ہے۔ پھر "تعظیم مصطفیٰ ﷺ" ہے۔ اس کے بعد اپنے ذاتی مفادات و مقاصد کو ترک کر کے حقوقِ مصطفیٰ ﷺ کی ادائیگی میں مشغول ہونا ہے اور اپنے لئے دعاء کرنے پر نبی ﷺ کیلئے دعاء کرنے کو ترجیح دینا ہے، اس لئے اللہ کی طرف سے کفایت کا ہونا ایک واضح بات ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تخریج کرتے ہوئے اسے "حسن" قرار دیا ہے۔ امام احمد اور حاکم نے بھی اسے نقل کیا ہے اور میرک رحمۃ اللہ علیہ کے بقول حاکم نے اس کی تصحیح بھی کی ہے اور حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق یہ روایت ابن حمید نے اپنی مسند میں، اور احمد بن منیع اور رویانی نے بھی نقل کی ہے۔

درود کے بعد دعا قبول ہوتی ہے

۹۳۰: وَعَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ اِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجِلْتَ اَيُّهَا الْمُصَلِّيْ اِذَا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمَدِ اللّٰهَ بِمَا هُوَ اَهْلُهُ وَصَلِّ عَلَيَّ ثُمَّ ادْعُهُ قَالَ ثُمَّ صَلَّى رَجُلٌ اٰخَرُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّهَا الْمُصَلِّيْ اُدْعُ تُجَبْ۔ (رواه الترمذی وروی ابوداود والنسائی نحوه)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٤٨٢ ٣٤٧٦۔وأخرجه النسائي في السنن ٣/٤٤ حديث رقم ١٢٨٤۔وأحمد في المسند ٦/١٨۔

ترجمه: حضرت فضالہ بن عبیدؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا اس نے نماز پڑھی پھر یہ دعا مانگی: اللّٰھم اغفرلي وارحمني ۔اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر‘‘ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے جلدی کی ہے اے نماز پڑھنے والے جب تم نماز پڑھوتو نماز کے بعد دعا کے لئے بیٹھو اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کرو جس تعریف کے وہ لائق ہے۔ پھر مجھ پر درود پڑھو پھر جو چاہو اللہ سے دعا مانگو۔ دعا قبول ہوگی۔ راوی کہتے ہیں کہ کے بعد ایک اور آدمی نے نماز پڑھی اور اس (نماز کے بعد) اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور نبی ﷺ پر درود بھیجا تو نبیؐ نے فرمایا اے نماز پڑھنے والے دعا کر قبول ہوگی۔ (ترمذی) امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے اسی جیسی روایت نقل کی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں حضور ﷺ نے نو وارد کیلئے ’’عجلت‘‘ کا لفظ اس لئے استعمال فرمایا کہ اس نے دعاء کی اس ترتیب کو ترک کر دیا جو کہ نبی ﷺ کی سنت ہے۔ اور حمد باری تعالیٰ اور درود شریف پڑھنے سے پہلے ہی ’’جو کہ انتہائی اہم وسیلہ ہے، قبولیتِ دعا کا‘‘ اپنی حاجت پیش کر دی۔

امام زاہدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں ’’مسارعت اور عجلت‘‘ کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ’’مسارعت‘‘ کا اطلاق عام طور پر خیر کے کاموں میں ہوتا ہے لیکن کبھی کبھار شر کے کاموں میں بھی اسے استعمال کر لیا جاتا ہے اور ’’عجلت‘‘ کا اطلاق ہمیشہ شر کے کاموں پر ہوتا ہے اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ’’مسارعت‘‘ کا اطلاق اس تیزی اور جلدی پر ہوتا ہے جو وقت میں رہ کر کی جائے اور ’’عجلت‘‘ کا اطلاق اس جلدی پر ہوتا ہے جو وقت سے پہلے یا وقت کے بعد کی جائے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ’’سائل‘‘ کو ’’وسائل‘‘ اختیار کر کے مسئول منہ کا قرب حاصل کرنا چاہیے۔ اور اپنی حاجت پیش کرنے سے پہلے کسی سفارش کنندہ کا توصل اختیار کرنا چاہئے تا کہ اس کی ضرورت کی تکمیل اور حصولِ مقصد کی زیادہ سے زیادہ امید کی جا سکے۔ لیکن جو شخص ایسا نہ کرے۔ سمجھ لینا چاہیے کہ اس نے جلد بازی سے کام لیا۔

اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے اور اس کی تحسین کی ہے بلکہ میرک کے مطابق ایک نسخہ میں اس پر ’’حسن صحیح‘‘ کا حکم بھی موجود ہے نیز امام ابوداؤد اور نسائی نے بھی اس کی تخریج کی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوداؤد کی اس روایت کو نقل کر کے یہ بھی فرمایا ہے کہ ابن خزیمہ، حاکم اور ابن حبان نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔

فرائض کے بعد دعا قبول ہوتی ہے

۹۳۱: عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ كُنْتُ اُصَلِّيْ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاضِرٌ وَ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ مَعَهٗ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَأْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى ثُمَّ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دَعَوْتُ لِنَفْسِي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَلْ تُعْطَهْ سَلْ تُعْطَهْ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ٢/ ٤٨٨ حديث رقم ٥٩٣۔ وأحمد في المسند ١/ ٣٨٦۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ چنانچہ جب نماز کے بعد میں بیٹھا اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا اس کے بعد میں اپنے لئے دعا مانگنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ سے مانگو عطا کیا جائے گا (دومرتبہ فرمایا)۔ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں جو لفظ "سل تعطه" آیا ہے اس پر علماء نے ایک لفظی بحث چھیڑی ہے، مظہر فرماتے ہیں کہ "تعطه" کے آخر میں جو "ہاء" ہے یا تو یہ "ہاء سکتہ" ہے جیسے قرآن کریم میں لفظ "حسابيه" آیا ہے۔ یا یہ ضمیر ہے اور اس کا مرجع مسئول عنہ ہے جس پر لفظ "سل" دلالت کر رہا ہے۔ جبکہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اسے "وان تعفوا هو اقرب للتقوى" کی نظیر قرار دیا ہے، لیکن یہ حافظ صاحب رحمہ اللہ کا وہم ہے کیونکہ "وان تعفوا" میں "ان" مصدریہ ہے جس کی وجہ سے یہ "ما نحن فيه" کی نظیر نہیں بن سکتا، البتہ اگر اس کی نظیر پیش کرنا ہی ہو تو اس آیت کو پیش کرنا چاہیے:۔

"اعدلوا هو اقرب للتقوى"

اسی طرح حافظ صاحب رحمہ اللہ کے کلام میں ایک اور فروگذاشت بھی ہے اور وہ ہے لفظ "ھو" کا اضافہ۔ جس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ یہ بھی قرآن کریم کا حصہ ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ قرآن کریم کے الفاظ تو یہ ہیں:۔

"وان تعفوا اقرب للتقوى"

اور یہ آیت درحقیقت نظیر ہے "وان تصوموا خير لكم" کی۔ اور ان دونوں کی تقدیری عبارت یوں ہے۔ "وعفوكم اقرب وصيامكم خير لكم" اور "اقرب" اور "خير" کی ضمیر کا مرجع "ان" کا مجموعہ ہے۔

اس حدیث کی تخریج امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے اور اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ نیز امام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے جیسا کہ میرک رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

الفصل الثالث:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امی ہیں

۹۳۲: عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ اَنْ يُّكْتَالَ بِالْمِكْيَالِ الْاَوْفٰى اِذَا صَلّٰى عَلَيْنَا اَهْلَ الْبَيْتِ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ نِالنَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ١/ ٦٠١ حديث رقم ٩٨٢۔ في المخطوطة "تحصل"۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس آدمی کو یہ پسند ہو کہ اسے بھرپور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ سے زیادہ ثواب ملے تو اسے چاہیے ہم اہل بیت پر اس طرح درود بھیجے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ نِالنَّبِيِّ الْاُمِّيِّ...... ''اے اللہ تو اپنی رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی ازواج مطہرات پر جو سب مؤمنوں کی مائیں ہیں اور آپ کی اولاد پر اور اہل بیت پر نازل فرما جیسے تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر رحمت نازل فرمائی بے شک تو بزرگ اور برتر ہے'' (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں سب سے پہلے تو یہ بات سمجھنی ہے کہ ''مکیال'' کا لفظ عام طور پر اشیاء کثیرہ کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اور ''میزان'' کا لفظ عام طور پر اشیاء قلیلہ کیلئے۔ یہاں ''مکیال'' کا لفظ لا کر اسے ''الاوفی'' کی قید سے اور زیادہ مؤکد کر دیا۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اذا صلی علینا'' میں ''اذا'' شرط کیلئے ہے اور اس کی جزاء ''فلیقل'' ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''اذا'' ظرفیہ ہو اور ''فلیقل'' اس کیلئے عامل ہو۔ جیسا کہ بعض نحویوں کا مذہب ہے کہ فاء جزائیہ کا مابعد اپنے ماقبل میں عمل کرسکتا ہے جیسا کہ آیت قرآنی ''لا یلاف قریش'' میں ہے کہ اس کا عامل ''فلیعبدوا'' ہے۔

اس حدیث میں دوسری بات جو قابل وضاحت ہے وہ لفظ نبی سے متعلق ہے اس لفظ کو ہمزہ کے ساتھ نبیءٌ اور یاء کا یاء میں ادغام کر کے نبیٌّ دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ قراءتِ سبعہ میں اس لفظ کو دونوں طرح پڑھا گیا ہے البتہ اکثر قراء کی قراءت کے مطابق یاء کا یاء میں ادغام ہی زیادہ فصیح ہے۔ رہی یہ بات کہ بعض روایات سے ہمزہ کے ساتھ استعمال کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے تو یہ استقرارِ شریعت سے پہلے تک تھی کیونکہ زمانہ جاہلیت میں اس لفظ کا اطلاق اس شخص پر ہوتا تھا جو اپنے دین سے نکل جائے اور اپنے وطن چھوڑ دے۔

لفظ نبی فعیلٌ کے وزن پر فاعل یا مفعول کے معنی میں نباء بمعنی خبر سے ماخوذ ہے یا نبوت بمعنی رفعت و بلندی سے ماخوذ ہے۔ نبی اس انسان کو کہتے ہیں جس کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئے خواہ انہیں تبلیغ کا حکم ہو یا نہ ہو۔ اور رسول اس پیغمبر کو کہتے ہیں جنہیں دوسروں تک وحی پہنچانے کا حکم بھی دیا گیا ہو۔

اس حدیث میں رسول کی جگہ نبی کا لفظ استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نبی کے احوال عام ہوتے ہیں اور دوسرا مقصد مبالغہ پیدا کرنا بھی ہے کیونکہ جب ایک شخص وصفِ نبوت کے ساتھ درود وسلام کا مستحق ہو تو وصف رسالت کے ساتھ متصف ہونے کی صورت میں تو بطریق اولیٰ وہ درود وسلام کا مستحق ہوگا۔ یا یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ وصفِ نبوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ولایتِ خاصہ کو شامل ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے درمیان دائر ہے۔

اس حدیث میں تیسری بات لفظ اُمّی سے متعلق ہے جو کہ اُمّ کی طرف یائے نسبت سے منسوب ہے اور یہ اس شخص پر بولا جاتا ہے جو نہ لکھ سکے اور نہ ہی لکھی ہوئی چیز کو پڑھ سکے۔ گویا کہ لکھنے پڑھنے کے معاملے میں وہ اسی حالت پر ہے جس حالت پر اسے اس کی ماں نے جنم دیا تھا یا اس نسبت کی وجہ یہ ہے کہ اُمّی بھی عورت ہی کی طرح ہوتا ہے کہ اکثر عورتیں اس سے ناآشنا ہوتی ہیں۔ تاہم اس کے باوجود عدمِ کتابت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم معجزہ تھا کہ علوم ظاہری و باطنی کا وافر حصہ ملنے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''وما كنت تتلو من قبله من كتٰب ولا تخطه بيمينك اذا لارتاب المبطلون''
بعض حضرات کی رائے کے مطابق لفظ امّی ام القریٰ یعنی مکہ مکرمہ کی طرف منسوب ہے کیونکہ تخلیق کے اعتبار سے وہ پوری زمین کا مرکز اور بنیاد ہے اور خانہ کعبہ کے نیچے سے ہی زمین پھیلائی اور بچھائی گئی تھی یا یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ مکہ مکرمہ نبی ﷺ کا شہر ہے اس لئے اس کی طرف نسبت کی گئی یا یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ اسی شہر مکہ مکرمہ میں تمام عالم کے مسلمانوں کا قبلہ موجود ہے یا یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہ پوری دنیا کے بالکل بیچ و بیچ واقع ہے اور دنیا کے تمام ممالک سے اس کے پاس لوگ ایسے آتے ہیں۔ جیسے اولاد ماں کے پاس آ کر جمع ہوتی ہے۔ اور یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ لوگوں کو فیض اور رحمت و برکت یہیں سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ اللہ کی طرف سے رحمت کا نزول سب سے پہلے یہیں ہوتا ہے بعد میں وہ رحمت و برکت اطراف و اکناف عالم میں پھیلا دی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ بھی اس کی مختلف وجوہات بیان کی گئی ہیں جن میں سے چند ایک مزید یہ ہیں:۔

① یہ لفظ امۃٌ کی طرف منسوب ہے کیونکہ عرب میں اکثر باندیاں عام طور پر نوشت وخواند سے عاری ہوتی ہیں اور ہوتی تھیں۔
② اس کی نسبت پوری اُمت کی طرف ہے جسے اس بات کی ترغیب دینے کیلئے بہت زیادہ اہتمام کیا گیا۔
③ اس کی نسبت اُمّ الکتاب کی طرف ہے جو کہ اصولِ کتابت کو بھی شامل ہے۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن اور ابن حمید نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے۔ نیز ابونعیم اور طبرانی بھی اس کی تخریج کی ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے جو امام بخاری اور ابوحاتم کے بقول زیادہ اصح ہے اور ایک روایت میں حضرت علیؓ سے مرفوعاً یہ حدیث دوسرے الفاظ کے ساتھ مروی ہے جو یہ ہیں:
''من سرهٗ ان يكتال بالمكيال الاوفى فليقرأ هذه الاية سبحن ربك رب العزة عما يصفون وسلٰم على المرسلين والحمد لله رب العلمين''۔

درود نہ پڑھنے والا بخیل ہے

۹۳۳: وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَخِيْلُ الَّذِیْ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ ۔

(رواه الترمذي ورواه احمدعن الحسين بن علي رضي اللّٰهِ عنهما وقال الترمذي هذاحديث حسن صحيح غريب أخرجه الترمذي في السنن ٥/ ٥١٥ حديث رقم ٣٥٤٦۔ وأحمد في المسند ١/ ٢٠١۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بخیل وہ آدمی ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہیں بھیجا'' (ترمذی) اور امام احمدؒ نے اس روایت کو حضرت حسین بن علیؓ سے روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: اس حدیث میں ''البخیل'' پر جو الف لام داخل ہے وہ جنسی ہے اور کمال پر محمول ہے اس لئے مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص نبی ﷺ کا تذکرہ مبارک سن کر آپ ﷺ پر درود شریف نہیں پڑھتا وہ کامل درجہ کا بخیل ہے، اس سے بڑا کوئی بخیل نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوسکتا چنانچہ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہوتے ہیں:۔ ''البخیل کل البخیل''
یعنی ایسا شخص انتہائی بخیل ہے اور خود بھی خسارے میں ہے کہ درود شریف پڑھنے سے جو ثواب حاصل ہوتا، اس سے محروم رہا۔

اس حدیث کو حضرت علیؓ کے حوالے سے امام ترمذی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اور حافظ صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق امام بیہقی، ابن ابی عاصم، طبرانی اور ابن حبان نے بھی اس کی تخریج و تصحیح کی ہے، نیز امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس روایت کو حضرت حسینؓ کے حوالے سے بھی نقل کیا ہے۔ اور میرک کے مطابق امام نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درود سننے کے لئے تشریف نہیں لاتے

۹۳۴: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِيًا اُبْلِغْتُهُ۔ (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

أخرجه البيهقي في شعب الايمان ۲/ ۲۰۹ حديث رقم ۱۵۵۳۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو آدمی مجھ پر دور سے درود پڑھتا ہے وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے (بیہقی)

تشریح: اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روضۂ مقدسہ کے قریب پیش کئے جانے والے درود و سلام کو سننے اور سماعت فرمانے کا جو ذکر فرمایا ہے اس سے سماعت حقیقیہ مراد ہے جس میں متکلم اور سامع کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو۔ اور علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ روضۂ مقدسہ کے قریب کھڑے ہو کر درود و سلام پیش کرنا دور سے پیش کرنا نسبت زیادہ افضل ہے کیونکہ یہ ایک انسانی فطرت ہے کہ مجلس میں موجود شخص کی طرف قلبی توجہ زیادہ ہوتی ہے۔
اس حدیث کی تخریج امام بیہقی نے شعب الایمان میں کی ہے اور میرکؒ کے مطابق اسے ابوالشیخ نے بھی اور ابن حبان نے ''ثواب الاعمال'' میں سند جید سے نقل کیا ہے۔

فرشتوں کا درود و سلام

۹۳۵: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَنْ صَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَلَائِكَتُهُ سَبْعِيْنَ صَلَاةً۔ (رواه احمد)

أخرجه أحمد في المسند ۲/ ۱۸۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر ستر مرتبہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ (احمد)

تشریح: اس حدیث میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنے پر اللہ اور فرشتوں کی طرف سے ستر مرتبہ رحمتوں کے جس نزول کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ عین ممکن ہے کہ یہ حکم جمعہ کے دن کے ساتھ خاص ہو کیونکہ مسند احمد کی ایک روایت میں آتا ہے کہ جمعہ کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دن اعمال کا ثواب ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے اسی وجہ سے اگر یوم عرفہ جمعہ کو واقع ہو تو وہ اپنے اندر ستر مرتبہ حج کرنے کا ثواب رکھتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن زنجویہ نے اپنی ترغیب میں سند حسن سے نقل کیا ہے اور حکماً یہ روایت مرفوع ہے کیونکہ اجتہاد سے یہ بات معلوم نہیں کی جا سکتی۔

ایک خاص درُود

۹۳۶: وَعَنْ رُوَيْفِعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ ۔ (رواه احمد)

أخرجه أحمد في المسند ٤/١٠٨۔

ترجمہ: حضرت رویفعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور پھر یہ کہے: اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ ...... ''اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مقام پر جگہ دے جو تیرے نزدیک مقرب ہو قیامت کے دن تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوتی ہے''۔ (احمد)

تشریح: اس حدیث میں جس مقام و مقعد مقرب کا تذکرہ آیا ہے اس سے مراد یا تو ''مقامِ محمود'' ہے جس کا قرینہ ''یوم القیمة'' ہے اور ایک روایت میں ''یوم القیمة'' کی جگہ ''فی الجنة'' کا لفظ بھی وارد ہوا ہے۔ اس صورت میں اس سے جنت کا وہ اہم ترین اور اعلیٰ ترین مقام مراد لیا جائے گا۔ جو صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیا جائے گا اور اس کا نام ''وسیلہ'' ہے۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود کے علاوہ دو مقام اور بھی عطا فرمائے جائیں گے۔

① عرش الٰہی کی دائیں جانب، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرما ہو کر پوری کائنات کیلئے سفارش فرمائیں گے۔ اولین و آخرین اس مقام پر رشک کرتے ہوں گے۔

② جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ٹھکانہ جس سے بڑھ کر بہتر کوئی ٹھکانہ نہیں ہو سکتا۔

اس حدیث میں یہ دوسرا احتمال مراد ہونا زیادہ اقرب ہے۔ اس صورت میں ''یوم قیامت'' سے مراد ''دار آخرت'' ہوگا۔

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے اور میرک کے مطابق بزار نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے معجم اوسط اور کبیر میں بھی اس کی تخریج کی ہے جن میں سے بعض اسناد درجۂ حسن تک پہنچی ہوئی ہیں جبکہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق ابن ابی عاصم، ابن ابی الدنیا، اسماعیل قاضی اور ابن بشکوال نے بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک طویل سجدہ

۹۳۷: وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى دَخَلَ نَخْلًا فَسَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ يَكُوْنَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَدْ تَوَفَّاهُ قَالَ فَجِئْتُ اَنْظُرُ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ مَالَكَ فَذَكَرْتُ لَهُ ذٰلِكَ قَالَ فَقَالَ اِنَّ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِيْ اَلَا اُبَشِّرُكَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَقُوْلُ لَكَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ صَلَاةً صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ۔ (رواه احمد)

أخرجه أحمد في المسند ١/١٩١۔

ترجمه: حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھر سے نکل کر کھجوروں کے ایک باغ میں داخل ہو گئے اور وہاں اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت طویل سجدہ کیا میں ڈر گیا کہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات تو نہیں دی چنانچہ میں آپ کو دیکھنے کے لئے آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ کیا ہوا تو میں نے صورت حال آپ کے سامنے ذکر کر دی راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرائیل نے مجھ سے کہا کہ آپ کو یہ بشارت نہ سنادوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو آدمی آپ پر درود پڑھے گا میں اس پر رحمت بھیجوں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلام بھیجوں گا۔ (احمد) امام احمدؒ نے اپنی دیگر روایات کے آخر میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور سجدہ شکر کے بارے میں اس سے زیادہ صحیح حدیث میری نظر میں نہیں ہے اور یہ حدیث متعدد سندوں سے ثابت ہے۔

تشریح: اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جس باغ میں داخل ہونا مذکور ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مدینہ منورہ کے ''اسواف'' نامی مقام پر واقع تھا۔

اس حدیث کی تخریج امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے اور میرک نے اسے حاکم کی روایت و تصحیح کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ نیز ابو یعلی اور ابن ابی الدنیا نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''خلافیات'' میں امام حاکم کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے بلکہ سجدۂ شکر کے بارے میں اس سے زیادہ صحیح روایت میرے علم میں کوئی نہیں۔

درود کے بغیر دعا قبول نہیں ہوتی

۹۳۸: وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ عَلٰى نَبِيِّكَ۔ (رواه الترمذي)

أخرجه الترمذي في السنن ٢/٣٥٦ حديث رقم ٤٨٦۔ والنسائي في السنن ٣/٥٦ حديث رقم ١٣٠٩۔

ترجمه: حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ دعا اس وقت تک آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتی ہے اور اس میں سے کوئی چیز اوپر نہیں چڑھتی جب تک کہ تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھو۔ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث کے ضمن میں علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی کا کلام ہو، اگر ایسا ہو تو یہ حدیثِ موقوف کے درجے میں ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک نقل فرما رہے ہوں، اس صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہ کرنا صنعتِ تجرید کی وجہ سے ہوگا۔ تاہم دونوں صورتوں میں خطاب عام ہے۔ اس کا مخاطب کوئی خاص شخص نہیں ہے۔

اس حدیث کی تخریج موقوفاً و مرفوعاً دونوں طرح امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے اور میرک کے مطابق اس کا موقوف ہونا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی صحیح ہے تاہم محققین علماءِ حدیث کی رائے یہ ہے کہ اس قسم کی بات محض اپنی رائے سے کوئی آدمی نہیں کہہ سکتا اس لئے یہ حدیث حکمًا مرفوع ہے۔

حصن حصین میں شیخ ابوسلیمان دارانی کا یہ قول منقول ہے کہ جب تم اللہ سے اپنی کسی حاجت کی تکمیل کا مطالبہ اور سوال کرو۔ تو اوّل آخر درود شریف پڑھو اور درمیان میں دعاء کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے درود شریف کو تو بہرحال قبول فرمائیں گے ہی، یہ بات بھی ان کے کرم سے بعید ہوگی کہ درمیان کی دعاء کو چھوڑ دیں اور اوّل آخر کے درود شریف کو قبول فرمالیں۔

بَابُ الدُّعَاءِ فِي التَّشَهُّدِ

تشہد میں دُعا پڑھنے کا بیان

آخری قعدہ میں تشہد اور درود کے بعد دعاء کا پڑھنا مسنون ہے کہ نمازی اپنی پسند اور تمنا کے مطابق دعاء مانگے مگر فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ وہ دعا کلام الناس کے مشابہ نہ ہو اس سے مراد ہر وہ دعا ہے کہ اگر اس کا مطالبہ لوگوں سے کیا جائے تو وہ پورا کر سکے جیسے کوئی یہ دعا مانگے اے اللہ مجھے روٹی دے دے۔ اے اللہ مجھے کپڑے دے دیں۔ علیٰ ھذا القیاس حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کی تعلیم دی اور پھر تشہد اور درود کے بعد اپنی پسند کے مطابق دعاء کرنے کی تعلیم دی۔ تشہد میں قرآن اور سنت سے ثابت شدہ دعاؤں کا پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

الفصل الاول:

تشہد کے بعد کی دعا

۹۳۹: عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْ فِي الصَّلَاةِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ فَقَالَ لَهٗ قَائِلٌ مَا اَكْثَرَ مَا تَسْتَعِيْذُ مِنَ الْمَغْرَمِ فَقَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَوَعَدَ فَاَخْلَفَ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في الصحيحه ۳۱۷/۲۔حديث رقم ۸۳۲۔ومسلم في صحيحه ۴۱۲/۱حديث رقم (۱۲۹۔۵۸۹) وأبوداؤد في السنن ۵۴۸/۱حديث رقم ۸۸۰ والنسائي في السنن ۵۸/۳حديث رقم ۱۳۱۰۔وأحمد في المسند ۸۸/۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا مانگتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ ......۔ اے اللہ میں قبر کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اور مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں زندگی اور موت کے فتنوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ میں تجھ سے گناہوں سے اور قرض سے پناہ چاہتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا سن کر کسی کہنے والے نے کہا کہ آپ قرض سے کس قدر پناہ مانگتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب آدمی قرض دار ہو جاتا ہے تو باتیں بناتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث میں عذابِ قبر سے پناہ مانگنے کے جو الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ اس سے معتزلہ کی بڑی پُر زور تردید ہو جاتی ہے جو کہ عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں۔ اور اہلسنّت والجماعت کا مسلک ورائے بڑی وضاحت کے ساتھ ثابت ہو جاتی ہے۔

ایک مرتبہ ایک صحیح العقیدہ مسلمان کو کسی معتزلی کی نماز جنازہ پڑھنے کا اتفاق ہوا تو اس نے دعاء کرتے ہوئے کہا کہ اے اللہ! اسے عذاب قبر ضرور چکھانا کیونکہ یہ عذابِ قبر پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ بڑے پُر زور انداز میں اس کی نفی وتردید کرتا تھا اور اس کے قائلین کو غلط اور خطا کار قرار دیتا تھا۔

اس حدیث میں ''مسیح دجال'' کے فتنے سے بھی پناہ مانگی گئی ہے جس کے وسیع مفہوم میں ہر مفسد اور گمراہ شخص شامل ہے۔ دجال کو ''مسیح'' کہنے کی بہت سی وجوہات میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

① مسیح بروزن فعیل ممسوح کے معنی میں ہے۔ چونکہ اس کی ایک آنکھ اس کے چہرے سے ایسے غائب ہوگی جیسے کسی نے پونچھ کر صاف کر دی ہو، اس لئے اسے ''مسیح'' کہا جاتا ہے۔ (یاد رہے کہ دجال ایک چشم گل ہوگا)۔

② ممسوح سے مراد ہر خیر سے دور ہونا ہے۔

③ اس کی تخلیق ہی اس طرح ہوئی ہے کہ چہرہ کی ایک جانب نہ آنکھ ہے اور نہ ہی ابرو، اس لئے اسے ''مسیح'' کہتے ہیں۔

④ مسیح بروزن فعیل بمعنی فاعل کے ''مساحت'' سے ماخوذ ہے، چونکہ یہ حرمین شریفین کو چھوڑ کر باقی پوری دنیا میں چند ہی دنوں کے اندر چکر لگا لے گا اس لئے اسے ''مسیح'' کہتے ہیں۔

بہر حال! انجامِ کار یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں اپنے عبرت ناک انجام سے دوچار ہوگا۔

رہی یہ بات کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب بھی تو ''مسیح'' ہے۔ سو یاد رہے کہ عبرانی زبان میں اس کی اصل ''مسیحا'' بمعنی مبارک کے ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے بابرکت ہونے کی وجہ سے ''مسیح'' کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کی اور بھی متعدد وجوہات ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

① مسیح ''مسح'' سے ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس بیمار کو اپنا ہاتھ لگا دیتے وہ تندرست ہو جاتا تھا، اس لئے انہیں یہ لقب دیا گیا۔

② حضرت عیسیٰ علیہ السلام سیاح تھے اور کثرت سے سفر میں رہا کرتے تھے اس لئے انہیں ''مسیح'' کہا گیا۔

③ شکم مادر سے جنم لے کر دنیا میں آتے ہوئے آپ کا سر تیل سے پونچھا ہوا تھا۔

④ حضرت زکریا علیہ السلام نے چونکہ انہیں چھوا تھا اس لئے ان کا نام ہی ''مسیح'' پڑ گیا۔

امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ لفظ اگر ''س'' کی تشدید کے ساتھ ''مسّیح'' ہو تو اس سے مراد ''دجال'' ہوگا اور اگر ''س'' کی تخفیف کے ساتھ ''مسیح'' ہو تو اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے، جبکہ بعض حضرات کی رائے یہ بھی ہے کہ یہ لفظ دجال کیلئے ''خ'' کے ساتھ ''مسیخ'' بولا جاتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے ''ح'' کے ساتھ، لیکن ان میں سے پہلا قول غیر مشہور اور دوسرا تصحیف کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندگی اور موت کے فتنہ سے کیا مراد ہے؟

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زندگی کے فتنے سے مراد یہ ہے کہ انسان پر آزمائشوں اور مصائب کا نزول ہو، صبر اور رضا بالقضاء کا تصور اس کے ذہن سے رخصت ہو جائے۔ اور گناہوں میں زیادہ ملوث ہو جائے۔ اور موت کے فتنہ سے مراد یہ ہے کہ منکر نکیر کی طرف سے سوالات میں سختی ہو اور انسان حیرت، خوف اور عذابِ قبر میں مبتلا ہو جائے۔

اور موت کے فتنے سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ نزع کی حالت میں انسان کو آزمائش میں مبتلا کر دیا جائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ زندگی اور موت کے فتنے سے مراد دنیا اور آخرت کا عذاب ہو۔ اور ان دونوں سے بھی زیادہ سخت چیز یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کا دیدار ہی نصیب نہ ہو۔

مغرم سے کیا مراد ہے؟

ہر وہ چیز جس کا اداء کرنا انسان کیلئے ضروری ہو۔ اسے ''مغرم'' کہا جاتا ہے۔ یہ مصدر بمعنیٰ ''غرامۃ'' کے ہے اور اسم کی جگہ استعمال ہوا ہے، بعض حضرات اسے مالی قرض کی بجائے گناہوں اور معصیتوں کے قرض پر محمول کرتے ہیں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ ''غرم'' کی طرح ہے جو قرض کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس صورت میں اس سے وہ قرض مراد ہوگا جس کی ادائیگی ضروری بھی ہو اور وہ اسے ادا بھی کر سکتا ہو۔

بظاہر یہاں اس سے مراد مطلقاً قرض ہے خواہ کسی بھی نوعیت کا ہو کیونکہ قرض کی بابت منقول ہے کہ دَین، باعثِ عیبِ دین ہے کیونکہ اس کے ذریعے زمانہ حال میں ذلت ملتی ہے اور زمانۂ مستقبل میں ادائیگی نہ ہو سکنے کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، گو کہ یہ الگ بات ہے کہ مجبوری میں اس کے بغیر کوئی چارہ کار بھی نہیں دکھائی دیتا۔

مقروض کے جھوٹ بولنے سے کیا مراد ہے؟

اصل میں جب قرض خواہ مقروض سے اپنے قرضے کا مطالبہ کرے اور اس کے پاس اتنے پیسے موجود نہ ہوں کہ جس سے وہ قرضہ ادا کر سکے تو وہ اس سے اپنی جان خلاصی کیلئے یقیناً جھوٹ بولے گا اور قرض خواہ سے کہے گا کہ میرے پاس مال آنے والا ہے جیسے ہی میرے پاس مال آئے گا میں تمہیں قرض ادا کر دوں گا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگوں کو اپنے حالات اور معاملات جب بتائے گا تو یا جھوٹ بولے گا یا پھر قرض خواہ کی طرف سے ناراضگی مول لے گا۔

وعدہ خلافی سے کیا مراد ہے؟

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وعدہ پورا کرنا عام ہے۔ خواہ اس کا تعلق کسی بھی زمانے سے ہو یا کسی بھی جگہ سے ہو اگر کوئی آدمی اپنے پاس مال کو جمع کر کے رکھنے کی لالچ میں یا اپنی غلط تدبیروں اور ناجائز تصرفات سے اپنے قبضے میں اسے رکھتا ہے تو وہ بھی وعدہ خلافی کرتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ حدیث متفق علیہ ہے اور میرک کے مطابق اس کی تخریج امام ابوداؤد اور نسائی نے بھی کی ہے۔

تشہد کے بعد کی ایک دعا

۹۴۰: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا فَرَغَ اَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْاٰخِرِ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ اَرْبَعٍ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ۔

(رواہ مسلم)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢٤١/٣ حديث رقم ١٣٧٧۔ وأخرجه مسلم في صحيحه ٤١٢/١ حديث رقم (١٣٠۔٥٨٨) وأخرجه أبوداؤد في السنن ١٠٦/١ حديث رقم ٩٨٣۔ وابن ماجة في السنن ٢٩٤/١ حديث رقم ٩٠٩۔ والدارمي في السنن ٣٥٧/١ حديث رقم ١٣٤٤۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی آخری تشہد سے فارغ ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ چار چیزوں سے اللہ کی پناہ طلب کرے۔ نمبر۱ جہنم کے عذاب سے۔ نمبر۲ عذاب قبر سے۔ نمبر۳ زندگی اور موت کے فتنہ سے۔ نمبر۴ مسیح دجال کے شر سے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کی وضاحت میں علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے قعدۂ اخیرہ میں تعوذ کا مستحب ہونا صراحۃً معلوم ہوتا ہے اور اشارۃً ہی یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ قعدۂ اولیٰ میں یہ مستحب نہیں ہے کیونکہ قعدہ اولیٰ مختصر اور ہلکا ہوتا ہے۔ نیز دعا کا اصل موقع اختتام پر ہوتا ہے کیونکہ یہ ایک اصول ہے:۔

''طلب الامل انما یکون بعد تمام العمل''

دجال کب اور کیوں ظاہر ہوگا؟

دجال کا لفظ دجل سے نکلا ہے جس کا معنی فریب اور دھوکا ہے اس حدیث میں اسے سب سے آخر میں اس لئے ذکر کیا گیا کہ یہ قیامت کے قریب اختتام دنیا پر خروج کرے گا۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ دجال کے خروج میں بھی خیر اور شر دونوں پہلو موجود ہیں۔ چنانچہ خیر کا پہلو یہ ہے کہ اسے دیکھ کر مومن کے ایمان میں اضافہ ہو جائے گا اور وہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لفظ کافر لکھا ہوا پڑھ کر اپنے ایمان و یقین کو مضبوط کر سکے گا اور اس کا شر یہ ہوگا کہ کافر اس سے بچ نہ سکے گا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب کی احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ تشہد اور سلام کے درمیان ان چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگنا مستحب ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق اس کا موزوں ترین موقع درود شریف اور سلام کے درمیان ہے۔

۹۴۱: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هٰذَا الدُّعَاءَ كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤١٢/١ حديث رقم (١٣٤۔٥٩٠)۔ وأبوداؤد في السنن ٦٠١/١ حديث رقم ٩٨٤۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم صحابہ اور اہل بیت کو یہ دعا اس طرح سکھاتے تھے جس طرح آپ ﷺ ہمیں قرآن کی کوئی سورت سکھایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ یہ دعا اس طرح پڑھو۔ اللھم انی اعوذبك الخ۔ اے اللہ میں جہنم کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں زندگی اور موت کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں۔

تشریح: اس حدیث میں جو دعا لفظ 'قولوا'' کے ذریعے سکھائی گئی ہے اس کے بارے میں علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طاؤس اس امر کو وجوب پر محمول کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ جب ان کے بیٹے نے نماز میں یہ دعا نہ پڑھی تو انہوں نے اسے نماز لوٹانے کا حکم دیا جبکہ جمہور محدثین اس امر کو استحباب پر محمول کرتے ہیں۔

تکرارِ تعوذ کی وجہ:

اس دعا میں ہر جملے کے ساتھ تعوذ کا لفظ بار بار لایا گیا ہے تاکہ ان میں سے ہر ایک کی اہمیت اور عظمت و بڑھائی واضح ہو سکے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ان میں سے ہر ایک جملہ مستقل ہے۔

یہاں یہ بات جاننا بھی ضروری ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے نسخے میں یہاں ایک بہت بڑی غلطی پائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ الفاظِ حدیث میں ''واعوذ بك من فتنة المسيح الدجال'' کا جملہ مکرر ہے اور 'واعوذ بك من فتنة المحيا والممات'' کا جملہ سرے سے ہے ہی نہیں جو کہ مشکوۃ شریف کے تمام نسخوں کے خلاف ہے۔ پھر اس پر مستزاد علامہ ابن حجر کی وہ تحریر ہے جو انہوں نے اپنے نسخے کی توجیہہ میں لکھی ہے کہ نبی ﷺ نے اس حدیث میں دوسری احادیث کے برخلاف صرف فتنہ دجال کا تذکرہ فرمایا کیونکہ یہ دنیا میں واقع ہونے والے تمام فتنوں سے بڑا اور عظیم الشان فتنہ ہوگا اور اس فتنے میں ایمان پر ثابت قدم نہ رہنے والوں کو عذابِ قبر اور عذابِ جہنم کا سامنا ہوگا اسی وجہ سے یہاں اسے دو مرتبہ ذکر کیا گیا تاکہ اس کی اہمیت بھی واضح ہو جائے اور لوگ اس سے بکثرت استعاذہ کر سکیں۔

لیکن جیسا کہ ہم نے ذکر کیا یہ نسخہ مشکوۃ شریف کے تمام نسخوں کے خلاف ہے اس لئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی یہ توجیہہ ناقابلِ قبول ہے۔

۹۴۲: وَعَنْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ عَلِّمْنِیْ دُعَاءً اَدْعُوْبِہٖ فِیْ صَلَاتِیْ قَالَ قُلْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

أخرجه البخاري في صحيحه ٣١٧/٢_حديث رقم ٨٣٤_ومسلم في صحيحه ٢٠٧٨/٤حديث رقم (٤٨_٢٧٠٥) والترمذي في السنن ٥٠٧/٢حديث رقم ٣٥٣١ والنسائي في السنن ٥٣/٣حديث رقم ١٣٠٢_وأحمد في المسند ٤/١_

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ مجھے کوئی ایسی دعا بتا دیجئے کہ جس کو میں اپنی نماز میں پڑھ لیا کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ دعا پڑھ لیا کرو: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ ...... اے اللہ بیشک میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے اور تیرے علاوہ کوئی دوسرا گناہوں کو نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بخش سکتا لہٰذا تو مجھے بخش دے خاص طریقہ سے بخشنا۔ اور مجھ پر رحم کر بے شک تو بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اس دعا میں ظلمًا کثیرًا کا لفظ اکثر روایات میں ثاء کے ساتھ وارد ہوا ہے لیکن مسلم شریف کی بعض روایات میں یہ لفظ باء کے ساتھ کبیرًا آیا ہے۔ اور دونوں صحیح ہیں اور ان دونوں کو جمع کر کے کثیرًا کبیرًا بھی کہا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابہری نے ذکر کیا ہے۔

اس کی مثال امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا یہ ارشاد ہے کہ نمازی کو چاہیے جب وہ تکبیر تحریمہ کہہ چکے تو ''سبحانك اللّٰهم'' اور ''اني وجهت وجهي'' دونوں پڑھ لیا کرے اور دونوں میں تطبیق دینے کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے جو زیادہ واضح بھی ہے کہ کبھی ایک کو پڑھ لے کبھی دوسرے کو یا فرائض میں اس لفظ کا استعمال کرلے جو مختار مذہب اور اکثر روایات کے مطابق کثیرًا ہے اور نوافل میں کبیرًا کو استعمال کرلے۔

یہاں ابن جماعۃ نے علامہ نووی رحمہ اللہ پر ایک اعتراض کیا ہے جس میں زرکشی نے بھی ان کی ہم نوائی کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں لفظوں کو اس طرح نہیں استعمال فرمایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ایک ہی لفظ کو استعمال کر کے حاصل ہو سکتی ہے اکٹھا کر کے نہیں اور یہاں جو اکٹھا کیا گیا اس کی وجہ روایات میں تعارض دور کرنا ہے اس لئے علامہ نووی رحمہ اللہ کی یہ توجیہہ صحیح نہیں ہے گو کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس اعتراض کا جواب دینے کی کوشش کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ جواب صحیح نہیں۔

میرکؒ فرماتے ہیں کہ یہ دعا انتہائی جامع دعاء ہے کیونکہ اس میں اپنی انتہائی ذلت اور عاجزی کا اعتراف ہے اور اللہ سے اس کے انعام کا مطالبہ ہے۔ چنانچہ مغفرت گناہوں کو چھپانے اور مٹانے کا نام ہے اور رحمت بھلائی پہنچانے کا نام ہے گویا پہلے میں جہنم سے حفاظت کی درخواست ہے اور دوسرے میں نیکوکاروں کے ساتھ جنت داخل کرنے کی درخواست ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے جس کی دعا ہم سب اللہ سے کرتے ہیں۔

اس حدیث کو شیخین کے علاوہ دیگر ائمہ صحاح نے بھی روایت کیا ہے۔

نماز کے آخر میں سلام پھیرنے کا بیان

۹۴۳: وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنْتُ اَرٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ حَتّٰى اَرٰى بَيَاضَ خَدِّهٖ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤٠٩/١ حديث رقم (١١٦-٥٩٢)۔ والنسائي في السنن ٦١/٣ حديث رقم ١٣١٧۔ وابن ماجه ٢٩٦/١۔ حديث رقم ٩١٥۔ والدارمي ٣٥٧/١ حديث رقم ١٣٤٥۔ وأحمد في المسند ٣٩٠/١۔

ترجمہ: حضرت عامر بن سعد اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں دیکھتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں اور بائیں سلام پھیرتے تھے حتی کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخساروں کی سفیدی کو دیکھ لیتا تھا۔ (مسلم)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راوئ حدیث:

عامر بن سعد۔ نام۔ ''سعد بن ابی وقاص'' کے بیٹے ہیں۔ زہری وقریشی ہیں۔ اپنے والد اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی ہے۔ ان سے زہری اور دوسرے لوگ روایت کرتے ہیں۔ ۱۰۴ھ میں وفات پائی۔

تشریح: اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک کی سفیدی ذکر کرنے کیلئے ''خدّ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ مشکوٰۃ کے تصحیح شدہ نسخوں میں یہ لفظ مفرد ہی استعمال ہوا ہے جبکہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس لفظ کو تثنیہ کے ساتھ ''خدیه'' اصل قرار دیا ہے، اور ''خدّ'' کو اس کا دوسرا نسخہ قرار دیا ہے۔ لیکن ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ پہلے صورت میں اس کا معنی یوں ہو جائے گا کہ پہلے سلام پر مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں رخسار مبارک کی سفیدی نظر آئی اور دوسرے سلام پر بائیں رخسار مبارک کی۔ اور اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو عنقریب ۹۰ پر آیا چاہتی ہے، جس میں اس مضمون کی تصریح واضح الفاظ میں موجود ہے۔

البتہ ایک بات قابل غور ہے کہ اس حدیث میں بھی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی محولہ بالا حدیث میں بھی ''خدّ'' کا لفظ مفرد کے صیغے کے ساتھ وارد ہوا ہے۔ اس میں تو ظاہر ہے کہ کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر تثنیہ کا صیغہ ہو تو پھر اشکال ہوگا کیونکہ ایک طرف سلام پھیرنے سے اسی طرف کا رخسار نظر آ سکتا ہے۔ دوسری طرف کا نہیں۔

نیز الفاظ حدیث میں اس بات پر بھی کوئی دلالت موجود نہیں کہ سلام پھیرنا نماز کا ایسا رکن ہے جس کے بغیر نماز درست ہی نہیں ہوتی جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے یہ رائے اختیار کی ہے اور فرمایا ہے کہ اگر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جب التحیات میں بیٹھنے کا طریقہ سکھایا تو کلمات تشہد سکھانے کے بعد فرمایا جب تم یہ کہہ چکو تو تمہاری نماز مکمل ہو گئی، اگر تم چاہو تو کھڑے ہو جاؤ اور چاہو تو بیٹھے رہو۔ سو اس روایت کو امام ابوداؤد نے نقل کیا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ''ان شئت'' کے قائل تھے۔ تو میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث موقوف حکماً مرفوع ہے کیونکہ ایسی بات کوئی بھی محض اپنی رائے سے نہیں کہہ سکتا پھر اتنی بات تو آپ بھی مانتے ہیں کہ اس سے پہلے کا جملہ حجت ہے کیونکہ وہ حدیث ہے۔

باقی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ اگر اسے حدیث مرفوع تسلیم کر بھی لیا جائے تو ''قضیت'' کا معنی ہوگا تمہاری نماز مکمل ہونے کے قریب ہو گئی، یا تم اس کا ایک بڑا حصہ ادا کر چکے، اس لئے کہ ابھی خود ہی تو حافظ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ''ان شئت'' کے قائل بالاتفاق حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اس سے پہلے کا جملہ بالاتفاق مرفوع ہے، یہ تو تناقض صحیح ہے، پھر وہ تاویل جو حافظ صاحب رحمہ اللہ نے ''قضیت'' کا معنی بیان کرتے ہوئے ذکر کی ہے، وہ بھی بعد از قیاس ہے اور دور دور تک اس تاویل کا کوئی مقتضی نہیں پایا جاتا۔

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل حدیث کو بھی ضعیف قرار دیا۔

''اذا رفع الامام راسه من آخر رکعته وقعد، ثم احدث قبل ان یتکلم فقد تمت صلاته''۔

اور فرمایا ہے کہ اگر صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو اسے پہلے سلام کے بعد حدث لاحق ہونے پر محمول کیا جائے گا۔

میں اس کا جواب یہ دوں گا کہ سند کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح ہے اور حافظ صاحب رحمہ اللہ کا اسے پہلے سلام سے قبل پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمول کرنا غلط ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ "قبل ان یتکلم" اس کی پُر زور تردید کررہے ہیں۔ پھر اس تاویل کا بعید از فہم ہونا بھی واضح ہے، نیز ایک دوسری حدیث میں تو صراحۃً یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں:

"اذا احدث وقد قعد فی آخر صلاته قبل ان یسلم فقد جازت صلاته"

اسی طرح ایک اور حدیث میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔

"اذا جلس قدر التشهد، ثم احدث فقد تمت صلوته"

اس حدیث کو امام طحاوی رحمہ اللہ نے اتنی مختلف اسناد سے نقل کیا ہے کہ یہ درجۂ حسن سے اوپر پہنچ جاتی ہے اس لئے اصلاً یہ حدیث قوی قرار پاتی ہے اسی وجہ سے بعد میں اس پر طاری ہوجانے والا ضعف بھی کچھ مضر نہیں رہتا، اس لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ یہ دونوں حدیثیں بھی تمام حفاظ حدیث کے اتفاقی قول کے مطابق ضعیف ہیں، نرا دعویٰ ہے جس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

پھر متعدد اسانید سے ایک سلام پر اکتفاء بھی ثابت ہے اور دوسری روایات سے دو سلاموں کا ثبوت بھی ملتا ہے جن میں سے پہلے کو بیانِ جواز پر محمول کیا جائے گا یا پھر اقتصارِ راوی پر، البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت سے صرف ایک مرتبہ سلام پھیرنے کا جوذکر ملتا ہے وہ دائیں یا بائیں جانب نہیں بلکہ چہرے کے سامنے کی طرف ہے، اور اسے ابن حبان وحاکم نے صحیح بھی قرار دیا ہے، جبکہ محدثین کی ایک دوسری جماعت نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

امام نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کرے

۹۴۴: وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَاصَلّٰى صَلَاةً اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ۔

(رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۳۳۳/۲۔حديث رقم ۸٤۵۔والنسائی فی السنن۸۳/۳حديث رقم ۱۳٦۳۔وابن ماجه ۱۷/۱ حديث رقم ٤٤۔

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھ کر فارغ ہوجاتے تھے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جاتے تھے۔

تشریح: اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ابن ملک فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سلام پھیرتے وقت اپنے روئے انور کو دائیں اور بائیں جانب گھمایا کرتے تھے جبکہ علامہ ابہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ نماز سے فارغ ہو کر اپنے روئے انور مقتدیوں کی طرف کر کے بیٹھ جایا کرتے تھے، حافظ صاحب رحمہ اللہ بھی اسی قول کی تائید کرتے ہوئے دلیل میں اس روایت کو پیش کرتے ہیں جو عنقریب آیا چاہتی ہے کہ نبی ﷺ جب سلام پھیر کر فارغ ہوجاتے تو کبھی کبھار اپنی دائیں جانب لوگوں کی طرف اور بائیں جانب قبلہ کی طرف بھی کرلیا کرتے تھے۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے دس مختلف جگہوں پر کہیں مفصل اور کہیں مجمل نقل فرمایا ہے، نیز میرک کے مطابق امام مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۴۵: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِيْنِهٖ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في في صحيحه ۱/ ٤۹۲ حديث رقم (٦۱-۷۰۸)۔ والنسائي ۳/ ۸۱ حديث رقم ۱۳٥۹۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر دائیں طرف مڑ کر بیٹھ جاتے تھے۔

تشریح: اس حدیث کی وضاحت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول مبارک پیش کیا جا سکتا ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دائیں جانب کوئی کام ہوتا تو سلام پھیر کر دائیں جانب رخ انور کر کے بیٹھ جاتے اور اگر بائیں جانب کوئی کام ہوتا تو بائیں جانب رخ فرما لیتے، اس لئے میں کہتا ہوں کہ اگر نمازی کو کوئی کام ہو تو وہ اس رخ پر بیٹھ جائے جس طرف اسے کام ہو۔ اور اگر دونوں جانبیں برابر ہوں تو پھر جس طرف چاہے رخ کر لے۔ البتہ دائیں جانب رخ کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر کام میں ''تیامن اور یمین'' بہت پسند تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول مبارک تھا کہ جب مسجد سے نکلنے کا ارادہ نہ ہوتا تو دائیں جانب رخ کر کے نمازیوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جاتے تھے۔

فائدہ: یاد رہے کہ مذکورہ آخری چار حدیثیں اس باب کے ساتھ ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے ذکر کر دی گئی ہیں۔

اپنی نماز سے شیطان کا حصہ مقرر نہ کرو

۹۴۶: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِنْ صَلَاتِهٖ يُرٰى اَنْ حَقًّا عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَنْصَرِفَ اِلَّا عَنْ يَمِيْنِهٖ لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيْرًا يَنْصَرِفُ عَنْ يَّسَارِهٖ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/ ۳۳۷۔ حديث رقم ۸٥۲۔ ومسلم في صحيحه ۱/ ٤۹۲ حديث رقم (٥۹-۷۰۷) وأبوداؤد في السنن ۱/ ٦۳۱ حديث رقم ۱۰٤۲۔ والنسائي في السنن ۳/ ۸۱ حديث رقم ۱۳٦۰۔ وابن ماجه ۱/ ۳۰۰ حديث رقم ۹۳۰۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی آدمی اپنی نماز میں سے شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے۔ یہ کہ اس چیز کو لازم سمجھے کہ دائیں طرف ہی سے پھرے۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ اکثر بائیں طرف سے بھی پھرا کرتے تھے۔

تشریح: اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ ''میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر بائیں جانب رُخ پھیرتے ہوئے دیکھا ہے'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال سے کمال مطلع ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور اسی حدیث سے علامہ طیبی رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ کسی مستحب کام پر اصرار کرنا اور اس میں رخصت پر عمل نہ کرنا شیطانی دھوکہ اور اس کی طرف سے گمراہ کرنے کی ایک کوشش ہے۔ جب مستحب کام پر اصرار کا یہ حکم ہے تو بدعت اور غلط کاموں پر اصرار شیطانی دھوکہ کیوں نہ ہوگا؟ نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ اللہ اپنی جانب سے دی جانے والی رخصتوں کو قبول کرنا بھی اسی طرح پسند کرتا ہے جس طرح عزیمت پر عمل کرنا پسند کرتا ہے، اسی طرح اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ''انصرفنا من الصلوٰۃ'' کہنا جائز ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گو کہ حضرت ابن عباسؓ اسے مکروہ سمجھتے تھے اور دلیل میں قرآن کریم کی یہ آیت پیش کرتے تھے:
"ثم انصرفوا صرف اللّٰه قلوبهم"۔ "خدا نے ان کے دلوں کو پھیر رکھا ہے۔"

نماز کے بعد کی دعا

۹۴۷: وَعَنِ الْبَرَاءِؓ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْبَبْنَا اَنْ نَكُوْنَ عَنْ يَمِيْنِهٖ يُقْبِلُ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ قَالَ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ اَوْتَجْمَعُ عِبَادَكَ۔

(رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۴۹۲ حديث رقم(۶۲-۷۰۹)۔وأبو داؤد في السنن ۵/۲۹۸ حديث رقم ۵۰۴۵۔والترمذی ۵/۴۳۹ حديث رقم ۳۳۹۸۔وابن ماجه ۲/۱۲۷۶۔حديث رقم ۳۸۷۷۔وأحمد في المسند ۱/۴۰۰

ترجمه: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو اس کو پسند کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے دائیں طرف کھڑے ہوں تا کہ سلام کے وقت سب سے پہلے آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوں۔حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز کے بعد یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے۔ رب قني عذابك يوم تبعث او تجمع عبادك۔ اے اللہ مجھے اپنے عذاب سے بچا اس دن کہ جب تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا یا جمع کرے گا۔(مسلم)

۹۴۸: وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اِنَّ النِّسَآءَ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ اِذَا سَلَّمْنَ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ قُمْنَ وَثَبَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ صَلّٰى مِنَ الرِّجَالِ مَاشَاءَ اللّٰهُ فَاِذَا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ الرِّجَالُ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۳۴۹۔حديث رقم ۸۶۶۔وأحمد في المسند ۶/۳۱۶۔ في المخطوطة "التصنيف"۔

ترجمه: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں عورتیں فرض نماز کا سلام پھیر کر فی الفور اٹھ جاتی تھیں۔اور اپنے گھروں کو چلی جاتی تھی۔اور رسول اللہ ﷺ اور مردوں میں سے جو لوگ نماز میں شامل ہوتے تھے جتنی دیر اللہ کو منظور ہوتا بیٹھے رہتے تھے۔پھر جب آپ ﷺ کھڑے ہوتے تو سب مرد بھی کھڑے ہو جاتے تھے۔اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے۔(بخاری) اور جابر بن سمرہ کی حدیث ہم باب الضحک میں ذکر کریں گے۔ان شاء اللہ

تشریح: اس حدیث سے ابن ملک نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ عورتوں کے گذر جانے کی غرض سے امام کا اپنی جگہ کھڑا رہنا مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ جب تک امام کھڑا نہ ہو، مقتدی اپنی جگہ ہی بیٹھے رہیں۔

اس مضمون کی ایک روایت حضرت جابر بن سمرہؓ سے بھی مروی ہے جو عنقریب "باب الضحک" میں مکمل تفصیل کے ساتھ آئے گی۔تاہم یہاں اس کا مضمون ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا چنانچہ مروی ہے کہ حضور ﷺ جس جگہ نمازِ فجر پڑھاتے تھے، وہاں سے طلوعِ آفتاب سے پہلے نہ اٹھتے تھے،اور لوگ بھی آپ میں زمانۂ جاہلیت کی پرانی باتیں اور یادیں تازہ کرتے ہوئے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گفتگو میں مصروف رہتے، صحابۂ کرام علیہم الرضوان دورانِ گفتگو ان باتوں پر ہنستے بھی جاتے تھے جس پر ہنسی آتی ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف تبسم فرمایا کرتے تھے۔

ابن ملک فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مسجد میں جائز اور مباح کلام سننے کے جواز کی بھی دلیل ہے تاہم بعض حضرات کی رائے یہ بھی ہے کہ چونکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی گفتگو دینی فوائد سے خالی نہیں ہوتی تھی اس لئے اس سے صرف مباح کا جواز ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

تنبیہ: حضرت جابر بن سمرہؓ کی محولہ بالا حدیث کو اسی بات میں ذکر کرنا زیادہ بہتر تھا تاکہ حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اعتزار کی ضرورت پیش آتی اور نہ ان پر کوئی اعتراض وارد ہوتا۔ اور یہ واضح بات ہے کہ اگر کوئی طویل حدیث مختلف امور پر مشتمل ہو اور اسے مختلف ابواب میں کسی ایک مناسبت کی وجہ سے ذکر کیا جاسکتا ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ایک ہی حدیث کئی ابواب کے تحت معمولی مناسبت کی وجہ سے ذکر فرمائی ہے۔

الفصل الثانی:

نماز کے بعد کی ایک دُعا

۹۴۹: وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ قَالَ اَخَذَ بِيَدِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ لَاُحِبُّكَ يَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَاَنَا اُحِبُّكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلَا تَدَعْ اَنْ تَقُوْلَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ رَبِّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ (رواہ احمد وابوداود والنسائی) اِلَّا اَنَّ اَبَادَاوُدَ لَمْ يَذْكُرْ قَالَ مُعَاذٌ وَاَنَا اُحِبُّكَ.

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۲/۱۸۰ حدیث رقم ۱۵۲۲۔ والنسائی فی السنن ۳/۵۴ حدیث رقم ۱۳۰۴۔ ومالك فی الموطأ ۲/۹۵۳ حدیث رقم ۱۶ من کتاب الشعر۔ وأحمد ۵/۲۴۷۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر فرمایا۔ اے معاذ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بھی نماز کے بعد اس دعا کو ترک نہ کرنا۔ رب اعنی علی ذکرك وشکرك وحسن عبادتك۔ اے میرے پروردگار تو اپنے ذکر اپنے شکر اور اپنی اچھی عبادت میں میری مدد کر۔ (ابوداؤد۔ احمد۔ نسائی) امام ابوداؤد نے حضرت معاذؓ کے یہ الفاظ وانا احبك نقل نہیں کیے ہیں۔

تشریح: اس حدیث کے ضمن میں ابن ملک فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے جن الفاظ میں اظہار تعلق ومحبت فرمایا، وہ حضرت معاذؓ کے اظہار محبت والے کلمات سے زیادہ مؤکد ہیں، میری طرف سے اس کی توجیہہ یوں بیان کی جاسکتی ہے کہ حضرت معاذؓ کی طرف سے تو تاکیدی کلمات کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہ کرتے ہوں اس لئے بظاہر ان کے کلمات محبت زیادہ مؤکد نہ تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ طیبی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اللہ کا ذکر، انشراح صدر کا مقدمہ ہے، اس کا شکر حصول نعمت کا سبب اور ذریعہ ہے۔ اور وہ حسن عبادت جس کا ایک بندۂ مؤمن سے مطالبہ ہے، یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ماسوی اللہ سے جدا کر لے۔

حافظ سخاوی رحمہ اللہ حدیث مسلسل کی بحث میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں "انی لا احبك" کا لفظ ہمیں مسلسل بالروایۃ کے طور پر نقل کیا گیا ہے اور یہ حدیث ہمارے لئے مسلسلات میں سے ایک اہم حدیث ہے۔

سلام پھیرنے کا طریقہ

۹۵۰: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهٖ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ الْاَيْمَنِ وَعَنْ يَسَارِهٖ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ الْاَيْسَرِ ۔ (رواه ابوداؤد والترمذی والنسائی ولم يذكر الترمذی حتّٰى يُرٰى بَيَاضَ خَدِّهٖ)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۶۰۶ حديث رقم ۹۹۶۔ والترمذی ۲/۸۹ حديث رقم ۲۹۵ وأخرجه النسائی فی السنن ۳/۶۳ حديث رقم ۱۳۲۳۔ والدارمی فی السنن ۱/۳۵۷ حديث رقم ۱۳۴۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دائیں جانب سلام پھیرتے اور کہتے تھے السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں رخسار کی سفیدی نظر آتی تھی۔ اور اپنی بائیں جانب بھی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے سلام پھیرتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں رخسار کی سفیدی نظر آتی تھی۔ (ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی)

تشریح: اس حدیث کے تحت بعض شوافع نے یہ بھی فرمایا ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کیلئے جو سلام پھیرا جاتا ہے اس میں "وبرکاته" کا اضافہ کر لینا مستحب ہے۔ لیکن حافظ ابن صلاح نے اس کی تردید کرتے ہوئے اسے عقلاً ونقلاً دونوں طرح شاذ قرار دیا ہے۔

۹۵۱: وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ۔

ترجمہ: اور ابن ماجہ نے اس روایت کو عمار بن یاسر سے نقل کیا ہے۔

تشریح: یہ حدیث امام ابن ماجہ نے حضرت عمار بن یاسرؓ کے حوالے سے بھی نقل کی ہے۔ جو یہاں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور بظاہر ان کی روایت مکمل حدیث ہے، جزو حدیث نہیں، ورنہ صاحب مشکوٰۃ "وکذا رواه ابن ماجة" فرماتے۔

۹۵۲: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ اَكْثَرُ انْصِرَافِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ صَلَاتِهٖ اِلٰى شِقِّهِ الْاَيْسَرِ اِلٰى حُجْرَتِهٖ ۔ (رواه فی شرح السنة)

أخرجه البغوی فی شرح السنة ۳/۲۱۰ حديث رقم ۷۰۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نماز کے بعد بائیں جانب اپنے حجرہ کی طرف مڑ جاتے تھے۔ (شرح السنہ)

تشریح: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارکہ کا دروازہ مسجد میں کھلتا تھا جو محراب کی بائیں جانب بنتی ہے، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوکر اکثر بائیں جانب سے واپس ہوکر اپنے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے جاتے تھے۔

فرض کے بعد سنتوں کے لئے جگہ تبدیل کرنا

۹۵۳: عَنْ عَطَاءِ الْخُرَاسَانِيِّ عَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي الْإِمَامُ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ حَتَّى يَتَحَوَّلَ (رواه ابوداود) وَقَالَ عَطَاءُ الْخُرَاسَانِيُّ لَمْ يُدْرِكِ الْمُغِيرَةَ۔

أخرجه أبوداود في السنن ۱/۴۰۹ حديث رقم ۶۱۶۔وابن ماجه ۱/۴۵۹ حديث رقم ۱۴۲۸۔

ترجمہ: حضرت عطاء خراسانی سے روایت ہے وہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ امام اس جگہ نماز نہ پڑھے جہاں نماز پڑھ چکا ہے بلکہ وہاں سے جگہ تبدیل کرے۔ (ابوداؤد) اور کہا ہے کہ عطاء خراسانی کی ملاقات حضرت مغیرہ بن شعبہ سے ثابت نہیں ہے۔

راویٔ حدیث:

عطاء بن عبداللہ۔ نام عطاء عبداللہ کے بیٹے ہیں۔ جلیل القدر تابعی ہیں۔ ''عطا خراسانی'' کے نام سے مشہور ہیں۔ اصل میں ''خراسان'' کے باشندہ تھے شام میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۵ھ میں انتقال ہوا۔ ان سے مالک بن انس اور معمر بن راشد نے روایت کی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں امام کو فرض نماز کے بعد مصلّٰی امامت پر ہی نوافل ادا کرنے سے جو منع کیا گیا ہے، اس کی توجیہہ میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق ان نمازوں کے ساتھ ہے جن کے بعد سنن رواتبہ ہوں، اور جن نمازوں کے بعد سنن رواتبہ نہ ہوں ان میں یہ ممانعت نہیں ہے اور بعض علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ یہ ممانعت ہر فرض نماز کے بعد ہے خواہ اس کے بعد سنتیں ہوں یا نہ ہوں۔

اور کتاب الازھار میں صاحب کتاب نے تو یہ فرمایا ہے کہ ممانعت کا یہ حکم صرف امام کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مقتدیوں کو بھی شامل ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اس ممانعت کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسی جگہ پر نوافل پڑھنے کی ممانعت اس لئے کی گئی ہے کہ کہیں دیکھنے والے کو یہ وہم نہ ہوجائے کہ یہ ابھی تک فرض نماز ہی پڑھ رہا ہے۔ یا یہ کہ اپنی پڑھی ہوئی نماز کو لوٹا رہا ہے، جبکہ مظہر اس کی حکمت یوں بیان فرماتے ہیں کہ جب انسان دو مختلف جگہوں پر نماز پڑھے گا تو قیامت کے دن دو مختلف جگہیں اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی گواہی دیں گی اس لئے جگہ بدل بدل کر عبادت کرنا اچھی بات ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سند حدیث پر بحث:

حدیث کے متن اور اس کی مکمل وضاحت کے بعد اب اس کی سند پر بھی غور فرمائیے کیونکہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے، علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ضعیف قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ راوی حدیث عطاء خراسانی کی حضرت مغیر بن شعبہؓ سے ملاقات ثابت ہی نہیں جیسا کہ امام ابوداؤد فرماتے ہیں۔ اور میرک کے مطابق دیگر محدثین نے بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

چنانچہ شرح السنہ میں امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس روایت "**لا یتطوع امام فی مکانہ**" کا مرفوع ہونا ثابت ہے اور نہ ہی صحیح ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما "جو اتباع سنت میں بہت مشہور تھے" فرائض کی جگہ کھڑے ہو کر نوافل ادا کرلیا کرتے تھے، قاسم بن محمد کا بھی یہی عمل تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک ضعیف حدیث میں اس حدیث کی تائید ان الفاظ سے بھی وارد ہوئی ہے:۔

"**یعجز احدکم ان یتقدم او یتأخر او عن یمینہٖ او عن شمالہ فی الصلاۃ**"۔

نیز مسلم شریف کی مندرجہ ذیل روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

"**امرنا رسول اللہ ﷺ ان لا نوصل صلاۃً بصلاۃ حتّٰی نتکلم او نخرج**"۔

۹۵۴: **وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَضَّهُمْ عَلَى الصَّلَاةِ وَنَهَاهُمْ اَنْ يَّنْصَرِفُوْا قَبْلَ انْصِرَافِهٖ مِنَ الصَّلَاةِ** - (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/ ۴۱۲ حدیث رقم ۶۲۴۔ وأحمد فی المسند ۳/ ۲۴۰۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کو نماز کی ترغیب دیتے تھے اور ان کو اس بات سے منع کرتے تھے کہ وہ نماز کے بعد آپ ﷺ کے اٹھنے سے قبل اٹھیں (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں نبی ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اپنے واپس جانے سے پہلے لوٹنے سے منع فرمایا جس کی علت بیان کرتے ہوئے علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دراصل اس زمانے میں خواتین بھی نبی ﷺ کے ساتھ باجماعت نماز میں شریک ہوتی تھیں ان کے احترام میں اور بے پردگی سے بچنے کیلئے یہ حکم دیا گیا تاکہ وہ اطمینان سے مسجد سے جاسکیں۔ خود نبی ﷺ اپنی جگہ پر تشریف فرما رہتے اور عورتوں کے جاچکنے کے بعد پہلے نبی ﷺ اٹھتے اور ان کے بعد صحابہ کرام اٹھتے۔

میرک فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں انصراف سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب تک میں سلام پھیر کر نماز سے فارغ نہ ہو جاؤں تم نماز سے فارغ نہ ہوا کرو اور بندہ ضعیف کی رائے کے مطابق انصراف سے یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ مسبوق امام کے سلام کے کہنے سے پہلے کھڑا نہ ہو جائے کیونکہ ایسا کرنا ہمارے نزدیک حرام ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الفصل الثّالث:

تشہد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

۹۵۵: وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍؓ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ صَلَاتِهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ الثَّبَاتَ فِي الْاَمْرِ وَالْعَزِيْمَةَ عَلَى الرُّشْدِ وَاَسْاَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَاَسْاَلُكَ قَلْبًا سَلِيْمًا وَلِسَانًا صَادِقًا وَاَسْاَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ۔ (رواہ النّسائی وروی احمد نحوہ)

أخرجه النسائي في السنن ٤/٥٤ حديث رقم ١٣٠٤۔ وأحمد في المسند ٤/١٢٣۔

ترجمہ: حضرت شداد بن اوسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں یہ دعا پڑھتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ ...... اے اللہ میں تجھ سے دین میں ثابت قدمی اور راہ راست کے قصد کا سوال کرتا ہوں۔ اور میں تجھ سے تیری نعمت کے شکر اور تیری عبادت کے حسن کی درخواست کرتا ہوں اور تجھ سے قلب سلیم اور سچی زبان مانگتا ہوں اور تجھ سے وہ بھلائی چاہتا ہوں جس کو تو جانتا ہے اور اس برائی سے پناہ مانگتا ہوں جس کو تو جانتا ہے اور معافی مانگتا ہوں ان گناہوں سے جن کو تو جانتا ہے۔ (احمد۔نسائی)

عزیمت سے کیا مراد ہے؟

عزیمت عزم کی طرح ہے جس کا معنی ہے کسی کام پر دل کو مضبوطی سے جمالینا اس حدیث میں ثابت قدمی کو عزیمت پر مقدم کیا گیا ہے گو کہ دلی ارادہ اور عمل نفس فعل پر مقدم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصود بالذات دلی ارادہ نہیں بلکہ ثابت قدمی ہے کیونکہ نتیجہ کار بہر حال رتبے میں مقدم ہوتا ہے گو کہ وجود میں مؤخر ہی ہو۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں قلب سلیم کی جو دعا مانگی گئی ہے اس سے مراد عقائد فاسدہ اور خواہشات نفسانی کی طرف جھکاؤ سے حفاظت ہے کیونکہ یہ قلبی امراض میں شمار ہوتے ہیں اور انسان کو دلی اور قلبی طور پر صحیح اسی وقت سمجھا جا سکتا ہے جبکہ وہ زیور علم اور اخلاق حسنہ سے مزین ہو یا یہ مراد بھی ہو سکتا ہے کہ میرا دل دھوکہ، کینہ، اخلاقِ رذیلہ اور کمینہ خصلتوں اور عادتوں سے پاک صاف ہو یا یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ میرا دل اپنے مولیٰ کے احکام کے تابع اور فرمانبردار رہو یا یہ کہ وہ ماسوی اللہ سے بالکل خالی ہو۔

www.KitaboSunnat.com

۹۵۶: وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کَانَ يَقُوْلُ فِيْ صَلَاتِهِ بَعْدَ التَّشَهُّدِ اَحْسَنُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللّٰهِ وَاَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ النسائی)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے دوران تشہد کے پڑھنے کے بعد فرماتے تھے سب سے بہتر کلام اللہ کا کلام اور سب سے بہتر ہدایت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح: اس حدیث میں کلام اللہ اور نبی ﷺ کی سیرت کی جو مدح سرائی کی گئی ہے درحقیقت وہ خود اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کی مدح سرائی ہے اس اعتبار سے یہ معنیً تسبیح وذکر اور نبی ﷺ پر درود ہے اس سے وہ اشکال بھی دور ہو گیا جو اس مقام ان پر علماء کیلئے باعث اشکال بنتا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ ذکر ودعا کے علاوہ جو کلام بھی نماز کے دوران انسان کے منہ سے نکلے اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے اس لئے کہ اس صورت میں ہمارا یہ کہنا ہے کہ اعتبار معانی کا ہوتا ہے الفاظ کا نہیں۔ اسلئے ہمارے علماء کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی کو نماز کے دوران یہ بات پتہ چلی کہ فلاں آدمی کا انتقال ہو گیا ہے اور اس نے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھ لیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ معنی کے اعتبار سے یہ کہنے والے کا جواب ہے اگرچہ الفاظ قرآن کے ہیں۔

علماء کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ تشہد کے بعد نماز کے دوران کوئی ایسی دعا نہ مانگے جس کی درخواست مخلوق سے بھی کی جاسکتی ہو، چنانچہ اگر کسی آدمی نے یہ دعا کی کہ اے اللہ مجھے مال یا لونڈی عطا فرما تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی ہاں اگر کسی نے یہ دعا کی ''اللھم اغننی وزوجنی الحور العین'' تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

سلام پھیرنے کی کیفیت

۹۵۷: وَعَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ فِى الصَّلَاةِ تَسْلِيْمَةً تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ ثُمَّ يَمِيْلُ اِلَى الشِّقِّ الْاَيْمَنِ شَيْئًا ۔ (رواه الترمذى)

أخرجه الترمذى فى السنن ۲/۹۰ حديث رقم ۲۹٦۔

ترجمہ: حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک سلام پھیرتے تھے سامنے کی طرف پھر تھوڑا رخ دائیں طرف کو پھیرتے۔ (ترمذی)

سلام کا جواب

۹۵۸: وَعَنْ سَمُرَةَ ؓ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَرُدَّ عَلَى الْاِمَامِ وَنَتَحَابَّ وَاَنْ يُّسَلِّمَ بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداؤد فى السنن ۱/۶۰۹ حديث رقم ۱۰۰۱۔ وأخرجه ابن ماجه ۱/۲۹۷ حديث رقم ۹۲۲۔ فى المخطوطة "الرد"۔ فى المخطوطة "بالتسليمة"۔

ترجمہ: حضرت سمرہ ؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم سلام پھیرتے وقت امام کے سلام کے جواب کی نیت کریں۔ ہم آپس میں محبت رکھیں اور ایک دوسرے کو سلام کریں۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب ہم سلام پھیریں تو اپنے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے لوگوں کی نیت کریں اور جو ہم سے آگے ہیں ان کی بھی نیت کریں۔

علامہ طیبی ؒ فرماتے ہیں کہ امام کے سلام کا مقتدی جواب دیں اس سے مراد یہ نہیں کہ مقتدی بھی وہی کہیں جو امام نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہا ہے جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مقتدی تین مرتبہ سلام کہے ایک مرتبہ تو اپنے چہرے کو سامنے کے رخ پر دائیں جانب ذرا سا مائل کر کے سلام پھیرے تاکہ نماز سے نکل جائے دوسرا سلام امام کے جواب میں اور تیسرا سلام ان لوگوں کیلئے جو امام کی بائیں جانب ہیں۔

محبت سے کیا مراد ہے؟

اس حدیث میں جس محبت کا ذکر ہے اس سے مراد نمازیوں اور تمام مسلمانوں سے محبت ہے جس کی صورت یہ ہے کہ ہر شخص اخلاق حسنہ، اعمال صالحہ، اقوال صادقہ اور نصائح خالصہ کا مظاہرہ کرے جس سے آپس میں محبت پیدا ہو سکے۔

''قولہٗ وان یسلم بعضنا علی بعض'':

اس سلام سے مراد نماز والا سلام ہے جس کی دلیل مسند بزار کی روایت کے الفاظ ہیں:

''وان نسلم علی ائمتنا وان یسلم بعضنا علی بعض فی الصلاۃ''۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ نمازی اپنے دائیں بائیں موجود انسانوں اور فرشتوں کی نیت سے سلام پھیرے۔ ہمارے بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے جسے لوگوں نے ترک کر دیا ہے تاہم یہ بھی ممکن ہے کہ اس سلام کو خارج صلوٰۃ پر محمول کیا جائے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ عطف ''الخاص علی العام'' کے قبیل سے ہے کیونکہ محبت کا مفہوم زیادہ عام ہے سلام کی نسبت۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی سند پر بحث کرتے ہوئے متردد ہیں اور فرماتے ہیں کہ سنداً یہ حدیث حسن یا صحیح ہے امام ابو داؤد کے علاوہ اس روایت کو امام محمد اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے اس کی تحسین فرمائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز سے پہلے اور بعد میں بھی چار چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ اسی طرح عصر کی نماز سے پہلے بھی آپ چار رکعتیں پڑھتے تھے اور ہر دو رکعتوں کے درمیان ملائکہ مقربین، انبیاء کرام اور دیگر مؤمنین پر سلام پڑھتے تھے لیکن بظاہر یہ حدیث کلمات تشہد میں پڑھے جانے والے سلام پر محمول ہے جس میں یوں کہا جاتا ہے: ''السلام علینا وعلی عباد اللّٰہ الصلحین'' کیونکہ اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ نماز سے نکلنے والے سلام میں انبیاء کرام کی نیت نہیں کی جاتی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَابُ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ

نماز کے بعد ذکر کا بیان

الفصل الاول:

نماز کے آخر میں تکبیر کہنا

۹۵۹: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ اَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِالتَّكْبِيْرِ . (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٣٢٥-حديث رقم ٨٤٢-ومسلم في صحيحه ١/٤١٠حديث رقم (١٢٠-٥٨٣) وأبوداؤد في السنن ١/٦٠٩حديث رقم ١٠٠٢-والنسائي ٣/٦٧حديث رقم ١٣٣٥-

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کے ختم ہونے کو تکبیر سے معلوم کر لیتا تھا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث میں تکبیر سے مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ نماز سے فارغ ہو کر ''اللہ اکبر'' کہا کرتے تھے۔ اشرف کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ تکبیر ہے جو نبی ﷺ کے بعد از نماز معمولات میں شامل تھی، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جبکہ حضرت ابن عباسؓ جو کہ راوی حدیث ہیں۔ نبی ﷺ سے دور ہوں اور تکبیر کے علاوہ آپ ﷺ کی آواز زیادہ بلند نہ ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کلمات تسبیح میں نبی ﷺ پہلے ''اللہ اکبر'' ہی فرماتے ہوں۔ چنانچہ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ ''وسبحان الله، الحمد لله، الله اكبر'' میں سے جس سے بھی ابتداء کر لے۔ صحیح ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب نماز میں نبی ﷺ ایک رکن اور ہیئت سے دوسرے رکن اور ہیئت کی طرف منتقل ہوتے ہوئے تکبیر کہتے تو میں اسے سن کر اندازہ کر لیتا تھا کہ اب نبی ﷺ کسی رکن میں ہیں! لیکن یہ تاویل ترجمۃ الباب کے خلاف ہے کیونکہ اس میں نماز کے بعد ذکر کا عنوان باندھا گیا ہے۔

سید جمال الدین فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں تکبیر کی آواز آنا بند ہو جانے پر یہ سمجھ لیتا تھا کہ بس اب نماز ختم ہونے والی ہے کیونکہ نماز کا اختتام تو ''سلام'' پر ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے دربار سعادت میں فرض نماز سے فراغت کے بعد بلند آواز سے ایک مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہنے کا رواج تھا، جسے امام شافعی رحمہ اللہ نے اس بات پر محمول فرماتے ہیں کہ مقتدیوں کو تعلیم دینا مقصود تھا کہ نماز سے فراغت کے بعد بھی اللہ کی کبریائی کا ترانہ بلند کرنا چاہیے۔

یاد رہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اسے ''تعلیم'' پر محمول اس لئے فرماتے ہیں کہ خود قرآن کریم میں بلند آواز سے ذکر کی ممانعت آئی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ''ولا تجهر بصلاتك''۔

صحیحین کی روایت کے مطابق یہ آیت دعاء کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جبکہ امام بیہقی رحمہ اللہ آہستہ آواز سے ذکر کرنے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مطلوب ہونے پر صحیحین کی اس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں جس کے مطابق نبی ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بلند آواز سے تہلیل وتکبیر کی ممانعت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم کسی بہرے یا غائب خدا کو نہیں پکار رہے (جو کہیں موجود ہو اور کہیں نہ ہو) وہ تو تمہارے ساتھ ہے، اور سنتا ہے اور انتہائی قریب ہے۔

اذکار وادعیہ میں جہر کے مواقع:

ویسے تو اکثر اذکار وادعیہ میں مسنون طریقہ ہی ہے کہ انہیں سرًّا اور آہستہ آواز میں کہا جائے لیکن چند مواقع ایسے بھی ہیں جہاں بلند آواز سے ذکر ودعا مستحب ہے، جن میں سے چند ایک حسبِ ذیل ہیں:

① تلبیہ۔ ② قنوتِ نازلہ۔ ③ عیدین کی راتوں میں تکبیراتِ تشریق۔ ④ دس ذی الحجہ کو قربانی کے جانور دیکھ کر۔ ⑤ سورۃ الضحیٰ سے آخر قرآن تک ہر دو سورتوں کے درمیان۔ ⑥ اونچی جگہ پر چڑھتے ہوئے اور ٹیلوں وبلند جگہوں سے اترتے ہوئے۔

فرض نماز کے بعد بیٹھنے کی مقدار

٩٦٠: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤١٤/١ حديث رقم (١٣٦-٥٩٢)۔ وأبو داؤد في السنن ١٧٦/٢ حديث رقم ١٥١٢ والترمذي في السنن ٩٥/١ حديث رقم ٢٩٨۔ والنسائي ٦٩/٣ حديث رقم ١٣٣٨۔ وابن ماجه ٢٩٨/١ حديث رقم ٩٢٤ والدارمي ٣٥٨/١ حديث رقم ١٣٤٧۔ في المخطوطة "السلام"۔ في المخطوطة "يعرفه" في المخطوطة "فاحينا"۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تھے تو اس کے بعد صرف اس دعا کے بقدر بیٹھتے تھے۔ اللھم انت السلام الخ۔ اے اللہ تو سالم ہے تمام عیوب سے اور سلامتی تیری طرف سے ہے تو برکت والا ہے۔ اے بزرگی اور بخشش والے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں فرض نماز سے وہ فرض نماز مراد ہے جس کے بعد سنتیں ہوں اسلئے کہ صحیح روایات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ نبی ﷺ نماز فجر ادا فرمانے کے بعد طلوع آفتاب تک اپنی جائے نماز پر تشریف فرما رہتے تھے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے جو روایت عنقریب نقل ہوگی اس سے نماز فجر اور نماز عصر کے بعد طلوع وغروب آفتاب تک فضیلت واستحبابِ ذکر معلوم ہوتا ہے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات نبی ﷺ تھوڑی دیر اپنے مصلّے پر بیٹھے رہتے تھے اور بعض اوقات سلام پھیرتے ہی اُٹھ جاتے تھے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ اس دعا کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سلامتی کی ابتدا بھی آپ ہی سے ہوتی ہے اور کسی چیز کو وجود اور عدم کی کیفیت سے متصف ہونے کرنے کی دونوں حالتوں میں لوٹی بھی آپ کی طرف ہے اور اس کی وجہ واضح ہے کہ سلامتی کے ساتھ عرف عام میں اس شخص کو موصوف سمجھا جاتا ہے جسے آفت ومصیبت آسکتی ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ معنی ذات وصفات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باری تعالیٰ میں متصور بھی نہیں ہوسکتا اسلئے یہاں سلام سے مراد وہ ذات ہے جو سلامتی بخشے اور مصائب و آفات سے حجاب بن جائے۔ شیخ جذری رحمۃ اللہ علیہ "تصحیح المصابیح" میں فرماتے ہیں کہ بعض حضرات اس دعا میں جو ان الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں۔ "والیك یرجع السلام حیّنا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلم" سند کے اعتبار سے اس کی کوئی اصل نہیں بلکہ بعض قصہ گو افراد نے اسے اپنے پاس سے گھڑ لیا ہے۔

٩٦١: وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهٖ اِسْتَغْفَرَ ثَلَاثًا وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ۔(رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/٤١٤ حديث رقم (١٣٥۔٥٩١)۔والدارمي ١/٣٥٨ حديث رقم ١٣٤٨۔وأحمد في المسند ٥/٢٧٥۔

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنی نماز سے فارغ ہو جاتے تو تین مرتبہ استغفار کرتے تھے۔ اور پھر یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔

تشریح: اس حدیث میں نماز سے فراغت کے بعد نبی ﷺ کے جس استغفار کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ نماز سے فارغ ہو کر تین مرتبہ استغفر اللہ فرمایا کرتے تھے جیسا کہ حصن حصین میں ہے اور اس استغفار کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ نبی ﷺ اطاعت رب میں کسی قسم کی کوتاہی خیال فرماتے ہوں (حالانکہ یہ بات ہر قسم کے شک و شبے سے بالاتر ہے کہ نبی ﷺ جیسی نماز پڑھنا تو بڑی دور کی بات ہے اس کی ایک رکعت کے کروڑویں حصے تک بھی امت کا کوئی بڑے سے بڑا فرد اور ولی نہیں پہنچ سکتا) تاہم یہ بات مشہور ہے "حسنات الابرار سیأت المقربین"۔

حضرت رابعہ بصریہ رحمہم اللہ کا یہ قول بھی اسی کے قریب قریب ہے کہ "استغفارنا یحتاج الی استغفار کثیر"۔

فرض نماز کے بعد کی دُعا

٩٦٢: وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ ۔(متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٣٢٥۔حديث رقم ٨٤٤۔ومسلم في صحيحه ١/٣٤٧ حديث رقم(٢٠٥۔٤٧٧)۔وأبوداؤد في السنن ٢/١٧٢ حديث رقم ١٥٠٥۔والترمذي ٢/٩٦ حديث رقم ٢٩٩۔والنسائي في السنن ٣/٧٠ حديث رقم ١٣٤١۔وابن ماجه ١/٢٨٤ حديث رقم ١٣٤٩ والدارمي ١/٣٥٩ حديث رقم ١٣٤٩۔وأحمد في المسند ٣/١٧۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے۔ لا الٰہ الا اللہ الخ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہت ہے اور اسی کے لئے ہر قسم کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ جو چیز تو نے عطا کی ہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو تو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے روکا ہے اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے اور مال دار کو اس کا مال تیرے عذاب سے بچانے والا نہیں ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث میں جس ذکر کا تذکرہ کیا گیا ہے اسے ہر فرض نماز کے بعد پڑھنا چاہئے۔ چاہے فرضوں کے فوراً بعد یا سنتوں سے فارغ ہونے کے بعد۔

اس حدیث کی تخریج شیخین نے کی ہے جبکہ میرک نے تصحیح سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اسے امام ابوداؤد، اور نسائی نے نیز بزار نے حضرت جابر اور حضرت ابن عباس کے حوالے سے اور طبرانی نے ابن عباس کے حوالے سے اس روایت کو نقل کیا ہے اور مؤخر الذکر دونوں حضرات نے "وله الحمد" کے بعد "يحيي ويميت" کا بھی اضافہ کیا ہے اور عبد بن حمید نے "لما اعطيت" کے بعد "ولا راد لما قضيت" کا بھی اضافہ کیا ہے۔

۹۶۳: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلَاتِهٖ يَقُوْلُ بِصَوْتِهِ الْاَعْلٰى لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَعَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ لَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤١٦/١حديث رقم (١٣٩ـ٥٩٤)ـ وأبوداؤد ١٧٣/٢حديث رقم ١٥٠٦والنسائي ٧/٣حديث رقم ١٣٤٠ـ وأحمد في المسند ٥/٤ـ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہو جاتے تھے تو بلند آواز سے یہ دعا پڑھتے تھے: لا الہ الا اللہ ...... اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ بادشاہت اسی کے لئے ہے اور اسی کے لئے ہر قسم کی تعریف ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور گناہوں سے باز رہنے اور نیکی کرنے کی قوت صرف اللہ ہی کی مدد سے ہے۔ اللہ ہی کی طرف سے نعمت ہے۔ اور اللہ ہی کے لئے بزرگی ہے۔ اور ہر قسم کی اچھی تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ہم خالص اسی کی بندگی کرنے والے ہیں۔ اگرچہ کافر اس کو برا سمجھیں۔ (مسلم)

نماز کے بعد جن چیزوں سے پناہ مانگی گئی

۹۶۴: وَعَنْ سَعْدٍ اَنَّهٗ كَانَ يُعَلِّمُ بَنِيْهِ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ وَيَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ دُبُرَ الصَّلَاةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ١٧٤/١١ـ حديث رقم ٦٣٦٤ـ ومسلم ٢٠٨٠/٤حديث رقم (٥٢ـ٢٧٠٦)ـ والترمذي في السنن ٥٣٥/٥حديث رقم ٣٥٦٧ـ والنسائي ٢٧١/٨حديث رقم ٥٤٩٦ـ وابن ماجه ١٢٦٣/٢حديث رقم ٣٨٤٤ وأحمد في المسند ١٨٦/١ـ في المخطوطة "في"ـ

ترجمہ: حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ وہ اپنی اولاد کو یہ کلمات سکھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعدان کلمات کے ساتھ پناہ مانگتے تھے۔ اللھم انی اعوذ الخ۔ اے اللہ میں بزدلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اور بخل سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ گھٹیا عمر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ دنیا کے فتنہ اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ (بخاری)

تشریح: ''اس حدیث میں جن چیزوں سے پناہ مانگی گئی ہے ان میں سے ایک بخل بھی ہے یعنی مال، علم یا کسی اور چیز کے ذریعے لوگوں کو فائدہ پہنچانے سے رکنا۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات سخاوت نفس سے ہوتی ہے اسے شجاعت کہا جاتا ہے جس کے مقابلے میں جبن آتا ہے اور بعض اوقات مال کے ذریعے اسے سخاوت کہا جاتا ہے جس کے مقابلے میں بخل آتا ہے یہ دونوں صفات یعنی شجاعت اور سخاوت اس انسان میں جمع ہوتی ہیں جو کامل ہو اور یہ دونوں جس شخص سے رخصت ہو جائیں وہ نفس کی انتہائی اور آخری کھائی میں جا گرتا ہے۔

ارذلِ عمر سے کیا مراد ہے؟

ارذلِ عمر سے مراد ایسا بڑھاپا ہے جس میں انسان کی عقل کام کرنا چھوڑ دے اعضاء اور جسمانی قوتیں کمزور پڑ جائیں۔ یہ حصہ انسان کی عمر کا بدترین حصہ اس لئے کہلاتا ہے کہ زندگی کا اصل مقصد احسانات وانعاماتِ الٰہیہ میں غور وفکر کرنا ہوتا ہے پھر ان انعامات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا بھی زندگی کا ایک بڑا مقصد ہے لیکن وہ عمر کے اس حصے میں آکر فوت ہو جاتا ہے اور انسان میں اس کی ادائیگی کی طاقت نہیں رہتی۔

نماز کے بعد تسبیح

۹۶۵: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِيْنَ اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا قَدْ ذَهَبَ اَهْلُ الدُّثُوْرِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلٰى وَالنَّعِيْمِ الْمُقِيْمِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوْا يُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّىْ وَيَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَلَا نَتَصَدَّقُ وَيُعْتِقُوْنَ وَلَانُعْتِقُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَلَا اُعَلِّمُكُمْ شَيْئًا تُدْرِكُوْنَ بِهٖ مَنْ سَبَقَكُمْ وَتَسْبِقُوْنَ بِهٖ مَنْ بَعْدَكُمْ وَلَا يَكُوْنُ اَحَدٌ اَفْضَلَ مِنْكُمْ اِلَّا مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَاصَنَعْتُمْ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تُسَبِّحُوْنَ وَتُكَبِّرُوْنَ وَتَحْمِدُوْنَ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ مَرَّةً قَالَ اَبُوْصَالِحٍ فَرَجَعَ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا سَمِعَ اِخْوَانُنَا اَهْلُ الْاَمْوَالِ بِمَا فَعَلْنَا فَفَعَلُوْا مِثْلَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ متفق عليه وَلَيْسَ قَوْلُ اَبِىْ صَالِحٍ اِلَى الْاٰخِرِ اِلَّا عِنْدَ مسلم وفي البخاری تُسَبِّحُوْنَ فِىْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ عَشْرًا وَتَحْمِدُوْنَ عَشْرًا وَتُكَبِّرُوْنَ عَشْرًا بَدَلَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ لِلْبُخَارِيِّ۔

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳۲۵/۲۔حدیث رقم ۸۴۳ ومسلم ۴۱۶/۱حدیث رقم (۱۴۲۔۵۹۵)۔والنسائی ۷۸/۳رقم ۱۳۵۳۔وابن ماجه ۲۹۹/۱حدیث رقم ۹۲۷۔والدارمی ۳۶۰/۱حدیث رقم ۱۳۵۳۔وأحمد فی المسند۱۹۶/۵۔ فی المخطوطة "أما"۔ فی المخطوطة "الشاکر"۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ فقراء مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ دولت مند لوگ بلند درجات اور دائمی نعمت کو حاصل کرنے میں ہم سے سبقت کر گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ کس طرح؟ انہوں نے عرض کیا وہ اسی طرح نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں اور وہ اسی طرح روزہ رکھتے ہیں جس طرح ہم روزہ رکھتے ہیں اور وہ مال دار ہونے کی وجہ سے صدقات وخیرات کرتے ہیں اور ہم صدقہ خیرات نہیں کر سکتے۔ وہ غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم غلام آزاد نہیں کر سکتے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میں تم لوگوں کو ایسی بات نہ بتادوں کہ اس پر عمل کر کے تم ان لوگوں کے درجات کو پہنچ جاؤ گے جو تم سے پہلے اسلام لا چکے ہیں اور ان لوگوں کے درجات سے بڑھ جاؤ گے جو تمہارے بعد پیدا ہوں گے۔ اور کوئی آدمی تم سے اچھا نہیں ہوگا سوائے اس آدمی کے جو تمہارے جیسا عمل کریں۔ فقراء مہاجرین نے عرض کیا بہتر ہے اے اللہ کے رسول فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ ہر نماز کے بعد۔ سبحان اللہ۔ ۳۳ مرتبہ۔ اللہ اکبر۔ ۳۳ مرتبہ۔ الحمد للہ۔ ۳۳ مرتبہ۔ پڑھا کرو اس حدیث کے ایک راوی حضرت ابو صالح فرماتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد پھر فقراء مہاجرین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ ہمارے دولت مند بھائیوں نے ہمارے عمل کا حال سنا تو ہمارے عمل جیسا عمل کرنا شروع کر دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے اپنا فضل عطا کرے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث کی تشریح میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''ویصومون کما نصوم'' کے بعد ''ویجاهدون کما نجاهد ویزیدون علینا لانهم یتصدقون ونحن لا نتصدق'' کا اضافہ بھی نقل کیا ہے جس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ ''ویجاهدون کما نجاهد'' بھی حدیث کا حصہ ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فقراء مہاجرین کو ایسے کلمات کی تعلیم ارشاد فرمائی کہ جو لوگ ان اذکار وکلمات کو ادا نہ کریں ان پر فضیلت حاصل ہو جائے اس اعتبار سے بعدیت سے مراد رتبۃً بعد میں ہونا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ سبقت لے جانے والوں کو پالینا اور بعد والوں سے آگے بڑھ جانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک کی برکت کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ یہ لوگ اس قرن اور زمانے میں تھے جو سب سے بہترین شمار کیا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی رائے میں بعد میں آنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان آنے والے صحابہ کرام کے بعد اسلام قبول کر لیا یا وہ ان کے زمانے کے بعد آئے کہ ان لوگوں کو یہ ثواب حاصل نہ ہوگا جو ان فقراء مہاجرین کو حاصل ہوگا۔

اس مقام پر میرک نے یہ اعتراض اور سوال اٹھایا ہے کہ بعد میں آنے والوں کو یہ ثواب کیوں حاصل نہیں ہو سکتا؟ پھر خود ہی اس کا جواب دیا کہ ''الا من صنع مثل ما صنعتم'' وہ اس سے مستثنیٰ کر کے یہ بات واضح کر دی گئی کہ یہ ثواب بعد میں آنے والوں کو بھی حاصل ہو سکتا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ کئی جملوں کے بعد آنے والا استثناء ان میں سے ہر ہر جملے کی طرف لوٹ سکتا ہے اور وہ ہر جملے کیلئے مستثنیٰ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اس صورت میں ''الا من صنع'' کا مطلب یہ ہوگا ''الا الغنی الذی یسبح''۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہاں اگر ہم یہ کہیں کہ استثناء کا تعلق پہلے جملے سے بھی ہے تو پھر قطعیت کے ساتھ یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ مالدار ہی افضل ہے کیونکہ اس صورت میں حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ اگر تم نے میرے کہنے کے مطابق عمل کیا تو تم اپنے سے آگے بڑھ جانے والوں کو پالو گے لیکن ان میں سے کوئی بھی آدمی اسی طرح کرنے لگے جس طرح تم کر رہے ہو تو تم انہیں نہیں پا سکو گے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر مالدار بھی تسبیح وتکبیر اور کلمات تحمید کہنے لگے تو وہ پھر آگے بڑھ جائیں گے اور فقراء پھر پیچھے رہ جائیں گے تو فقراء کی اصل شکایت پھر بھی باقی رہے گی اس کا جواب یہ ہے کہ ان فقراء مہاجرین صحابہ کا اصل مقصد اور منشاء بلند درجات اور جنت کی دائمی نعمتوں کا اپنے لئے حصول تھا دوسرے مالدار صحابہ کرام کیلئے اس میں مطلقاً اضافے کی نفی نہ ان کی خواہش تھی اور نہ ان کی تمنا۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم کہ شکر گزر مالدار کا درجہ صبر کرنے والے فقیر سے زیادہ افضل اور اونچا ہے جیسا کہ علامہ کرمانی نے شرح بخاری میں تحریر فرمایا ہے لیکن یہ جواب محل نظر ہے۔ کیونکہ "فرجع فقراء المهاجرين" کے الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ ان کا مقصود مالداروں سے مطلقاً اپنی برتری ہی تھی ورنہ اس سوال کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہتی کیونکہ اعمال صالحہ سے بلند درجات کا حصول ہونا قانون الٰہی کے مطابق ہوتا ہی ہے اور یہی مقصد ہوتا تو پھر سوال کرنے کی نوبت ہی نہ آتی۔

افضلیت سے کیا مراد ہے؟

اس موقع پر علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ "لا يكون احد افضل منكم" میں افضلیت سے کیا مراد ہے بالخصوص جبکہ "او من صنع مثل ما صنعتم" بھی فرمایا گیا ہے؟ کیونکہ افضلیت تو اضافے کا تقاضا کرتی ہے اور مثلیت مساوات کا، ظاہر ہے کہ برابری اور اضافہ کبھی جمع نہیں ہو سکتے؟ سو یہ حدیث مندرجہ ذیل شعر کے قبیل سے ہے۔

وبلدة ليس بها انيس ☆ الا اليعافير والا العيس

یعنی اگر فرض کرلیا جائے کہ مثلیت بھی افضلیت کا تقاضا کرتی ہے تو تمہیں بھی افضلیت حاصل ہوجائے گی حالانکہ یہ بات واضح ہے کہ مثلیت افضلیت کا تقاضا نہیں کرتی لہٰذا تم میں سے بھی کوئی اگر یہ عمل کرے گا تو کوئی شخص تم سے افضل نہ ہوگا۔ یہ تقریر تمیمی کے مذہب کے مطابق ہے۔

اور اس حدیث کا ایک معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یوں تو تم لوگوں سے کوئی افضل نہیں ہوسکے گا لیکن سوائے ان لوگوں کے کہ وہ تمہارے برابر ہوں گے۔

۳۳ کے عدد سے کیا مراد ہے؟

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان اذکار کو ۳۳ مرتبہ پڑھنے کی جو ترغیب دی گئی ہے، اس میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ تسبیح تکبیر اور تحمید تینوں کو صرف ۳۳ مرتبہ پڑھنا ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو ۳۳، ۳۳ مرتبہ پڑھا جائے۔ دوسری احادیث کی روشنی میں یہی دوسرا قول زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے تاہم پہلے قول کی تائید بخاری شریف کی ایک روایت سے ہوتی ہے جس میں ہر کلمہ دس مرتبہ پڑھنے کا ذکر ہے، گو کہ زیادہ بہتر یہی ہے کہ اگر پہلے قول ہی کی تائید کرنا مقصود ہو تو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح مسلم کی اس روایت سے استدلال کیا جائے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس میں ہر کلمہ گیارہ مرتبہ پڑھنے کا ذکر ہے تا کہ ۳۳ کا عدد پورا ہو جائے۔ بخاری شریف کی روایت سے یہ عدد پورا نہیں ہوتا۔

غنی شاکر اور فقیر صابر میں افضل کی تعیین:

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ غنی شاکر، فقیر صابر کی نسبت زیادہ افضل ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ مالدار کے بارے میں ایک گونہ خطرہ لاحق رہتا ہے اور فقیر کے بارے میں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب احیاء العلوم میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس مسئلے میں حضرات صوفیاء کا اختلاف ہے، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، خواص اور اکثر صوفیاء کرام کی رائے یہ ہے کہ مقام فقر افضل ہے۔ جبکہ ابن عطاء فرماتے ہیں کہ وہ غنی شاکر جو اداءِ حقوق کا مکمل اہتمام رکھتا ہو، وہ فقیر صابر سے زیادہ افضل ہے، لیکن ابن عطاء کی اس رائے پر شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی ناراضگی کا اظہار کیا ہے حتی کہ بعض حضرات کی رائے کے مطابق تو ابن عطاء، شیخ کی اس مخالفت اور ان کی ناراضگی کی وجہ سے تکالیف اور پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے تھے۔

بہر حال! اگر فقر اور غناء کو مطلقاً دیکھا جائے تو احادیث و روایات سے ادنی مناسبت رکھنے والا بھی فقر کی فضیلت میں شک نہیں کر سکتا۔ البتہ یہاں کچھ تفصیل ہے جسے جاننا ضروری ہے تا کہ یہ مسئلہ مکمل طور پر واضح ہو جائے۔

شک وہ جگہ پر ہو سکتا ہے: ① وہ فقیر صابر جو طلبِ مال کا حریص نہ ہو بلکہ اللہ کے دیئے ہوئے پر قانع اور راضی رہے جبکہ دوسری طرف ایک ایسا مالدار ہو جو اپنے مال کو نیکی کے کاموں میں خرچ کرتا ہو اور اس کے اپنے پاس مال جمع کر کے رکھنے کی حرص نہ ہو۔ ② وہ فقیر جو حریص ہو اور وہ مالدار جو حریص ہو۔

اب اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ قناعت پسند فقیر اس غنی سے افضل ہے جو حریص بھی اور مال کو جمع کر کے رکھتا ہو اسی طرح وہ مالدار آدمی جو اپنا مال نیکی کے کاموں میں خرچ کرتا ہو وہ اس فقیر سے افضل ہے جو حریص اور لالچی ہو۔ پہلی صورت کے بارے میں یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ غنی فقیر کی نسبت افضل ہو کیونکہ مال کی حرص کم ہونے میں دونوں برابر ہیں جبکہ مالدار میں ایک اضافی چیز صدقات و خیرات کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے جس سے فقیر عاری اور عاجز ہے۔ ہمارے خیال کے مطابق یہی وہ چیز ہے جو ابن عطاء کے ذہن میں آئی اور انہوں نے مذکورہ قول اختیار کیا۔

رہا وہ مالدار آدمی جو اپنے مال و دولت سے خود فائدہ اٹھاتا ہو گو کہ مباح کاموں ہی میں ہو اس کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ فقیر قانع پر فضیلت رکھتا ہوگا اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ کچھ فقراء صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ شکایت لے کر آئے کہ مالدار لوگ خیرات و صدقات اور حج و جہاد کے ذریعے ہم پر سبقت لے جاتے ہیں جبکہ ہم مال نہ ہونے کی وجہ سے یہ کام نہیں کر سکتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چند کلمات تسبیح کے سکھا دیئے اور فرمایا اس کے ذریعے تمہیں اس بڑھ کر ثواب حاصل ہو جائے گا۔ جو مالداروں کو ملتا ہے۔ بعد میں وہی کلمات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مالدار صحابہ کرام کو بھی سکھا دیئے اور وہ بھی یہ کلمات کہنے لگے۔ فقراء صحابہ کو جب معلوم ہوا تو وہ دوبارہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ عرض کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فضل ہے جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے۔

لیکن اس حدیث سے استدلال کرنا محل نظر ہے کیونکہ دوسری احادیث میں بڑی تفصیل سے دوسرا نقطہ نظر ثابت ہوتا ہے کہ تسبیح میں فقراء کا ثواب مالداروں کے ثواب سے بڑھ کر ہے اور یہی ثواب جو انہیں حاصل ہوتا ہے ان کی کامیابی اور اللہ کا فضل ہے۔ چنانچہ زید بن اسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ ایک مرتبہ فقراء صحابہ نے اپنا ایک نمائندہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ اس نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ میں فقراء کی طرف سے نمائندہ بن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں بھی اور ان لوگوں کو بھی خوش آمدید جن کے پاس سے تم آئے ہو تم ایک ایسی قوم کے پاس سے آئے ہو جس سے اللہ محبت کرتا ہے اس نے آنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جنت تو یہ مالدار لوگ لے جائیں گے کیونکہ یہ حج کرتے ہیں ہم اس کی طاقت نہیں کرتے، یہ عمرہ کرتے ہیں۔ ہم اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔ یہ جب ہمارے ہوتے ہیں تو اپنا مال خرچ کر کے آخرت کیلئے ذخیرہ کر لیتے ہیں۔

یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری طرف سے فقراء کو یہ پیغام پہنچا دو کہ تم میں سے جو شخص صابر رہے گا اور اسے ثواب کی نیت سے اختیار کیے رکھے گا تو اسے تین ایسی چیزیں حاصل ہوں گی جو مالداروں کو حاصل نہ ہونگی۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ جنت میں ایسے بالا خانے بھی ہیں جنہیں اہل جنت اس طرح دیکھیں گے جیسے زمین والے آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہیں ان میں صرف وہ لوگ داخل ہوں گے جو نبی فقیر یا شہید فقیر یا مومن فقیر ہوں گے۔ ۲ فقراء جنت میں مالداروں سے نصف یوم پہلے داخل ہوں گے۔ نصف یوم سے مراد پانچ سو سال ہیں۔ ۳ جب مالدار اللہ کی پاکیزگی یوں بیان کرتا ہے "**سبحن اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر**" اور فقیر بھی یہی کلمات کہتا ہے تو مالدار فقیر کے ثواب کو نہیں پہنچتا اگرچہ اس میں دس ہزار درہم بھی خرچ کر دے اور یہی حکم نیکی کے دوسرے تمام اعمال کا ہے۔

وہ نمائندہ یہ بشارتیں سن کر فقراء صحابہ کے پاس پہنچا اور انہیں یہ ساری تفصیلات بتائیں جسے سن کر ان سب نے کہا کہ ہم راضی اور خوش ہیں۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بہر حال! فقیر صابر کا درجہ غنی شاکر سے کہیں زیادہ اونچا ہے اس مسئلے میں اس کے علاوہ کچھ اور اقوال بھی ہیں جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

۱ کفایت شعاری ان دونوں سے ہی افضل ہے۔

۲ فقیر شاکر غنی شاکر سے افضل ہے۔

دونوں حالتوں میں اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنا اور سر تسلیم خم کیے رکھنا زیادہ افضل ہے۔ اس وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ غنی اور فقر دو سواریاں ہیں مجھے کوئی پراوہ نہیں کہ میں ان دونوں میں سے جس پر چاہوں سوار ہو جاؤں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"**ان ربك يبسط الرزق لمن يشاء ويقدر انه كان بعباده خبيرا بصيرا**"۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اکثر انبیاء، اولیاء اور اصفیاء کیلئے فقر کو منتخب فرمایا ہے اور زیادہ تر اپنے دشمنوں کیلئے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غنی کو اختیار فرمایا ہے اللہ کی نظر میں محبوب بندوں میں سے بہت کم کو مال و دولت کی فراوانی سے نوازا گیا ہے اس لئے یا تو آپ بھی اسی راستے کو اختیار کیجئے جو اللہ کی نظروں میں پسندیدہ ہے یا اپنی مرضی سے کسی راستے کا انتخاب نہ کریں بلکہ اللہ پر چھوڑ دیں۔

۹۶۶: وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَقِّبَاتٌ لَا يَخِيْبُ قَائِلُهُنَّ اَوْ فَاعِلُهُنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ ثَلَاثٌ وَثَلَاثُوْنَ تَسْبِيْحَةً وَثَلَاثٌ وَثَلَاثُوْنَ تَحْمِيْدَةً وَاَرْبَعٌ وَثَلَاثُوْنَ تَكْبِيْرَةً ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/٤١٨ حديث رقم (١٤٥-٥٩٦)۔ والنسائي ٣/٧٥ حديث رقم ١٣٤٩۔

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے کے چند کلمات ہیں جن کا کہنے والا یا فرمایا کہ کرنے والا محروم نہیں ہوتا اور وہ کلمات یہ ہیں۔ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ۔ الحمد للہ ۳۳ مرتبہ۔ اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ۔ (مسلم)

راویٔ حدیث:

کعب بن عجرۃ۔ یہ کعب ہیں۔ عجرہ کے بیٹے ہیں خاندانی اعتبار سے ''بلوی'' ہیں۔ کوفہ میں قیام کر لیا تھا۔ ۵۱ھ میں بعمر ۷۵ سال بمقام مدینہ انتقال فرمایا۔ ان سے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کی ایک بڑی جماعت نے روایت کی۔ ''عجر'' عین مہملہ کے ضمہ اور جیم کے سکون کے ساتھ ہے۔

تشریح: اس حدیث میں ''معقبات'' کا جو لفظ آیا ہے، یہ ''عقب'' سے نکلا ہے یعنی وہ کلمات جو ایک دوسرے کے عقب میں واقع ہوں۔ بعض حضرات کی رائے کے مطابق ان کلمات کو معقبات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنے پیچھے پیچھے ثواب لے آتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ یہ کلمات نماز کے بعد ادا کئے جاتے ہیں اس لئے انہیں معقبات کہا جاتا ہے۔ بعض حضرات کی رائے کے مطابق انہیں بار بار ادا کرنا اس کی وجہ بنا، جبکہ بعض حضرات ''معقب'' کا معنی ''ناسخ'' بیان کرتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ: ''**لا معقب لحکم**'' میں اس کا یہی معنی مراد لیا گیا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ کلمات گناہوں کیلئے ناسخ بن جاتے ہیں۔ اور علامہ طیبی رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ ''معقبات'' ان اونٹنیوں کو کہا جاتا ہے جو حوض پر پانی پینے کیلئے کھڑے ہوئے اونٹوں کے پیچھے کھڑی ہوں۔ اور باری باری ایک اونٹنی کے فارغ ہونے کے بعد دوسرے اونٹنی اس جگہ پر پہنچ کر اپنی پیاس بجھائے اسی طرح ان تسبیحات کی بھی مثال ہے کہ جب ایک کلمہ گذر جاتا ہے دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے اس لئے ان تسبیحات کو معقبات کہا جاتا ہے۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ کا امام مسلم پر ایک اعتراض اور اس کا جواب:

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس روایت کو مرفوعاً نقل کیا ہے جبکہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اس پر استدراک کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس روایت کا حضرت کعب بن عجرہؓ پر موقوف ہونا ہی صواب اور درست ہے اس لئے کہ اس روایت کو مرفوع قرار دینے والوں کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حفظ واتقان میں وہ درجہ نہیں جو اسے موقوف قرار دینے والوں کا ہے۔

اس اعتراض کا جواب شرح مسلم میں دیتے ہوئے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات صحیح نہیں ہے۔ بلکہ قابل تردید ہے کیونکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو متعدد اسانید سے نقل کیا ہے جو سب کی سب مرفوع ہیں۔ خود امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی منصور اور شعبہ کی سند سے اس کی کئی مرفوع اسانید ذکر کی ہیں۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ منصور اور شعبہ ہی کے درمیان رفع وقف کا اختلاف ہے جسے امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی واضح فرمایا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی اصول حدیث کا ایک مشہور ضابطہ ہے کہ اگر کوئی حدیث مرفوعًا وموقوفًا دونوں طرح منقول ہو تو اصولیین، فقہاء اور محقق محدثین مثلاً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق صحیح مذہب یہی ہے کہ اس حدیث کے مرفوع ہونے کا حکم لگایا جائے گا حتی کہ اگر اسے موقوف قرار دینے والوں کی تعداد، مرفوع قرار دینے والوں کی تعداد سے زیادہ ہو تب بھی اسے مرفوع ہی قرار دیا جائے گا کیونکہ یہ "زیادت ثقہ" ہے جسے قبول کرنا ضروری ہے۔ موقوف قرار دینے والے کی کوتاہی یا نسیان کی وجہ سے اسے رد نہیں کیا جا سکتا۔

۹۶۷: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّحَ اللّٰهَ فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِیْنَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِیْنَ وَكَبَّرَ اللّٰهَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِیْنَ فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ وَقَالَ تَمَامَ الْمِائَةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ غُفِرَتْ خَطَایَاهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤١٨/١ حديث رقم (١٤٦-٥٩٧)۔ والترمذی ٤٧٨/٥ حديث رقم ٣٤٦٦۔ والنسائی ٧٩/٣ حديث رقم ١٣٥٤۔ ومالك في الموطأ ٢١١/١ حديث رقم ٢٢ من كتاب القرآن۔ وأحمد في المسند ٣٧١/٢۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی ہر نماز کے بعد سبحان اللہ۔ ۳۳ مرتبہ۔ الحمد للہ۔ ۳۳ مرتبہ۔ اللہ اکبر۔ ۳۴ مرتبہ جن کی مجموعی تعداد ۹۹ ہے اور سو کے عدد کو پورا کرنے کے لئے ایک یہ ہے: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کی تشریح میں نحوی ترکیب نقل کرنے کے بعد ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ تسبیح فاطمی کے ان تینوں کلمات کے سلسلے میں مختلف روایات میں مختلف تعداد بیان کی گئی ہے جن میں سے چند احادیث یہاں بھی مذکور ہوئیں اور باقی احادیث کا ہم ذکر کئے دیتے ہیں۔ چنانچہ اس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

① کلمات تسبیح کی تعداد مختلف روایات میں ۳۳، ۲۵، ۱۱، ۱۰، ۳، ۷۰، ۱، اور ایک عدد بھی منقول ہے۔

② کلماتِ تحمید کی تعداد مختلف روایات میں ۳۳، ۲۵، ۱۱، ۱۰، ۱۰۰ منقول ہے۔

③ کلماتِ تہلیل کی تعداد مختلف روایات میں ۱۰، ۲۵، اور ۱۰۰ تک منقول ہے۔

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سب طریقے ویسے تو اچھے ہیں لیکن جتنی تعداد زیادہ ہو۔ وہ اللہ کی نگاہوں میں اتنی ہی محبوب ہوگی، اور علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب روایات میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ شاید یہ تعداد مختلف اوقات میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مخاطب کے لحاظ سے ارشاد فرمائی گئی ہو۔ یا لوگوں کو اختیار دے دیا گیا ہو کہ جس میں آسانی اور سہولت ہو، اسی کو اختیار کر لیں، یا کسی وقت ایک تعداد میں پڑھ لیں، دوسرے وقت دوسری تعداد میں۔

انگلیوں اور گٹھلیوں پر تسبیح پڑھنا:

صحیح روایات سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں پر تسبیح کی تعداد شمار فرماتے تھے، بلکہ ایک روایات میں تو نبی ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ انگلیوں پر تسبیحات کو شمار کیا کرو کیونکہ قیامت کے دن ان سے بھی پوچھ گچھ کی جائے گی اور انہیں قوت گویائی عطاء کی جائے گی، اور ایک ضعیف سند سے حضرت علیؓ کا یہ قول منقول ہے کہ تسبیح (ہاتھ میں پکڑنے والی) کتنی بہترین یاددہانی کرانے والی چیز ہے، اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے کہ ان کے پاس دھاگے کی ایک تسبیح تھی جس میں ایک ہزار گرہیں پڑی ہوئی تھیں، اور وہ اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک اسے مکمل نہ کر لیتے، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ گٹھلیوں پر تسبیح پڑھا کرتے تھے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گٹھلیوں اور کنکریوں پر کلمات تسبیح پڑھنے کی کثیر روایات صحابہ کرام اور بعض امہات المؤمنین علیہم الرضوان سے منقول ہیں بلکہ اسی طریقے کو نبی ﷺ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ اس پر لوگوں کو جمے رہنے دیا، البتہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ انگلیوں پر تسبیح پڑھنا، تسبیح کے دانوں پر پڑھنے سے زیادہ افضل ہے جبکہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر تعداد بھول جانے کا اندیشہ نہ ہو تو انگلیوں پر پڑھنا افضل ہے ورنہ تسبیح استعمال کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔

الفصل الثانی:

قبولیت دعا کا وقت

۹۶۸: وَعَنْ اَبِی اُمَامَةَ قَالَ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفُ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوْبَاتِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۴۹۲/۵ حدیث رقم ۳۴۹۹۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہ باہلیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ! کس وقت دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا سحری کے وقت اور فرض نمازوں کے بعد۔ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں دعاء مانگنے کا حکم اور اس کی ترغیب وفضیلت وارد ہوئی ہے۔ ان میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش ہے اور نہ ہی نسخ کا احتمال، جیسے "وقال ربکم ادعونی استجب لکم" وغیرہ۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ زبان سے تو مانگے لیکن دل سے اللہ کے فیصلوں پر راضی رہے۔ علامہ قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زمانے کے اوقات (اور انسان کے احوال) مختلف ہوتے ہیں۔ بعض اوقات دعاء کرنا زیادہ افضل ہوتا ہے اور بعض اوقات سکوت، اگر دل میں دعاء کی طرف کوئی اشارہ غیبیہ پایا جاتا ہو تو اس وقت ادب کا تقاضا اور افضل دعاء کرنا ہی ہے اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر سکوت کا کوئی اشارہ ملتا ہو تو وہاں ادب اور افضل سکوت ہی ہے۔

نیز یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جس وقت مسلمانوں کا یا اللہ تعالیٰ کا حق بنتا ہو تو اس دعاء کرنا زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ یہ اعلیٰ ترین عبادت ہوگی اور اگر دعاء کرنے والے کو اپنا فائدہ ملحوظ خاطر ہو تو سکوت زیادہ بہتر ہے۔

ہر نماز کے بعد معوذات پڑھنے کا حکم

۹۶۹: وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقْرَأَ بِالْمُعَوِّذَاتِ فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ۔ (رواه احمد وابوداود والنسائی والبیهقی فی الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۲/۱۸۱حدیث رقم ۱۵۲۳۔والترمذی ۵/۱۵۷حدیث رقم ۲۹۰۳۔والنسائی فی السنن ۳/۶۸حدیث رقم ۱۳۳۶۔وأحمد فی المسند ٤/۱۵۵۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ہر نماز کے بعد معوذات پڑھوں۔ (احمد۔ابوداؤد۔نسائی) امام بیہقیؒ نے اس کو دعوات کبیر میں نقل کیا ہے۔اس حدیث میں معوذات کو ہر نماز کے بعد پڑھنے کا ذکر ہے

تشریح: اس حدیث کی تخریج کرتے ہوئے میرک نے اسے ابوداؤد، نسائی، ابن حبان اور حاکم کی طرف بھی منسوب کیا ہے اور یہ کہ ابن حبان اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے، جبکہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو نقل فرمایا ہے لیکن ان کی روایت میں ''معوذات'' کے لفظ کی بجائے ''معوذتین'' کا لفظ آیا ہے۔علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سنن ابوداؤد، نسائی اور بیہقی میں ''معوذات'' کا لفظ وارد ہوا ہے اور مصابیح کی روایت میں معوذتین کا۔پہلی صورت میں جمع کا کم از کم درجہ یعنی دو کا عدد مراد ہوگا یا پھر سورۂ اخلاص اور سورۂ کافرون کو معوذتین میں داخل کر لیا جائے گا۔اور ایسا یا تو تغلیبًا کیا جائے گا یا اس وجہ سے کہ سورۂ اخلاص اور سورۂ کافرون میں شرک سے براءت و بیزاری اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کا مضمون پایا جاتا ہے گویا کہ ان دونوں میں بھی تعوذ کا مفہوم پایا جاتا ہے اس لئے ''معوذات'' جمع کا لفظ استعمال کیا گیا۔

طلوع اور غروب کے وقت ذکر کی فضیلت

۹۷۰: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَةً مِنْ وُلْدِ اِسْمَاعِيْلَ وَلَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ اِلٰى اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَةً۔

(رواه ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ٤/۷۳حدیث رقم ۳۶۶۷۔ فی المخطوطة "لقربه"۔ فی المخطوطة "فی غیره"۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک ایسی جماعت کا میرے ساتھ بیٹھنا جو نماز فجر سے طلوع آفتاب تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہے میرے نزدیک حضرت اسماعیل علیہ السلام کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اولاد میں سے چار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔ اور عصر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک ایسے لوگوں میں میرا بیٹھنا جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوں میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں چار غلام آزاد کروں۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کا خصوصیت کے ساتھ ذکر اس لئے فرمایا گیا کہ ان کی شرافت اور دوسرے اہل عرب پر ان کی فضیلت مسلّم ہے پھر نبی ﷺ سے ان کا قرب بھی اس کا تخصیص کا سبب ہے۔

ابن ملک فرماتے ہیں کہ اولادِ اسماعیلؑ پر غلامی اور آزادی کا اطلاق ایک ایسی چیز کے طور پر ہے جسے فرض کرلیا گیا ہے اس لئے یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے میں ان کی دلیل نہیں بن سکتا کہ اہل عرب کو غلام بنانا جائز ہے اگر ایسا کرنا منع ہوتا تو نبی ﷺ یہ نہ فرماتے کہ مجھے یہ عمل انہیں آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس موقع پر انتہائی عجیب بات فرمائی ہے کہ اس حدیث میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی واضح ترین دلیل موجود ہے حالانکہ واضح ترین ہونا تو بہت دور کی بات صرف واضح بھی نہیں ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں چار غلاموں کے آزاد کرنے کی جو تخصیص کی گئی ہے اس کی وجہ تو صرف نبی ﷺ ہی سے معلوم ہوسکتی ہے ہمیں چاہئے کہ ہم اسے جوں کا توں ہی تسلیم کرلیں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ جس چیز کو فضیلت دی گئی ہے وہ چار چیزوں کا مجموعہ بنتی ہے: ① ذکر اللہ۔ ② اس کیلئے بیٹھا۔ ③ اس کیلئے اکٹھا ہونا۔ ④ طلوع یا غروب آفتاب تک مستقل اس میں مصروف رہنا تو ممکن ہے کہ ہر چیز کے بدلے ایک ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہو جبکہ ابن ملک چار چیزوں کی تفصیل یوں بیان فرماتے ہیں کہ: ① ذکر اللہ کیلئے بیٹھنا۔ ② ذاکرین کی جماعت کے ساتھ ہونا۔ ③ صبح شام ہونا۔ ④ طلوع یا غروب آفتاب تک اس کا مسلسل رہنا۔

ظاہر ہے کہ قعود سے یہ مراد نہیں ہے کہ اگر وہ ذکر کرنے والا کسی آدمی کے آنے پر تعظیماً کھڑا ہوگیا یا جنازے کے گزرنے پر تعظیماً کھڑا ہوگیا تو اس کا قعود ختم ہوگیا بلکہ قعود سے مراد یہ ہے کہ وہ استمراراً اُسی کام میں لگا رہا خواہ درمیان میں کھڑا ہی ہوگیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اس ارشاد میں چار کے عدد کیلئے اربعہ کا لفظ جو دو مرتبہ استعمال فرمایا گیا ہے اس میں سے پہلا معرفہ اور دوسرا نکرہ ہے اور اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ دونوں جگہ الگ الگ عدد مراد ہے کیونکہ یہ بات مشہور ہے کہ اگر نکرہ بعینہٖ معاد ہو جائے تو وہ تغایر کا تقاضا کرتا ہے بخلاف معرفہ کے لیکن حافظ صاحب کا یہ قول انتہائی غریب ہے کیونکہ یہ دو الگ الگ اور مستقل جملے ہیں جن کا مبنیٰ اور معنی دونوں جدا ہیں۔

اس حدیث کی تخریج امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے اور میرک کے مطابق اس پر سکوت بھی فرمایا ہے نیز اس روایت کو ابو یعلیٰ نے بھی نقل فرمایا ہے لیکن ان کی روایت میں دونوں جگہ یہ الفاظ ہیں۔

"اربعة من ولد اسماعيل دية كل رجل منه اثنا عشر الفًا"

ان الفاظ سے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا تردید کرنا بھی غلط ثابت ہوگیا کیونکہ انہوں نے ان الفاظ پر مطلع ہوئے بغیر ہی فرمادیا کہ نبی ﷺ نے یہاں من ولد اسماعیل نہیں فرمایا تو شاید وہ مراد ہو اور دوسری جگہ سے اسے حذف کردیا کیونکہ پہلا اس پر دلالت کررہا ہے اور ممکن ہے کہ وہ مراد نہ ہو دونوں میں فرق یہ ہے کہ دن کا پہلا حصہ ذکر میں مصروف رہنے کیلئے زیادہ بہتر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کیونکہ اس میں انسان اکثر ذہنی طور پر چست اور تازہ دم ہوتا ہے اس کی تائید میں اس سلسلے کی صحیح روایت کو پیش کیا جاسکتا ہے کہ صبح کے وقت کو ذکر سے آباد کرنا حج اور عمرے کے برابر ثواب رکھتا ہے لیکن اس قسم کی کوئی روایت عصر کے بعد سے متعلق مروہ نہیں۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ دن کے آخری حصے میں اپنے آپ کو ذکر میں مشغول رکھنا زیادہ اولیٰ ہے تاکہ جو چیزیں اس سے فوت ہو گئیں ان کا تدارک ہو سکے۔ یا جو کوتاہی ہوئی ہے اس کا ازالہ ہو سکے۔

۹۷۱: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِيْ جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللّٰهَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهُ كَاَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ۔

(رواه الترمذي)

أخرجه الترمذي في السنن ۲/ ۴۸۰ حديث رقم ۵۸۶۔ في المخطوطة "تكريره"۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے اور سورج طلوع ہونے تک اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے اور پھر دو رکعت نماز پڑھے۔ تو اس کو حج اور عمرہ کے برابر ثواب ہوگا۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پورے حج وعمرہ کا۔ پورے حج وعمرہ کا۔ پورے حج وعمرہ کا۔ (ترمذی)

تشریح: علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جس نماز کا ذکر کیا گیا ہے اسے اشراق کی نماز کہا جاتا ہے۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کے ایک نیزہ برابر اونچا ہو چکنے کے بعد ادا فرمائی۔ تاکہ مکروہ وقت نکل جائے۔

نیز علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ان دو رکعتوں کے ثواب کو حج وعمرہ کے ثواب سے تشبیہ جو دی گئی ہے وہ ناقص کو کامل سے الحاق کرنے کی قبیل سے تعلق رکھتی ہے اور اس کا مقصد صرف ترغیب ہے یا نمازی کے اجر وثواب مکمل طور پر حاصل کرنے کو حاجی کے مکمل اجر وثواب حاصل کرنے کے ساتھ اپنی اپنی نسبت سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس کا مقصد مبالغہ ہے۔

الفصل الثالث:

دو نمازوں کے درمیان وقفہ کا حکم

۹۷۲: وَعَنِ الْاَزْرَقِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا اِمَامٌ لَّنَا يُكْنٰى اَبَا رِمْثَةَ قَالَ صَلَّيْتُ هٰذِهِ الصَّلَاةَ اَوْمِثْلَ هٰذِهِ الصَّلَاةِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَ كَانَ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْمَانِ فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَكَانَ رَجُلٌ قَدْ شَهِدَ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلَاةِ فَصَلّٰى نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ حَتّٰى رَاَيْنَا بَيَاضَ خَدَّيْهِ ثُمَّ انْفَتَلَ كَانْفِتَالِ اَبِيْ رِمْثَةَ يَعْنِيْ نَفْسَهٗ فَقَامَ الرَّجُلُ الَّذِيْ اَدْرَكَ مَعَهُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلَاةِ يَشْفَعُ فَوَثَبَ عُمَرُ فَاَخَذَ بِمَنْكِبَيْهِ فَهَزَّهٗ ثُمَّ قَالَ اِجْلِسْ فَاِنَّهٗ لَنْ يُهْلِكَ اَهْلَ الْكِتَابِ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ صَلَاتِهِمْ فَصْلٌ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَصَرَهُ فَقَالَ اَصَابَ اللّٰهُ بِكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ١/٦١١ حديث رقم ١٠٠٧ ۔ في الأصل "لن" والتصحيح من السنن۔ في المخطوطة "جاز"۔

ترجمہ: حضرت ازرق بن قیسؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہمیں ہمارے امام نے جن کی کنیت ابورمثہ تھی ہمیں نماز پڑھائی اور نماز کے بعد انہوں نے فرمایا کہ میں نے یہ نماز یا اس کے مثل نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی حضرت ابورمثہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں طرف پہلی صف میں کھڑے تھے۔ایک آدمی آکر نماز کی تکبیر اولیٰ میں شریک ہوا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخساروں کی سفیدی دیکھی۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر کر بیٹھ گئے جس طرح ابورمثہ یعنی میں پھر کر بیٹھ گیا۔وہ آدمی جو تکبیر اولیٰ میں شریک تھا کھڑا ہو گیا اور دو رکعت نماز پڑھنے لگا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے دیکھ کر فوراً اٹھے اور اس آدمی کے دونوں کندھوں کو پکڑ کر حرکت دی اور فرمایا بیٹھ جاؤ۔کیونکہ اہل کتاب اسی لئے ہلاکت کی وادی میں جا گرے کہ وہ اپنی نمازوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگاہ مبارک اوپر اٹھائی۔اور ارشاد فرمایا اے خطاب کے بیٹے اللہ تعالیٰ نے تمہیں راہ حق پر پہنچا دیا۔(ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں مندرجہ ذیل امور قابل غور ہیں۔

① حضرت ابورمثہ رضی اللہ عنہ نے ''ھذہ الصلوۃ'' کے ذریعے اس نماز کی طرف اشارہ نہیں فرمایا تھا جو اس وقت انہوں نے پڑھ کر دکھائی تھی کیونکہ وہ نماز تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں پڑھی تھی۔البتہ اس جیسی نماز خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی تھی،اس لئے یہ بات طے ہے کہ ''ھذہ'' کے ذریعے جو اشارہ کیا گیا ہے وہ اس حقیقت کی طرف ہے جو ان کے ذہن میں موجود تھی۔

② حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پہلی صف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب اس لئے کھڑے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما رکھا تھا ''تم میں سے جو عقل مند افراد ہیں وہ میرے قریب رہا کریں۔تاہم حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس چیز کا بیان برسبیل تذکرہ آ گیا ہے ورنہ اصل قصے کے ساتھ اس کا اتنا خاص تعلق نہیں ہے کہ اگر اسے چھوڑ دیا جاتا تو بات نامکمل رہ جاتی۔لیکن اس کا برسبیل تذکرہ آ جانا بھی خالی از فائدہ نہیں بلکہ اس میں صف اول کے حصول کی کوشش کرنے کی ترغیب موجود ہے اور صف اول میں بھی امام کی دائیں جانب کھڑے ہونے کی ترغیب دی گئی ہے جیسا کہ یہی افضل ہے۔

③ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ ممکن ہے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو دو نمازوں میں وقفہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہو اور انہیں یاد نہ رہا ہو۔جس کی وجہ سے تعمیل حکم میں کوتاہی ہوئی ہو۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں وقفہ رکھنے کا حکم نہ دیا گیا ہو اور انہوں نے ملا کر نماز پڑھنے کو اپنے ذہن میں جگہ دے دی ہو۔نیز یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ ہر نماز کے بعد جو ذکر کیا جاتا ہے۔نماز ملا کر پڑھنے کی صورت میں وہ ذکر نہیں ہو سکتا اور ذکر کی جو نورانیت اور برکت ہوتی ہے وہ فوت ہو جاتی ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں یہ احتمال بیان فرماتے ہیں کہ ممکن ہے عدم فصل سے مراد سلام کے بعد ترک ذکر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو اور تقدیری عبارت یہ ہو کہ سلام پھیرنے کے بعد ترک ذکر ہی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا۔ اس لئے تم ایسا نہ کرو کیونکہ اس سے نماز کی رکعتوں کی تعداد مشتبہ ہو جاتی ہے جبکہ حافظ صاحب رحمہ اللہ اس جملے کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کو کسی ایسی چیز نے ہلاک نہیں کیا جو انہوں نے نماز کے بعد سرانجام دی ہو۔ بلکہ انہیں تو اس کے علاوہ اور بہت سی چیزوں نے ذلیل اور ہلاک کر دیا۔ گویا مقدر مانے گئے مخصوص لفظ کی رعایت ہی کی تعیین ہوئی۔ جبکہ اسے عام ماننے کی صورت میں یہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

اصل میں اس عبارت سے حافظ صاحب رحمہ اللہ کا مقصد علامہ طیبی رحمہ اللہ پر اعتراض کرنا ہے حالانکہ یہ بات واضح ہے کہ اس ہلاک کا تعلق مخصوص ہے نمازیوں کے ساتھ جبکہ ہلاکت کے دوسرے اسباب انسان کو اگلے جہان پہنچا دیتے ہیں۔ یا اس حصہ کو حصر ادعائی بھی کہا جا سکتا ہے جس میں مبالغہ مقصود ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

نماز کے بعد کی تسبیح

۹۷۳: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ اُمِرْنَا اَنْ نُسَبِّحَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَنَحْمِدُ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَنُكَبِّرُ اَرْبَعًا وَّثَلَاثِيْنَ فَاُتِيَ رَجُلٌ فِي الْمَنَامِ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقِيْلَ لَهٗ اَمَرَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تُسَبِّحُوْا فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ كَذَا وَكَذَا قَالَ الْاَنْصَارِيُّ فِيْ مَنَامِهٖ نَعَمْ قَالَ فَاجْعَلُوْهَا خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ وَاجْعَلُوْا فِيْهَا التَّهْلِيْلَ فَلَمَّا اَصْبَحَ غَدَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَافْعَلُوْا۔ (رواہ احمد والنسائی والدارمی)

أخرجه النسائی فی السنن ۷٦/۳ حديث رقم ۱۳۵۰۔ والدارمی ۳٦۰/۱ حديث رقم ۱۳۵٤۔ وأحمد فی المسند ۱۸٤/۵۔ فی المخطوطة "كذا"۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ہر نماز کے بعد۔ سبحان اللہ ۳۳ بار۔ الحمد للہ ۳۳ بار۔ اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھیں۔ ایک انصاری صحابی نے ایک فرشتہ کو خواب میں دیکھا۔ فرشتہ نے اس انصاری سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم ہر نماز کے بعد اتنی اور اتنی تسبیح پڑھو۔ اس انصاری نے کہا ہاں۔ فرشتہ نے کہا ان تینوں کی تعداد پچیس پچیس مقرر کرو۔ اور اس کے ساتھ لا الہ الا اللہ بھی پچیس مرتبہ مقرر کر لو۔ تاکہ سو کا عدد پورا ہو جائے۔ صبح کے وقت اس انصاری نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب بتایا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس پر عمل کرو۔ (احمد۔ نسائی۔ دارمی)

تشریح: اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ طیبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حدیث میں مذکور انصاری صحابیؓ کے ساتھ خواب میں اس واقعہ کا پیش آنا از قبیل الہام ہے جیسا کہ بعض اوقات خود نبی ﷺ کو بھی خواب میں کسی چیز کی تعلیم دے دی جاتی تھی اور اسی وجہ سے نبی ﷺ نے خواب میں دکھائی دینے والے شخص یا فرشتے کی بات کی تائید و تصویب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی بات پر عمل کرتے ہوئے کلمات تسبیح کو ۲۵، ۲۵ مرتبہ کر کے اس میں ۲۵ مرتبہ لا الہ اور اللہ کا اضافہ بھی کر لو۔ اور یہ صورت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ جامع بھی ہے کیونکہ اس میں تہلیل کے کلمات بھی آ گئے ہیں اور سو کا عدد بھی پورا ہو جاتا ہے۔ تاہم ایک بات ضرور ہے کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ سے از قبیل الہام جو قرار دیا ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ الہام اور منام میں تغایر ہوتا ہے اور یہ منام کا واقعہ ہے۔

نیز علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ خواب میں دکھائی دینے والے شخص کی عبارت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب تسبیحات بھی یہی ہیں اور عدد بھی سو کا ہے تو اس عدد کو برقرار رکھتے ہوئے اس میں کمی بیشی نہ کرو۔ اور قبل اس کے کہ تم اس ترتیب پر عمل کرو۔ اس میں کلماتِ تہلیل کا اضافہ کر لو۔ لیکن میری رائے میں یہ بات بھی محل نظر ہے کیونکہ حدیث میں کہیں بھی ایسے الفاظ نہیں جو اس مفہوم پر دلالت کرتے ہوں "قبل اس کے کہ تم اس ترتیب پر عمل کرو"۔ بلکہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے جذبۂ اتباع کو دیکھتے ہوئے تو یہی بات واضح ہوتی ہے کہ وہ اس حکم پر عمل کر چکے ہوں گے۔ ہاں! یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ "کلماتِ تہلیل" کلمات تکبیر سے پہلے کہہ لیا کرو۔ تاکہ ترتیب مشہور کی رعایت بھی ہو جائے اور مقصد بھی ہو جائے کیونکہ ترتیبِ مشہور یہی ہے۔ "سبحان اللہ، والحمدللہ، ولا الٰہ الا اللہ، واللہ اکبر" اور "فیھا" کا لفظ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ۲۵، ۲۵ مرتبہ ان کلمات کے مسنون ہونے کی دلیل صرف انصاری صحابیؓ کا خواب نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کی تائید کرتے ہوئے "فافعلوا" فرمانا ہے کیونکہ کسی غیر معصوم کے ذہن میں آنے والی باتیں "خواہ بیداری میں ہو یا نیند کی حالت میں" حجت نہیں اور نہ ہی دین کے کسی معاملے میں ان کو کوئی شرعی اعتبار ہے۔

آیۃ الکرسی کی فضیلت

۹۷۴: وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَعْوَادِ هٰذَا الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ مَنْ قَرَأَ اٰيَةَ الْكُرْسِيِّ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا الْمَوْتُ وَمَنْ قَرَأَهَا حِيْنَ يَأْخُذُ مَضْجَعَهُ اٰمَنَهُ اللّٰهُ عَلٰى دَارِهٖ وَدَارِ جَارِهٖ وَاَهْلِ دُوَيْرَاتٍ حَوْلَهٗ۔

رواه البيهقي في شعب الايمان وقال اسناده ضعيف

رواه البيهقي في شعب الايمان ٢/٤٥٨ حديث رقم ٢٣٩٥۔ في المخطوطة "حفيقة"۔ في المخطوطة "الحسان"۔ في المخطوطة "هي"۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکڑی کے اس منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو آدمی ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے اس کو جنت میں جانے سے سوائے موت کے اور کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اور جو آدمی سوتے وقت آیۃ الکرسی پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گھر میں اور اس کے ہمسایہ کے گھر میں اور اس کے گرد و پیش چند اور گھروں میں امن دیتا ہے۔ (بیہقی) امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی روایت کمزور ہے۔

تشریح: اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث پر اپنی گرفت اور یادداشت مضبوط ثابت کرنے کیلئے "سماع" کا لفظ استعمال کرنے کے بعد جو یہ فرمایا "علی اعواد هذا المنبر" تو اس کی حکمت یہ ہے کہ اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ یہ واقعہ لکڑی کا منبر تیار ہو چکنے اور رکھے جانے کے بعد پیش

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیا تھا، کیونکہ نبی ﷺ ابتداءً زمین پر کھڑے ہو کر لکڑی کے ایک تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ ارشار فرمایا کرتے تھے۔ بعد میں جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو اکثر حضرات کے مطابق ۷ھ میں اور بعض حضرات کے نزدیک ۷ھ میں لکڑی کا یہ منبر بنایا گیا تاکہ نبی ﷺ اس پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کریں اور سب مسلمان اس سے مستفید ہو سکیں۔

”الاّ الموت“ سے کیا مراد ہے؟

بعض محدثین اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنے والا جنت میں داخل ہوگا۔ سوائے اس شخص کے جس کی موت بدبختی اور شقاوت کی حالت میں ہوئی ہو۔ اور بعض محدثین ”الا الموت“ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ موت نہ آنے تک وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ موت آنے کے بعد وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس شخص کے اور جنت میں داخل ہونے کے درمیان صرف موت رکاوٹ ہے۔ جب اس کا چراغِ زندگی گل ہو جائے گا اور وہ اس عالم سے کوچ کر جائے گا تو یہ رکاوٹ دور ہو جائے گی اور وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ اس حدیث کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کیلئے جنت میں داخل ہونے کی کوئی شرط باقی نہیں بچی (سب پوری ہو چکی ہیں) ہاں! ایک شرط باقی رہتی ہے اور وہ ہے موت، جو کہ اس کے راستے کی رکاوٹ ہے اور بزبان حال یہ کہہ رہی ہے کہ آپ کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے میرا آپ کی قدم بوسی کرنا ضروری ہے تاکہ ساری شرائط مکمل ہو جائیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ خود بھی اس حدیث کی توجیہہ میں ایک لطیف بات فرماتے ہیں اور وہ یہ کہ اس شخص کیلئے دخول جنت سے کوئی بھی چیز کسی صورت مانع اور رکاوٹ نہیں بن سکتی حتی کہ موت بھی نہیں۔ بلکہ موت تو دخول جنت کا سبب ہے، یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:۔

”ولا عیب فیھم غیران سیوفھم“ (البیت)

حالانکہ یہ تو کوئی عیب نہیں، معلوم ہوا کہ ان میں کوئی عیب ہے ہی نہیں، گویا یہ ”تاکید المدح بما یشبہ الذم“ کے قبیل سے ہے کہ الفاظ تو ذم کے مشابہہ ہیں لیکن اس کا مقصد ”تاکیدِ مدح“ ہے۔ اس کی مثال یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

”وما نقموا منھم الا ان یؤمنوا باللّٰہ“

”ظالموں نے ان کو صرف اسی وجہ سے برا اور ناقص سمجھا تھا کہ وہ اللہ پر ایمان لائے ہیں۔“

ظاہر ہے کہ یہ خرابی تو نہیں۔ یہ تو عین خوبی ہے، اسی طرح ”الا الموت“ کا معنی بھی ہے۔

اور ایک معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کیلئے جنت میں داخل ہوتے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ ہاں! اگر وہ کفر کی حالت میں مرے تو بات جدا ہے۔ گویا یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ کفر و شرک کے علاوہ اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ دخول جنت میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔ واللہ اعلم۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سند حدیث پر بحث:

یہ حدیث سند کے اعتبار سے گوکہ ضعیف ہے تاہم فضائل اعمال کے سلسلے میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کر لیا جاتا ہے۔ بالخصوص جبکہ اس حدیث کا ابتدائی حصہ حصن حصین میں مذکور ہے اور انہوں نے نسائی کا رمز ذکر کیا ہے نیز ابن حبان اور ابن السی کا بھی رمز لکھا ہے، تاہم میرک کے مطابق یہ روایت حضرت علیؓ سے ہے اور مذکورہ کتابوں میں حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے نقل کی گئی ہے۔

حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام نسائی اور طبرانی نے اسے متعدد اسناد سے نقل کیا ہے جن میں سے ایک سند صحیح بھی ہے بلکہ طبرانی نے تو اپنی بعض اسناد میں "قل هو الله احد" کا بھی اضافہ نقل کیا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اس کی سند بھی جید ہے جبکہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوامامہؓ کے حوالے سے اس کا ایک صحیح شاہد موجود ہے جسے امام نسائی نے روایت کیا ہے اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت الکرسی کی فضیلت میں اس کے علاوہ بھی مزید احادیث نقل کی ہیں۔ لیکن امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب کو ضعیف قرار دیا ہے۔ جبکہ ہماری رائے یہ ہے کہ اتنی متعدد اسناد سے کسی روایت کا نقل ہو کر آنا اس بات کی دلیل ہے کہ یقیناً اس کی کوئی نہ کوئی صحیح اصل موجود ہے۔ اس لئے اسے بالکل ترک نہیں کیا جا سکتا۔

۹۷۵: وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ قَبْلَ اَنْ يَنْصَرِفَ وَيَثْنِيَ رِجْلَيْهِ مِنْ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ وَالصُّبْحِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَعَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ عَشْرَمَرَّاتٍ كُتِبَ لَهٗ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَمُحِيَتْ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَرُفِعَ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَكَانَتْ لَهٗ حِرْزًا مِنْ كُلِّ مَكْرُوْهٍ وَحِرْزًا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ وَلَمْ يَحِلَّ لِذَنْبٍ اَنْ يُدْرِكَهٗ اِلَّاالشِّرْكُ وَكَانَ مِنْ اَفْضَلِ النَّاسِ عَمَلًا اِلَّا رَجُلًا يَفْضُلُهٗ يَقُوْلُ اَفْضَلَ مِمَّا قَالَ۔ (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ جو آدمی فجر اور مغرب کے بعد اپنی جگہ سے اٹھنے سے قبل اور اپنے پاؤں موڑنے سے پہلے ان کلمات کو پڑھے۔ لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد بيده الخير وهو على كل شيء قدير۔ تو اس کے لئے ہر مرتبہ کے بدلہ میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اور اس کے دس گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اور یہ کلمات اس آدمی کے لئے ہر شر سے اور شیطان مردود سے امن کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اور شرک کے علاوہ کوئی گناہ اسے ہلاکت میں نہیں ڈالتا ہے اور وہ آدمی عمل کے اعتبار سے سب لوگوں میں سے بہتر ہوگا۔ سوائے اس آدمی کے جو اس سے زیادہ افضل عمل کرے (احمد)

راویٔ حدیث:

عبدالرحمٰن غنم۔ "عبدالرحمٰن بن غنم الاشعری" یہ شام کے رہنے والے ہیں۔ زمانہ جاہلیت بھی پایا اور زمانہ اسلام بھی پایا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں قبول کیا لیکن آنحضرت ﷺ کی زیارت نہ کر پائے۔ جب سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ نے یمن بھیجا تھا برابر ان کے ساتھ رہے تا آنکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ فقہاء اہل شام میں سب سے زیادہ فقیہ تھے۔ عمر بن الخطاب و معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما جیسے متقدمین صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

''غنم'' میں غین منقوطہ مفتوح اور نون ساکن ہے۔ ۷۸ھ میں انتقال ہوا۔

تشریح: اس حدیث میں ایک لفظ آیا ہے ''ویثنی رجلیہ'' یہ لفظ ایک دوسری روایت میں اسم فاعل سے ''وھو ثان رجلہ'' بھی آیا ہے۔ صاحبِ نہایہ فرماتے ہیں کہ لفظ اعتبار سے تو یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن معنوی اعتبار سے ان میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ دونوں کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ تشہد کی حالت میں انسان جس کیفیت پر بیٹھا ہوتا ہے۔ اسی حالت میں بیٹھے بیٹھے اور پاؤں موڑنے سے پہلے پہلے جو شخص یہ کلمات کہے گا اسے یہ یہ فوائد حاصل ہوں گے۔

فجر اور مغرب کے بعد ذکر کی فضیلت

۹۷۶: و روی الترمذی نحوہ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اِلٰی قَوْلِہٖ اِلاَّ الشِّرْکُ وَلَمْ یَذْکُرْ صَلاَۃَ الْمَغْرِبِ وَلاَ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَقَالَ ھٰذا حدیث حسن صحیح غریب۔

أخرجه أحمد في المسند ٤/٢٢٧۔

ترجمہ: اس روایت کو امام ترمذیؒ نے بھی حضرت ابوذرؓ سے صرف۔ الا الشرك۔ تک نقل کیا ہے۔ اور ان کی روایت میں صلوٰۃ المغرب اور بیدہ الخیر کے الفاظ بھی منقول نہیں ہیں۔ اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ایک بہترین اور عمدہ قسم کا استعارہ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ دعا کرنے والا جب کلمہ توحید کے ذریعے دعا کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اللہ کی پناہ میں دے دیتا ہے اور وہ اللہ کی قائم کردہ حدود کو توڑنے سے بچتا ہے اور جونہی وہ توحید کے حرم سے نکلتا ہے تو لامحالہ اسے شرک کی گندگی گھیر لیتی ہے مطلب یہ ہے کہ گناہ کیلئے اس بات کی گنجائش نہیں رہتی کہ ان کلمات کو کہنے والے کا احاطہ کر کے اسے توحید کی جڑوں سے اکھاڑ کر کسی گناہ میں مبتلا کر سکے ہاں اگر یہ انسان خود ہی شرک کی گندگی میں پھنس جائے تو اور بات ہے۔

فجر کے بعد ذکر کی فضیلت

۹۷۷: وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا قِبَلَ نَجْدٍ فَغَنِمُوْا غَنَائِمَ کَثِیْرَۃً وَاَسْرَعُوا الرَّجْعَۃَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَّا لَمْ یَخْرُجْ مَا رَاَیْنَا بَعْثًا اَسْرَعَ رَجْعَۃً وَلاَ اَفْضَلَ غَنِیْمَۃً مِنْ ھٰذَا الْبَعْثِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی قَوْمٍ اَفْضَلَ غَنِیْمَۃً وَاَفْضَلَ رَجْعَۃً قَوْمًا شَهِدُوْا صَلاَۃَ الصُّبْحِ ثُمَّ جَلَسُوْا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ حَتّٰی طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَاُولٰئِکَ اَسْرَعُ رَجْعَۃً وَاَفْضَلُ غَنِیْمَۃً۔ (رواہ الترمذی وَقَالَ ھٰذا حدیث غریب وَحَمَّادُ ابْنُ اَبِیْ حُمَیْدٍ الرَّاوِی ھو ضعیف فی الحدیث)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٥٢٢ حديث رقم ٣٤٧٣۔ في المخطوطة هذه العبارة موقعها بعد كلمة "صفة رجل"۔ في المخطوطة "قره"۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر نجد کی طرف روانہ کیا۔ چنانچہ وہ لشکر بہت زیادہ مال غنیمت لے کر جلدی واپس لوٹ آیا۔ ہم میں سے ایک آدمی نے جو لشکر کے ساتھ نہیں گیا تھا کہا کہ ہم نے تو ایسا کوئی لشکر نہیں دیکھا جو اس لشکر کی طرح اتنا جلدی واپس آیا ہو۔ اور اپنے ساتھ اتنا زیادہ مال غنیمت بھی لایا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں ایک ایسی جماعت کے بارے میں نہ بتاؤں جو مال غنیمت میں بھی اور جلدی واپس آنے میں بھی اس لشکر سے بڑھ کر ہے۔ وہ جماعت وہ ہے جو فجر کی نماز میں حاضر ہوئی ہو اور پھر طلوع آفتاب تک اپنی جگہ بیٹھ کر ذکر میں مشغول رہی ہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جو جلدی واپس آنے اور مال غنیمت لانے میں ان سے افضل ہیں۔ (ترمذی) اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی حماد بن ابو حمید ضعیف ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں نمازِ فجر پڑھ کر طلوعِ آفتاب تک بیٹھ کر ذکر الٰہی کرنے والوں کیلئے دو باتیں ارشاد فرمائیں گئیں۔

① جلدی لوٹ آنے والے یعنی اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے بعد جس پر ان سے ثواب عظیم کا وعدہ کیا گیا کچھ ہی دیر گذرنے کے بعد وہ اپنے گھر اور اپنے امور معیشت کی طرف لوٹ آتے ہیں جبکہ مجاہدین اکثر کئی دن گزرنے کے بعد اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہماری اس تقریر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں فراغت کو رجعت کے الفاظ سے بطریق مشاکلہ تعبیر کیا گیا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس میں ذاکر نمازی کو استعارۃً اس مسافر سے تشبیہ دی گئی ہو جو اپنے مقصد سفر کی تکمیل کے بعد ہی اپنے گھر کی طرف لوٹ کے آتا ہے اس صورت میں اس کی مثال وہ محاورہ ہوگا جو عام طور پر حدیث کے حوالے سے مشہور ہے لیکن اس کی سند میں شہر بن حوشب راوی ہونے کی وجہ سے اسے مضبوط حدیث نہیں قرار دیا جا سکتا اسی لئے ہم نے اسے محاورے سے تعبیر کیا ہے۔ ''رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر'' اور اس کے بعد حافظ صاحب نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ جہاں کسی لفظ کو اپنے معنی حقیقی میں استعمال کرنا ممکن ہو وہاں اس کا مجازی معنی مراد لینا اچھا نہیں ہوتا خاص طور پر جب کسی ضرورت کے بغیر اس میں تکلف اور ظاہر سے خروج کرنا پڑتا ہو۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ اپنی رائے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں مجازی معنی مراد لینے کا قرینہ یہی کافی ہے کہ نمازی کیلئے عموم ثابت ہو جائے خواہ وہ مسجد میں نماز پڑھے یا اپنے گھر میں دونوں صورتوں میں یہی حکم ہے جیسا کہ حدیث کے ظاہری الفاظ پر اطلاق سے ظاہر ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَابُ مَالَا يَجُوْزُ مِنَ الْعَمَلِ فِي الصَّلٰوةِ وَمَايُبَاحُ مِنْهُ

نماز میں جائز اور ناجائز چیزوں کا بیان

اس باب میں ایسے امور اور اشیاء کا ذکر کیا گیا ہے کہ جن کو نماز میں کرنا جائز ہے اور جن کو نماز میں کرنا مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی ہے یا مستحب ہے اور یا مباح ہے۔

الفصل الاول:

چھینک کے جواب سے نماز فاسد ہو جاتی ہے

۹۷۸: عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ بَيْنَا اَنَا اُصَلِّي مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَاعَطَسَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَقُلْتُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَرَمَانِي الْقَوْمُ بِاَبْصَارِهِمْ فَقُلْتُ وَاثُكْلَ اُمِّيَاهُ مَاشَانُكُمْ تَنْظُرُوْنَ اِلَيَّ فَجَعَلُوْا يَضْرِبُوْنَ بِاَيْدِيْهِمْ عَلٰى اَفْخَاذِهِمْ فَلَمَّا رَاَيْتُهُمْ يُصَمِّتُوْنَنِي لٰكِنِّي سَكَتُّ فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبِاَبِيْ هُوَ وَاُمِّيْ مَارَاَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهٗ وَلَابَعْدَهٗ اَحْسَنَ تَعْلِيْمًا مِنْهُ فَوَاللّٰهِ مَا قَهَرَنِيْ وَلَا ضَرَبَنِيْ وَلَاشَتَمَنِيْ قَالَ اِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيْهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ اِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيْحُ وَالتَّكْبِيْرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ اَوْكَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ وَقَدْجَاءَ نَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ وَاِنَّ مِنَّا رِجَالًا يَاْتُوْنَ الْكُهَّانَ قَالَ فَلَا تَاْتِهِمْ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَتَطَيَّرُوْنَ قَالَ ذٰلِكَ شَيْءٌ يَجِدُوْنَهٗ فِيْ صُدُوْرِهِمْ فَلَا يَصُدَّنَّهُمْ قَالَ قُلْتُ وَمِنَّارِجَالٌ يَخُطُّوْنَ قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهٗ فَذَاكَ رواه مسلم قَوْلُهٗ لٰكِنِّيْ سَكَتُّ هٰكَذَا وَجَدْتُّ فِيْ صَحِيْحِ مسلم وكتاب الحميدى وصحح فِيْ جامع الْاُصُوْلِ بِلَفْظَةِ كَذَا فوق لكنى۔

أخرجه مسلم فى صحيحه ٣٨١/١حديث رقم (٣٣-٥٣٧)۔وأبوداوٗد فى السنن ٥٧٠/١حديث رقم ٩٣٠والنسائى ١٤/٣حديث رقم ٩٣٠۔وأحمد فى المسند ٥٤٧/٥۔ فى المخطوطة زيادة عبارة "فلاتكن فى قوله تعالى "۔ فى المخطوطة "صلى"۔ فى المخطوطة "وقيل"۔

ترجمہ: حضرت معاویہ بن حکمؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا اچانک ایک آدمی کو چھینک آ گئی۔ میں نے یرحمک اللہ کہا۔ لوگوں نے مجھ کو گھورنا شروع کیا۔ میں نے کہا کہ تمہاری ماں تمہیں گم کر دے۔ تم لوگ مجھے کیوں گھور رہے ہو۔ لوگوں نے اپنی رانوں پر اپنے ہاتھ مارنے شروع کئے۔ میں نے دیکھا کہ لوگ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن میں خاموش رہا جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ چکے میرے ماں باپ آپ پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قربان ہوں میں نے ایسا اچھا تعلیم دینے والا نہ آپ ﷺ سے پہلے دیکھا تھا اور نہ ہی بعد میں دیکھا۔ اللہ کی قسم نہ تو آپ ﷺ نے مجھے ڈانٹا نہ مارا اور نہ ہی مجھے برا کہا' فرمایا کہ نماز میں انسان کا کلام مناسب نہیں ہے۔ نماز تو تسبیح تکبیر اور قرآن پڑھنے کا نام ہے یا آپ ﷺ نے اس کے مثل کچھ اور فرمایا میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ میں ایک نومسلم ہوں۔ پھر میں نے عرض کیا کہ ہم میں سے بہت لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے پاس ہرگز نہ جایا کرو۔ میں نے عرض کیا ہم میں سے بہت لوگ بدفالی لیتے ہیں۔ فرمایا یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو وہ اپنے دلوں میں پاتے ہیں۔ انہیں اپنے کام سے رکنا نہیں چاہیے۔ حضرت معاویہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ ہم میں سے بعض لوگ خط کھینچتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ وہ غیب کی کچھ باتیں بتاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء میں سے ایک نبی تھے جو خط کھینچتے تھے لہٰذا جس آدمی کا خط کھینچنا اس نبی کے خط کے موافق ہو جائے وہ اس بات کو حاصل کر لیتا ہے۔ (مسلم)

صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ ۔لکنی سکت۔ کو صحیح مسلم اور حمیدی کی کتاب میں اسی طرح دیکھا ہے۔ صاحب جامع الاصول نے لکنی کے اوپر لفظ کذا لکھ کر اس کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

راویٔ حدیث:

معاویۃ بن الحکم۔ یہ ''معاویہ'' ہیں۔ ''حکم'' کے بیٹے ہیں اور ''سلمی'' ہیں۔ یہ مدینہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کا شمار اہل حجاز میں ہے۔ ان سے ان کے بیٹے کثیر اور عطاء بن یسار وغیرہ نے روایت کی۔ ۱۱۷ھ میں انتقال فرمایا۔ کیا گیا ہے کہ ان سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔

تشریح: اس حدیث کی وضاحت میں علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی نمازی کسی چھینک کر الحمد للہ کہنے والے کے جواب میں **یرحمک اللّٰہ** کہہ دے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اس نے اسے مخاطب بنایا اور اگر اس نے ضمیر غائب استعمال کرتے ہوئے **یرحمہ اللّٰہ** کہا تو نماز باطل نہ ہوگی۔

حافظ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر اس نے اپنے لئے رحم کی دعا کرتے ہوئے **یرحمنی اللّٰہ** کہا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اگر اس نے یہ دعا کسی اور کیلئے بھی کی ہو تب بھی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ دعائے رحمت ومغفرت ہے دونوں کی دلیل یہی حدیث ہے لیکن حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جو عنقریب آیا چاہتی ہے وہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے اس قول کی تردید کرتی ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں کلام کی نسبت لوگوں کی طرف کی گئی ہے اور یوں فرمایا گیا ہے۔ ''ان **هذه الصلوٰة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس**'' اس کی وجہ یہ ہے کہ دعا، تسبیح اور ذکر اس سے خارج ہو جائیں کیونکہ ان چیزوں کے ذریعے لوگوں سے نہ خطاب مقصود ہوتا ہے اور نہ انہیں کچھ سمجھانا مقصود ہوتا ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر کسی آدمی نے یہ قسم کھالی کہ وہ کسی سے بات نہیں کرے گا اور اس نے تسبیح یا تکبیر کہہ دی یا قرآن پاک کی تلاوت کی تو وہ حانث نہیں ہوگا۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ نماز کی حالت میں چھینک کا جواب دینا جائز نہیں۔ جس نے ایسا کیا اس کی نماز باطل ہو جائے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گی۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حکم شرعی سے ناواقف کا گفتگو اور کلام کرنا نماز کو باطل نہیں کرتا کیونکہ اسے نبی کریم ﷺ نے اعادہ نماز کا حکم نہیں فرمایا اکثر تابعین کی رائے یہ ہے۔ یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی قول ہے۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ اس میں ایک شق کا اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر نمازی نے جان بوجھ کر نماز کی کسی مصلحت سے متعلق کلام کیا مثلاً اگر امام بیٹھنے کے مقام پر کھڑا ہو گیا اور نمازی نے کہہ دیا بیٹھ جایئے یا آہستہ آواز سے پڑھنے کے مقام پر جہراً تلاوہ شروع کر دی اور نمازی نے اسے مطلع کر دیا تو اس سے نماز باطل نہیں ہوئی۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ نماز میں مطلقاً کلام کرنا خواہ بھول کر ہو یا جان بوجھ کر، نماز کی مصلحت سے اس کا تعلق ہو یا نہ ہو نماز باطل ہو جائے گی اور اس حدیث کا اطلاق ہماری دلیل ہے جیسا کہ صاحبِ ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دیگر ائمہ کی طرف سے اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ بطلانِ نماز پر یہ حدیث آپ کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ نماز میں کلام کرنا محظورات میں سے ہے اور حظر مستلزم بطلان نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے مذکورہ واقعہ میں نبی ﷺ نے اعادۂ نماز کا حکم نہیں دیا بلکہ نماز کے احکام تعلیم فرمائے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اولاً تو ہمیں آپ کی بات تسلیم ہی نہیں اور اگر بالفرض اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ جان بوجھ کر کسی محظور و ممنوع کا ارتکاب موجب فساد ہوتا ہے اور جو چیز حالتِ عمد میں موجب فساد ہو، وہ سہو کی حالت میں بھی موجب فساد ہوتی ہے جیسے کھانا پینا وغیرہ کیونکہ وہاں کوئی ایسی شرعی چیز موجود نہیں ہوتی جو اسے زائل کر سکے۔

باقی رہی وہ حدیث جس میں فرمایا گیا ہے: ''رفع عن امتی الخطأ والنسیان''
تو بالاجماع اس سے مراد ''رفع اثم'' ہے، یہ مراد نہیں کہ میری امت غلطی نہیں کر سکتی۔ پھر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر جان بوجھ کر کوئی شخص دوران نماز کلام کرے اور اس کا تعلق نماز کی کسی مصلحت سے نہ ہو تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی اس سلسلے میں یہ رائے ہے کہ اگر لوگ نماز پڑھ رہے ہوں اور اسی اثناء میں بارش شروع ہو جائے ، اور نمازیوں میں سے کوئی یہ کہہ دے کہ اے بھائی! ذرا نماز ہلکی کرو، بارش شروع ہو گئی ہے تو اس کی نماز باطل نہ ہو گی۔ کیونکہ اس کا تعلق نماز کی مصلحت سے ہے تاہم بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس کا تعلق نفس نماز کی کسی مصلحت سے نہیں ہے۔

اس کی دلیل حضرت زید بن ارقمؓ کی وہ حدیث ہے جس کی تخریج امام مسلم رحمہ اللہ نے کی ہے کہ ہم لوگ نماز میں ایک دوسرے سے بات چیت کر لیا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت مبارکہ نازل ہوگئی ''وقوموا للہ قانتین'' اس آیت مبارکہ کے ذریعے ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیتے ہوئے نماز میں کلام کرنے سے منع کر دیا گیا۔

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ دورانِ نماز کلام کی اجازت مدینہ منورہ میں بالکل آخر میں منسوخ کی گئی ہے کیونکہ سورۃ بقرہ مدنی دور کے اختتام پر نازل ہوئی اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ حضرت زید بن ارقمؓ ہجرت کے ابتدائی ایام میں چھوٹے بچے تھے۔ اس لئے یہ اوائل ہجرت کا واقعہ نہیں ہو سکتا۔ نیز یہیں سے ان لوگوں کی بھی تردید ہو گئی جو یہ کہتے ہیں کہ دوران نماز حرمت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کلام کا حکم مکہ مکرمہ میں ہی نازل ہو گیا تھا۔

تکبیر تحریمہ شطر صلوٰۃ ہے یا شرط صلوٰۃ؟

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ شطر صلوٰۃ ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے جس میں تکبیر کو قراءۃ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور قراءۃ جزء صلوٰۃ ہے لہٰذا تکبیر تحریمہ بھی جزء صلوٰۃ ہوئی۔ ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تکبیر سے تکبیر تحریمہ مراد نہیں بلکہ نفس تکبیر ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ شرط صلوٰۃ ہے اور ان کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وذکر اسم ربہ فصلی﴾

اس میں ''اسم رب'' سے مراد تکبیر تحریمہ ہے اور ''فصلی'' میں جو ''ف'' حرف عطف ہے، وہ تغایر پر دلالت کرتا ہے اور شرط شی بھی شی سے خارج ہوتی ہے اس لئے تحریمہ شرط صلوٰۃ ہے۔

کاہن اور عرّاف کا فرق:

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کاہن اور عراف کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کاہن ان خبروں کے پیچھے پڑا رہتا ہے جو زمانۂ مستقبل میں پیش آنے والی ہوں۔ اور عراف چوری شدہ چیزوں اور گمشدہ چیزوں جیسے واقعات میں مگن رہتا ہے۔ بعض کاہنوں کا یہ دعویٰ بھی ہوتا ہے کہ جنات آ کر اسے مستقبل یا ماضی کے واقعات بتاتے ہیں اور بعض کاہن اپنی عقل نارسا کے بل بوتے پر یا کچھ علامات کو دیکھ کر اپنی غیب دانی کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں۔

اس سلسلے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی عراف یا کاہن کے پاس آیا اور اس کی کہی ہوئی باتوں کی تصدیق کی، گویا کہ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی شریعت کا انکار کر دیا۔

تطیّر سے کیا مراد ہے؟

اصل میں تطیر کا معنی ہے پرندے کے ذریعے فال لینا (یہ طیر سے ماخوذ ہے) لیکن بعد میں اسے ہر طریقے کیلئے استعمال کیا جانے لگا جس سے اچھی یا بری فال حاصل ہو (خواہ پرندے کے ذریعے یا کسی اور طریقے سے) زمانۂ جاہلیت میں لوگ پرندوں اور ہرن وغیرہ شکاری جانوروں سے فال لیا کرتے تھے اور ''سوانح'' کو مبارک اور ''بورح'' کو منحوس خیال کرتے تھے۔

قاموس کے مطابق ''بوارح'' ان شکاری جانوروں کو کہا جاتا ہے جو دائیں جانب سے گذر کر بائیں جانب چلے جائیں اور ''سوانح'' ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو بائیں جانب سے گذر کر دائیں جانب چلے جائیں۔

اس زمانے کے رسم ورواج کے مطابق ''بوارح'' سے سامنا ہونے کی صورت میں لوگ اپنے مقاصد کی تکمیل سے رک جاتے تھے اور اپنے ضروری کاموں کو بھی ترک کر کے گھر میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ شریعت نے اس خیال باطل کی تردید کرتے ہوئے لوگوں کو اس سے منع فرمایا اور انہیں یہ بات باور کرائی کہ ان چیزوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور انہیں اس دعاء کی تلقین کی۔

''اللّٰھم لا طیر الا طیرك، ولا خیر الا خیرك، ولا الہ غیرك،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللّٰھم لا یاتی بالحسنات الا انت، ولا یذھب بالسیات الا انت"

شریعت نے لوگوں کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی (جو آج کے جاہلیت زدہ طبقوں کو سمجھ نہیں آتی) کہ فال کے ان طریقوں میں کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں۔ یہ شیطان کا دھوکہ اور فریب ہے جسے وہ لوگوں کے سامنے خوشنما کر کے پیش کرتا ہے تاکہ لوگ اس کا اعتقاد رکھیں اور آہستہ آہستہ ان کا یہ ذہن بن جائے کہ اللہ کے علاوہ یہ چیزیں بھی مؤثر ہو سکتی ہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس نظریہ کے باطل اور کفریہ عقیدہ ہونے میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا۔

نیز شریعت نے انہیں اس بات کی بھی تلقین کی محض ان پرندوں اور فال کے طریقوں سے گھبرا کر اپنی ضروریات زندگی اور اپنے مقاصد کو ترک کر دینا کوئی عقلمندی کی بات نہیں۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ کی رائے میں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جس مقصد کیلئے اپنے گھر سے نکلے ہیں، محض اس بنیاد پر اسے پورا کئے بغیر گھر کو واپس نہ جائیں، اس اعتبار سے اس نہی کا تعلق ان چیزوں سے ہوگا جن سے لوگ بظاہر وہم میں مبتلا ہو سکتے ہوں۔

لکیریں کھینچنے سے کیا مراد ہے؟

کہا جاتا ہے کہ حضرت ادریس یا حضرت دانیال علیہ السلام کچھ مخصوص طریقوں سے لکیریں کھینچا کرتے تھے جس سے بہت سی نامعلوم باتیں معلوم ہو جاتی تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ بن حکمؓ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی کا خط اپنی بناوٹ میں اور اپنی کیفیت میں مذکورہ نبی کے خط کے مشابہ اور موافق ہو گیا تو وہ صحیح ہے یعنی وہ لکیریں کھینچنے والا جتنی مضبوط فراست ایمانی اور کامل علم و عمل سے متصف ہوگا۔ اتنا ہی زیادہ اس کے خط کا اقرب الی الصواب ہونا یقینی ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ "فراست" سے مراد وہ قلبی نور لیتے ہیں جو بندۂ مومن کو منجانب اللہ عطا ہو اور اس کی برکت سے بعض غیبی امور اس کی آنکھوں کے سامنے کھل کر آ جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کیفیت انسان کو اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ وہ علم و عمل کے اعتبار سے درجۂ کمال کو پہنچا ہوا ہو اور اس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص چالیس دن تک اپنے آپ کو اللہ کیلئے وقف کر دے تو اسکے دل سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے جاری ہو جائیں گے۔ اور اس کی زبان حکمت بولے گی۔

اس حدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے "من وافق خط فذاك" یہ زجر و توبیخ پر محمول ہے اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ ان نبی کے خط کے موافق کسی کا خط نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کا یہ عمل بطور معجزہ کے تھا۔ ابن ملک بھی یہی معنی بیان کرتے ہوئے اس کی وجہ یہ ذکر فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے مذکورہ نبی کے خط کو جب دیکھا ہی نہیں تو موافقت اور مخالفت کیسے معلوم ہو سکتی ہے اور ان کا یہ عمل ان کی نبوت کی نشانی تھا جس کا زمانہ گذر چکا اور ظاہر ہے کہ کسی امر ممتنع پر کسی چیز کو معلق کرنا خود ممتنع ہے لہٰذا ان چیزوں کے ذریعے کسی نامعلوم چیز کا علم اور یقین ہونا بھی ممتنع ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام میں مشغول ہونے کی ممانعت نہیں فرمائی کیونکہ اس کی نسبت ایک نبی کی طرف کی جاتی ہے۔ کسی شخص کے ذہن میں یہ خیال نہ آ جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کسی ایسے کام میں بھی مشغول ہو سکتے ہیں جو ان کی شایان شان نہ ہو۔ تاہم اتنی بات واضح ہے کہ چونکہ ہماری اور ان کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شریعت ایک نہیں اس لئے فروع وجزئیاتِ احکام میں اختلاف کا ہونا ناگزیر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جو علماء علمِ رمل کو حرام قرار دیتے ہیں "اوران کی تعداد زیادہ ہے" ان کا یہ کہنا ہے کہ اس حدیث سے اس کے مباح وجائز ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس حدیث میں جو اجازت دی گئی ہے وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ خط مذکورہ نبی کے خط کے موافق ہو اور یہ کسی کو معلوم نہیں کیونکہ اس کا علم تواتر سے حاصل ہوسکتا ہے یا نبی ﷺ کی کسی تصریح سے یا کسی صحابیؓ کے قول سے، اور ایسی کوئی بھی چیز موجود نہیں لہٰذا اس کا حرام ہونا واضح ہوگیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے گرامی:

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خط سے مراد وہ ہے جسے حازی (اپنے اندازے سے اشیاء کا تخمینہ لگانے والا) کھینچتا ہے۔ اصل میں یہ ایک مخصوص قسم کا علم تھا جسے لوگوں نے اس وجہ سے ترک کر دیا کہ اس میں کوئی فائدہ نہ رہا تھا، ہوتا یہ تھا کہ کوئی بھی ضرورت مند حازی کے پاس آتا اور اجرت کے طور پر اسے مٹھائی یا کوئی اور چیز پیش کرتا، اس حازی کے پاس ایک غلام ہوتا تھا جو اپنے پاس سرمہ کی ایک سلائی رکھتا تھا، وہ حازی کسی نرم زمین یا نرم لکڑی کے پاس آتا اور جلدی جلدی اس پر کچھ لکیریں کھینچ دیتا تا کہ انہیں گنا نہ جاسکے۔ اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ ان لکیروں کو دو، دو کر کے مٹانا شروع کرتا، آخر میں اگر دو لکیریں باقی رہ جاتیں تو یہ کامیابی کی نشانی ہوتی تھی اور اگر ایک لکیر باقی رہ جاتی تو یہ ناکامی کی علامت ہوتی تھی۔

صاحب نہایہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے جس علم کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ تو بہت مشہور ومعروف علم ہے اور اس میں مختلف تصانیف کثیر تعداد میں موجود ہیں، یہ علم تو آج تک معمول بہ ہے اور ہر ایک کی اپنی اپنی اصطلاحات اور اپنے اپنے طریقے ہیں جس سے چھپی ہوئی چیزیں دریافت کرنے میں مدد لی جاتی ہے، بعض اوقات اتفاقاً یہ طریقہ کارگر بھی ہوجاتا ہے اور کبھی خطا بھی کر جاتا ہے بلکہ اکثر ہی غلط ہوتا ہے۔

میرکؒ نے حازی کی ایک تعریف تو وہی کی ہے۔ جو ہم اوپر لکھ آئے اور کہا ہے کہ نجومی کو بھی حازی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی ستاروں کو دیکھ کر اندازہ اور تخمینہ لگاتا ہے، نیز کاہن کو بھی حازی کہا جاتا ہے۔

نماز میں سلام کا جواب دینے کا حکم

۹۷۹: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فِي الصَّلَاةِ فَتَرُدُّ عَلَيْنَا فَقَالَ إِنَّ فِي الصَّلَاةِ لَشُغْلًا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ١٨٨/٧۔حديث رقم ٣٨٧٥۔ومسلم في صحيحه ٣٨٢/١حديث رقم (٣٤۔٥٣٨) وأبوداوٗد في السنن ٥٦٧/١حديث رقم ٩٢٣۔وأخرجه ابن ماجه ٣٢٥/١حديث رقم ١٠١٨۔وأحمد في المسند ٣٧٦/١۔ في المخطوطة "بالرد"۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں ہوتے اور ہم آپ کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلام کرتے تو آپ ﷺ ہمیں سلام کا جواب دیتے تھے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد جب ہم نجاشی کے پاس سے واپس آئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ ہم نے آپ ﷺ کو سلام کیا۔ آپ ﷺ نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ہم آپ کو نماز میں سلام کرتے تھے۔ اور آپ ﷺ جواب دے دیتے تھے۔ آج آپ نے جواب کیوں نہیں دیا۔ آپ نے فرمایا کہ نماز خود ایک کام ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث میں نجاشی کا جو لفظ آیا ہے نون کے فتحہ اور کسرہ دونوں طرح سے ضبط کیا گیا ہے جیم کی تخفیف، نقطوں والے شین اور یاء کی تخفیف اور تشدید دونوں طرح سے نقل کیا گیا ہے قاموس میں یاء کی تخفیف کو افصح قرار دیا ہے۔ علامہ ابن تین فرماتے ہیں کہ یہاں یاء ساکن ہے یعنی یہ یائے نسبت نہیں بلکہ یائے اصلی ہے۔

نجاشی حبشہ کے بادشاہ کا لقب تھا، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے مطابق ان کا انتقال ۹ ھ میں ہوا ہے اور ان کا اصل نام اصحمہ تھا، ایمان لانے کے بعد جب ان کا انتقال ہوا تو نبی ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ مل کر ان کی نماز جنازہ ادا فرمائی جس کی صورت یہ ہوئی کہ ان کی لاش کو ملک حبش سے اٹھا کر نبی ﷺ کے سامنے پیش کر دیا گیا اس طرح یہ نماز جنازہ غائبانہ نہیں تھی۔

اس حدیث کی تشریح میں ابن ملک فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے والے ان صحابہ کرام کا منشاء کفار و مشرکین کی ایذا رسانی اور ظلم و ستم سے اپنا بچاؤ تھا جب نبی ﷺ مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے اور ان حضرات کو نبی ﷺ کی ہجرت کا علم ہوا تو یہ بھی حبشہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ یہ حضرات صحابہ مدینہ منورہ میں اس وقت پہنچے جب نبی ﷺ نماز پڑھا رہے تھے ان آنے والے صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے جنہوں نے نبی ﷺ کو سلام کیا لیکن آپ ﷺ نے نماز کے دوران میں جواب نہیں دیا اور بعد میں فرمایا: ''ان فی الصلوٰۃ لشغلاً''

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تنوین تنکیر تنوین کے معنی میں ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ نماز کی مصروفیت قرآن کی تلاوت، تسبیح اور دعا ہے کلام نہیں اور دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ اس کی بارگاہ میں استغراق کی مصروفیت انتہائی عظیم مصروفیت ہے اس لئے اس وقت کسی اور کام میں مصروف نہیں ہونا چاہیے۔

مظہر فرماتے ہیں کہ دوران نماز گفتگو کرنا ابتداء اسلام میں جائز تھا بعد میں اسے حرام قرار دیا گیا۔ شرح السنۃ میں اکثر فقہاء کرام کا یہ قول نقل کی گیا ہے کہ زبان سے تو سلام کا جواب نہ دے کیونکہ اگر ایسا کیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ البتہ ہاتھ یا انگلی کے اشارے سے جواب دے سکتے ہے جس کی وجہ بیان کرتے علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ترمذی کی تصحیح کردہ روایت کے مطابق نبی ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ہاتھ سے جواب دیا تھا باقی رہی وہ روایت جس میں یہ فرمایا گیا کہ جو شخص نماز میں کوئی ایسا اشارہ کرے جو دیکھنے والے کو سمجھ میں آ جائے تو (اس کی نماز باطل ہو جائے گی) اور اسے چاہیے کہ اپنی نماز لوٹا لے تو اس حدیث کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔

شرح منیہ میں ہے کہ اگر نمازی سلام کا جواب اپنے ہاتھ یا سر سے دے یا اس کو کسی شخص سے کوئی چیز مانگے اور وہ اپنے سر یا ہاتھ سے اشارہ کر دے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی لیکن مکروہ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلام کا جواب نماز سے فارغ ہونے کے بعد دینا سنت ہے جیسا کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ان کے سلام کا جواب دیا۔ امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور تابعین کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔

نماز میں زمین کو ہموار کرنا

۹۸۰: وَعَنْ مُعَيْقِيبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ يُسَوِّي التُّرَابَ حَيْثُ يَسْجُدُ قَالَ اِنْ كُنْتَ فَاعِلاً فَوَاحِدَةً ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳/۷۹۔حديث رقم ۱۲۰۷۔ومسلم في صحيحه ۱/۳۸۸حديث رقم (۴۹۔۵۴۶)۔

ترجمہ: حضرت معیقیبؓ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اس آدمی کے بارے میں جو سجدہ کی جگہ سے مٹی برابر کرتا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ضروری ہو تو ایک مرتبہ ایسا کر لیا کرو۔ (بخاری، مسلم)

راویٔ حدیث:

معیقیب بن ابی فاطمہ۔ ''معیقیب'' ہیں ''ابو فاطمہ'' کے بیٹے ہیں۔ ''دوسی'' ہیں۔ سعید بن ابی العاص کے آزاد کردہ ہیں۔ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ بہت پہلے مکہ میں مسلمان ہو چکے تھے۔ دوسری ہجرت حبشہ میں انہوں نے بھی ہجرت کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لے جانے تک حبشہ میں مقیم رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر کی حفاظت پر مقرر تھے۔ ان کو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بیت المال کا افسرِ اعلیٰ بنایا تھا ان سے ان کے بیٹے ''محمد'' اور پوتے ''ایاس بن الحارث'' وغیرہ نے روایت کی۔ ۴۰ھ میں انتقال فرمایا۔

تشریح: اس حدیث میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے شرح منیہ میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سجدے کی جگہ سے کنکریوں کو الٹ پلٹ کرنا مکروہ ہے ہاں اگر کنکریوں کے اونچا نیچا ہونے کی وجہ سے ان پر پیشانی ٹکانا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں انہیں ایک یا دو مرتبہ برابر کرنا جائز ہے کیونکہ اس سلسلے کی ایک روایت میں ایک مرتبہ انہیں برابر کرنے کی اجازت مذکور ہے اور ایک روایت میں دو مرتبہ گو کہ زیادہ ظاہر یہی ہے کہ انہیں ایک ہی مرتبہ برابر کر لے اس پر اضافہ نہ کرے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نماز پڑھتے ہوئے کنکریوں کو مت چھیڑو اگر ایسا کرنا ضروری ہی ہو تو صرف ایک مرتبہ ایسا کرلو تاکہ وہ کنکریاں برابر ہو جائیں اور ان پر سجدہ کرنا ممکن ہو سکے۔ اور ایک روایت میں یہاں تک آتا ہے کہ تم میں سے جب کوئی شخص نماز کیلئے کھڑا ہو تو وہ کنکریاں برابر نہ کر کیونکہ کنکریاں برابر نہ کرنے کی صورت میں اللہ کی رحمت اس کی طرف مکمل متوجہ ہو جاتی ہے۔

نماز میں خصر منع ہے

۹۸۱: وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَصْرِ فِي الصَّلٰوةِ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه۳/۸۸۔حديث رقم ۱۲۲۰۔ومسلم في صحيحه۱/۳۸۷حديث رقم (۴۶۔۵۴۵) وأبو داوٗد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

في السنن ۱/۵۸۲حديث رقم ۹٤۷۔والترمذی ۲/۲۲۳حديث رقم ۳۸۳۔والنسائی ۲/۱۲۷حديث رقم ۸۹۰۔والدارمی ۱/۳۹۲حديث رقم ۱٤۲۸۔وأحمد في المسند ۲/۳۹۹۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں خصر سے منع کیا ہے۔(بخاری، مسلم)

خصر سے کیا مراد ہے؟

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصر فی الصلوٰۃ سے منع فرمایا ہے جس کا معنی بعض حضرات یہ بیان کرتے ہیں کہ ہاتھ سے مخصرہ نامی لکڑی کو پکڑ کر اس پر سہارا لگایا جائے بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے دیوار پر ٹیک لگانا اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ خصر کا مطلب یہ ہے کہ مکمل سورۃ کی تلاوت نہ کی جائے چونکہ تکمیل سورت زیادہ اولیٰ ہے لیکن اس کے ایک جز پر اکتفاء کرنا مکروہ بھی نہیں ہے اس لئے یہاں پر یہ معنی مراد لینا صحیح نہیں ہے، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد کوکھ پر ہاتھ رکھنا اس کی تائید اکثر روایات سے ہوتی ہے جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اختصار سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ اختصار جہنمیوں کی راحت ہے۔

حافظ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خصر کی تفسیر کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے کی گئی ہے جو کہ یہودیوں کا طریقہ ہے لیکن یاد رہے کہ خصر کی یہ تعریف لغت کی کسی کتاب میں نہیں کی گئی اور نہ ابھی تک میں کسی ایسی تعریف پر مطلع ہوا ہوں۔

یہ بات طے ہے کہ اس حدیث کی تخریج امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے جن کے بعض رواۃ میں غالباً بعض لوگ ایسے ہیں جو خصر سے اختصار مراد لیتے ہیں اسی وجہ سے ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو مختصر ہونے کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

''نهى عن الاختصار في الصلوٰة''معلوم ہوا کہ بطلانِ نماز کیلئے اختصار کا اعتبار ہے خصر کا نہیں۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کا اکابر اور ثقات ائمہ محدثین کے قول کی تردید کرتے ہوئے یہ فرمانا کہ خصر کی یہ تعریف لغت کی کسی کتاب میں نہیں کی گئی، اپنے اندر کچھ حقیقت نہیں رکھتا کیونکہ مجاز اور کنایہ کا استعمال سماع پر موقوف نہیں (کہ لغت کی کتاب کا حوالہ ضروری ہو) بلکہ اس کا استعمال اس تعلق پر موقوف ہوتا ہے جس پر اعتبار کیا جاسکے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ خصر کا معنی ہوتا ہے کوکھ اور یہ انسان کے جسم کے درمیان میں ہوتی ہے۔ جب نہی کا درود اس پر ہوا تو معلوم ہوا کہ یہاں مراد اس امر کی نہی ہے جو اس کے ساتھ متعلق ہو، چونکہ تمام روایات اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث میں اس سے مراد کوکھ پر ہاتھ رکھنا ہے تو پھر اسے اسی معنی پر محمول کیا جائے گا کہ کنایۃً ہی سہی، کیونکہ ذات کی نفی زیادہ قوی ہوتی ہے بہ نسبت صفات کی نفی کے۔

ابن ملک بعض روایات کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ اصل میں نماز کے اندر یہ کیفیت اختیار کرنے کی ممانعت اسلئے وارد ہوئی ہے کہ جب ابلیس راندۂ درگاہ ہو کر زمین پر اترا تھا تو اس وقت اس کی یہی کیفیت تھی اور اس نے اپنی کوکھ پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا منع ہے

۹۸۲: وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَئَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْاِلْتِفَاتِ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطٰنُ مِنْ صَلٰوةِ الْعَبْدِ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٢٣٤-حديث رقم ٧٥١-وأبوداؤد في السنن ١/٥٦٠حديث رقم ٩٠٩-والترمذي ٢/٤٨٤حديث رقم ٥٩٠-والنسائي ٣/٨حديث رقم ١١٩٦-وأحمد في المسند ٦/١٠٦-

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اچک لینا ہے کہ شیطان بندے کی نماز میں سے اچک لیتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: دوران نماز چہرہ پھیر کر ادھر ادھر دیکھنے اور متوجہ ہونے سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے لیکن اگر چہرہ پھیرے بغیر صرف آنکھیں گھما کر ادھر ادھر دیکھ لیا تو اس سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اگرچہ خلافِ اولیٰ ہے اور اگر اس موقع پر آدمی کا سینہ ہی قبلہ سے پھر گیا تو بالاتفاق نماز باطل ہو جائے گی۔

بعض علماء کرام کی رائے یہ بھی ہے کہ جو آدمی دوران نماز دائیں بائیں دیکھتا ہے اس کی نماز سے خشوع رخصت ہو جاتا ہے اور اکثر علماء کے مطابق کمال نماز اسی پر موقوف ہے، اس لئے وہ بھی حاصل نہ ہوگا، بلکہ بعض علماء کی رائے کے مطابق تو صحتِ نماز خشوع پر موقوف ہے، لہٰذا اس قول کے مطابق تو نماز ہی نہ ہوگی اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ بندہ جب نماز پڑھ رہا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ مسلسل اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں بشرطیکہ وہ ادھر ادھر نہ دیکھے، اور جب وہ ادھر ادھر دیکھنے اور متوجہ ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ اس سے اپنی توجہ ہٹا لیتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس آخری حدیث کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ رحمت کی توجہ نہ ہونے سے کنایہ ہے (اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بھرپور توجہ سے وہ محروم ہو جاتا ہے) اور بعض علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ اس شخص نے بلاضرورت اس کام کا ارتکاب کر کے بالخصوص جبکہ اسے یہ بات معلوم بھی تھی کہ دوران نماز ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اپنے آپ کو رحمت الٰہیہ سے محروم کر لیا۔

البتہ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ مسلم شریف کی ایک روایت میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مرضِ وفات میں مبتلا ہوئے اور اس دوران ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر صحابہ کرام کو نماز پڑھائی جبکہ صحابہ پیچھے کھڑے تھے اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے التفات کی صورت میں صحابہ کرام کو کھڑے ہوئے دیکھا۔ نیز صحیح سند سے یہ بھی ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فجر کی نماز پڑھاتے ہوئے گھاٹی کی طرف اِدھر اُدھر دیکھا تا کہ حفاظتی نقطہ نظر سے وہاں کوئی محافظ مقرر کر سکے۔

ان دونوں حدیثوں میں التفات سے مراد کن اکھیوں سے دیکھنا ہے چہرہ گھما کر دیکھنا نہیں اور اسکی دلیل یہ صحیح حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دائیں بائیں دیکھا کرتے تھے لیکن گردن موڑ کر پس پشت نہیں دیکھتے تھے اسلیئے یہ جائز تو ہے لیکن خلافِ اولیٰ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز میں بوقتِ دُعا نظر آسمان کی طرف نہ اٹھائی جائے

۹۸۳: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیَنْتَهِیَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ رَفْعِهِمْ اَبْصَارَهُمْ عِنْدَ الدُّعَاءِ فِی الصَّلٰوةِ اِلَی السَّمَاءِ اَوْ لَتُخْطَفَنَّ اَبْصَارُهُمْ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۲۳۳۔حديث رقم ۷۵۰۔ومسلم في صحيحه ۱/۳۲۱حديث رقم(۱۱۸۔۴۲۹)۔والنسائي ۳/۷حديث رقم ۱۱۹۳۔وابن ماجه ۱/۳۳۲حديث رقم ۱۰۴۵۔والدارمي ۱/۳۳۹حديث رقم ۱۳۰۱۔وأحمد في المسند۳/۱۰۹۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ نماز میں اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھانے سے باز رہیں۔ ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو دعا کرتے وقت آسمان کی طرف نظریں اٹھانے سے باز آ جانا چاہیے ورنہ ان کی قوتِ بصارت سلب کر لی جائے گی کیونکہ اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اوپر کی جانب موجود ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ جہت سے پاک اور ہر جگہ موجود ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تہدید کا پہلو اختیار کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ دو میں سے کوئی نہ کوئی کام تو ہو کر ہی رہے گا اس کی مثال یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''لنخرجنك يا شعيب والذين امنوا معك من قريتنا اولتعودن في ملتنا''

حافظ ابن حجر اس کی مثال میں یہ آیت پیش فرماتے ہیں: ﴿تقاتلونهم اويسلمون﴾

یعنی کہ دو میں سے کوئی ایک بات تو بہر حال ہوگی ان دو کے علاوہ کوئی تیسری بات نہیں ہو سکتی ''یا قتال یا اسلام'' اسی طرح اخراج یا کفر کی طرف واپسی گویا ان دونوں آیتوں اور حدیث میں خبر بمعنی امر کے ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دعا کے وقت جبکہ آدمی نماز میں نہ ہو آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دعا کرنے کی کراہت میں علماء کرام کا اختلاف ہے قاضی شریح اور دیگر حضرات اسے مکروہ قرار دیتے ہیں اور اکثر علماء کرام اسے جائز قرار دیتے ہیں کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے جیسے کعبہ نماز کا قبلہ ہے اس لئے یہ مکروہ نہیں ہے جیسے نماز میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ناپسندیدہ نہیں۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ دعا کی حالت میں ہاتھوں کو اٹھانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول بھی ہے اور اس کا حکم بھی ہے لیکن نگاہوں کو آسمان کی طرف متوجہ کرنا ممنوع ہے جیسا کہ علامہ جزری رحمہ اللہ نے حصنِ حصین میں آداب دعا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مضمون کی روایت بخاری شریف میں بھی آتی ہے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا نماز میں آسمان کی طرف نگاہیں اٹھا کر دیکھتے ہیں۔ ابتداء میں تو یہ نکیر انہی الفاظ میں تھی لیکن بعد میں اس میں شدت آ گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ لوگ ابھی تک اس سے باز نہیں آئے تو فرمایا پھر لوگوں کو اس سے باز آ جانا چاہیے۔ ورنہ ان کی قوت بصارت سلب کر لی جائے گی۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابتداء میں آسمان کی طرف نگاہیں اٹھا کر دیکھا کرتے تھے جیسا کہ صحیح روایات سے ثابت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے لیکن جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔''الذین ھم فی صلاتھم خاشعون''تو نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے نگاہیں اٹھانا بند کر دیا۔

نماز میں بچے کو کندھے پر اُٹھانا

۹۸۴: وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَتْ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَؤُمُّ النَّاسَ وَاُمَامَۃُ بِنْتُ اَبِی الْعَاصِ عَلٰی عَاتِقِہٖ فَاِذَا رَکَعَ وَضَعَھَا وَاِذَا رَفَعَ مِنَ السُّجُوْدِ اَعَادَھَا۔ (متفق علیہ)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۳۸٦حديث رقم (۴۲-۵۴۳)۔والنسائي ۳/۱۰حديث رقم ۱۲۰۵۔وأحمد في المسند ۵/۲۹٦ في المخطوطة "الذوات"۔ في المخطوطة بصيغة المذكر۔في المخطوطة زيادة "كون"۔في المخطوطة "انفصاله"۔

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دیکھا کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور امامہ بنت ابوالعاص آپ کے کندھے پر بیٹھی تھیں۔ جب آپ رکوع کرتے تو امامہ کو نیچے بیٹھا دیتے۔ اور جب سجدے سے اٹھتے تو پھر کندھے پر بیٹھا لیتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: علامہ خطابی رحمہ اللہ اس حدیث کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کا جو واقعہ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نماز پڑھا رہے تھے اور یہ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مبارک کندھوں پر سوار تھیں۔ جب نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے رکوع کیا تو اتار دیا اور سجدے سے سر اٹھانے کے بعد انہیں دوبارہ اپنے کندھے پر سوار کر لیا اس میں انہیں اٹھانے کی نسبت نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف جو کی گئی ہے وہ مجازاً ہے کیونکہ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں ارادۃً نہیں اٹھایا تھا اسلئے کہ ایسا کرنے سے نماز سے توجہ بٹ جاتی ہے البتہ اتنی بات ضرور ہے چونکہ عادۃً وہ اکثر نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے کندھے پر سواری کا شرف اٹھایا کرتی تھیں اور نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم انہیں اپنے کندھوں سے نہیں اتارتے تھے اس لئے اس موقع پر بھی انہیں نہیں اتارا۔

ہمارے رائے میں اگر ایسا کرنے سے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نماز میں خلل آتا اور نماز سے توجہ بٹ جاتی تو نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ضرور انہیں اپنے کندھے سے اتار دیتے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ واقعہ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خصوصیات میں سے ہے یا یہ واقعہ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اس ارشاد سے پہلے کا ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔''ان فی الصلوٰۃ لشغلاً'' یا پھر بیانِ جواز پر اسے محمول کیا جائے گا کیونکہ کراہت کے ساتھ یہ جائز تو ہے جیسا کہ منیۃ المصلی میں اس کی تصریح ہے اور شرح السنۃ میں ہے کہ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ محرم عورتوں کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ لیکن ہماری رائے میں یہاں لمس کا تحقق ہوتا ہی نہیں اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ وہ اس وقت بچی تھیں اور غیر مشتہات تھیں۔

یہ رائے قائم کرنے کے بعد میں نے جب حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی فتح الباری کا مطالعہ کیا تو وہاں بھی یہی لکھا ہوا تھا کہ یہ تو بڑی عجیب بات ہے بالخصوص جبکہ حضرت امامہ اس وقت بالکل چھوٹی بچی تھیں حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر بچی حد طفولیت سے نکل جائے اور مشتہات ہونے کی حد تک نہ پہنچے تو اگرچہ وہ اجنبیہ ہی کیوں نہ ہو اسے چھونے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور بھی مزید معلوم ہوتے ہیں:

① بچوں کے کپڑے اور جسم طہارت پر محمول کیے جائیں گے جب تک کہ کوئی نجاست واضح طور پر معلوم نہ ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

② عمل قلیل سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

③ متعدد افعال اگر فاصلے سے ہوں تب بھی نماز باطل نہیں ہوتی۔ اس تیسرے مسئلے میں علامہ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فاصل کا ایک رکعت کے بقدر ہونا شرط ہے لیکن علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس رائے کو غریب اور ضعیف قرار دیا ہے اور فرمایا ہے اس سلسلے میں صحیح قول یہ ہے کہ جسے عرف عام میں حد فاصل سمجھا جا سکے وہی مراد ہوگی جبکہ ہمارے ہاں اس سے مراد اتنی مقدار ہے جس میں نماز کا کوئی ایک رکن ادا کیا جا سکے۔

نماز میں جمائی کا حکم

۹۸۵ :وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا تَثَاءَ بَ اَحَدُکُمْ فِی الصَّلٰوۃِ فَلْیُکْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ یَدْخُلُ ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آ جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کو حتی الامکان روکے۔ کیونکہ شیطان منہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں جمائی لیتے وقت حتی الامکان منہ کو بند رکھنے کی جو ترغیب وارد ہوئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سستی اور غلبۂ نیند کی علامت ہے، اور اطاعت الٰہیہ میں جو چیز بھی موجب غفلت ہو یا اس میں دلجمعی کا کمی کا سبب بنے، وہ ناپسندیدہ ہے، اس لئے اپنی طاقت کے بقدر جب تک ہونٹوں کو بھینچ کر منہ بند رکھنا ممکن ہو، اسے بند رکھے ورنہ ہاتھ رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں جیسا کہ منیۃ المصلی میں ہے۔

نیز اس حدیث میں جمائی کے وقت منہ کھولنے پر اس میں شیطان داخل ہو جانے کا ذکر ہے، اس پر بحث کرتے ہوئے ابن ملک فرماتے ہیں کہ ''منہ'' کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ جب بھی کسی ناپسندیدہ کام پر منہ کھلتا ہے تو وہ شیطان کا راستہ بن جاتا ہے اور یوں اس کیلئے جسم انسانی میں داخلہ ممکن ہو جاتا ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصل میں تثاؤب (جمائی) کا معنی ہے سستی یا پیٹ بھرا ہوا ہونے کی وجہ سے کسی جانور کا منہ کھولنا، یہ کیفیت نیند آور ہوتی ہے اور نیند کے ذریعے شیطان نمازی کو اس کی نماز سے خارج کروا دیتا ہے اور اسے یاد ہی نہیں رہتا کہ میں نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں؟ اس لئے تثاؤب کو دخول شیطان کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی مضمون کی جو صحیح روایت مروی ہے:۔

''ان اللہ یحب العطاس ویکرہ التثاؤب''

اس کی وجہ بھی یہی ہے کیونکہ چھینک آنے کے اسباب وہ نہیں ہوتے جو جمائی آنے کے ہوتے ہیں بلکہ اس کے ذریعے انسان کے دل ودماغ بالکل ہلکے پھلکے ہو جاتے ہیں، انسان کی طبیعت میں نشاط اور نکھار آ جاتا ہے اور اس کے بعد انسان تندہی سے عبادات کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ''الحمد للہ'' کہہ کر اللہ کا شکر ادا کرنا چھینکنے پر مسنون ہے، نہ کہ جمائی آنے پر۔

۹۸۶ : فِیْ رِوَایَۃٍ لِلْبُخَارِیِّ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اِذَا تَثَاءَ بَ اَحَدُکُمْ فِیْ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الصَّلٰوةِ فَلْيُكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ وَلَا يَقُلْ هَا فَإِنَّمَا ذٰلِكُمْ مِنَ الشَّيْطٰنِ يَضْحَكُ مِنْهُ۔

أخرجه مسلم في صحيحه ٢٢٩٣/٤ حديث رقم (٥٧_٢٩٩٥)۔ وأبوداوٗد ٢٨٧/٥ حديث رقم ٥٠٢٧۔ والترمذي ٢٠٦/٢ حديث رقم ٣٧٠۔

ترجمہ: اور بخاری کی روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے الفاظ اس طرح ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آ جائے تو جس قدر ممکن ہو وہ منہ بند کرے اور ہانہ کہے جیسا کہ جمائی کے وقت بے اختیار یہ لفظ منہ سے نکل جاتا ہے اس لئے کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے اور وہ اس سے ہنستا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں جمائی لیتے وقت حتی الامکان منہ کو بند رکھنے کی جو ترغیب وارد ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سستی اور غلبہ نیند کی علامت ہے اور اطاعت الٰہی میں جو چیز بھی موجب غفلت ہو یا اس میں دلجمعی کی کمی کا سبب بنے، وہ ناپسندیدہ ہے، اس لئے اپنی طاقت کے بقدر جب تک ہونٹوں کو بھینچ کر منہ بند رکھنا ممکن ہو، اسے بند رکھے ورنہ ہاتھ رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں جیسا کہ منیۃ المصلی میں ہے۔

نیز اس حدیث میں جمائی کے وقت منہ کھولنے پر اس میں شیطان کے داخل ہو جانے کا راستہ بن جاتا ہے اور یوں اس کیلئے جسم انسانی میں داخلہ ممکن ہو جاتا ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصل میں تثاؤب (جمائی) کا معنی ہے سستی یا پیٹ بھرا ہونے کی وجہ سے کسی جانور کا منہ کھولنا، یہ کیفیت نیند آور ہوتی ہے اور نیند کے ذریعے شیطان نمازی کو اس کی نماز سے خارج کروا دیتا ہے اور اسے یاد ہی نہیں رہتا کہ میں نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں؟ اس لئے تثاؤب کو دخول شیطان کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی مضمون کی جو صحیح روایت مروی ہے۔

"ان اللّٰہ یحب العطاس ویکرہ التثاؤب"

اس کی وجہ بھی یہی ہے کیونکہ چھینک آنے کے اسباب وہ نہیں ہوتے جو جمائی آنے کے ہوتے ہیں بلکہ اس کے ذریعے انسان کے دل و دماغ بالکل ہلکے پھلکے ہو جاتے ہیں، انسان کی طبیعت میں نشاط اور نکھار آ جاتا ہے اور اسکے بعد انسان تندہی سے عبادات کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "الحمد للّٰہ" کہہ کر اللہ کا شکر ادا کرنا چھینکنے پر مسنون ہے، نہ کہ جمائی آنے پر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جن کے ساتھ واقعہ

۹۸۷: وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عِفْرِيْتًا مِنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ الْبَارِحَةَ لِيَقْطَعَ عَلَيَّ صَلَاتِيْ فَاَمْكَنَنِي اللّٰهُ مِنْهُ فَاَخَذْتُ فَاَرَدْتُ اَنْ اَرْبِطَهٗ عَلٰى سَارِيَةٍ مِّنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ حَتّٰى تَنْظُرُوْا اِلَيْهِ كُلُّكُمْ فَذَكَرْتُ دَعْوَةَ اَخِيْ سُلَيْمَانَ رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ فَرَدَدْتُّهٗ خَاسِئًا۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٥٥٤/١_ حديث رقم ٤٦١ _ ومسلم في صحيحه ٣٨٤/١ حديث رقم (٣٩_٥٤١) وأحمد في المسند ٢٩٨/٢_ في المخطوطة "السورة_ بالمثلثة" هكذا في المخطوطة ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آج رات جنوں میں سے ایک دیو چھوٹ کر میرے پاس آیا تاکہ میری نماز میں خلل ڈالے مگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر حاوی کر دیا چنانچہ میں نے اس کو پکڑ لیا اور ارادہ کیا کہ مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب لوگ اس کو دیکھو پھر مجھے اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا یاد آ گئی۔ رب هب لي ملكا لا ينبغي لاحد من بعدي۔ اے میرے پروردگار مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لئے مناسب نہ ہو۔ چنانچہ میں نے اس کو ذلیل بنا کر چھوڑ دیا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث میں عفریت بروزن فعلیت بمعنی خبیث کے ہے اور آگے من الجن سے اس کی وضاحت ہے کیونکہ عفریتِ جنات ہی میں سے ہوتے ہیں، یہ ایسے لطیف اجسام ہوتے ہیں جن کی تخلیق یا تو صرف آگ سے ہوتی ہے یا غالب عنصر آگ ہوتی ہے، یہی دو قول ملائکہ میں بھی اختیار کیے گئے ہیں کہ یا تو وہ نور محض سے پیدا کئے گئے ہیں یا ان کی تخلیق میں نور کا پہلو غالب ہے اور جسمانی لطافت میں یوں بھی اضافہ ہو جاتا ہے کہ ان کیلئے ہر روپ دھارنا ممکن ہوتا ہے یہ الگ بات ہے کہ جنات عام طور پر قبیح شکلیں اختیار کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کی فطرت کا لازمی حصہ ہے۔

اس حدیث کی وضاحت میں ابن مالک فرماتے ہیں کہ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیطان کی اپنی ذات ناپاک نہیں اور نہ اسے چھونے سے نماز ٹوٹتی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سورۃ اعراف کی یہ آیت:۔

"انه يراكم هو وقبيله من حيث لا ترونهم"

عموم پر محمول ہے یا یہ مطلب ہے کہ تم انہیں ان کی اصلی شکل وصورت میں نہیں دیکھ سکتے جس پر انہیں اللہ نے پیدا فرمایا ہے کیونکہ ان کے اجسام کو وہ زائد لطافت دی گئی ہے جو ہماری قوت بینائی کے دائرے سے خارج ہے کیونکہ ہماری فطرت میں مٹی کے اثرات اور عناصر زیادہ ہونے کی وجہ سے کثافت غالب ہے۔

بظاہر اس حدیث میں جس مسجد کا یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے اس سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہے کہ وہاں ایک جن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں خلل ڈالنا چاہا تو اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر قدرت عطا فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پکڑ لیا اور فرمایا کہ اگر میں چاہتا تو اسے مسجد کے کسی ستون سے باندھ دیتا تاکہ تم سب بھی اسے دیکھتے اس سے عبرت حاصل کرتے اور اس بات کا یقین کر لیتے کہ اللہ نے مجھے بھی ان پر ویسے ہی حکومت عطا فرما رکھی ہے جیسے حضرت سلیمانؑ کو عطا فرما رکھی تھی اور اس میں اس کی وہ طاقت بھی کام نہیں آسکتی تھی جس کی بدولت وہ مختلف شکلیں اختیار کر سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ نے بطور معجزے کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کی یہ صلاحیت سلب کر لی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تو بہت اونچا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ قوت سلب کر لی تھی اور یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صدقے کی کھجوروں کی نگرانی پر مامور تھے شیطان نے آکر اس میں سے کچھ کھجوریں چوری کر کے لے جانے لگا اور دو تین مرتبہ کے واقعے کے بعد اس نے آیت الکرسی کی فضیلت سنا کر جان چھڑائی کہ اپنے پڑھنے والے کی حفاظت کرتی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ سمجھے کہ کوئی ضرورت مند مسلمان ہے اس لئے اسے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترس کھا کر چھوڑ دیا لیکن بعد میں نبی ﷺ نے اسے بتایا کہ وہ شیطان تھا لیکن جھوٹا ہونے کے باوجود اس نے بات سچ بتائی۔

اگر شیطان کیلئے یہ ممکن ہوتا کہ کوئی دوسری شکل وصورت اختیار کر کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اپنی جان چھڑا کر بھاگ سکتا تو یقیناً وہ ایسا کر لیتا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو پتہ بھی نہ چلتا اور یہیں سے حضرت سلیمانؑ اور جناب رسول اللہ ﷺ کے درمیان امتیاز واضح ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت سلیمانؑ کے کسی پیروکار کے متعلق ایسا کوئی واقعہ ثابت نہیں ہے۔

''قولہ فردد تہ خاسئاً''

اس جملے کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے اسے دھتکار کر بھگا دیا یا یہ معنی بھی مراد ہو سکتا ہے کہ میں نے اسے ذلیل کر کے چھوڑ دیا، مظہر فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں نے اسے کسی ستون سے باندھ دیا ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ حضرت سلیمانؑ کی دعا قبول نہیں ہوئی لیکن اس سے زیادہ واضح معنی یہ ہے کہ اگر حضرت سلیمانؑ کی دعا قبول نہ ہو چکی ہوتی تو میں اسے ضرور باندھ دیتا۔

ابن ملک فرماتے ہیں کہ اس مقام پر اس اشکال کو حل کرنا بھی ضروری ہے کہ اس روایت کے مطابق نبی ﷺ کو حضرت سلیمانؑ کی دعا اس وقت یاد آئی جب آپ ﷺ اسے پکڑ چکے تھے اور اسی باب کے آخر میں اس مضمون کی جو روایت ذکر کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات نبی ﷺ کو پہلے یاد آئی۔ یوں ان دونوں روایتوں میں تضاد پیدا ہو جاتا ہے ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی منافات نہیں کیونکہ ان دونوں کا لسانِ نبوت سے صادر ہونا دو الگ الگ وقتوں میں تھا اور یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ آخر باب میں ''ثم اردت ان اخذہ'' میں اخذ سے مراد صرف پکڑنا نہیں بلکہ باندھنے کیلئے پکڑنا مراد ہے کیونکہ صرف اسے پکڑنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت سلیمانؑ کی دعا قبول نہیں ہوئی ہاں اسے پکڑ کر باندھنے سے یہ لازم آ سکتا تھا لیکن نبی ﷺ نے ایسا کیا ہی نہیں اس لئے ان دونوں کے درمیان کوئی منافات بھی نہیں یہ دونوں جواب تو اس صورت میں ہیں جبکہ دونوں حدیثوں کو ایک ہی واقعے پر محمول کیا جائے اور اگر یہ دو الگ الگ واقعے ہوں تو پھر اس تکلف کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔

لقمہ دینے کی ایک صورت

۹۸۸: وَعَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِیْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَابَهُ شَیْءٌ فِیْ صَلٰوتِهٖ فَلْيُسَبِّحْ فَاِنَّمَا التَّصْفِيْقُ لِلنِّسَاءِ وَفِیْ رِوَايَةٍ قَالَ اَلتَّسْبِيْحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيْقُ لِلنِّسَاءِ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ۷۷/۳۔حديث رقم ۱۲۰۴۔ومسلم في صحيحه ۳۱۶/۱حديث رقم (۱۰۲۔۴۲۱) وأبوداؤد ۵۷۸/۱حديث رقم ۹۴۰۔والنسائي ۷۷/۲حديث رقم ۷۸۴۔والدارمي ۳۶۵/۱حديث رقم ۱۳۶۴۔ والموطا ۱۶۳/۱ حديث رقم ۶۱ من كتاب قصر الصلاة وأحمد في المسند ۳۳۳/۵۔

ترجمہ: حضرت سہل بن ابی سعدؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس آدمی کو نماز میں کوئی بات پیش آ جائے تو اس کو چاہئے وہ سبحان اللہ کہے اور تالی بجانا عورتوں کے لئے خاص ہے۔ اور ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ سبحان اللہ کہنا مردوں ~~کے ساتھ مخصوص~~ ہے اور تالی بجانا عورتوں کے ساتھ خاص ہے۔ (بخاری، مسلم)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح: علامہ طیبی رحمہ اللہ اس حدیث کی توضیح میں فرماتے ہیں کہ "من ناب" کا لفظ "نوب" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہوتا ہے "رجوع" ایک چیز کا یکے بعد دیگرے لوٹ کر آنا، بعد میں کثرت استعمال کی بناء پر اسے ہر اس مصیبت یا پریشانی کے معنی میں لیا جانے لگا جس سے انسان دوچار ہو، اگر نماز میں کوئی اچنبھے والی چیز امام سے صادر ہو تو مردوں کو "سبحان اللہ" کہنا چاہیے، تصفیق یعنی ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارنے کی اجازت صرف عورتوں کیلئے ہے کیونکہ ان کی آواز بھی عورت ہے جیسا کہ ابن ملک نے فرمایا ہے۔

اور علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تصفیق کی اجازت مردوں کیلئے نہیں ہے کیونکہ یہ مردانہ وجاہت وشہامت کے خلاف اور نامناسب ہے، علامہ طیبی رحمہ اللہ تصفیق کا مطلب واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کا اندرونی حصہ بائیں ہتھیلی کے پشت والے حصہ پر مارنا تاکہ اس سے آواز پیدا ہو جائے اور امام سمجھ لے کہ اس سے کوئی غلطی ہوتی ہے۔ تصفیق کہلاتا ہے، جبکہ تاج المصادر میں اس کا مفہوم یہ لکھا ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیوں کی پشت بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مارنا تصفیق کہلاتا ہے۔

الفصل الثانی:

نماز میں سلام کا جواب منع ہے

۹۸۹: عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَفِي الصَّلٰوةِ قَبْلَ اَنْ نَاتِيَ اَرْضَ الْحَبَشَةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ اَرْضِ الْحَبَشَةِ اَتَيْتُهٗ فَوَجَدْتُّهٗ يُصَلِّيْ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ السَّلَامَ حَتّٰى اِذَا قَضَى الصَّلٰوةَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ مِنْ اَمْرِهٖ مَا يَشَاءُ وَاِنَّ مِمَّا اَحْدَثَ اَنْ لَّا تَتَكَلَّمُوْا فِي الصَّلٰوةِ فَرَدَّ عَلَيَّ۔

أخرجه أبوداؤد في السنن ١/ ٥٦٧ حديث رقم ٩٢٤۔ وأحمد في المسند ١/ ٣٧٧۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حبشہ جانے سے پہلے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب آپ نماز میں ہوتے تھے سلام کرتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سلام کا جواب دیا کرتے تھے۔ پھر جب ہم حبشہ سے واپس آئے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے جس حکم کو چاہتا ہے ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اب یہ حکم ظاہر کیا ہے کہ نماز میں بات چیت نہ کیا کرو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سلام کا جواب دیا۔

تشریح: اس حدیث کے مضمون پر گذشتہ صفحات میں سیر حاصل بحث کی جا چکی ہے تاہم ابن ملک کا یہ نکتہ جو انہوں نے اس حدیث سے اخذ کیا ہے قابل بیان ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا، نماز سے فراغت کے بعد سلام کا جواب دینا مستحب ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص قضاء حاجت میں مشغول ہو، یا تلاوت قرآن میں منہمک ہو اور کوئی اسے سلام کرے تو فارغ ہونے کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد ان کا جواب دینا مستحب ہے۔

تخریج حدیث پر ایک اشکال:

صاحبِ مشکوٰۃ کے مطابق اس حدیث کی تخریج امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اور حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بقول امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔اور دونوں سندیں صحیح ہیں۔لیکن میرک فرماتے ہیں کہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات محل نظر ہے کیونکہ امام ابوداؤد نے حدیث کا آخری جملہ ''انما الصلوۃ لقراءۃ القرآن'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل نہیں کیا بلکہ انہوں نے یہ جملہ حضرت معاویہ بن حکم السلمیؓ کے حوالے سے ایک طویل روایت میں نقل کیا ہے اور اس کی تصحیح یا تضعیف کی بجائے اس پر سکوت فرمایا ہے اور منذری نے بھی اس کی توثیق کرتے ہوئے اس فیصلے کو برقرار رکھا ہے۔

اصل میں صاحبِ مصابیح نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد ''فرد علی السلام'' کے فوراً بعد ''وقال ان الصلوٰۃ'' کا جملہ نقل کر دیا جس سے دونوں حدیثوں میں خلط واقع ہو گیا اور صاحبِ مشکوٰۃ یہ سمجھے کہ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث کا تمتہ اور تکملہ ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔بلکہ صاحبِ مصابیح کا مقصد دوسری حدیث لانا ہے جیسا کہ ان کی عادت ہے۔

۹۹۰: قَالَ اِنَّمَا الصَّلٰوۃُ لِقِرَاءَۃِ الْقُرْاٰنِ وَذِکْرِ اللّٰہِ فَاِذَا کُنْتَ فِیْھَا فَلْیَکُنْ ذَالِکَ شَانَکَ۔

(رواہ ابوداود)

ترجمہ: اور اس کے بعد فرمایا نماز صرف قرآن پڑھنے کے لئے اور اللہ کے ذکر کے لئے ہے لہٰذا جب تم نماز میں ہوتو تمہارا بھی یہی مقصود ہونا چاہئے۔(ابوداؤد)

نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب دینا

۹۹۱: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قُلْتُ لِبِلَالٍ کَیْفَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرُدُّ عَلَیْھِمْ حِیْنَ کَانُوْا یُسَلِّمُوْنَ عَلَیْہِ وَھُوَ فِی الصَّلٰوۃِ قَالَ کَانَ یُشِیْرُ بِیَدِہٖ۔

(رواہ الترمذی وفی روایۃ النسائی نحوہ وعوض بلال صھیب)

أخرجه الترمذي في السنن ٢/ ٢٠٤ حديث رقم ٣٦٨ـ والنسائي ٣/ ٥ حديث رقم ١١٨٧ـ

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلالؓ سے سوال کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہوتے تھے اور اس وقت کوئی آپ کو سلام کرتا تھا تو آپ سلام کا جواب کس طرح دیتے تھے۔حضرت بلالؓ نے فرمایا ہاتھ سے اشارہ کر کے دیا کرتے تھے۔(ترمذی) اور اسی طرح کی ایک روایت امام نسائیؒ نے بجائے حضرت بلالؓ کے حضرت صہیبؓ سے نقل کی ہے۔

تشریح: اس حدیث کی تشریح میں ابن ملک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی آنکھ یا سر کے اشارے سے دوران نماز سلام کا جواب دے دے تو بھی جائز ہے۔الظہیر ۃ میں ہے کہ اگر کوئی شخص سلام کا جواب دیتے ہوئے سر، ہاتھ یا انگلی سے اشارہ کر دے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو نماز فاسد نہیں ہوگی جبکہ خلاصہ میں ہے کہ سر یا ہاتھ سے جواب دینے کی صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی جیسا کہ برجندی نے نقل کیا ہے۔ اور شرح منیہ میں ہے کہ نمازی کیلئے ہاتھ یا سر کے اشارے سے سلام کا جواب دینا مکروہ ہے اس لئے یہ بات متعین ہوگئی کہ اس حدیث کو نسخ کلام سے قبل پر محمول کیا جائے گا کیونکہ یہاں اشارہ کلام ہی کے معنی میں ہے۔

نماز میں چھینکنے کا مسئلہ

۹۹۲: وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ فَقَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَطَسْتُ فَقُلْتُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا مُبَارَكًا عَلَيْهِ مُبَارَكًا فِيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ فَقَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ فِي الصَّلٰوةِ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ اَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّانِيَةَ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ اَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّالِثَةَ فَقَالَ رِفَاعَةُ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدِ ابْتَدَرَهَا بِضْعَةٌ وَّ ثَلَاثُوْنَ مَلَكًا اَيُّهُمْ يَصْعَدُ بِهَا۔

(رواه الترمذی و ابوداود و النسائی)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۲۸٤۔حدیث رقم ۷۹۹۔ومسلم ۱/٤۱۹حدیث رقم (۱٤۹۔۶۰۰)وأبوداؤد فی السنن۱/٤۸۸حدیث رقم ۷۷۰۔والترمذی ۲/۲۵٤۔حدیث رقم ٤۰٤والنسائی ۲/۱٤۵حدیث رقم ۹۳۱۔ومالك فی الموطا ۱/۲۰۹حدیث رقم ۲۵من کتاب القرآن وأحمد فی المسند ٤/۳٤۰۔فی المخطوطة "عن"۔

ترجمہ: حضرت رفاعہ بن رافعؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی نماز کے درمیان مجھے چھینک آ گئی میں نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا ۔تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے بہت زیادہ تعریف بہت پاکیزہ اور برکت والی کہ جسے پسند کرے ہمارا رب اور خوش رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ نماز میں یہ کلام کرنے والا کون ہے؟ کوئی نہیں بولا پھر آپ ﷺ نے دوسری مرتبہ یہی فرمایا۔ پھر بھی کوئی نہ بولا جب تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا تو رفاعہ نے کہا۔ اے اللہ کے رسول میں ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تیس سے زائد ملائکہ ان کلمات کو لے جانے میں جلدی کر رہے تھے۔ کہ ان میں سے کون ان کو پہلے لے جائے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: اس حدیث میں ایک ہی جیسے دو لفظ استعمال ہوئے ہیں یعنی ''مبارکًا فیه'' اور ''مبارکًا علیه'' ابن ملک فرماتے ہیں یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد برکت یعنی اضافے کی انواع و اقسام مراد ہوں، علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فیہ اور علیہ دونوں میں ضمیر کا مرجع لفظ حمد ہے، پہلے میں برکت کا معنی ہے جو نفس حمد سے بھی زائد ہو اور زیادت ثواب کو مستلزم ہو اور دوسرے جملے میں خارج حمد سے اضافہ مراد ہے۔

ابن ملک فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دوران نماز چھینک آنے پر الحمد للہ کہنے کی جواز دلیل ہے اور یہی قول صحیح اور معتمد ہے بخلاف اس روایت کے جس میں بطلان نماز کا ذکر آیا ہے کہ وہ شاذ ہے لیکن اولیٰ یہی ہے کہ یا تو دل ہی دل میں الحمد للہ کہہ لے یا خاموش رہے تاکہ حسب استطاعت اختلاف سے بچا جا سکے جیسا کہ شرح منیہ میں ہے اور اس حدیث کو بھی نسخ کلام سے پہلے پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمول کیا جا سکتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ نمازی کیلئے چھینک آنے پر الحمد للہ کہنا مسنون ہے اگرچہ ائمہ اس بات پر بھی اکتفاء کر لیتے ہیں کہ الحمد للہ کہنا مسنون تو ہے لیکن نمازی کو چاہیے کہ وہ اپنے دل ہی میں الحمد للہ کہہ دے۔ احیاء العلوم وغیرہ میں بھی یہی ہے کہ زبان نہ ہلائے بلکہ دل ہی دل میں الحمد للہ کہہ دے لیکن یہ حدیث اس قول کی پرزور تردید کرتی ہے۔

ہماری رائے کے مطابق بظاہر یہ واقعہ تحریم کلام سے پہلے کا ہے جس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ ہیں: ''من المتکلم فی الصلوٰۃ'' کہ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام کا ذکر کیا ہے یہ نہیں فرمایا: من الحامد فی الصلوٰۃ''۔

جمائی شیطان کی تاثیر سے ہے

۹۹۳: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلتَّثَاءُ بُ فِی الصَّلٰوةِ مِنَ الشَّیْطٰنِ فَاِذَا تَثَاءَ بَ اَحَدُکُمْ فَلْیَکْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ۔

(رواہ الترمذی وَفِی اُخری لَهٗ وَلِابْنِ مَاجَةَ فَلْیَضَعْ یَدَهٗ علی فِیْهِ)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/۲۰۶ حدیث رقم ۳۷۰۔ وابن ماجه ۱/۳۱۰ حدیث رقم ۹۶۸۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ نماز میں جمائی لینا شیطان کی طرف سے ہے لہٰذا جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے تو اس کو حتی الامکان روکے۔ (ترمذی) اور ترمذی کی ایک دوسری روایت اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ نماز میں جسے جمائی آئے تو اس کو چاہیے کہ اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لے۔

تشریح: اس حدیث میں نماز کے دوران جمائی آنے کو شیطان کی طرف سے بتایا گیا ہے کیونکہ جمائی غفلت، سستی، زیادہ کھانے پینے یا زیادہ سونے کی وجہ سے آتی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز کی قید تخصیص کیلئے نہیں ہے۔ بلکہ اس لئے ہے کہ نماز کی حالت میں اس کی قباحت اور زیادہ ہو جاتی ہے اسی وجہ سے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے خواہ وہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر جمائی لینا مکروہ ہے۔ نیز حدیث اور دیگر علماء کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ جمائی شیطان کی طرف سے ہونا اس بات کا تعلق عبادات سے ہے جیسے نماز، تلاوت، ذکر، دعا وغیرہ، عام حالات میں یہ حکم نہیں ہے۔

نماز میں تشبیک منع ہے

۹۹۴: وَعَنْ کَعْبِ ابْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّاَ اَحَدُکُمْ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَ هٗ ثُمَّ خَرَجَ عَامِدًا اِلَی الْمَسْجِدِ فَلَا یُشَبِّکَنَّ بَیْنَ اَصَابِعِهٖ فَاِنَّهٗ فِی الصَّلٰوةِ۔

(رواہ احمد والترمذی وابوداود والنسائی والدارمی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۳۸۰حدیث رقم ۵۶۲۔والترمذی ۲/۲۸۸حدیث رقم ۳۸۶والدارمی فی السنن ۱/۳۸۱۔حدیث رقم ۱۴۰۴۔وأحمد فی المسند ۴/۲۴۳۔

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے پھر نماز کا ارادہ کر کے مسجد کی طرف چلے تو انگلیوں میں تشبیک نہ کرے کیونکہ وہ اس وقت سے گویا نماز میں ہے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: اس حدیث کی شرح میں تشبیک کا معنی بیان کرتے ہوئے ابن ملک فرماتے ہیں کہ ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کرنا تشبیک کہلاتا ہے جو کہ نماز میں مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ خشوع وخضوع کے منافی ہے اسی طرح جو آدمی فی الحال نماز تو نہ پڑھ رہا ہو لیکن نماز کے مراد سے نکل چکا ہو تو حصولِ ثواب کے اعتبار سے وہ بھی نماز میں شمار ہوتا ہے اس لئے اسے بھی تشبیک سے منع کیا گیا۔

میرکؒ فرماتے ہیں کہ شاید اس نہی کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے میں لوگوں کا یہ نظریہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی خصوصیات بھی اسی طرح حاصل ہوتی ہیں ورنہ نماز سے باہر خود نبی ﷺ سے ایسا کرنا ثابت ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے نماز فتنوں کا ذکر کرتے ہوئے انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل فرمایا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی ممانعت ایسے ہی ہو جیسے نماز میں جمائی لینے کی ممانعت ہے چنانچہ مسند احمد میں سند جید سے حضرت ابوسعید خدریؓ کی یہ مرفوع روایت منقول ہے کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں ہو تو وہ تشبیک نہ کرے کیونکہ تشبیک شیطان کی طرف سے ہوتی ہے اور تم میں سے جو شخص بھی جب تک مسجد میں رہے وہ برابر نماز ہی میں شمار ہوتا ہے یہاں تک کہ مسجد سے نکل جائے۔

ذوالیدین کی حدیث میں بھی یہ بات ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے مسجد میں تشبیک فرمائی جو دلیل ہے اس بات کی کہ ایسا کرنا حرام نہیں ہے لیکن اس سے کراہت کی نفی بھی نہیں ہوتی کیونکہ نبی ﷺ کا یہ فعل بیانِ جواز پر محمول ہے اور اسے ممانعت سے پہلے کے زمانے پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے کیونکہ ذوالیدین کی حدیث اور ان کا واقعہ نسخ کلام سے پہلے ہی پیش آیا تھا اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ اس موقع پر نبی ﷺ کا تشبیک فرمانا اس گمان پر مبنی تھا کہ آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو چکے۔

اس حدیث میں نبی ﷺ کا ''فانه فی الصلوٰة'' کی قید لگانا اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں تشبیک جائز نہیں بلکہ نماز کی دوران اس کی کراہت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے چنانچہ سنن ابن ماجہ میں حضرت کعب بن حجرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نماز کے دوران تشبیک کیے ہوئے ہے تو آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں مزید کشادہ فرمائیں۔

نماز میں اِدھر اُدھر متوجہ ہونے سے ثواب کم ہو جاتا ہے

۹۹۵: وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَزَّوَجَلَّ مُقْبِلًا عَلَى الْعَبْدِ وَهُوَ فِیْ صَلَاتِهٖ مَالَمْ يَلْتَفِتْ فَاِذَا الْتَفَتَ انْصَرَفَ عَنْهُ۔

(رواه احمد وابوداود والنسائی والدارمی)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۵۶۰حدیث رقم ۹۰۹۔والنسائی فی ۳/۸حدیث رقم ۱۱۹۵۔والدارمی ۱/۳۹۰۔حدیث

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رقم ۱۴۲۳۔وأحمد فی المسند ۵/۱۷۲۔

ترجمہ:حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی بندہ نماز میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندہ کی طرف اس وقت تک متوجہ رہتا ہے جب تک وہ اِدھر اُدھر نہیں دیکھتا۔اور جب انسان ادھرادھر دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے منہ پھیر لیتا ہے۔(احمد۔ابوداؤد۔دارمی۔نسائی)

تشریح:ملاحظہ ہو اگلی روایت کی تشریح' یہ دونوں (تقریبا) بعینہ ہیں۔

نماز میں نگاہ سجدہ والی جگہ پر ہو

۹۹۶:وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا اَنَسُ اِجْعَلْ بَصَرَكَ حَیْثُ تَسْجُدُ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ سُنَنِ الْکَبِیْرِ مِنْ طَرِیْقِ الْحَسَنِ عَنْ اَنَسٍ یَرْفَعُہُ الْجَزْرِیُّ ۔(شعب الایمان)

أخرجه البیهقی فی السنن الکبری ۲/۲۸۴۔ فی المخطوطة زیادة کلمة "أصحاب"

ترجمہ:حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے انس نماز میں تم اپنی نظر وہاں رکھو جہاں سجدہ کرتے ہو۔(اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے سنن کبیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بطریق حسن نقل کیا ہے۔جس کو جزری نے مرفوع کہا ہے)

تشریح:علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ نگاہوں کو سجدے کی جگہ پر مرکوز رکھنے کا جو حکم اس حدیث میں دیا گیا ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا تعلق ساری نماز کے ساتھ ہے جبکہ علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز کیلئے قیام کی حالت میں سجدے کی جگہ پر اپنی نگاہوں کو مرکوز کرنا، رکوع میں پاؤں کی پشت پر، سجدے میں ناک پر، اور تشہد میں اپنی گود پر نگاہوں کو متوجہ رکھنا مستحب ہے۔یہی امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے اور غالبًا یہی ایک روایت امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی ہے لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شارح کا اس پر یقین ظاہر کرنا فحش ترین غلطی ہے۔پھر کچھ آگے چل کر فرمایا ہے کہ بعض حضرات کی رائے کے مطابق جو شخص مسجد حرام میں ہو اس کیلئے خانہ کعبہ کو دیکھنا اور اس پر اپنی نگاہوں کو متوجہ رکھنا مسنون ہے ہاں جب تشہد میں لا الہ الا اللّٰہ کہے تو اس وقت اپنی نگاہوں کو اپنی شہادت والی انگلی سے نہ جھکائے جب تک شہادت کی انگلی اٹھی رہی۔

متقدمین شوافع سے بھی یہی قول منقول ہے جو کہ بعض حضرات کی رائے کے مطابق نوافل سے متعلق ہے فرائض سے متعلق نہیں۔

متاخرین نے اس استثناء کو رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس کی کوئی نقل دلیل نہیں گویا کہ حدیث اور علماء کرام کی آراء کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ قول مردود ہے پھر اس طرح کرنے سے خشوع وخضوع کی کیفیت رخصت ہو جاتی ہے نیز حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ روایت صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ تعجب ہے اس مسلمان پر جو خانہ کعبہ میں داخل ہو وہ کیسے اپنی نگاہوں کو اٹھالیتا ہے۔حالانکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگاہیں سجدے کی جگہ سے نہیں ہٹائیں اور یہ بھی ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے اپنی نگاہوں کو سجدے کی جگہ پر جمائے رہے تو خانہ کعبہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے باہر بھی یہی حکم ہوگا اس لئے کہ اس حکم میں خانہ کعبہ کے اندر اور باہر میں کوئی بھی تفریق کا قائل نہیں۔ اسی وجہ سے طواف کرنے والے کیلئے یہ سنت ہے کہ اس کی نگاہیں اپنے پاؤں کی جگہ سے آگے نہ بڑھیں کیونکہ یہی ادب ہے اور اسی سے جمعیت قلب نصیب ہوتی ہے۔

اسی حدیث سے دورانِ نماز آنکھیں بند رکھنے کی کراہت بھی معلوم ہوتی ہے جس کی تائید طبرانی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے کیلئے کھڑا ہو تو اسے اپنی آنکھیں بند نہیں کرنی چاہیے لیکن اس حدیث کو نقل کرنے میں حضرت حذیفہ متفرد ہیں۔

احناف کا صحیح مسلک یہ ہے کہ دورانِ نماز مطلقاً سجدے کی جگہ کو دیکھنا چاہیے تاہم خانہ کعبہ کی طرف بھی نظر کی جاسکتی ہے اور اس کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قبلے کی رعایت ملحوظِ خاطر رہے کیونکہ قبلے سے انحراف کی صورت میں نماز جاتی رہتی ہے اس لئے اس کی طرف دیکھنے کی گنجائش ہے۔

نماز میں اِدھر اُدھر متوجہ ہونے پر وعید

۹۹۷: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بُنَيَّ إِيَّاكَ وَالْإِلْتِفَاتَ فِي الصَّلٰوةِ فَإِنَّ الْإِلْتِفَاتَ فِي الصَّلٰوةِ هَلَكَةٌ فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَفِي التَّطَوُّعِ لَا فِي الْفَرِيْضَةِ۔ (رواه الترمذي)

أخرجه الترمذي في السنن ۲/ ۴۸۴ حديث رقم ۵۸۹۔ في المخطوطة "خاطب" في المخطوطة "تفويته"۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا۔ اے بیٹے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے بچو۔ کیونکہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا ہلاکت کا سبب ہے۔ اگر دیکھنا ہو تو نفل میں گنجائش ہے فرض میں نہیں۔ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں دورانِ نماز ادھر ادھر دیکھنے کو باعثِ ہلاکت قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس میں شیطان کی پیروی ہے جو کہ انسان کیلئے ہلاکت کا سبب ہے۔

میرکؒ فرماتے ہیں کہ ہلاکت کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

① کوئی چیز آپ کے پاس نہ ہو اور دوسرے کے پاس موجود ہو اس معنی میں یہ لفظ "هلك عني سلطانيه" میں استعمال ہوا ہے۔

② کسی چیز کا فاسد اور خراب ہوجانا۔

③ موت اس معنی میں یہ لفظ "ان امرؤ هلك" میں استعمال ہوا ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ مذکورہ تین معانی میں سے دوسرے معنی کو بیان کرتے ہوئے اس کی مثال "ويهلك الحرث والنسل" بیان فرماتے ہیں اور ان کی رائے یہ ہے کہ دورانِ نماز ادھر ادھر دیکھنے سے نماز درجہ کمال سے نکل کر اس کیفیت پر پہنچ جاتی ہے جسے حدیث میں اختلاس سے تعبیر کیا گیا ہے۔

نیز اس حدیث میں نوافل میں ادھر ادھر دیکھنے کی جو گنجائش بیان کی گئی ہے ابن ملک اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ نوافل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بنیادی طور پر گنجائش کا پہلو مدنظر لکھا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ نوافل کھڑے ہو کر پڑھنے کی قدرت رکھنے کے باوجود بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔

اسی طرح علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فرائض میں زیادہ ثواب اور اس کے ثمرات وفوائد حاصل کرنے کیلئے جس احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے وہ نوافل میں نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ نہ سمجھا جائے کہ ایسا کرنے کی نوافل میں کھلی اجازت ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں ہے بلکہ فرائض میں ایسا نہ کرنے کی ترغیب دینا مقصود ہے اور اس بات کی وضاحت کہ فرائض میں احتیاط کرنا زیادہ ضروری ہے اور مراتب کمال میں نوافل کے اندر ایک درجہ نیچے اترتے ہوئے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اگر کوئی شخص نوافل میں کمال کا یہ مرتبہ رہ جانے پر راضی ہو تب بھی کم از کم فرائض میں تو اسے اس پر راضی نہیں ہونا چاہئے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مضمون حدیث سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ نوافل میں التفات بالصلوٰۃ کی کراہت فرائض سے کچھ کم ہے۔

نماز میں آنکھ کے کنارے سے دیکھنا جائز ہے

۹۹۸: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَلْحَظُ فِی الصَّلٰوةِ یَمِیْنًا وَ شِمَالاً وَلَایَلْوِیْ عُنُقَهٗ خَلْفَ ظَهْرِهٖ۔ (رواه الترمذی والنسائی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/۴۸۴ حدیث رقم ۵۸۷۔ والنسائی ۳/۹ حدیث رقم ۱۲۰۱ وأحمد فی المسند ۱/۲۷۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آنکھ کے کنارے سے دائیں بائیں دیکھتے تھے۔ مگر پیچھے پیٹھ کی طرف اپنی گردن نہیں موڑتے تھے۔ (ترمذی۔ نسائی)

تشریح: اس حدیث کی تشریح میں علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاید یہ کوئی نفل نماز تھی جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران نماز ادھر ادھر دیکھا کیونکہ یہ بات عنقریب گذر چکی کہ نوافل میں گنجائش ہے، ابن ملک فرماتے ہیں یہ التفات قلیل تھا اور اس کا مقصد اس بات کی وضاحت تھی کہ اس سے نماز باطل نہیں ہوتی یا کسی ضرورت کی بناء پر ایسا کیا کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امت کو کسی کام سے روکیں اور بغیر کسی مجبوری اور ضرورت کے خود وہی کام کرنے لگے۔

نماز میں شیطان کے اثرات

۹۹۹: وَعَنْ عَدِیِّ ابْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ رَفَعَهٗ قَالَ الْعُطَاسُ وَالنُّعَاسُ وَالتَّثَاءُ بُ فِی الصَّلٰوةِ وَالْحَیْضُ وَالْقَیْءُ وَالرُّعَافُ مِنَ الشَّیْطٰنِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵/۸۱ حدیث رقم ۲۷۴۸۔ وابن ماجه ۱/۳۱۱ حدیث رقم ۹۶۹۔

ترجمہ: حضرت عدی بن ثابت اپنے والد سے اور وہ اپنے والد یعنی عدی کے دادا سے اور وہ اس کو مرفوع نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ نماز میں چھینک کا ہونا اونگھنا، جمائی کا آنا، حیض کا آنا، قے ہو جانا، نکسیر کا آجانا شیطان کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرف سے ہے۔ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث کی وضاحت میں علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں چھ چیزیں بیان کی گئیں۔ پہلی تین چیزوں کے ساتھ فی الصلوۃ کی قید ہے آخری تین کے ساتھ نہیں گویا فی الصلوۃ کی قید سے امتیاز اور فصل مقصود ہے کیونکہ پہلی تین چیزیں یعنی چھینک، اونگھ اور جمائی نماز کو باطل نہیں کرتیں اور آخری تین چیزیں نماز کو باطل کر دیتی ہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کو شیطان کی طرف اس لئے منسوب فرمایا کہ شیطان ان چیزوں کو محبوب رکھتا ہے اور ان چیزوں کے ذریعے انسان کو نماز اور دیگر عبادات سے روکتا ہے اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ان تمام صورتوں میں طعام کا پہلو غالب ہوتا ہے (یہی وجہ ہے کہ زیادہ کھانے والا زیادہ اونگھتا ہے اسے جمائی بھی زیادہ آتی ہے اور اسے الٹیاں بھی بکثرت ہوتی ہیں)۔ حافظ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کی اس میں اس بات کا بھی اضافہ فرماتے ہیں کہ شیطان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اللہ اور بندے کی ان استغراقی کیفیت کے درمیان حائل ہو جائے جو اسے مناجات کے وقت حاصل ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں چھینک سے مراد کثرت کے ساتھ چھینکنا ہے اسلئے یہ گذشتہ حدیث کے منافی نہیں ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ کو چھینک پسند ہے کیونکہ اس سے مراد وہ کیفیت ہے جو معتدل ہو یعنی مسلسل تین کے عدد سے آگے نہ بڑھے کیونکہ اگر کسی شخص کو مسلسل تین مرتبہ سے زیادہ چھینک آئے تو اس وقت یہ سمجھا جائے گا کہ یہ بیماری کی وجہ سے ہے اور اس صورت میں چھینک کا جواب یرحمك اللّٰہ'' کہہ کر نہیں دیا جائے گا بلکہ ''عافاك اللّٰہ'' یا ''شفاك اللّٰہ'' کہہ کر دیا جائے گا۔

بظاہر ان دونوں حدیثوں کو یوں بھی جمع کیا جا سکتا ہے کہ چھینک اللہ کی نگاہ میں نماز سے باہر مطلقاً محبوب ہے اور نماز کے اندر مطلقاً مکروہ کیونکہ نماز میں چھینک آنے سے ذہن یقیناً اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اگر یہ دونوں حدیثیں مطلق ہوں تو پھر یہی تطبیق متعین ہوگی۔

رونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

۱۰۰۰: وَعَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيرِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ وَلِجَوْفِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ يَعْنِيْ يَبْكِيْ وَفِيْ رواية قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ صَدْرِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الرَّحٰى مِنَ الْبُكَاءِ - (رواه احمد وروى النسائى الرواية الاولى وابوداود الثانية)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۱/۵۵۷ حديث رقم ۹۰۴۔ والنسائي ۳/۱۳ حديث رقم ۱۲۱٤ وأحمد في المسند ٤/۲۵۔ في المخطوطة "يقلقله"۔

ترجمہ: حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیر اپنے والد صاحب سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کے اندر ہنڈیا جیسی آواز آ رہی تھی۔ جب وہ جوش مارے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم رو رہے تھے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس وقت آپ کے سینہ کے اندر چکی کی آواز کی طرح رونے کی آواز آ رہی تھی۔ (احمد) امام نسائی نے پہلی روایت کو نقل کیا ہے اور ابوداؤد نے دوسری کو۔

راویٔ حدیث:

عبداللہ بن الشخیر ۔ یہ عبداللہ بن شخیر بن عامر بن صعصعہ ''عامری'' ہیں بصریوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آنحضور ﷺ کی خدمت میں بنی عامر کے وفد میں شامل ہو کر حاضر ہوئے۔ ان سے ان کے دو بیٹے ''مطرب'' اور ''یزید'' روایت کرتے ہیں۔ ''شخیر'' میں شین معجمہ اور خاء معجمہ دونوں کے نیچے زیر ہے۔ خاء پر تشدید اور یائے تحتانی ساکن ہے۔

تشریح: اس حدیث کی وضاحت میں علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ازیز مرجل سے مراد ہنڈیا کے جوش مارنے کی آواز ہے قرآن کریم میں ''تؤزھم ازّا'' اسی سے ماخوذ ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مرجل سے مراد لوہے، پتھر یا ٹھیکری کی ہنڈیا ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں رونے سے نماز باطل نہیں ہوتی جبکہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات محل نظر ہے کیونکہ وہ آواز جو نبی ﷺ سے سنی گئی وہ پیٹ یا سینے سے نکلنے والی آواز تھی زبان سے نکلنے والی نہیں اور اصل اختلاف اس رونے کی آواز کے بارے میں ہے جو حروف پر مشتمل ہو صحیح بات ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اگر اس رونے کی وجہ سے دو حرف ظاہر ہو گئے گو کہ ان کا تعلق آخرت ہی سے ہو تو نماز باطل ہو جائے گی یہ اس صورت میں ہے جبکہ حروف غالب نہ ہوں۔ ورنہ غلبۂ حروف کی صورت میں یہ ضابطہ ہے کہ زیادہ ہوں تو نماز باطل ہو جائے گی تھوڑے ہونے کی صورت میں نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ رونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حروف بھی پیدا ہو جائیں کیونکہ آہ و بکا کا منشاء وہ خوف ہوتا ہے جو انسان کے دل کو ہلا کر رکھ دیتا ہے جس کی بناء پر اس کے پیٹ میں سے ایک آواز پیدا ہوتی ہے جو صرف جسم کے اندر ہی سے سنائی دیتی ہے جس کی وجہ اندرونی طور پر نارِ جہنم کا خوف اور غم اور باطنی طور پر اضطراب و قلق ہوتا ہے۔

شرح منیۃ میں ہے کہ اگر کوئی آدمی دوران نماز روئے اور اس سے ایسی آواز پیدا ہو جسے دوسرے سن سکیں اور وہ جنت و جہنم وغیرہ کے تذکرے کی وجہ سے ہو تو اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی کیونکہ دعاء رحمت و مغفرت کے مرتبے میں ہے اور اگر کسی درد یا کسی مصیبت کی وجہ سے ہو تو نماز ٹوٹ جائے گی کیونکہ یہ بمنزلہ شکایت کے ہے اور شکایت کلام الناس میں سے ہے لہٰذا اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

امام محمد رحمہ اللہ سے یہ بھی منقول ہے کہ اگر کسی آدمی کو اتنی شدید تکلیف ہو کہ وہ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکے اور نماز میں رو پڑے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔

نماز میں کنکر ہٹانے کا مسئلہ

۱۰۰۱: وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اَحَدُکُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَلَا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَمْسَحُ الْحَصٰى فَإِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهُ۔ (رواہ احمد والترمذی وابو داود والنسائی وابن ماجۃ)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۱/۵۸۱حديث رقم ۹۴۵۔والترمذي ۲/۲۱۹حديث رقم ۳۷۹۔والنسائي ۳/۶حديث رقم ۱۱۹۱۔وابن ماجه في السنن ۱/۳۲۸حديث رقم ۱۰۲۷وأحمد في المسند ۵/۱۵۰۔ في المخطوطة "الغفلة"۔

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی نماز کے لئے کھڑا ہو جائے تو وہ اپنے سامنے سے کنکریاں نہ ہٹائے کیونکہ رحمت اس کے سامنے ہوتی ہے۔

(احمد۔ترمذی۔ابوداؤد۔نسائی۔ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دوران نماز اللہ تعالیٰ کی رحمت نمازی کی طرف متوجہ ہوتی اور اس پر برس رہی ہوتی ہے۔اب کسی عقلمند کا یہ کام نہیں ہوسکتا کہ اس عظیم نعمت کا شکریہ ادا کرے اس طرح کہ کنکریوں کو آگے پیچھے کرتا رہے، یا یہ مراد ہے کہ اس کام میں پڑ کر اس نعمت ورحمت کو فوت نہیں کر دینا چاہیے۔اگر مجبوری ہو تو بات جدا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی مضمون کی ایک روایت ابوداؤد میں ''علی شرط الشیخین'' ان الفاظ کے ساتھ بھی منقول ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے کنکریوں کو مت چھیڑا کرو، اگر ایسا کرنا ضروری ہی ہو تو پھر کنکریوں کو برابر کرنے کیلئے صرف ایک مرتبہ پر ہی اکتفاء کیا کرو۔

سجدہ کی جگہ پھونکنا منع ہے

۱۰۰۲:وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا لَنَا يُقَالُ لَهُ اَفْلَحُ اِذَا سَجَدَ نَفَخَ فَقَالَ يَا اَفْلَحُ تَرِّبْ وَجْهَكَ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ۲/۲۲۰حديث رقم ۳۸۱۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے ایک غلام کو دیکھا جس کا نام افلح تھا جب وہ سجدہ کرتا تو سجدہ کی جگہ صاف کرنے کے لئے پھونک مارتا' تاکہ پیشانی خاک آلودنہ ہو۔آپ ﷺ نے فرمایا افلح اپنے چہرے پر مٹی لگنے دو۔(ترمذی)

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر زمین پر مٹی پڑی ہوئی ہو اور سجدہ کرنے کی وجہ سے پیشانی اور چہرے پر لگ جاتی ہو تو اسے پھونک مت مارو بلکہ مٹی پر اپنی پیشانی اور چہرے کو لگا دو کیونکہ اس میں بارگاہ خداوندی میں انتہائی تضرع وزاری ہے اور ثواب بھی اس پر عظیم ہوگا، درحقیقت یہ الفاظ کنایہ ہیں زمین پر پھونکیں نہ مارنے سے، جسے ''ترب وجهك'' کے الفاظ سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

۱۰۰۳:وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِخْتِصَارُ فِي الصَّلٰوةِ رَاحَةُ اَهْلِ النَّارِ۔

رواه في شرح السنة

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز میں کوکھ پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہاتھ رکھنا اہل جہنم کی حالت استراحت ہے۔(شرح السنہ)(اس کی وضاحت بقدر ضرورت گزر چکی ہے)

تشریح: اس حدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جہنمی جب میدان حشر میں کھڑے کھڑے تھک جائیں گے تو وہ اپنے پہلوؤں پر ہاتھ رکھ لیں گے تاکہ آرام کی کوئی معمولی سی صورت بن جائے، نماز میں اپنے پہلوؤں پر ہاتھ رکھنا ایسے ہی ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ یہود ونصاری کا شیوہ اور طریقہ ہے جو وہ اپنی نماز کے دوران اختیار کرتے ہیں اور وہ انجام کار بہرحال جہنم میں جائیں گے اور اہل جہنم کیلئے کسی قسم کی راحت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لئے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لا یفتّر عنهم وهم فیهم مبلسون"

فائدہ: یہ حدیث شرح السنہ میں بغیر سند کے یوں منقول ہے کہ بعض احادیث میں یہ بھی آتا ہے "الاختصار راحة اهل النار" لیکن اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا کیونکہ گذشتہ صحیح احادیث سے اس کی ممانعت بڑی وضاحت کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے کہ انسان دوران نماز اپنے پہلوؤں پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو۔

مروی ہے کہ شیطان راندۂ درگاہ ہونے کے بعد اسی کیفیت میں زمین پر اترا تھا، اور یہ بھی بعض حضرات کی رائے ہے کہ شیطان جب چلتا ہے تو اسی طرح چلتا ہے۔

علامہ منذری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی تخریج ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مرفوعاً ان ہی الفاظ میں کی ہے۔ "الاختصار فی الصلوٰة راحة اهل النار" اس لئے شرح السنہ میں اس کا حوالہ نہ ہونے سے اس کا بے سروپا بات ہونا لازم نہیں آتا۔

نماز میں موذی چیز کو مارنے کا حکم

۱۰۰۴: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُقْتُلُوا الْاَسْوَدَیْنِ فِی الصَّلٰوةِ الْحَیَّةَ وَالْعَقْرَبَ۔ (رواه احمد وابوداود والترمذی والنسائی معناه)

۱۰۰۴: أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۵۶۶ حدیث رقم ۹۲۱۔ والترمذی ۲/۲۳۳ حدیث رقم ۳۹۰۔ والنسائی ۳/۱۰ حدیث رقم ۱۲۰۲۔ وابن ماجه ۱/۳۹۴ حدیث رقم ۱۲۴۵۔ وأحمد فی المسند ۲/۲۳۳۔ فی المخطوطة "لاعانه"۔ فی المخطوطة "دارهم"۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نماز میں دو سیاہ چیزوں کو یعنی سانپ اور بچھو کو مار ڈالو۔ (احمد۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ اور نسائی نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے)

تشریح: اس حدیث کی تشریح میں ابن ملک فرماتے ہیں کہ سانپ اور بچھو کو دوران نماز ایک یا دو ضربوں سے تو مارنا جائز ہے، اس سے زیادہ تعداد میں ضربیں لگانا جائز نہیں۔ کیونکہ دو سے زیادہ پر کثیر کا اطلاق ہوتا ہے اور عملِ کثیر سے نماز باطل ہو جاتی ہے، شرح منیہ میں بعض مشائخ کے حوالے سے منقول ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ دوران نماز زیادہ چلنا نہ پڑے جیسے تین مسلسل قدم چلنا، اسی طرح اس میں ~~شدید مصروف~~ نہ ہونا پڑے مثلاً پے در پے تین ضربیں لگانا، اگر کسی نے دوران نماز

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسا کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور یہ ایسے ہی ہو گا جیسے کوئی آدمی دوران نماز کسی سے لڑنے لگے، اس سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے کیونکہ یہ عمل کثیر ہے۔

سروجی نے مبسوط میں اسے ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ اس میں ایسی کوئی تفصیل نہیں ہے کیونکہ اس عمل کی اجازت رخصت پر مبنی ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی مقتدی کو دوران نماز حدث لاحق ہو جائے اور وہ وضو کرنے کیلئے چل کر جائے، اور اطلاقِ حدیث بھی اسی کا مؤید ہے۔

تاہم اس سلسلے میں اصح قول یہی ہے کہ دورانِ نماز عمل کثیر کی وجہ سے ایسا کرنا مفسدہ صلوٰۃ تو ہو گا لیکن اس سے وہ گنہگار نہیں ہو گا جیسے اگر کسی مصیبت زدہ نے اسے پکارا، کسی آدمی نے چھت سے گرتے ہوئے، یا آگ میں جلتے ہوئے یا دریا میں ڈوبتے ہوئے مدد کیلئے پکارا اور وہ اپنی نماز کو چھوڑ کر ان کی مدد اور تعاون کیلئے بھاگا تو یہ جائز بلکہ ضروری ہے لیکن نماز ختم ہو جائے گی، یہ الگ بات ہے کہ وہ اس وجہ سے گنہگار بھی نہیں ہو گا۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ حدیث اپنے مطلق ہونے کی وجہ سے ان صورتوں کو بھی شامل ہے جن میں عمل کثیر کی احتیاج ہو، بعض حضرات اسے "عمل قلیل" کے ساتھ مقید کرتے ہیں جبکہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ سانپ کو قتل کرنا مطلقاً جائز ہے اور یہی مسلک بھی ہے، اس کی تشریح میں حافظ ابن حمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دراصل صاحبِ ہدایہ اس قول سے احتراز کرنا چاہتے ہیں جس کے مطابق سفید سانپ کو قتل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ جن ہوتا ہے۔

علامہ طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر سانپ کو مارا جا سکتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور جنات کا یہ معاہدہ ہو چکا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی امتی کے گھر داخل نہیں ہوں گے اور نہ ان پر غالب آئیں گے، اگر وہ اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اسے توڑ دیتے ہیں تو انہیں قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

البتہ بہتر یہ ہے کہ جس سانپ میں جن ہونے کی کوئی علامت پائی جاتی ہو اسے قتل کرنے سے بچنا چاہیے، اس کی حرمت کی وجہ سے نہیں بلکہ دفع شر و ضرر کی وجہ سے، اور بعض حضرات کی رائے کے مطابق بہتر یہ ہے کہ اسے مخاطب کر کے اتمام حجت کر دے کہ مسلمانوں کا راستہ چھوڑ دو، یا اللہ کے حکم سے واپس چلے جاؤ، اگر مان جائے تو بہت اچھا، ورنہ اسے قتل کر دے۔

نماز میں دروازہ کھولنا

۱۰۰۵: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ تَطَوُّعًا وَالْبَابُ عَلَيْهِ مُغْلَقٌ فَجِئْتُ فَاسْتَفْتَحْتُ فَمَشٰى فَفَتَحَ لِيْ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى مُصَلَّاهُ وَذَكَرَتْ اَنَّ الْبَابَ كَانَ فِي الْقِبْلَةِ۔

(رواہ احمد وابوداود والترمذی والنسائی نحوہ)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۵٦٦/۱ حدیث رقم ۹۲۲۔ والترمذی ٤۹۷/۲ حدیث رقم ٦۰۱۔ والنسائی فی السنن ۱۱/۳ حدیث رقم ۱۲۰٦۔ وأحمد فی المسند ۲۳٤/٦۔ فی المخطوطة "دقائق"۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں نفل نماز میں مشغول ہوتے اور دروازہ بند ہوتا۔ میں آتی اور دروازہ کھلواتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چل کر میرے لئے دروازہ کھول دیتے تھے پھر مصلّی پر واپس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آ جاتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذکر کیا ہے کہ دروازہ قبلہ کی طرف تھا۔ (احمد۔ابوداود۔ترمذی۔نسائی)

تشریح: اس حدیث کی شرح میں علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''تطوع'' کی قید میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نوافل میں تھوڑی بہت گنجائش ہوتی ہے جبکہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسی کوئی بات نہیں اور نہ ہی شوافع میں سے کوئی فرض اور نفل میں کسی قسم کی تفریق کا قائل ہے اور یہاں بھی صرف ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

ابن ملک فرماتے ہیں کہ اس واقعے کے مطابق دوران نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چل کر جانا، دروازہ کھولنا پھر اپنی جگہ واپس لوٹنا یہ سب چیزیں اس بات کی دلیل ہیں کہ اگر عمل کثیر پے در پے بھی ہو تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی اور یہی بعض علماء کا مذہب بھی ہے، لیکن یہ رائے ناقابل اعتماد ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں یہ بات ملحوظِ خاطر رہنی چاہئے کہ یہ ایک اصول ہے کہ احوال ووقائع فعلیہ میں جب احتمال آ جاتا ہے تو اس سے استدلال باطل ہو جاتا ہے اور یہاں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل چل کر نہ گئے ہوں بلکہ رک رک کر آہستہ آہستہ کھسک کر دروازے کے قریب پہنچے ہوں، پھر اس کی سند بھی مختلف فیہ ہے اس لئے اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

پھر اس حدیث میں حضرت عائشہؓ نے اس بات کی بھی وضاحت فرمائی ہے کہ دروازہ قبلہ کے رخ تھا، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ انور قبلہ سے منحرف بھی نہیں ہوا اور دروازہ بھی کھل گیا۔ اشرف فرماتے ہیں کہ اس وضاحت سے ان لوگوں کا وہم بھی دور ہو گیا جن کا گمان یہ ہے کہ دروازہ کھولنے سے تو ترک استقبال قبلہ لازم آئے گا تو اس صورت میں نماز کیسے برقرار رہ سکتی ہے؟ سو اس کا جواب واضح ہو گیا کہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا اور یہ عین ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دروازے تک مسلسل چل کر نہ پہنچے ہوں، اس لئے کہ عمل کثیر میں اگر فصل ہو اور وہ پے در پے نہ ہو تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

مظہر اس کی توجیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ممکن ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس موقع پر چلنا دو قدموں سے زیادہ نہ ہو، اس طرح یہ عمل کثیر نہیں رہتا، لیکن ہمارے نزدیک اس توجیہ کو قبول کرنے کی صورت میں اصل اشکال تو پھر بھی باقی رہتا ہے کیونکہ دروازہ کھولنا اور پھر پلٹ کر واپس آنا تو عمل کثیر ہے اس لئے بہترین توجیہ یہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل چل کر دروازہ تک نہیں گئے اور نہ ہی یہ سارے افعال تسلسل کے ساتھ سرانجام دیئے ہیں۔

نماز میں حدث لاحق ہونے کا مسئلہ

۱۰۰۶: وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَسَا اَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيُعِدِ الصَّلَاةَ۔ (رَوَاهُ ابوداود وروى الترمذى مع زيادة ونُقْصَان)

أخرجه أبوداود في السنن ١/١٤١ حديث رقم ٢٠٥۔ والترمذي ٣/٤٦٩ حديث رقم ١١٦٦۔ والدارمي ١/٢٧٦ حديث رقم ١١٤١۔

ترجمہ: حضرت طلق بن علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نماز کی حالت میں جب تم میں سے کسی کی بغیر آواز کے ریح خارج ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ جا کر وضو کرے اور نماز کو دوبارہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑھے۔(ابوداؤد) اس روایت کو روای کا تعارف نہیں کرایا امام ترمذیؒ نے بھی کچھ کی زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں دوران نماز وضوٹوٹ جانے پراعادۂ صلوٰۃ کا جو حکم دیا گیا ہے وہ وجوب کیلئے ہے جبکہ اس نے جان بوجھ کر وضو توڑا ہو اور اگر اسے از خود حدث لاحق ہو جائے تو یہ امر استحباب پر محمول ہوگا۔ چنانچہ شرح منیہ میں ہے کہ جس شخص کو نماز میں کوئی ایسا حدث سماوی لاحق ہو جائے جو موجب وضو ہو تو وہ فوراً واپس جائے اور کسی دوسرے کام میں مشغول ہوئے بغیر جلدی سے وضو کر کے آئے اور اپنی نماز پر بناء کرے۔ یہی ہمارا مسلک ہے لیکن اس میں ایک شرط بھی ہے اور وہ یہ کہ اس سے نماز کے منافی کوئی کام سرزد نہ ہوا ہو۔ لیکن ائمہ ثلاثہ کا اس مسئلے میں ہمارے ساتھ اختلاف ہے۔

ہماری دلیل نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے:

"من اصابه قيء او رعاف اوقلس او مذى فلينصرف، فليتوضأ ثم ليبن على صلوته، وهو فى ذلك لا يتكلم"

اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں: "ثم ليبن على صلوته مالم يتكلم"

لیکن اس کے باوجود اختلاف سے بچنے کیلئے افضل یہی ہے کہ از سر نو نماز پڑھ لی جائے۔ جبکہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنے کی فضیلت کو بچانے کیلئے امام اور مقتدی کے حق میں تو بناء ہی افضل ہے (مسبوق کے حق میں نہیں) ہاں! اگر جماعتِ ثانیہ کی صورت میں استیناف ممکن ہو تو پھر بناء نہ کرے کیونکہ دوسری جماعت کے ذریعے جماعت کا ثواب تو مل ہی جائے گا۔

پھر حدث لاحق ہونے کی صورت میں امام کا کسی کو اپنا نائب بنانا بالا جماع جائز ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے نماز پڑھانا شروع کی۔ درمیان ہی میں ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر اسے آگے کر دیا اور خود واپس تشریف لے گئے، نماز سے فراغت کے بعد فرمانے لگے کہ اصل میں جب میں نے تکبیر کہہ نماز شروع کی تو مجھے کچھ شبہ سا ہوا، میں نے اپنا ہاتھ لگا کر دیکھا تو تری محسوس ہوئی اس لئے میں واپس چلا گیا۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ جوازِ بناء کی حدیث ابن ماجہ اور دارقطنی نے مرفوعاً نقل کی ہے اور اس کا مرفوع ہونا ہی صحیح ہے جبکہ بعض حضرات کی رائے میں وہ مرسل ہے، نیز ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی تخریج ابن ابی شیبہ وغیرہ نے موقوفاً بھی کی ہے۔ چنانچہ یہ روایت حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت ابن عمر اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم سے موقوفاً مروی ہے اور طبقۂ تابعین میں سے علقمہ، طاؤسؒ سالم بن عبداللہ، سعید بن جبیر، شعبی، ابراہیم نخعی، عطاء، مکحول اور سعید بن مسیّب اس کے رواۃ میں سے ہیں، ان تمام حضرات کا نام ہی اس حدیث کے مستند ہونے کی دلیل ہے۔

نیز حدیث مرسل کا حجت ہونا بھی کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے کیونکہ صرف ہمارے نزدیک ہی نہیں بلکہ جمہور کے نزدیک بھی حدیث مرسل حجت ہے، جبکہ یہ حدیث مرسل تسلیم کی جائے، باقی رہی حدیث استخلاف تو اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو چکا ہے۔ جسے امام احمد اور ابن منذر نے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

ابن اثرم نے اپنی سند سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نمازِ ظہر پڑھانے کیلئے تشریف لائے، نماز شروع کرنے کے کچھ ہی دیر کے بعد اپنی دائیں جانب کھڑے ہوئے ایک آدمی پکڑ کر اسے آگے کر دیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور خود واپس تشریف لے گئے۔ ''الی آخرہ''

اسی طرح صحیح بخاری میں عمرو بن میمون سے مروی ہے کہ جس دن حضرت عمر فاروقؓ پر دورانِ نماز قاتلانہ حملہ ہوا، میرے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان صرف حضرت ابن عباسؓ تھے۔ ابھی انہوں نے تکبیر ہی کہی تھی کہ میں ان کی آواز سنی مجھے کتے نے قتل کر دیا، یا کتا مجھے کھا گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ جملہ اس وقت نکلا جب ابو لؤلؤ نے ان پر قاتلانہ حملہ کیا۔

بہر حال: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا ہاتھ پکڑ کر آگے کر دیا اور انہوں نے بقیہ نماز پڑھائی، اسی طرح سعید نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی مرتضیؓ ہمیں نماز پڑھانے کیلئے کھڑے ہوئے، اچانک ان کی نکسیر جاری ہوگئی، انہوں نے ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر اسے آگے کر دیا اور خود واپس تشریف لے گئے۔

فائدہ: یہ حدیث حضرت علی بن طلقؓ سے مروی ہے، نہ کہ حضرت طلق بن علیؓ سے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے حضرت علی بن طلقؓ ہی کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے اس کی تحسین کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ میں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ علی بن طلقؓ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے اس کے علاوہ کوئی دوسری روایت میرے علم میں نہیں ہے اور نہ ہی میں اسے علی بن طلق سحیمی کی روایت سمجھتا ہوں، گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق یہ ایک اور صحابی کا نام ہے۔

مذاہب ائمہ اربعہ:

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ جدید تو یہی ہے کہ اگر کسی شخص کو دوران نماز غیر اختیاری طور پر کوئی حدث لاحق ہو جائے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور جس حدیث میں بناء کا ذکر ہے (عنقریب جو گذر چکی) وہ بالاتفاق مرسل ہے اس لئے حجت نہیں، جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم، امام احمد کی ایک روایت، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک جوازِ بناء کے قائل ہیں لیکن اس کی کچھ شرائط ہیں جو فروعی کتابوں میں مذکور ہیں۔

نماز میں وضو ٹوٹ جائے تو نکلنے کا طریقہ

۱۰۰۷: وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْدَثَ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهٖ فَلْيَأْخُذْ بِاَنْفِهٖ ثُمَّ لِيَنْصَرِفْ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ١/٦٦٦ حديث رقم ١١١٤۔ وابن ماجه ١/٣١٦ حديث رقم ١٢٢٢۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا وضو نماز میں ٹوٹ جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنی ناک پکڑ کر نماز سے نکل جائے۔ (ابوداؤد)

تشریح: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حدث لاحق ہونے پر ناک پکڑنے کا جو حکم دیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ اس کی نکسیر جاری ہوگئی ہے، اسے کذب اور جھوٹ نہیں کہا جا سکتا بلکہ اسے ''تعریض بالفعل'' کہا جاتا ہے، اور نمازی کو ایسا کرنا زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے اور شیطان اسے لوگوں کے سامنے شرمندہ نہیں کر سکتا۔

ابن ملک فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ادب سکھاتے ہوئے ناپسندیدہ امور کو چھپانے کی تلقین کی گئی ہے، نیز احسن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طریقے سے توریہ کرنے کی رخصت فراہم کی گئی ہے، اسے ریاء اور کذب اسلئے بھی نہیں قرار دیا جاسکتا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بعض تعریضات جھوٹ سے دور ہوتی ہیں اسی طرح ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہو، وہ تہمت کی جگہ پر ہرگز نہ کھڑا ہو۔

سلام کے بغیر نماز کا پورا ہو جانا

۱۰۰۸: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْدَثَ اَحَدُكُمْ وَقَدْ جَلَسَ فِيْ اٰخِرِ صَلَاتِهٖ قَبْلَ اَنْ يُسَلِّمَ فَقَدْ جَازَتْ صَلٰوتُهٗ (رواه الترمذی وقَالَ هذاحديث اسناده لَيْسَ بِالْقَوِيِّ وَقَدِ اضْطَرَبُوْا فِيْ اِسْنَادِهٖ۔

أخرجه الترمذي في السنن ١/٢٦١ حديث رقم ٤٠٨۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم میں سے کسی کا وضو اس وقت ٹوٹے جب کہ وہ اپنی نماز کے آخری قعدہ میں ہو اور سلام نہ پھیرا ہو تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔ (ترمذی) اور کہا ہے کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے اور انہوں نے اس کی سند میں اضطراب کیا ہے۔

تشریح: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چونکہ خروج بصنع المصلی فرض ہے اس لئے وہ اس حدیث کو عمداً حدث لاحق کرنے پر محمول فرماتے ہیں جبکہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہ اسے مطلق رکھتے ہیں، خواہ کوئی شخص جان بوجھ کر اپنے آپ کو حدث لاحق کرے یا سہواً ہو جائے، دونوں صورتوں میں "جبکہ وہ تشہد کے بقدر بیٹھ چکا ہو، لیکن سلام پھیرنے کی نوبت نہ آئی ہو" اس کی نماز مکمل ہو جائے گی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک سلام پھیرنا فرض ہے جبکہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب، اور اس حدیث کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ سند کے اعتبار سے اس میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ اس لئے یہ حجت نہیں۔

حدیث مضطرب کی تعریف:

حافظ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ حدیث مضطرب سے مراد وہ حدیث ہوتی ہے جو مختلف اور باہم ایک دوسرے کے مقابل اسناد سے مروی ہو، اس اضطراب کا تعلق بعض اوقات متن سے ہوتا ہے، بعض اوقات سند سے، اور بعض اوقات ایک یا کئی راویوں سے بھی ہوتا ہے، یاد رہے کہ حدیث مضطرب ضعیف ہوتی ہے کیونکہ اس میں پایا جانے والا اضطراب و اختلاف ہی اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ یہ روایت اچھی طرح سے ضبط نہیں کی گئی۔

ہم اس کا جواب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث متعدد اسناد سے مروی ہے جیسا کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب کی تخریج کی ہے اور تعدد طرق سے حدیث درجہ ضعف سے نکل کر درجہ حسن تک پہنچ جاتی ہے اور وہ سب کے نزدیک حجت ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی حدیث کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے اور ہم اس کو تسلیم بھی کر لیتے ہیں پھر بھی اس حدیث کو رد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حدیث کا حجت ہونا اس کی صحت پر موقوف نہیں بلکہ صحت حدیث کیلئے تو حدیث حسن بھی کافی ہے، پھر اگر کوئی مجتہد اس بات کو جاننے کے باوجود کہ اس حدیث کے صحیح ہونے یا نہ ہونے میں محدثین کا اختلاف ہے اپنی غالب رائے سے اس کے صحیح ہونے کو ترجیح دیتا ہے تو وہ اس کی طرف نسبت کر کے صحیح ہی کہلائے گی کیونکہ محض اختلاف سے ترجیح اور ثبوت صحت میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔ اس ضابطے کو اچھی طرح اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیجئے کہ یہ بہت سے مواقع پر کام آ سکتا ہے۔

الفصل الثالث:

امام کو مصلے پر حدیث یاد آ جائے

۱۰۰۹: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ اِلَى الصَّلَاةِ فَلَمَّا كَبَّرَ اِنْصَرَفَ وَ اَوْمَأَ اِلَيْهِمْ اَنْ كَمَا كُنْتُمْ ثُمَّ خَرَجَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ وَرَأْسُهٗ يَقْطُرُ فَصَلّٰى بِهِمْ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ اِنِّیْ كُنْتُ جُنُبًا فَنَسِيْتُ اَنْ اَغْتَسِلَ رواه احمد.

أخرجه ابن ماجه ۱/۳۸۵ حديث رقم ۱۲۲۰۔ وأحمد في المسند ۲/۴۴۸۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے تشریف لائے جب اقامت کہنے کا ارادہ کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے مڑے اور صحابہ کو یہ اشارہ کیا کہ تم لوگ اپنی جگہ کھڑے رہو۔ پھر مسجد سے باہر نکلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا اور اس حال میں واپس تشریف لائے کہ آپ کے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ مجھے غسل کی ضرورت تھی مگر میں غسل کرنا بھول گیا تھا۔ (احمد)

تشریح: اس حدیث کی تشریح میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کہہ چکے تھے، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ''فلما کبر'' سے مراد ''فلما اراد ان یکبر'' ہے اس اعتبار سے ابھی نماز شروع نہیں ہوئی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ یاد آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے، اس دوسری توجیہہ کے راجح ہونے کی دلیل عنقریب آپ کے سامنے آ جائے گی۔

اسی طرح ''ان کما کنتم'' کا مطلب بیان کرتے ہوئے علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم جس طرح ہو، اسی طرح رہو، میں ابھی آتا ہوں اور علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس کا مطلب بیان کرتے ہیں کہ میرے جانے کے بعد بھی تم نماز کی حالت میں ہی رہنا، اس سے نکلنا مت اور نہ ہی اسے خود مکمل کرنا، لیکن یہ تاویل بعید از قیاس ہے جیسا کہ اہل عقل پر مخفی نہیں۔

اور اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا جاتا ہے کہ امام کی نماز ٹوٹ جانے کا پتہ لگ جانے کے بعد بھی مقتدیوں کی نماز نہیں ٹوٹتی۔

یاد رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نسیان اس لئے طاری ہوتا تھا کہ امت کو مسئلہ معلوم ہو جائے اور اس سلسلے میں اس کی رہنمائی نامکمل نہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہے، اس سے وہ اعتراض بھی دور ہو گیا جو اس موقع پر کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ کو اپنا حالت جنابت میں ہونا بھول کیوں گیا؟ جبکہ بعض اولیاء کرام کے بارے میں آتا ہے کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہونے پر دوسروں کی جنابت تک پر مطلع ہو جایا کرتے تھے۔ چنانچہ یافعی نے نقل کیا ہے کہ امام الحرمین ابوالمعالی ابن امام ابو محمد الجوینی ایک دن نماز فجر کے بعد مسجد میں پڑھانے کیلئے تشریف فرما ہوئے تو وہاں سے صوفیاء کے ایک شیخ اپنے مریدوں کے ساتھ گذرے، امام الحرمین انہیں دیکھ کر اپنے دل میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو کھانے اور ناچنے کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں آتا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہی شیخ امورِ دعوت و تبلیغ سے فارغ ہو کر دوبارہ وہیں سے گذرے، تو رک کر فرمانے لگے مفتی صاحب! اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو جنابت کی حالت میں نمازِ فجر پڑھے، مسجد میں آکر بیٹھے، لوگوں کو درس دینے لگے اور غیبت بھی کرتا ہو؟ یہ سنتے ہی امام الحرمین کو یاد آیا کہ ان پر تو غسل واجب تھا، اس واقعے کے بعد صوفیاء کے بارے میں وہ اچھا گمان رکھنے لگے۔

اسی طرح علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ اس واقعے میں یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابھی تکبیر تحریمہ نہ کہی ہو، صرف نبی ﷺ نے ہی تکبیر تحریمہ کہی ہو کہ آپ کو یاد آ گیا، بھی صحیح نہیں، بعید از قیاس بلکہ نا قابل اعتبار ہے کیونکہ روایات میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ صحابہ کرامؓ بھی اس وقت تک تکبیر تحریمہ کہہ چکے تھے۔

جبکہ ہماری رائے کی تائید بخاری شریف کی اس صحیح روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں صراحۃً مذکور ہے کہ جب نبی ﷺ مصلّی پر آکر کھڑے ہوئے اور ہم منتظر ہوئے کہ کب آپ تکبیر کہتے ہیں کہ اچانک آپ ﷺ پیچھے ہٹ گئے اور فرمایا اپنی جگہ ہی رہو۔

لیکن اصل بات صرف اتنی ہے کہ بعض اوقات انسان کسی چیز کی محبت میں اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے، معروف کو منکر پر اور منکر کو معروف پر محمول کرنے لگتا ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے دعاء ہی کرسکتے ہیں کہ وہ ہمیں راہ راست کی ہدایت نصیب فرمائے تاکہ ہم نبی ﷺ کے احوال کو حتی الوسع اچھے محمل پر محمول کرسکیں۔

۱۰۱۰: وَرَوَى مَالِكٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ مُرْسَلًا۔

ترجمہ: امام مالک نے بھی اس حدیث کو عطاء بن یسار سے بطریق ارسال بیان کیا ہے''۔

مذکورہ صدر حدیث کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء بن یسار کے حوالے سے مرسلاً بھی نقل کیا ہے، میرک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں ''صالح بن کیسان عن الزہری عن ابی سلمۃ'' کی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نماز پڑھانے کیلئے تشریف لائے، اقامت ہو چکی، صفیں برابر ہو چکیں، جب حضور ﷺ اپنے مصلی پر آکر کھڑے ہوئے اور ہم منتظر ہوئے کہ کب حضور ﷺ تکبیر کہتے ہیں تو آپ ﷺ واپس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اپنی جگہ پر ہی رکو۔ ہم اسی طرح نبی ﷺ کا انتظار کرتے رہے تا آنکہ نبی ﷺ تشریف لے آئے اور غسل کی وجہ سے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

اسی طرح اوزاعی عن الزہری کی سند سے بھی اسی مضمون کی حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے، اس اعتبار سے حضرت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصنف علیہ الرحمۃ کو چاہیے تھا کہ وہ اس مسئلہ میں صحیح بخاری کی حدیث کو پیش کرتے تا کہ اثبات مسئلہ کیلئے حدیث مرسل کی ضرورت ہی نہ رہتی۔

سجدہ کی جگہ کو گرمی سے بچانا

۱۰۱۱:وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنْتُ اُصَلِّى الظُّهْرَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاٰخُذُ قَبْضَةً مِّنَ الْحَصٰى لِتَبْرُدَ فِىْ كَفِّىْ اَضَعُهَا لِجَبْهَتِىْ اَسْجُدُ عَلَيْهَا لِشِدَّةِ الْحَرِّ۔

(رواه ابوداود وروى النسائى نحوه)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ١/٢٨٢حديث رقم ٣٩٩۔والنسائی ٢/٢٠٤حديث رقم ١٠٨١۔ فی المخطوطة "لأخذ"۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ظہر کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھا کرتا تھا اور ایک مٹھی میں کنکریاں لے لیتا تھا تا کہ وہ میرے ہاتھ میں ٹھنڈی ہو جائیں۔ گرمی کی شدت سے بچنے کے لئے میں ان کو سجدہ کے وقت اپنی پیشانی کے نیچے رکھ لیتا تھا۔ (ابوداؤد۔نسائی)

تشریح: اس حدیث میں ''فآخذ'' مضارع کا صیغہ حکایت ماضی کے طور پر استعمال ہوا ہے جیسا کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ کی رائے ہے۔ یہی رائے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ کی بھی ہے۔ لیکن یہ قول اس بات پر مبنی ہے کہ 'فآخذ'' کا عطف ''کنت'' پر کیا جائے لیکن عبارت کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کا عطف ''اصلی'' پر کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کا جن کے ساتھ ایک واقعہ

۱۰۱۲:وَعَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّىْ فَسَمِعْنَاهُ يَقُوْلُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ ثُمَّ قَالَ اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ ثَلَاثًا وَبَسَطَ يَدَهٗ كَاَنَّهٗ يَتَنَاوَلُ شَيْئًا فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الصَّلَاةِ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ سَمِعْنَاكَ تَقُوْلُ فِى الصَّلٰوةِ شَيْئًا لَمْ نَسْمَعْكَ تَقُوْلُهٗ قَبْلَ ذٰلِكَ وَرَاَيْنَاكَ بَسَطْتَّ يَدَكَ قَالَ اِنَّ عَدُوَّ اللّٰهِ اِبْلِيْسَ جَاءَ بِشِهَابٍ مِنْ نَارٍ لِيَجْعَلَهٗ فِىْ وَجْهِىْ فَقُلْتُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قُلْتُ اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ التَّامَّةِ فَلَمْ يَسْتَاْخِرْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَرَدْتُّ اَنْ اٰخُذَهٗ وَاللّٰهِ لَوْلَا دَعْوَةُ اَخِيْنَا سُلَيْمَانَ لَاَصْبَحَ مُوْثَقًا يَلْعَبُ بِهٖ وِلْدَانُ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحيحه ١/٣٨٥حديث رقم (٤٠۔٥٤٢)والنسائی ٣/١٣حديث رقم ١٢١٥۔

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ ہم نے سنا آپ ﷺ سے کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے: میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں' پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا کہ میں تجھ پر لعنت کرتا ہوں اللہ کی لعنت۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک آگے بڑھائے گویا کہ آپ ﷺ کسی چیز کو پکڑ رہے ہیں۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم نے آج آپ کو نماز میں ایسی بات کہتے ہوئے سنا ہے کہ اس سے قبل کبھی آپ ﷺ کو اس طرح کہتے ہوئے نہیں سنا اور آج ہم نے آپ کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہاتھ پھیلاتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کا دشمن ابلیس ملعون آگ کا شعلہ لے کر آیا تھا تاکہ اس کو میرے منہ میں ڈالے چنانچہ اس وقت میں نے تین مرتبہ یہ کہا کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ پھر میں نے کہا میں تجھ پر لعنت کرتا ہوں اللہ کی پوری لعنت وہ نہیں ہٹا تو میں نے یہ کلمات تین مرتبہ کہے۔ جب وہ پھر بھی نہ ہٹا تو میں نے اس کو پکڑنا چاہا۔ لیکن اللہ کی قسم اگر ہمارے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو وہ صبح تک مسجد کے ستون کے ساتھ بندھا رہتا اور مدینہ کے بچے اس کے ساتھ کھیلتے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کی رائے کے مطابق خطاب کے صیغے کے ساتھ کسی کیلئے دعاء کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے البتہ یہ حدیث محمول ہے تحریم کلام سے قبل کے زمانے پر۔

لیکن اس پر ایک اعتراض ہوتا ہے، اعتراض اور جواب ابن ملک کی طرف سے ہے، اعتراض یہ ہے کہ نماز کے دوران گفتگو کے حرام ہونے کا حکم تو قیام مکہ مکرمہ کے دوران ہی آ گیا تھا جبکہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ "مدینہ" سے مراد اس کا لغوی معنی یعنی شہر ہے، اصطلاحی معنی یعنی مدینہ منورہ مراد نہیں تاکہ دلائل میں توافق اور تطابق ہو جائے۔

اس کا دوسرا جواب یوں بھی دیا جاسکتا ہے کہ جواز کی دلیل نبی ﷺ کا عمل ہے اور عدم جواز کی دلیل نبی ﷺ کا فرمان ہے "یعنی نماز میں عام گفتگو کی طرح باتیں کرنا مناسب نہیں ہیں" اور یہ مسلّمہ اصول ہے کہ جب قول اور عمل میں تعارض پیدا ہو جائے تو قول کو ترجیح ہوتی ہے اس لئے عدم جواز کو ترجیح ہوگی۔

بعض حضرات یہ جواب بھی دیتے ہیں کہ غیر کیلئے خطاب کے صیغے کا عدم جواز ابلیس لعین کے ساتھ ہے کہ جب وہ نمازی کو دورانِ نماز مختلف وساوس سے پریشان کرے تو اس میں صیغۂ خطاب کی گنجائش ہے کیونکہ اس کا تعلق "مصالح نماز" سے ہے اور اس کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے، جبکہ شیطان کے علاوہ کسی اور میں یہ ضرورت نہیں ہے اس لئے وہاں یہ حکم بھی نہیں ہے۔

ہماری رائے یہ ہے کہ یہ آخری قول جن حضرات کا نقل کیا گیا ہے، اس کی بنیاد یہ ہو سکتی ہے کہ نماز میں "مصالح نماز" کی وجہ سے کلام کرنا جائز ہے جیسا کہ عنقریب تفصیل سے آتا ہے، تاہم اس حدیث کے سلسلے میں بعض حضرات کی رائے یہ بھی ہے کہ یہ نبی ﷺ کی خصوصیت تھی، امت کیلئے یہ حکم نہیں ہے۔

نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب دینا

۱۰۱۳: وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ وَهُوَ يُصَلِّىْ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَرَدَّ الرَّجُلُ كَلَامًا فَرَجَعَ اِلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَقَالَ لَهٗ اِذَا سُلِّمَ عَلٰى اَحَدِكُمْ وَهُوَ يُصَلِّىْ فَلَا يَتَكَلَّمْ وَلْيُشِرْ بِيَدِهٖ۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك في الموطأ ١/١٦٨ حديث رقم ٧٦ من كتاب قصر الصلاة۔ في المخطوطة "فالحكمي"۔

ترجمہ: حضرت نافعؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا گزر ایک آدمی پر ہوا جو کہ نماز پڑھ رہا تھا حضرت عبداللہؓ نے اس کو سلام کیا اور اس نے حضرت عبداللہؓ کے سلام کا جواب زبان سے دیا۔ حضرت عبداللہؓ اس کی طرف لوٹے اور فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو نماز پڑھنے کی حالت میں سلام کیا جائے تو اس کو بولنا نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہیے مناسب ہے کہ وہ ہاتھ کے اشارہ سے جواب دے دے۔(مالک) اس مسئلہ کی وضاحت گزر چکی ہے۔

تشریح: اس حدیث کے متن پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نمازی آدمی کو دوران نماز سلام کیوں کیا، جبکہ معلوم ہے کہ نمازی جواب نہیں دے سکتا؟ تو عین ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ ہی نہ چلا ہو کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے اور اسے سلام کرتے ہوئے گذر گئے ہوں، یا یہ کہ کلام حقیقی کو کلام حکمی سے منسوخ کرنے سے پہلے یہ واقعہ پیش آیا ہو، یا اشارہ سے مراد یہ ہے کہ نماز میں ہونے کا عذر اشارۃً پیش کر دے جیسے کوئی شخص اگر سلام کا جواب دینا نہ چاہتا ہو تو وہ گذرنے والے کو فقط اشارہ کر دیتا ہے۔

بَابُ السَّهْوِ

سجدۂ سہو کا بیان

اس باب میں نماز کے دوران سہو لاحق ہو جانے کا حکم بیان کیا جائے گا، سہو دراصل ''عمد'' کی ضد ہے اور خطاً ونسیان دونوں کو شامل ہے، جیسا کہ ازہری وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ اس کا لغوی معنی کسی چیز سے غفلت، دل کا کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہو جانا ہے، تاہم یہاں اس سے مراد سجدۂ سہو بھی ہو سکتا ہے جو کہ ہمارے نزدیک ترک واجب پر واجب ہے۔

الفصل الاول:

تعداد رکعت میں نسیان سے سجدہ سہو کا حکم

۱۰۱۴: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا قَامَ یُصَلِّیْ جَاءَهُ الشَّیْطَانُ فَلَبِسَ عَلَیْهِ حَتّٰی لَایَدْرِیْ كَمْ صَلّٰی فَاِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ اَحَدُكُمْ فَلْیَسْجُدْ سَجْدَتَیْنِ وَهُوَ جَالِسٌ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ١٠٤/٣ حديث رقم ١٢٣٢۔ ومسلم في صحيحه ٣٩٨/١ حديث رقم (٨٢۔٣٨٩) وأبوداؤد ٦٢٣/١ ١٠٣٠۔ والترمذي في السنن ٢٤٣/٢ حديث ٣٩٦۔ والنسائي ٣٠/٣ حديث رقم ١٢٥٢۔ وأخرجه مالك في الموطأ ١٠٠/١ حديث رقم ١ من كتاب السهو۔ وأحمد في المسند ٢٤١/٢۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو شیطان اس کے پاس آ جاتا ہے اور اس کو اشتباہ میں ڈالتا ہے یہاں تک کہ اس کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعات پڑھی ہیں۔ لہٰذا اگر تم میں سے کسی کو یہ صورت پیش آ جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ آخر میں بیٹھ کر دو سجدے کر لے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث مبارکہ میں جس مسئلہ کی طرف رہنمائی کی گئی ہے، اس کی مکمل تفصیل فتاوی خاقانیہ میں یوں مذکور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہو، اور اسے یاد نہ رہے کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار، سو اگر اس کے ساتھ ایسا پہلی مرتبہ ہوا ہو تو وہ از سر نو نماز پڑھے، رہی یہ بات کہ "پہلی مرتبہ" کی تعیین کس طرح کی جائے؟ تو اس سلسلے میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ جو نماز وہ پڑھ رہا ہے، مثلاً ظہر کی، آج اسے اس میں پہلی مرتبہ سہو ہوا، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس سال میں اسے پہلی مرتبہ سہو لاحق ہوا ہو۔ دو قول ذکر نہیں کیے؟

بہرحال! پہلی مرتبہ سہو لاحق ہونے کی صورت میں اکثر مشائخ کا فتویٰ "استیناف" ہی کا ہے اور ان کے نزدیک وہ تحری نہیں کرے گا، اور اگر اس کے ساتھ ایسا ہوتا رہتا تو پھر وہ "تحری" کرے گا اور گمان غالب پر بناء کرے گا، چنانچہ اگر غالب گمان یہ ہو کہ دو رکعات والی نماز میں اس نے ایک رکعت پڑھی ہے تو اس کے ساتھ ایک رکعت اور ملا کر سجدۂ سہو کر لے، اگر غالب گمان یہ ہو کہ وہ دونوں رکعتیں پڑھ چکا ہے تو بیٹھ کر تشہد پڑھے اور بعد میں سجدۂ سہو کر لے اور اگر اس کا غالب گمان کسی رخ پر بھی نہ جاتا ہو تو پھر رکعتوں والا رخ اختیار کر لے کیونکہ اسے زیادہ میں شک ہے، کم تو یقینی ہے (مثلاً تین اور چار میں شک ہو تو گویا تین بہرحال یقینی ہے، شک اس بات میں ہے کہ چوتھی پڑھی یا نہیں؟ لہٰذا وہ انہیں تین ہی سمجھتے ہوئے ایک اور رکعت اس کے ساتھ ملا لے)۔

اسی طرح اگر کسی شخص کو نمازِ فجر کی رکعتوں میں سہو ہو گیا تو وہ کم پر بناء کرنے اور اسے ایک رکعت شمار کرنے کے باوجود احتیاطاً قعدہ ضرور کرے گا کیونکہ ہو سکتا ہے وہ دو رکعتیں پڑھ چکا ہو، اور دو رکعتوں کے بعد قعدہ فرض ہے، اس لئے احتیاطاً قعدہ بھی کرے اور ایک رکعت بھی ساتھ ملا لے۔ كذا في شرح المنية۔

سجدۂ سہو قبل السلام ہوگا

۱۰۱۵: وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِىْ صَلَاتِهٖ فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلّٰى ثَلَاثًا اَوْ اَرْبَعًا فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلٰى مَا اسْتَيْقَنَ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يُّسَلِّمَ فَاِنْ كَانَ صَلّٰى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهٗ صَلَاتَهٗ وَاِنْ كَانَ صَلّٰى اِتْمَامًا لِاَرْبَعٍ كَانَتَا تَرْغِيْمًا لِلشَّيْطَانِ۔ (رواه مسلم ورواه مالك عن عطاء مرسلا وفى روايته شَفَعَهَا بِهَاتَيْنِ السَّجْدَتَيْنِ)۔

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۴۰۰ حديث رقم ۸۸/۵۷۱۔ ومالك في الموطأ ۱/۹۵ حديث رقم ۶۲ من كتاب الصلاة۔

ترجمہ: حضرت عطاء بن یسار سے روایت ہے وہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی نماز کے درمیان شک میں مبتلا ہو جائے اور اس کو یہ یاد نہ ہو کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تین یا چار تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنا شک اور تردد دور کرے اور جس پر اس کو یقین ہو اس پر بناء کرے اور پھر سلام پھیرنے سے قبل دو سجدے کرے۔ اگر اس نے پانچ رکعات پڑھی ہوں گی تو یہ پانچ رکعات ان دو سجدوں کی وجہ سے جفت ہو جائیں گی۔ اور اگر اس نے چار رکعتیں پوری پڑھی ہوں گی تو پھر یہ دونوں سجدے شیطان کی ذلت کا سبب بن جائیں گے۔ (مسلم) امام مالکؒ نے اس روایت کو حضرت عطاء سے بطریق ارسال نقل کیا ہے اور امام مالکؒ کی ایک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ نمازی ان دونوں سجدوں کی وجہ سے پانچ رکعات کو جفت کردے گا۔

تشریح: اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سجدۂ سہو نماز کا آخری سلام پھیرنے سے پہلے کیا جائے گا اور یہی مذہب ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ سجدۂ سہو کا وقت سلام کے بعد ہے، ان دونوں حضرات کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جو ''قصۂ ذوالیدین'' کے نام سے مشہور ہے اور یہ دونوں حدیثیں صحیحین کی متفق علیہ حدیثیں ہیں اور دوسری حدیث کو سنن اربعہ کے مصنفین نے بھی نقل کیا ہے اور پہلی حدیث ''افراد مسلم'' میں سے اسلئے جو روایت صحت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو، اس پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قولِ قدیم ہے'' کہ اگر سجدۂ سہو کسی نقصان کی تلافی کیلئے ہو تو اسے سلام سے پہلے کیا جائے اور اگر کسی اضافہ کی تلافی کیلئے ہو تو اسے مؤخر کر دیا جائے اور انہوں نے اس سلسلے کی احادیث میں تطبیق کرنے کیلئے انہیں دو صورتوں پر محمول کر لیا، کمی کی صورت میں جدا حکم اور زیادتی کی صورت میں جدا حکم۔

لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس مذہب پر امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک ہی نماز میں کمی اور زیادتی دونوں کا مرتکب ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ ظاہر ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر عمل کرنے سے اس صورت کا کوئی حل نہیں نکلتا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ موارد حدیث کی چھان بین کرنے کے بعد مسئلہ زیر بحث میں یہ تفصیل بیان فرماتے ہیں کہ اگر نمازی کو تعداد رکعات میں شک ہوا ہو تو اسے سلام سے قبل سجدہ کرنے کا حکم دیا جائے گا اور اگر اس سے نماز میں کوئی چیز چھوٹ گئی جس کا اس نے بعد میں تدارک کر لیا تو وہ سجدۂ سہو بعد میں کرے، یہاں پر بھی وہی اشکال ہے جو امام مالکؒ کے مذہب پر وارد ہوتا ہے۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ تقدیم وتاخیر سجدۂ سہو کا یہ اختلاف ''اولویت'' میں ہے ''جواز'' میں نہیں، یہی رائے زیادہ واضح معلوم ہوتی ہے اور اس طرح تمام احادیث مبارکہ میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔

قولہ شفعن لہ صلوتہ:

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ اس جملے پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''شفعن'' کی ضمیر غائب کا مرجع ''پانچ رکعتیں'' ہیں اور ''لہ'' کی ضمیر مصلّی (نمازی) کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تمہاری نماز کی (بھولے سے پڑھی جانے والی) پانچوں رکعتیں دونوں سجدوں کی وجہ سے شفع بن جائیں گی (طاق نہیں رہیں گی) اور اس کی دلیل اگلی حدیث ہے جس میں ''شفعها بهاتين السجدتين'' صراحۃً مذکور ہے۔

جبکہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ''شفعن'' کی ضمیر کا مرجع ''پانچوں رکعتوں'' کی بجائے صرف ''پانچویں رکعت'' کو قرار دیتے ہیں اور دلیل میں اس صحیح روایت کو پیش کرتے ہیں جس کے مطابق اس کی یہ آخری (پانچویں) رکعت اور سہو کے دونوں سجدے نفل ہو جائیں گے اور اس کی نماز اپنی اصلیت پر ہی برقرار رہتے ہوئے شفع رہے گی۔ اور فرماتے ہیں کہ اس سے ان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کی بڑی وضاحت کے ساتھ تردید بھی ہوگئی جو یہ کہتے ہیں کہ پانچویں رکعت ملانے والا چھٹی رکعت بھی ملائے تا کہ اس کی نماز شفع کی حالت میں رہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شفع حکمی، شفع حقیقی کے بالمقابل اور منافی نہیں ہے حالانکہ ان دونوں کے درمیان تقابل اور منافات کا ہونا واضح بات ہے۔ پھر حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وہ بات بھی غرابت کا ایک نمونہ ہے جس میں انہوں نے علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کو محال سے تشبیہ دی ہے، حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ درحقیقت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کی بات کا مطلب ہی نہیں سمجھ سکے، یا یہ کہئے کہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے کلام کو حقیقت پر محمول کیا ہے جبکہ انہوں نے اسے مجازی طور پر استعمال کیا ہے۔

پھر اس حدیث کے آخر میں سہو کے دو سجدوں کو شیطان کے ذلیل و رسوا ہونے کا جو ذریعہ قرار دیا گیا ہے، اس پر بحث کرتے ہوئے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایسا شخص سجدۂ سہو نہ کرے کیونکہ اصل یہ ہے کہ اس نے کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا لیکن اس کی نماز دو میں سے کسی ایک خرابی سے خالی نہیں یا تو واقعۃً اس نے ایک رکعت کا اضافہ کر دیا ہوگا یا پھر اس نے چوتھی رکعت ہی پڑھی ہوگی، اس خلل کی تلافی اور تدارک کیلئے اسے سجدہ کرنا ہوگا اور چونکہ یہ تردد اور شک شیطان کے وسوسے اور بہکانے کی وجہ سے پیدا ہوا اس لئے اس کی تلافی کو شیطان کیلئے باعث ذلت قرار دیا گیا۔

فائدہ: اس حدیث کی تخریج امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ساتھ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کی ہے لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عطاء کے حوالے سے مرسلاً نقل کیا ہے جس کے بارے میں حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح متصل سند کے ساتھ مروی ہے، کسی کے مرسل نقل کرنے سے اس میں پیدا ہونے والی کوتاہی اس کیلئے نقصان دہ نہیں ہوسکتی کیونکہ اسے متصلاً نقل کرنے والے حفاظ، ثقہ اور ایسے راوی ہیں جن کا اضافہ مقبول ہوتا ہے۔

نیز امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں جو "شفعها بها تين السجدتين" کا لفظ آیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے یقین پر بناء کرتے ہوئے ایک رکعت اور پڑھ لی، لیکن درحقیقت یہ اس کی پانچویں رکعت ہوئی تو سہو کے دو سجدوں سے یہ جفت ہو جائیں گی۔ کیونکہ کسی بھی رکعت میں سجدہ ایک اہم ترین رکن کی حیثیت رکھتا ہے، سو جس نے دو سجدے کر لئے گویا کہ اس نے ایک رکعت پڑھ لی یعنی دو سجدے ایک رکعت کے قائم مقام ہو گئے اور یوں کل رکعتیں چھ ہو گئیں۔

اس موقع پر ابن ملک سے ایک بڑی واضح اور فحش غلطی ہوئی ہے کہ انہوں نے مذکورہ تفصیل بیان کرنے کے بعد اسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق پانچویں رکعت پڑھنے والا چھٹی رکعت بھی ساتھ ملائے گا، حالانکہ یہ بات غلط ہے کیونکہ یہاں جو چیز زیر بحث ہے وہ "مقدر" ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وشافعی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان جو اختلاف ہے وہ اس رکعت میں ہے جو "محقق" بھی ہو، تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ چھٹی رکعت ملا لینے میں کوئی حرج نہیں بلکہ مندوب ہے۔

اس طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہاں ابوداؤد کی ایک روایت سے غلط استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اس حدیث کی تخریج کی ہے کہ "جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو جائے اور اسے پتہ نہ چلے کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار؟ تو شک کو دور کر کے یقینی تعداد پر بناء کر لے اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے، اگر اس کی نماز مکمل ہوگئی ہو تو وہ ایک رکعت اور دو سجدے نفل ہو جائیں گے۔ اور اگر نماز پہلے نامکمل رہی ہوگی تو اس ایک رکعت سے نماز مکمل ہو جائے گی اور دو سجدے شیطان کو ذلیل کرنے کا سبب بن جائیں گے، حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ سجدۂ سہو واجب نہیں ہے۔ اور یہی ہمارا مذہب ہے، حالانکہ اس حدیث میں سجدۂ سہو کے عدم وجوب کا احتمال تک نہیں، چہ جائیکہ اس کی تصریح ہو۔

پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہونے کا مسئلہ

۱۰۱۶: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ خَمْسًا فَقِيْلَ لَهٗ اَزِيْدَ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوْا صَلَّيْتَ خَمْسًا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ وَفِي رواية قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ وَاِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهٖ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ لِيُسَلِّمْ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۵۰۳/۱ حديث رقم ۴۰۱۔ ومسلم في صحيحه ۴۰۱/۱ حديث رقم (۹۲۔ ۵۷۲) وأخرجه أبوداوٗد ۶۲/۱ حديث رقم ۱۰۲۲۔ والنسائي ۳۱/۳ حديث رقم ۱۲۵۴۔ وابن ماجه ۳۸۰/۱ حديث رقم ۱۲۰۳ وأحمد في المسند ۳۷۹/۱۔ في المخطوطة "أي"۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھا دی۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ نماز میں زیادتی ہوگئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا ہوا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ آپ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد از سلام دو سجدے کر لئے۔ اور ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں انسان ہی تو ہوں جس طرح تم بھولتے ہو اس طرح میں بھی بھول جاتا ہوں لہٰذا جب میں کچھ بھول جایا کروں تو مجھے یاد دلا دیا کرو۔ اور جب تم میں سے کسی کو شک ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ صحیح رائے قائم کرے اور اس رائے کی بنیاد پر نماز پوری کرے اور پھر سلام پھیر کر دو سجدے کر لے۔

تشریح: اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں جو سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کرنے کا ذکر ہے، یہ ہمارے مذہب کے منافی نہیں ہے کہ سجدۂ سہو مطلقاً سلام پھیرنے سے پہلے کیا جائے گا کیونکہ یہاں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچویں رکعت کے اضافہ کا پتہ ہی اس وقت چلا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیر چکے تھے اور لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا نماز کی رکعتیں بڑھا دی گئی ہیں؟ اور اس صورت میں علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سجدۂ سہو سلام پھیرنے کے بعد ہی کیا جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں سلام پھیرنے سے پہلے سجدۂ سہو کرنا متعذر رہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ سجدۂ سہو کے بعد تو سلام پھیرنا متعذر نہیں ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں نہیں کیا تاکہ سب سے آخر میں "سلام" پھیرا جاتا کہ وہ تمہارے کے نزدیک رکن صلوٰۃ ہے اور پہلے سلام کا تو کوئی اعتبار ہی نہیں کیونکہ وہ اپنے محل میں نہیں رہا، پھر دوسری روایت میں اس کی تصریح بھی موجود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سلام پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ دوبارہ سلام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھیرا۔

اور ابن ملک کی بات تو اس سے بھی زیادہ عجیب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو کا علم بعد میں ہوا یہ اس کے مذہب کے خلاف ہے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ''ثم یسلم ثم یسجد'' بھی اس کو رد کرتا ہے اور درمیان نماز میں گفتگو کرنا ابتداء اسلام میں جائز تھا، تاہم بعد میں اسے منسوخ کر دیا گیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس نماز میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت زیادہ پڑھائی تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے آپ کی متابعت اس لئے کی کہ نماز میں اضافہ بہر حال ممکن تھا۔ کیونکہ اس وقت تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود موجود تھے اسلئے اس وقت ایسا ہونا ممکن تھا۔

زیادہ صحیح اور واضح بات یہ ہے کہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے ذہنوں سے یہ بات محو ہوگئی تھی کہ انہیں سہو لاحق تھا۔ اس لئے انہوں نے سلام پھیر دیا اور یہ سمجھ کر کہ اب نماز سے فراغت ہوگئی انہوں نے باہم گفتگو بھی کی، لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ نماز میں مشغول ہوئے تو انہوں نے بھی پیروی کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سہو کا یہ عذر لاحق ہونے پر اپنے اور ان کیلئے مغفرت طلب کی۔

اور ہمارے مسلک کے مطابق تو یہاں کوئی اشکال وارد ہی نہیں ہوتا کیونکہ ہمارے نزدیک تو امام کی متابعت واجب ہے۔ اگر چہ امام زیادت یا نقصان کر بیٹھے، (لیکن یہ اسی صورت میں ہے جبکہ مقتدی بھی بھول جائیں یا امام لقمہ کو قبول نہ کرے)۔

تحری کا معنی اور حکم کی وضاحت:

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تحری کا لغوی معنی قصد کسی چیز کے حصول میں محنت اور کسی چیز کو بالفعل حاصل کرنے میں عزم ہے۔ اور حدیث کے اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ صحیح رخ متعین کرنے کیلئے تحری کرے اور اپنی بقیہ نماز کو ایک یا دو رکعتیں ملا کر پورا کرلے، اور جس رکعت کے بعد قعدۂ اولیٰ کا احتمال ہو وہاں لازماً قعدہ کرے، یہ اس پر واجب ہے اور جہاں قعدۂ اخیرہ کا احتمال ہو وہاں فرضاً قعدہ کرے۔

رہی یہ بات کہ اگر تحری و اجتہاد سے کسی رخ پر اسے غلبۂ ظن حاصل نہ ہو تو وہ اقل پر بناء کرلے کیونکہ اقل تو بہر حال یقینی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے ''بعد ما سلّم'' کے بعد والی اس روایت کی نسبت صراحۃً جو صحیحین کی طرف کی ہے، یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس روایت کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے نقل نہیں کیا ہے بلکہ صرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تخریج کی ہے اور ایسا مصنف سے بکثرت ہوا ہے اور ان کا اس سلسلے میں یہ عذر ہے کہ اس سے ان کی مراد اور مقصد اصل روایت کی تخریج پر شیخین کا اتفاق نقل کرنا ہوتا ہے اگر چہ مضمون کے ساتھ ساتھ تمام الفاظ ایک جیسے نہ ہوں۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات تحقیق کے خلاف ہے کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ ''بعد ما سلّم'' کے بعد ''وفی روایة'' کہہ کر جو روایت نقل کی گئی ہے، وہ صرف بخاری ہی کے مفردات میں سے ہے لفظاً بھی اور معنیً بھی، ورنہ مسلم شریف کا تو کوئی لفظ بھی اس معنی کو ادا نہیں کرتا، اعتراض کا اصل منشاء یہ ہونا چاہیے کہ حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے اسے ''متفق علیہ'' قرار دیا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

یہی وجہ ہے کہ بعض محققین فرماتے ہیں کہ اتحاد لفظی کا معنی ہی یہ ہے کہ ایک حکم کو بیان کرنے کیلئے الفاظ مختلف نہ ہو، یہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطلب نہیں کہ عبارت مختلف نہ ہو، اور اتحاد معنوی کا مطلب یہ ہے کہ دونوں عبادتوں کو ایک ہی معنی ومفہوم ادا کرنے کیلئے لایا گیا ہو اور ایک سے جو چیز لازم آ رہی ہے وہی دوسرے سے بھی لازم آ رہی ہو اور اسی وجہ سے محققین نے شاہد اور تابع میں فرق بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ شاہد اس حدیث کو کہتے ہیں جو معنوی طور پر دوسری حدیث کی مؤید ہو اور تابع اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس کے الفاظ دوسری حدیث کے مطابق ہوں۔

متابعت کی مثال میں محدثین نے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے۔

''الا نزعتم جلدها فدبغتموه فاستمتعتم به''

اور اسے مندرجہ ذیل ارشاد گرامی کا متابع قرار دیا ہے۔

''لو اخذوا اهابها فدبغوه فاستمتعوا به''

اور مندرجہ ذیل ارشاد گرامی کو اس کا شاہد قرار دیا ہے۔

''ایما اهاب دبغ فقد طهر''

کلام فی الصلوۃ کا مسئلہ

۱۰۱۷: وَعَنِ ابْنِ سِيرِيْنَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْدٰى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ قَالَ ابْنُ سِيرِيْنَ قَدْسَمَّاهَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَلٰكِنْ نَسِيتُ اَنَا قَالَ فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ اِلٰى خَشَبَةٍ مَعْرُوْضَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَاتَّكَأَعَلَيْهَا كَاَنَّهٗ غَضْبَانٌ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ وَوَضَعَ خَدَّهُ الْاَيْمَنَ عَلٰى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرٰى وَخَرَجَتْ سَرْعَانُ الْقَوْمِ مِنْ اَبْوَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالُوْا اَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ وَفِي الْقَوْمِ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ فَهَابَاهُ اَنْ يُّكَلِّمَاهُ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ فِيْ يَدَيْهِ طُوْلٌ يُقَالُ لَهٗ ذُوالْيَدَيْنِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَسِيتَ اَمْ قُصِرَتِ الصَّلَاةُ فَقَالَ لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ فَقَالَ اَكَمَا يَقُوْلُ ذُوالْيَدَيْنِ فَقَالُوْا نَعَمْ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى مَا تَرَكَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ اَوْ اَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ وَكَبَّرَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ اَوْ اَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ وَكَبَّرَ فَرُبَمَا سَاَلُوْهُ ثُمَّ سَلَّمَ فَيَقُوْلُ نُبِّئْتُ اَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ متفق عليه ولفظه للبخاری وفی اخرٰی لَهُمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَلَ لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ فَقَالَ قَدْكَانَ بَعْضُ ذٰلِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ۔

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱/۵٦۵ حدیث رقم ۴۸۲۔ ومسلم فی صحیحه ۱/۴۰۳ حدیث رقم (۹۷۔۵۷۳) والنسائی فی السنن ۳/۲۰ حدیث رقم ۱۲۲۴۔

ترجمہ: حضرت محمد بن سیرینؒ سے ثابت ہے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے تو اس نماز کا نام بتا دیا تھا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مگر میں بھول گیا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی اور پھر سلام پھیر دیا پھر اس لکڑی کے سہارے سے جو کہ مسجد میں عرضاً کھڑی تھی کھڑے ہو گئے گویا آپ غصہ کی حالت میں تھے۔ آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور انگلیوں میں انگلیاں ڈال دیں اور اپنا دایاں رخسار مبارک اپنے بائیں ہاتھ کے پشت پر رکھ دیا۔ جلد باز لوگ مسجد کے دروازوں سے جانے لگے۔ صحابہ آپس میں کہنے لگے کہ کیا نماز میں کمی ہو گئی؟ اس وقت صحابہؓ کے درمیان حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے مگر ہیبت کی وجہ سے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کی جرأت نہیں ہوئی صحابہؓ میں ایک اور آدمی تھا جن کے ہاتھ لمبے تھے اسی وجہ سے ان کو ذوالیدین کہا جاتا تھا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ بھول گئے ہیں یا نماز میں کوئی کمی ہو گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہوئی ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کیا تم بھی یہی کہتے ہو جو ذوالیدین کہہ رہے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں یہی بات ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے دو رکعت نماز اور پڑھائی اور سلام کہہ کر تکبیر کہی اور حسب معمول سجدوں جیسا یا ان سے بھی طویل سجدہ کیا اور پھر تکبیر کہہ کر سر اٹھایا لوگ محمد بن سیرین سے پوچھنے لگے پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر دیا ہو گا انہوں نے کہا مجھے عمران بن حصینؓ سے یہ خبر ملی ہے وہ کہتے تھے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر دیا۔ (بخاری، مسلم) الفاظ بخاری کے ہیں۔ بخاری اور مسلم کی ایک دوسری روایت اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالیدین کے جواب میں **لم انس** اور **لم تقصر** کی بجائے **کل ذلك لم یکن** فرمایا اس صحابی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کچھ تو ضرور ہوا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں ''**احدی صلاتی العشی**'' سے کیا مراد ہے؟ اس کی تعیین کرتے ہوئے علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے ظہر یا عصر مراد ہے، کیونکہ مسلم شریف کی ایک روایت میں یہاں نمازِ ظہر کو یقینی طور پر اس واقعہ کا موقعہ قرار دیا گیا ہے اور دوسری روایت میں عصر کی نماز کو، اور ایک روایت میں دونوں کو ذکر کرتے ہوئے یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔

''**صلی بنا رسول اللہ ﷺ الظهر والعشی من حین تزول الشمس الی ان تغیب**''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو حضرات اس موقع کی نماز کی تعیین کرتے ہوئے مغرب یا عشاء کا ذکر کرتے ہیں، ان کا قول نہ تو روایتاً صحیح ہے اور نہ درایتاً، اصل میں ان حضرات کو لفظ ''**عشی**'' سے دھوکہ ہوا ہے، اس لئے اس کی مکمل وضاحت ضروری ہے۔

لفظ ''عشی'' کی تحقیق:

یہ لفظ عین کے فتحہ، شین کے کسرہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور قرآن وحدیث کے الفاظ میں یہ اسی طرح مشہور ہے جبکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ''**عشاء**'' بمعنی ظلمت سے ماخوذ قرار دیتے ہوئے ''**عُشی**'' ضبط کیا ہے لیکن یہ حافظ صاحب رحمہ اللہ کا ضبط نہیں بلکہ خبط ہے کیونکہ لغت کی مشہور کتاب قاموس میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ ''**عشاء**'' کا اطلاق اندھیرے کی ابتداء پر، مغرب سے لے کر نمازِ عشاء تک، یا زوالِ شمس سے لے کر طلوعِ فجر تک ہوتا ہے جبکہ لفظ ''**عشی**'' اور ''**عشیۃ**'' دن کے آخری حصے پر بولا جاتا ہے اور ''**صلوٰۃ العشی**'' سے مراد ظہر یا عصر کی نماز ہوتی ہے۔

قاموس کی یہ عبارت ہماری ہی مراد کو واضح کر رہی ہے اور یہی ہمارا مقصد تھا۔ **فللہ الحمد**۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ ابن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس مخصوص نماز کا نام بھی بتایا تھا لیکن مجھے وہ بھول گیا، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک روایت میں اس کے بعد یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ میرے خیال کے مطابق وہ عصر یا عشاء کی نماز تھی، پھر حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آگے چل کر فرمایا ہے کہ یہاں ظہر یا عصر کی نماز ہی مراد ہو سکتی ہے جیسا کہ مسلم شریف میں اس کی صراحت وارد ہوئی ہے، تاہم مسلم شریف ہی کی ایک دوسری روایت میں یقین کے ساتھ نماز عصر کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ چونکہ روایتیں دونوں صحیح ہیں اس لئے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول یہ واقعہ ایک سے زائد مرتبہ پیش آیا ہے، ایک مرتبہ نماز ظہر کے وقت اور ایک مرتبہ نماز عصر کے وقت، لیکن ہماری رائے یہ ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے اور نماز سے مراد نماز عصر ہے کیونکہ تمام روایات میں نماز عصر کا ہونا تو یقینی ہے، شک اور تردد دوسری نمازوں کے بارے میں ہے، اس لئے شک کو چھوڑ کر یقینی بات پر عمل کیا جائے گا اور اس واقعہ کو نماز عصر سے متعلق اور غیر متعدد مانا جائے گا۔

اس حدیث مبارکہ میں تشبیک وغیرہ کا جو عمل بیان کیا گیا ہے، اس کی بنیادی وجہ تکمیل نماز کا خیال تھا اس لئے یہ حدیث اس گذشتہ حدیث کے منافی نہیں ہے جس میں دوران نماز تشبیک کی ممانعت کی گئی ہے، ابن ملک فرماتے ہیں کہ اگر تشبیک انگلیاں کھینچ کر سکون حاصل کرنے کی خاطر ہو، یا بیٹھنے میں سہولت پیدا کرنے کی خاطر ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھ کر پکڑنا مقصود ہو، یا چہرے اور سر کو گھٹنوں پر رکھنے کیلئے ایسا کیا جائے تو یہ مکروہ نہیں ورنہ مکروہ ہے۔

لیکن ابن ملک کی یہ بات قابل تعجب ہے کیونکہ نماز میں تشبیک اور اس کی طرف متوجہ ہونے کا ارادہ مطلقاً مکروہ ہے اور نماز سے باہر ''خواہ بے مقصد ہی ہو'' مباح ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی واقعہ سے متعلق ایک روایت حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس میں یہ اضافہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ عصر کی نماز پڑھائی، تین رکعتوں پر سلام پھیر دیا اور اپنے گھر تشریف لے گئے، لیکن یہ ایک دوسرا واقعہ ہے جیسا کہ عنقریب آتا ہے۔

سہو کا جو واقعہ اس حدیث مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے، اس پر حضرات شیخینؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کہنے میں آپ کا رعب محسوس کیا، لیکن یہ رعب صرف گفتگو کی حد تک رکاوٹ تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ کے پیچھے پیچھے چلنے میں یہ رعب حائل نہ ہوتا تھا، یہ بات اس لئے کہی گئی تا کہ اس حدیث حسن کے ساتھ منافات معلوم نہ ہو جس کا مضمون یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام علیہم الرضوان کے پاس تشریف لاتے تو سوائے حضرات شیخین کے کوئی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھتا تھا، بس یہی دونوں حضرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے رہتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھتے اور یہ دونوں حضرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسکراتے رہتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے مسکراتے رہتے۔

ذوالیدین کا تعارف:

''ذوالیدین'' کا لفظی معنی ہے ہاتھوں والا، اس روایت کے مطابق چونکہ ان صحابی کے ہاتھ معمول سے زیادہ لمبے تھے اسلئے انہیں ذوالیدین کہا جاتا تھا، ایک روایت کے مطابق ان کا یہ نام خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا اور حقیقۃً ان کے ہاتھ طویل تھے یا مجازاً یہ لفظ ان کیلئے بولا جاتا تھا جو کہ کنایہ ہے سخاوت اور کثرت عمل سے، بعض حضرات کی رائے کے مطابق ان کا اصل نام خرباق السلمی الحجازی ہے اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ ان کا اصل نام تو عمیر ہے، خرباق ان کا لقب ہے اور ابو محمد کنیت ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن اکثیر جامع الاصول میں فرماتے ہیں کہ ذوالیدین کا تعلق بنوسلیم سے تھا اور انہیں خرباق کہا جاتا ہے، یہ حجازی صحابی ہیں، یہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضری کا شرف رکھتے ہیں، انہی کی موجودگی میں دوران نماز سہو کا واقعہ پیش آیا، انہیں ذوالشمالین بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ کی زہری سے روایت میں ہے، لیکن حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین دو الگ الگ نام ہیں، ذوالیدین تو وہی ہیں جن کا ذکر سجدۂ سہو کے اس واقعے میں آیا ہے اور ان کا نام خرباق ہے، جبکہ ذوالشمالین دوسرے صحابی ہیں جن کا نام عمیر بن عبدعمرو ہے اور ابن اسحاق کے بقول یہ خزاعی ہیں۔ اور غزوۂ بدر کے شرکاء اور اس میں کام آنے والوں میں سے تھے۔

پھر ذوالیدین کو اللہ تعالیٰ نے اتنی لمبی عمر عطاء کی کہ بہت سے متاخرین تابعین کو ان سے روایت واستفادہ کا موقع نصیب ہوا، نیز سجدۂ سہو کے اس واقعے کے وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے اور انہوں نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے، ظاہر ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ھ میں مسلمان ہوئے ہیں اور غزوۂ بدر اس سے بہت پہلے وقوع پذیر ہو چکا تھا، معلوم ہوا کہ ذوالشمالین اور ذوالیدین دو الگ الگ صحابی ہیں۔

امام زہری رحمہ اللہ اپنی جلالت قدر اور مغازی میں مہارت، حذاقت کے باوجود اس موقع پر ان دونوں میں فرق نہ کر سکے اور یہ رائے قائم کر بیٹھے کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی شخص کے دو نام ہیں اور یہ وہی صحابی ہیں جو غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے تھے، نیز یہ کہ سہو کا یہ واقعہ، غزوۂ بدر سے پہلے کا ہے، بعد میں اس کی تمام تفصیلات متعین کر دی گئی تھیں لیکن یہ امام زہری رحمہ اللہ کا وہم ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں امام زہری رحمہ اللہ کو اتنا اضطراب ہوا ہے کہ جس کی بناء پر ان کی سند سے آنے والی اس موضوع کی ہر حدیث قابل ردّ ہے۔ اور اسی اضطراب کی وجہ سے محدثین نے ان کی اس روایت کو رد بھی کر دیا ہے۔ نیز امام زہری رحمہ اللہ کا سند اور متن کو مکمل طور پر ذکر نہ کرنا بھی ترک روایت کا سبب ہے۔ اگرچہ زہری رحمہ اللہ ایک بہت بڑے امام فی الحدیث تھے، لیکن اس کے باوجود وہ انسان تھے اور انسانی غلطیوں سے محفوظ نہ تھے، کامل اور مکمل ذات صرف اللہ کی ہے، نبی ﷺ کے علاوہ ہر ایک کی بات قابل قبول بھی ہو سکتی ہے اور قابل انکار بھی۔

الغرض! ذوالیدین کے توجہ دلانے پر جب نبی ﷺ کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ نماز میں کچھ سہو ہو گیا ہے تو آپ ﷺ نے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی اس کی تصدیق کرنا چاہی اس لئے فرمایا کیا واقعی ایسا ہی ہوا ہے کہ میں نے نصف نماز چھوڑ دی ہے اور قال سے اعراض کر کے حال کی کیفیت اختیار فرمائی تا کہ مکمل استحضار اور غور وفکر کے ذریعے اصل حقیقت تک پہنچا جا سکے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ یہاں اس نکتہ کو بھی اٹھاتے ہیں کہ نبی ﷺ کا صحابی مذکور کو ذوالیدین کے نام سے پکارنا اس بات کی دلیل ہے کہ تعارف کیلئے کسی کا ایسا لقب استعمال کرنا جائز ہے لیکن تحقیر کیلئے ایسا کرنا کسی صورت جائز نہیں۔

اس روایت میں تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے استصواب پر ان کا جواب صرف لفظ "نعم" کی صورت میں مروی ہے جبکہ بخاری شریف کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: "صدق لم تصل الا رکعتین"

اس تصدیق کے بعد بقول ابن حجر نبی ﷺ کو یہ یقین ہو گیا کہ آپ سے دو رکعتیں چھوٹ گئی ہیں۔ جس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نبی ﷺ کو یاد آ گیا یا تصدیق کرنے والے صحابہ عدد تواتر تک پہنچے ہوئے تھے، یا اللہ نے نبی ﷺ کو ساری صورتحال سے خود ہی مطلع کر دیا تھا جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں بھی ہے۔

اور اسی لفظ "نعم" سے استدلال کرتے ہوئے امام مالک و احمد کا مذہب یہ ہے کہ دوران نماز مصالح نماز کی وجہ سے کلام کرنا جائز ہے، حالانکہ اس حدیث سے یہ استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ بات پیچھے گذر چکی ہے کہ یہ اجازت صرف نبی ﷺ کی خصوصیت تھی اور احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح بھی موجود ہے۔ کہ نماز میں قولاً و فعلاً ہر طرح گو کہ اس میں عمل کثیر ہی لازم آتا ہو" نبی ﷺ کی بات کا جواب دینا ضروری ہے اور اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

اس تشریح کے مطابق ابن سیرین کے اس قول کی ضرورت نہیں رہتی کہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے "نعم" نہیں کہا تھا بلکہ اشارہ کیا تھا اور ظاہر ہے کہ اشارہ کو کلام نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ میری نظر سے تو ایک صحیح روایت ایسی بھی گذری ہے جس میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں اور اس کے الفاظ یوں ہیں۔ "اومؤوا ای نعم"

سہواً اگر قبلہ کی جانب سے سینہ پھر جائے تو؟

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے اگر سہواً کسی شخص کا رخ قبلہ کی طرف سے پھر جائے تو اس کے ذمے اعادۂ نماز واجب نہیں ہے۔ حالانکہ اس حدیث میں تحوّل قبلہ کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے البتہ فصل ثالث کے شروع میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت پر یہ اشکال کیا جا سکتا ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

تقدم سے کیا مراد ہے؟

اس حدیث میں جو لفظ "فتقدم فصلی ماترک" آیا ہے، اس کا معنی بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنے مصلی کی طرف چلے، یا تو وہ نبی ﷺ کے قریب ہی تھا اس لئے آپ کو صرف دو قدم ہی چلنا پڑا، یا اگر دور تھا تو نبی ﷺ پے در پے قدم اٹھا کر وہاں نہیں پہنچے بلکہ آہستہ آہستہ کھسک کھسک کر اپنی جائے نماز پر پہنچ گئے۔ گویا اس واقعے کو عمل کثیر کے جواز کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

ہماری رائے میں تقدم کا معنی "مشی" نہیں ہے بلکہ یہ اپنے اصلی معنی میں ہے اور مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ امامت کیلئے آگے بڑھ گئے، اور چونکہ نبی ﷺ اسی جگہ پر تشریف فرما تھے اسلئے عبارت میں لمبے چوڑے تکلفات اور عجیب و غریب تفریعات کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔

اسی طرح حافظ صاحب رحمہ اللہ نے "فصلی ما ترک" پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ جملہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ایک شاگرد کی اس رائے کے خلاف ایک واضح ترین حجت ہے جس کے مطابق بھول کر سلام تحلل پھیرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور اس کی دلیل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جو روایت پیش کی جاتی ہے وہ سنداً منقطع ہے، نیز اس کا سبب کلام اجنبی تھا اس لئے اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ ہمارا مشہور مذہب نہیں ہے، صرف ایک صاحب کی رائے ہے، اس لئے اس پر اعتراض کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیر بحث مسئلہ میں ایک تعارض:

قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عطاء کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سجدۂ سہو قبل السلام تھا، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث تاخیر سجدہ پر دلالت کر رہی ہے جو کہ ایک واضح تعارض ہے، امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگر چہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طرح کا عمل منقول ہے قبل السلام بھی اور بعد السلام بھی، لیکن قبل السلام سجدۂ سہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل تھا اور اسی کو ترجیح ہوتی ہے، نیز حضرت ذوالیدین کا یہ واقعہ غزوۂ بدر سے پہلے پیش آیا تھا، اس وقت تک نماز کے احکام مکمل طور پر نہیں آئے تھے اور نہ ہی دوران نماز گفتگو کا جواز منسوخ ہونے کا کوئی حکم آیا تھا۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نسخ کلام سے یہ لازم نہیں آتا کہ نماز میں جتنی چیزیں بھی واقع ہیں وہ سب بھی منسوخ ہو جائیں، اور حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو بعد السلام سجدۂ سہو کے منسوخ ہونے کی دلیل بن سکے، اور یہ قانون ہے کہ تعارض کے وقت اس روایت کو ترجیح ہوتی ہے جو اصح، ابین اور اقیس ہو، اب یہ ایک زائد از نماز چیز ہے جو کہ نماز سے خارج ہے اور بالاجماع اس کے بغیر نماز مکمل ہو جاتی ہے تاہم اختلاف اولویت میں ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی شخص نے قبل السلام سجدۂ سہو کر لیا تو ہمارے نزدیک بھی اس کی نماز ہو جائے گی جیسا کہ ابن ہمام نے ذکر کیا ہے اور ابن حجر کا یہ قول تو بہت ہی زیادہ دور از کار کی بات ہے کہ اس حدیث میں ''ثم'' بمعنی واؤ کے ہے جو سہواً استعمال ہو گیا ہے، یہ بہت بڑی جرأت ہے جو حدیث کے متعلق حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سرزد ہوئی ہے۔

قولہ ثم کبر: اس موقع پر ابوداؤد شریف کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: **''فکبر ثم کبر وسجد بسھو''۔**

اور یہ ان حضرات کی دلیل ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ نماز کا سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کرنے کیلئے تکبیر تحریمہ کہنا ضروری ہے پھر ہی جا کر سجدۂ سہو کیا جا سکے گا، جبکہ جمہور علماء کے نزدیک سجدہ کی تکبیر ہی کافی ہے، پہلے تکبیر تحریمہ کہہ کر پھر سجدہ کی تکبیر کہنا ضروری نہیں اور اس کی دلیل وہ روایات صحیحہ ہیں جو اس مضمون پر کثرت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں اور ابوداؤد کی محولہ بالا روایت شاذ ہے اس لئے اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔

قولہ ان عمران بن حصین قال: ثم سلم:

حدیث کے اس جملے پر بحث کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص یہ اعتراض نہ کرے کہ یہ منقطع ہے اور اس سے استدلال کرنا درست نہیں اور دلیل یہ پیش کرے کہ ابن سیرین نے تو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو پایا ہی نہیں ہے اور انہوں نے درمیان میں کوئی واسطہ بھی ذکر نہیں کیا، اس لئے کہ ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ زیر بحث حدیث متصل ہے جیسا کہ امام مسلم کے حوالے سے آ رہا ہے۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اگر کسی شخص نے بعد السلام سجدۂ سہو کیا تو اس کیلئے سجدہ سہو کا تشہد ضروری نہیں ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس حدیث سے تشہد پر ثبوتاً یا نفیاً کسی طرح بھی دلالت نہیں ہوتی، البتہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس سند سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے اس میں اس کا ثبوت ضرور مل جاتا ہے، عنقریب اس کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مزید وضاحت فصل ثانی کے شروع میں آیا چاہتی ہے۔

علامہ ابن ہمام صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہدایہ کہ ایک عبارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس عبارت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سجدۂ سہو تشہد کو ختم کر دیتا ہے لیکن قعدہ کو ختم نہیں کرتا، پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ ذوالیدین کا واقعہ تحریم کلام سے پہلے کا تھا، اس لئے لوگوں کے ذہن اس کیلئے تیار نہ تھے، اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس حدیث کے احکام انہی صحابہ کے ساتھ خاص ہیں جو اس موقع پر موجود تھے، اس لئے آج اس حدیث کو ان کے خلاف حجت کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس سے پہلے تو اس کا کوئی شرعی حکم آیا ہی نہ تھا اس لئے انہیں اس سلسلے میں معذور سمجھا جائے گا۔ علماء کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس دن یہ واقعہ پیش آیا ہے اس وقت تک تو یہی حکم تھا لیکن اس کے بعد احکام بدل گئے۔ واللہ اعلم۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے مندرجات پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اگر کسی شخص کو ایک ہی نماز میں کئی مرتبہ سہو لاحق ہو جائے تب بھی اسے سہو کے دو ہی سجدے کرنا ہوں گے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک تو بھولے سے سلام پھیر دیا تھا اور دوسرے بھولے سے کلام بھی کیا تھا لیکن سجدے صرف دو ہی کئے۔ یہی اکثر فقہاء کا مذہب ہے لیکن امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اس میں شذوذ کی راہ اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہر سہو کے بدلے میں دو سجدے کرنا ضروری ہیں اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

''لکل سھو سجدتان''

لیکن امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس حدیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ سنداً ضعیف اور منقطع ہے اور اگر بالفرض اسے صحیح اور متصل تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ مؤول ہوگی اور اس حدیث ذوالیدین سے اس کا تعارض لازم آئے گا جو سنداً اس سے زیادہ اصح ہے اور یہ قانون ہے کہ صحیح اور اصح میں تعارض کے وقت اصح کو ترجیح ہوتی ہے۔

اسی طرح شرح السنہ میں ہے کہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر جان بوجھ کر بھی نماز کلام کیا جائے اور اس کا تعلق نماز کی کسی مصلحت سے ہو تو نماز باطل نہیں ہوتی، اسلئے کہ ذوالیدین نے عمداً ہی کلام کیا تھا، دیگر صحابہ نے بھی ''نعم'' کہہ کر عمداً ہی جواب دیا تھا، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ ابھی نماز مکمل نہیں ہوئی ہے اور جن حضرات کی رائے یہ ہے کہ کلام الناس مبطل صلوٰۃ ہے، ان کی رائے یہ کہ یہ واقعہ تحریم کلام سے پہلے کا ہے کیونکہ راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متاخر الاسلام صحابہ میں سے ہیں۔ باقی دوسرے صحابۂ کرام کا کلام کرنے کی وضاحت ابن سیرین کی روایت میں اشارہ کرنے سے آئی ہے اور اگر یہ بات صحیح بھی ہو کہ انہوں نے زبان سے گفتگو کی تھی، سر ہلا کر ہاں کا اشارہ نہیں کیا تھا تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجابت تھی اور اجابتِ پیغمبر سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جس کے مطابق ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابی بن کعبؓ کے پاس سے گذرے، وہ نماز پڑھ رہے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پکارا لیکن نماز میں ہونے کی وجہ سے وہ جواب نہ دے سکے، نماز سے فارغ ہو کر حاضر خدمت ہوئے اور نماز میں ہونے کا عذر پیش کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا۔

''یایھا الذین امنوا استجیبوا للّٰہ وللرسول اذا دعاکم''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح اس کی ایک دلیل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب آپ نماز پڑھتے ہیں تو التحیات میں نبی ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته''

ظاہر ہے کہ غیر نبی کے ساتھ اس طرح مخاطب ہونے سے تو نماز باطل ہو جاتی ہے، معلوم ہوا کہ اجابتِ رسول سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

باقی رہا ذوالیدین کا واقعہ تو وہ بر سبیل نسخ ہے کیونکہ اس زمانے میں احکامات کے جاری اور منسوخ ہونے کا سلسلہ چلتا رہتا تھا اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ گویا ذوالیدین کا کلام بھی سہواً ونسیاناً ہوا تھا، اور نبی ﷺ کا گفتگو فرمانا اس بنیاد پر تھا کہ آپ ﷺ یہ خیال فرماتے تھے کہ میری نماز مکمل ہو گئی ہے اس لئے اس کا مدار بھی سہو ونسیان پر ہوا اور حدیث میں تو آتا ہی ہے کہ مجھے بھی عام انسانوں کی طرح سہو ونسیان لاحق ہو سکتے ہیں۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ذوالیدین کی حدیث کو تسلیم کرنے کے بعد یہ بات از خود ثابت ہو جاتی ہے کہ خبر واحد حجت شرعیہ بن سکتی ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے کیونکہ ذوالیدین ؓ نے نبی ﷺ کو ایک خبر دی (عدم تکمیل نماز کی) اور وہ افراد صحابہ میں ایک مامون شخص ہیں جو آپ ﷺ کو خبر دینے کے بعد صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کیا نمازوں کی رکعتوں میں کمی کر دی گئی ہے؟ یہ الفاظ جو ان کی زبان سے نکلے، ان کے متکلم ہونے کی دلیل ہیں حالانکہ وہ یہ بات جانتے تھے کہ وہ نماز کی حالت میں ہیں، اس کے باوجود وہ نماز سے خارج نہیں ہوئے، معلوم ہوا کہ یہ نسخ کلام سے پہلے کا واقعہ ہے۔

نیز امام طحاوی رحمہ اللہ اس موقع پر پیدا ہونے والے ایک اشکال کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو یہاں یہ اعتراض ہے کہ نسخ کلام کا یہ دعویٰ کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ حضرت ابو ہریرہ ؓ اس موقع پر موجود تھے؟ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ نے نبی ﷺ کی وفات سے صرف تین سال قبل دولت اسلام کو حاصل کیا تھا اور نسخ کلام کا حکم تو مکہ مکرمہ ہی میں نازل ہو چکا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ کے قبول اسلام کے زمانے کا جہاں تک تعلق ہے وہاں تک تو آپ کی بات صحیح ہے، لیکن نسخ کلام کے مکہ مکرمہ میں ہو چکنے کی جو بات آپ نے ذکر کی ہے تو ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ یہ روایت آپ سے کس نے نقل کی ہے؟ آپ تو بغیر سند کے استدلال نہیں کرتے اور نہ آپ اپنے مدمقابل کو ایسا کرنے دیتے ہیں پھر اس کی سند کیا ہے اور اس کے راوی آخر کون لوگ ہیں؟

ادھر دوسری طرف ہمارے سامنے حضرت زید بن ارقم ؓ ہیں جو فرماتے ہیں کہ ہم دوران نماز گفتگو کر لیا کرتے تھے تا آنکہ یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: ''وقوموا لله قنتين''

اور اس میں ہمیں سکوت اختیار کرنے کا حکم دے دیا گیا اور اسی کتاب (طحاوی) میں متعدد مقامات پر اس مضمون کی دیگر روایات بھی ہم نقل کر چکے ہیں اور یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت زید بن ارقم انصاری ؓ کو نبی ﷺ کا شرف صحبت مدینہ منورہ میں حاصل ہوا ہے، لہٰذا ان کی حدیث سے ثابت ہوا کہ نسخ کلام کا حکم مدینہ منورہ میں نازل ہوا ہے نہ کہ مکہ مکرمہ میں۔

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ اس نماز کے موقع پر سرے سے موجود ہی نہیں تھے (بلکہ بعد میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے سن کر انہوں نے اسے دوسری روایات کی طرح امت کے فائدے کیلئے آگے نقل کر دیا) کیونکہ ذوالیدین تو غزوۂ بدر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے، اس اعتبار سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس جملے "ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی" کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمانوں کو نماز پڑھائی اور لغت کے اعتبار سے ایسا کرنا جائز ہے۔

اس کی مثال وہ روایت ہے جو حضرت نزال بن سبرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ مجھے اور تمہیں، ہم سب کو بنوعبد مناف کہا جاتا تھا لیکن آج تم بھی بنوعبداللہ ہو اور ہم بھی بنوعبداللہ ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت نزالؓ فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا حالانکہ فرمانا تو دور کی بات، انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے اور آپ کی زیارت کا فیض حاصل کرنے کا موقع ہی نہیں ملا، اس لیئے ان کے اس جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری قوم سے فرمایا۔

نسخ کلام کے مدینہ منورہ میں ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ ہم دوران نماز سلام کا جواب پہلے دے دیا کرتے تھے لیکن بعد میں ہمیں اس سے منع کر دیا گیا، اور حضرت ابوسعید خدریؓ تو حضرت زید بن ارقمؓ سے عمر میں شاید نہیں بلکہ یقیناً کافی چھوٹے تھے، اس لئے یہ بات طے ہوگئی کہ دوران نماز گفتگو اور بات چیت کی ممانعت کا حکم مدینہ منورہ ہی میں نازل ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۱۸ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُحَيْنَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهِمُ الظُّهْرَ فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ لَمْ يَجْلِسْ فَقَامَ النَّاسُ مَعَهٗ حَتّٰى إِذَا قَضَى الصَّلَاةَ وَانْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيْمَهٗ كَبَّرَ وَهُوَ جَالِسٌ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يُسَلِّمَ ثُمَّ سَلَّمَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۹۲/۳ حديث رقم ۱۲۲٤۔ و مسلم في صحيحه ۳۹۹/۱ حديث رقم (۸۵۔۵۷۰)۔ وأبوداؤد في السنن ٦۲۵/۱ حديث رقم ۱۰۳٤۔ والترمذي في السنن ۲۳۵/۲ حديث رقم ۳۹۱۔ والنسائي ۱۹/۳ حديث رقم ۱۲۲۲۔ والدارمي ٤۲۱/۱ حديث رقم ۱٤۹۹۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بحینہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ظہر کی نماز پڑھائی اور پہلی دو رکعتیں پڑھ کر پہلا قعدہ کیے بغیر کھڑے ہو گئے۔ دوسرے لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ جب نماز پڑھ چکے اور لوگ سلام پھیرنے کے منتظر تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھے بیٹھے تکبیر کہی اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کیے اور اس کے بعد سلام پھیرا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث میں قبل السلام سجدۂ سہو کا ذکر ہے جو کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کی دلیل ہے لیکن بعض دوسری روایات "جو ایک دوسرے کی تائید و تقویت بھی کرتی ہیں" میں بعد السلام سجدۂ سہو کا تذکرہ آتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی بعد السلام سجدۂ سہو کا ثبوت ملتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ زیر بحث حدیث منسوخ ہے۔

گو کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہاں بھی جواب دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ہے کہ بعد السلام سجدۂ سہو کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد تھا لیکن یہ جواب انتہائی کمزور اور بودا ہے (کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد بھی تو ہمارے لئے حجت ہے)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور سجدے کے بارے میں یہ تاویل کرنا کہ یہ سجدۂ سہو تھوڑی تھا، یہ تو نماز کا سجدہ تھا، گو کہ ہمارے بھی بعض علماء اس کے قائل ہوئے ہیں لیکن یہ دور از کار بات ہے اور نہ ہی یہاں اس تاویل کی کوئی ضرورت ہے اور اس سے بھی زیادہ بعید وہ قول ہے جس کے مطابق نبی ﷺ نے یہ سجدہ ہی سہواً اور بھولے سے کیا تھا۔

اگر امام سجدۂ سہو چھوڑ دے:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر امام سجدۂ سہو نہ کر سکے اور بھولے سے یوں ہی سلام پھیر دے تو مقتدی بھی اس کی اتباع کرتے ہوئے سجدۂ سہو چھوڑ دیں گے۔ یہی امام مالک رحمہ اللہ اور دیگر حضرات کا مذہب ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وغیرہ اس میں اختلاف رائے رکھتے ہیں، ہماری تحقیق کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہی واضح ہے کیونکہ ان حضرات کے پاس اپنے مذہب کے اثبات کیلئے کوئی دلیل نہیں اور اصل عدم مخالفت ہے۔

الفصل الثّانی:

سجدہ سہو کے بعد تشہد کا حکم

۱۰۱۹: عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰی بِهِمْ فَسَهَا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ تَشَهَّدَ ثُمَّ سَلَّمَ ۔ (رواه الترمذی وقال هذا حديث حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

أخرجه الترمذی ۲/ ۲٤۰ حديث رقم ۳۹۵۔ فی المخطوطة "روايته"۔ "فی المخطوطة يؤثر" فی المخطوطة "ولذ"۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن لوگوں کو نماز پڑھائی اور آپ کو سہو ہو گیا پھر آپ نے دو سجدے کیے اس کے بعد تشہد پڑھی اور سلام پھیر دیا۔ (ترمذی) اور کہا ہے یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: اس حدیث میں قبل السلام، سجدۂ سہو کا ذکر ہے جس پر حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زیادتِ تشہد میں اس حدیث کے راوی متفرد ہیں۔ اور دوسرے راویوں کے مخالف بھی ہیں، جو کہ ان سے زیادہ حافظ و متقن ہیں اس لئے یہ روایت ان کی روایت کے مرتبے تک نہیں پہنچتی۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اصولیین کے یہاں یہ مسلمہ ضابطہ اور اصول ہے کہ زیادت ثقہ مقبول ہوتی ہے، دوسری روایات میں تشہد سے نفیاً یا اثباتاً کسی طرح بھی تعرض نہیں کیا گیا، مثبت کو نافی پر ترجیح ہوتی ہے اور حافظ کو غیر حافظ پر حجت قرار دیا جاتا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی اس روایت کی تخریج کی ہے تاہم اس کے رفع اور وقف کا اختلاف قبولِ حدیث کیلئے کچھ مضر نہیں کیونکہ اس نوعیت کی موقوف روایات بھی حکماً مرفوع ہی ہوتی ہیں، اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ متاخرین شوافع کی ایک جماعت کا یہ کہنا ہے کہ اصح قول کے مطابق سجدۂ سہو کے بعد تشہد کا دوبارہ پڑھنا مندوب و مستحب ہے، بلکہ ایک شافعی بزرگ امام ابوحامد رحمہ اللہ نے تو اس پر شوافع کا اجماع و اتفاق نقل کیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علماء کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا اس حدیث کے متعلق غرابت کا دعویٰ کچھ موثر نہیں، کیونکہ غرابت کی وجہ سے حدیث زیادہ سے زیادہ ضعیف ہو جائے گی اور اس بات پر تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ فضائل اعمال کے سلسلے میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کیا جا سکتا ہے۔

بلکہ ہم تو اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ اصول حدیث کے مطابق غرابت تو صحت وحسن حدیث کے بھی منافی نہیں ہے، اسی وجہ سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بعض اوقات ایک ہی حدیث پر ''حسن غریب'' کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں، معلوم ہوا کہ اسے ضعیف قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس نکتے سے غافل رہے اسلئے انہوں نے اپنے ہی اصحاب واحباب کی رائے کی تردید کر دی، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ فضائل اعمال کے سلسلے میں بھی ضعیف حدیث پر اسی وقت عمل کیا جائے گا جبکہ وہ کسی صحیح حدیث کے معارض نہ ہو، حالانکہ غور طلب بات یہ ہے کہ یہاں تو کوئی ضعیف حدیث بھی اس حدیث کے معارض موجود نہیں ہے، چہ جائیکہ کوئی صحیح حدیث اس کے معارض ہو، اسی وجہ سے شوافع کی ایک جماعت نے بھی اس کی وضاحت کی ہے کہ تشہد کا قول پرانا ہے اور اس کی بنیاد یہ نکتہ ہے کہ سجدۂ سہو کا محل بعد السلام ہے۔

پہلا قعدہ چھوٹنے کا حکم

۱۰۲۰: وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ ابْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَامَ الْاِمَامُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ فَاِنْ ذَكَرَ قَبْلَ اَنْ يَّسْتَوِيَ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ وَاِنِ اسْتَوٰى قَائِمًا فَلَا يَجْلِسْ وَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ۔

(رواہ ابوداود وابن ماجة)

أخرجه أبوداوٗد ۱/ ۶۲۹ ۱۰۳۶۔ وابن ماجه في السنن ۱/ ۳۸۱ حديث رقم ۳۹۵۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب امام دو رکعت پڑھ کر کھڑا ہو جائے تو اگر سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے یاد آ جائے تو اسے چاہئے کہ وہ بیٹھ جائے اور اگر وہ سیدھا کھڑا ہو تو اب وہ نہ بیٹھے اور آخر میں سجدہ سہو کر لے۔ (ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

تشریح: اگر امام دو رکعتیں پڑھنے کے بعد بھولے سے کھڑا ہو جائے اور سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے یاد آ جائے تو اسے بیٹھ جانا چاہیے یہ بات کہ اس پر سجدۂ سہو بھی واجب ہوگا یا نہیں؟ سو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، اصح قول یہی ہے کہ اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا کیونکہ یہ عمل، قیام میں شمار نہیں ہوگا بلکہ اسے ''قعود'' ہی سمجھا جائے گا۔ کذا فی شرح المنیہ۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے ظاہری الفاظ ''ویسجد سجدتی السھو'' قسم ثانی کے ساتھ خاص ہیں، اس لئے یہاں سجدۂ سہو نہیں ہوگا گو کہ وہ قیام کے قریب ہی ہو، ہمارے جمہور فقہاء کے نزدیک یہی قول زیادہ صحیح ہے اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی متعدد کتب میں اس کی تصحیح کی ہے اور دلیل میں یہ حدیث پیش فرمائی ہے۔

''لا سھو فی وثبة من الصلوٰة الاقیام عن جلوس او جلوس عن قیام''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اگر کوئی شخص تیسری رکعت پر بھولے سے مکمل کھڑا ہو گیا تو اب نہ بیٹھے بلکہ بعد میں سجدۂ سہو کر لے، سجدۂ سہو کا یہ وجوب اس بنیاد پر ہے کہ وہ ترک واجب یعنی قعدۂ اولی کو چھوڑنے کا مرتکب ہوا ہے، اگر تیسری رکعت کیلئے سیدھا کھڑا ہو چکنے کے بعد وہ بیٹھ گیا تو اصح قول کے مطابق اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ فرض کو شروع کرنے کے بعد اسے نامکمل چھوڑ دینے کی وجہ سے جنایت کامل ہوگئی اور فرض کی تکمیل نہ کرنا ایک ایسے کام کی وجہ سے ہوا ہے جو فرض نہیں ہے اس لئے اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی۔

اگر کوئی شخص چار رکعت والی نماز میں پانچویں رکعت کیلئے بھولے سے کھڑا ہو گیا، یا تیسری رکعت میں سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد بیٹھ گیا، یا نماز مغرب میں چوتھی رکعت کیلئے کھڑا ہو گیا، یا فجر میں تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہو گیا، یا کسی بھی نماز میں پہلی رکعت کے سجدے سے سر اٹھانے کے بعد بیٹھ گیا، ان تمام صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ کذا فی شرح المنیہ۔

الفصل الثالث:

۱۰۲۱: عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْعَصْرَ وَسَلَّمَ فِيْ ثَلَاثِ رَكْعَاتٍ ثُمَّ دَخَلَ مَنْزِلَهٗ فَقَامَ اِلَيْهِ رَجُلٌ يُّقَالُ لَهُ الْخِرْبَاقُ وَكَانَ فِيْ يَدَيْهِ طُوْلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ لَهٗ صَنِيْعَهٗ فَخَرَجَ غَضْبَانَ يَجُرُّ رِدَاءَهٗ حَتّٰى انْتَهٰى اِلَى النَّاسِ فَقَالَ اَصَدَقَ هٰذَا قَالُوْا نَعَمْ فَصَلّٰى رَكْعَةً ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/ ۴۰۴ حديث رقم (۱۰۱۔۵۷۴) وابن ماجه ۱/ ۳۸۴ حديث رقم ۱۲۱۵۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی اور تین رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا اور گھر میں تشریف لے گئے ایک آدمی کھڑا ہوا جس کو خرباق کہا جاتا تھا اور اس کے ہاتھ بھی کچھ لمبے تھے اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول پھر انہوں نے پورا واقعہ بیان کیا رسول اللہ ﷺ غصہ کی حالت میں اپنی چادر مبارک کھینچتے ہوئے باہر نکل گئے اور لوگوں کے پاس پہنچ گئے اور فرمایا کہ کیا ذوالیدین ٹھیک کہہ رہے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا جی ہاں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ایک رکعت اور پڑھا دی پھر سلام پھیرا اور آخر میں سجدہ سہو کیا پھر سلام پھیر کر نماز کو مکمل کر دیا۔ (مسلم)

تشریح: حضرت عمران بن حصینؓ کی یہ وہی روایت ہے جس کا حوالہ عنقریب گذر چکا ہے، اس حدیث میں بھولے سے استقبال قبلہ کی کیفیت بھی برقرار نہیں رہ سکتی، اور کثرت مشی بھی لازم آئی جو کہ ہمارے نزدیک مبطل صلوٰۃ ہے، اس لئے ہماری تحقیق کے مطابق اس حدیث کو بھی ''کلام فی الصلوٰۃ'' کی طرح منسوخ قرار دیا جائے گا۔

اس کے بعد حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے ذوالیدین کے نام ولقب پر وہی تحقیق رقم فرمائی ہے جو عنقریب گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر نماز میں شک ہو جائے تو کیا کرے

۱۰۲۲: وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى صَلَاةً يَشُكُّ فِي النُّقْصَانِ فَلْيُصَلِّ حَتّٰى يَشُكَّ فِي الزِّيَادَةِ ۔ (رواه احمد)

أخرجه أحمد في المسند ١/١٩٥۔ في المخطوطة "شروطه"۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے کمی کا شک ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ اور نماز پڑھ لے تاکہ زیادتی کا شک ہو جائے۔ (احمد)

بَابُ سُجُوْدِ الْقُرْاٰنِ

قرآن کریم کے سجدوں کا بیان

اس باب میں سجدۂ تلاوت کے احکام بیان کئے جائیں گے، یہ ایک ہی سجدہ ہوتا ہے جس میں نیت بھی ہوتی ہے اور دو تکبیروں کے درمیان گھرا ہوا ہوتا ہے، اس میں شرائط بھی وہی ہیں جو نماز کی شرائط ہیں، البتہ اس میں ہاتھ اٹھانے، قیام، تشہد اور سلام کی ضرورت نہیں ہوتی، آیت سجدہ کی تلاوت پر قاری اور سامع دونوں پر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے گو کہ متوجہ ہو کر آیت سجدہ نہ بھی سنی ہو، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کی یہی رائے ہے، جبکہ دوسرے حضرات کی رائے یہ ہے کہ قاری اور مستمع پر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے، فقط سامع پر نہیں، صرف سماع کی صورت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے اور شوافع کے یہاں دونوں طرح کے قول ملتے ہیں، تاہم اصح قول کے مطابق ''روضہ'' میں استحباب ہی نقل کیا گیا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں قاضی عیاض کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ علماء کرام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر عالم اور متعلم کوئی آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو کیا حکم ہے؟ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ پہلی مرتبہ آیت سجدہ تلاوت کرنے پر تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا، اس کے بعد نہیں۔ اور بعض حضرات کی رائے کے مطابق سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا جبکہ ہمارے نزدیک سجدوں میں تداخل ہوگا بشرطیکہ قراءت ایک ہی مجلس میں ہو، خواہ پہلے سجدہ کیا ہو یا آخر میں کر لے۔

الفصل الاول:

سورۂ نجم کا سجدہ

۱۰۲۳: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّجْمِ وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُوْنَ وَالْمُشْرِكُوْنَ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ ۔ (رواه البخاري)

أخرجه البخاري في صحيحه ١٤/٨ حديث رقم ٤٨٦٢۔ والترمذي ٤٦٤/٢ حديث رقم ٥٧٥۔ في المخطوطة

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"نقل"۔ في المخطوطة "رواه"۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں مشرکوں اور جنوں اور سب انسانوں نے بھی سجدہ کیا۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث کی تشریح میں "نجم" سے مراد ابن ملک نے "سورۂ نجم" لی ہے اور ہماری رائے کے مطابق "سورۂ نجم کی آیت سجدہ" ہے نیز اس حدیث میں اس بات کی بھی دلیل موجود ہے کہ مفصلات کا سجدہ بھی واجب ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ اس مسئلے میں دیگر ائمہ سے اختلاف کرتے ہیں۔

اس حدیث مبارکہ میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے، میرک کے مطابق یہ اس وقت پیش آیا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیام مکہ کے دوران مسجد حرام میں تھے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے مطابق جنات کی حاضری کی وجہ ان کے سجدے میں غرابت کا ہونا تھا اور مشرکین کے سجدے کی وجہ یہ تھی کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت پر پہنچے:۔﴿افرأيتم اللات و العزى﴾

تو شیطان نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کے دوران ہی آپ جیسی آواز بنا کر یہ شعر پڑھ دیا:

تلك الغرانيق العلى ☆ وان شفاعتهن لترتجى

اور اس شعر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت میں شامل کر دیا، مشرکین یہ سمجھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے معبودوں کی تعریف کی ہے اور ان کی شان میں توصیفی کلمات کہے ہیں اس لئے وہ بہت خوش ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آیت سجدہ پر سجدہ ریز ہونے کو دیکھ کر وہ بھی سجدے میں گر پڑے، اسی موقع کیلئے یہ آیت قرآنی نازل ہوئی:﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ [الحج : ٥٢] "اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر (اس کا یہ حال تھا کہ) جب وہ کوئی آرزو کرتا تھا تو شیطان اس کی آرزو میں (وسوسہ) ڈالتا ہے جو وسوسہ شیطان ڈالتا خدا اس کو دور کر دیتا ہے۔ پھر خدا اپنی آیتوں کو مضبوط کر دیتا ہے اور خدا علم والا اور حکمت والا ہے"۔

یہ تشریح ہی صحیح ہے اور بعض دیگر مفسرین نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ سہواً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس پر دوران قراءت یہ الفاظ جاری ہو گئے تھے، (شیطان نے نہیں پڑھے تھے) تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کے خلاف اور منافی ہے، یہ ساری تفصیل حافظ صاحب رحمہ اللہ نے تصحیح کے حوالے سے نقل کی ہے۔

ابن ملک شرح مصابیح میں اس کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک طبیعت پر مشرکین کا شریعت و توحید سے اعراض بہت گراں گذرتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم طبعی طور پر اس سے رنج محسوس فرماتے تھے، ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کی کسی مجلس میں شریک تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی علامت ظاہر فرما دیں جس سے وہ آپ کے زیادہ سے زیادہ قریب ہو سکیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہیں کہ چاہتے تھے کہ کوئی ایسی نشانی ظاہر ہو جائے جو انہیں اور زیادہ متنفر کر دے۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ نجم نازل فرمائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ انہیں پڑھ کر سنائی، تلاوت کرتے کرتے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت مبارکہ پر پہنچے:﴿افرأيتم اللات و العزى ومناة الثالثة الاخرى﴾

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو شیطان نے نبی ﷺ کی زبان پر یہ شعر جاری کروادیا:۔

''تلك الغرانيق العلى ☆ وان شفاعتهن لترتجى''

قریش یہ شعر سن کر بہت خوش ہوئے اور نبی ﷺ بدستور اپنی قراءت میں مشغول رہے، اختتام سورۃ پر جب نبی ﷺ نے سجدہ کیا تو نبی ﷺ کو دیکھ کر مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا، اور وہاں پر موجود تمام مشرکین بھی سجدہ ریز ہوگئے، اور نبی ﷺ کی زبان اقدس سے مذکورہ شعر سن کر خوش وخرم وہاں سے متفرق ہوگئے۔ اور کہنے لگے کہ آج تو محمد ﷺ نے ہمارے معبودوں کا بڑے اچھے الفاظ وانداز میں ذکر کیا ہے اسلئے جس طرح انہوں نے ہمارے معبودوں کی مدح سرائی کی ہے، ہم بھی اسی طرح ان کی موافقت کریں گے۔

اس واقعے کے تھوڑی ہی دیر کے بعد جبرئیل امین نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ سرکار! یہ آپ نے کیا کیا؟ آج آپ نے لوگوں کے سامنے وہ چیز پڑھ دی جو میں اللہ کی طرف سے آپ کے پاس نہیں لایا اور وہ کہہ دیا جو میں نے آپ سے نہ کہا تھا، یہ سن کر نبی ﷺ شدید مغموم ہوئے اور آپ ﷺ پر اللہ کا خوف چھا گیا۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ [الحج : ۵۲] ''اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر (اس کا یہ حال تھا کہ) جب وہ کوئی آرزو کرتا تھا تو شیطان اس کی آرزو میں (وسوسہ) ڈالتا ہے جو وسوسہ شیطان ڈالتا خدا اس کو دور کر دیتا ہے۔ پھر خدا اپنی آیتوں کو مضبوط کر دیتا ہے اور خدا علم والا اور حکمت والا ہے''۔

اس آیت کو سن کر قریش کہنے لگے کہ محمد ﷺ کو ہمارے معبودوں کی تعریف کرنے پر اللہ کے یہاں ندامت ہوئی اور ان کی شرارتوں میں مزید اضافہ ہوگیا، باقی جنات کا اس آیت کو سن کر سجدہ ریز ہونا اس لئے تھا کہ ان میں سے بعض مسلمان تھے اور بعض مشرک، مسلمانوں نے مسلمانوں کی دیکھا دیکھی نبی ﷺ کی موافقت کی اور مشرکوں نے مشرکوں کو دیکھ کر نبی ﷺ کی موافقت کی۔

نیز محولہ بالا آیت میں ''القی الشیطن'' کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نے وہ کلمات نبی ﷺ کی آواز جیسی آواز بنا کر ادا کر دیئے، کیونکہ شیطان کو نبی ﷺ پر غلط اور باطل چیزوں کے القاء کی قدرت نہیں دی گئی، اسی وجہ سے علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس سورت مبارکہ کے آغاز ہی میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

''وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحي يوحى''

اپنی بارگاہ میں ان کا قرب واضح کیا، انہیں اپنی عظیم نشانیوں کی زیارت کروائی، اور انہیں دیکھنے میں آپ کی آنکھوں کو کسی قسم کا دھوکہ نہیں ہوا، ان تمام چیزوں کو دیکھتے ہوئے نبی ﷺ نے بارگاہ الوہیت میں سجدۂ شکر ادا فرمایا تھا، یہ سجدۂ تلاوت نہ تھا۔

ادھر مشرکین نے جب دیکھا کہ نبی ﷺ نے ان کے معبودان باطلہ کے نام لئے ہیں تو وہ بھی نبی ﷺ کے ساتھ سجدہ ریز ہوگئے، باقی یہ جو قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے ان کے معبودان باطلہ کی تعریف کی تھی، اس لئے انہوں نے بھی سجدہ کیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا، سو یہ غلط اور باطل قول ہے جسے زندیقوں نے اپنے مذموم مقاصد کیلئے گھڑ لیا ہے۔

لیکن اس رائے پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بالاتفاق یہ سجدہ، سجدۂ شکر نہیں تھا بلکہ سجدۂ تلاوت تھا، اس لئے علت مذکورہ صحیح نہیں ہے، پھر میں نے دیکھا کہ حافظ صاحب رحمہ اللہ نے بھی اس پر اعتراض کیا ہے اور فرمایا ہے کہ پورے قرآن کریم میں اپنے اپنے مقام پر سجدے کی جو چودہ آیات ہیں، ان پر سجدہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان آیات کو ساجدین کی تعریف میں یا سجدہ سے انکار کرنے والوں کی مذمت میں، یا سجدہ کا حکم اور اس پر ترغیب دینے کیلئے لایا گیا ہے، پھر اس کا سجدۂ شکر نہ ہونا اور سجدۂ تلاوت ہونا مستزاد ہے، اس حسن موافقت پر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

یہاں یہ بات بھی آپ کے علم میں لانا ضروری ہے کہ بہت سے حضرات نے اس واقعہ کو تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا ہے مثلاً علامہ طیبی رحمہ اللہ اور قاضی بیضاوی وغیرہ، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے شرح بخاری میں اس کے ثبوت پر کافی طویل کلام کیا ہے، اور آخر میں فرمایا ہے کہ اس واقعہ کی سب سے بہترین توجیہ تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ شیطان نے یہ کلمات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی خاموشی کے لمحے میں کہہ دیئے ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں میں اس کی آواز نہ پڑی ہو، لیکن دوسرے لوگوں نے اسے سن لیا ہو۔

ہماری رائے کے مطابق بظاہر کافر ہی اصل سامعین تھے، بغوی کے بقول اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ کلمات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر سہواً جاری ہو گئے تھے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو متنبہ کر دیا گیا تھا، شیخ عطیہ" جو ہمارے استاذ اور عمدۃ المفسرین ہیں" نے اپنے امام ابوالحسن بکری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ عصمت انبیاء پر حرف گیری کا سبب نہیں بن سکتا، کیونکہ یہ بلاقصد وارد ہوا ہے جیسے مرتعش پر ارتعاشی کیفیت بلاقصد وارادہ طاری رہتی ہے۔

صاحب مدارک فرماتے ہیں کہ شیطان کا زبردستی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس پر کسی قسم کے الفاظ کو اس طرح جاری کر دینا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنے سے دور کرنے پر قادر نہ ہوں، ناممکن ہے کیونکہ شیطان تو کسی دوسرے کے متعلق یہ قدرت نہیں رکھتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ان عبادی لیس لك علیهم سلطن"

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اسے یہ قدرت کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ نیز سہواً یا غفلت کی بناء پر شیطان کو اس پر قدرت رکھنے کا قول بھی بالکل مردود اور باطل ہے، کیونکہ اس طرح کی غفلت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر طاری نہیں ہو سکتی۔ بالخصوص جبکہ آپ پر تبلیغ وحی کی ذمہ داری بھی ہو، اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ جائز ہو جائے تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بھی بات پر اعتماد نہیں کیا جا سکے گا۔

اس کے بعد صاحب مدارک نے علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ تاویل کو ہی مختار قرار دیا ہے اور کچھ آگے چل کر فرمایا ہے کہ شیطان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کلام کرتا بھی تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام مبارک سنتا بھی تھا، چنانچہ مروی ہے کہ شیطان نے غزوہ احد کے موقع پر آواز لگائی:

"الا ان محمد قد قتل"

اور غزوۂ بدر کے موقع پر کہا تھا: "لا غالب لكم الیوم من الناس"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۃ الانشقاق اور علق میں سجدہ

۱۰۲۴: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَجَدْنَا مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فِیْ اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ وَاقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ ۔

(رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۴۰۶ حدیث رقم (۱۰۷۔۵۷۸)۔ الترمذی ۲/۴۶۲ حدیث رقم ۵۷۳۔ والنسائی ۲/۱۶۱ حدیث رقم ۹۶۳۔ وابن ماجه ۱/۳۳۶ حدیث رقم ۱۰۵۸۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سورۂ انشقاق اور سورۂ علق میں سجدہ تلاوت کیا۔ (مسلم)

سجدہ تلاوت کے لئے صحابہ کا شوق

۱۰۲۵: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَاُ السَّجْدَةَ وَنَحْنُ عِنْدَهٗ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهٗ فَنَزْدَحِمُ حَتّٰى مَا يَجِدُ اَحَدُنَا لِجَبْهَتِهٖ مَوْضِعًا يَسْجُدُ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۵۵۷ حدیث رقم ۱۰۷۶۔ ومسلم فی صحیحه ۱/۴۰۵ حدیث رقم (۱۰۴۔۵۷۵) وأخرجه الدارمی ۱/۴۰۹ حدیث رقم ۱۴۷۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کی کوئی آیت پڑھتے اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے جب آپ سجدہ تلاوت ادا کرتے تو ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ ادا کرتے اور ہم لوگوں کا اس قدر ازدحام ہوتا کہ ہم میں سے بعض کو اپنی پیشانی زمین پر رکھنے کے لئے سجدہ کرنے کے لئے جگہ بھی نہ ملتی تھی۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: ابن ملک فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سجدۂ تلاوت کی تاکید مزید پر دلالت کرتی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے قرآن کریم کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، جب آیت سجدہ پر گذر ہوتا تو تکبیر کہتے ہوئے سجدہ ریز ہو جاتے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی سجدے میں چلے جاتے۔

حافظ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر رونق افروز ہو کر قرآن کریم کی تلاوت فرمائی، جب آیت سجدہ پر گذر ہوا تو منبر سے نیچے اتر کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کیا۔

سجدۂ تلاوت کی ادائیگی کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ آیت سجدہ تلاوت کرنے والا آگے بڑھ جائے اور سننے والے پیچھے صف بنا کر کھڑے ہو جائیں یہ حقیقی اقتداء تو نہیں ہوگی البتہ صورۃً ضرور ہوگی۔ اسی لئے یہ مستحب ہے کہ سجدے میں جانے اور اٹھنے میں امام سے مسابقت نہ کی جائے، اگر یہ اقتداء حقیقی ہوتی تو امام سے مسابقت نہ کرنا واجب ہوتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت کی مشروعیت پر تو سب علماء کا اتفاق ہے، اختلاف اس کے وجوب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہے۔ ہمارے نزدیک یہ سنت ہے، واجب نہیں اور اس کی دلیل بخاری شریف کی وہ روایت ہے جو حضرت بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہمیں سجدۂ تلاوت کا حکم دیا گیا ہے اب جو شخص سجدۂ تلاوت کرلے تب بھی صحیح ہے اور جو شخص نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، نیز بخاری شریف ہی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ منبر پر رونق افروز ہو کر سورۂ نحل کی تلاوت فرمائی، آیت سجدہ پر پہنچ کر آپؓ منبر سے نیچے اترے، خود بھی سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔ اگلے جمعے آپؓ نے پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی، لوگ سجدہ کرنے کیلئے تیار ہونے لگے تو فرمایا کہ اطمینان سے بیٹھے رہو، اللہ نے ہم پر اسے فرض نہیں کیا، ہاں! اگر ہم چاہیں تو ہماری مرضی ہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ بخاری شریف کی مذکورہ دونوں روایتیں موقوف ہیں، نیز یہ دونوں روایتیں ان حضرات کے اجتہاد پر مبنی ہیں یا یہ مراد ہے کہ سجدۂ تلاوت علی الفور واجب نہیں ہے۔

متوجہ ہو کر سننے والے پر سجدۂ تلاوت کی تاکید بھی زیادہ ہے اور اس کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمانؓ کی وہ صحیح روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

''السجدة على من استمع''

اسی طرح حضرت ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے:

''السجدة على من جلس لها''

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت کو علی الفور ادا کرنے کی تاکید وارد ہوئی ہے کیونکہ تاخیر سے اس کی مخالفت کا ایک مذموم پہلو ظاہر ہوتا ہے۔ بالخصوص جبکہ قاری بھی سجدہ کرے یا حاضرین وسامعین بھی اس کے ساتھ سجدے میں شریک ہوں۔ واللہ اعلم۔

سورۂ نجم کے سجدہ کا حکم

۱۰۲۶: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَرَأْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَالنَّجْمِ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيْهَا ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٥٥٤ حديث رقم ١٠٧٢۔ ومسلم ١/٤٠٦ حديث رقم(١٠٦۔٥٧٧)۔ وأبو داوٗد ٢/١٢١ حديث رقم ١٤٠٤۔ والترمذي في السنن ٢/٤٦٩ حديث رقم ٥٧٦۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورۂ نجم کی تلاوت کی اور آپ نے اس میں سجدہ تلاوت نہیں کیا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث مبارکہ میں سورۂ نجم کی آیت سجدہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدۂ تلاوت نہ کرنے کی وجہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بیانِ جواز ذکر فرماتے ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ مفصلات میں سجدۂ تلاوت ہے ہی نہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ حضرت زید بن ثابت کا بوقت قراءت سجدہ نہ کرنا ہے (چونکہ وہ قاری تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سامع، چونکہ انہوں نے فوراً سجدہ نہیں کیا اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فوراً سجدہ نہیں کیا)۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم باوضو نہ تھے، یا وہ مکروہ وقت تھا، یا بعض اوقات سجدہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنا اور بعض اوقات نہ کرنا فرضیت کے وہم کو ختم کرنے کیلئے تھا، نیز یہ کہ سجدۂ تلاوت کا وجوب علی الفور نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابوداؤد کا یہ فرمانا باعث تعجب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ تلاوت اس لئے نہیں کیا کہ امام تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے یعنی قاری وہ تھے، انہوں نے سجدہ نہیں کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تبعاً نہیں کیا۔ جس کی بنیاد یہ اصول ہے کہ سامع کا سجدۂ تلاوت' قاری کے سجدے پر موقوف ہے، حالانکہ ترکِ سجدہ کا یہ سبب پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچ سکا اور ثبوت فعل کے ساتھ ترکِ فعل نسخ کا تقاضا نہیں کرتا، گوکہ اس کا مؤخر ہونے کا بھی علم ہو، اور اسی سے حفاظ وقراء کا یہ اصول بھی ٹوٹ جاتا ہے کہ اگر شاگرد استاد کے سامنے تلاوت کررہا ہو اور آیت سجدہ آنے پر شاگرد سجدہ نہ کرے تو استاد بھی سجدہ نہ کرے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ نقل صحیح نہیں ہے۔ اسی وجہ سے امام شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ان لوگوں کی بات صحیح ہو تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کی حدیث ان کی دلیل بنے گی، باقی علامہ نووی رحمہ اللہ نے جو اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ مفسر کیلئے سجدۂ تلاوت ضروری طور پر مسنون نہیں، تو اسے اس صورت پر محمول کرنا چاہیے جبکہ اس نے قراءت کا ارادہ نہ کیا ہو۔ تاہم یہ بہت بعید ہے۔ قول اقرب یہ ہے کہ اگر وہ قرآن کے الفاظ نہ پڑھے بلکہ اس کا مفہوم دوسرے الفاظ میں بیان کردے تو اس پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ،بصورتِ دیگر واجب ہے۔

سورۂ ص کا سجدہ

۱۰۲۷ :وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجْدَةُ صٓ لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُوْدِ وَقَدْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِيْهَا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ سورۂ ص کا سجدہ ضروری سجدوں میں سے نہیں ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ ص میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

تشریح: عزیمت کا لغوی معنی ہے دل کا کسی چیز پر مضبوطی کے ساتھ جم جانا اور اصطلاح میں فقہاءِ عزیمت اس حکم کو کہتے ہیں جو اصالۃً ثابت ہو جیسے پانچوں نمازوں کا وجوب اور حرمت زنا وغیرہ، اور اس اصطلاح کا استعمال سنت کی نسبت فرائض میں زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ سورۂ صٓ کا سجدہ واجب ہے، فرض نہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ سجدۂ ہائے تلاوت سنت ہیں اس لئے ان کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ سجدۂ تلاوت نہیں، بلکہ سجدۂ شکر ہے۔

۱۰۲۸ :وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ مُجَاهِدٌ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ اَاَسْجُدُ فِيْ صٓ فَقَرَأَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمَانَ حَتّٰى اَتٰى فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ فَقَالَ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ اُمِرَ اَنْ يَقْتَدِيَ بِهِمْ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٥٥٢ حديث رقم ١٠٦٩ ـ والترمذي في السنن ٢/٤٦٩ حديث رقم ٥٧٧ ـ والدارمي في السنن ١/٤٠٧ حديث رقم ١٤٦٧ ـ

ترجمہ: اور ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ کیا میں سورۂ ص میں سجدہ کروں اس کے بعد حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی: وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ سے فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ تک کہ نبی (ﷺ) بھی ان لوگوں میں سے ہیں جن کو پہلے انبیاء کی اتباع کا حکم تھا۔

(بخاری)

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کو ان انبیاء کرام کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے جن میں منجملہ دوسرے حضرات کے حضرت داؤد علیہ السلام بھی تھے، تاکہ ان انبیاء کرام علیہم السلام کے متفرق اخلاق آپ ﷺ کی ذات والاصفات میں اکٹھے ہو جائیں، چونکہ حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوئے تھے اسلئے آپ کو بطریق اولیٰ ان کی اقتداء کرنی چاہیے، چنانچہ نبی ﷺ نے ایسا ہی کیا اور اس آیت پر پہنچ کر سجدہ ریز ہو گئے جو سورۂ ص میں محلِ سجدہ ہے۔ یاد رہے کہ یہ حدیث اپنے اطلاق کی وجہ سے نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں کو شامل ہے۔

الفصل الثّانی:

قرآن کریم میں پندرہ سجدے ہیں

۱۰۲۹: عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ اَقْرَاَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسَ عَشَرَةَ سَجْدَةً فِي الْقُرْاٰنِ مِنْهَا ثَلَاثٌ فِي الْمُفَصَّلِ وَفِيْ سُوْرَةِ الْحَجِّ سَجْدَتَيْنِ ۔ (رواه ابوداود وابن ماجة)

أخرجه أبوداوٗد في السنن۲/ ۱۲۰حديث رقم ۱۴۰۱۔وابن ماجه ۱/ ۳۳۵حديث رقم ۱۰۵۷۔ في المخطوطة "أبي عبدالحق"۔وفي فتح القدير عبدالحق [۱/ ۴۶۵]۔

ترجمہ: حضرت عمرو ابن عاص سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائے ہیں اور ان میں سے تین سجدے مفصلات کی سورتوں میں سے ہیں اور دو سجدے سورۂ حج میں سے ہیں۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث مبارکہ میں پورے قرآن کریم کے اندر پندرہ سجدوں کا ذکر کیا گیا ہے، علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول امام احمد اور ابن مبارک کی دلیل یہی حدیث ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس میں سے سورۂ ص کا سجدہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سورۂ حج کا دوسرا سجدہ خارج کر کے سجدوں کی تعداد چودہ بتاتے ہیں، جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مفصلات کے سجدوں کو خارج کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے سبیعی تابعی سے نقل کیا ہے کہ میں نے ستر سال تک لوگوں کو سورۂ ص کا سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، تو یہ قول سورۂ حج کے دوسرے سجدے کے عدم وجوب کے منافی نہیں ہے۔ مفصلات کے ان تین سجدوں دو سورۂ حج کے اس سجدے کے علاوہ باقی سجدوں کی تفصیل یہ ہے۔

① سورۂ اعراف کی آخری آیت میں۔

② سورۂ رعد میں "الآصال" پر

③ سورۂ نحل میں "یؤمرون" پر اور "یستکبرون" والا قول نہایت بعید ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

④ سورۂ اسراء میں ’’خشوعا‘‘ پر۔

⑤ سورۂ مریم میں ’’بکیا‘‘ پر۔

⑥ سورۂ فرمان میں ’’نفورا‘‘ پر۔

⑦ سورۂ نمل میں ’’عظیم‘‘ پر یا ’’یعلنون‘‘ پر، لیکن یہ دوسرا قول بعید ہے۔

⑧ سورۂ سجدہ میں ’’یستکبرون‘‘ پر۔

⑨ سورۂ فصلت ’حم السجدہ میں ’’یسأمون‘‘ پر، یا ’’یعبدون‘‘ پر۔

آیات سجدہ کی تعداد میں اختلاف:

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیات سجدہ کی تعداد میں علماء کرام کا اختلاف ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ آیات سجدہ کی تعداد پندرہ قرار دیتے ہیں۔ اور دلیل میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی زیر بحث حدیث پیش فرماتے ہیں اور سورۂ ص کا سجدہ بھی ان میں شامل کرتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیات سجدہ چودہ ہیں، جن میں سورۂ حج کے دو اور مفصلات کے تین سجدے بھی شامل ہیں لیکن سورۂ ص کا سجدہ شامل نہیں، کیونکہ وہ سجدۂ تلاوت نہیں بلکہ سجدۂ شکر ہے جیسا کہ عنقریب اس مضمون کی حدیث آیا چاہتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ’’داؤد علیہ السلام نے یہ سجدہ توبۃً کیا تھا اور ہم یہ سجدہ شکراً کرتے ہیں‘‘۔ یعنی اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں جو اس نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ’’قبول توبہ‘‘ کی صورت میں عطاء فرمائی تھی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آیات سجدہ تو چودہ ہی ہیں لیکن وہ سورۂ حج کا دوسرا سجدہ ساقط اور سورۂ ص کا سجدہ ثابت کرتے ہیں جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ آیات سجدہ گیارہ قرار دیتے ہیں اور سورۂ ص اور مفصلات کے سجدوں کو ساقط قرار دیتے ہیں ، اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول قدیم ہے اور اس کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی وہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مفصلات میں سے کسی ایک مقام پر بھی سجدہ نہیں کیا۔

فائدہ: احقر مترجم عرض گذار ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق آیات سجدہ کی تعداد گیارہ اس وقت قرار پاتی ہے جب اصل تعداد پندرہ ہو۔ اس میں سے چار کو منہا کر لیا جائے اور باقی گیارہ کو تسلیم کر لیا جائے۔ ان چار میں سے ایک تو سورۂ ص کا سجدہ ہو گیا اور تین مفصلات کے۔ لیکن اگر آیات سجدہ کی تعداد چودہ ہو جیسا کہ مشہور عند الجمہور یہی ہے تو پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق آیات سجدہ کی تعداد دس رہ جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

آیات سجدہ کی تعداد میں اس اختلاف کے باوجود اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ان آیات پر سجدہ کرنا ضروری ہے خواہ فرائض میں تلاوت کی ہو یا نفل میں اور بعض حضرات کی رائے یہ بھی ہے کہ وہ آیات سجدہ جو کسی سورت کے اختتام پر واقع ہیں، ان میں رکوع کر لینا سجدۂ تلاوت کی طرف سے کافی ہو سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا بھی یہی قول ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اس اجمال کی تفصیل شرح منیہ کے حوالے سے اس طرح ہے کہ ہر وہ سجدۂ تلاوت جو نماز میں واجب ہوا ہو، اور نمازی رکوع کر کے اسی میں سجدے کی بھی نیت کر لے۔ یا رکوع میں نیت نہ کر سکے اور نماز کا سجدہ کرنے لگے تو اس سے واجب سجدہ کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادائیگی ساقط ہوگئی اور نماز کا فرض سجدہ ہی اس کی طرف سے کافی ہو جائے گی لیکن اس کی ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ آیت سجدہ کے بعد اس نے تین آیات کی تلاوت نہ کی ہو، اگر اس نے آیت سجدہ کے بعد تین آیات کی تلاوت کر لی تو اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے اور اگر آیت سجدہ کے بعد تین سے زیادہ آیات پڑھ لی ہوں، تو پھر رکوع یا سجدۂ نماز سے سجدۂ تلاوت نہیں ہوگا بلکہ الگ سے قصداً ورادۃً اسے ادا کرنا ضروری ہوگا، نیز یاد رہے کہ دوران نماز واجب ہونے والے سجدۂ تلاوت کو خارج از نماز ادا نہیں کیا جا سکتا۔

دو سجدوں کی وجہ سے سورۂ حج کی فضیلت

۱۰۳۰: وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فُضِّلَتْ سُوْرَةُ الْحَجِّ بِاَنَّ فِيْهَا سَجْدَتَيْنِ قَالَ نَعَمْ وَمَنْ لَّمْ يَسْجُدْهُمَا فَلَا يَقْرَأْ هُمَا۔ رواه ابوداود والترمذی وقَالَ هٰذا حديث لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ وَفِي الْمَصَابِيْحِ فَلَا يَقْرَأْهَا كَمَا فِيْ شَرْحِ السنة۔ (رواه ابوداود والترمذی)

أخرجه أبو داوٗد ۲/ ۱۲۰ حديث رقم ۱٤۰۲۔ والترمذی ۲/ ٤۷۰ حديث رقم ۵۷۸۔ في المخطوطة "بها"

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ سورۂ حج کو اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں آپ نے فرمایا ہاں جو انسان ان دونوں سجدوں کو نہ کرے وہ ان دونوں سجدوں کی آیتوں کو تلاوت نہ کرے۔ (ابوداود۔ ترمذی) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند مضبوط نہیں ہے اور مصابیح میں فَلَا يَقْرَأْ هُمَا کے بجائے فَلَا يَقْرَأْهَا کے الفاظ ہیں جیسے شرح السنہ میں ذکر کیا گیا ہے مطلب یہ ہوگا کہ وہ آدمی اس سورت کو نہ پڑھے۔

تشریح: اس حدیث میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ جو شخص سورۂ حج میں موجود آیات سجدہ پر سجدہ نہ کر سکے، وہ ان آیات کی تلاوت ہی نہ کرے تاکہ ترک سجدہ کا گناہ نہ رہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت بہر حال واجب ہے۔

''قوله فلا يقرأهما'' اس حدیث میں تو یہ لفظ اسی طرح آیا ہے لیکن صحیح نسخہ ''فلم يقرأهما'' ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب وہ ان آیاتِ سجدہ پر پہنچ کر تعمیل حکم کی خاطر سجدہ نہیں کرتا تو گویا اس نے ان آیات کی تلاوت ہی نہیں کی، اور ''مصابیح'' میں یہ مفرد کی ضمیر کے ساتھ ''فلا يقرأها'' آیا ہے اس صورت میں ضمیر کا مرجع ''سورة'' ہوگی۔ اور ابن حجر کے بقول اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے آیتِ سجدہ پر سجدہ نہ کر کے ایسا عمل کیا ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی سورت کامل نہیں قرار پا سکتی۔

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصابیح کے نسخوں میں یہ لفظ ہم نے بھی اسی طرح مفرد کی ضمیرِ غائب کے ساتھ پایا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ صحیح اور درست تثنیہ کی ضمیر کے ساتھ ''فلا يقرأهما'' ہی ہے اور اس ضمیر کا مرجع ''سجدتین'' ہے جیسا کہ ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ کتبِ حدیث میں ہمیں ملتا ہے۔

اور اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت کو تلاوت کرنے والے کے حق میں صرف اس کی تلاوت کی وجہ سے مشروع کیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا ہے۔اس لئے سجدۂ تلاوت حقِ تلاوت ہے، اب اگر کوئی شخص اس حق تلاوت کو ہی ضائع کر دینے کے درپے ہو تو اس کیلئے بہتر یہی ہے کہ وہ آیت سجدہ کی تلاوت ہی نہ کرے، کیونکہ اگر سجدۂ تلاوت واجب ہو جیسا کہ ہمارا مذہب ہے تو ترک واجب کی وجہ سے وہ گنہگار ہوگا، اور اگر سنت ہو جیسا کہ دوسرے ائمہ فرماتے ہیں تو اس میں سستی اور غفلت کا نقصان ہوگا۔ ''کذا ذکرہ الطیبی''۔

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورۂ حج کا دوسرا سجدہ نماز کیلئے ہے، سجدۂ تلاوت نہیں ہے، کیونکہ اس آیت میں صرف سجدہ کا حکم نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ رکوع کا بھی حکم ملا ہوا ہے، اور تلاش و تتبع سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی مثالوں میں قرآن کریم کا اسلوب بیانِ امر اور بیانِ رکن کا ہوتا ہے جیسے ذیل کی آیت میں ہے۔

''واسجدی وارکعی مع الراکعین''۔

سند حدیث پر ایک نظر:

زیر بحث حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے سند کے اعتبار سے ''لیس بالقوی'' قرار دیا ہے، میرک کے بقول جس کی وجہ عبداللہ بن لہیعہ اور شرح بن ہامان کا اس کی سند میں ہونا ہے کیونکہ یہ دونوں متکلم فیہ راوی ہیں۔لیکن بنیادی طور پر یہ حدیث صحیح ہے اور حاکم نے اپنی مستدرک میں شیخین کی سند کے علاوہ ایک دوسرے طریق سے اس کی تخریج و تصحیح بھی کی ہے اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی اس تصحیح کو بھی برقرار رکھا ہے۔

امام ابوداؤد نے بھی اپنی مراسیل میں اسے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث مسنداً بھی بیان کی گئی ہے لیکن صحیح نہیں ہے، امام حاکم نے امام ترمذی والی روایت ہی کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ عبداللہ بن لہیعہ یوں تو ائمہ حدیث میں شمار ہوتے ہیں۔بس آخری عمر میں انہیں اختلاط کی بیماری لاحق ہوگئی تھی اور چونکہ یہ حدیث کے ضعیف ہونے کی ایک وجہ وجیہہ ہے اس لئے محدثین ان کی روایت کو زیادہ ترجیح نہیں دیتے۔

اس موضوع سے متعلق فیصلہ کن حدیث وہ ہے جو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے سورۂ حج کی آیات سجدہ سے متعلق نقل فرمائی ہے کہ سورۂ حج کا پہلا سجدہ تو لازمی اور یقینی ہے اور دوسرا سجدہ تعلیمی ہے، یہی ہمارا مذہب ہے اور یہی ہماری دلیل ہے۔

سجدۂ تلاوت نماز میں ادا کرنا

۱۰۳۱: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِیْ صَلٰوةِ الظُّهْرِ ثُمَّ قَامَ فَرَكَعَ فَرَأَوْا اَنَّهٗ قَرَأَ تَنْزِيْلَ السَّجْدَةِ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ۱/ ۵۰۷ حدیث رقم ۸۰۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں سجدہ کیا پھر کھڑے ہوئے اور رکوع کیا لوگوں نے خیال کیا کہ شاید آپ نے سورۂ الٓم تنزیل پڑھی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح: اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ابن ملک فرماتے ہیں کہ جب نبی ﷺ سجدۂ تلاوت فرما چکے اور کھڑے ہوگئے تو سورت کا بقیہ حصہ مکمل کئے بغیر ہی رکوع میں چلے گئے، البتہ مسئلہ کے طور پر معلوم رہے کہ سجدۂ تلاوت کے بعد قیام میں مزید قراءت کی جاسکتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ ہم تو اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت کے بعد قیام میں مزید قراءت کرنا افضل ہے، ممکن ہے کہ نبی ﷺ نے طوالت نماز کی وجہ سے ایسا نہ کیا ہو۔ یا بیان جواز کیلئے قراءت نہ کی ہو۔ لیکن اس کے باوجود ایسی کوئی نص نہیں ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ نبی ﷺ نے سورت کے اختتامی حصہ کی قراءت نہیں فرمائی۔

اس موقع پر ہمارے مذہب کے مطابق اگرچہ رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کر لینے سے وجوب سجدہ ساقط ہوجاتا ہے اور ایسا کرنا جائز بھی ہے لیکن نبی ﷺ نے فقط رکوع پر اکتفاء اس لئے نہیں فرمایا تاکہ افضل پر عمل کرنے کو ترجیح حاصل ہوجائے۔ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اس نص صریح کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ یہاں سجدہ کرنا ہی افضل ہوتا ہے اور بدائع میں بھی یہ مسئلہ کسی قید کے بغیر مطلق ذکر کیا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک آدمی سجدۂ تلاوت بھی کرتا ہے پھر کھڑے ہونے کے بعد رکوع بھی کرتا ہے، اسے دو عبارتیں کرنے کا موقع ملتا ہے اور دہرا ثواب حاصل ہوتا ہے، لیکن اگر وہ صرف رکوع پر ہی اکتفاء کرلے تو اسے یہ فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا اور دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ سجدہ کرنے سے واجب کی ادائیگی صورۃً (یعنی دونوں طرح ہوجاتی ہے اور رکوع میں یہ ادائیگی صرف معنًی ہوتی ہے اس لئے یہ بات ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ سجدہ کرنا ہی افضل ہے۔

پھر علماء کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت کا رکوع کے ضمن میں ادا ہوجانا ''قیاس'' ہے اور رکوع کے ضمن میں ادا نہ ہونا ''استحسان'' ہے۔ قیاس کی دلیل امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں تعظیم کا معنی تو ایک ہی ہے۔ اسلئے حصول تعظیم میں تو ان کی جنس ایک ہی ہوئی، اور تعظیم خداوندی یا تو اس شخص کی اتباع میں ہوگی جو خود بھی اللہ کی تعظیم کرتا ہے یا اللہ کی تعظیم سے تکبر وانکار کرنے والے کی مخالفت میں ہوگی، دونوں صورتوں میں اسے اختیار کر لینا جائز ہے۔

اور استحسان کی دلیل یہ ہے کہ آیت سجدہ کی تلاوت پر اللہ کی تعظیم ایک مخصوص طریقے یعنی سجدے کی صورت میں واجب ہوتی ہے اسلئے اس ہی کو اختیار کرنا چاہیے۔ لیکن اس سلسلے میں قیاس پر عمل کرنا اور استحسان پر عمل نہ کرنا قوت دلیل کی وجہ سے ہے چنانچہ اس کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ان روایات سے بھی ہوتی ہے جس کے مطابق یہ دونوں حضرات سجدۂ تلاوت کی جگہ نماز میں رکوع کو بھی کافی سمجھتے تھے، اس پر مستزاد یہ کہ کسی دوسرے صحابیؓ سے اس کے خلاف ایک روایت بھی نہیں ملتی اس لئے اس پر عمل کیا جائے گا۔

یہاں اس حدیث پر متوجہ ہونے والے اس اشکال کو دور کرنا بھی ضروری ہے کہ نماز ظہر سرّی نمازوں میں سے ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو کیسے پتہ چلا کہ نبی ﷺ نے سورۂ الم السجدہ کی تلاوت کی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ بعض اوقات سری نمازوں میں بھی اپنی آواز معمولی سی بلند فرمالیتے تھے، تاکہ صحابۂ کرامؓ کو اس کی تلاوت مسنون ہونے کا علم ہوجائے ابن ملک فرماتے ہیں کہ بظاہر جن حضرات نے نبی ﷺ کی قراءت سنی تھی، یہ وہ بعض صحابۂ کرامؓ تھے جو آپ ﷺ کے قریب ہی کھڑے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر مالکیہ میں سے ہیں، اسی حدیث کی روشنی میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ وہ نماز میں سجدۂ تلاوت سے منع کرتے ہیں۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ حدیث کے ظاہری الفاظ تو اس کے مستحب ہونے پر دلالت کرتے ہیں، جواز سے بھی بڑھ کر اور یہاں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو نماز میں سجدۂ تلاوت کے ممنوع ہونے پر دلالت کرتا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ تلاوت کی آیت پڑھنے پر سجدہ تلاوت کرتے تھے

۱۰۳۲: وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ عَلَيْنَا الْقُرْاٰنَ فَاِذَا مَرَّ بِالسَّجْدَةِ كَبَّرَ وَسَجَدْنَا مَعَهٗ۔

(رواه ابو داود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۲/۱۲۵ حديث رقم ۱۴۱۳۔ والدارمي ۱/۴۳۹ حديث رقم ۱۵۵۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے قرآن کی تلاوت کرتے تھے اور جب سجدے کی آیت پر پہنچتے تو تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے پھر ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے۔ (ابوداوٗد)

تشریح: اس حدیث مبارکہ کے تحت ابن ملک فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدۂ تلاوت کے وقت صرف سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر کہتے تھے (پہلے تکبیر تحریمہ کہہ کر پھر سجدہ کیلئے تکبیر نہ کہتے تھے) اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت کرنے والا پہلے ہاتھ اٹھا کر تکبیر تحریمہ کہے پھر سجدہ کی تکبیر کہے۔

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ صاحب ہدایہ کی اس عبارت "اعتبارا بسجدة الصلوٰة" کے تحت فرماتے ہیں کہ صاحبِ ہدایہ ان دونوں تکبیروں کے مستحب اور مندوب ہونے کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں جانا اور تکبیر کہتے ہوئے سجدے سے سر اٹھانا واجب نہیں، صرف مستحب ہے، اسلئے اس میں رفع یدین بھی نہیں ہوگا کیونکہ رفع یدین تکبیر تحریمہ کے ساتھ خاص ہے اور سجدۂ تلاوت کرنے والا تکبیر تحریمہ نہیں کہتا۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اس کے علاوہ سجدۂ تلاوت کی وہی شرائط ہیں جو نماز کی شرائط ہیں۔

سجدۂ تلاوت کیلئے تکبیر کہنے کا وقت:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس سلسلے میں ایک قول تو یہ ہے کہ جھکتے ہوئے تکبیر نہ کہے بلکہ پہلے تکبیر کہے پھر جھکے، دوسرا قول یہ ہے کہ جھکتے ہوئے تکبیر کہے یعنی پہلے قول کے عکس، بعض حضرات کہتے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا قول ہی صحیح ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ سجدہ سے اٹھ کر بھی تکبیر کہنی چاہیے یا نہیں، تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق تکبیر کہنی چاہیے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق نہیں کہنی چاہیے۔ اور بظاہر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہی کا قول راجح اور معتبر ہے کیونکہ یہ بھی نماز کے سجدے کی طرح ہی ہوتا ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ بیٹھے بیٹھے سجدہ میں جانے کی بجائے کھڑے ہو کر سجدہ میں جائے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے اور گھٹنوں کے بل گر کر سجدہ ریز ہونے والوں کی جو تعریف کی گئی ہے وہ اس صورت میں زیادہ کامل طور پر پائی جاتی ہے۔اور بعض حضرات اسے مستحب نہیں سمجھتے۔

فائدہ: اس حدیث کی تخریج امام ابوداؤد نے کی ہے لیکن اس کی سند میں عبید اللہ بن عمر بن حفص العمری نام کا ایک راوی بھی ہے جس پر علماء نے کلام کیا ہے۔اس اعتبار سے اس حدیث کا درجہ کم ہو جاتا ہے لیکن امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اس کے بھائی عبداللہ بن عمر سے مقروناً بھی نقل کیا ہے اور اس حدیث کی اصل بنیاد صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے موجود بھی ہے اس لئے اس سے استدلال کرنا صحیح ہے۔ نیز حاکم نے بھی اسے اپنی مستدرک میں نقل کیا ہے اور اسے ''صحیح علی شرط الشیخین'' قرار دیا ہے۔

سجدۂ تلاوت سواری پر ادا کرنے کا حکم

۱۰۳۳: وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَعَامَ الْفَتْحِ سَجْدَةً فَسَجَدَ النَّاسُ كُلُّهُمْ مِنْهُمُ الرَّاكِبُ وَالسَّاجِدُ عَلَى الْاَرْضِ حَتّٰى اَنَّ الرَّاكِبَ لَيَسْجُدُ عَلٰى يَدِهٖ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۲/ ۱۲۵ حديث رقم ۱۴۱۱۔ في المخطوطة "مفرد"۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال سجدہ تلاوت والی آیت پڑھی اور تمام لوگوں نے آپ کے ساتھ سجدہ تلاوت ادا کیا سجدہ کرنے والوں میں سے بعض سواریوں پر تھے اور وہ اپنے ہاتھوں پر ہی سجدہ کر رہے تھے۔(ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں سجدہ سے مراد آیتِ سجدہ ہے اور وہ بھی اکیلی نہیں بلکہ ماقبل یا مابعد سے ملا کر، اور اگر کسی آیت سجدہ کی تلاوت مراد ہو تو اس کو بیان جواز پر محمول کیا جائے گا کیونکہ ہمارے نزدیک ماقبل اور مابعد کی آیات کو چھوڑ کر صرف آیت سجدہ کی تلاوت کرنا خلاف اولیٰ ہے کیونکہ اس سے آیات سجدہ کی دوسری آیات پر فضیلت کا وہم پیدا ہوتا ہے حالانکہ کلام اللہ ہونے کے اعتبار سے تو سب آیات برابر ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ جن آیات میں اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان صفات کا ذکر ہے، انہیں دوسری آیات پر ایک درجہ مزید فضیلت حاصل ہے۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت سجدہ کے ساتھ ماقبل یا مابعد سے کچھ آیات کو ملا کر پڑھنا مستحب ہے تاکہ آیت کی مراد اچھی طرح واضح ہو جائے اور سجدۂ تلاوت حق قرأت کی وجہ سے واجب ہو، صرف آیت سجدہ کی وجہ سے نہیں کیونکہ صرف سجدہ کرنے کی غرض سے آیت سجدہ کی تلاوت کرنا مستحب نہیں ہے اس لئے اس کے ساتھ کچھ آیات ملا لینی چاہئیں تاکہ اس کا ارادہ ''تلاوت'' کا سمجھا جائے، ''ایجاب سجدہ'' کا نہیں۔

اس حدیث کے آخری جملے میں ہاتھ پر سجدہ کرنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ سوار اپنے ہاتھ کو اٹھا کر اپنی پیشانی سے لگا لیتا تھا اور سمجھتا تھا کہ سجدہ ہو گیا بلکہ مراد یہ ہے کہ ہاتھ جو زین پر رکھے ہوئے تھے، انہیں وہاں سے ہٹائے بغیر سر جھکا کر ہاتھوں پر ہی سجدہ کر لیتے تھے، زمین پر نہ اترتے تھے، ابن ملک فرماتے ہیں کہ یہ جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہاتھوں پر سجدہ کرنا صحیح ہے جبکہ وہ گردن جھکا لے، یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے ہے جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اس سے اتفاق نہیں کرتے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن یہ ہمارا مشہور مذہب نہیں بلکہ اس میں کچھ تفصیل ہے، چنانچہ شرح منیہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص رش کی وجہ سے اپنی ہی ران پر سجدہ کرلے تو جائز ہے، اسی طرح اگر کوئی ایسا عذر ہو جو سجدہ میں مانع ہو تو ران کے علاوہ جسم کے کسی اور حصے پر بھی سجدہ کرنا جائز ہے، یہی راجح قول ہے اور بلا عذر ایسا کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ قول مختار یہی ہے۔ کذافی الخلاصہ۔

اور اگر کسی شخص نے اپنی ہتھیلی زمین پر رکھ کر اس پر سجدہ کرلیا تو صحیح قول کے مطابق اس کا سجدہ ادا ہو جائے گا اگرچہ بلا عذر ہی ہو، تاہم مکروہ ضرور ہوگا۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر سواری یا ایسی بیماری کی حالت میں آیت سجدہ کی تلاوت کی، جس کی موجودگی میں وہ سجدۂ تلاوت نہیں کرسکتا تو اس کیلئے اشارہ کرلینا بھی کافی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد مفصلات کی سورتوں میں سجدہ نہیں کیا

۱۰۳۴: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسْجُدْ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ مُنْذُ تَحَوَّلَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ ۔ (رواه ابو داود)

أخرجه أبو داوٗد ۲/ ۱۲۱ حديث رقم ۱۴۰۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد مفصلات کی سورتوں میں سے کسی سورت میں سجدہ ادا نہیں کیا۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث مبارکہ کے تحت حافظ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سند کے اعتبار سے اولاً تو یہ حدیث صحیح نہیں ہے لیکن اگر اسے صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو اسے بطور دلیل کے پیش نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ مروی ہے کہ ہم نے نبی ﷺ کی معیت میں سورۂ انشقاق اور سورۂ علق کی آیاتِ سجدہ پر پہنچ کر سجدہ کیا، اور یہ بات طے ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متاخر الاسلام صحابہ کرامؓ میں سے ہیں۔

ابن ملک اس کی ایک اور وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اکثر صحابہ کرامؓ کی روایات مفصلات میں سجدہ کیلئے مثبت ہیں او را ثبات قبولیت کے ہی قابل ہوتا ہے اس لئے اس کو ترجیح ہوگی، نیز صحاح میں حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے سورۂ نجم کی آیتِ سجدہ پر سجدۂ تلاوت ادا فرمایا اور صحاح کی روایات کا حسان کی روایات سے قوی ہونا ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

اور یہ آخری جواب ہماری رائے کے مطابق اس وقت ہے جبکہ ابوداؤد کی زیر بحث حدیث کو ''حسن'' کے درجے پر تسلیم کیا جائے، لیکن اگر اسے ضعیف قرار دیا جائے جیسا کہ حقیقۃً وہ ضعیف بھی ہے، تو اس سے استدلال کرنا ہی درست نہیں ہے۔ اگر یہ روایت ثابت ہوتی تو فریق مخالف سورۂ نجم کے سجدہ کو ہجرت مدینہ سے قبل پر محمول کرسکتا تھا جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے حافظ تورپشتی رحمہ اللہ کی بات اور دلیل زیادہ قوی محسوس ہوتی ہے۔

سجدۂ تلاوت کی تسبیح

۱۰۳۵: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِ الْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ۔

(رواہ ابوداود والترمذی والنسائی وقَالَ الترمذی هٰذاحدیث حسن صحیح)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۲/۱۲٦ حدیث رقم ۱٤۱٤۔والترمذی ۲/٤۷٤ حدیث رقم ۵۸۰۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو قرآن کریم کے سجدوں میں یہ تسبیح پڑھتے تھے: سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ ۔کہ میرے چہرہ نے اس ذات کو سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیا اور اپنی قوت اور قدرت سے کان اور آنکھیں بنائیں۔(ابوداود۔ترمذی۔نسائی)امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت میں بھی وہی الفاظ کہے جائیں گے جو عام نمازوں کے سجدے میں کہتے ہیں (سبحان ربی الاعلی) اور یہی اصح قول ہے لیکن بعض حضرات اس دعا کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

"سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا"

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی حالت ذکر کرتے ہوئے سجدہ میں ان کے یہ الفاظ بیان فرمائے ہیں۔

بہتر یہ ہے کہ اس اجمال میں تھوڑی سی تفصیل کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے اور وہ یہ کہ اگر آیت سجدہ نماز میں تلاوت کی ہو اور وہ نماز فرض ہو تو سجدۂ تلاوت میں بھی وہ کہے جو سجدۂ نماز میں کہتا ہے اور اگر نفل نماز ہو تو کوئی بھی منقول دعاء پڑھ لے۔ مثلاً "سجدوجهی" یا"اللهم اكتب لی" وغیرہ اور اگر آیت سجدہ نماز سے باہر تلاوت کی ہو تو پھر جو چاہے پڑھ لے۔

فائدہ: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیہقی کی روایت میں "خلقه" کے بعد "وصوره" کا لفظ بھی آیا ہے، اور حاکم کی روایت میں "وقوته" کے بعد "فتبارك الله احسن الخالقين" بھی آیا ہے اور حاکم نے اس کی تصحیح بھی کی ہے۔

سجدہ تلاوت کے وقت درخت کی دعا

۱۰۳٦:وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَيْتُنِى اللَّيْلَةَ وَاَنَا نَائِمٌ كَاَنِّىْ اُصَلِّىْ خَلْفَ شَجَرَةٍ فَسَجَدْتُّ فَسَجَدَتِ الشَّجَرَةُ لِسُجُوْدِىْ فَسَمِعْتُهَا تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِىْ بِهَا عِنْدَكَ اَجْرًا وَضَعْ عَنِّىْ بِهَا وِزْرًا وَاجْعَلْهَا لِىْ عِنْدَكَ ذُخْرًا وَتَقَبَّلْهَا مِنِّىْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَرَأَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجْدَةً ثُمَّ سَجَدَ فَسَمِعْتُهٗ وَهُوَ يَقُوْلُ مِثْلَ مَا اَخْبَرَهُ الرَّجُلُ عَنْ قَوْلِ الشَّجَرَةِ (رواه الترمذی وابنِ مَاجَة) اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ وَتَقَبَّلْهَا مِنِّىْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ وَقَالَ الترمذی هذا حديث غريب۔ (ترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵/٤۵۵ حدیث رقم ۳٤۳٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آج رات اپنے آپ کو خواب میں دیکھا ہے کہ گویا میں ایک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درخت کے نیچے نماز پڑھ رہا ہوں اور میں نے سجدہ تلاوت والی آیت پڑھی ہے اور جب میں نے سجدہ تلاوت ادا کیا تو اس درخت نے بھی میرے ساتھ سجدہ کیا اور میں نے سنا کہ وہ درخت یہ دعا پڑھتا ہے، اے اللہ میرے لئے اپنے پاس میرے اس سجدہ کا ثواب لکھ لے اور اس کی وجہ سے میرے گناہ معاف فرما اور اس سجدہ کو میرے لئے ذخیرہ بنا اپنے پاس' اور اس سجدہ کو میرے طرف سے ایسا قبول کر جیسے تو نے اپنے بندے داؤد کے سجدے کو قبول کیا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کو پڑھنے کے غرض سے اسی مجلس میں یا بعد میں سجدہ کی آیت کو تلاوت کیا اور سجدہ ادا کیا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی کلمات سنے جو اس آدمی نے درخت سے نقل کیے تھے۔ (ترمذی۔ابن ماجہ) مگر اس روایت میں وَتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ یہ الفاظ ذکر نہیں کئے اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: اس حدیث مبارک میں جس شخص کا یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے، میرکؒ کے بقول وہ حضرت ابوسعید خدریؓ ہیں جیسا کہ اسی سلسلے کی دوسری روایت میں اس کی تصریح بھی آئی ہے، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ وہ انسانی شکل میں فرشتہ آیا تھا، لیکن شیخ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے تصحیح المصابیح میں اس قول کو انتہائی بعید اور دور دراز کا قرار دیا ہے۔

كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے اس جملے میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ سورۂ صٓ کا سجدہ برائے تلاوت تھا، نہ کہ برائے شکر، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم بھی اس بات کو تسلیم کر لیتے لیکن اس کے مقابلے میں ایک صریح حدیث موجود ہے کہ یہ سجدۂ شکر ہے اس لئے ہم اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتے، لیکن حافظ صاحبؒ کی یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ سجدۂ تلاوت اور سجدۂ شکر میں منافات تو نہیں ہے کہ وہ دونوں جمع ہی نہ ہو سکیں۔

www.KitaboSunnat.com

درخت کی دعاء:

ابن ملک فرماتے ہیں کہ حدیث مبارکہ میں ذکر کی گئی دعاء کو پڑھنے والا فرشتہ بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے درخت کو قوت گویائی عطاء فرما دی ہو جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں ہوا، لیکن ہماری رائے یہ ہے کہ حدیث میں خواب کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور خواب کی حالت خیالی ہوتی ہے جو تعبیر کی تو محتاج ہوتی ہے لیکن تاویل کی محتاج نہیں ہوتی۔

قال ابن عباس: فقرأ النبی ﷺ سجدة: خواب کا واقعہ سننے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود بھی جس آیت سجدہ کی تلاوت کی، بظاہر وہ سورۂ صٓ کی آیت تھی یا سورۂ الم السجدہ کی۔ اور ایسا کرنے کی وجہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ممکن ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسعید خدریؓ کا خواب سن کر اس کے جائز اور مشروع ہونے کو بالفعل ثابت کرنا چاہا ہو جو کہ قول کی نسبت زیادہ بلیغ ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اتفاقاً ایسا ہو گیا، تب بھی اس کی مشروعیت بہر حال ثابت ہو جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ دوسرا احتمال تو بہت دور کی کہانی ہے اور پہلا احتمال خود شوافع کے اپنے اس قول کے معارض و منافی ہے کہ خارج نماز میں سجدہ کرنے کی غرض سے صرف آیت سجدہ کی تلاوت کرنا نہ مستحب ہے اور نہ مکروہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن ملک فرماتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت میں یہ دعاء پڑھنا (جس کا حدیث میں تذکرہ ہوا ہے) مسنون ہے کیونکہ نبی ﷺ سے اس کا پڑھنا ثابت ہے اور ہماری رائے کے مطابق خاص طور پر سورۂ ص میں اس کا پڑھنا مسنون ہے اور غالبًا نبی ﷺ نے ''درخت'' سے اپنی ذات اقدس مراد لی ہے اور صحابی مذکور نے اقتداء کی ہو۔ نیز یہ کہ مقتدی بہ کیلئے یہ کلمات کہنا مناسب ہے تاکہ اس کی مقتدیانہ شخصیت واہمیت برقرار رہے۔

فائدہ: اصل میں یہ ایک ذہنی خلجان کو دور کرنے کی کوشش ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ مقتدی ہیں اور نبی ﷺ مقتدیٰ بہ، جبکہ اس واقع میں حضرت ابوسعید خدریؓ مقتدیٰ بہ بن رہے ہیں اور نبی ﷺ مقتدی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے خواب میں جس درخت کو سجدہ کرتے ہوئے اور دعاء پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، درحقیقت وہ خود نبی ﷺ تھے لیکن چونکہ انہوں نے نبی ﷺ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا اور نبی ﷺ نے بالفعل بھی ایسا کر کے دکھایا تو وہ یہ سمجھے کہ ان کے سجدہ کرنے کی وجہ سے درخت بھی سجدہ ریز ہوا۔ (مترجم)۔

میرک فرماتے ہیں کہ سنن ابن ماجہ میں اس دعاء کے الفاظ یوں آئے ہیں۔

''اللهم احطط عنی بها وزرا، واكتب لی بها اجرا، واجعلها لی عندك ذخرا''۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو غریب قرار دیا ہے، لیکن امام حاکم نے اس کی تصحیح اور دیگر حضرات نے تحسین کی ہے، بالفرض اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہوتی تب بھی اس پر عمل جائز ہوتا کیونکہ اس کا تعلق فضائل سے ہے اور ہم یہ بات پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ کسی حدیث کا غریب ہونا اس کی صحت اور حسن کے منافی نہیں، چہ جائیکہ اس کے غریب ہونے سے اس کا ضعیف ہونا لازم آئے۔

الفصل الثالث:

رسول اللہ ﷺ نے سورۂ نجم کا سجدہ کیا

۱۰۳۷: عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ وَالنَّجْمِ فَسَجَدَ فِيْهَا وَسَجَدَ مَنْ كَانَ مَعَهٗ غَيْرَ اَنَّ شَيْخًا مِنْ قُرَيْشٍ اَخَذَ كَفًّا مِنْ حَصًى اَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهٗ اِلٰی جَبْهَتِهٖ وَقَالَ يَكْفِيْنِیْ هٰذَا قَالَ عَبْدُاللّٰهِ فَلَقَدْ رَاَيْتُهٗ بَعْدُ قُتِلَ كَافِرًا (متفق عليه) وزادالبخاری فی رواية وهو امية بن خلف۔

أخرجه البخاری فی صحيحه ٢/٦٤٣ حديث رقم ١٠٧٠۔ وأخرجه مسلم ١/٤٠٥ حديث رقم (١٠٥۔٥٧٦) وأبوداؤد فی السنن ٢/١٢٢ حديث رقم ١٤٠٦۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن سورۂ نجم کی تلاوت کی اور اس میں سجدہ کیا اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو لوگ موجود تھے انہوں نے بھی سجدہ کیا مگر ایک بوڑھے قریشی نے اپنی ہتھیلی میں کنکریاں یا مٹی لے کر اپنی پیشانی پر لگائی اور کہا کہ میرے لئے یہی کافی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس واقعہ کے بعد دیکھا کہ وہ شخص کفر کی حالت میں قتل کیا گیا۔ (مسلم) بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں کہ وہ بوڑھا شخص امیہ بن خلف تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح: اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کی قراءت کے وقت جتنے بھی مسلمان، مشرک، انسان اور جنات موجود تھے، نبی ﷺ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھ کر سب ہی سجدے میں گر پڑے، اور لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے (اور مہاجرین حبشہ اسی افواہ کو سن کر مکہ مکرمہ واپس لوٹ آئے)۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مؤرخین اور مفسرین جو کہتے ہیں کہ مشرکین کے اس سجدے کا سبب وہ تعریفی اور توصیفی کلمات تھے جو نبی ﷺ کی زبان پر ان کے معبودان باطلہ کے بارے میں جاری ہو گئے تھے، سو یہ قصہ باطل ہے جو نہ نقلاً صحیح ہے اور نہ عقلاً، کیونکہ اللہ کے علاوہ کسی بھی باطل معبود کی تعریف کرنا کفر ہے اور نبی ﷺ کی طرف اس کی نسبت کرنا غیر صحیح ہے اور نہ ہی شیطان یہ کلمات نبی ﷺ کی زبان پر جاری کر سکتا ہے۔ کیونکہ اسے اتنی قدرت اور طاقت عطاء نہیں کی گئی۔ کذا ذکرہ الطیبی۔

اس کے بعد حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی اس تقریر و تاویل کا ذکر کیا ہے جو عنقریب گذر چکی اور پھر قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس قصے کو نقل کرنا اور یہ سمجھنا کہ سہواً نبی ﷺ سے سبقت لسانی ہو گئی، محققین کے نزدیک مردود ہے، بالفرض! اگر اس واقعے کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس کا مقصد یہ ہو گا کہ ثابت قدم اور متزلزل ایمان والوں میں امتیاز ہو جائے اور حافظ صاحب رحمہ اللہ کی تاویل مذکور و رد کرتے ہوئے قاضی بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس طرح تو قرآن کریم سے اعتماد اٹھ جائے گا اور لوگ یہ سمجھیں گے معلوم نہیں کون سا حصہ وحی کا ہے اور کون سا شیطان نے آپ ﷺ کی زبان پر جاری کر دیا ہے؟

رہی یہ بات کہ ''فینسخ اللہ ما یلقی الشیطن'' سے اس کا جواب مل جاتا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں بھی تو یہ احتمال بہر حال پایا جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے یہ بھی شیطان نے آپ ﷺ کی زبان پر جاری کر دیا ہو، ہماری رائے یہ ہے کہ امتحان بھی تو اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ احتمال پایا جاتا ہو (پھر پیغمبر ﷺ کی بات پر یقین کر لیا جائے)۔

فائدہ: احقر مترجم کے نزدیک قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی بات زیادہ وزنی اور زیادہ قابل قبول ہے۔

وقال یکفینی ھذا: قریش کے اس سردار کا یہ انداز انتہائی متکبرانہ اور مغرورانہ تھا، کیونکہ سجدے کا اصل مقصد تواضع، انکساری اور پروردگار عالم کے سامنے اپنی ذلت کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے جسم کے انتہائی محترم عضو کو مٹی جیسی ادنی چیز پر رکھنا ہے، لیکن اس قریش سردار نے ایسا اس لئے کیا کہ اس کے دماغ میں اپنی بڑائی کی خام خیالی گھسی ہوئی تھی اور وہ مقامِ اصفیاء سے انتہائی دور تھا۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں یہ بات بھی مدنظر رکھنی چاہیے کہ اس موقع پر جتنے مشرکین بھی سجدے میں نبی ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے، ان سب کو اللہ تعالیٰ نے دولت ایمان سے مالا مال کر دیا، لیکن مذکورہ قریشی سردار پھر بھی محروم ہی رہا، اس کا نام بخاری شریف کی روایت میں امیہ بن خلف آیا ہے، بعض حضرات کی رائے میں اس کا نام ولید بن مغیرہ تھا لیکن یہ رائے محل نظر ہے کیونکہ ولید بن مغیرہ طبعی موت مرا تھا، قتل نہیں ہوا تھا، بعض حضرات کی رائے میں اس کا نام سعید بن العاص اور بعض کی رائے میں ابولہب تھا۔

میرک نے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ~~کے حوالے سے~~ نقل کیا ہے کہ شاید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا ہی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ ہو، یا انہوں نے خصوصیت کے ساتھ صرف اسی کا تذکرہ اس لئے کیا تھا کہ ہتھیلی میں مٹی کو لے کر اسی نے سجدہ کیا تھا، کسی اور نے نہیں، علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ جامع الاصول میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابی بن خلف غزوۂ احد میں مشرک ہونے کی حالت میں ہی مارا گیا تھا اور اسے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے قتل کیا تھا، (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا ایک معمولی زخم لگا تھا اور وہ میدان جنگ سے فرار ہونے میں کامیاب بھی ہو گیا تھا لیکن آخر کار وہی زخم اس کی موت کا سبب بنا اور مکہ مکرمہ پہنچتے ہی وہ واصل جہنم ہوا) اور امیہ بن خلف غزوۂ بدر میں شرک کی حالت میں مارا گیا تھا، یاد رہے کہ دونوں بھائی تھے اور ان کے باپ کا نام خلف بن وہب بن حذافہ بن جمح الجحان تھا۔

سورۂ ص کا سجدہ

۱۰۳۸: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِیْ ص وَقَالَ سَجَدَهَا دَاوٗدُ تَوْبَةً وَنَسْجُدُهَا شُکْرًا ۔ (رواه النسائی)

أخرجه النسائی فی السنن ۲/۱۵۹ حدیث رقم ۹۵۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ ص میں سجدہ کیا اور فرمایا کہ داؤد علیہ السلام نے سورۂ ص کا سجدہ توبہ کی قبولیت کے لئے کیا تھا اور ہم یہ سجدہ (ان کی توبہ کی قبولیت پر) شکر گزاری کے لئے کرتے ہیں۔ (نسائی)

تشریح: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ چونکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام فرد واحد کی طرح ہوتے ہیں، اس لئے کسی ایک پر کوئی نعمت نازل ہونا سب پر نعمتوں کی برسات کے مترادف ہے، بناء بریں ان کی توبہ قبول ہونے کی خوشی میں سورۂ ص کی متعلقہ آیت پر سجدۂ شکر کیا جاتا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے طریقوں کی اقتداء و اتباع کا حکم دیا گیا ہے تاکہ ان تمام حضرات کے متفرق فضائل ایک ذات اقدس میں جمع ہو جائیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اس لئے اس پر شکر کرنا واجب ہے۔

مصنف کی رائے یہ ہے کہ اس کے سجدۂ شکر ہونے سے سجدۂ تلاوت نہ ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ یہ بات تو ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ سجدۂ تلاوت کا تعلق اس آیت کی تلاوت یا سماع سے ہے، ان دونوں میں سے جو صورت بھی پائی جائے، سجدہ واجب ہو جائے گا، خواہ اس کا سبب کوئی حکم ہو یا کسی نعمت کا شکر وغیرہ۔

محقق ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام اور ہمارے درمیان ایک مشترک حق ہے، نیز اس سجدہ کا برائے شکر ہونا وجوب کے منافی نہیں، کیونکہ جتنے بھی فرائض اور واجبات انسان پر عائد ہوتے ہیں ان کی وجہ بھی یہی ہے کہ انسان مسلسل ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا رہتا ہے، اس کے شکریے کیلئے سجدۂ تلاوت بھی واجب ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ نبی ﷺ راتوں کو کھڑے ہو کر اتنی عبادت کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے مبارک قدموں پر ورم آجاتا تھا۔ صحابہ کرامؓ عرض کرتے کہ یا رسول اللہ! اللہ نے تو آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف فرمادیئے ہیں، پھر آپ کیوں اتنی مشقت برداشت کرتے ہیں؟ تو نبی ﷺ جواباً ارشاد فرماتے کیا میں اپنے پروردگار کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بات بھی وضاحت کے ساتھ معلوم ہوگئی کہ نبی ﷺ نے سورۃ ص کی تلاوت برسرِ منبر فرمائی تھی، آیت سجدہ پر پہنچ کر نبی ﷺ منبر سے نیچے اترے، سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ تما حاضرین نے بھی سجدہ کیا، اس کے بعد ایک مرتبہ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت برسرِ منبر دوبارہ تلاوت فرمائی، صحابہ کرامؓ سجدے کیلئے تیار ہونے لگے، یہ دیکھ کر نبی ﷺ نے فرمایا، یہ تو ایک نبی کی توبہ کا ذکر ہے، تاہم چونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ لوگ سجدے کی تیاری کر چکے ہیں اس لئے سجدہ کریں، یہ کہہ کر نبی ﷺ نے منبر سے اتر کر سجدہ کیا اور صحابہ کرامؓ نے بھی سجدہ کیا۔

انہی دونوں حدیثوں کی وجہ سے امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ سورۃ ص میں سجدۂ تلاوت نہیں ہے، بلکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول ہونے کی خوشی میں شکرانہ کے طور پر مطلوب ہے، تلاوت تو صرف اس کا سبب ہے جس سے ان کی قبول توبہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

لیکن اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سجدۂ شکر تو خاص ہے نعمتوں میں اضافے یا مصیبتوں کے ٹلنے کے ساتھ اور یہاں تو ایسا کچھ نہیں؟ ہم اس حدیث کا جواب امام شافعیؒ کو یہ دیتے ہیں کہ سورۃ ص میں آیت سجدہ کی تلاوت والی حدیث سورۂ نحل کی آیت سجدہ کی تلاوت والی حدیث کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ مؤکد ہے، کیونکہ سورۂ نحل میں دوبارہ سجدہ کرنا ثابت نہیں ہے۔

اور ''انما ھی توبة نبی'' سے سبب سجدہ کا بیان ہے کیونکہ ہر آیت سجدہ کا کوئی نہ کوئی سبب ہے، چنانچہ کہیں تو سجدہ کا حکم دیا گیا ہے، کہیں سجدہ سے انکار کرنے کی مذمت ہے، اور کہیں سجدہ کرنے والوں کی تعریف ہے، اور یہاں سبب سجدہ قبولِ توبۂ نبی ہے جو کہ ایک قابل تعریف امر ہے اس لئے ہمیں بھی اس کی پیروی کرنی چاہیے بلکہ اس کی تاکید تو اوروں سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ قرآن کریم میں اتباع انبیاء کا جو حکم ''فبھداھم اقتدہ'' کے ذریعے دیا گیا ہے، اس میں اس حکم کی بھی اتباع ہے۔

بَابُ اَوْقَاتِ النَّهْيِ

یہ باب اوقاتِ مکروہہ کے بیان میں ہے

الفصل الاول:

سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے

١٠٣٩: عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَحَرّٰى اَحَدُكُمْ فَيُصَلِّيْ عِنْدَ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوْبِهَا وَفِيْ رواية قَالَ اِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوا الصَّلَاةَ حَتّٰى تَبْرُزَ فَاِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوا الصَّلَاةَ حَتّٰى تَغِيْبَ وَلَا تَحَيَّنُوْا بِصَلٰوتِكُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَاغُرُوْبَهَا فَاِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٦/٣٣٥حديث رقم ٣٢٧٢_٣٢٧٣_ومسلم في صحيحة ١/٥٦٧حديث رقم (٢٨٩_٨٢٨)_والنسائي ١/٢٧٨حديث رقم ٥٧٠_ومالك في الموطأ ١/٢١٩حديث رقم ٤٥من كتاب القرآن ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی آدمی سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ نہ کرے اور ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب سورج کا کنارہ نکل آئے تو نماز چھوڑ دو یہاں تک کہ سورج اچھی طرح ظاہر ہو جائے (اور ایک نیزے کے بقدر سورج اچھی طرح بلند ہو جائے) اور جب سورج کا کنارہ ڈوب جائے تو نماز چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ اچھی طرح غروب ہو جائے سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ نہ کرو اس لئے کہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تحری کا معنی ہوتا ہے زیادہ سے زیادہ قابل اعتماد چیز کی تلاش اور جستجو کرنا، اور اس حدیث کی مراد میں دو احتمال ہو سکتے ہیں۔

① نماز کیلئے ایسے وقت کا قصد نہ کرے جس میں سورج طلوع یا غروب ہوتا ہو کہ اس میں نماز پڑھنے لگے۔

② ایسے وقت میں یہ سوچ کر نماز نہ پڑھے کہ اس نے ''احری'' (زیادہ سے زیادہ قابل اعتماد طریقے) پر عمل کیا ہے۔

لیکن ان دونوں میں سے پہلا معنی زیادہ بلیغ اور اوجہ ہے۔

شیطان کے دو سینگوں سے کیا مراد ہے؟

اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے، اس سے مراد شیطان کے سر کے دونوں حصے ہیں، اصل میں جب طلوع آفتاب کا وقت ہوتا ہے تو شیطان سورج کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوا جاتا ہے تا کہ اس کے سر کے دونوں حصوں کے درمیان وہ طلوع ہوتا ہوا دکھائی دے اور وہ سورج کے پجاریوں کا قبلہ بن سکے، جو بیچارے سورج کو سجدہ کرتے ہیں، درحقیقت وہ شیطان کو سجدہ کرتے ہیں، اسی بناء پر اس وقت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کر دی گئی تا کہ آفتاب پرستوں کے ساتھ عبادت میں بھی مشابہت نہ رہے (نیز شیطان کی پرستش کا بھی کوئی شائبہ برقرار نہ رہے) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے طلوع وغروب آفتاب دونوں اوقات میں ممانعتِ نماز کی علت قرار دیا ہے۔

جن اوقات میں نماز ادا کرنا منع ہے

۱۰۴۰: وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ ثَلَاثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَانَا اَنْ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نُصَلِّيَ فِيهِنَّ أَوْ نَقْبُرَ فِيهِنَّ مَوْتَانَا حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتّٰى تَرْتَفِعَ وَحِينَ يَقُومُ قَائِمُ الظَّهِيرَةِ حَتّٰى تَمِيلَ الشَّمْسُ وَحِينَ تَضَيَّفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوبِ حَتّٰى تَغْرُبَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۵۶۹/۱ حديث رقم (۲۹۳۔۸۳۱)۔ والترمذي ۳۴۸/۳ حديث رقم ۱۰۳۰۔ والنسائي ۲۷۷/۱ حديث رقم ۵۶۵۔ وابن ماجه ۴۸۶/۱ حديث رقم ۱۵۱۹۔ والدارمي ۳۹۴/۱ حديث رقم ۱۴۳۲۔ وأحمد في المسند ۱۵۲/۴۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین اوقات میں نماز پڑھنے سے اور مردوں کو دفن کرنے سے منع کیا ہے۔ طلوع شمس کے وقت یہاں تک کہ بلند ہو جائے اور دوپہر کو سایہ قائم ہونے کے وقت یہاں تک کہ وہ ڈھل جائے اور غروب شمس کے وقت یہاں تک کہ وہ غروب ہو جائے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث مبارکہ میں جن تین اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے" اور یہ وہی اوقات ہیں جو ہمارے مذہب میں بھی ممنوع شمار کیے جاتے ہیں" ان کے بارے علماء کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا ان اوقات میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (دفن میں اختلاف نہیں کیونکہ اس میں بالاتفاق کسی کے نزدیک بھی کوئی کراہت نہیں ہے) چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اسے جائز قرار دیتے ہیں اور اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ ان اوقات میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، ان ہی اوقات میں مردے کو دفن کرنا بھی مکروہ ہے اور یہ بھی اس صورت میں جبکہ تحری کر کے ایسے وقت کا انتخاب نہ کیا گیا ہو، ورنہ ایسا کرنا حرام ہے، جبکہ ہمارے فقہاء احناف کا مسلک یہ ہے کہ ان تینوں ممنوعہ اوقات میں فرائض، نوافل، نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت سب ہی حرام ہیں۔ لیکن اگر جنازہ آجائے یا آیت سجدہ کی تلاوت اسی وقت ہو جائے، تو نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت مکروہ بھی نہیں رہتے البتہ بہتر یہ ہے کہ اوقات ممنوعہ کے نکل جانے تک اسے مؤخر کر دیا جائے۔

قیام شمس سے کیا مراد ہے؟

شرح السنہ میں ہے کہ قیام شمس سے مراد "زوال شمس" ہے اور یہ ماخوذ ہے "قام بمعنی وقف" سے، بعض حضرات کی رائے میں جب سورج نصف النہار کے خط پر پہنچ کر مستوی ہو جائے تو اس استواء کو قیام شمس کہتے ہیں، اس صورت میں یہ "قام بمعنی اعتدل" سے ماخوذ ہوگا، ابن ملک فرماتے ہیں کہ ظہر کے وقت سورج چلتے چلتے رک جاتا ہے اور فضاء آسمانی میں ایک لمحے کیلئے رکا ہوا محسوس ہوتا ہے، اس کے بعد دوبارہ چل پڑتا ہے، اسی کو "قیام شمس" کہتے ہیں۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب سورج وسط آسمان تک پہنچتا ہے تو سائے کی حرکت زوال شمس تک سست پڑ جاتی ہے، دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ وہ ایک جگہ ٹھہر گیا ہے، حالانکہ وہ اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہوتا ہے اور اس کی نظیر ہمارے نزدیک یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وترى الجبال تحسبها جامدة وهي تمر مر السحاب"

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس جملے کا معنی بیان فرماتے ہیں کہ "جب دوپہر کے وقت کھڑے ہونے والے کا مشرق و مغرب کہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی سایہ باقی نہ رہے" حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "الظہیر ۃ" سے مراد نصف النہار ہے اور قائم الظہیر ہ سے مراد اس کا سایہ ہے اور قیام بمعنی وقوف کے ہے اور مطلب یہ ہے کہ دیکھنے والے کو سطحی نظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سورج کی رفتار سست پڑ گئی ہے، اس کی وجہ سے سائے کی رفتار میں جو سستی پیدا ہوتی ہے، وہی اس کا مصداق ہے، یہ الگ بات ہے کہ سورج اس وقت بھی اپنی سابقہ رفتار سے ہی چل رہا ہوتا ہے۔

یا پھر قائم الظہیرہ سے سایہ مراد نہیں بلکہ شخص مراد ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ چونکہ اس وقت سایہ نہ مشرق کی طرف جھکتا ہے اور نہ ہی مغرب کی طرف مائل ہوتا ہے بہر حال! دونوں صورتوں میں یہ استواء شمس سے کنایہ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ استواء کا یہ وقت اگرچہ اتنا تھوڑا اور تنگ ہوتا ہے کہ جس میں نماز نہیں پڑھی جا سکتی، البتہ تکبیر تحریمہ ضرور کہی جا سکتی ہے اس لئے اس وقت میں تکبیر تحریمہ کہنا بھی حرام ہے، ابن ملک فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے اطلاق کے ساتھ امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف ایک بہت بڑی دلیل ہے، کیونکہ وہ اس حدیث کو فرائض کے ساتھ خاص کرتے ہوئے ان اوقات ممنوعہ میں صرف قراء کو ممنوع قرار دیتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے، اس کی مزید تفصیل عنقریب آیا چاہتی ہے۔

نمازِ فجر اور عصر کے بعد نماز پڑھنا مکروہ ہے

۱۰۴۱: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاصَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغِيْبَ الشَّمْسُ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۶۹ حديث رقم ۵۸۱۔ ومسلم في صحيحه ۱/۵۶۶ حديث رقم (۲۸۶۔۸۲۶) ۔ وأبوداؤد ۲/۵۶ حدبث رقم ۱۲۷۶۔ والترمذی ۱/۳۴۳ حديث رقم ۱۸۳۔ والنسائی ۱/۲۷۶ حديث رقم ۵۶۲ وابن ماجه ۱/۳۹۶ حديث رقم ۱۲۵۰ والدارمی ۱/۳۹۴ حديث رقم ۱۴۳۳۔ وأحمد في المسند ۱/۱۸۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صبح کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حافظ صاحب رحمہ اللہ ارتفاع شمس کی وضاحت ایک نیزہ کے بقدر سے کرتے ہیں جو تقریباً سات گز بنتا ہے اور ابونعیم کی روایت میں ارتفاع شمس کی تحدید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: "حتی ترتفع کرمح او رمحین"۔

یاد رہے کہ حدیث میں نماز فجر اور عصر کے بعد کسی بھی نماز کی ممانعت جو وارد ہوئی ہے، اس کا تعلق اس شخص کے ساتھ ہے جو فرض نماز پڑھ چکا ہو، اور اگر فرض نماز با جماعت ہو چکی ہو اور کوئی شخص اس میں شامل ہونے سے رہ گیا ہو، اس کیلئے یہ ممانعت نہیں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوقاتِ نماز

۱۰۴۲: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ فَقَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الصَّلَاةِ فَقَالَ صَلِّ صَلَاةَ الصُّبْحِ ثُمَّ اقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حِيْنَ تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ وَ حِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ ثُمَّ صَلِّ فَاِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰى يَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بِالرُّمْحِ ثُمَّ اقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ فَاِنَّ حِيْنَئِذٍ تُسَجَّرُ جَهَنَّمُ فَاِذَا اَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلِّ فَاِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ اقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَاِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ وَحِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ قَالَ قُلْتُ يَانَبِيَّ اللّٰهِ فَالْوُضُوْءَ حَدِّثْنِيْ عَنْهُ قَالَ مَامِنْكُمْ رَجُلٌ يُقَرِّبُ وَضُوْءَهُ فَيُمَضْمِضُ وَيَسْتَنْشِقُ فَيَسْتَنْثِرُ اِلَّاخَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهٖ وَفِيْهِ وَخَيَاشِيْمِهٖ ثُمَّ اِذَا غَسَلَ وَجْهَهٗ كَمَا اَمَرَهُ اللّٰهُ اِلَّاخَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهٖ مِنْ اَطْرَافِ لِحْيَتِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ يَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ اِلَّاخَرَّتْ خَطَا يَا يَدَيْهِ مِنْ اَنَامِلِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَمْسَحُ رَاْسَهٗ اِلَّاخَرَّتْ خَطَايَا رَأْسِهٖ مِنْ اَطْرَافِ شَعْرِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ اِلَّاخَرَّتْ خَطَايَا رِجْلَيْهِ مِنْ اَنَامِلِهٖ مَعَ الْمَاءِ فَاِنْ هُوَ قَامَ فَصَلّٰى فَحَمِدَاللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَمَجَّدَهٗ بِالَّذِيْ هُوَلَهٗ اَهْلٌ وَفَرَّغَ قَلْبَهٗ لِلّٰهِ اِلَّا انْصَرَفَ مِنْ خَطِيْئَتِهٖ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۵۶۹ حديث رقم(۲۹۴-۸۳۲)۔ والنسائي ۱/۲۷۹ حديث رقم ۵۷۲۔ وأحمد في المسند ۴/۲۶۳۔

ترجمہ: حضرت عمرو ابن عبسہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کے مدینہ تشریف لانے کے بعد میں مدینہ میں آیا اور آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نماز کے اوقات کی تعلیم دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح کی نماز ادا کرو اور پھر نماز سے رک جاؤ۔ یہاں تک کہ سورج طلوع ہو کر بلند ہو جائے اس لئے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے اور اس وقت کافر سورج کی پرستش میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد (اشراق) کی نماز پڑھو کیونکہ اس نماز کے وقت فرشتوں کی حاضری ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ سورج کا سایہ زمین پر ایک نیزہ کے بقدر ہو جائے۔ مراد یہ ہے کہ دوپہر ہو جائے۔ پھر نماز سے رک جاؤ کیونکہ اس وقت جہنم کی آگ کو بھڑکایا جاتا ہے پھر جب سورج کا زوال ہو جائے تو پھر نماز پڑھو کیونکہ یہ فرشتوں کی حاضری کا وقت ہے۔ یہاں تک کہ تم عصر کی نماز پڑھو پھر نماز سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے کیونکہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت کافر لوگ اس کی طرف سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ حضرت عمرو ابن عبسہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وضو کی فضیلت کے بارے میں کچھ بتا دیجئے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی وضو کا پانی لے اور بسم اللہ پڑھنے کے بعد دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک دھوئے پھر کلی کرے اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناک میں پانی ڈالے تو ناک اور ناک کے نتھنوں کے اندر کے گناہ گر جاتے ہیں پھر اس کے چہرے کے گناہ اس کی داڑھی کے کناروں سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں اور جب وہ اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوتا ہے تو اس کے دونوں ہاتھوں کے گناہ اس کی انگلیوں کے کناروں سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں پھر جب اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر کے گناہ اس کے بالوں کے کناروں سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں۔ اور پھر جب وہ اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوتا ہے تو اس کے دونوں پاؤں کے گناہ اس کی انگلیوں کے کناروں سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں اور پھر وضو سے فارغ ہو کر جب وہ کھڑا ہوتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہے جس کے وہ لائق ہے اور پھر وہ اپنے دل کو اللہ کے لئے فارغ کرتا ہے اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نماز پڑھتا ہے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو کر لوٹتا ہے جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں "قرنی الشیطن" کا لفظ دوبارہ آیا ہے، اس سے پہلے بھی اس کی توجیہہ مذکور ہو چکی، یہاں دو توجیہات مزید ذکر کی جاتی ہیں۔

① "قرنی الشیطن" سے مراد شیطان کے احزاب واتباع ہیں۔

② "قرنی الشیطن" سے مراد شیطان کی قوت وغلبہ اور اس کا فساد پھیلانا ہے۔

لیکن ان دونوں کی نسبت وہی توجیہہ زیادہ راجح ہے جو پیچھے گذر چکی، یعنی قرنی الشیطن سے مراد اس کے سر کے دونوں حصے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ان اوقات میں شیطان اپنے سر کو سورج کے قریب کر دیتا ہے، اس طرح سورج کو سجدہ کرنے والا بظاہر شیطان کو سجدہ کر بیٹھتا ہے۔

نمازِ اشراق کا ثبوت:

اس حدیث سے نماز فجر کے بعد جس نماز کے پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے، اس سے یا تو نماز اشراق مراد ہے کیونکہ اسی سے روشنی کی ابتداء ہوتی ہے یا چاشت کی نماز مراد ہے، کیونکہ اس کا وقت استواءِ شمس سے کچھ پہلے ہی ختم ہوتا ہے۔

بہر حال! دونوں صورتوں میں اسے مشہود و محضور قرار دیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان نمازوں کا اجر و ثواب لکھنے کیلئے فرشتے خصوصی طور پر حاضر ہوتے ہیں اور اس نماز کی ادائیگی کرنے والوں کے حق میں گواہ بنتے ہیں، اس مفہوم کی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "مشهودة مکتوبة"۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس نماز کے وقت زمین و آسمان کے نیک، فرمانبردار اور اہل اطاعت افراد حاضر ہوتے ہیں، دونوں معنوں میں سے جو معنی بھی مراد لیا جائے، بہر دو صورت "محضورة" تفسیر ہے "مشهودة" کی اور اس کی تاکید ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ "مشهودة" کو پہلے معنی پر محمول کر لیا جائے اور "محضورة" کو دوسرے معنی پر، یا یہ کہ "مشهودة" شہادت کے معنی میں ہو اور "محضورة" حصول برکت کیلئے حاضری کے معنی میں ہو، ظاہر ہے کہ "تاکید" کی نسبت "تاسیس" زیادہ اولیٰ ہوتی ہے اس لئے تاکیدی معنی کے بجائے تاسیسی معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے۔

"قولہٗ حتی یستقل الظل بالرمح" اس جملے میں "یستقل" بمعنی "یرتفع" کے ہے، اور مطلب یہ ہے کہ زمین پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی قسم کا سایہ باقی نہ رہے بلکہ اٹھ جائے۔ابن ملک اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ گاڑے ہوئے نیزے کا سایہ باقی نہ رہے، ایسا سال کے طویل ترین دن میں حرمین شریفین اوران کے آس پاس کے علاقوں میں ہوتا ہے، کیونکہ زوال کے وقت تو روئے زمین پر سایہ رہتا ہی نہیں، جب سورج مشرق سے مغرب کی طرف ڈھلنا شروع ہوتا ہے''اور وہی ظہر کا اول وقت ہوتا ہے''تب جا کر سورج کا سایہ زمین پر پڑتا ہے۔

بعض حضرات کی رائے کے مطابق''حتی یستقل'' کا لفظ''قلت'' سے ماخوذ ہے۔اور مطلب یہ ہے کہ نیزے کا جو سایہ بنا ہے، وہ گھٹتے گھٹتے انتہائی کم اور قلیل رہ جائے اسے''ظل زوال'' بھی کہا جاتا ہے۔

اس روایت میں تو یہ جملہ''حتی یستقل الظل بالرمح'' آیا ہے، جبکہ ایک دوسری روایت میں یہی جملہ''حتی یستقل الرمح بالظل'' بھی آیا ہے،لیکن دونوں صورتوں میں یہ زمین پر نیزہ کا سایہ باقی نہ رہنے سے کنایہ اور مجاز ہے اور ایسا استواء شمس ہی کے وقت ہوتا ہے لہٰذا یوں کہنا چاہیے کہ استواء شمس کے وقت نماز کی ممانعت اصل مقصود ہے۔

رہی یہ بات کہ یہاں خاص طور پر نیزہ کا ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟ تو اصل میں بات یہ ہے کہ اہل عرب کے رواج میں تھا کہ جب وہ وقت معلوم کرنا چاہتے تو زمین میں نیزہ گاڑ دیتے اور پھر اس کا سایہ دیکھ کر وقت کا حساب لگا لیتے۔امام نووی ؒ فرماتے ہیں کہ جب سورج نہ مغرب کی طرف مائل ہو اور نہ مشرق کی طرف جھکا ہوا ہو، اسی کو''حالت استواء'' کہتے ہیں۔حافظ تو ر پشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصابیح کے سارے نسخوں میں یہ جملہ اس طرح ہے لیکن یہ تحریف ہے، صحیح اور درست جملہ یوں ہے۔

''حتی یستقل الرمح بالظل''

صاحب نہایہ بھی حافظ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت فرماتے ہیں اور اس جملے کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ زمین میں گاڑے ہوئے نیزے کا سایہ قلت اور نقص کی انتہاء کو پہنچ جائے،اس اعتبار سے''یستقل'' کا لفظ''قلت'' سے ماخوذ ہوگا نہ کہ اقلال سے۔

لیکن علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ اس پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مصابیح کے نسخوں کو کیسے رد کیا جا سکتا ہے، بالخصوص جبکہ مسلم شریف اور کتابِ حمیدی کے بعض نسخے بھی اس کی موافقت میں پیش کئے جا سکتے ہیں، پھر اس جملے کے کئی صحیح محمل بھی ہو سکتے ہیں مثلاً اس جملے کا ماخذ اہل عرب کا یہ محاورہ ہو:''استقلت السماء ای ارتفعت''۔

اور اس کا مطلب یہ ہو کہ سایہ اوپر اٹھ جائے، زمین پر بالکل نہ پڑے، یا یہ کہ یہاں مضاف کو مقدر مان لیا جائے، اس صورت میں اصل عبارت یہ ہوگی:''یعلم قلة الظل بواسطة ظل الرمح''۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ''عرضت الناقة علی الحوض'' کے قبیل سے ہو، ان صحیح محامل کے ہوتے ہوئے مصابیح کے تمام نسخوں کو بیک قلم غلط قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ استواء شمس کے وقت مطلقاً جواز نماز کا جو قول اختیار کرتے ہیں اور دلیل پیش کرتے ہیں کہ وہ اہل مدینہ کو ہمیشہ جمعے کے دن اس وقت میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے رہے ہیں، اس حدیث میں ان کے اس قول کے خلاف دلیل موجود ہے نیز اہل مدینہ کا یقینی طور پر عینِ استواء شمس کے وقت نماز پڑھنا محتاجِ تحقیق ہے اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ویسے بھی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کوئی مضبوط دلیل نہیں کیونکہ یوم جمعہ مستثنیات میں سے ہے۔

تسجر جهنم: ابن ملک اس کا معنی یوں بیان کرتے ہیں کہ جہنم کی آگ کو بھڑکایا جاتا ہے اور اسے بھر دیا جاتا ہے، اس وقت میں جہنم کو بھڑکانے کی وجہ غالباً یہ ہوسکتی ہے کہ اس وقت شیطان سورج کے بالکل سامنے ہوتا ہے اور سورج پرست سورج کے آگے سجدہ ریز ہونے کی تیاریوں میں مصروف ہوتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے اس جملے ''فان حینئذٍ'' میں انّ کا اسم اَنْ مصدر یہ ہے جو کہ مقدر ہے اور اس کی نظیر یہ آیت مبارکہ ہے: ''ومن ایٰتہٖ یریکم البرق خوفًا''۔

یا اس کا اسم ضمیر شان ہے، بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ضمیر شان کو حذف نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کا مقصد تو تعظیم ہے اور جب اسے حذف کر دیا جائے تو یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ قول مردود ہے کیونکہ ضمیر شان کے تعظیم پر دلالت کرنے کا سبب اس کا ابہام ہے اور جب اسے حذف کر دیا جائے تو اس میں زیادہ ابہام پیدا ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اس آیت مبارکہ میں بھی ضمیر شان کو حذف کر دیا گیا ہے۔

''من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منھم''

اس حدیث میں غروب آفتاب کے وقت میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ علت بیان کی گئی ہے کہ اس وقت کافر سُورج کو سجدہ کرتے ہیں (یہاں کافروں سے مراد عام ہے خواہ وہ مشرک ہوں یا آتش پرست اور سورج کے پجاری)۔

معلوم ہوا کہ مجوسیوں اور مشرکوں کے ساتھ عبادات میں بھی مشابہت نہیں ہونی چاہیے۔ چہ جائیکہ عام زندگی کے معمولات میں مشابہت ہو۔

فجر کی نماز اور طلوع آفتاب کے درمیان، اسی طرح عصر کے فرضوں اور غروب آفتاب کے درمیان کا جو وقت ہے ہمارے نزدیک صرف نوافل کے حق میں وہ مکروہ وقت ہے جس کی حکمت احادیث کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ جو چیز کسی کے قریب ہو اسے اس ہی کا حکم دے دیا جاتا ہے جیسے ماہانہ ناپاکی کے ایام میں اپنی بیوی سے ازدواجی تعلقات قائم کرنے کی حرمت، نیز یہ بھی ایک اصول ہے کہ جو آدمی چراگاہ کے اردگرد اپنے جانوروں کو چراتا ہے اس کے بارے میں یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں اس کے جانور شاہی چراگاہ میں داخل نہ ہو جائیں بالکل اسی طرح جب سورج کے پجاری ان دونوں وقتوں کی ابتداء میں سورج کی تعظیم کا ارادہ کرتے ہیں تو وہ اس کے منتظر ہو کر بیٹھ جاتے ہیں کہ کب سورج ظاہر ہو اور کب وہ اس کے سامنے سجدہ ریز ہوں اس لئے اگر ان دو وقتوں میں نوافل کو جائز قرار دے دیا جائے تو ان کے ساتھ تشبیہ لازم آئے گی۔ اگر تشبیہ نہ بھی ہو تو تشبیہ کا وہم تو بہر حال رہے گا یا اس کا سبب اختیار کرنا لازم آئے گا اس لئے اسے مکروہ قرار دیا گیا۔

کما امرہ اللہ: اس جملے میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ چہرے کو دھونا فرض ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

''اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم''

جبکہ اس سے پہلے کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کا جو ذکر ہوا تو وہ دونوں سنتیں ہیں یا اس جملے کا مطلب یہ ہے ''کما

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امره الله ان يبدأ بغسله'' اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کا ارادہ کرے تو اس کیلئے یہ حکم ہے۔

''ابدأوا بما بدأ الله تعالٰى به''

الى المرفقين: اس جملے میں الٰی بمعنی مع کے ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوئے اس مسئلے میں امام زفر رحمۃ اللہ علیہ دیگر فقہائے احناف سے اختلاف فرماتے ہیں اور وہ کہنیوں کو دھونا فرض نہیں سمجھتے نیز مذکورہ آیت وحدیث میں اہل تشیع کی بھی واضح تردید موجود ہے کیونکہ ان کے یہاں ہاتھ کو دھونے کا معاملہ برعکس ہے اور وہ ہاتھوں انگلیوں کی طرف سے شروع کر کے کہنیوں تک لانے کے بجائے کہنیوں سے شروع کر کے انگلیوں تک لاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کی کوئی دلیل قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے۔

عصر کے بعد دو رکعت کا مسئلہ

۱۰۴۳: وَعَنْ كُرَيْبٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْاَزْهَرِ اَرْسَلُوْهُ اِلٰى عَائِشَةَ فَقَالُوْا اِقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ وَسَلْهَا عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ قَالَ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَبَلَّغْتُهَا مَا اَرْسَلُوْنِىْ فَقَالَتْ سَلْ اُمَّ سَلَمَةَ فَخَرَجْتُ اِلَيْهِمْ فَرَدُّوْنِىْ اِلٰى اُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ سَمِعْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْهُمَا ثُمَّ رَأَيْتُهٗ يُصَلِّيْهِمَا ثُمَّ دَخَلَ فَاَرْسَلْتُ اِلَيْهِ الْجَارِيَةَ فَقُلْتُ قُوْلِىْ لَهٗ تَقُوْلُ اُمُّ سَلَمَةَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِعْتُكَ تَنْهٰى عَنْ هَاتَيْنِ الرَّكْعَتَيْنِ وَاَرَاكَ تُصَلِّيْهِمَا قَالَ يَا ابْنَةَ اَبِىْ اُمَيَّةَ سَاَلْتِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَاِنَّهٗ اَتَانِىْ نَاسٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَشَغَلُوْنِىْ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ فَهُمَا هَاتَانِ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري ۱۰۵/۳ حديث رقم ۱۲۳۳۔ ومسلم في صحيحه ۵۷۱/۱ حديث رقم (۲۹۷۔۸۳٤) وأبو داؤد في السنن ٥٤/۲ حديث رقم ۱۲۷۳۔ وابن ماجه ۳٦٦/۱ حديث رقم ۱۱۵۹۔ والدارمي ۳۹۵/۱ حديث رقم ۱٤۳٦۔ وأحمد في المسند ۳۰۳/٦۔

ترجمہ: حضرت کریب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت عبدالرحمٰن نے ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ ہماری طرف سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں سلام پیش کرنا اور ان سے عصر کے بعد دو رکعت کے بارے میں پوچھنا حضرت کریب فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان تینوں حضرات کا پیغام میں نے ان تک پہنچایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تم حضرت ام سلمہؓ کے پاس جاؤ اور ان سے یہ مسئلہ پوچھو میں یہ جواب سن کر ان تینوں حضرات کے پاس واپس آ گیا اور انہوں نے مجھے پھر حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجا۔ حضرت ام سلمہؓ نے میرا سوال سن کر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ ان دو رکعتوں کو پڑھنے سے منع کرتے تھے پھر میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دو رکعتوں کو پڑھتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے دیکھا جب آپ مکان کے اندرونی حصہ میں داخل ہوئے تو میں نے خادمہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور اس سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے جا کر کہو کہ ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے آپ سے سنا ہے کہ آپ ان دو رکعتوں کو پڑھنے سے منع کرتے تھے اور اب میں نے آپ کو دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے خادمہ سے کہا کہ ام سلمہ سے جا کر کہو کہ ابو امیہ کی بیٹی تم نے عصر کے بعد کی دو رکعتوں کے متعلق پوچھا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کے کچھ لوگ اسلامی احکام سیکھنے کے غرض سے میرے پاس آئے تھے انہیں اسلامی فرائض کی تعلیم دینے کی مصروفیت کی وجہ سے ظہر کے بعد دو سنتیں رہ گئی تھی ان کو عصر کے بعد میں نے پڑھا ہے۔ (بخاری، مسلم)

راویٔ حدیث:

کریب بن ابی مسلم۔ یہ "کریب" ہیں جو "ابو مسلم" کے بیٹے تھے۔ عبداللہ بن عباس کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ ان سے ایک جماعت نے روایت کی۔ "کریب" تصغیر کے ساتھ ہے۔

المسور بن مخرمۃ۔ یہ "مسور" ہیں "مخرمہ" کے بیٹے ہیں۔ ان کی کنیت "ابوعبدالرحمٰن" ہے۔ "زہری وقرشی" ہیں۔ یہ عبدالرحمٰن بن عوف کے بھانجے ہیں ہجرت نبوی کے دو سال بعد "مکہ" میں ان کی پیدائش ہوئی۔ ذی الحجہ ۸ھ میں مدینہ منورہ لائے گئے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر آٹھ (۸) سال تھی انہوں نے آنحضرت ﷺ سے حدیث کی سماعت کی اور اس کو یاد رکھا۔ بڑے فقیہ اور صاحب فضل اور دیندار تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک مدینہ ہی میں قیام پذیر رہے۔ بعد شہادت مکہ میں منتقل ہو گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات تک وہاں مقیم رہے۔ انہوں نے یزید کی بیعت کو پسند نہیں کیا لیکن پھر بھی مکہ ہی میں رہے۔ جب تک کہ یزید نے لشکر بھیجا اور مکہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت یہاں ابن زبیر رضی اللہ عنہ مکہ میں موجود تھے۔ چنانچہ اس محاصرہ میں "مسور بن مخرمہ" کو منجنیق سے پھینکا ہوا ایک پتھر لگا۔ یہ اس وقت "حجر اسود" کے قریب نماز پڑھ رہے تھے۔ اسی پتھر نے ان کی جان لی۔ یہ واقعہ ربیع الاول ۶۴ھ کی چاندرات کو ہوا۔ ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی۔

"مسور" میں میم مکسور، سین مہملہ ساکن اور واو مفتوح ہے۔ "مخرمہ" میں میم مفتوح، خاء معجمہ ساکن اور راء مفتوح ہے۔

تشریح: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس حدیث کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ علم وہدایت کی تعلیم عام نوافل پر تو مقدم ہے ہی فرض نماز کے بعد پڑھے جانے والے نوافل وسنن پر بھی مقدم ہے، اشرف فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اوقاتِ معینہ کے معین شدہ نوافل کو بھی اسی طرح قضا کیا جائے گا جس طرح فرائض کی قضا ہوتی ہے نیز یہ کہ جس نماز کا کوئی سبب ہو اسے ان اوقات مکروہہ میں پڑھنا مکروہ نہیں ہے نیز یہ حدیث ابن ملک کے قول کے مطابق اس بات کی بھی دلیل ہے کہ سنتوں کی قضا کرنا بھی سنت ہے۔ یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کی چھوٹی ہوئی آخری دو سنتوں کو نماز عصر کے بعد ادا کرنا جس کا اس واقعے میں تذکرہ کیا گیا ہے وہ نبی ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔ کیونکہ غیر نبی کیلئے جو ممانعت وارد ہوئی ہے وہ عام ہے اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ متعدد احادیث میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حوالے سے منقول ہے کہ آپ عصر کے بعد دو رکعتیں ہمیشہ پڑھا کرتے تھے جیسا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی اپنی سند سے حضرت ام سلمہؓ کی روایت اس اضافے کے ساتھ نقل فرمائی ہے کہ میں نے عرض

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا یا رسول اللہ اگر ہم سے یہ رکعتیں چھوٹ جائیں تو کیا ہم ان کی قضا کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔

اس اعتبار سے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کے مطابق حدیث کے اس جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کو معلوم ہے میری یہ خصوصیت ہے کہ میں جب بھی کوئی کام کرتا ہوں تو اس پر مداومت بھی کرتا ہوں اس لئے میں خود تو ان دونوں رکعتوں کو ادا کرتا ہوں لیکن دوسروں کو اس سے منع کرتا ہوں۔

لیکن یہ معنی خود حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے کلام کے مخالف ہے جس میں وہ یہ فرماتے ہیں کہ یہیں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول اخذ کیا ہے کہ وہ نماز جو کسی سبب کی بناء پر پڑھی جائے وہ ان اوقات میں مکروہ نہیں ہے ظاہر ہے کہ جب یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے تو اس کے ذریعے غیر کیلئے استدلال کرنا صحیح نہیں ہوسکتا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان اوقات ثلثہ مکروہہ میں جواز نماز کا مسئلہ علماء کرام کے درمیان مختلف فیہ ہے اسی طرح نماز فجر کے بعد سے لے کر طلوع آفتاب تک اور نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک کا وقت بھی مختلف فیہ ہے۔ چنانچہ داؤدِ ظاہری تو مطلقاً جواز نماز کے قائل ہیں، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے عین ممکن ہے کہ انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ممانعت کا علم نہ ہوا ہو، یا انہوں نے اس ممانعت کو کراہت تنزیہی پر محمول کرلیا ہو کراہت تحریمی مراد نہ لی ہو لیکن اکثر فقہاء کرام کی رائے اس کے خلاف ہے چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان اوقات میں کوئی ایسی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے جس کا کوئی سبب موجود نہ ہو لیکن اگر اس کا کوئی سبب موجود ہو جیسے منت مانی ہوئی نماز یا فوت شدہ نماز کی قضاء تو وہ جائز ہے اور اس کی دلیل کُریب کی وہ حدیث ہے جو حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے اسی طرح مکہ مکرمہ میں اور جمعے کے دن حالتِ استواء میں بھی استثناء برقرار رکھا گیا ہے اور اس کی دلیل حضرت جبیر بن مطعم اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایات ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ ان تینوں اوقات میں کوئی سی بھی نماز پڑھنا حرام ہے البتہ اس دن کی نماز عصر اصفرارِ شمس کے وقت بھی ادا کی جاسکتی ہے، نیز فجر اور عصر کے بعد منت مانی ہوئی اور نفل نمازیں بھی حرام ہیں یہی حکم سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ کا بھی ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان اوقات میں نوافل تو حرام ہیں لیکن فرائض نہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے البتہ فرق یہ ہے کہ وہ ان اوقات ثلثہ مکروہہ میں دوگانہ طواف کے جواز کے قائل ہیں جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل نہیں۔

الفصل الثانی:

صبح کی سنتوں کا مسئلہ

۱۰۴۴: عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيمَ عَنْ قَيْسِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَاَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُصَلِّي بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّي لَمْ اَكُنْ صَلَّيْتُ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا فَصَلَّيْتُهُمَا الْاٰنَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رواه ابو داود وروى الترمذی نَحْوَهٗ وَقَالَ اِسْنَادُ هٰذَا الْحَدِيْثِ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ مُحَمَّدَ ابْنَ اِبْرَاهِيمَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ قَيْسِ بْنِ عَمْرٍو وَفِي شرح السنة ونسخ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المصابیح عن قیس بن فهد نحوه۔

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۲/۵۱ حدیث رقم ۱۲۶۷۔

ترجمہ: حضرت محمد بن ابراہیم حضرت قیس بن عمرو سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ فجر کی نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھ رہا ہے آپ ﷺ نے اس سے فرمایا صبح کی نماز دو رکعت ہے پھر فرمایا دو رکعت ہی پڑھو اس آدمی نے عرض کیا کہ فجر کی فرض نماز سے پہلے میں نے دو رکعت سنت نہیں پڑھی تھی وہ رکعتیں میں نے اس وقت پڑھی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اس کی یہ بات سن کر خاموش ہو گئے۔ (ابوداؤد) امام ترمذیؒ نے بھی اس کو اس طرح بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ محمد بن ابراہیم کا سماع قیس ابن عمرو سے ثابت نہیں ہے نیز شرح السنہ اور مصابیح کے بعض نسخوں میں قیس بن فہد سے اسی طرح منقول ہے۔

راویٔ حدیث:

محمد بن ابراہیم۔ یہ "محمد" ہیں ابراہیم کے بیٹے ہیں۔ قرشی و تیمی ہیں۔ صغار تابعین میں سے ہیں۔ علقمہ بن وقاص اور ابوسلمہ سے حدیث کی سماعت کی۔ امام ترمذی نے صبح کی دو رکعت کے بارے میں ان کی ایک حدیث بیان کی ہے اس کی سند یہ ہے کہ روایت ہے قیس سے جو سعد بن سعید کے دادا ہیں۔ اور قیس یحیٰی بن سعید اور ان کے بھائی سعد کے دادا ہیں۔ انہوں (ترمذی) نے کہا کہ یہ قیس عمرو یا فہد کے بیٹے ہیں۔ پھر کہا کہ اس حدیث کی سند متصل نہیں کیونکہ محمد بن ابراہیم تیمی نے قیس سے نہیں سنا۔ فہد میں یا قاف مفتوح ہے یا فاء ہے اور مفتوح ہے۔

تشریح: اس حدیث میں نمازِ فجر کے لئے "رکعتین" کا لفظ دو مرتبہ آیا ہے اور یہی صحیح نسخہ بھی ہے لیکن یہاں دوسرا "رکعتین" نفی زیادت کی تاکید کیلئے ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دو رکعتیں سنت ہیں اور دو رکعتیں فرض ہیں، یہ توجیہ تو ہمارے ذہن کے مطابق ہے، علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "رکعتین" محلاً منصوب ہے اور اس کا فعل محذوف ہے، تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: "**اتصلی بعد صلوٰۃ الصبح رکعتین ولیس بعدها صلوٰۃ؟**" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی علامہ طیبی رحمہ اللہ ہی کی پیروی کرتے ہوئے تقدیری عبارت یہ نکالتے ہیں۔

"**اتصلی صلوٰۃ الصبح وتصلی بعدها رکعتین، وقد علمت انه لا صلوٰۃ بعدها؟**"

اور یہاں استفہام تقدیری برائے انکار ہے، اور دوسرا "رکعتین" پہلی کی تاکید لفظی ہے یعنی جب تم نے صبح کی نماز پڑھ لی تو اس کے بعد کیسے کوئی نماز پڑھ سکتے ہو؟ لیکن ان دونوں حضرات کا کلام جس تکلف اور تعسف سے بھرپور ہے، وہ کسی پر مخفی نہیں۔

فصلیتهما الآن: علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کہہ کر اس نماز پڑھنے والے نے نبی ﷺ کے سامنے اپنا عذر پیش کیا کہ اس نے فرض نماز ہی پڑھی تھی، سنتیں چھوٹ گئی تھیں جو اس نے اب پڑھ لی ہیں، یہی امام شافعی اور امام محمد رحمہما اللہ کا مذہب ہے۔

ہماری رائے یہ ہے کہ یہ صرف امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ کا مذہب اس سلسلے میں یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی فجر کی سنتیں چھوٹ جائیں تو انہیں طلوع آفتاب کے بعد قضا کیا جائے گا جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابویوسف رحمہ اللہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا مذہب یہ ہے کہ اگر فجر کی صرف سنتیں ہی چھوٹی ہوں فرض ادا کر لئے ہوں تو ان کی قضا نہیں ہے اور اگر کسی آدمی کے فرض بھی چھوٹ گئے ہوں تو سنتوں کو فرضوں کے تابع کر کے قضا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن وہ بھی زوال سے پہلے اسی طرح ظہر کی نماز میں پہلی چار سنتیں چھوٹ جانے کی صورت میں بعد کی دو سنتیں ادا کرنے کے بعد قضا کی جائیں گی۔ بعض حضرات کی رائے کے مطابق پہلے چار سنتیں ادا کی جائیں گی بعد میں دو سنتیں لیکن یہ اختلاف صرف اولویت میں ہے اور فرض سے بعد والی دو سنتوں کو مقدم کرنا زیادہ صحیح اور راجح ہے جسے ابن ماجہ نے اپنی کتاب میں تخریج کیا ہے اور یہی علامہ ابن ہمام کا مختار مذہب ہے۔

فسکت رسول اللہ ﷺ: ابن ملک فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کا سکوت اس بات کی دلیل ہے کہ جس شخص نے فجر کی سنتیں پہلے نہ پڑھی ہوں فرضوں کے ادا کرنے کے بعد اسے ادا کر لینا چاہیے۔ یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی قول ہے ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث سنداً ثابت ہی نہیں ہے جیسا کہ عنقریب اس کی وضاحت آتی ہے اس لئے اسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف بطور حجت کے نہیں پیش کیا جا سکتا۔ اصل میں اس حدیث کا ایک راوی قیس بن عمرو جسے قیس بن قہد بھی کہتے ہیں ان سے محمد بن ابراہیم نے سماع ہی نہیں کیا اس سے یہ متصل نہیں۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس اختلاف کی طرف مؤلف نے بھی اشارہ کیا ہے اور یہ کہ صحیح نام قیس بن عمرو ہی ہے اور یہ صحابی ہیں اور ان کا تعلق قبلہ بنونجار سے ہے بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق قیس بن قید بھی بنونجار سے تعلق رکھتا ہے۔ میرک نے بھی تصحیف سے نقل کرتے ہوئے ان دونوں کو بنی نجار میں سے قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک یہ دونوں ایک ہی شخص کے نام ہیں اور یہ بھی کچھ بعید نہیں ہے لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی یہ بات اور یہ عجیب و غریب بات کہ اگر سنداً یہ روایت صحیح نہ بھی ہو تو نبی ﷺ کا یہ فرمان اس کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔

"لا صلوٰۃ بعد الفجر الا رکعتی الفجر فانہ صادق بصلاتھما بعد الصبح وقبلہ"

حالانکہ یہ بات اس اجماع کے خلاف ہے کہ فجر کی سنتیں ان سنتوں میں سے ہیں جنہیں پہلے ادا کیا جانا چاہیے۔

نیز علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ فجر اور عصر کے اول وقت میں کراہت داخل ہو جاتی ہے (نماز فجر اور عصر ادا کرنے کے بعد وہ وقت نوافل کیلئے مکروہ ہو جاتا ہے) تو اس کے مقابلے میں صحیح مسلم کی وہ مذکورہ روایت موجود ہے جو حضرت عمرو بن عبسہ سے مروی ہے جس میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ ممانعت کی قید نماز فجر اور عصر کے بعد سے متعلق ہے بلکہ اس میں تو اس بات کی صراحت بھی موجود ہے کہ نماز عصر کی ادائیگی سے پہلے جو نماز پڑھی جائے اس کا ثواب لکھنے کیلئے فرشتے موجود اور گواہ ہوتے ہیں اور امام ترمذی رحمہ اللہ کا پہلی بات پر علماء کا اجماع نقل کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ انہیں یہاں سہو لاحق ہوا۔

ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ علی الاطلاق اس مسئلے کو ائمہ ثلاثہ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ ہمارے مذہب میں نماز فجر سے پہلے نوافل مکروہ ہیں فجر کی سنتیں مکروہ نہیں ہیں البتہ نماز فجر کے بعد علی الاطلاق سنتیں بھی مکروہ اور نوافل بھی مکروہ ہیں، باقی رہی نماز عصر تو اس میں دخولِ وقت کے بعد نوافل کی کراہت نہیں ہے بلکہ نماز عصر کے بعد نوافل کی ادائیگی مکروہ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیت اللہ کا طواف ہر وقت ہوسکتا ہے

۱۰۴۵:وَعَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَابَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ لَا تَمْنَعُوْا اَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَیْتِ وَصَلّٰی اَیَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَیْلٍ اَوْنَهَارٍ ۔ (رواہ الترمذی وابو داود والنسائی)

أخرجه أبوداوٗد ۲/ ٤٤٩ حديث رقم ١٨٩٤ ـ والترمذی ۳/ ۲۲۰ حديث رقم ٨٦٨ ـ والنسائی ٥/ ٢٢٣ حديث رقم ٢٩٢٤ ـ وابن ماجه ١/ ٣٩٨ حديث رقم ١٢٥٤ ـ والدارمی ٢/ ٩٦ حديث رقم ١٩٢٦ ـ

ترجمه:حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے بنو عبد مناف کسی کو کعبہ کا طواف کرنے سے نہ روکو رات اور دن میں جب چاہے انہیں نماز پڑھنے سے نہ روکو۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح:''قولهٗ یابنی عبد مناف''

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر تمام قبائل قریش کو چھوڑ کر بنو عبد مناف کو خصوصیت کے ساتھ مخاطب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ اس بات کو جانتے تھے کہ حکومت وخلافت ان ہی کو حاصل ہونی ہے اس لئے بیت اللہ کے ساتھ متعلق اس مسئلے کو واضح کرتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ انہی کو مخاطب فرمایا اور دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ بنو عبد مناف کا شمار رؤسا مکہ میں ہوتا تھا اور انہیں بڑے بڑے مناصب اور عہدے حاصل تھے مثلاً سدانہ، حجابہ، لواء، سقایہ اور رفادہ۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بعض اوقات لوگوں کو طواف کرنے سے روک دیا جاتا تھا اس لئے خصوصیت کے ساتھ تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اس سلسلے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طواف کی قید، قیدِ مانعی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد مسجد حرام میں داخل ہونا ہے کیونکہ عام طور پر مسجد حرام میں داخل ہونے والا ہر شخص طواف کرتا ہی ہے۔

مظہر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے اوقات مکروہہ میں نوافل پڑھنے کی جو ممانعت ہے وہ مکہ مکرمہ میں نہیں رہتی اور اس کی حکمت یہ ہے کہ لوگ ہر وقت وہاں نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل کرسکیں یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ اوقات کراہت کا حکم مکہ مکرمہ میں بھی اسی طرح ہے جس طرح دوسرے شہروں میں ہے کیونکہ ہر جگہ علت ایک ہی ہے۔ ابن ملک نصوص میں تعارض کو دور کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بظاہر نبی ﷺ کے اس ارشاد:

''وصلّٰی اية ساعة شاء'' کا تعلق اوقاتِ غیر مکروہہ سے ہے۔

زوال کے احکام جمعہ کے دن نافذ نہیں ہوتے

۱۰۴۶:وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الصَّلَاةِ نِصْفَ النَّهَارِ حَتّٰی تَزُوْلَ الشَّمْسُ اِلَّا یَوْمَ الْجُمُعَةِ ۔ (رواہ الشافعی)

أخرجه الشافعی فی سنده ص ٦٣ ـ

ترجمه:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دوپہر کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا ہے یہاں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک کہ سورج زائل ہو جائے ہاں البتہ جمعہ کا دن اس سے مستثنیٰ ہے۔

تشریح: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جمعہ کے دن نصف النہار کے وقت نوافل پڑھنا مکروہ نہیں ہے، یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسے مکروہ قرار دیتے ہیں تاہم اس مسئلے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے موافق ہیں۔ رہی یہ حدیث تو بظاہر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ثابت ہی نہیں ہے بلکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب بھی اس کو ثابت نہیں مانتے، چنانچہ خود علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات نے نقل فرمایا ہے لیکن اس کی سند پر علماء کو کلام ہے بالفرض اگر اس حدیث کو ثابت مان بھی لیا جائے تو اُن صحیح احادیث کے مقابلے میں اسے نہیں پیش کیا جا سکتا جن میں نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت عام ہے اور کسی صحیح حدیث سے یوم جمعہ کی تخصیص وتقیید ثابت نہیں ہوتی۔

جمعہ کے دن زوال کا انتظار نہیں

۱۰۴۷: وَعَنْ اَبِی الْخَلِیْلِ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَرِہَ الصَّلَاۃَ نِصْفَ النَّهَارِ حَتّٰی تَزُوْلَ الشَّمْسُ اِلَّا یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقَالَ اِنَّ جَهَنَّمَ تُسْجَرُ اِلَّا یَوْمَ الْجُمُعَةِ رواہ ابوداود وقَالَ اَبُوالْخَلِیْلِ لَمْ یَلْقَ اَبَا قَتَادَةَ۔

أخرجه أبو داوٗد ۱/۶۵۳ حديث رقم ۱۰۸۳۔

ترجمہ: حضرت ابوالخلیل حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصف النہار کے وقت نماز کو مکروہ سمجھتے تھے یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے سوائے جمعہ کے دن اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جہنم کو جمعہ کے دن کے علاوہ روزانہ بھڑکایا جاتا ہے۔ (ابوداؤد) اور کہا ہے کہ یہ حدیث متصل نہیں کیونکہ ابوالخلیل کا سماع ابوقتادہ سے ثابت نہیں۔

تشریح: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس ارشاد مبارک کے ذریعے دراصل نماز ظہر کو ٹھنڈے وقت میں ادا کرنے کی ترغیب دینا چاہتے ہیں اور اس کی دلیل وہ دوسری حدیث ہے جو ان الفاظ سے منقول ہے:۔

”ابردوا بالظهر فان شدة الحر من فيح جهنم“۔

رہی بات یہ کہ نصف النہار کے وقت جہنم کی آگ کو کیوں بھڑکایا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سورج کے پجاری اسی وقت سورج کو سجدہ کرتے ہیں جبکہ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ کو الفاظ شرعیہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمیں ان کے معنی نہیں معلوم البتہ ان کی تصدیق کرنا ہم پر واجب ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الفصل الثّالث:

مکروہ اوقات کی وضاحت

۱۰۴۸: عَنْ عَبْدِاللّٰهِ الصُّنَابِحِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ وَمَعَهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ فَاِذَا ارْتَفَعَتْ فَارَقَهَا ثُمَّ اِذَا اسْتَوَتْ قَارَنَهَا فَاِذَا زَالَتْ فَارَقَهَا فَاِذَا دَنَتْ لِلْغُرُوْبِ قَارَنَهَا فَاِذَا غَرَبَتْ فَارَقَهَا نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلَاةِ فِيْ تِلْكَ السَّاعَاتِ ۔

(رواہ مالك واحمد والنسائی)

أخرجه النسائی فی السنن ۲۷۵۸۱ حدیث رقم ۵۵۹۔وابن ماجه ۳۹۷/۱ حدیث رقم ۱۲۵۳۔ومالك فی الموطأ ۲۱۹/۱ حدیث رقم ٤٤ من کتاب القرآن۔وأحمد فی المسند ٤/۳٤۸۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ صنابحی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے اس کے ساتھ شیطان کا سینگ ہوتا ہے جب سورج بلند ہو جاتا ہے تو شیطان اس سے الگ ہو جاتا ہے پھر جب دوپہر ہوتی ہے تو شیطان سورج کے قریب آ جاتا ہے جب زوال شمس ہو جاتا ہے تو وہ اس سے جدا ہو جاتا ہے۔ پھر جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے تو شیطان اس کے قریب آ جاتا ہے اور جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔ (مالک احمد نسائی)

تشریح: اس حدیث میں مذکور اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت عام ہے خواہ نماز حقیقتاً ہو یا حکماً، حکمی نماز کی مثال نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت ہے اور یہ ممانعت تحریم کے لئے ہے۔

عصر کے بعد کوئی نماز نہیں

۱۰۴۹: وَعَنْ اَبِيْ بَصْرَةَ الْغِفَارِيِّ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمُخَمَّصِ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ صَلَاةٌ عُرِضَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَضَيَّعُوْهَا فَمَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَ لَهٗ اَجْرُهٗ مَرَّتَيْنِ وَلَا صَلَاةَ بَعْدَهَا حَتّٰى يَطْلُعَ الشَّاهِدُ وَالشَّاهِدُ النَّجْمُ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۵٦۸/۱ حدیث رقم (۲۹۲۔۸۳۰)۔والنسائی ۲۵۹/۱ حدیث رقم ۵۲۱ وأحمد فی المسند ۳۹۷/٦۔

ترجمہ: حضرت ابوبصرہ غفاریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مقام مخمص میں عصر کی نماز پڑھائی اور نماز کے بعد ارشاد فرمایا یہ نماز تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کی گئی تھی۔ مگر ان لوگوں نے اس نماز کو ضائع کر دیا لہٰذا جو آدمی اس نماز کی حفاظت کرے گا اور اس کو ہمیشہ پڑھتا رہے گا اس کو دوگنا ثواب ملے گا اور فرمایا کہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز جائز نہیں ہے یہاں تک کہ شاہد طلوع ہو جائے شاہد سے مراد ستارا ہے۔ (مسلم)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح: اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے نماز عصر کا حق ادا نہیں کیا اور اس پر محافظت نہیں کی جس کے نتیجے میں اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا اس لئے تم اس بات سے ڈرو کہیں تم بھی ان جیسے نہ ہو جاؤ اسی وجہ سے اللہ نے فرمایا ہے۔

"حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطٰی"

اس ارشاد مبارک میں صحیح قول کے مطابق صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے اور اس کی پابندی کرنے والے کو دوہرا اجر ملتا ہے ایک تو یہود و نصاریٰ کے برعکس اس کی پابندی کرنے پر اور دوسرا نفس عمل کا اجر یا ایک اجر تو عبادت پر مداومت اور پابندی اختیار کرنے پر اور دوسرا اجر بیع و شراء کو چھوڑنے پر کیونکہ عصر کا وقت عام طور پر کاروباری اعتبار سے بہت قیمتی وقت ہوتا ہے اور اسی وقت میں گاہکوں کی آمد ہوتی ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز عصر کی محافظت پر دوہرا اجر کبھی تو اس کی اپنی فضیلت کی وجہ سے ملتا ہے کیونکہ یہ درمیانی نماز ہے اور کبھی اس کی پابندی کرنے پر دوہرا اجر ملتا ہے۔ رہی یہ بات کہ انسان دوسری نمازوں پر بھی تو پابندی کرتا ہے اس اعتبار سے دوسری نمازیں اس کے شریک ہوئیں پھر اس کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مشارکت نماز عصر کی تخصیص میں مؤثر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس کی فضیلت صرف اسی وجہ سے نہیں بلکہ مذکورہ دونوں امور کی وجہ سے بھی ہے۔

نیز اس حدیث میں نماز عصر کے بعد نماز پڑھنے کی جو ممانعت کی گئی ہے اس کی ایک مخصوص علّت ہے اس لئے اشارۃً اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنی ذات کے اعتبار سے نماز اس وقت میں ممنوع نہیں ہے خواہ غروب کا وقت ہی کیوں نہ ہو اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔

نمازِ عصر کے بعد دو رکعتوں کی ممانعت

۱۰۵۰: وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ اِنَّكُمْ لَتُصَلُّوْنَ صَلَاةً لَقَدْ صَحِبْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَاَيْنَاهُ يُصَلِّيْهِمَا وَلَقَدْ نَهٰى عَنْهُمَا يَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ٦٣/٢ حديث رقم ٥٨٧۔

ترجمہ: حضرت معاویہ سے روایت ہے انہوں نے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم لوگ نماز پڑھتے ہو اور ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے لیکن ہم نے آپ کو یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا بلکہ آپ نے ان دو رکعتوں کو عصر کی نماز کے بعد منع فرمایا ہے۔

تشریح: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ نماز عصر کے بعد نماز پڑھنا ممنوع ہے بعد میں کچھ صحابہ کرام سے اس پر عمل کرنا بھی ثابت ہے لیکن ان متواتر روایات کی موجودگی میں اس کے خلاف رائے قائم کرنا صحیح نہیں ہے بالخصوص جبکہ حضرت عمر فاروقؓ سے سند صحیح کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ وہ نماز عصر کے بعد نوافل پڑھنے والوں کو اتنا مارتے تھے کہ وہ اپنی نماز ختم کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ مارنا صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوتا تھا اور کسی صحابی کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس پر نکیر بھی ثابت نہیں تو گویا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اس کے عدم جواز پر اجماع ہو گیا۔ پھر کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ جن روایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نماز عصر کے بعد نوافل پڑھنے کی نسبت آتی ہے ہماری طرف سے اس کا عذر یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے اور اس کی بھی ایک بنیاد ہے اور وہ یہ کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہر کے بعد کی دو سنتیں کسی کام میں مصروفیت کی وجہ سے رہ گئیں اس نقصان کی تلافی کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر کے بعد دو سنتیں پڑھ لیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول مبارک تھا کہ جب بھی کوئی عمل شروع کرتے تو اس پر دوام فرماتے لیکن دوسرے صحابہ کرام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتیں پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔

فجر کی نماز کے بعد اور عصر کے بعد نماز جائز نہیں

۱۰۵۱: وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ وَقَدْ صَعِدَ عَلٰی دَرَجَةِ الْكَعْبَةِ مَنْ عَرَفَنِیْ فَقَدْ عَرَفَنِیْ وَمَنْ لَّمْ يَعْرِفْنِیْ فَاَنَا جُنْدُبٌ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَاصَلٰوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ اِلَّا بِمَكَّةَ اِلَّا بِمَكَّةَ اِلَّا بِمَكَّةَ۔ (رواه احمد ورزين)

أخرجه أحمد في المسند ٥/١٦٥۔

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے انہوں نے کعبہ کی سیڑھی پر چڑھ کر فرمایا کہ جس نے مجھے پہچانا تو اس نے مجھے پہچان لیا اور جو شخص مجھے نہیں پہچانتا تو میں اس کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں جندب ہوں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ صبح کی نماز کے بعد جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے کوئی نماز نہیں اور نہ عصر کے بعد کوئی نماز ہے جب تک کہ سورج غروب نہ ہو جائے مگر مکہ میں اور اس استثناء کو تین مرتبہ ذکر کیا ہے۔ (احمد۔ رزین)

تشریح: اس حدیث میں حضرت ابوذر غفاریؓ کو درجہ کعبہ پر چڑھنے کا جو ذکر آتا ہے، اس سے مراد لکڑی کا وہ ٹکڑا ہے جو باب کعبہ کے ساتھ لگایا جاتا تھا تاکہ خانہ کعبہ میں داخل ہونے والا اس پر چڑھ کر خانۂ کعبہ میں داخل ہو سکے اور جب خانہ کعبہ کر بند کر دیا جاتا تو لکڑی کا وہ حصہ بیر زمزم کے ایک طرف لگا دیا جاتا تو ممکن ہے اس زمانے میں بھی ایسا ہوتا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی کوئی اور کیفیت ہوتی ہو اور درجہ سے مراد خانہ کعبہ کی چوکھٹ بھی ہو سکتی ہے۔

من عرفني فقد عرفني: اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی مجھے میرے نام سے جانتا ہے وہ مجھے میرے اوصاف سے بھی جانتا ہے کہ میں ہمیشہ سچ بولتا ہوں اور اس میں درحقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو حضرت ابوذر غفاریؓ کے باب فضائل میں سے ہے کہ آسمان کے سائے تلے اور روئے زمین پر ابوذر سے زیادہ سچا کوئی نہیں۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کی یہ حدیث دار قطنی اور بیہقی نے نقل کی ہے۔ لیکن یہ چار وجوہ سے معلول ہے۔

① مجاہد اور حضرت ابوذر غفاریؓ کے درمیان انقطاع۔
② ابن مؤمل کا ضعف۔
③ حمید مولیٰ عفراء کا ضعف۔
④ سند کا اضطراب۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے حمید اور مجاہد کے درمیان قیس بن سعد کو داخل کیا ہے جبکہ سعید بن مسلم نے اسی روایت کی اسی سند میں قیس بن سعد کا ذکر نہیں کیا۔ خود علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کو اس بات کا اعتراف ہے کہ سنداً یہ روایت ضعیف ہے لیکن اس کے باوجود وہ "یابنی عبد مناف" والی حدیث کو اس کیلئے مؤید قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ حدیث تو مؤول ہے اور یہ بات پیچھے گذر چکی ہے کہ وہ لوگ اپنی اغراض فاسدہ کے پیش نظر بعض اوقات لوگوں کو نماز اور طواف سے روکتے تھے۔ اس دروازے کو بند کرنے کیلئے یہ حکم دیا گیا اور اسے مطلق رکھا گیا گو کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اوقات مکروہہ میں نماز کو ممنوع قرار دے چکے تھے اور صرف اسی وجہ سے اس حکم کی نسبت بنو عبد مناف کی طرف کی گئی اور خصوصیت کے ساتھ ان ہی سے خطاب فرمایا گیا۔ "واللہ اعلم بالصواب"۔

بَابُ الْجَمَاعَةِ وَ فَضْلِهَا

جماعت اور اس کی فضیلت کا بیان

اس باب میں مصنف رحمہ اللہ با جماعت نماز پڑھنے کے احکام و آداب اور اسکی فضیلت پر مشتمل احادیث ذکر فرمائیں گے۔

الفصل الاول:

جماعت کی نماز کا ثواب

۱۰۵۲: عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۱۳۱ حديث رقم ۶۴۵۔ ومسلم في صحيحه ۱/۴۵۰ حديث رقم (۲۴۹۔۶۵۰) والنسائي ۲/۱۰۳ حديث رقم ۸۳۷۔ ومالك في الموطأ ۱/۱۲۹ حديث رقم ۱ من كتاب صلاة الجماعة۔ وأحمد في المسند ۲/۶۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جماعت کی نماز اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس درجے زیادہ ہوتی ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی طرف بھی اشارہ موجود ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے تنہا نماز پڑھے تو اسے بھی جماعت کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔ نیز یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ جماعت صحتِ نماز کیلئے شرط نہیں اور نہ ہی فرض عین ہے جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی دونوں طرح کی روایتیں موجود ہیں۔ ورنہ تنہا نماز پڑھنے والے کیلئے ثواب کا کوئی درجہ نہ ہوتا البتہ اسے معذور پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث کا مقصد جماعت کی ترغیب دینا ہے فرضیت یا شرطیت کے دلائل دوسرے ہیں۔

علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں با جماعت نماز کو انفرادی نماز پر ستائیس (۲۷) درجے افضل قرار دیا گیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں پچیس (۲۵) درجے فضیلت کا ذکر آتا ہے ان دونوں حدیثوں میں تطبیق پیدا کرنے کے لئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ فضیلت کا تفاوت اور اس کے مختلف درجات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زائد چیز ناقص سے بعد میں ہی آتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے اپنے فضل سے ثواب میں اضافہ فرمایا اور اللہ کے ہاں یہ اصول ہے کہ وہ وعدے سے کم کبھی نہیں دیتے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پہلے ایک مقدار کی خوشخبری سنادی، پھر دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور امت مسلمہ پر مزید احسان فرمانا چاہتے ہیں اس لئے دوسری مقدار کی خوشخبری دے کر امت کو باجماعت نماز کی ترغیب دلائی۔

باقی رہی یہ بات کہ باجماعت نماز کی فضیلت کو کبھی ۲۵ گنا پر اور کبھی ۲۷ گنا پر محمول کرنے کی کیا وجہ ہے؟ تو جان لینا چاہیے کہ اس کا مرجع وہ علوم نبویہ ہیں جن کا اجمالی ادراک بھی عقل کو نہیں ہو سکتا۔ تفصیلی ادراک تو بڑی دور کی بات ہے۔ البتہ یہ فائدہ ضرور ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کو اس اسلامی شعار کے اظہار میں یکجا اور اکٹھا کرنا مقصود ہو۔

امام نوویؒ نے اس حدیث شریف میں تین تطبیقات بیان کی ہیں۔

① قلیل کے ذکر سے کثیر کی نفی نہیں ہوتی۔

② علامہ توربشتی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ توجیہہ۔

③ نمازی اور نماز کے احوال بدلنے سے ثواب کے درجات میں بھی تفاوت واقع ہو جاتا ہے، چنانچہ بعض نمازیوں کیلئے یہ ثواب ۲۵ گنا ہے اور بعض کیلئے ستائیس گنا، جس شخص کی نماز میں جتنا کمال، دوام اور خشوع ہوگا جگہ اور امام کی بزرگی جتنی زیادہ ہوگی ثواب میں اتنا ہی اضافہ ہوگا۔

بظاہر یہ فضیلت صرف جماعت کی ہے کیونکہ بعض مقدس مقامات پر نماز پڑھنے کا ثواب کئی گنا زیادہ ہوتا ہے اسی طرح نمازیوں اور نمازوں کے درجات میں بھی واضح فرق موجود ہوتا ہے اس لئے اس حدیث کی وہی توجیہہ قابل اعتماد ہے جو علامہ توربشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمائی ہے۔

اسی حدیث سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جماعت کے مسنون ہونے پر استدلال کیا ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بھی یہی قول صحیح ہے اور اسی کو اکثر حضرات نے ترجیح دی ہے لیکن قول اصح اکثر علمائے کرام کے نزدیک جماعت کے فرض کفایہ ہونے کا ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو عنقریب آیا چاہتی ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انفرادی نماز پڑھ کر ایک ہی درجے پر قناعت کر کے درجاتِ کثیرہ کو چھوڑ دینے والا یا تو اس حدیث کو سچا نہیں مانتا یا پھر وہ بیوقوف ہے جسے نفع بخش تجارت کرنے کا طریقہ نہیں آتا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسجدِ حرام میں باجماعت نماز پڑھنے کے ثواب یعنی ستائیس گنا کو ایک لاکھ سے ضرب دیا جائے گا یعنی مسجد حرام میں انفرادی نماز پڑھنے والے کو اگر ایک لاکھ نمازیں پڑھنے کا ثواب ملتا ہے تو باجماعت نماز پڑھنے والے کو ستائیس لاکھ نمازوں کے پڑھنے کا ثواب ہوگا اور سند صحیح سے یہ روایت ثابت ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز کا ثواب پچیس نمازوں کے برابر ہے اور وہی نماز اگر انسان جنگل میں پڑھے اور مکمل رکوع وسجدے کے ساتھ پڑھے تو اس کا ثواب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پچاس گنا ہو جاتا ہے، اسی مضمون کی ایک اور حدیث بھی منقول ہے جس میں رکوع وسجود کے ساتھ وضو کا بھی ذکر ہے اور عبدالرزاق کی حدیث میں مروی ہے کہ جو شخص جنگل میں اقامت کہہ کے نماز پڑھے تو اس کے ساتھ دو فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور اگر اذان اور اقامت کہہ کر نماز پڑھے تو اس کے پیچھے اللہ کے لشکر اتنی بڑی تعداد میں نماز پڑھتے ہیں جن کے دونوں کناروں کو نہیں دیکھا جاسکتا اسی طرح عبدالرزاق ہی کی حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ اس کے ساتھ چار ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور اذان واقامت دونوں کہنے والے کے ساتھ چار لاکھ فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور ابن مسیب فرماتے ہیں کہ اس کے پیچھے پہاڑوں کی طرح پھیلے ہوئے کثیر تعداد کے فرشتے نماز پڑھتے ہیں۔

جماعت ترک کرنے پر وعید

۱۰۵۳: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ فَیُحْطَبَ ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلٰوةِ فَیُؤَذَّنُ لَهَا ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا فَیَؤُمُّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰی رِجَالٍ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَایَشْهَدُوْنَ الصَّلٰوةَ فَاُحَرِّقَ عَلَیْهِمْ بُیُوْتَهُمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْیَعْلَمُ اَحَدُهُمْ اَنَّهٗ یَجِدُ عِرْقًا سَمِیْنًا اَوْمِرْ مَاتَیْنِ حَسَنَتَیْنِ لَشَهِدَ الْعِشَآءَ۔ (رواہ البخاری ولمسلم نحوہ)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۴۵۱حدیث رقم (۲۵۱۔۶۵۱)وأبوداؤد ۱/۳۷۱حدیث رقم ۵۴۸۔والترمذی ۱/۴۲۲حدیث رقم ۲۱۷۔والنسائی ۲/۱۰۷حدیث رقم ۸۴۸۔وابن ماجه ۱/۲۵۹حدیث رقم ۷۹۱۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں نے ارادہ کیا کہ کسی خادم کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں جب لکڑیاں جمع ہو جائیں تو (عشاء) کی نماز کے لئے اذان کہنے کا حکم دوں جب اذان ہو جائے تو کسی شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے تو پھر میں ان لوگوں کی طرف جاؤں جو جماعت کی نماز کے لئے نہیں آتے اور ایک دوسری روایت میں اس طرح مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے اور ان کے گھروں کو آگ لگادوں اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ مسجد میں گوشت کی اچھی ہڈی یا گائے اور بکری کے دو اچھے کھر مل جائیں گے تو عشاء کی نماز میں وہ لوگ ضرور حاضر ہوں گے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: "قوله وفی روایة لا یشهدون الصلوٰة"

مؤلف فرماتے ہیں صحیح بات یہ ہے کہ "لا یشهدون الصلوٰة" کے الفاظ اس روایت میں نہیں بلکہ دوسری روایت میں ہیں جیسا کہ علامہ طیبی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے لیکن صاحب مصابیح نے ان دونوں روایتوں کو ایک ہی بنا دیا ہے اسی سے ملتی جلتی ایک دوسری حدیث میں "یصلون فی بیوتهم لیست بهم علة" کے الفاظ بھی آتے ہیں جنہیں سامنے رکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعید ترک نماز پر نہیں بلکہ بلا عذر جماعت چھوڑ دینے پر ہے۔

بعض حضرات کی رائے مطابق اس حدیث میں بیان کی گئی وعید سب لوگوں کو شامل ہے اور بعض علمائے کرام کی رائے کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطابق اس سے مراد زمانہ نبوی کے منافقین ہیں جیسا کہ ابن ملک نے نقل کیا ہے اور یہی دوسرا قول زیادہ واضح ہے اس لئے کہ عہد نبوی میں جماعت سے وہی آدمی پیچھے رہتا تھا جو منافق ہو اور اس کا نفاق ظاہر ہو یا جسے اپنے دین میں تردد اور شک ہو۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ابتدائے اسلام میں مال و دولت جلا کر بھی سزا دی جاتی تھی، بعض علمائے کرام کے مطابق اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ آگ کے ذریعے کسی کو کوئی سزا نہ دی جائے سوائے نماز سے پیچھے رہنے والے کے اور مالِ غنیمت میں خیانت اور دھوکہ بازی کرنے والے کے تاہم ان میں بھی جمہور علماء کرام کی رائے یہی ہے کہ ان کا ساز و سامان نہ جلایا جائے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے جماعت کے وجوب عین (فرض عین) ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس حدیث کا تعلق منافقین کے گروہ سے ہے تاہم امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور داؤد ظاہری جماعت سے نماز پڑھنے کے وجوب عین کے قائل ہیں لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے خاص سبب کا نہیں اور حدیث کی عام الفاظ بھی اسی کی تائید کر رہے ہیں۔

عرقاً سمیناً: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عرق سے مراد وہ ہڈی ہے جس پر گوشت لگا ہوا ہو۔ ابن ملک کی بھی یہی تحقیق ہے اور ان کی رائے کے مطابق سمین کو بطور وصف لانے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ فی نفسہ سمین ہو اور اس سے زیادہ گوشت حاصل ہو سکتا ہو جبکہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ہڈی موٹی ہو تو اس میں چکنائی زیادہ ہوتی ہے جسے حاصل کرنے کیلئے اسے بڑی رغبت سے چبایا جاتا ہے۔

او مرماتین حسنتین: مِرماۃ میم کے کسرہ یا فتحہ کے ساتھ بکری کے کھر کو کہتے ہیں بعض اہل لغت کے مطابق بکری کے کھروں کے درمیان جو گوشت ہوتا ہے اسے مرماۃ کہتے ہیں اور بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق یہ اس ہڈی کو کہتے ہیں جس پر گوشت نہ ہو اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ اس چھوٹے تیر کو کہتے ہیں جس سے تیر اندازی سیکھی جاتی ہے یا تیر اندازی کے مقابلے میں اسے استعمال کیا جاتا ہے۔

ابن ملک فرماتے ہیں کہ یہاں مِرماتین کی صفت حسنتین لانے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں انسان کی رغبت کی وضاحت ہو سکے۔ جبکہ شرح السنۃ کے مطابق اس لفظ کا ماخذ حسن ہے اور اس سے مراد کہنی کی وہ ہڈی ہے جو پیٹ سے ملی ہوئی ہوتی ہے اور کہنی کی جو ہڈی کندھے سے ملی ہوئی ہو اسے قبیح کہتے ہیں۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حسنتین کا لفظ مرماتین سے بدل ہے جبکہ اس سے مراد وہ ہڈی ہو جس پر گوشت نہ ہو اگر اس سے مراد چھوٹے تیر ہوں تو پھر حسنتین اس کی صفت ہے اور جید تین کے معنی میں ہے۔

مقصد اس حدیث کا زجر و توبیخ ہے یعنی اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ نماز عشاء میں شرکت کرنے سے کچھ دنیاوی فائدہ بھی ملے گا تو اس میں وہ ضرور شرکت کرے اگرچہ وہ فائدہ انتہائی گھٹیا، حقیر اور معمولی ہی کیوں نہ ہو۔

باجماعت نماز کی فقہی و شرعی حیثیت کا تعین

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ''وجوب جماعت'' پر دلالت کرتی ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کا ظاہر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی جماعت کے فرض کفایہ ہونے پر دال ہے، گویا یہ حدیث ان کی دلیل ہے لیکن ہماری رائے یہ ہے کہ یہ حدیث تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی تردید کرتی ہے کیونکہ اگر جماعت فرض کفایہ ہوتی ہے تو وہ لوگ کبھی مستحق عذاب نہ ہوتے جو جماعت ترک کردیتے ہیں، حالانکہ اس کے تو آپ بھی قائل نہیں۔

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرض کفایہ کا قول اختیار کرنے والا شاید یہ کہنا چاہتا ہے کہ جماعت کو فرض قرار دینے کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی شعار (نماز) کا اظہار ہوسکے اور یہ اظہار بعض لوگوں کے کرنے سے ہوجاتا ہے اسلئے جماعت فرض کفایہ ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ دلیل انتہائی ضعیف ہے، کیونکہ یہ بات تو ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ عہد نبوی میں نماز باجماعت کی ادائیگی کا اہتمام کیا جاتا تھا، اس طرح کچھ لوگ تو جماعت میں شریک ہوہی جاتے تھے، لیکن اس کے باوجود نماز باجماعت سے جان چرانے والوں کیلئے وعید سنائی گئی ہے اور انہیں آگ میں جلانے کا ارادہ کیا گیا ہے۔ ادھر دوسری طرف نماز جنازہ جو کہ فرض کفایہ ہے، اسے ترک کرنے پر ایسی کوئی وعید نہیں سنائی گئی، اگر پنج وقتہ نماز باجماعت بھی فرض کفایہ ہوتی تو پھر اسے ترک کرنے پر ایسی سخت وعید نہ سنائی جاتی۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ قول نقل کرنے کے بعد یہ بھی کہا ہے کہ اکثر صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا یہی مسلک ہے، لیکن ہماری رائے کے مطابق قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات بھی محل نظر ہے، اور قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی دلیل یہ حدیث بیان کی ہے کہ ہر وہ تین آدمی جو کسی گاؤں یا دیہات میں موجود ہوں اور نماز باجماعت ادا نہ کریں، تو شیطان ان پر غالب آجاتا ہے، اس لئے تم اجتماعیت کو لازم پکڑو، ورنہ چرواہے سے دور رہ جانے والی بکری کو بھیڑیا کھاجاتا ہے۔

اور شیطان کا غالب آنا کسی معصیت کی وجہ سے ہوسکتا ہے، جیسے ترک واجب، کیونکہ ترک سنت معصیت نہیں، اس لئے معلوم ہوا کہ جماعت فرض کفایہ ہے، ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی محولہ بالا حدیث تو اس بات کی دلیل ہے کہ جماعت فرض عین ہے، یا کم از کم واجب ہے جیسا کہ ہمارا مختار مذہب یہی ہے، یہ حدیث فرض کفایہ ہونے کی دلیل نہیں۔

نیز اس حدیث میں تین آدمیوں کی جو قید لگائی گئی ہے وہ اس لئے کہ جمعہ کے علاوہ دیگر نمازوں میں جماعت کیلئے کم از کم تین افراد کا ہونا ہی شرط ہے، قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آگے چل کر فرمایا ہے کہ باقی علماء کرام جماعت کو سنت قرار دیتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور ان کی دلیل اسی باب کی پہلی حدیث ہے۔

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گھر میں بلا جماعت نماز پڑھنے کے صحیح ہونے سے اس کی فی الجملہ فضیلت ثابت نہیں ہوئی اور نہ ہی یہ حدیث اس کو مستلزم ہے اور ظاہر ہے کہ جب کسی شخص کی نماز جماعت سے رہ جائے گی تو وہ نماز تو بہر حال پڑھے گا، اس لئے حدیثِ مذکور کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جماعت کی نماز گھر کی اس نماز سے افضل ہے جس کا گھر میں ادا کرنا صحیح بھی ہو، اگر یہ مطلقاً بلا جماعت اس کے صحیح ہونے کا تقاضا کرتی تو اس سے اس کے سنت ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکے گا۔ کیونکہ اتنی بات تو واضح ہے کہ جماعت نماز کے افعال میں سے نہیں ہے، اس لئے اس کا تارک گناہگار ہوگا، مفسد نہیں۔

پھر کچھ آگے چل کر ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مخالفین اس حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ آگ میں جلانے کی جو دھمکی اور وعید سنائی گئی ہے، اس کی وجہ ان کی لاپرواہی اور غفلت ہے جو وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں برتتے ہیں، لیکن یہ بات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وعید ترک جماعت اور منافقین اور اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار رہنے والے افراد کی مشابہت کی وجہ سے سنائی گئی ہے۔ نیز وہ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور داؤد ظاہری کے نزدیک ''جماعت'' فرض عین ہے اور ان کی دلیل اسی حدیث کے ظاہری الفاظ ہیں، ان کے نزدیک ''جماعت'' صحت نماز کی شرط نہیں ہے، جبکہ بعض اہل ظواہر وجوب جماعت اور نماز کی صحت کیلئے اس کے شرط ہونے کے قائل ہیں۔

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حاصل اختلاف یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا فرض عین ہے، ہاں! اگر کوئی عذر ہو تو بات جدا ہے، یہی امام احمد، داؤد ظاہری، عطاء اور ابوثور کا مسلک ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ وغیرہ سے منقول ہے کہ جو شخص اذان سنے اور اس کا جواب نہ دے تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (جواب نہ دینے سے مراد جماعت میں حاضر نہ ہونا ہے)۔ بعض حضرات جماعت کو فرض کفایہ مانتے ہیں، غایہ میں عامہ مشائخ کے حوالے سے وجوب کا قول منقول ہے، مفید میں بھی اسے واجب قرار دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اسے سنت قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہوا ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے کہ عاقل، بالغ، آزاد اور جماعت پر قادر لوگوں کیلئے (جبکہ کوئی عذر نہ ہو) نماز باجماعت واجب ہے، لیکن اگر کسی شخص سے جماعت فوت ہو جائے تو اداءِ نماز کیلئے اس سے مسجد میں آنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا (بلکہ جہاں اسے موقع ملے، وہیں اپنی نماز پڑھ لے) اور اس میں ہمارے علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔

البتہ اگر کسی دوسری مسجد میں جماعت ملنے کا امکان ہو اور وہاں چلا جائے تو اچھی بات ہے اور اگر اپنے محلے کی مسجد میں ہی تنہا نماز پڑھ لے تب بھی کوئی حرج نہیں، امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر ایک سوال اٹھایا ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد کی جماعت کو چھوڑ کر کبھی کبھار اپنے گھر والوں کو جمع کر کے گھر ہی میں باجماعت نماز کا اہتمام کر لے تو کیا اسے جماعت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ پھر خود ہی اس کا جواب نفی میں دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ بدعت اور مکروہ ہے، ہاں! اگر کوئی عذر ہو تو پھر گنجائش ہے۔ مثلاً ایسی بیماری لاحق ہو جس کی موجودگی میں تیمم کرنا جائز ہو۔ ہاتھ پاؤں کا مخالف سمت سے کٹا ہوا ہونا، فالج زدہ ہونا، بادشاہ کے خوف سے روپوش ہونا، تنگدستی کی وجہ سے قرض خواہ کے خوف سے روپوش ہونا، چلنے پھرنے سے عاجز ہونا۔

معذورین کی اس فہرست میں شرح کنز کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نابینا کو بھی داخل فرماتے ہیں، اور بظاہر اس پر بھی سب ہی کا اتفاق ہے کیونکہ اندھے کے بارے میں علماء وفقہاء کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے، وہ جمعہ کی نماز سے متعلق ہے، جماعت کی نماز سے متعلق نہیں چنانچہ درایہ میں ہے کہ نابینا شخص پر، بارش کے موسم میں، سخت کیچڑ میں، سخت سردی میں اور گھٹاٹوپ تاریکی میں نماز فجر کیلئے جماعت واجب نہیں ہے۔

نابینا آدمی کے لئے جماعت کی نماز میں حاضری ضروری ہے

۱۰۵۴: وَعَنْهُ قَالَ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ اَعْمٰی فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ لَيْسَ لِیْ قَائِدٌ يَقُوْدُنِیْ اِلَی الْمَسْجِدِ فَسَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّرَخِّصَ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَهُ فَيُصَلِّيَ فِي بَيْتِهِ فَرَخَّصَ لَهُ فَلَمَّا وَلَّى دَعَاهُ فَقَالَ هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَأَجِبْ. (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/ ٣٧٤ حديث رقم (٢٥٥-٦٥٣)۔ وأبو داوٗد ١/ ٣٧٤ حديث رقم ٥٥٢۔ والنسائي ٢/ ١٠٩ حديث رقم ٨٥٠۔ وابن ماجه ١/ ٣٦٠ حديث رقم ٧٩٢۔ وأحمد في المسند ٣/ ٤٢٣۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک نابینا آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرا ایسا کوئی قائد نہیں جو مجھے مسجد میں لے جائے پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ انہیں گھر میں نماز ادا کرنے کی اجازت دی جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی جب وہ واپس لوٹنے لگے تو آپ نے اسے پھر بلایا اسے کہا تم اذان کی آواز سنتے ہو انہوں نے عرض کی جی ہاں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے مسجد میں آنا ضروری ہے۔ (مسلم)

تشریح: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث وجوب جماعت کی دلیل ہے، اور بعض علماء کرام اسے ترغیب وتحریص پر محمول کرتے ہوئے آنے والے صحابیؓ کے حالات کے زیادہ مناسب قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کا شمار فضلاء مہاجرین میں ہوتا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں رخصت دے کر پھر واپس لے لینا یا تو وحی کی وجہ سے تھا، یا تبدیلیٔ اجتہاد ورائے کی وجہ سے۔ بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو ان نابینا صحابیؓ کو مطلق جواب دے دیا، لیکن بعد میں اس جواب کو ''عدم سماع'' کی قید سے مقید فرمادیا کہ اگر تم اذان کی آواز نہیں سنتے، تب تو یہی حکم ہے ورنہ تمہیں جماعت میں شرکت کرنی چاہیے۔

ابن ملک فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جاننے کے باوجود کہ ان نابینا صحابی کو مسجد میں لانے والا کوئی نہیں ہے انہیں رخصت اس لئے نہیں دی کہ آپ جانتے تھے کہ وہ کسی قائد کے بغیر مسجد میں آنے پر قادر ہیں یا اس سے جماعت کی تاکید مقصود تھی اسی وجہ سے امام ابوثور اس حدیث سے وجوبِ جماعت پر استدلال کرتے ہیں۔

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ سے یہ روایت منقول ہے کہ انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ میں نابینا ہوں، میرا گھر دور ہے، مجھے مسجد میں کوئی لانے والا نہیں، کیا مجھے آپ اس بات کی اجازت دیں گے کہ میں گھر میں نماز پڑھ لیا کروں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تمہیں اذان کی آواز آتی ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا پھر میں تمہارے لئے اس میں کوئی رخصت نہیں پاتا۔

یہ روایت امام ابوداؤد، احمد اور حاتم وغیرہ نے نقل کی ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ تمہارے سلسلے میں کوئی ایسی رخصت میں نہیں پاتا کہ جماعت میں حاضر ہوئے بغیر تمہیں جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے اس سے نابینا آدمی پر وجوب جماعت کیلئے استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی عتبان بن مالک کو نابینا ہونے کی وجہ سے ترکِ جماعت کی رخصت دی تھی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے جماعت کے فرض عین ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے، کہ جماعت عذر کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے، نیز صحیحین کی روایت بھی اس کی دلیل ہے کہ جب حضرت عتبانؓ نے اپنی نظر کی کمزوری کی شکایت کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت مرحمت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمائی۔

لیکن حافظ صاحب کی یہ بات محل نظر ہے کیونکہ عذر کے باوجود جماعت کے فرضِ عین ہونے کا تو کسی نے دعویٰ نہیں کیا اور اس کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو پیچھے گذر چکا۔

''من سمع النداء فلم یأته فلا صلوٰۃ لہٗ الا من عذر''

اور یہ دونوں حدیثیں بھی اسی کی تائید کرتی ہیں اور اگر کوئی یہ کہے کہ مندرجہ ذیل دونوں حدیثیں ضعیف ہیں۔

① ''لا صلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد''۔

② ''من تخلف عن الجماعۃ لغیر عذر لم تقبل صلوته''۔

تو ہمارے لئے مسئلہ واضح ہے کہ ہمارے ائمہ فرضیتِ جماعت کے قائل ہیں بلکہ وجوب جماعت کے قائل ہیں کیونکہ اس کیلئے ہمارے پاس کوئی قطعی دلیل نہیں صرف ظنی دلیل ہے۔

بارش اور سخت سردی میں گھر میں نماز پڑھ لینا جائز ہے

۱۰۵۵: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ اَذَّ نَ بِالصَّلٰوةِ فِیْ لَیْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَرِیْحٍ ثُمَّ قَالَ اَلَا صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَاْمُرُ الْمُؤَذِّنَ اِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَمَطَرٍ يَقُوْلُ اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ۔

(متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۱۵٦ حدیث رقم ٦٦٦۔ ومسلم ۱/٤٨٤ حدیث رقم (۲۲۔٦٩٧)۔ وأبوداوٗد فی السنن ۱/٦٤۲ حدیث رقم ۱۰٦۳۔ والنسائی ۲/۱۵ حدیث رقم ٦۵٤۔ وابن ماجه ۱/۳۰۲ حدیث رقم ۹۳٦۔ والدارمی ۱/۳۲۸ حدیث رقم ۱۲۷۵۔ و مالك فی الموطأ ۱/۷۳ حدیث رقم ۱۰ من کتاب الصلاۃ۔ وأحمد فی المسند ۲/۷٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک رات جب کہ شدید سردی اور ہوا تھی نماز کے لئے اذان دی اور فرمایا کہ اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھو اور پھر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سخت سردی والی اور اور بارش والی رات میں مؤذن کو حکم دیتے تھے کہ وہ اپنی اذان میں یہ اعلان کردے۔ الا صلوا فی الرحال۔ سن لو اپنے اپنے گھروں میں نماز ادا کرو۔ (بخاری۔ مسلم)

تشریح: علامہ ابن ہمام، امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ سخت کیچڑ میں جماعت کیلئے آنے کا کیا حکم ہے؟ تو فرمایا مجھے جماعت کا چھوڑنا پسند نہیں ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ مؤطا میں فرماتے ہیں کہ اگرچہ احادیث سے رخصت بھی ثابت ہوتی ہے اور اس سے مراد نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ جب جوتیاں تر بتر ہو جائیں تو اپنے اپنے ٹھکانے پر نماز پڑھ لو۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم کی یہ روایت بھی کسی کی موافقت میں ہے۔

صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ سفر پر نکلے راستے میں بارش شروع ہوگئی نبی ﷺ نے فرمایا جو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہے وہ اپنے اپنے مقام پر ہی نماز پڑھ لے، اسی طرح یہ روایت بھی سند صحیح کے ساتھ ثابت ہے کہ حدیبیہ والے زمانے میں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر پر تھے کہ اچانک بارش شروع ہوگئی لیکن وہ اتنی تھوڑی اور ہلکی تھی کہ اس سے ہمارے جوتوں کے تلوے بھی پوری طرح گیلے نہیں ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے یہ ندا لگائی ''صلّوا فی رحالکم''۔

جب جماعت کے وقت کھانا آ جائے تو پہلے کھانا کھالیا جائے

۱۰۵۶: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَ عَشَاءُ اَحَدِكُمْ وَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَءُوْا بِالْعَشَاءِ وَلَا يَعْجَلْ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُوْضَعُ لَهُ الطَّعَامُ وَتُقَامُ الصَّلَاةُ فَلَا يَأْتِيْهَا حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ وَاِنَّهُ لَيَسْمَعُ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۵۹/۲ حدیث رقم ۶۷۳۔ ومسلم ۳۹۴/۱ حدیث رقم (۶۶۔۵۵۹)۔ والترمذی فی السنن ۱۸۴/۲ حدیث رقم ۳۵۳۔ والنسائی فی السنن ۱۱۱/۲ حدیث رقم ۸۵۳۔ وأخرجه ابن ماجه ۳۰۱/۱ حدیث رقم ۹۳۵۔ والدارمی ۳۳۰/۱ حدیث رقم ۱۲۸۰۔ وأحمد فی المسند ۴۰/۶۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے رات کا کھانا آ جائے اور دوسری طرف نماز کے لئے تکبیر کہی جائے تو وہ کھانا شروع کر دے اور کھانا کھانے میں جلدی بھی نہ کرے بلکہ اطمینان سے کھائے حضرت عبداللہ بن عمر کے سامنے جب کھانا رکھ دیا جاتا تھا اور نماز شروع ہو جاتی تو کھانے سے فارغ ہو کر پھر نماز کیلئے جاتے تھے۔ اور (وہ کھانے کے دوران) امام کی قراءت بھی سنتے رہتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث میں اکثر شوافع کے اس قول کی تردید پائی جاتی ہے جس کے مطابق اگر کسی آدمی کو سخت بھوک لگ رہی ہو کھانا موجود ہو اور نماز کا وقت بھی آ گیا ہو تو اسے اتنے لقمے کھا لینے چاہیے جس سے اس کی بھوک ٹوٹ جائے باقی کھانا نماز کے بعد کھانا چاہیے۔ جبکہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم وغیرہ میں اس قول کی تصویب فرمائی ہے کہ ایسا شخص اپنی ضرورت کو پہلے پورا کرے اور مکمل کھانے سے فراغت پائے پھر نماز کو جائے اور دلیل کے طور پر اسی حدیث کو پیش کیا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ''لا یعجل'' اور ''فابدؤا'' میں بظاہر کوئی مناسبت نہیں ہے کیونکہ فابدؤا جمع پر اور لا یعجل مفرد پر دلالت کرتا ہے لیکن یہ کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ جمع کے ذریعے جو حکم دیا گیا ہے اس کا تعلق مخاطبین سے ہے اور مفرد کے ذریعے جو حکم دیا گیا ہے وہ ان مخاطبین میں سے ایک کے ساتھ متعلق ہے علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

لیکن ہماری رائے یہ ہے کہ یہ توجیہہ اسی صورت میں صحیح ہو سکتی تھی جب ''فابدؤا بالعشاء'' کا لفظ عین کے کسرے کے ساتھ ہوتا حالانکہ تمام نسخ اسے مفتوح العین قرار دینے پر متفق ہیں اس لئے واضح بات یہ ہے کہ جمع حاضر کا صیغہ عمومیتِ حکم کا فائدہ دینے کیلئے ہے یعنی یہ بتانے کیلئے ہے کہ یہ حکم کسی ایک شخص کے ساتھ خاص نہیں ہے یا یہ مراد ہے کہ کھانا بھی کھا لے اور کوشش کر کے باجماعت نماز ادا کرنے کی فضیلت بھی حاصل کر لے۔

میرک تصحیح کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ انسان کو بہت زیادہ بھوک لگ رہی ہو، کھانے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی شدید رغبت ہو اور وقت میں گنجائش بھی ہو اس سلسلے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے کہ مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ میرا سارا کھانا نماز بن جائے بنسبت اس کے میری ساری نماز کھانا بن جائے۔

اگر کسی کو بول و براز کی حاجت ہو تو نماز سے پہلے اس کو پورا کیا جائے

۱۰۵۷: وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا صَلٰوةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ وَلَا هُوَ يُدَافِعُهُ الْاَخْبَثَانِ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۳۹۳ حديث رقم (۶۷۔۵۶۰)۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کھانا حاضر ہونے کی صورت میں نماز کامل نہیں ہوتی اور نہ ہی اس وقت نماز ادا کرنا صحیح ہوتا ہے جب بول و براز کی ضرورت اس توجہ کو ختم کر دے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں ''اخبثان'' سے مراد پیشاب اور پاخانہ ہے، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کھانے کی موجودگی میں نماز پڑھنے کی کراہت اس لئے ہے کہ اگر اس صورت میں وہ نماز پڑھنے شروع کر دے تو ذہن پھر بھی کھانے کی طرف ہی لگا رہے گا اور یوں نماز سے خشوع وخضوع مکمل طور پر رخصت ہو جائے گا۔ اسی طرح بول و براز کی شدید ضرورت اور تقاضے کے وقت میں نماز پڑھنے کی کراہت بھی اسی وجہ سے ہے، اور یہی حکم ہے ان کے تمام صورتوں کا جو اس سے ملتی جلتی ہیں، لیکن یہ اسی صورت میں ہے جبکہ وقت میں کچھ گنجائش ہو، اور اگر وقت تنگ ہو تو پھر احترامِ وقت کے پیش نظر نماز میں مشغول ہو جائے اور کھانا بعد میں کھائے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہیں سے ہمارے اکثر ائمہ نے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ ان مذکورہ امور میں سے کسی ایک کا بھی شدید تقاضا ہونے کی صورت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے گو کہ جماعت فوت ہو جانے کا اندیشہ ہی کیوں نہ ہو، اور ایک گروہ نے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی نقل فرمایا ہے کہ اگر اس حال میں نماز پڑھنے کی وجہ سے خشوع وخضوع رخصت ہو جائے تو ایسا کرنا حرام اور مفسدِ نماز ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔

''لا يحل لمؤمن يؤمن بالله واليوم الآخر ان يصلي وهو حاقن حتى يتخفف''

''کسی مؤمن کیلئے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، حلال نہیں ہے کہ بول و براز کی حاجت کو دبا کر نماز پڑھے، تا آنکہ اس سے ہلکا نہ ہو جائے''۔

لیکن متقدمین نے اسے شدید تقاضے پر محمول کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر اس کا غالب گمان یہ ہو کہ پیشاب وغیرہ روکنے سے طبی اور طبی طور پر نقصان ہو گا تو اسے روکنا اور دبانا حرام ہے۔

جب فرض نماز شروع ہو جائے تو دوسری کوئی نماز جائز نہیں

۱۰۵۸: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِلَّا الْمَكْتُوْبَةُ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۴۹۳حديث رقم (۶۳۔۷۱۰)۔وأبوداوٗد ۲/ ۵۰حدیث رقم ۱۲۶۶۔والترمذی ۱/۲۸۲حدیث رقم ۴۲۱۔والنسائی ۲/۱۱۶حدیث رقم ۸۶۵۔وابن ماجه۱/۳۶۴حدیث رقم ۱۱۵۱۔ والدارمی ۱/ ۴۰۰حدیث رقم ۱۴۴۸۔وأحمد فی المسند ۲/ ۳۳۱۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب نماز کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی دوسری نماز جائز نہیں۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کی شرح میں مظہر فرماتے ہیں کہ مؤذن جب اقامت کہنے لگے تو نمازی کیلئے فجر کی سنتیں پڑھنا بھی جائز نہیں ہے بلکہ اسے چاہیے کہ فرائض میں امام کے ساتھ شمولیت اختیار کرے، اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر نمازی کو یہ یقین ہو کہ فجر کی سنتیں پڑھنے کے باوجود وہ امام کو پہلی یا دوسری رکعت میں پا لے گا تو اسے چاہیے کہ پہلے فجر کی سنتیں پڑھے، پھر امام کے ساتھ شامل ہو۔

ابن ملک فرماتے ہیں کہ فجر کی سنتوں کی اس اَمر سے تخصیص کر لی گئی ہے اور اس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ فجر کی سنتیں ضرور پڑھا کرو، اگرچہ تمہیں گھوڑے روند ہی کیوں نہ دیں۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ اگر دوسری رکعت کے فوت ہوجانے کا اندیشہ نہ ہو تو فجر کی سنتیں پڑھ لی جائیں اور اگر اندیشہ ہو تو انہیں ترک کر دیا جائے تاکہ دونوں دلیلوں پر عمل ہو جائے، مذکورہ روایت کے الفاظ ابوداوٗد شریف میں یوں ہیں:۔

"لا تدعوها وان طردتكم الخيل"

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فجر کی سنتیں دوسری نمازوں کی سنتوں کی نسبت زیادہ قوی ہیں، ان کی قوت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حسن نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص بلا عذر یہ سنتیں بیٹھ کر پڑھے تو یہ ناجائز ہے۔ اسی طرح دیگر علماء وفقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عالم عوام الناس کیلئے حصول فتوی کا مرجع ومرکز ہو تو لوگوں کی ضروریات کی تکمیل اور مسائل حل کرنے کی خاطر وہ ہر نماز کی سنتیں چھوڑ سکتا ہے لیکن فجر کی سنتیں ترک کرنے کی اسے بھی اجازت نہیں ہے کیونکہ یہ سب سے زیادہ مضبوط اور قوی سنتیں ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر فجر کی سنتوں اور فرضوں دونوں کی فضیلت کو اکٹھے حاصل کرنا ممکن ہو تو بہت اچھا، ورنہ فرائض کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ سنتوں کی نسبت جماعت کے ساتھ فرائض بہرحال زیادہ راجح ہیں، اس لئے کہ فرائض کا ثواب ۲۷ گنا ہوتا ہے جبکہ سنتوں کا ثواب صرف اپنا ذاتی ہی ہوتا ہے، اور ترک جماعت پر جو وعید سنائی گئی ہے اس کی موجودگی میں سنتوں کی بجائے فرائض میں شرکت زیادہ ضروری ہے۔

اگر کسی شخص کی سنتیں پڑھنے کی صورت میں یہ امید ہے کہ وہ تشہد میں امام کے ساتھ مل جائے گا۔ تو شیخین کے نزدیک اس کا حکم ایسا ہی ہے جیسے ایک رکعت پا لینے کا (یعنی جائز ہے) اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا کوئی اعتبار نہیں اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی کو جمعہ کی نماز میں صرف تشہد ملنے کی امید ~~ہو مسلم فقیہ~~ اسماعیل الزاہد سے جو یہ منقول ہے کہ اس موقع پر یہ طریقہ اختیار کرنا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہیے کہ پہلے فجر کی سنتیں شروع کر دے، پھر درمیان میں پہنچ کر انہیں توڑ دے، ایسا کرنے سے اس پر ان سنتوں کی قضاء واجب ہو جائے گی (کیونکہ نوافل شروع کرنے کے بعد لازم ہو جاتے ہیں) اور یوں وہ نماز کے بعد انہیں ادا کر سکے گا۔ لیکن امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے اس قول کو رد کر دیا ہے اور فرمایا ہے کہ محض شروع کر لینے سے جو نوافل انسان پر واجب ہو جاتے ہیں، وہ سنت کے ذریعے واجب ہونے والے نوافل سے زیادہ قوی نہیں ہوتے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ منذور نوافل کو بھی نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے ادا نہیں کیا جا سکتا اور دوسری خرابی یہ ہے کہ اس میں عبارت کو شروع ہی اس نیت سے کیا جا رہا ہے کہ وہ اس کو فاسد اور ختم کر دے گا، اور اس کا غلط اور گناہ ہونا واضح ہے۔

اگر کوئی صاحب یہ کہیں کہ ایسا اس لئے کیا جا رہا ہے کہ بعد میں وہ دوبارہ انہیں اداء کر سکے؟ تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ قصداً کسی عمل کو باطل کرنا منہی عنہ ہے اور فساد کا دروازہ بند کرنا جلب مصلحت پر مقدم ہوتا ہے اس لئے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

عورتوں کے مسجد میں جانے کا حکم

۱۰۵۹: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَاْذَنَتِ امْرَاَۃُ اَحَدِکُمْ اِلَی الْمَسْجِدِ فَلَا یَمْنَعْھَا۔ (متفق علیہ)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/ ٤٩٣حديث رقم (٦٣ ـ ٧١٠)۔ وأبوداوٗد ٢/ ٥٠حديث رقم ١٢٦٦۔ والترمذي ٢٨٢/١ حديث رقم ٤٢١۔ والنسائي ١١٦/٢حديث رقم ٨٦٥۔ وابن ماجه١/ ٣٦٤حديث رقم ١١٥١۔ والدارمي ١/ ٤٠٠ حديث رقم ١٤٤٨۔ وأحمد في المسند ٢/ ٣٣١۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے تو وہ اسے نہ روکے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں عورتوں کو مسجد میں جماعت کے ساتھ شرکت کرنے کی ممانعت پر مشتمل یہ نہی کراہت تنزیہی کیلئے ہے اور بقول امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے تمام علماء کا یہی قول ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام نووی اور علامہ زرکشی کے قول کی وضاحت یہ ہے کہ جہاں عورتوں کے نکلنے میں مسجد یا راستے میں مردوں کے ساتھ اختلاط کا اندیشہ ہو یا عورتوں کے زیب و زینت اختیار کرنے کی وجہ سے فتنے کا قوی اندیشہ ہو تو عورتوں کیلئے نکلنا حرام ہے، اگر یہ صورتیں نہ ہوں تو پھر انہیں اجازت دی جا سکتی ہے تاہم امام یا نائب امام کے ذمے ضروری ہے کہ وہ انہیں اپنے گھر ہی میں نماز پڑھنے کے فضائل سے آگاہ کرے۔

مظہر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں کا نماز کیلئے مسجد جانا جائز ہے لیکن فی زمانہ مکروہ ہے جس کی وجہ ابن ملک کے بقول فتنہ ہے۔

شیخین کی وہ روایت بھی اس کی مؤید ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کو دیکھ لیتے جو عورتوں نے نکال لی ہیں تو انہیں مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا اسی طرح بیہقی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی وہ روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عورتوں کو نکلنے سے منع کیا گیا ہے، اگر کوئی عورت بوڑھی ہو چکی ہو اور وہ گھر کے عام استعمال کے کپڑوں میں نماز کیلئے آنا چاہے تو گنجائش ہے۔

گوکہ یہ ایک صحابی کا قول ہے لیکن حکماً یہ مرفوع حدیث کے زمرے میں آتا ہے اس لئے حدیث میں جو عام ممانعت آئی ہے اس سے اس کی تخصیص کی جا سکتی ہے، مسلم شریف کی یہ حدیث بھی اسی کی تائید کرتی ہے کہ اللہ کی باندیوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکو، امام ابوداؤد نے اس کے بعد یہ جملہ بھی زائد نقل کیا ہے لیکن عورتوں کو چاہیے کہ یہ نماز کیلئے اس حلیہ میں نکلیں کہ کسی قسم کی زیب وزینت نہ کریں اور نہ ہی عطر لگائیں۔

نیز مسلم شریف ہی میں یہ روایت بھی آتی ہے کہ جب تمہاری عورتیں رات کے وقت مسجد میں آنے کی اجازت طلب کریں تو تم انہیں اجازت دے دیا کرو۔

عورت جب گھر سے باہر نکلے تو خوشبو استعمال نہ کرے

۱۰۶۰: وَعَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَهِدَتْ اِحْدَاكُنَّ الْمَسْجِدَ فَلَا تَمَسَّ طِيْبًا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۳۹۳ حديث رقم (۶۳۔ ۷۱۰)۔ وأبوداوٗد ۲/ ۵۰ حديث رقم ۱۲۶۶۔ والترمذی ۱/۲۸۲ حديث رقم ۴۲۱۔ والنسائی ۲/۱۱۶ حديث رقم ۸۶۵۔ وابن ماجه ۱/۳۶۴ حديث رقم ۱۱۵۱۔ والدارمی ۱/ ۴۰۰ حديث رقم ۱۴۴۸۔ وأحمد فی المسند ۲/ ۳۳۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت زینبؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کہا جب تم میں سے کوئی خاتون مسجد میں جائے تو وہ خوشبو استعمال نہ کرے۔ (مسلم)

عورت خوشبو لگا کر عشاء کی نماز کے لئے نہ آئے

۱۰۶۱: وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَأَةٍ اَصَابَتْ بَخُوْرًا فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَآءَ الْاٰخِرَةَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۳۲۸ حديث رقم (۱۴۳۔ ۴۴۳)۔ وأبوداوٗد في السنن ۴/۴۰۱ حديث رقم ۴۱۷۵۔ والنسائی ۱/۱۵۴ حديث رقم ۵۱۲۸۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت خوشبو لگائے تو وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں شریک نہ ہو۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں عطر لگا کر عشاء آخرہ میں عورتوں کی آنے کی جو ممانعت کی گئی ہے اس کے ذریعے مغرب کو نکالنا مقصود ہے اور عشاء کے وقت مسجد میں آنے کی ممانعت ابن ملک کے بقول اس وجہ سے کی گئی ہے کہ اس وقت اندھیرا چھا چکا ہوتا ہے راستے میں سناٹا ہوتا ہے اور عطر نفسانی خواہشات کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اس لئے اندیشہ ہے کہ عورت اس وقت میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فتنے سے محفوظ نہ رہ سکے گی بخلاف فجر اور مغرب کے کہ ان دونوں وقتوں میں روشنی ہوتی ہے اور یہ بات پہلے بھی گذر چکی ہے کہ عورت کا مطلقاً خوشبو لگا کر مسجد میں آنا منع ہے خواہ کوئی بھی نماز ہو۔

الفصل الثانی:

عورتوں کو مسجد میں جانے سے نہ روکو

۱۰۶۲: عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَمْنَعُوْا نِسَاءَ كُمُ الْمَسَاجِدَ وَبُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۱/۳۸۲ حديث رقم ۵٦۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اپنی عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع نہ کرو لیکن ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے علماء کرام نے حج وعمرے کے طواف کو مستثنیٰ قرار دیا ہے کیونکہ ظاہر ہے طواف گھر میں نہیں ہو سکتا۔

عورت کی نماز بند کمرے میں افضل ہے

۱۰۶۳: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِيْ بَيْتِهَا اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِيْ حُجْرَتِهَا وَصَلَاتُهَا فِيْ مَخْدَعِهَا اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِيْ بَيْتِهَا۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداؤد ۱/۳۸۳ حديث رقم ۵۷۰۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عورت کا گھر کے اندر نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور بند کوٹھری میں نماز پڑھنا گھر میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں ابن ملک کے مطابق حجرے سے مراد وہ کمرہ ہے جس کی طرف گھر کے دروازے کھلتے ہوں اور مخدع سے مراد بڑے گھر میں وہ چھوٹا کمرہ ہے جس میں قیمتی چیزوں کو چوری وغیرہ کے ڈر سے محفوظ کر کے رکھا جاتا ہے اور حدیث میں مذکور حکم پردے پر مبنی ہے۔

خوشبو لگا کر مسجد میں جانے والی عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی

۱۰۶۴: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ حِبِّیْ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ امْرَأَةٍ تَطَيَّبَتْ لِلْمَسْجِدِ حَتّٰى تَغْتَسِلَ غُسْلَهَا مِنَ الْجَنَابَةِ۔ (رواه ابوداود وروى احمد والنسائى نحوه)

أخرجه أبوداؤد في السنن ٤/٤٠١ حديث رقم ٤١٧٤۔ والنسائي ٨/١٥٣ حديث رقم ٥١٢٧۔ وابن ماجه

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲/ ۱۳۲۶ حدیث رقم ۴۰۰۲۔وأحمد فی المسند ۲/ ۲۴۶۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی جو مسجد میں جانے کے لئے خوشبو لگائے سوائے اس کے کہ اس خوشبو کو غسل کر کے دور کرے جس طرح جنابت سے غسل کیا جاتا ہے۔(ابوداؤد) امام احمدؒ اور امام نسائیؒ نے بھی اسی طرح کی نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں جو فرمایا گیا ہے کہ کسی ایسی عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی جو مسجد میں خوشبو لگا کر بہائے تا کہ خوشبو زائل ہو جائے لیکن یہ حکم اسی صورت میں ہے کہ جب خوشبو پورے جسم پر لگائی گئی ہو اور اگر کسی ایک عضو پر خوشبو لگائی ہو تو صرف اسی حصے کو اچھی طرح دھو لینا چاہیے۔ اور اگر اپنے کپڑوں کو خوشبو لگائی ہو تو وہ کپڑے تبدیل کر لے یا پھر اس خوشبو زائل کر دے۔

یہ تمام تفصیل اس صورت میں ہے جبکہ عورت مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے جانا بھی چاہے بصورت دیگر اسے خوشبو لگانے کی ممانعت نہیں ہے اور ابن ملک کے مطابق ویسے بھی یہ حدیث کا زجر و توبیخ میں مبالغہ پر محمول ہے کیونکہ اس سے نفس کا تقاضا شدید ہوتا ہے اور فتنوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

خوشبو لگا کر مجلس میں جانے والی عورتوں کے لئے وعید

۱۰۶۵: وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ وَاِنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَا وَكَذَا يَعْنِيْ زَانِيَةٌ۔ (رواه الترمذی ولابی داود والنسائی نحوه)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۴/ ۴۰۰ حدیث رقم ۴۱۷۳۔والترمذی فی السنن ۵/ ۹۸ حدیث رقم ۲۷۸۶۔وأحمد فی المسند ۴/ ۴۱۳۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر آنکھ گناہ کرنے والی ہے جو عورت خوشبو لگا کر مجلس سے گزرے تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی زانیہ ہے۔(ترمذی) امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

تشریح: اس حدیث مبارکہ میں جو ہر آنکھ کو زانیہ قرار دیا گیا ہے اس سے مراد کسی اجنبیہ کی طرف شہوت سے نظر کرنے والی آنکھ ہے کیونکہ آنکھوں کی بدکاری دیکھنا ہے یا یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ نظر مقدمات میں زنا میں سے ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ ہر آنکھ میں خوبصورت چیزوں کی طرف دیکھنے کی طاقت رکھی گئی ہے خاص طور پر اگر وہ معطر بھی ہو تو اس سے نفس کے متوجہ ہونے اور اس کی خواہشات میں مزید اضافہ ہوتا ہے جو عام طور پر انسان کو گناہ کے دروازے پر پہنچا ہی کے چھوڑتا ہے جب تک کہ نفس کی اس خواہش کو ریاضت، مجاہدے اور سب سے بڑھ کر اللہ کی توجہ اور عنایت کے ذریعے جڑ سے اُکھاڑ کر نہ پھینک دیا جائے۔

فھی کذا و کذا: علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عدد سے کنایہ ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وہ خصائل ذمیمہ شمار کروائیں جو مستلزم ذمہ ہیں اور مراد اس سے بدکار عورت ہے کیونکہ اس نے اپنے آپ کو معطر کرتے لوگوں کی خواہشات کو برانگیختہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا اور انہیں اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اس کی طرف نگاہیں اٹھا کر دیکھیں انہیں تو زنا بالعین کا گناہ ہوا اور اس عورت کو زنا بالعین کے سبب بننے کا گناہ ہوگا۔ اس اعتبار سے وہ بھی زانیہ ہی ہے یا اس جیسی ہے۔

ابن ملک فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں انتہائی شدید مبالغہ کے ساتھ عورتوں کو عطر لگا کر گھروں سے باہر نکلنے سے منع کیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض نگاہیں اللہ تعالیٰ کے کرم اور مہربانی سے انہیں دیکھنے سے محفوظ رہتی ہیں۔

منافقین کے لئے جماعت مشکل ہوتی ہے

۱۰۶۶: وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا الصُّبْحَ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ اَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ اَثْقَلُ الصَّلَوَاتِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ وَلَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَاَتَيْتُمُوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الرُّكَبِ وَاِنَّ الصَّفَّ الْاَوَّلَ عَلٰى مِثْلِ صَفِّ الْمَلَائِكَةِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِيْلَتُهٗ لَابْتَدَرْتُمُوْهُ وَاِنَّ صَلَاةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ اَزْكٰى مِنْ صَلَاتِهٖ وَحْدَهٗ وَصَلَاتُهٗ مَعَ الرَّجُلَيْنِ اَزْكٰى مِنْ صَلَاتِهٖ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ۔ (رواه ابوداود والنسائی)

أخرجه أبوداؤدفي السنن ١/٣٧٥ حديث رقم ٥٥٤۔ والنسائی ٢/١٠٥ حديث رقم ٨٤٣۔

ترجمہ: حضرت ابی ابن کعبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی جب آپ ﷺ سلام پھیر کر فارغ ہوئے تو پوچھا کیا فلاں شخص حاضر ہے صحابہؓ نے عرض کیا نہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے دوسرے آدمی کا نام لے کر پوچھا کیا فلاں ہے صحابہؓ نے عرض کیا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا تمام نمازوں میں سے فجر اور عشاء کی نماز منافقین پر بہت مشکل ہوتی ہیں۔ اگر تم لوگ جان لیتے ان دو نمازوں کا کتنا ثواب ہے تو تم دوڑ کر اور گھٹنوں کے بل آتے اور پہلی صف فرشتوں کی صف کی طرح ہے اگر تم پہلی صف کی فضیلت جان لو تو اس میں شامل ہونے کے لئے جلدی پہنچنے کی کوشش کرو اور آدمی کا ایک آدمی کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور دو آدمیوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور جس قدر جماعت کے افراد کی تعداد زیادہ ہوگی تو اتنا ہی یہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ (ابوداود، نسائی)

تشریح: اس حدیث مبارکہ میں جن دو نمازوں کو منافقین کیلئے بھاری قرار دیا گیا، وہ فجر اور عشاء کی نمازیں ہیں، اور اس کی وجہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق یہ ہے کہ ان میں سے ایک نیند کی ابتداء میں واقع ہے اور دوسری نیند کی انتہاء میں۔ نیز ان دو نمازوں سے مراد نمازِ فجر کی دو رکعتیں بھی ہو سکتی ہیں اور یہ بھی بعد از قیاس نہیں کہ اس سے فجر کی سنتیں اور فرض مراد ہوں۔

فائدہ: احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کی ذکر کردہ آخری دو توجیہات سہو پر مبنی ہیں کیونکہ صحیح روایات میں ان دونوں نمازوں کی تعیین عشاء اور فجر ہی سے کی گئی ہے، پھر دوسری بات یہ بھی ہے کہ سنت کا تقابل فرض سے اور فرض کا تقابل سنت سے کرنا درایت کے بھی مطابق نہیں ہے اس لئے یہاں پہلا قول ہی راجح ہے کہ ان نمازوں سے مراد فجر اور عشاء کی نمازیں ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''قولهٗ علي مثل صف الملائكة'': اس جملے میں علامہ طیبی رحمہ اللہ کے مطابق صف اول کے نمازیوں کو ملائکہ کے ساتھ جو تشبیہ دی گئی ہے، اس کا مقصد ''قرب'' بیان کرنا ہے کہ جس طرح ملائکہ کی صف اوّل کو اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، اسی طرح نمازیوں کی صف اول کو امام کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے انتہائی مبالغہ کے ساتھ پہلے جماعت کی فضیلت کو ذکر کیا گیا۔ پھر صف اوّل کی فضیلت کو ثابت کیا گیا اور سب سے آخر میں کثرتِ جماعت کی فضیلت کو بیان کیا گیا۔ چنانچہ گفتگو علی سبیل الترقی ہے نہ کہ علی سبیل التنزل۔

''قولهٗ ما كثر فهو احب الى الله'': ابن ملک فرماتے ہیں کہ یہ ''ما'' موصولہ ہے اور ہو ضمیر اسی کی طرف راجع ہے، اور مطلب اس جملے کا یہ ہے کہ جس نماز کو جتنے زیادہ نمازی ادا کرنے والے ہوں گے، وہ اللہ کے نزدیک اتنی ہی محبوب ہوگی، اس تقریر کے مطابق ''ھو'' ضمیرِ مذکر لفظِ ما کے اعتبار سے لائی گئی ہے۔

اور اس جملے کا ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہر وہ مسجد جس میں جتنے زیادہ نمازی آئیں، وہ اتنی ہی افضل ہے، اسی وجہ سے علماء کرام فرماتے ہیں کہ جامع مسجد میں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے۔ محلے کی مسجد میں (جو جامع مسجد نہ ہو) نماز پڑھنے کا درجہ دوسرا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ جو شخص اللہ سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملاقات کرنا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ ان نمازوں کی پابندی کرے، جب بھی ان نمازوں کیلئے پکارا جائے یعنی اذان دی جائے۔

تین آدمی جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں

۱۰۶۷: وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ ثَلَاثَةٍ فِيْ قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيْهِمُ الصَّلَاةُ اِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَاِنَّمَا يَاْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ۔ (رواہ احمد و ابوداود والنسائی)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۱/۳۷۱ حديث رقم ۵۴۷۔ والنسائي ۲/۱۰۶ حديث رقم ۸۴۷۔ وأحمد في المسند ۶/۴۴۶۔

ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس بستی یا جنگل میں تین آدمی ہوں اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام نہ کریں تو ان پر شیطان غالب رہتا ہے لہٰذا تم جماعت کی نماز کو اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ ریوڑ سے تنہا رہ جانے والی بکری کو بھیڑیا کھا جاتا ہے۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: اس حدیث میں ''تین'' سے مراد ''تین مرد'' ہیں، کیونکہ عورتوں کی جماعت اور عورت کی امامت مکروہ ہے، اور تین کی قید لگانے کا فائدہ یہ ہے کہ عام طور پر اہل قریہ کی کم از کم تعداد تین ہی سمجھی جاتی ہے۔ یا یہ کہ ''تین'' جمع کا کم از کم فرد ہے۔ اور یہ کہ ''تین'' جمع کی کامل ترین صورت ہے گو کہ ''دو'' سے بھی اجتماعیت کا ثبوت مل جاتا ہے۔

یہ حدیث اپنے اطلاق کے ساتھ ہمارے مذہب کی تائید کرتی ہے کہ مسافروں کیلئے بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا سنت ہے، لیکن جب وہ کوئی شہر اپنی رہائش کیلئے منتخب کرے وہاں اقامت گزین ہو جائیں تو اس کی تاکید ختم ہو جاتی ہے۔ تاکہ ان کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقاصد میں رکاوٹ نہ ہوا، وہ جلد از جلد اپنی حاجت پوری کر کے اپنے مستقر کو لوٹ سکیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تین آدمیوں کے اکٹھے ہونے کی صورت میں جماعت کو جو ضروری قرار دیا گیا ہے وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ اس جگہ رہائش پذیر بھی ہوں، ورنہ ہمارے نزدیک ان پر جماعت کی پابندی واجب نہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ اس روایت کی تصحیح ابن حبان نے بھی کی ہے، اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ فتوی دیا ہے کہ اگر کسی شخص کو اپنے متعلق یہ یقین ہو کہ انفرادی نماز پڑھنے کی صورت میں اسے جو خشوع وخضوع کی کیفیت حاصل ہو سکتی ہے۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں وہ کبھی حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ اس سے اس کا ذہن بٹتا ہے اور اس کی نماز کا اکثر حصہ خشوع وخضوع سے خالی رہتا ہے تو ایسے شخص کو انفرادی طور پر ہی نماز پڑھنا زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے۔

لیکن علماء کرام نے اس فتوے کی تردید فرمائی ہے، گو کہ ابن عبدالسلام نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی موافقت کی ہے تاہم اکثریت کی رائے یہی ہے کہ مختار اور صحیح مسلک کے مطابق جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ہی زیادہ اولیٰ ہے، ظاہر سنت بھی ہے اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی بات مان لینے کی صورت میں لوگوں کیلئے ترک نماز کا ایک عظیم دروازہ کھل جانے کا اندیشہ ہے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ جماعت واجتماعیت میں وہ برکت ہے جو تفرقہ کی پراگندگی کو دور کر دیتی ہے۔

عذرِ شرعی کے بغیر جماعت کو چھوڑنا جائز ہے

۱۰۶۸: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِيَ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنِ اتِّبَاعِهِ عُذْرٌ قَالُوْا وَمَا الْعُذْرُ قَالَ خَوْفٌ اَوْمَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلٰوةُ الَّتِيْ صَلّٰى۔ (رواه ابوداود والدارقطنی)

أخرجه أبوداؤد ۱/۳۷۳ حديث رقم ۵۵۱۔ وابن ماجه ۱/۲٦۰ حديث رقم ۷۹۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی اذان کہنے والے کی اذان سنے اور مؤذن کی تابعداری سے اسے کوئی عذر نہ روکے لوگوں نے پوچھا عذر سے کیا مراد ہے آپ ﷺ نے فرمایا عذر سے مراد ڈر یا بیماری ہے۔ تو جو نماز اس نے بغیر جماعت کے پڑھی ہے وہ قبول نہ ہوگی۔

(ابوداؤد، دارقطنی)

تشریح: اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں اذان ''سننے'' کی جو قید لگائی گئی ہے، وہ بناء بر غالب احوال کے ہے کیونکہ عام طور پر انسان باجماعت نماز پڑھنے کیلئے اسی وقت جاتا ہے جب اس کے کانوں میں مؤذن کی آواز جاتی ہے اور اگر وہ مؤذن کی اذان سنے بغیر جماعت میں شرکت کیلئے جاتا ہے تو وہ اس کا اپنا اندازہ ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص اذان نہ سن سکے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا عذر بھی نہ ہو تو اس سے جماعت کی فرضیت ساقط نہیں ہو جائے گی۔ کیونکہ اذان کا نہ سننا عذر شمار نہیں ہوتا۔

جب حضرت ابن عباسؓ یہ حدیث بیان کر رہے تھے تو کسی نے ان سے پوچھا کہ ''عذر'' سے نبی ﷺ کی کیا مراد تھی؟ تو فرمایا کہ جان، مال اور عزت وآبرو کا خوف، ابن ملک ''خوف کی'' وضاحت اندھیرے اور قرض خواہ کے خوف سے کرتے ہیں، خوف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے علاوہ کچھ اور اعذار شرعیہ بھی پیچھے گذر چکے ہیں، مثلاً بارش، شدید قسم کی سردی، بھوک کے شدید تقاضے اور نماز کے وقت پر کھانا موجود ہونا، بول و براز کا شدید تقاضا ہونا وغیرہ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ حد سے زیادہ فربہی اور جسم کا بے انتہاء موٹا ہونا بھی ایک عذر ہے۔

شرح السنہ میں ہے کہ بلا عذر ترک جماعت کی رخصت کسی کیلئے بھی نہ ہونے پر تمام علماء کرام کا اتفاق ہے اور اس کی دلیل یہی حدیث ہے۔ نیز پہلے مذکور احادیث بھی اس کی مؤید ہیں، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو اس کی والدہ شفقت کے پیش نظر نماز عشاء کی جماعت میں شرکت کرنے سے روکے تو وہ اس کی اطاعت نہ کرے، امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمعہ اور دیگر با جماعت نمازوں کے ترک کرنے میں کسی شخص پر اپنے والد کی اطاعت واجب نہیں۔ خواہ اذان کی آواز سنے یا نہیں۔

حدیثِ عراف کی تشریح میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز کی قبول نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر اسے کوئی ثواب نہیں لگے، گو کہ اس سے فرضیت ساقط ہو جائے گی۔ اور یہ ایسے ہی ہوگا جیسے غصب شدہ زمین پر نماز پڑھنا کہ اس سے فرضیت تو ساقط ہو جائے گی لیکن اس پر ثواب کچھ نہیں ہوگا، مال حرام سے حج کا بھی یہی حکم ہے۔

جب جماعت کھڑی ہو جائے اور کسی کو بول و براز کی حاجت ہو تو پہلے اس سے فارغ ہو جائے

۱۰۶۹: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ وَوَجَدَ اَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَبْدَأْ بِالْخَلَاءِ۔ (رواہ الترمذی وروی مالك وابوداود والنسائی نحوہ)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۶۸حدیث رقم ۸۸۔والترمذی ۱/۲۶۲حدیث رقم ۱۴۲۔والنسائی ۲/ ۱۱۰ حدیث رقم ۸۵۲۔وابن ماجه ۱/۲۰۲حدیث رقم ۶۱۶۔ومالك فی الموطأ ۱/۱۵۹حدیث رقم ۴۹من کتاب قصر الصلاۃ۔ والدارمی ۱/۳۹۲حدیث رقم ۱۴۲۷۔ وأحمد فی المسند ۴/۳۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر نماز کے لئے جماعت کھڑی ہو جائے اور تم میں سے کسی کو بول و براز کی ضرورت ہو تو اسے چاہئے کہ پہلے وہ بول و براز سے فارغ ہو جائے۔ (ترمذی) امام مالکؒ امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔

راویٔ حدیث:

عبداللہ بن ارقم۔ یہ عبداللہ بن ارقم "زہری وقریشی" ہیں۔ فتح مکہ کے سال اسلام لائے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے کاتب رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال پر حاکم بنا دیا تھا اور حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی۔ پھر عبداللہ بن ارقم نے اس خدمت سے استعفیٰ چاہا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے استعفیٰ منظور فرما لیا۔ ان سے عروہ اور اسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ روایت کرتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں انتقال فرمایا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تین چیزوں سے منع کیا گیا ہے

۱۰۷۰: وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثٌ لَا يَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ يَفْعَلَهُنَّ لَا يَؤُمَّنَّ رَجُلٌ قَوْمًا فَيَخُصَّ نَفْسَهُ بِالدُّعَاءِ دُوْنَهُمْ فَاِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَلَا يَنْظُرُ فِيْ قَعْرِ بَيْتٍ قَبْلَ اَنْ يَسْتَأْذِنَ فَاِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَلَا يُصَلِّ وَهُوَ حَقِنٌ حَتّٰى يَتَخَفَّفَ ۔ (رواہ ابوداود وللترمذی نحوہ)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۱/۷۰ حديث رقم ۹۱۔ والترمذي ۲/۱۸۹ حديث رقم ۳۵۷۔ وابن ماجه في السنن ۱/۲۹۸ حديث رقم ۹۲۳۔ وأحمد في المسند ۵/۲۸۰۔

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین امور ایسے ہیں جن کا کرنا کسی آدمی کے لئے حلال نہیں ہے ایک یہ کہ کوئی آدمی کسی جماعت کا امام بنے اور دعا میں جماعت کو شریک کئے بغیر اپنے آپ کو مخصوص کرے اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے جماعت کے ساتھ خیانت کی۔ دوم یہ کہ کوئی آدمی کسی کے گھر میں اجازت حاصل کرنے سے پہلے نظر نہ ڈالے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے گھر والوں کے ساتھ خیانت کی۔ سوم یہ کہ کوئی آدمی ایسی حالت میں نماز نہ پڑھے کہ وہ پیشاب، پاخانے کو روکے ہوئے ہو۔ یہاں تک کہ ضرورت سے فارغ ہو جائے۔ (ابوداؤد) امام ترمذیؒ نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں امام کو صرف اپنے لئے دعاء کرنے اور مقتدیوں کو چھوڑ دینے کی صورت میں خائن قرار دیا گیا ہے جس کی وجہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ جماعت کی تو مشروعیت ہی اس مقصد کے تحت ہوئی ہے کہ امام اور مقتدی میں سے ہر ایک قربِ الٰہی کی برکت سے دوسرے کیلئے فیضانِ خیر کا ذریعہ بن سکے، اس لئے جو امام خاص اپنی ذات کیلئے دعا کرتا ہے وہ مقتدیوں کے ساتھ خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔

ہماری رائے میں خصوصیت کے ساتھ امام کو خائن قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ دعاء اس ہی نے کروائی ہے، اس اعتبار سے وہ ''صاحب الدعاء'' ہوا، بناء بریں خاص طور پر اس کا تذکرہ کیا گیا ورنہ یہ خیانت مقتدی کی جانب سے بھی ہو سکتی ہے۔

اسی طرح علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گھر میں داخلہ سے قبل اجازت لینے کو اسی لئے مشروع کیا گیا ہے کہ کوئی شخص اچانک پہنچ کر گھریلو امور یا پوشیدگی کے امور پر مطلع نہ ہو جائے، اس لئے باہر کھڑے ہو کر گھر کے اندر جھانکنا خیانت ہے، اسی طرح نماز بارگاہ خداوندی میں قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ایک اہم مناجات اور غیر اللہ سے اعراض کی اہم ترین صورت ہے، اس موقع پر بول و براز کے تقاضے کو دبانے والا نماز کے حق میں خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔

اس حدیث میں تین چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے، درمیان میں مسئلہ استیذان کو اور دائیں بائیں نماز کی دو حالتوں کو، تاکہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں اکٹھے ہو جائیں، رہی یہ بات کہ حقوق العباد میں سے باقی سب کو چھوڑ کر ''مسئلہ استیذان'' ہی کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے کی کیا وجہ تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص اتنی باریک بات کا خیال رکھے گا، وہ دوسری باتوں اور حقوق کا بطریق اولیٰ خیال رکھ سکے گا، یہ سمجھانے کیلئے خاص طور پر مسئلہ استیذان کو ذکر کیا گیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز میں تاخیر کرنے کی ممانعت

۱۰۷۱: وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُؤَخِّرُوا الصَّلَاۃَ لِطَعَامٍ وَلَا لِغَیْرِہٖ۔

(رواہ فی شرح السنۃ)

أخرجه أبو داؤد في السنن ٤/١٣٥ حديث رقم ٣٧٥٨۔ والبغوي في شرح السنة ٣/٣٥٥ حديث رقم ٨٠٠۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کھانے کی وجہ سے یا اور کسی وجہ سے نماز میں تاخیر نہ کرو۔ (شرح السنہ)

تشریح: اس حدیث میں نماز کو مؤخر کرنے کی جو ممانعت فرمائی گئی ہے، علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو اس کے وقت مقررہ سے مؤخر نہ کرو، اور اس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے، ''اذا وضع عشاء احدکم......''۔

بعض علماء کرام اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ نماز کو کھانے کی غرض سے مؤخر نہ کرو، لیکن جب کھانا آجائے تو پھر نماز کو مؤخر کر دیا کرو، پہلی صورت میں نماز کو مقدم کرنے کی وجہ اس کی شرافت وعظمت ہے اور دوسری صورت میں اسے مؤخر کرنے کی وجہ ذہنی طور پر یکسوئی کا حصول ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اپنی ذات کے اعتبار سے تو نماز کو تمام کاموں پر تقدم حاصل ہے، لیکن بعض اوقات کسی کام کو نماز پر مقدم کر دیا جاتا ہے تاکہ کشادگی وقت کی صورت میں نماز کامل طور پر ادا کی جا سکے، اور تنگی وقت کی صورت میں تو بہرحال نماز ہی کو تقدم حاصل ہوگا، گویا تقدیم وتاخیر امور میں بھی اصل تقدیم نماز ہی ہے۔ صرف اعتباری فرق پیدا ہو جاتا ہے۔

محققین فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سب سے بہترین توجیہہ یہ ہے کہ درحقیقت اس ممانعت کا تعلق اداءِ نماز سے پہلے کھانا لانے اور دوسرے کو اس میں مشغول کرنے سے ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جب نماز کا وقت آجائے تو پھر اسے مؤخر کرنے کے درپے ہو کر کھانا وغیرہ لانے میں مصروف نہ ہو جایا کرو۔

لیکن یہ توجیہہ محلِ نظر ہے کیونکہ اس حدیث میں حقیقۃً کھانا لے آنا مراد نہیں ہے بلکہ کھانے پینے کی طرف قلبی میلان اور دلی خواہش ہے، جو کہ ظاہر ہے، ایک اضطراری اور غیر اختیاری امر ہے اور یہ ایسے ہے جیسے بول وبراز کا تقاضا، جبکہ ابن ملک فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا جبکہ انسان کو اپنے اوپر اتنا قابو ہو کہ بھوک سے وہ بے حال نہ ہو جائے، اس صورت میں اسے چاہیے کہ نماز پہلے پڑھے، یا یہ کہ وقت تنگ ہو اور کھانا کھانے کی صورت میں وقت ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو، تب بھی نماز پہلے پڑھ لے، تاکہ اس موضوع کی ساری احادیث میں تطبیق ہو جائے۔

الفصل الثالث:

منافق جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں سستی کرتا ہے

۱۰۷۲: وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ رَأَیْتُنَا وَمَا یَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلَاۃِ اِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُہٗ اَوْ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَرِيضٌ إِنْ كَانَ الْمَرِيضُ لَيَمْشِي بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتّٰى يَأْتِيَ الصَّلٰوةَ وَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰى وَإِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى الصَّلَاةُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُؤَذَّنُ فِيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَلْقَى اللّٰهَ غَدًا مُسْلِمًا فَلْيُحَافِظْ عَلٰى هٰذِهِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ فَإِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ سُنَنَ الْهُدٰى وَإِنَّهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِي بُيُوْتِكُمْ كَمَا يُصَلِّي هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِي بَيْتِهِ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَتَطَهَّرُ فَيُحْسِنُ الطُّهُوْرَ ثُمَّ يَعْمِدُ إِلٰى مَسْجِدٍ مِنْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدِ إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِكُلِّ خَطْوَةٍ يَخْطُوْهَا حَسَنَةً وَرَفَعَهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا سَيِّئَةً وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُنَافِقٌ مَعْلُوْمُ النِّفَاقِ وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتٰى بِهَا يُهَادٰى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتّٰى يُقَامَ فِي الصَّفِّ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/٤٥٣حديث رقم (٢٥٦-٦٥٤)۔وأبوداوٗد في السنن ١/٣٧٣حديث رقم ٥٥٠۔والنسائي ٢/١٠٨حديث رقم ٨٤٩۔وابن ماجه ١/٢٥٥حديث رقم ٧٧٧۔وأحمد في المسند ١/٤١٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے کئی مرتبہ دیکھا کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے صرف وہی آدمی بیٹھا رہتا تھا جو منافق ہو اور اس کا نفاق واضح ہو یا وہ بیمار جو نماز میں حاضر ہونے سے معذور ہے یہاں تک کہ اگر کوئی دو آدمیوں کے درمیان سہارے سے چل کر آ سکتا تو وہ بھی نماز میں شرکت کے لئے آتا تھا پھر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہدایت کے طریقے بتائے اور ہدایت کے ان طریقوں میں مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا بھی ہے جس میں اذان باقاعدہ دی جاتی ہو اور ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس انسان کو یہ بات خوش کرے کہ کل کے دن اللہ تعالیٰ سے کامل مسلمان ہونے کی حیثیت سے ملاقات کرے تو اسے چاہئے کہ وہ ان پانچ نمازوں کی اس جگہ حفاظت کرے جہاں نمازوں کے لئے اذان دی جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہدایت کے طریقے مقرر کر دیئے ہیں اور پانچ نمازوں کو جماعت کے ساتھ پڑھنا بھی ہدایت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے اگر تم اپنی نمازوں کو اپنے گھروں کے اندر پڑھو گے جس طرح کہ یہ نماز سے پیچھے رہنے والا یعنی منافق نماز پڑھتا ہے تو تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑنے والے بن گئے اور اگر اپنے نبی کی سنت کو چھوڑو گے تو یقیناً تم گمراہ ہو جاؤ گے جو آدمی اچھی طرح پاک اور صاف ہو کر کسی مسجد کی طرف جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلے جس کو وہ رکھتا ہے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور درجہ بلند کر دیتا ہے اور گناہ کو اس سے دور کر دیتا ہے ہم نے دیکھا ہے کہ واضح منافق کے علاوہ کوئی آدمی جماعت سے پیچھے نہیں رہتا تھا۔ یہاں تک کہ بیمار آدمی کو اس حالت میں نماز میں لایا جاتا تھا کہ وہ کمزوری کی وجہ سے دو آدمیوں کا سہارا لئے ہوئے آتا اور اس کو صف میں لا کر کھڑا کر دیا جاتا تھا۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول جو نقل کیا گیا ہے۔ کہ عہد نبوی میں نماز سے وہی پیچھے رہتا ہے جو منافق ہوتا تھا، اس میں شمنی کے مطابق ''منافق'' سے وہ شخص مراد نہیں ہے جو بظاہر مسلمان اور بباطن کافر ہو، ورنہ جماعت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ نماز پڑھنا فرض نہ ہوتا، کیونکہ کفر کو چھپانے والا درحقیقت بھی کافر ہوتا ہے، نیز اس طرح حدیث کا آخری جملہ پہلے جملے کے مناقض ہو جاتا، اس لئے یہاں حقیقی منافق مراد نہیں۔

لیکن شمنی کی یہ بات محل نظر ہے کیونکہ نفاق جماعت سے پیچھے رہ جانے کا سبب تو ہے لیکن جماعت سے پیچھے رہ جانا نفاق کا سبب نہیں ہے۔ نیز صحیح مذہب کے مطابق جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے، فرض نہیں کیونکہ دلیل ظنی ہے اور یہاں کسی قسم کا تناقض بھی موجود نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ''''**وقد علم نفاقه**'' پر بحث کرتے ہوئے ایک سوال اٹھاتے ہیں کہ جب صحابۂ کرامؓ کو کسی کے منافق ہونے کا علم حاصل تھا، تو اس کے باوجود انہوں نے اسے منافقت پر برقرار کیسے رہنے دیا؟ پھر خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس مصلحت کی بناء پر ایسا نہیں کیا جاسکتا تھا کہ لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ دیکھو جی! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرنے لگے ہیں۔ کیونکہ بظاہر دعوائے اسلام سے لوگ انہیں مسلمان ہی سمجھتے تھے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں ''علم'' بمعنی ''ظن'' کے ہے، کیونکہ سب صحابہ کا مطالعہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ کسی شخصِ معین میں نفاق ہونے کا صحابہ کرامؓ کو یقین نہ تھا، ہاں! علاماتِ نفاق کی وجہ سے کسی پر گمانِ غالب کیا جاسکتا تھا، اور یہاں یہی مراد ہے۔ علامہ ابن ہمام اس کی توجیہہ اس طرح فرماتے ہیں کہ وصفِ نفاق جماعت سے پیچھے رہ جانے کا سبب بن جاتا تھا، اس حدیث میں یہ نہیں بتایا جا رہا کہ واقعۃً تخلف عن الجماعۃ منافقین ہی سے ہوتا تھا۔ کیونکہ بعض اوقات انسان صحت اسلام، عقیدۂ توحید اور عدم نفاق کے باوجود سستی کا شکار ہو کر جماعت سے رہ جاتا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ گذشتہ احادیث کے ضمن میں جو یہ تاویل بیان کی گئی تھی، وہ صحیح ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کے گھروں کو آگ لگانے کے ارادے کا اظہار فرمایا تھا وہ منافقین ہی تھے۔

''**قولهٗ لو تركتم سنة نبيكم**'':

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں ''سنت'' سے مراد ''عزیمت'' ہے، علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس عمل کو سنت قرار دینا جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ہے، قائلینِ سنت کیلئے دلیل نہیں بن سکتا، کیونکہ یہ وجوب کے منافی نہیں اس لئے کہ لغت کے اعتبار سے سننِ ھدی کا لفظ واجب کے لفظ سے زیادہ عام اور اسے شامل ہے جیسے نماز عید کو سنن ہدی میں سے کہا جاتا ہے حالانکہ وہ واجب ہے، اسی طرح ''لضللتم'' کا لفظ بھی وجوب ہی کو متعین کرتا ہے۔ جبکہ ابوداؤد کی اسی روایت میں ''لكفرتم'' کا لفظ بھی آتا ہے۔

اسی طرح مسند احمد اور طبرانی میں مرفوعاً منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب سے بڑی زیادتی اور ظلم کفر ہے اور وہ شخص منافق ہے جو اللہ کے منادی (مؤذن) کو نماز کی طرف بلاتے ہوئے سنتا بھی ہے لیکن پھر بھی نماز کیلئے نہیں آتا، اس حدیث میں بھی مسجد میں باجماعت نماز نہ پڑھنے پر وعید سنائی گئی ہے، اور یہ بات پیچھے گذر چکی ہے کہ واجب پر سنت کا اطلاق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ثبوت سنت سے ہوا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جماعت کی نماز ترک کرنے پر وعید

۱۰۷۳: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَا مَا فِي الْبُيُوْتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالذُّرِّيَةِ اَقَمْتُ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ وَاَمَرْتُ فِتْيَانِیْ يُحَرِّقُوْنَ مَا فِي الْبُيُوْتِ بِالنَّارِ۔ (رواہ احمد)

أخرجه أحمد في المسند ۲/۲٦۷۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی نماز پڑھانے کے لئے کسی کو حکم دیتا اور پھر اپنے خادموں کو حکم دیتا کہ جو لوگ نماز میں حاضر نہیں ہوتے ان کے گھروں کو آگ سے جلا دیا جائے۔ (احمد)

تشریح: اس حدیث کے مفہوم میں معذور افراد بھی شامل ہیں، علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ من النساء میں من بیانیہ ہے۔ جو یا تو وصفیت کے ارادے سے لایا گیا ہے اور یہ بیان کرنے کیلئے کہ عورتیں اور بچے غیر ذوی العقول کے مرتبے میں ہیں اور یہ کہ ان کیلئے جماعت میں حاضر ہونا ضروری نہیں یا یہ بتانے کیلئے کہ گھروں میں عام طور پر عورتین اور بچے ہی ہوتے ہیں اور دوسرا ساز و سامان ہوتا ہے اسی اعتناء کی وجہ سے خاص طور پر ان دونوں کا ذکر کیا گیا لیکن اس دوسرے قول کی صورت میں حدیث کے آخری الفاظ سے اعتراض وارد ہوتا ہے کہ پھر "يحرقون ما في البيوت" کا کیا معنی ہے؟ اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ یہاں ما بمعنی من کے ہو اور اس سے مراد جماعت سے پیچھے رہ جانے والے افراد ہوں کیونکہ اگر وہ عقلمند ہوتے تو جماعت سے پیچھے نہ رہتے اور خاص طور پر نماز عشاء کا تذکرہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بہت سے لوگ سستی اور غفلت برتتے ہیں۔

اذان کے بعد مسجد سے نکلنا درست نہیں

۱۰۷۴: وَعَنْهُ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كُنْتُمْ فِي الْمَسْجِدِ فَنُوْدِیَ بِالصَّلٰوةِ فَلَا يَخْرُجْ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُصَلِّیَ۔ (رواہ احمد)

أحمد في المسند ۲/۵۳۷۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب تم لوگ مسجد میں موجود ہو اور نماز کے لئے اذان ہو جائے تو تم میں سے کوئی آدمی بغیر نماز پڑھے مسجد سے نہ نکلے۔ (احمد)

تشریح: علامہ طیبی رحمہ اللہ اس حدیث کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ یہاں مامور بہ محذوف ہے اور اذا کنتم قول کا مقولہ ہے۔ اور بیانِ محذوف ہے، مطلب یہ ہے کہ ہمیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ جب ہم مسجد میں ہوں اور اذان ہو جائے تو نماز پڑھے بغیر مسجد سے نہ نکلیں۔

لیکن علامہ طیبی رحمہ اللہ کی اس توجیہہ میں نہ صرف یہ کہ تکلف بلکہ مشقت بھی ہے اس کی مراد کی تعیین اور توضیح میں حافظ صاحب کی بات بڑی مضبوط ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دے رکھا ہے کہ اذان سن لینے کے بعد ہم مسجد سے باہر نہ نکلیں لیکن یہ حکم صیغہ امر کے ساتھ نہیں بلکہ امر پر دلالت کرنے والے الفاظ کے ساتھ یہ حکم دیا گیا ہے یعنی "اذا کنتم" کے الفاظ سے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اذان ہو جانے کے بعد مسجد سے نکلنا مکروہ ہے جب کہ اس نے نماز نہ پڑھی ہو، علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں یہ قید پیش نظر رہے کہ اگر وہ پہلے سے نماز نہ پڑھ چکا ہو یا کسی دوسری مسجد میں جماعت کا انتظام اس سے وابستہ نہ ہو یا وہ محلّے کی مسجد ہو یا اہل محلّہ اپنی مسجد میں نماز پڑھ چکے ہوں بصورت دیگر اسے مسجد سے جانے کی اجازت ہوگی تاہم افضل پھر بھی یہی ہے کہ اذان ہو چکنے کے بعد مسجد سے باہر نہ نکلے۔

اذان ہونے کے بعد مسجد سے نکلنے والا نافرمان ہے

۱۰۷۵: وَعَنْ اَبِی الشَّعْثَاءِ قَالَ خَرَجَ رَجُلٌ مِنَ الْمَسْجِدِ بَعْدَ مَا اُذِّنَ فِيهِ فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ اَمَّا هٰذَا فَقَدْ عَصٰى اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۴۵۳ حديث رقم (۲۵۸-۶۵۵)۔ وأبوداؤد ۱/۳۶۶ حديث رقم ۵۳۶۔ والترمذي ۱/۳۹۷ حديث رقم ۲۰۴۔ والنسائي ۲/۲۹ حديث رقم ۶۸۳۔ وابن ماجه ۱/۲۴۲ حديث رقم ۷۳۳۔ والدارمي ۱/۲۹۵ حديث رقم ۱۲۰۵۔ وأحمد في المسند ۲/۴۱۰۔

ترجمہ: حضرت ابوشعثاء سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اذان ہو جانے کے بعد ایک آدمی مسجد سے نکلا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آدمی نے ابوالقاسم کی نافرمانی کی ہے۔ (مسلم)

راویٔ حدیث:

ابوالشعثاء۔ یہ ابوشعثاء ''سلیم بن اسود محاربی کوفی'' ہیں۔ مشہور اور معتبر راویوں میں سے ہیں۔ حجاج کے عہد میں ان کا انتقال ہوا۔

تشریح: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مسجد میں اذان ہونے کے بعد ٹکا رہے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے اس حدیث میں اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی گویا علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ امّا تفصیل کیلئے آیا ہے۔ جو دو یا زیادہ چیزوں کا تقاضا کرتا ہے۔

یہ حدیث مسلم کے علاوہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں بھی منقول ہے اور مسند احمد میں یہ اضافہ بھی ہے۔

''ثم قال امرنا رسول اللّٰہ ﷺ اذا كنتم فی المسجد فنودی بالصلوٰة فلا يخرج احدكم حتی يصلی''

اور سند کے اعتبار سے یہ روایت صحیح ہے، علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ تمام مؤلفین صحاح نے ابوشعثاء کے حوالے سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے جب مؤذن نے عصر کی اذان دی تو ان میں سے ایک آدمی مسجد سے باہر نکل گیا۔ تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اس نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔

بعض محدثین کے نزدیک اس طرح کی روایات موقوف ہوتی ہیں گو کہ ابن عبدالبر نے اس حدیث کے متعلق فرمایا ہے کہ اس کے نظائر میں مسند احادیث بھی موجود ہیں، جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اس کی نظیر بن سکتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''من لم یجب الدعوۃ فقد عصٰی ابا القاسم ﷺ''

اذان ہو جانے کے بعد مسجد سے نکلنے والا منافق ہے

۱۰۷۶: وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَهُ الْاَذَانُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ يَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَّهُوَ لَا يُرِيْدُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ۔ (رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجه في السنن ۱/ ۲٤۲ حديث رقم ۷۳٤۔

ترجمہ: حضرت عثمانؓ بن عفانؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص مسجد میں ہو اور اذان ہو جائے اور پھر وہ بغیر کسی عذر کے مسجد سے نکل جائے اور واپس آنے کا ارادہ بھی نہ ہو تو منافق ہے۔ (ابن ماجہ)

اذان کا جواب نہ دینے والے کا حکم

۱۰۷۷: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يُجِبْهُ فَلَا صَلَاةَ لَهٗ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ۔ (رواه الدارقطنی)

أخرجه ابن ماجه في السنن ۱/ ۲۵۹ حديث رقم ۷۹۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے اذان سنی اور اس کا جواب نہ دیا تو اس کی نماز کامل نہیں ہوگی مگر کسی عذر کی وجہ سے ہو تو کوئی حرج نہیں۔ (دارقطنی)

نابینا آدمی کے لئے جماعت میں شرکت ضروری ہے

۱۰۷۸: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اُمِّ مَكْتُوْمٍ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْمَدِيْنَةَ كَثِيْرَةُ الْهَوَامِّ وَالسِّبَاعِ وَاَنَا ضَرِيْرُ الْبَصَرِ فَهَلْ تَجِدُ لِيْ مِنْ رُخْصَةٍ فَقَالَ هَلْ تَسْمَعُ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَحَيَّ هَلًا وَلَمْ يُرَخِّصْ۔ (رواه ابو داود والنسائی)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۱/ ۳۷۵ حديث رقم ۵۵۳۔ والنسائي ۲/ ۱۰۸ حديث رقم ۸۵۱۔ وابن ماجه ۱/ ۲۶۰ حديث رقم ۷۹۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ مدینہ میں موذی جانور کثرت سے ہوتے ہیں اور درندے بہت ہیں اور میں نابینا آدمی ہوں کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں جماعت کی نماز میں شرکت نہ کروں اور گھر میں نماز پڑھ لیا کروں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کی آواز سنتے ہو میں نے عرض کیا جی ہاں آپ نے فرمایا جماعت میں آیا کرو اور انہیں جماعت چھوڑنے کی اجازت نہیں دی۔ (ابوداؤد، نسائی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمازی ہونا رسول اللہ ﷺ کی امت کی علامت ہے

۱۰۷۹: وَعَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَیَّ اَبُوْ الدَّرْدَاءِ وَھُوَ مُغْضَبٌ فَقُلْتُ مَا اَغْضَبَكَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا اَعْرِفُ مِنْ اَمْرِ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا اِلَّا اَنَّهُمْ يُصَلُّوْنَ جَمِيْعًا۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۱۳۷۔ حديث رقم ٦٥٠۔ وأحمد في المسند ٦/٤٤٣۔

ترجمہ: حضرت ام الدرداءؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک دن میرے خاوند حضرت ابودرداءؓ غصہ کی حالت میں میرے پاس تشریف لائے میں نے پوچھا کہ کس چیز نے آپ کو غصہ دلایا ہے انہوں نے کہا اللہ کی قسم میں رسول اللہ ﷺ کی امت کے بارے میں اب بس یہی پہچان رکھتا ہوں کہ وہ اکٹھے (ہو کر) نماز پڑھ لیتے ہیں۔ (بخاری)

راویٔ حدیث:

امّ الدرداء۔ ام الدرداء ؓ کا نام "خیرہ" ہے یہ "ابوحدرد" کی بیٹی ہیں۔ قبیلہ "اسلم" میں سے ہیں۔ یہ حضرت ابوالدرداء ؓ کی بیوی ہیں۔ یہ بڑی فاضل اور عقلمند صحابیات میں سے ہیں اور عورتوں میں بڑی صاحب رائے تھیں۔ نہایت عابدہ متبعہ سنت تھیں۔ ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے ان کا انتقال حضرت ابوالدرداء ؓ سے دو سال پہلے ہو گیا تھا ان کی وفات ملک شام میں حضرت عثمان ؓ کی خلافت کے دور میں ہوئی۔

تشریح: اس حدیث مبارکہ کے آخری جملے "الا انهم يصلون جميعا" پر بحث کرتے ہوئے علامہ طیبی ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداءؓ نے یہ جملہ اپنی زوجہ محترمہ حضرت ام درداءؓ کے اس سوال "ما اغضبك" کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا اور اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایسے منکر اور غیر معروف کو دین محمدی ﷺ میں رائج ہوتے ہوئے دیکھا ہے جس نے مجھے غضبناک کر دیا ہے اور اس سے ان کی مراد ترک جماعت تھی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی ؒ بھی اس رائے میں علامہ طیبی ؒ کی موافقت فرماتے ہیں کہ کچھ زیادہ ہی تکلف کرتے ہوئے اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ اب میں امت مرحومہ میں ایسے کوئی کام نہیں پاتا جو کثرت ثواب، اپنی عظمت اور بزرگی میں بہت آگے بڑھے ہوئے ہوں، البتہ اتنی ضرور ہے کہ وہ لوگ با جماعت نماز ضرور پڑھ لیتے ہیں لیکن اب اس میں بھی سستی سے کام لینے لگے ہیں۔

لیکن اس حدیث کا واضح ترین مفہوم یہ ہے کہ مجھے ان ناپسندیدہ امور نے غضبناک کر دیا ہے جو امت مرحومہ میں نئے ایجاد ہو گئے ہیں۔ اس لئے کہ بخدا! مجھے تو کوئی ایسی چیز معلوم نہیں جس میں امت مرحومہ راہِ راست پر برقرار رہی ہو۔ صرف اتنی بات ضرور ہے کہ یہ لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیتے ہیں، اس تقریر کے مطابق "جواب" محذوف ہوگا اور کلام میں مذکور جملہ "دلیل جواب" قرار پائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ: حدیث کے آخری جملے میں مختلف محدثین نے مختلف نسخے ذکر فرمائے ہیں چنانچہ میرک فرماتے ہیں کہ مشکوۃ کے تمام نسخوں میں تو "من امر امة محمد ﷺ" کا لفظ ہی آیا ہے۔ جبکہ بخاری شریف کی اکثر روایات میں "ما اعرف من

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد ﷺ شیئا'' وارد ہوا ہے، شرح ابن بطال میں اس پر جزم ظاہر کرتے ہوئے اس کی تشریح ''من شریعة محمد ﷺ'' سے کی گئی ہے، ابوذر اور کریمہ کے مطابق ''ما اعرف من امة محمد ﷺ'' اور ابوالوقت کے مطابق ''من امر محمد ﷺ'' کا نسخہ زیادہ صحیح ہے، مسند احمد، مستخرج اسماعیلی اور مستخرج ابونعیم میں بھی یہی آخری نسخہ ہے۔ حمیدی نے بھی جمع بین الصحیحین میں اسی کی تخریج کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے لہجے سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے لیکن مجھے بخاری شریف میں وہ الفاظ نہیں مل سکتے جو مصنف رحمہ اللہ نے ذکر کئے ہیں۔

نمازِ فجر کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کی فضیلت

۱۰۸۰: وَعَنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ سُلَیْمَانَ بْنِ اَبِیْ حَثْمَةَ قَالَ اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَدَ سُلَیْمَانَ بْنَ اَبِیْ حَثْمَةَ فِیْ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَ اِنَّ عُمَرَ غَدَا اِلَی السُّوْقِ وَمَسْکَنُ سُلَیْمَانَ بَیْنَ الْمَسْجِدِ وَالسُّوْقِ فَمَرَّ عَلَی الشِّفَاءِ اُمِّ سُلَیْمَانَ فَقَالَ لَهَالَمْ اَرَسُلَیْمَانَ فِی الصُّبْحِ فَقَالَتْ اِنَّهٗ بَاتَ یُصَلِّیْ فَغَلَبَتْهُ عَیْنَاهُ فَقَالَ عُمَرُ لَاَنْ اَشْهَدَ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِیْ جَمَاعَةٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَقُوْمَ لَیْلَةً۔ (رواہ مالك)

أخرجه مالك في الموطأ ۱/۱۳۱ حديث رقم ۷ من كتاب صلاة الجماعة۔

ترجمہ: حضرت ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ فرماتے ہیں کہ کسی ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز فجر میں میرے والد حضرت سلیمان بن ابی حثمہ کو نہ پایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب صبح کے وقت بازار جانے لگے تو حضرت سلیمان کا مکان مسجد اور بازار کے درمیان تھا اس لئے وہ سلیمان کی والدہ شفاء کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ آج میں نے فجر کی نماز میں سلیمان کو نہیں دیکھا۔ سلیمان کی والدہ نے عرض کیا کہ سلیمان نے آج پوری رات نماز پڑھی اور صبح ہوتے ہی ان کی آنکھوں میں نیند کا غلبہ ہو گیا لہٰذا اس وجہ سے فجر کی نماز میں حاضر نہ ہو سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں فجر کی نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنا تمام رات کی عبادت کے مقابلے میں بہتر سمجھتا ہوں۔ (مالک)

تشریح: اس حدیث میں ''ان اقوم لیلة'' کے قیام اللیل سے مراد نوافل پڑھنے کیلئے قیام کرنا ہے جو کہ حدیث کے مضمون کو دیکھتے ہوئے بالکل واضح سی بات ہے لیکن اس کا مقصد یہ ہے کہ اس موقع پر حافظ صاحب رحمہ اللہ کے ایک طویل کلام کا رد بھی ہو جائے جو انہوں نے لا حاصل طور پر اس جگہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ فجر کی نماز باجماعت پڑھنے کی تاکید دوسری نمازوں کے باجماعت پڑھنے سے زیادہ ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اخذ واستنباط کی دلیل وہ روایت ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح مسلم میں روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جو شخص عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لے، گویا اس نے آدھی رات قیام کیا، اور جو شخص پھر فجر کی نماز بھی جماعت کے ساتھ پڑھ لے، گویا اس نے ساری رات قیام کیا۔

کچھ آگے چل کر حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسلم شریف کی اس حدیث کے علاوہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اس مضمون کی حدیث روایت کی ہے لیکن اس کے الفاظ یوں ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''من صلى العشاء في جماعة كان كقيام نصف ليلة، ومن صلى العشاء والفجر في جماعة كان كقيام ليلة''؟؟ ـ''''

اور ترمذی کے یہ الفاظ نقل کر کے حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں روایتوں کے درمیان تعارض دکھانے کی کوشش کی ہے حالانکہ بات واضح ہے کہ ترمذی شریف کی روایت، مسلم شریف کی روایت کی تفسیر اور وضاحت و بیان ہے اور اجمال و تفصیل میں کبھی تعارض نہیں ہوتا۔ یا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ مسلم شریف کی حدیث ''مبالغہ'' پر محمول ہے کیونکہ نیند کو چھوڑ کر نماز کیلئے آنا واقعۃً ایک مشکل اور مجاہدہ والا کام ہے۔

دو آدمی جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں

۱۰۸۱: وَعَنْ اَبِی مُوسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِثْنَانِ فَمَا فَوقَھُمَا جَمَاعَۃٌ ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

أخرجه ابن ماجه في السنن ۱/۳۱۲ حديث رقم ۹۷۲ ـ وأحمد في المسند ۵/۶۹ ـ

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دو یا دو سے زیادہ آدمیوں کی جماعت ہوتی ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح: ابن ماجہ کی اس حدیث کی تائید بخاری شریف کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کا مضمون تو یہی ہے، لیکن الفاظ مختلف ہیں اور وہ یہ ہیں: ''اذا حضرت الصلوٰة فاذّنا ثم اقيما فليؤمكما اكبر كما''۔؟؟''''

عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت ہے

۱۰۸۲: وَ عَنْ بِلَالِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَعَنْ اَبِیْہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوا النِّسَآءَ حُظُوْ ظَھُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ اِذَا سْتَأْذَنَکُمْ فَقَالَ بِلَالٌ وَاللّٰہِ لَنَمْنَعُھُنَّ فَقَالَ لَہٗ عَبْدُ اللّٰہِ اَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ اَنْتَ لَنَمْنَعُھُنَّ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۳۲۸ حديث رقم (۱۴ـ۴۴۲) وأخرجه أبو داوٗد في السنن ۱/۳۸۲ حديث رقم ۵۶۶ ـ وابن ماجه ۱/۸ حديث رقم ۱۶ ـ وأحمد في المسند ۲/۱۴۰ ـ

ترجمہ: حضرت بلال بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب عورتیں تم سے مسجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں روک کر مساجد کے ثواب کے حصہ سے محروم نہ کرو حضرت بلال نے کہا اللہ کی قسم ہم تو ضرور عورتوں کو منع کریں گے حضرت عبداللہ نے بلال سے کہا میں تمہارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتا ہوں تم کہتے ہو ہم انہیں ضرور منع کریں گے اور ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت سالم نے اپنے والد سے نقل کیا ہے تو پھر حضرت عبداللہ بلال کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں اس قدر سب وشتم کیا ہے کہ میں نے کبھی حضرت عبداللہ کو اس قدر سب وشتم کرتے ہوئے نہیں سنا اور اس کے بعد فرمایا کہ میں تمہارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتا ہوں اور تم کہتے ہو ہم ضرور منع کریں گے۔ (مسلم)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راوی حدیث:

بلال بن عبداللہ۔ یہ بلال ہیں۔حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب قرشی عدوی کے بیٹے ہیں۔حدیث میں بڑے سنجیدہ تھے۔

تشریح:اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اپنے بیٹے حضرت بلال رحمہ اللہ پر سرزنش کرنے جوذکر کیا گیا ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مبارک سے تقابل محسوس ہوتا ہے جو"معارضہ علی وجہ المکافحہ" کے ضمن میں آتا ہے اور ہے بھی بلا عذر، گوکہ رائے ان کی صحیح تھی اور اب بھی علماء کرام عورتوں کو گھروں سے نکلنے کی ممانعت فرماتے ہیں، چنانچہ ھدایہ میں ہے کہ امام کو چاہیے کہ فی زمانہ جماعت کی نماز میں عورتوں کی امامت کی نیت نہ کرے،جس کی وجہ ابن ہمام کے مطابق یہی ہے کہ عورتون کو جماعت کی نماز میں شرکت سے روکا گیا ہے،اس مسئلہ کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔

۱۰۸۳:وَفِیْ رِوَایَۃِ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ فَاَقْبَلَ عَلَیْہِ عَبْدُ اللّٰہِ فَسَبَّہٗ سَبًّا مَا سَمِعْتُ سَبَّہٗ مِثْلَہٗ قَطُّ وَقَالَ اُخْبِرُکَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ وَاللّٰہِ لَنَمْنَعُھُنَّ (رواہ مسلم)

أخرجہ مسلم فی صحیحہ ۱/۳۲۸حدیث رقم (۱۴۔۴۴۲)وأخرجہ أبو داؤد فی السنن ۱/۳۸۲حدیث رقم ۵۶۶۔وابن ماجہ ۱/۸حدیث رقم ۱۶۔وأحمد فی المسند ۲/۱۴۰۔

ترجمہ:ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ سالم نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ"پھر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بلال رحمہ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں اس قدر برا بھلا کہا کہ میں نے کبھی سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے انہیں اس قدر برا بھلا کہتے نہیں سنا اور اس کے بعد کہا کہ"میں تو کہتا ہوں کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور تم کہتے ہو کہ اللہ کی قسم ہم انہیں ضرور منع کریں گے"۔(مسلم)

راوی حدیث:

سالم بن عبداللہ۔ یہ"سالم"حضرت عبداللہ بن عمر خطاب کے بیٹے ہیں"ابو عمر"ان کی کنیت ہے۔قریشی عدوی اور مدنی ہیں مدینہ کے فقہاء میں سے یہ بھی ہیں۔تابعین کے سرخیل اور علماء و معتمدین میں سے ہیں۔ان کا انتقال ۱۰۶ھ میں مدینہ میں ہوا۔

تشریح: واقعۂ مذکورہ کی نظیر کے طور پر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا یہ واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے یہ روایت سنائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو بہت پسند تھا،اس روایت کو سن کر ایک شخص بولا کہ مجھے تو کدو پسند نہیں ہے،امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فوراً تلوار سونت لی اور فرمایا کہ توبہ کر کے اپنے ایمان کی تجدید کر،ورنہ میں تجھے ابھی قتل کرتا ہوں۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ زیر بحث واقعہ کی توجیہہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دراصل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے بلال نے جب مسجد میں عورتوں کی حاضری پر پیش آنے والے مفاسد و منکرات پر مجتہدانہ نظر ڈالی تو وہ قسم کھا بیٹھے کہ عورتوں کو مساجد میں آنے سے ضرور روکا جائے گا۔لیکن ان کے والد گرامی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے اس اجتہاد و قیاس کی تردید فرمادی کیونکہ نص اور رائے کا تو آپس میں کوئی تقابل بنتا ہی نہیں ہے۔اور بہر حال نص کو ترجیح ہونا ایک مسلمہ اصول ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ

۱۰۸۴: وَعَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايَمْنَعَنَّ رَجُلٌ اَهْلَهٗ اَنْ يَّأْتُوا الْمَسَاجِدَ فَقَالَ ابْنٌ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فَاِنَّا نَمْنَعُهُنَّ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ اُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ هٰذَا قَالَ فَمَا كَلَّمَهٗ عَبْدُاللّٰهِ حَتّٰى مَاتَ ۔ (رواه احمد)

أخرجه أحمد في المسند ٢/٣٦۔

ترجمہ: حضرت مجاہد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی آدمی اپنی بیوی کو مسجد میں جانے سے منع نہ کرے یہ سن کر حضرت عبداللہ کے بیٹے بلال نے عرض کیا کہ ہم تو ان کو ضرور منع کریں گے حضرت عبداللہ بن عمر نے ان سے کہا کہ میں تمہارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم یہ کہہ رہے ہو کہ ہم ضرور منع کریں گے۔ اس حدیث کے راوی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے سے موت تک گفتگو نہیں کی۔ (احمد)

تشریح: اس حدیث کی توضیح وتشریح میں علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے تو اس شخص پر بہت تعجب ہوتا ہے جو اپنے آپ کو "سنی" بھی کہتا ہے اور پھر حدیث معلوم ہونے کے باوجود اپنی رائے کو بھی حدیث پر ترجیح دیتا ہے، ایسے نام نہاد سنی اور بدعتی میں پھر فرق ہی کیا رہ جاتا ہے؟ کیا ایسے لوگوں نے یہ روایت نہیں سن رکھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائیں۔

اب آپ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی کو دیکھ لیجئے جن کا شمار اکابر اور فقہاءِ صحابہ میں ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں وہ کیسے غضبناک ہوئے کہ اپنے جگر گوشہ سے بات چیت اور گفتگو تک کرنا چھوڑ دی، تاکہ دوسرے لوگ اس واقع سے عبرت حاصل کر سکیں۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تقریر سے علماءِ احناف پر سوءِ اعتراض کی بو واضح محسوس کی جاسکتی ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ فقہاء احناف اپنی رائے کو حدیث کو حدیث پر مقدم وراجح قرار دیتے ہیں، اس بناء پر انہیں "اصحاب الرأی" بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ یہ نہیں جانتے کہ فقہاء احناف کو "اصحاب الرأی" کہنے کی وجہ ان کی دقت نظر، پختگی رائے اور حذاقت عقل ہے۔ اسی لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ فقہی مسائل میں ساری دنیا کے لوگ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بچے ہیں۔ اور علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ تمام فقہاء احناف کا اپنے امام کے اس مذہب پر اتفاق ہے کہ کسی بھی مسئلہ میں کوئی ضعیف حدیث بھی اگر مل جائے تو وہ قیاس اور رائے سے زیادہ اولیٰ بالعمل ہے۔ جیسا کہ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "المناقب الحسان" میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ بات سب کو معلوم ہونی چاہیے کہ بعض علماء کی طرف سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کیلئے "اصحاب الرأی" کا جو لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس سے ان کا مقصد امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کی توہین وتنقیص ہرگز نہیں ہوتا، اور نہ ہی وہ ان کی طرف اپنی رائے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اقوال صحابہ پر مقدم کرنے کی نسبت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ فقہاء احناف اس سے بری ہیں۔

چنانچہ خود امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے متعدد طرق سے منقول ہے کہ وہ ہر مسئلہ میں سب سے پہلے قرآن حکیم کا حکم لیتے تھے، اگر کسی مسئلہ کا حکم قرآن کریم میں نہ ملتا تو حدیث وسنت سے اس کی رہنمائی حاصل کرتے، اگر حدیث میں بھی کسی مسئلہ کا حکم نہ ملتا تو وہ اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے لئے مشعل راہ بناتے، اگر صحابہ کرامؓ آپس میں کسی مسئلہ میں مختلف ہوتے تو وہ ان میں سے اس قول کو اختیار کرتے جو قرآن وسنت کے زیادہ قریب ہوتا، اور اگر کسی مسئلہ میں اقوال صحابہ بھی ملتے تو وہ تابعین کا قول نہیں لیتے تھے بلکہ تابعین کی طرح خود بھی اجتہاد فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی منقول ہے کہ جب کسی مسئلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث مل جائے تو وہ ہمارے سرآنکھوں پر ہوتی ہے۔ اگر صحابہ کرامؓ کے مختلف اقوال ہمیں ملتے ہیں تو ہم ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیتے ہیں اور اگر کسی مسئلہ میں تابعین کا کوئی قول ہمارے پاس آتا ہے تو ہم اس کی پیروی کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔

اسی طرح امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے لوگوں پر تعجب ہے، لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے رائے سے فتوی دیتا ہوں، حالانکہ میں تو ان ہی چیزوں کی روشنی میں فتوئی دیتا ہوں جو مجھ تک اپنے بزرگوں سے منتقل ہو کر پہنچی ہیں۔ نیز امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی شخص کیلئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اجماع صحابہ کی موجودگی میں کسی مسئلے میں اپنی رائے دے، ہاں! اگر صحابہ کرامؓ کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف رہا ہو تو ہم ان کے مختلف اقوال میں سے کتاب وسنت کے قریب ترین قول کو اپنے اجتہاد سے اختیار کر سکتے ہیں، اور جب معاملہ اس سے بھی باہر نکل جائے تو اجتہاد کی اجازت ہے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اسی باریک بینی اور دقت عقل کی وجہ سے امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ (جو خود شافعی المسلک تھے، لیکن اس کے باوجود) فقہ حنفی کی کتابوں کا بکثرت مطالعہ کرتے تھے، اسی وجہ سے ان کے بھانجے اور مشہور فقیہہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اس بات پر مجبور ہوئے کہ وہ شافعی مسلک کو خیر باد کہہ کر مسلک حنفی اختیار کریں جیسا کہ خود امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے۔

فائدہ: ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ طویل حوالہ نقل کرنے کے بعد حضرت مؤلف نے دوبارہ اسی مسئلہ کو آدھے صفحے میں بیان فرمایا ہے کہ کیا عورتیں جماعت کیلئے اپنے گھروں سے نکل کر مسجد میں آسکتی ہیں یا نہیں؟ تطویل اور تکرار سے بچنے کیلئے ہم اسے حذف کرتے ہیں کیونکہ پہلے بھی یہ مسئلہ مفصل طور پر ذکر کیا جا چکا ہے۔ (احقر مترجم)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَابُ تَسْوِيَةِ الصَّفِّ

صفوں کے برابر کرنے کا بیان

الفصل الاول:

صف سیدھی نہ رکھنے پر وعید

۱۰۸۵: عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا حَتّٰى كَاَنَّمَا يُسَوِّيْ بِهَا الْقِدَاحَ حَتّٰى رَاٰى اَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ حَتّٰى كَادَاَنْ يُكَبِّرَ فَرَاٰى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرَهٗ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ عِبَادَ اللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْلَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ۔ (رواه مسلم)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢٠٦/٢حديث رقم ٧١٧۔ ومسلم في صحيحه ٣٢٤/١حديث رقم (١٢٨۔٤٣٦) وأبو داؤد في السنن ٤٣٢/١حديث رقم ٦٦٣۔والترمذي ٤٣٨/١حديث رقم ٢٢٧۔والنسائي ٨٩/٢ حديث رقم ٨١٠۔وابن ماجه ٣١٨/١حديث رقم ٩٩٤۔وأحمد في المسند ٢٧٧/٤۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صف اس طرح سیدھی کرتے تھے گویا کہ ان صفوں سے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ہم بھی رسول اللہ ﷺ سے صفوں کی سیدھا کرنے کی اہمیت کو سمجھ گئے ایک روز نبی ﷺ تشریف لائے اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور تکبیر شروع ہونے کو تھی کہ ایک آدمی کا سینہ سب سے آگے نکلا ہوا تھا رسول اللہ ﷺ نے دیکھ لیا اور فرمایا اے اللہ کے بندو اپنی صفوں کو سیدھا رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف پیدا کر دے گا۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث مبارکہ میں صفوں کی درستگی کو تیروں سے درست کرنے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے ''قداح'' لفظ استعمال کیا گیا ہے، جس کا اطلاق اس تیر پر ہوتا ہے جس کی نوک تیز نہ کی گئی ہو، اور تیر کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ صفوں کے سیدھا ہونے میں انتہائی مبالغہ ثابت کرنا ہے۔ کیونکہ تیر کے ساتھ تشبیہ کا فائدہ صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب صفیں تیر کی طرح سیدھی ہوں۔

رہی یہ بات کہ یہاں ''قداح'' کا لفظ جمع کی صورت میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟ ''قدح'' مفرد سے بھی کام چل سکتا تھا؟ تو جمع کا صیغہ صفوں کے اعتبار سے لایا گیا ہے یعنی نبی ﷺ ہر ہر صف کو علیحدہ علیحدہ سیدھا کروایا کرتے تھے جیسے تیر بنانے والا ہر ہر تیر کو علیحدہ علیحدہ بناتا ہے اور نہ صرف یہ کہ بناتا ہے بلکہ سیدھا بناتا ہے۔ یہ تقریر تو علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ، ابن ملک اور ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جبکہ ہماری رائے میں یہاں جمع کا لفظ ''صفوں'' کے اعتبار سے نہیں، صفوں میں کھڑے ہونے والے افراد کے اعتبار سے لایا گیا ہے۔

بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ حدیث کے اس جملہ ''يسوي بها القداح'' میں ایک نکتہ کی رعایت ملحوظ خاطر رکھی گئی ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(کیونکہ حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو اس طرح سیدھا فرماتے تھے کہ ان کے ذریعے تیروں کو بھی سیدھا کیا جا سکتا تھا) بظاہر یہ جملہ اس طرح ہونا چاہیے تھا: ''فانما یسوھا بالقداح''۔ ''گویا کہ ان صفوں کو تیروں سے سیدھا فرمایا ہو''۔

''اس صورت میں باء آلہ کیلئے ہوگی''، لیکن یہاں ترتیب بدل کر فرمایا گیا ہے کہ گویا صفوں سے تیروں کو سیدھا کیا گیا ہو، جو کہ صفوں کی درستگی میں انتہائی مبالغہ اور تاکید کی دلیل ہے۔

یہ تقریر تو علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے لیکن اس تقریر کی روشنی میں ''بہا'' ضمیر کا مرجع ''صفوف'' کو قرار دینے کی صورت میں ''باء'' کا آلہ کیلئے ہونا غیر واضح سی بات معلوم ہوتی ہے، اس لئے اس سلسلہ میں اظہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''بہا'' ضمیر کا مرجع ''تسویۃ'' کو قرار دیا جائے جو کہ ''یسوی'' فعل سے مفہوم ہو رہا ہے، یا پھر ضمیر کا مرجع تو ''صفوف'' ہی کو قرار دیا جائے لیکن باء کو محذوف کے متعلق قرار دیتے ہوئے تقدیری عبارت یہ نکالی جائے: ''کانما یسوی مشبھا بھا القداح''۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث مبارکہ میں تسویۂ صفوف کی اہمیت اس کی پابندی نہ کرنے کی صورت میں تردیدی کلام کی صورت اختیار کی گئی ہے کہ اگر تم تسویۂ صفوف کا اہتمام نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف پیدا فرمادیں گے، کیونکہ کسی شخص کا سینہ نکال کر صف سے آگے ہونا ایک اندرونی و باطنی امتیاز کا مظہر ہے جو آگے چل کر باہمی کینہ اور مخالفت کا سبب بن سکتا ہے اور یوں دل بدل سکتے ہیں، اور جب دل بدل جاتے ہیں تو چہرے بدل جانا بھی آسان ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ پھر ایک دوسرے کو چہرہ پھیر کر دوسری طرف نکلنے کو ترجیح دی جاتی ہے۔

مظہر فرماتے ہیں کہ ظاہری ادب، باطنی ادب کی علامت اور نشانی ہے، مطلب حدیث کا یہ ہے کہ اگر تم ظاہری طور پر اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت نہیں کرو گے تو اس سے تمہاری باتوں میں اختلاف اور تضاد پیدا ہوگا۔ جس سے کدورتیں پیدا ہو کر ظاہر میں سرایت کر جائیں گی، آہستہ آہستہ تمہارے درمیان عداوت پیدا ہو جائے گی اور تم ایک دوسرے سے منہ موڑنے لگو گے۔

اور بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ ''مخالفتِ وجوہ'' کا مطلب یہ ہے کہ چہروں کو پیچھے کی طرف پھیر دیا جائے گا یا ان کی شکل وصورت ہی تبدیل کر دی جائے گی۔ اس صورت میں یہ جملہ تہدید پر محمول ہوگا۔ یا اس سے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہوگا کہ بعض اوقات مخالفت اس حالت تک بھی پہنچا دیتی ہے۔

پہلی صف مکمل ہونے کے بعد دوسری صف بنائی جائے

۱۰۸۶: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَاَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ وَتَرَاصُّوْا فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِيْ (رواه البخاری وفی المتفق علیه) قَالَ اَتِمُّوا الصُّفُوْفَ فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِيْ۔

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۲۰۸ حدیث رقم ۷۱۹۔ ومسلم فی صحیحه ۱/۳۲۴ حدیث رقم (۱۲۵۔۴۳۴) والنسائی ۲/۹۲ حدیث رقم ۸۱۴۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نماز کی اقامت کہی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رخ ہماری طرف متوجہ کر کے فرمایا کہ اپنی صفیں سیدھی رکھو اور آپس میں مل کر کھڑے ہو جاؤ اور یقیناً میں تمہیں پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔ (بخاری) بخاری اور مسلم دونوں کی روایت میں اس طرح آپ نے فرمایا صفوں کو مکمل کر لیا کرو میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

تشریح: اس حدیث میں بھی بنیادی طور پر صفوں کی درستگی اور درمیان میں خلاء باقی نہ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے اور اس کیلئے ''تراصوا'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت میں بھی استعمال ہوا ہے:۔

''ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص''

گویا اس حدیث میں صفوف نماز کی صفوف جہاد کے ساتھ مشابہت مطلوب ومقصود ہے، کیونکہ آیتِ مذکورہ کا تعلق تو جمہور محدثین کے نزدیک جہاد سے ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر انہیں صفوں کی درستگی کا حکم دیا کرے، تاہم یہ تلقین بھی اسی وقت ضروری ہے جب صفوں میں درستگی نہ ہو، خالی جگہ موجود ہو، بصورت دیگر اس کی تاکید باقی نہیں رہتی لیکن متوجہ کرنا پھر بھی اچھا ہے۔

نیز اس حدیث میں یہ جو فرمایا گیا کہ میں تمہیں اپنی پشت کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں، تو اس کا تعلق ''مکاشفہ'' سے ہے اور یاد رہے کہ ہمیشہ ''مکاشفہ'' ہونا کوئی ضروری امر نہیں، لہٰذا ''لا اعلم ما وراء جداری'' کے ساتھ اس کی کوئی منافات بھی نہیں رہتی، پھر زیر بحث حدیث نماز اور نمازیوں کے احوال کے ساتھ خاص ہے اور ''لا اعلم'' والی حدیث عام ہے۔

صفوں کو سیدھا رکھنا نماز کی تکمیل ہے

۱۰۸۷: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَاِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ متفق عليه اِلَّا اَنَّ عِنْدَ مُسْلِم مِنْ تَمَامِ الصَّلٰوةِ۔

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۲۰۹حدیث رقم ۷۲۳۔ومسلم ۱/۳۲۴حدیث رقم (۱۲۴۔۴۳۳)۔وأبوداؤد فی السنن ۱/۴۳۴حدیث رقم ۶۶۸۔وابن ماجه ۱/۳۱۷حدیث رقم ۹۹۳۔والدارمی ۱/۳۲۳حدیث رقم ۱۳۶۳۔ وأحمد فی المسند ۳/۱۷۷۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اپنی صفوں کو سیدھا رکھا کرو کیونکہ صفوں کو سیدھا رکھنا نماز کی تکمیل میں سے ہے۔ (بخاری، مسلم) اور مسلم کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں من تمام الصلوۃ کہ نماز کی تکمیل اس طرح ہے۔

صفوں کو سیدھا رکھنا ورنہ اختلاف پیدا ہو جائے گا

۱۰۸۸: وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ مَنَاكِبَنَا فِي الصَّلٰوةِ وَيَقُوْلُ اِسْتَوُوْا وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُكُمْ لِيَلِيَنِّیْ مِنْكُمْ اُولُوا الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰى ثُمَّ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الَّذِینَ یَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَهُمْ قَالَ اَبُو مَسْعُودٍ فَاَنْتُمُ الْیَوْمَ اَشَدُّ اِخْتِلَافًا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۳۲۳حدیث رقم (۱۲۲۔۴۳۲)۔وأبوداوٗدفی السنن۱/۴۳۶حدیث رقم ۳۷۴۔ والنسائی ۲/۸۷حدیث رقم ۸۰۷۔وابن ماجه ۱/۳۱۲حدیث رقم ۹۷۶۔والدارمی ۱/۳۲۴حدیث رقم ۱۲۲۶۔ وأحمد فی المسند ۴/۱۲۲۔

ترجمہ: حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ انصاری سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور اس وقت آپ نے ہمارے کندھوں پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا تھا کہ سیدھے اور برابر رہو اور مختلف یعنی آگے پیچھے نہ ہو ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ اور تم میں سے جو لوگ عاقل اور بالغ ہوں وہ میرے قریب کھڑے ہوں پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں۔ حضرت ابومسعود انصاریؓ نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ آج تم لوگوں میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔

اختلافِ ابدان واعضاء سے اختلافِ قلوب کیونکر؟

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک حدیث میں آتا ہے دل تمام اعضاء کے تابع ہے، اگر اعضاء میں اختلاف ہوگا تو دلوں میں بھی اختلاف ہوگا اور جب اختلاف ہوگا تو فساد ہوگا، اس طرح تمام اعضاء میں بھی فساد ہوگا، یہی مطلب ہے اس حدیث کا۔
لیکن ہماری تحقیق کے مطابق دل کی حیثیت اس بادشاہ کی سی ہے جس کی اطاعت کی جاتی ہو اور اس رئیس کی سی ہے جس کی بات لوگ مانتے ہوں اور اعضاء کی حیثیت تابع کی سی ہے، ظاہر ہے کہ جب متبوع صحیح ہوگا تو تابع بھی صحیح ہوگا۔
اور جب بادشاہ مستقیم ہوگا تو تمام اعضاء بھی مستقیم ہوں گے۔ اسی بات کی وضاحت اس مشہور حدیث میں فرمائی گئی ہے۔
''الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد، و اذا فسدت فسد الجسد الا و هی القلب''
خلاصۂ تحقیق یہ کہ دل اور اعضاء کے درمیان ایک ایسا عجیب تعلق ہے کہ ایک کی مخالفت دوسرے میں اثر انداز ہوتی ہے، یہ الگ بات ہے کہ مرکز اور مدار کی حیثیت دل ہی کو حاصل ہے، دیکھئے! اگر کسی شخص کو بیرونی طور پر سردی لگ رہی ہو تو وہ جسم کے اندرونی نظام میں بھی اثر کرتی ہے، اس طرح اگر کسی کو اندرونی طور پر سردی لگ رہی ہو تو وہ جسم کے بیرونی نظام پر بھی اثر انداز ہوتی ہے، معلوم ہوا کہ دل اور اعضاء کو ایک دوسرے کے ساتھ ایک خاص طرح کا تعلق ہے۔

''اُولُو الْاَحْلَامِ'' سے کیا مراد ہے؟

احلام، حِلم کی جمع ہے اور حلم سے مراد شدید غصہ کے وقت ضبطِ نفس، وقار، سکون، مستقل مزاجی اور بردباری سے کام لینے کی صلاحیت ہے، اس کا اطلاق ''عقل'' پر بھی کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ تمام چیزیں عقل کے تقاضے ہی سے سرزد ہوتی ہیں اور عقلاء کا شعار سمجھی جاتی ہیں، اور بعض حضرات کی رائے کے مطابق اولوالاحلام سے مراد بالغ افراد ہیں، اس صورت میں یہ حلُم کی جمع ہوگی اور اس سے مراد وہ خواب ہوگا جو انسان دیکھتا ہے اور اس کے نتیجے میں اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔
اسی طرح ''والنھٰی'' ''نھیۃ'' کی جمع ہے یعنی وہ عقل جو انسان کو ارتکابِ قبائح سے روکتی ہے، حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ عاقل بالغ افراد کو نماز میں میرے قریب رہنا چاہیے تاکہ وہ اپنی شرافت، فطانت، تیقظ و بیداری سے احکام نماز کو بہتر طریقے پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضبط کر سکیں، اور اگر نماز میں کوئی امر پیش آجائے تو وہ لوگوں کی امامت کر سکیں۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں صاحبانِ عقل و عرفان کو آگے آگے رہنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ نماز کو اچھی طرح محفوظ کر سکیں، اور احکام و سنن کو صحیح طرح ضبط کر سکیں۔ اور بعد میں آنے والوں کو پہنچا سکیں۔ نیز اس میں انتہائی فصاحت و بلاغت کے ساتھ اس فضیلت کے حصول کی بھی ترغیب دی گئی ہے، اور جو لوگ اس میں حصہ نہ ڈال سکیں، ان کا مرتبہ کم ہونے کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔

ثم الذین یلونهم: اس پہلے جملے کا مصداق قریب البلوغ یا عقل و شعور میں اولوا الاحلام کے قریب افراد مراد ہیں اور دوسرے سے مراد وہ بچے ہیں جو پاکی اور ناپاکی میں فرق کر سکیں، یا وہ لوگ جو عقل و شعور میں پہلوں کے مقابلے میں بچوں کا مرتبہ رکھتے ہوں، بچوں کی صف کے بعد پھر عورتوں کی صف قائم کی جائے گی کیونکہ مذکر کو مؤنث پر مطلقاً بزرگی و برتری حاصل ہے، اور بعض حضرات کی رائے کے مطابق اس سے مخنث مراد ہیں۔ اس اعتبار سے یہاں ترتیب صفوف کی طرف اشارہ مقصود ہوگا۔

فانتم الیوم اشد اختلافا: علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کو خطاب فرمایا جا رہا ہے جو فتنہ انگیزی کا سبب بنے تھے، اور اس خطاب کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ اس اختلاف اور فتنہ انگیزی کا سبب تسویۂ صفوف کا اہتمام نہ کرنا ہے اور بعض حضرات کی رائے کے مطابق ''اشد'' سے مراد اصل فعل ہے اور یہاں اس سے عدول ''مبالغہ'' کی وجہ سے کیا گیا ہے۔

مساجد میں بازاروں کی طرح شور و غل نہ کرو

۱۰۸۹: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَلِيَنِىْ مِنكُمْ اُولُوا الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰى ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثَلَاثًا وَاِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ الْاَسْوَاقِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحيحه ۳۲۳/۱ حديث رقم (۱۲۳۔۴۳۲)۔ وأبوداؤد فی السنن ۴۳۶/۱ حديث رقم ۶۷۵۔ والترمذی فی السنن ۴۴۰/۱ حديث رقم ۲۲۸۔ والدارمی ۳۲۴/۱ حديث رقم ۱۲۶۷۔ وأحمد فی المسند ۴۵۷/۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو لوگ عقل مند اور صاحب بصیرت ہوں اور بالغ ہوں وہ نماز میں میرے قریب کھڑے ہوں اور پھر وہ لوگ کھڑے ہوں جو ان کے قریب ہوں یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی اور پھر فرمایا مساجد میں بازاروں کی طرح شور و غل کرنے سے بچو۔ (مسلم)

تشریح: قولہٗ وایاکم وھیشات الاسواق: ھیشات، ھیشة کی جمع ہے جس کا معنی ہے بلند آواز، بازاروں کی طرح مساجد میں اونچی آواز سے بولنے اور گفتگو کرنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کیونکہ نماز جنابِ الٰہی میں حاضری کا ذریعہ ہے، اس میں سکوت و سکون اور آدابِ بندگی کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

بعض حضرات ''ھیشة'' کا معنی ''اختلاط'' بیان فرماتے ہیں، اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح بازار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والے آپس میں خلط ملط ہو جاتے ہیں۔ بالغ اور نابالغ، عاقل اور غیر عاقل، بچے اور بوڑھے، مرد اور عورتیں آپس میں گھل مل جاتے ہیں اور ان میں تقدم و تاخر کے اعتبار سے بھی کوئی امتیاز اور فرق نہیں ہوتا، تم نماز میں اس طرح کے اختلاط سے بچو۔ اور یہی معنی اس مقام کے مناسب ترین ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بازاری کاموں میں اپنے آپ کو زیادہ مشغول ہونے سے بچاؤ، ورنہ تم میرے قریب کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکو گے اور یہ اشتغال تمہارے لئے رکاوٹ بن جائے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہلی صف میں کھڑے ہونے سے بچتے تھے

۱۰۹۰: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ اَصْحَابِهٖ تَاَخُّرًا فَقَالَ لَهُمْ تَقَدَّمُوْا وَائْتَمُّوْا بِیْ وَلْیَاْتَمَّ بِکُمْ مَنْ بَعْدَکُمْ لَایَزَالُ قَوْمٌ یَتَاَخَّرُوْنَ حَتّٰی یُؤَخِّرَهُمُ اللّٰهُ.

(رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٣٢٥/١ حديث رقم (١٣٠-٤٣٨) وأبو داوٗد في السنن ٤٣٨/١ حديث رقم ٦٨٠۔ والنسائي ٨٣/٢ حديث رقم ٧٩٥۔ وابن ماجه ٣١٣/١ حديث رقم ٩٧٨۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب دیکھا کہ صحابہ کرام پہلی صف میں کھڑا ہونے سے پیچھے ہٹتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آگے بڑھو اور میری اقتدا کرو تاکہ تمہارے پیچھے کھڑے ہونے والے لوگ تمہاری اقتدا کریں اور پھر فرمایا کہ لوگ ہمیشہ پیچھے ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بھی انہیں مؤخر کر دے گا۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں "تاخر" سے مراد نماز کی صفوں میں پیچھے ہونا ہے یا مقام و مرتبہ علم میں پیچھے ہونا ہے۔ پہلی صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اہل عقل و دانش اور اہل علم و فضل کو پہلی صف میں کھڑا ہونا چاہیے اور جو ان سے کم رتبہ ہوں، انہیں دوسری صف میں کھڑا ہونا چاہیے۔ کیونکہ دوسری صف والے اگرچہ حکماً نہ سہی، لیکن ظاہراً پہلی صف والوں ہی کی اقتداء کرتے ہیں اور دوسری صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ تم میں سے ہر ایک کو احکام شریعت کی تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔ اسی طرح تمہارے بعد آنے والوں اور ہر زمانے کے لوگوں کو احکام و فرائض کا علم حاصل کرنا چاہیے۔

ملائکہ کی صفوں کی طرح صف بندی کرو

۱۰۹۱: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَرَاٰنَا حَلَقًا فَقَالَ مَالِیْ اَرَاکُمْ عِزِیْنَ ثُمَّ خَرَجَ عَلَیْنَا فَقَالَ اَلَا تَصُفُّوْنَ کَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِکَةُ عِنْدَ رَبِّهَا فَقُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَکَیْفَ تَصُفُّ الْمَلَائِکَةُ عِنْدَ رَبِّهَا قَالَ یُتِمُّوْنَ الصُّفُوْفَ الْاُوْلٰی وَیَتَرَاصُّوْنَ فِی الصَّفِّ۔

(رواہ مسلم)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أخرجه مسلم في صحيحه ۳۲۲/۱ حديث رقم (۱۱۹ـ ۴۳۰)ـ وأخرجه أبوداوٗد في السنن ۴۳۱/۱ حديث رقم ۶۶۱ـ والنسائي ۹۲/۲ حديث رقم ۸۱۶ وابن ماجه ۳۱۷/۱ حديث رقم ۹۹۲ـ

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہمیں مختلف حلقوں میں بیٹھا دیکھ کر ارشاد فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تم کو الگ الگ جماعتوں میں بیٹھے ہوئے دیکھ رہا ہوں پھر اسی طرح ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے کہ جس طرح فرشتے اللہ کے ہاں صف کی حالت میں ہوتے ہیں ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ ملائکہ اللہ کے ہاں کس طرح صف بندی کرتے ہیں؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ پہلی صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صف میں اچھی طرح مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ (مسلم)

تشریح: قولہٗ حلقا: جوہری کے مطابق یہ ح اور ل کے فتحہ کے ساتھ حلقۃ کی جمع خلاف قیاس ہے، اور اصمعی کے نزدیک یہ حاء کے کسرہ اور لام کے فتحہ کے ساتھ حلقۃ کی جمع ہے جیسے قصعۃ کی جمع قصع، اور مطلب اس کا بقول علامہ طیبی رحمہ اللہ کے یہ ہے کہ ہم میں سے ہر صف کے لوگ حلقہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے، یا یہ مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے قریبی ساتھی سے جڑ کر بیٹھا ہوا تھا۔

اسی طرح ''عزین'' عزۃ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے متفرق ٹولیاں اور جماعتیں، علامہ طیبی رحمہ اللہ کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اس طرح بیٹھے ہوئے دیکھ کر اس پر نکیر فرمائی، گویا اصل مقصد صحابہ کرام پر اس طرح بیٹھنے کو ناپسندیدہ واضح کرنا تھا، پھر نبی ﷺ نے صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر ''مالکم'' نہیں فرمایا بلکہ ''مالی اراکم'' فرمایا کیونکہ یہ زیادہ بلیغ ہے جیسے ''مالی لا اری الهدهد''۔

مردوں اور عورتوں کی بہترین صف کون سی ہے؟

۱۰۹۲: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ اَوَّلُهَا وَشَرُّهَا اٰخِرُهَا وَخَيْرُ صُفُوْفِ النِّسَاءِ اٰخِرُهَا وَشَرُّهَا اَوَّلُهَا۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۳۲۶/۱ حديث رقم (۱۳۲ـ ۴۴۰)ـ وأبوداوٗد في السنن ۴۳۸/۱ حديث رقم ۶۷۸ـ والترمذي ۴۳۵/۱ حديث رقم ۲۲۴ـ والنسائي ۹۳/۲ حديث رقم ۸۲۰ـ وابن ماجه ۳۱۹/۱ حديث رقم ۱۰۰۰ـ والدارمي ۳۲۵/۱ حديث رقم ۱۲۶۸ـ وأحمد في المسند ۱۶/۳ـ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مردوں کی بہترین صف پہلی اور بدترین صف آخری ہے اور عورتوں کی بہترین صف آخری ہے اور بدترین صف پہلی ہے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث مبارکہ میں مردوں کی پہلی صف کو بہترین قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ امام کے انتہائی قریب اور عورتوں سے بہت دور ہوتی ہے اور آخری صف کو ''شر'' قرار دیا گیا کیونکہ وہ امام سے دور اور عورتوں سے قریب ہوتی ہے، اس میں ''خیر'' کی مراد متعین کرتے ہوئے ابن ملک ''کثرت ثواب'' بیان فرماتے ہیں کیونکہ صف اول کے نمازیوں کو امام کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالات کا زیادہ علم ہوتا ہے۔

اسی طرح عورتوں کی آخری صف کو "خیر" قرار دینے کی وجہ مردوں سے دوری اور پہلی صف کو "شر" قرار دینے کی وجہ مردوں سے قرب ہے۔ اور ابن ملک فرماتے ہیں کہ اصل میں عورتوں کا مقام چونکہ مردوں کے بعد ہے اس لئے آخری صف ان کے مرتبے کے زیادہ لائق ہے، علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مردوں کو آگے بڑھنے کا حکم ہے، اس لئے جو جتنا زیادہ آگے بڑھے گا، شریعت کی نگاہوں میں وہ اتنا ہی زیادہ تعظیم کا مستحق ہوگا اور اس طرح اسے ایسی اضافی فضیلت حاصل ہو جائے گی جو دوسروں کو حاصل نہ ہوگی جبکہ عورتوں کو پردہ کا حکم ہے اس لئے ان کے مناسب حال پیچھے ہی رہنا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

"اخروھن کما اخرھن اللّٰہ"۔

"جس طرح اللہ نے ان کا ذکر بعد میں کیا ہے، تم بھی اپنی صفوں کے بعد ان کی صفیں بنایا کرو"۔

اس اعتبار سے آخری صف میں کھڑی عورت کی نسبت پہلی صف والی کو "شر" قرار دیا گیا، لیکن ظاہر ہے کہ جب تک صف اول ختم ہو کر دوسری صف کی ضرورت نہیں پڑے گی، اس وقت تک یہ حکم بھی متوجہ نہیں ہوگا کیونکہ یہاں تقدیم و تاخیر ممکن ہی نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صف اول سے مراد امام سے متصل والی صف ہے گو کہ درمیان میں منبر بھی کیوں نہ آتا ہو اور اگرچہ پہلی صف میں کھڑے ہونے والے نمازی تاخیر سے ہی کیوں نہ آئیں جبکہ بعض حضرات کی رائے کے مطابق اسے پہلی صف اسی صورت میں قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ درمیان میں کوئی چیز مثلاً منبر وغیرہ حائل نہ ہو، اگرچہ نمازی تاخیر سے ہی آئیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی یہی رائے ہے، اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ہر وہ شخص پہلی صف میں شمار کیا جائے گا جو پہلے آئے، گو کہ پچھلی صف میں نماز پڑھے۔

پھر بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ صف اول کی افضلیت کا مقام اسی وقت تک ہے جب تک اس میں کوئی منکر نہ پایا جاتا ہو مثلاً ریشمی پردے وغیرہ کے ساتھ ملامست، یا کوئی ایسی چیز جو نماز میں دھیان کسی طرف اور لگا دے، ورنہ پچھلی صف میں ہی نماز پڑھ لینی چاہیے جیسا کہ بعض اسلاف کے حوالے سے منقول ہے۔

فائدہ: حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ اس موقع پر اختصار کی ترکیب اختیار کرتے ہوئے یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ ان پانچوں حدیثوں کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے جیسا کہ ان کی عادت بھی ہے لیکن یہاں انہوں نے ہر حدیث کو نقل کرنے کے بعد "رواہ مسلم" کہا ہے، ممکن ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ یہ طریقہ وہاں اختیار کرتے ہوں جہاں تمام احادیث کی سند ایک ہو اور اس کے راویوں میں اتفاق ہو اور جہاں ایسی صورت نہ پائی جاتی ہوں، وہاں مصنف یہ طریقہ اختیار نہ کرتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

الفصل الثانی:

اگر صف میں خلا ہو تو شیطان داخل ہوگا

۱۰۹۳: عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رُصُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَقَارِبُوْا بَيْنَهَا وَحَاذُوْا بِالْاَعْنَاقِ فَوَالَّذِیْ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنِّیْ لَاَرَی الشَّیْطَانَ یَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ کَاَنَّھَا الْحَذَفُ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداود في السنن ١/٤٣٤ حديث رقم ٦٦٧۔ والنسائي ٢/٩٢ حديث رقم ٨١٥۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی صفوں کو متصل رکھو اور آپس میں قریب قریب رہو اور اپنی گردنیں برابر رکھو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں شیطان کو بکری کے سیاہ بچے کی طرح تمہاری صفوں کی کشادگی میں داخل ہوتے دیکھتا ہوں۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں صفوں کی درستگی کا حکم دیا گیا ہے تاکہ درمیان میں کسی قسم کا خلاء نہ رہے اور دو صفوں میں قرب رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جو اتنا زیادہ ہو کہ درمیان میں کوئی تیسری صف قائم کرنے کی گنجائش نہ رہے، اس طرح جسمانی قرب، باطنی قرب کا سبب بن جائے گا اور شیطان درمیان سے نہیں گذر سکے گا اور بظاہر یہ حکم اس صورت میں ہے جب کوئی عذر نہ ہو جیسے شدید قسم کی گرمی وغیرہ۔

نیز اس حدیث میں گردنوں کے برابر کرنے اور محاذات کا بھی حکم دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص، دوسرے سے اونچی جگہ پر کھڑا نہ ہو، جیسا کہ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گردنوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ ایک لمبے قد کا آدمی کسی ٹھگنے قد کے آدمی کے برابر اپنی گردن کیونکر لا سکتا ہے؟

''قولہٗ کانھا الحذف: حذف حجاز کی چھوٹی اور کالی بکریوں کو کہا جاتا ہے، بعض حضرات کی رائے کے مطابق اسے یمن سے لایا جاتا ہے، اس کے نہ کان ہوتے ہیں اور نہ دم، اسی طرح اس کے جسم پر بال بھی نہیں ہوتے۔

اور ''کانھا'' میں ضمیر کا مرجع ''شیطان'' ہے، رہی یہ بات کہ وہ تو مذکر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ باعتبار خبر کے اسے مؤنث لایا گیا ہے، اور بعض حضرات کی رائے کے مطابق ''الحذف'' پر الف لام جنسی کی وجہ سے اسے مؤنث لایا گیا ہے جو کہ معنیٰ جمع ہوتا ہے، اور ایک نسخ میں ''کانہ'' بھی آیا ہے، اس پر کوئی اشکال نہیں ہوتا، شرح طیبی میں بعض علماء کا یہ قول بھی مذکور ہے کہ اس ضمیر کو مذکر لانا بھی صحیح ہے باعتبار شیطان کے اور مؤنث لانا بھی صحیح ہے باعتبار ''الحذف'' کے، اسلئے جو لوگ یہاں تقدیری عبارت نکالتے ہیں اس کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

پہلی صف مکمل ہو کمی آخری صف میں ہو

۱۰۹۴: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتِمُّوا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ ثُمَّ الَّذِیْ یَلِیْہِ فَمَا کَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْیَکُنْ فِی الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداود في السنن ١/٤٣٥ حديث رقم ٦٧١۔ والنسائي ٢/٩٣ حديث رقم ٨١٨۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پہلی صف کو پورا کرو پھر اس کے بعد والی کو پورا کرو اور صف میں جو کمی رہے تو وہ کمی سب سے آخری صف میں ہو۔ (ابوداؤد)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صفوں کے قیام کے وقت سب سے افضل قدم

۱۰۹۵: وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ يَلُوْنَ الصُّفُوْفَ الْاُوْلٰى وَمَامِنْ خَطْوَةٍ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ خَطْوَةٍ يَمْشِيْهَا يَصِلُ بِهَا صَفًّا ۔

(رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ١/٤٣٢ حديث رقم ٦٦٤ ـ وأخرجه النسائي ٢/٨٩ حديث رقم ٨١١ ـ

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ پہلی صفوں کے قریب ہوتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے اور فرشتے ان کے لئے استغفار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدم سے افضل کوئی قدم نہیں جو چل کر صف میں ملے اور خالی جگہ کو پر کر دے۔ (ابوداؤد)

صف میں دائیں طرف کھڑا ہونا افضل ہے

۱۰۹۶: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلٰى مَيَامِنِ الصُّفُوْفِ ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ١/٤٣٧ حديث رقم ٦٧٦ ـ وابن ماجه ١/٣٢١ حديث رقم ١٠٠٥ ـ

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صفوں کی دائیں طرف کھڑے ہونے والے پر اللہ اپنی رحمت بھیجتے ہیں اور فرشتے ان کے حق میں استغفار کرتے ہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کی شرح میں ابن ملک فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ صفوں کی دائیں طرف کو بائیں طرف پر فضیلت حاصل ہے۔ جیسا کہ کتاب التفسیر میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سب سے پہلے امام کے دائیں طرف متوجہ ہوتی ہے، جو دائیں طرف کے آخری کونے تک پھیل جاتی ہے، پھر بعد میں بائیں طرف متوجہ ہو کر اس کے آخری حصے تک پھیل جاتی ہے، لیکن اس کے باوجود بعض علماء کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر بائیں جانب کی صف خالی رہ جائے تو اس کی فضیلت دائیں طرف سے بڑھ جائے گی کیونکہ صفوں کی درستگی اور دونوں سمتوں کی رعایت بھی ضروری ہے اور مسلم شریف میں حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ جب ہم نبی ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے تو ہماری کوشش یہ ہوتی تھی کہ آپ ﷺ کی دائیں جانب کھڑے ہو کر نماز پڑھیں تاکہ جب آپ ﷺ سلام پھیریں تو رخ انور ہماری طرف متوجہ ہو خواہ سلام پھیرتے وقت یا نماز سے فارغ ہو کر نمازیوں کی طرف رخ انور پھیرنے کے وقت۔

رسول اللہ ﷺ صفوں کو اہتمام سے درست کرتے تھے

۱۰۹۷: وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا اِذَا اُقِيْمَتْ اِلَى الصَّلَاةِ فَاِذَا اسْتَوَيْنَا كَبَّرَ ۔ (رواہ ابوداود)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أخرجه أبوداؤد في السنن ۱/ ۴۳۲ حدیث رقم ۶۶۵۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو درست کرتے تھے جب صفیں برابر اور سیدھی ہو جاتیں پھر تکبیر تحریمہ کہتے۔ (ابوداؤد)

تشریح: ابن ملک فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ امام کیلئے صفوں کو سیدھا کروانے کے بعد تکبیر کہنا سنت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں اور بائیں رُخ کر کے صفوں کو سیدھا کرنے کا حکم دیتے تھے

۱۰۹۸: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَنْ يَمِيْنِهٖ اِعْتَدِلُوْا سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَعَنْ يَّسَارِهٖ اِعْتَدِلُوْا سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۱/ ۴۳۵ حدیث رقم ۶۷۰۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تھے تو پہلے اپنی دائیں طرف متوجہ ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اپنی صفیں برابر کر لو پھر بائیں طرف متوجہ ہو کر اسی طرح ارشاد فرماتے تھے کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اپنی صفیں برابر کر لو۔ (ابوداؤد)

نماز میں کندھوں کو نرم رکھو

۱۰۹۹: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خِيَارُكُمْ اَلْيَنُكُمْ مَنَاكِبَ فِي الصَّلَاةِ ۔

(رواه ابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۱/ ۴۳۵ حدیث رقم ۶۷۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں کہ جن کے کندھے نماز میں نرم ہوں۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور دوسرا شخص آ کر اسے صف سیدھی کرنے کیلئے کہے یا اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر خود ہی اسے آگے پیچھے کرنا چاہے تو اکڑنے کی بجائے اپنے آپ کو نرم کر لے اور اس کی بات مان لے، اس توجیہہ کے اعتبار سے ''الینکم'' کا معنی ہے ''اسرعکم انقیادا'' اور بعض حضرات نے اس کا مطلب ''دوران نماز سکون و وقار کو لازم پکڑنا'' بیان فرمایا ہے کہ دوران نماز ادھر ادھر نہ دیکھے، اس اعتبار سے ''الینکم'' کا معنی ہوگا ''اکثرکم سکینۃ ووقارا''۔

تیسرا معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر صف میں کچھ گنجائش ہو اور بعد میں آنے والا کوئی شخص اس خالی جگہ کو پر کرنے کیلئے صف میں داخل ہونا چاہیے اور اس کی وجہ سے تمہاری جگہ کچھ تنگ ہو جاتی ہو، تب بھی اسے نہیں روکنا چاہیے، میرک کے مطابق ان تینوں توجیہات میں سے پہلی توجیہہ زیادہ مناسب ہے اور اس کی تائید حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فصل ثالث میں ان الفاظ کے ساتھ آرہی ہے۔

"ولینوا فی ایدی اخوانکم"

فائدہ: یہاں بھی اختصار کا تقاضا یہی تھا کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ تمام احادیث نقل کرنے کے بعد کہہ دیتے کہ اس فصل کی تمام احادیث سنن ابی داؤد میں مروی ہیں' ہر حدیث کے بعد "رواہ ابوداؤد" کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ واللہ اعلم۔

الفصل الثّالث:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں

۱۱۰۰: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اسْتَوُوْا اسْتَوُوْا اِسْتَوُوْا فَوَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنِّيْ لَاَرَاكُمْ مِنْ خَلْفِيْ كَمَا اَرَاكُمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ۔

أخرجه النسائي في السنن ٢/٩١ حديث رقم ٨١٣۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم برابر اور سیدھے کھڑے ہوا کرو تین مرتبہ یہ حکم دیتے تھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جس طرح میں اپنے سامنے سے تمہیں دیکھتا ہوں اسی طرح اپنے پیچھے سے بھی تمہیں دیکھتا ہوں۔ (ابوداؤد)

صفِ اوّل کی فضیلت

۱۱۰۱: وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِيْ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِيْ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِيْ قَالَ وَعَلَى الثَّانِيْ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَحَاذُوْا بَيْنَ مَنَاكِبِكُمْ وَلِيْنُوْا فِيْ اَيْدِيْ اِخْوَانِكُمْ وَسُدُّوا الْخَلَلَ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ فِيْمَا بَيْنَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْحَذَفِ يَعْنِيْ اَوْلَادَ الضَّاْنِ الصِّغَارَ۔ (رواہ احمد)

أخرجه أحمد في المسند ٥/٢٦٢۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ پہلی صف والوں پر اپنی رحمت نازل کرتے ہیں اور ملائکہ ان کے لئے استغفار کی دعا کرتے ہیں یہ سن کر صحابہ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! دوسری صف والوں پر بھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پہلی صف والوں پر رحمت نازل کرتے ہیں اور ملائکہ پہلی صف والوں کے لئے استغفار کی دعا کرتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! دوسری صف والوں پر بھی فرمایئے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ پہلی صف والوں پر رحمت کرتے ہیں اور ملائکہ استغفار کی دعا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! دوسری صف والوں پر بھی فرمایئے۔ آپ نے فرمایا دوسری صف والوں پر بھی اللہ رحمت نازل کرتے ہیں اور ملائکہ استغفار کی دعا کرتے ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنی صفوں کو سیدھا رکھو اور اپنے کندھوں کو ہموار رکھو شیطان بھیڑ کا بچہ بن کر تمہارے درمیان گھس جاتا ہے۔ (احمد)

تشریح: اس حدیث میں اللہ "صلوٰۃ" بھیجنے سے مراد "انزال رحمت" ہے اور فرشتوں کے "صلوٰۃ" سے مراد دعاءِ توفیق ہے اور تین مرتبہ صفِ اوّل کے نمازیوں کیلئے صلوٰۃ اللہ اور صلوٰۃ الملائکہ کا تکرار مفید تاکید ہے اور صف اول کیلئے حصول کمال ثابت کرتا ہے، نیز یہ کہ اللہ کی رحمت سہ گنا کے مستحق صفِ اول کھڑے ہونے والے نمازی ہوتے ہیں۔

صفوں کے متعلق ہدایات

۱۱۰۲: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقِيْمُوا الصُّفُوْفَ وَحَاذُوْا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ وَسُدُّوا الْخَلَلَ وَلِيْنُوا بِاَيْدِيْ اِخْوَانِكُمْ وَلَا تَذَرُوْا فُرُجَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَنْ وَّصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَهُ قَطَعَهُ اللّٰهُ (رواہ ابو داود وروی النسائی مِنْهُ قَوْلُهٗ مَنْ وَصَلَ صَفًّا اِلٰى آخره)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۴۳۳ حدیث رقم ۶۶۶۔ والنسائی ۲/۹۳ حدیث رقم ۸۱۹۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا صفیں سیدھی رکھو اپنے کندھوں کے درمیان ہموار رکھو صفوں کے خلا کو پر کرو اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم رہو۔ صفوں میں شیطان کے لئے خلا نہ چھوڑو اور آپ نے یہ بھی فرمایا جس انسان نے صف کو ملایا اللہ تعالیٰ اسے ملا دے گا اور جو شخص صف کو توڑے گا اللہ تعالیٰ اسے توڑ دے گا۔ (ابوداؤد) امام نسائیؒ نے اس روایت کو من وصل صفا سے آخر تک نقل کیا ہے اور اس سے پہلے کی عبارت انہوں نے ذکر نہیں کی۔

تشریح: اس حدیث کے اندر صفوں کو سیدھا رکھنے کے متعلق پانچ ہدایات ذکر کی گئی ہیں کہ جب جماعت کی نماز کے لئے صف تیار ہو جائے تو ان ہدایات پر عمل کیا جائے۔ ① صفیں سیدھی اور برابر رکھو۔ ② اپنے کندھوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر ہموار رکھو۔ ③ صفوں کے درمیان خلا نہ چھوڑو صفوں کے درمیان کی کشادگی کو اچھی طرح پر کرو یعنی پاؤں کے ساتھ اور کندھوں کے ساتھ کندھا متصل ہو۔ ④ اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم رہو یعنی اگر کوئی آدمی تمہارے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تمہیں نماز کے اندر سیدھا اور درست کرنا چاہے تو فوراً اسی طرح سیدھے ہو جاؤ۔ ⑤ صفوں کے درمیان خلا نہ چھوڑو کیونکہ اس خلا کے درمیان سے شیطان داخل ہو جاتا ہے۔ یہ پانچ ہدایات ارشاد فرمانے کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس انسان نے صف کو ملایا یعنی صف کے درمیان خالی جگہ دیکھ کر اس کو پر کر دیا تو اس انسان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جوڑ دے گا اور جس شخص نے صف کو توڑا یعنی صف کے درمیان خلا اور کشادگی کو پر نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس انسان کو اپنی رحمت سے توڑ دے گا۔

اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا کہ اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ، اس کا مطلب یہی ہے کہ اگر وہ صف سیدھی کرنے کیلئے تمہیں آگے پیچھے کریں تو ہو جایا کرو تا کہ تعاون علی البر کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے اور ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص اکیلا ہو اور پچھلی صف میں اس کے ساتھ کھڑا ہونے والا کوئی بھی موجود نہ ہو اور وہ تمہیں اپنے ساتھ پچھلی صف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں کھڑا کرنا چاہیے تاکہ وہ انفرادیت جسے بعض ائمہ نے باطل بھی قرار دیا ہے باقی نہ رہے تو تم پیچھے ہو جایا کرو۔ چنانچہ ابوداؤد کی ایک مرسل روایت میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز کیلئے اس حال میں آئے کہ اگلی صف میں کھڑے ہونے کی گنجائش نہ ہو، اور اس کے ساتھ کھڑے ہونے کیلئے کوئی دوسرا آدمی بھی موجود نہ ہو تو اسے چاہیے کہ اگلی صف سے کوئی آدمی کھینچ کر پیچھے کر لے اور اس کے ساتھ کھڑا ہو، اس سے اس شخص کے اجر وثواب میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ اگلی صف میں کھڑے ہونے کی جو فضیلت اسے حاصل تھی، پیچھے آنے کی وجہ سے وہ ختم نہیں ہو جائے گی بلکہ اس کی نیت کیوجہ سے اسے ثواب ضرور ملے گا بلکہ دوسرے حصول فضیلت کا سبب بننے پر زائد اجر وثواب بھی اس کے نامۂ اعمال میں درج کروایا جائے گا۔

امام کو درمیان میں رکھو

۱۱۰۳: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَوَسَّطُوا الْاِمَامَ وَسُدُّوا الْخَلَلَ ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ۱/۴۳۹ حديث رقم ۶۸۱۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا امام کو درمیان میں رکھو اور خلا کو پر کرو۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کا مطلب علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اپنے امام کو اپنے درمیان اس طرح کھڑا کیا کرو کہ تم اس کے پیچھے اور دائیں بائیں صفوں میں کھڑے ہو، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے جبکہ لغت کی کتاب قاموس کا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ یہ جملہ از قبیل حذف وایصال ہے اور تقدیری عبارت یوں ہے۔

"توسطوا بالامام"۔

صف میں تاخیر کرنے والے کے لئے وعید

۱۱۰۴: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَتَاَخَّرُوْنَ عَنِ الصَّفِّ الْاَوَّلِ حَتّٰى يُؤَخِّرَهُمُ اللّٰهُ فِي النَّارِ ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ۱/۴۳۸ حديث رقم ۶۷۹۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کچھ لوگ ہمیشہ پہلی صف سے پیچھے بیٹھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں جہنم میں پیچھے ڈال دے گا۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں پچھلی صفوں میں رہنے والوں کے متعلق جو یہ فرمایا گیا ہے کہ "حتی یؤخرھم اللہ فی النار" اس کا مطلب یہ ہے کہ انجام کار اور بالآخر اللہ تعالیٰ انہیں جہنم میں پھینک دے گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ جہنم میں انہیں سب سے پیچھے رکھے گا، یہ ان کے اعمال کا بدلہ اور ان کے حال کے عین مطابق ہوگا، جبکہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ اور ان ہی کی متابعت میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگلی صفوں سے جان چرا کر پچھلی صفوں میں رہنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ انہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیکی کے دوسرے کاموں میں پیچھے کردیں گے اور انہیں جہنم میں داخل فرمائیں گے۔

صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے کی ممانعت

۱۱۰۵: وَعَنْ وَابِصَةَ ابْنِ مَعْبَدٍ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ رَجُلاً یُّصَلِّیْ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَہٗ فَاَمَرَہٗ اَنْ یُّعِیْدَ الصَّلٰوۃَ۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابوداود و قال الترمذی ھذا حدیث حسن)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۴۳۹/۱ حديث رقم ۶۸۲۔ والترمذي ۴۴۶/۱ حديث رقم ۲۳۰ وأحمد في المسند ۲۲۸/۴۔

ترجمہ: حضرت وابصہ بن معبد سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھ رہا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: اس حدیث میں صف کے پیچھے ''باوجودیکہ اگلی صف میں گنجائش موجود تھی'' اکیلے نماز پڑھنے والے کو اعادۂ نماز کا جو حکم دیا گیا ہے، وہ استحباب پر محمول ہے کیونکہ اس میں امر مکروہ کا ارتکاب پایا گیا ہے، لیکن علامہ طیبی رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق یہ حکم تغلیظ وتشدید پر محمول ہے، اور اس کی تائید ''باب الموقف'' کی فصل اول کے آخر میں موجود حدیثِ ابی بکرہؓ سے بھی ہوتی ہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ان دونوں میں تو کوئی مناسبت ہی نہیں پائی جاتی، بالخصوص اس حدیث میں ''لا تعد'' کو باب افعال سے مانتے ہوئے اعادہ سے ماخوذ قرار دیں، بلکہ اس صورت میں تو ان دونوں کے درمیان تناقض پایا جاتا ہے، گو کہ اس کا دفاع یوں کیا جاسکتا ہے کہ نہی ''عدم وجوب'' پر محمول ہے، یا وقت کراہت پر محمول ہے۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک کسی صف میں انسان کیلئے تنہا کھڑا ہونا صحیح نہیں ہے اور ان کی دلیل زیر بحث حدیث ہے، جبکہ اس کے جواز پر بخاری شریف کی اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعادۂ نماز کا یہ حکم جو زیر بحث حدیث میں دیا گیا ہے وہ استحباب پر محمول ہے۔

رہی یہ روایت جو سند صحیح کے ساتھ مروی ہے: ''لا صلوٰۃ للذی خلف الصف''۔

تو یہ ہمارے نزدیک ایک نفی کمال پر محمول ہے۔

فائدہ: اس کے بعد حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کرکے اس پر مختصر بحث فرمائی ہے اور دوبارہ اگلے باب کی فصل اول کے آخر میں اس کا تکرار کیا ہے جس سے بچنے کیلئے ہم یہاں اس بحث کو ترک کر رہے ہیں اور اگلے باب کی فصل اول کے آخر میں ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَابُ الْمَوْقِفِ

امام اور مقتدی کے کھڑے ہونے کی جگہ کا بیان

الفصل الاول:

ایک مقتدی ہو تو امام کے دائیں جانب کھڑا ہو

۱۱۰۶: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ فِي بَيْتِ خَالَتِي مَيْمُونَةَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَأَخَذَ بِيَدِي مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِهِ فَعَدَلَنِي كَذٰلِكَ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِهِ إِلَى الشِّقِّ الْأَيْمَنِ ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۹۰/۲ حديث رقم ۶۹۷۔ ومسلم في صحيحه ۵۳۱/۱ حديث رقم (۱۹۲۔۷۶۳) وأبو داؤد في السنن ۴۰۷/۱ حديث رقم ۶۱۰۔ والترمذي ۴۵۱/۱ حديث رقم ۲۳۲۔ والنسائي ۱۰۴/۲ حديث رقم ۸۴۲۔ وابن ماجه ۳۱۲/۱ حديث رقم ۹۷۳۔ والدارمي ۳۱۹/۱ حديث رقم ۱۲۴۴۔ وأحمد في المسند ۲۴۹/۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ اپنی خالہ حضرت میمونہ کے گھر میں رات گزاری جب رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو میں بھی آپ کے بائیں جانب جا کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اپنے پیچھے سے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے پیچھے سے پھیر کر دائیں طرف کر لیا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث کے تحت شرح السنہ میں متعدد فوائد پر روشنی ڈالی گئی ہے جو حسب ذیل ہیں:

① نفل نماز با جماعت بھی جائز ہے۔

② اگر مقتدی ایک ہو تو وہ امام کی داہنی جانب کھڑا ہو۔

③ نماز میں عمل قلیل جائز ہے۔

④ مقتدی، امام سے آگے نہیں بڑھ سکتا، کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ کو اپنے پیچھے کی طرف سے گھما کر دائیں جانب کیا تھا، حالانکہ آگے سے گھما کر دائیں طرف کرنا زیادہ آسان تھا۔

⑤ جس شخص نے امامت کی نیت نہ کی ہو، اس کے پیچھے اقتداء کرنا جائز ہے کیونکہ جب نبی ﷺ نے نماز شروع فرمائی تھی تو آپ ﷺ تنہا تھے، اور امامت کی نیت بھی نہ فرمائی تھی، بعد میں حضرت ابن عباسؓ نے آپ ﷺ کی اقتداء کی تھی۔

ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر مقتدی اکیلا ہو اور وہ پیچھے یا بائیں جانب کھڑا ہو کر نماز پڑھ لے تو اگرچہ نماز ہو جائے گی لیکن ایسا کرنا برا ہے اور ابن ہمام کے مطابق یہی مفتی بہ مذہب ہے اور بعض حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ پیچھے نماز پڑھنا جائز بھی ہے اور برا بھی نہیں ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے ایسا بھی کیا تھا اور نبی ﷺ سے اس کے متعلق دریافت بھی فرمایا تھا اور عرض کیا تھا کہ کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کھڑے ہونے کی جگہ میں بھی آپ ﷺ کی برابری کرے، اس پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ نے انہیں دعاؤں سے نوازا، معلوم ہوا کہ یہ مکروہ نہیں، تو یہ استدلال اور رائے غلط ہے کیونکہ حضرت ابن عباسؓ تو نبی ﷺ کی دائیں جانب کے محاذاۃ اور سیدھ میں کھڑے تھے، اور نبی ﷺ کا انہیں دعاؤں سے نوازنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ انہوں نے یہ کام کیا بلکہ ان کے حسنِ ادب پر تھا۔

پھر کچھ آگے چل کر یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ باجماعت نوافل پڑھنا کیسے جائز ہو گئے حالانکہ وہ تو بدعت ہیں؟ اور خود ہی جواب نقل فرماتے ہیں کہ ایک دو آدمیوں کا نوافل کی بلا اذان و اقامت جماعت جائز ہے، علاوہ ازیں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تہجد کی نماز کا واقعہ ہے اور نبی ﷺ پر تہجد کی نماز فرض تھی، اس اعتبار سے یہ ''اقتداء المتنفل خلف المفترض'' ہوئی اور اس میں کوئی کراہت نہیں۔

دو مقتدی امام کے پیچھے کھڑے ہوں

۱۰۷۱: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّيَ فَجِئْتُ حَتّٰى قُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَاَخَذَ بِيَدِيْ فَاَدَارَنِيْ حَتّٰى اَقَامَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهٖ ثُمَّ جَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَقَامَ عَنْ يَّسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخَذَ بِيَدَيْنَا جَمِيْعًا فَدَفَعَنَا حَتّٰى اَقَامَنَا خَلْفَهٗ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/٥٢٥ حديث رقم (١٨١-٧٦٣)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے میں آکر آپ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اپنے پیچھے سے ہاتھ کر کے میرا دایاں ہاتھ پکڑا اور پیچھے سے لا کر اپنے دائیں طرف کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد حضرت جابر بن صخر آئے اور آپ کے بائیں طرف کھڑے ہو گئے پھر رسول اللہ ﷺ نے ہم دونوں کا ہاتھ پکڑ کر ہمیں اپنی جگہ سے ہٹا کر اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کی شرح میں علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عین ممکن ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ سے ایک صحابی کو بائیں جانب سے پکڑ کر پیچھے کیا ہو اور بائیں ہاتھ سے دوسرے صحابی کو دائیں جانب سے پکڑ کر پیچھے کر دیا ہو، قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر مقتدی ایک ہو تو اسے امام کی دائیں جانب اور دو یا زیادہ ہوں، تو اس کے پیچھے صف بنا کر کھڑا ہو جانا زیادہ بہتر ہے۔ نیز یہ کہ ہاتھ سے ایک یا دو مسلسل حرکتوں سے نماز نہیں ٹوٹتی، اسی طرح وقفہ وقفہ سے دو مرتبہ ہاتھ سے حرکت کرنا بھی نماز کو نہیں ختم کرتا۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم میں حضرت علقمہ اور اسود کے حوالے سے منقول ہے کہ یہ دونوں حضرات ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے فرمایا کیا میں تم دونوں کو پیچھے کھڑا کر کے نماز پڑھ سکتا ہوں؟ (یعنی کیا تم نے نماز پڑھی ہے یا نہیں؟) ان دونوں نے اثبات میں جواب دیا (یعنی ہم نے ابھی نماز نہیں پڑھی) یہ سن کر وہ ان دونوں کے درمیان اس طرح کھڑے ہوئے کہ ایک کو اپنی دائیں طرف اور دوسرے کو اپنی بائیں طرف کر لیا، مذکورہ دونوں حضرات کہتے ہیں کہ قیام کے بعد ہم نے رکوع کیا اور اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھ لیا (جس طرح عام طور پر رکوع میں کیا جاتا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے) لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے (ایسا نہیں کیا بلکہ) اپنے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر رانوں کے بیچ میں دبا لیا اور نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح کیا تھا۔

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو مرفوع قرار دینا صحیح نہیں ہے، محدثین کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ یہ روایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے، نیز امام نووی رحمہ اللہ ''خلاصہ'' میں فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم سے صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا، ان کا یہ قول تو ثابت نہیں ہوتا کہ یہ عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات میں شامل تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اسی طرح نماز پڑھتے تھے، (ابتداء اسلام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا تھا لیکن بعد میں یہ طریقہ اور بہت سے احکام کی طرح منسوخ ہو گیا۔ مترجم)

بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ محسوس ایسا ہوتا ہے کہ اس واقع میں علقمہ اور اسود سے کچھ ذہول ہو گیا ہے کیونکہ امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ روایت تین طرف سے نقل فرمائی ہے، ان میں سے پہلے دو کو غیر مرفوع اور تیسرے طریق میں اسے مرفوع نقل کیا ہے جس سے اس کا اضطراب واضح ہوتا ہے، تاہم اگر اس کا مرفوع ہونا ہی صحیح ہو تو اس صورت میں جواب یہ ہے کہ جگہ کی تنگی نے ایسا کرنے پر مجبور کیا، جبکہ علامہ حازمی رحمہ اللہ رکوع کے اسی طریقے کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ اتنی بات تو یقینی ہے کہ نماز میں تطبیق کا یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا تھا اور مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ترک فرما دیا تھا جس کی دلیل حضرت جابرؓ کی روایت ہے اور وہ غزوۂ بدر کے بعد ہونے والے تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں۔ اس اعتبار سے ان کی روایت زمانۂ بعد کی ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مکی دور کا واقعہ نقل فرما رہے ہیں، ظاہر ہے کہ ترجیح مدنی دور کی روایات کو ہو گی کیونکہ وہ متاخر ہے اور ناسخ ہمیشہ متاخر ہی ہوتا ہے۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حازمی رحمہ اللہ کے اس جواب پر زیادہ سے زیادہ یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اگر یہ حکم اور طریقہ منسوخ ہو چکا ہے تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر یہ بات کیسے مخفی رہ گئی؟ حالانکہ یہ بات بھی کچھ بعید نہیں اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں عام طور پر صحابہ کرامؓ کی ایک معتد بہ جماعت نماز پڑھتی تھی، دو آدمیوں کو نماز پڑھانے کا واقعہ شاذ و نادر ہی پیش آتا تھا جیسا کہ یہاں آیا، نیز اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جن کا علم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو نہیں ہو سکا۔

جماعت کی نماز میں مرد اور عورت میں کھڑے ہونے کی ترتیب

۱۱۰۸: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلَّيْتُ اَنَا وَيَتِيْمٌ فِيْ بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ وَاُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/ ٥٢٥ حديث رقم (١٨١-٧٦٣)۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اور یتیم نے اپنے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور ام سلیم ہمارے پیچھے تھی۔ (مسلم)

تشریح: اس روایت میں لفظ ''یتیم'' کو بعض حضرات نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی کا نام قرار دیا ہے اور میرکؒ نے اپنے شیخ سے اس ''یتیم'' کا نام ''ضمیرہ'' نقل کیا ہے جو کہ حسین بن عبداللہ کے دادا ہوتے ہیں۔ ابن حذاء فرماتے ہیں کہ عبدالملک بن حبیب نے بھی ان کا یہی نام ذکر کیا ہے، لیکن ان کے علاوہ کسی اور نے یہ نام نہیں ذکر کیا، میرا خیال ہے کہ انہوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے حسین بن عبداللہ سے براہ راست یا اہل مدینہ میں سے کسی سے سنا ہوگا اور فرماتے ہیں کہ ضمیرہ یہ وہی ضمرہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی میں شمار ہوتے تھے، جبکہ علامہ ابن ہمام، نووی رحمۃ اللہ علیہما کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ اس یتیم بچے کا نام ''ضمیر بن سعد حمیری'' ہے۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے شرح السنہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مردوں کو عورتوں سے آگے ہونا چاہیے اور یہ کہ بچہ بڑوں کے ساتھ کھڑا ہوسکتا ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ دوسری بات اسی صورت میں ثابت ہوسکتی ہے جب کہ یہ معلوم ہوجائے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اس وقت تک بالغ ہوکر ''مردوں'' کے درجے میں پہنچ چکے تھے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری کے وقت ان کی عمر فقط دس برس کی تھی۔

فائدہ: اس حدیث کی نسبت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے صرف صحیح مسلم کی طرف کی ہے، میرک فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں کتاب الصلوۃ کے ''باب المرأة وحدها تكون صفا'' میں اس روایت کی تخریج فرمائی ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ پر تعجب ہے کہ انہوں نے بخاری کے اس حوالے کے باوجود اس کی نسبت صرف مسلم شریف کی طرف کیوں کی؟ اور اس سے بھی زیادہ تعجب شیخ جزری رحمۃ اللہ علیہ پر ہے کہ انہوں نے مسلم کے ساتھ نسائی کا تو ذکر کر دیا لیکن بخاری شریف کا حوالہ انہوں نے بھی نہیں دیا۔ اس کا جواب سوائے اس کے اور کیا دیا جاسکتا ہے۔ ''سبحان من لا يغفل ولا ينسى''۔

عورت محرم ہونے کے باوجود صف کے پیچھے کھڑی ہو

۱۱۰۹: وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهٖ وَبِاُمِّهٖ اَوْ خَالَتِهٖ قَالَ فَاَقَامَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَاَقَامَ الْمَرْاَةَ خَلْفَنَا۔ (رواه مسلم)

أخرجه النسائي في السنن ٢/٨٦ حديث رقم ٨٠٣۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ یا ان کی خالہ کو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں طرف کھڑا کیا اور اس خاتون کو پیچھے کھڑا کیا۔ (مسلم)

اگر امام رکوع میں چلا جائے تو آنے والا مقتدی کیا کرے

۱۱۱۰: وَعَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ اَنَّهُ انْتَهٰى اِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ اَنْ يَّصِلَ اِلَى الصَّفِّ ثُمَّ مَشٰى اِلَى الصَّفِّ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ۔

(رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٢٦٧ حديث رقم ٧٨٣۔

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ سے روایت ہے ایک مرتبہ وہ نماز میں شامل ہونے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو اس وقت آپ رکوع میں چلے گئے تھے اس لیے ابوبکرہ صف میں پہنچنے سے پہلے ہی رکوع میں چلے گئے' پھر آہستہ آہستہ چل کر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صف میں شامل ہو گئے پھر اس واقعہ کا رسول اللہ ﷺ کے سامنے تذکرہ کیا تو آپ نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حرص کو اور زیادہ کرے آئندہ ایسا نہ کرنا۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں جو لفظ "لا تعد" آیا ہے وہ تاء کے فتحہ اور عین کے ضمہ کے ساتھ "عوذ" سے ماخوذ ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اس طرح کی حرکت دوبارہ مت کرنا۔ بعض حضرات نے اسے عین کے سکون اور دال کے ضمہ کے ساتھ "عدو" سے ماخوذ قرار دیا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ نماز میں شامل ہونے کیلئے تیزی سے مت چلا کرو اور صف کے قریب پہنچنے تک صبر کیا کرو اور صف میں پہنچ کر نماز شروع کیا کرو۔ اور بعض حضرات نے اسے تاء کے ضمہ اور عین کے کسرہ کے ساتھ "اعادہ" سے ماخوذ قرار دیا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو نماز تم اس طرح پڑھ چکے ہو، اب اس کا اعادہ نہ کرو۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے شرح مہذب میں اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اقوال تحریر فرمائے ہیں۔

① **لا تعد،** عدو سے ماخوذ ہے اور ایسے ہی ہے جیسے "**لا تاتوھا و انتم تسعون**" (دونوں کا ایک ہی مطلب ہے)۔

② نماز میں پہنچنے کیلئے اتنی تاخیر مت کیا کرو کہ امام کے ساتھ تمہاری کوئی رکعت ہی چھوٹ جائے۔

③ صف سے پیچھے ہی تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع نہ کیا کرو۔

ظاہر ہے کہ یہ تیسرا معنی ہی اس مقام کے زیادہ مناسب ہے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی بات سب سے زیادہ جامع ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اسے تمام روایات میں تاء کے فتحہ اور عین کے ساتھ ضبط کیا ہے جو کہ "عدو" سے ماخوذ ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم جو تیزی سے چل کر آئے، پھر صف سے پیچھے ہی رکوع کر لیا پھر اسی حال میں صف کی طرف چل کر آئے، آئندہ ایسا نہ کرنا۔

شیخ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "**لا تعد**" کا لفظ "عدو" سے ماخوذ ہے اور مطلب یہ ہے کہ آئندہ اس طرح کی حرکت نہ کرنا، گو کہ ایک دو قدم چلنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، لیکن اس سے احتراز ہی بہتر ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ نبی ﷺ نے انہیں انفرادی طور پر اپنی اقتداء سے منع فرمایا ہو، یا صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع کرنے سے منع فرمایا ہو، بظاہر اس ممانعت کا تعلق ان تمام چیزوں سے ہو سکتا ہے، اور جو لوگ اسے "اعادہ" سے ماخوذ قرار دیتے ہیں ان کی بات تو بعید از قیاس ہے، اور اس سے بھی زیادہ بعید از قیاس بات ان لوگوں کی ہے جو اسے "عدو" سے ماخوذ قرار دیتے ہیں اور کسی راوی نے بھی اسے اعادہ یا عدو سے ضبط نہیں کیا، ایسے لوگ الفاظِ نبوت میں تحریف و تبدیل کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ صحیح طرح اسے حفظ و ضبط نہیں کر پاتے، یا یہ وجہ ہوتی ہے کہ ان تک وہ حدیث سماع کے واسطے سے نہیں پہنچی ہوتی۔ اور تحریر میں اعراب نہ ہونے کی وجہ سے لفظ جتنے احتمالات رکھتا ہے وہ ان سب کو ذکر کر دیتے ہیں کیونکہ انہیں اس لفظ کا تو علم ہی نہیں ہوتا جو نقل ہوتا چلا آ رہا ہے اور اس طرح غلط احتمالات رائج ہو جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

صف میں اکیلے نماز پڑھنے کا حکم:

اگلی صف مکمل ہو چکی ہو تو پچھلی صف میں اکیلے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ قاضی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے نزدیک ایسا کرنا مکروہ تو ہے لیکن اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ جبکہ ابراہیم نخعیؒ، حمادؒ، ابن ابی لیلیٰؒ، وکیعؒ اور امام احمدؒ اسے مبطل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلوٰۃ قرار دیتے ہیں، زیر بحث حدیث ان کے خلاف جمہور کی دلیل ہے کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا تھا، اگر ''انفرادیت'' مفسد نماز ہوتی تو ان کی نماز منعقد ہی نہ ہوتی کیونکہ جس وقت انہوں نے تکبیر تحریمہ کہی تھی، مفسد نماز تو اسی وقت موجود تھا۔

اور ''لا تعد'' کو اگر انفرادی اقتداء سے نہی پر محمول کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ آئندہ اس طرح دوبارہ نہ کرنا، اور اگر صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع کرنے کی ممانعت پر محمول کیا جائے تو وہ فسادِ نماز پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ ہر تکبیر تحریمہ مفسد نماز نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ آہستہ آہستہ چل کر دوران نماز صف تک پہنچنا چاہتے ہوں کیونکہ ایک دو قدم چلنا نماز کو فاسد نہیں کرتا، تاہم بہتر یہی ہے کہ اس سے احتراز ہی کیا جائے۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس صورت میں ممانعت کا یہ جملہ درحقیقت اس بات کا حکم ہوگا کہ جہاں تکبیر تحریمہ کہی ہے، وہیں کھڑے رہو اور اپنی نماز کو اکیلے ہی مکمل کر لو۔ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ اور محی السنہ فرماتے ہیں کہ صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے کے باطل نہ ہونے کی دلیل میں اس حدیث کو پیش کیا جا سکتا ہے کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت ابو بکرہ کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا، بلکہ آئندہ کیلئے ان کی رہنمائی فرمادی تاکہ وہ افضل طریقہ اختیار کر سکیں۔ گویا ''لا تعد'' کراہت تنزیہی پر محمول ہے، نہ کہ کراہت تحریمی پر، کیونکہ کراہت تحریمی کی صورت میں نبی ﷺ اعادۂ نماز کا ضرور حکم دیتے۔

الفصل الثانی:

امام اس آدمی کو بنایا جائے جو افضل ہو

۱۱۱۱: عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كُنَّا ثَلَاثَةً اَنْ يَتَقَدَّمَنَا اَحَدُنَا ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۱/۴۵۲ حدیث رقم ۲۳۳۔

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ جب ہم تین آدمی نماز پڑھنے والے ہوں تو ہم میں سے ایک آدمی جو بہتر ہو وہ ہمارا امام بن جائے۔ (ترمذی)

تشریح: قوله (ان يتقدمنا أحدنا) ''ابن ملک فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ہم میں سے ایک امامت کروائے اور اگر دو ہوں تو ان میں سے بھی ایک امامت کروائے۔ میں کہتا ہوں کہ تین کی صورت میں امام کا تقدم حسی اور معنوی دونوں طرح ہوگا لیکن دو کی صورت میں امام کا تقدم صرف معنوی ہوگا کیونکہ اکیلا مقتدی تو امام کے ساتھ کھڑا ہوگا۔

قوله (رواه الترمذی) بعض علماء نے اسماعیل بن مسلم کے بارے کلام کیا ہے۔

امام بلند جگہ پر اکیلا کھڑا نہ ہو

۱۱۱۲: وَعَنْ عَمَّارٍ اَنَّهٗ اَمَّ النَّاسَ بِالْمَدَائِنِ وَقَامَ عَلٰى دُكَّانٍ يُصَلِّيْ وَالنَّاسُ اَسْفَلَ مِنْهُ فَتَقَدَّمَ حُذَيْفَةُ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَلَمَّا فَرَغَ عَمَّارٌ مِنْ صَلَاتِهٖ قَالَ لَهٗ حُذَيْفَةُ اَلَمْ تَسْمَعْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِذَا اَمَّ الرَّجُلُ الْقَوْمَ فَلَا يَقُمْ فِيْ مَقَامٍ اَرْفَعَ مِنْ مَقَامِهِمْ اَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِذٰلِكَ اتَّبَعْتُكَ حِيْنَ اَخَذْتَ عَلٰى يَدِيْ۔

(رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ١/ ٣٩٩ حديث رقم ٥٩٨۔

ترجمہ: حضرت عمارؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دن کوفہ کے قریب شہر مدین میں لوگوں کو نماز پڑھائی چنانچہ وہ نماز پڑھانے کے لئے ایک چبوترے پر کھڑے ہوئے اور لوگ ان سے نیچے کھڑے ہوئے تھے یہ دیکھ کر حضرت حذیفہؓ صف سے نکل کر آگے بڑھے اور عمار کو دو کندھوں سے پکڑ کر پیچھے کی طرف کھینچا۔ حضرت عمارؓ جب نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو حضرت حذیفہؓ نے ان سے کہا کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات نہیں سنی کہ جب کوئی آدمی کسی قوم کو امامت کروائے تو وہ ایسی جگہ پر کھڑا نہ ہو جو مقتدیوں کے کھڑا ہونے کی جگہ سے بلند ہو یا اسی کے مثل الفاظ فرمائے۔ حضرت عمار نے جواب میں کہا اسی وجہ سے تو جب آپ نے میرا ہاتھ پکڑا میں نے آپ کی اتباع کی اور نیچے چلا آیا۔ (ابوداؤد)

تشریح: قولہ (بالمدائن) مدائن کوفہ کے قریب کسریٰ کا ایک شہر تھا۔ ابن حجر فرماتے ہیں مدائن دجلہ کے کنارے بغداد کے قریب ایک قدیم شہر کا نام ہے۔

قولہ (قام علی دکان) یعنی امام اکیلا کسی اونچی جگہ پر کھڑا ہوا۔ ایسا کرنا مکروہ ہے لیکن اگر امام کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہوں تو مکروہ نہیں ہے امام کا اونچی جگہ کھڑا ہونا تو مکروہ ہے لیکن اگر امام نیچی جگہ کھڑا ہو تو اس کے حکم بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا مکروہ نہیں کیونکہ اس میں اہل کتاب کے ساتھ تشبہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ امام کو اونچی جگہ کھڑا کرتے ہیں۔

ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں امام کی تحقیر ہے۔

امام کا کتنا بلند کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ اس بارے میں تین قول ہیں:

① انسانی قد کے برابر اونچی جگہ۔ ② جس سے امتیاز حاصل ہو۔ ③ ایک گز کی مقدار۔ یہی تیسرا قول راجح ہے۔

امام طحاوی کے مذکورہ قول سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ جماعت کی نماز اس امت کی ضروریات میں سے نہیں ہے۔

قولہ (الم تسمع رسول اللہ ﷺ) اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحابہ کرام کے درمیان مشہور تھی۔

ابن ملک فرماتے ہیں کہ امام کے مقتدیوں سے اونچا کھڑے ہونے کی کراہت اس صورت میں ہے جب امام اس صف سے اونچا کھڑا ہو جو اس کے پیچھے ہے، اگر کچھ لوگ امام کے ساتھ مل جائیں اور وہ تمام صفوں سے اونچے کھڑے ہوں تو اس صورت میں کراہت نہیں ہے۔

قولہ (رواہ ابو داؤد) ابوداؤد نے اسے عدی بن ثابت کے طریق سے نقل کیا، مختلف روایوں میں یہ حدیث مختلف طرق سے وارد ہوئی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعلیم کے لئے امام بلند جگہ پر کھڑا ہو سکتا ہے

۱۱۱۳: وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِنِ السَّاعِدِيِّ اَنَّهُ سُئِلَ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ الْمِنْبَرُ فَقَالَ هُوَمِنْ اَثْلِ الْغَابَةِ عَمِلَهُ فُلَانٌ مَوْلَى فُلَانَةٍ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ عَمِلَ وَوُضِعَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَكَبَّرَ وَقَامَ النَّاسُ خَلْفَهُ فَقَرَأَوَرَكَعَ وَرَكَعَ النَّاسُ خَلْفَهُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى فَسَجَدَ عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ عَادَ اِلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ قَرَاَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى حَتّٰى سَجَدَ بِالْاَرْضِ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيْ وَفِي الْمتفق عليه نحوه وَقَالَ فِيْ اٰخِرِهٖ فَلَمَّا فَرَغَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا صَنَعْتُ هٰذَا لِتَاْتَمُّوْا بِيْ وَلِتَعَلَّمُوْا صَلَاتِيْ۔

أخرجه البخارى فى صحيحه ۲/۳۹۷ حديث رقم ۹۱۷۔ ومسلم فى صحيحه ۱/۳۸۶ حديث رقم (۴۴۔۵۴۴) والنسائى ۲/۵۷ حديث رقم ۷۳۹۔

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ سے روایت ہے کہ ان سے ایک دن کسی آدمی نے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر کون سی لکڑی سے بنا ہوا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ جنگلی جھاؤ کا تھا جس کو فلاں شخص نے جو فلاں عورت کا غلام ہے آپ کے لئے بنایا تھا جب وہ تیار ہو گیا اور مسجد میں رکھا گیا۔ تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور قبلہ کی طرف رخ کر کے تکبیر تحریمہ کہی اور سب لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر قراءت کی اور رکوع کیا اور دوسرے لوگوں نے بھی آپ کے پیچھے رکوع کیا پھر آپ نے اپنا سر مبارک رکوع سے اٹھایا اور پچھلے پاؤں ہٹا کر نیچے اترے اور زمین پر سجدہ کیا یہ الفاظ بخاری کے ہیں بخاری اور مسلم کی متفق علیہ روایت بھی اسی طرح ہے' حدیث کے راوی نے اس حدیث کے آخر میں یہ بھی کہا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو فرمایا یہ میں نے اس لئے کیا ہے تا کہ تم لوگ میری پیروی کرو اور میری نماز اچھی طرح سیکھو۔

تشریح: قوله (وعن سهل بن سعد الساعدى) ان کا اصل ''حزن'' (غم) تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام سہل (آسانی) رکھا تھا۔

(اى شىء المنبر) المنبر میں الف لام عہد کا ہے کیونکہ سوال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے بارے میں ہے۔

''اثل الغابة'' مدینہ منورہ سے نو میل کے فاصلہ پر ایک گھنا جنگل تھا، وہیں کے جھاؤ کی لکڑی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے منبر بنایا گیا تھا۔

''عمله فلان'' اس کا نام ''قوم رومی'' ہے۔ امام تورپشتی فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس منبر میں تین سیڑھیاں بنائی تھیں۔

''مولى فلانة'' بعض محدثین نے اس کا نام عائشہ انصاریہ اور بعض نے مدینہ کی ایک غیر معروف عورت کو قرار دیا ہے۔

''فاستقبل القبلة'' اس منبر کی سیڑھیاں بہت قریب تھیں نیز نبی کریم آخری سیڑھی پر تھے اس لئے اس صعود و نزول میں فعلِ کثیر لازم نہیں آیا جس سے نماز ٹوٹ جاتی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"القهقری" ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا معنی ہے "الٹے پاؤں لوٹنا"۔

مظہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اس منبر پر چڑھنے کیلئے تین سیڑھیاں بنائی گئی تھیں بہت قریب قریب تھیں، ان کے ذریعہ منبر پر ایک یا دو قدم چڑھنا بہت آسان تھا، لہٰذا اس وجہ سے فعل کثیر لازم نہیں آیا کہ آپ کی نماز باطل ہو جاتی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر امام نماز کی حرکات وسکنات اور کیفیات کو دور ونزدیک کھڑے مقتدیوں کو دکھانا چاہے اور اس کے ذریعہ انہیں نماز کے احکام بتانا چاہتا ہو تو اس کیلئے بلند جگہ کھڑا ہونا جائز ہے۔

"هذا لفظ البخاری" اس عبارت سے صاحب مشکوٰۃ اس بات کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ اس حدیث کو چونکہ بخاری ومسلم دونوں نے نقل کیا تھا اس لئے اسے فصل اول میں ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ صاحب مصابیح نے اسے حسان میں نقل کیا تھا اس لئے ان کی اتباع میں ہم نے بھی اسے اسی فصل میں نقل کرنا مناسب سمجھا۔

"ایها الناس" بعض نسخوں میں یاأیها الناس کے الفاظ ہیں۔

"ولتعلموا صلاتی" اس کے اعراب میں دو قول ہیں۔

① ولتعلموا (سکون العین وتخفیف اللام)۔

② ولتعلموا (بفتح العین وتشدید اللام)۔

اتفاقیہ جماعت

۱۱۱۴: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ حُجْرَتِهٖ وَالنَّاسُ يَأْتَمُّوْنَ بِهٖ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجْرَةِ ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/ ۶۷۱ حدیث رقم ۱۱۱۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرہ کے اندر نماز پڑھی اور لوگوں نے حجرہ کے باہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی۔ (ابوداؤد)

تشریح: "فی حجرته" حجرہ سے مراد وہ جگہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مسجد میں اعتکاف کے واسطے بنائی گئی تھی۔

"من وراء الحجرة" ابن ملک فرماتے ہیں کہ جب امام اور مقتدی مسجد میں ہوں تو مقام کے اختلاف سے نماز کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ خاص طور پر اس وقت جب وہ نفل نماز میں ہو۔

اس حدیث میں مذکور حجرہ کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

① چٹائی کا بنا ہوا کمرہ مسجد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بنایا گیا تھا۔

② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ، لیکن یہ قول درست نہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اگر یہ بات ہوتی تو وہ لفظ "حجری" (میر احجرہ) کا لفظ استعمال کرتیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امامت کروانا کچھ شرائط کے ساتھ درست ہو سکتا تھا، لیکن وہ شرائط یہاں مذکور نہیں، اسلئے کہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اس حجرہ کا دروازہ مسجد کی طرف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا اس صورت میں حضور ﷺ مسجد میں موجود لوگوں کی امامت کیسے کروا سکتے تھے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر حضور ﷺ کیلئے حجرہ مبارکہ میں امامت کروانا ممکن ہوتا تو مرض الوفاۃ میں آپ دو آدمیوں کے سہارے آنے کا تکلف نہ فرماتے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عطاء اور دوسرے فقہاء کا اس حدیث کو اس حکم کی دلیل بنانا کہ کسی شخص کی اقتداء درست ہونے کی صرف یہ شرط ہے کہ اس کی نقل و حرکت کا علم ہو۔ اس استدلال کے درست نہ ہونے کی مختلف وجوہات ہیں:

① شریعت کی دعوت الی الجماعۃ اور اس کی طرف سعی (جو کہ شریعت کی طرف سے مامور بہ ہے) کا بطلان لازم آئے گا۔ اس طرح ہر شخص گھر میں نماز پڑھنے لگے گا اور کتاب وسنت کے احکامات کو ترک کرنا لازم آئے گا۔

② اس استدلال کے باطل ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ محدثین کے قول کے مطابق حجرہ سے مراد مسجد میں نبی کریم ﷺ کیلئے بنائی ہوئی جگہ ہے جو آپ کے اعتکاف کیلئے بنائی گئی تھی۔ ایک صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے چٹائی کا ایک حجرہ بنوایا تھا جس میں کچھ رات تک نماز ادا فرماتے رہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حجرہ کا دروازہ قبلہ کی طرف تھا اور اس صورت میں ممکن نہیں کہ مسجد میں نماز ادا کرنے والے حضرات آپ کی اقتداء کریں۔ اور اگر ایسا ہوتا تو مرض الوفاۃ میں آپ دو آدمیوں کے سہارے آنے کا تکلف نہ فرماتے بلکہ مسجد ہی میں نماز ادا فرمالیتے۔

بہر حال یہ بات بھی یاد رکھیں کہ ان دونوں باتوں میں غور کیا جا سکتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ واقعی حضور ﷺ نے حجرہ عائشہ ہی میں نماز کی امامت کروائی ہو اور آواز مسجد میں جا رہی ہو اور صحابہ کرام نے آپ کی اقتداء بھی کی ہو۔ دوسرا یہ کہ اگر ایسا ممکن ہوتا تو آپ ﷺ مرض الوفاۃ میں دو آدمیوں کے سہارے آنے کا تکلف نہ فرماتے تو اس سلسلہ میں کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ مسلمانوں کو مسرت پہنچانے کیلئے اور اپنے دیدار سے بہرہ ور کرنے کیلئے مسجد میں تشریف لائے ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الفصل الثالث:

صف بندی کا طریقہ

۱۱۱۵: وَعَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَفَّ الرِّجَالَ وَصَفَّ خَلْفَهُمُ الْغِلْمَانَ ثُمَّ صَلّٰى بِهِمْ فَذَكَرَ صَلَاتَهٗ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا صَلٰوةُ قَالَ عَبْدُ الْاَعْلٰى لَا اَحْسِبُهٗ اِلَّا قَالَ اُمَّتِیْ - (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ۱/۴۳۷ حديث رقم ۶۷۷۔

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا کہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز کے بارے میں نہ بتاؤں پھر انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز کے لئے کھڑا کر کے سب سے پہلے مردوں کی صف بنائی اور ان کے بعد بچوں کی صف بنائی اور پھر انہیں نماز پڑھائی حضرت ابو مالکؓ نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کی پوری کیفیت بیان کی اور کہا کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ نماز اس طرح ہونی چاہیے۔ عبدالاعلیٰ فرماتے ہیں میرا خیال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ ابو مالک نے امتی کا لفظ بھی فرمایا تھا یعنی میری امت کی نماز اس طرح ہونی چاہئے۔ (ابوداؤد)

تشریح: ''ألا احدثكم بصلاة رسول الله ﷺ'' لفظ ''ألا'' کی ترکیبی کیفیت میں دو احتمال ہیں:

① ألا تنبیہ کیلئے ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

② ہمزہ استفہام کیلئے ہے، اسی وجہ سے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ لوگوں نے جواب میں ''نعم'' (جی ہاں) کہا تھا۔

''أمتي'' حضور ﷺ کے اس قول کا مطلب ہے کہ یہ میری امت کی نماز ہے اس ارشاد کا منشاء یہ ہے کہ جو لوگ اس طریقہ سے یعنی سنت نبوی کے مطابق نماز ادا نہیں کریں گے وہ اپنے عمل سے یہ ظاہر کریں گے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی تابعدار امت میں سے نہیں ہیں۔

حضور ﷺ کا صحابہ سے لیا ہوا عہد

۱۱۱۶: وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عَبَّادٍ قَالَ بَيْنَا اَنَا فِي الْمَسْجِدِ فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ فَجَبَذَنِيْ رَجُلٌ مِّنْ خَلْفِي جَبْذَةً فَنَحَّانِيْ وَقَامَ مَقَامِيْ فَوَاللّٰهِ مَاعَقَلْتُ صَلَاتِيْ فَلَمَّا انْصَرَفَ اِذَا هُوَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ فَقَالَ يَافَتٰى لَايَسُوْؤُكَ اللّٰهُ اِنَّ هٰذَا عَهْدٌ مِّنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْنَا اَنْ نَلِيَهُ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَقَالَ هَلَكَ اَهْلُ الْعَقْدِ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ مَا عَلَيْهِمْ اٰسٰى وَلٰكِنْ اٰسٰى عَلٰى مَنْ اَضَلُّوا قُلْتُ يَا اَبَا يَعْقُوْبَ مَا تَعْنِيْ بِاَهْلِ الْعَقْدِ قَالَ الْاُمَرَاءُ۔ (رواه النسائي)

أخرجه النسائي في السنن ۸۸/۲ حديث رقم ۸۰۸۔ وأحمد في المسند ۱٤۰/۵۔

ترجمہ: حضرت قیس بن عبادؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن مسجد نبوی میں پہلی صف میں نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک آدمی نے پیچھے سے مجھ کو کھینچا اور مجھ کو ایک جانب کر کے خود میری جگہ کھڑا ہو گیا اللہ کی قسم اس غصہ کی وجہ سے میری توجہ نماز کی طرف نہ رہی جب وہ شخص نماز پڑھ چکا تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت ابی بن کعبؓ تھے۔ انہوں نے فرمایا اے جوان میں نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا ہے اللہ اس کی وجہ سے تمہیں غمزدہ نہ کرے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ وصیت کی ہے کہ ہم آپ کے ساتھ کھڑے ہوا کریں پھر قبلہ کی طرف رخ کر کے فرمایا رب کعبہ کی قسم سردار لوگ ہلاک ہو گئے تین مرتبہ یہ فرمایا مجھے سرداروں کا کوئی غم نہیں غم تو ان لوگوں کا ہے جنہیں سردار گمراہ کرتے ہیں قیس ابن عبادؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعبؓ سے عرض کیا اے ابو یعقوب اہل عقد سے آپ کی کیا مراد ہے تو انہوں نے فرمایا اس سے مراد حکمران ہیں۔

راویٔ حدیث:

قیس بن عباد۔ قیس ''عباد'' کے بیٹے ہیں۔ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ بصرہ کے تابعین میں پہلے طبقہ کے تابعی ہیں۔ صحابہ کی ایک جماعت سے روایت کا شرف حاصل ہے۔ ''عبادہ'' میں عین مہملہ پر پیش اور باء موحدہ بلا تشدید ہے۔ ''التقریب'' میں لکھا ہے کہ یہ دوسرے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں ''مخضر مین'' میں سے ہیں۔ ان کا انتقال ۸۰ سن کے بعد ہوا۔ جن لوگوں نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے ان کو وہم ہوا ہے اھ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح: قولہ "وعن قیس بن عباد"، عباد (بضم العین وتخفیف الیاء) علامہ طیبی رحمہ اللہ نے لفظ عباد کا یہی اعراب بیان کیا ہے۔ صاحب تقریب فرماتے ہیں کہ حضرت عباد بصری مخضرمی راوی ہیں، ثقہ ہیں اور طبقہ ثانیہ سے آپ کا تعلق ہے۔ ۸۰ھ کے بعد انتقال ہوا۔ بعض حضرات نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے یہ قول درست نہیں۔

"فواللہ ما عقلت صلاتی" یعنی اس غصہ کی وجہ سے کہ اس نے مجھے پہلی صف سے جو افضل بھی ہے اور اس پر میرا استحقاق بھی زیادہ ہے، پیچھے کھینچ لیا ہے۔ مجھے یہ بھی یاد نہ رہا کہ میں نے کتنی نماز پڑھی ہے۔

قولہ "یافتی! لا یسوء ك اللہ" اللہ تمہیں غمگین نہ کرے۔ امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی وجہ سے ایسا کیا تھا اس لئے حضرت قیس کی تسلی کیلئے اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا۔

اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو میری وجہ سے اور میرے عمل کی وجہ سے غمگین نہ کرے۔

"ان ھذا عھد من النبی ﷺ" حضرت ابی رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ "جملہ مستانفہ" ہے جس میں انہوں نے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ فرمایا ہے: "لیلنی منکم اولوا الاحلام والنھی"۔

"نماز میں تم میں صاحبِ عقل بالغ میرے نزدیک کھڑے ہوا کریں"۔

چونکہ قیس بن عبادہ ان لوگوں میں نہیں جنہیں عقل وفہم میں دوسرے لوگوں پر برتری حاصل ہو، اس لئے حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے انہیں پیچھے ہٹا دیا اور خود ان کی جگہ کھڑے ہو گئے۔

"ھلك اھل العقد" اہل عقد یعنی سردار اور ذمہ دار لوگ ہلاک ہوئے کیونکہ عوام کی تربیت جس میں صف بندی کا طریقہ بھی ہے، ان کے ذمہ ہے۔

"آسی" یہ افعل کے وزن پر متکلم کا صیغہ ہے، دوسرے ہمزہ کو الف سے بدلا گیا بمعنی میں غم کھاتا ہوں۔

"ولکن آسیٰ علی من اضلّوا" مجھے ان ظالموں کا کوئی غم نہیں بلکہ مجھے تو ان لوگوں کا غم ہے جو بعد میں آئیں گے اور ان کی اتباع کی وجہ سے ہلاکت کا شکار ہوں گے۔

"قال: الامراء" اس کی ترکیب میں دو احتمال ہیں:

① منصوب (اَعْنی کو محذوف ماننے کی صورت میں)۔ ② مرفوع (ھم کو محذوف ماننے کی صورت میں)۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَابُ الْاِمَامَةِ

امامت کا بیان

ابن ملک فرماتے ہیں کہ امامت ''أَمَّ'' کا مصدر ہے، عربوں کا کہنا ہے ''أم القوم فی صلاتھم'' اس نے نماز میں لوگوں کی امامت کی۔

الفصل الاول:

امامت کا مستحق کون ہے؟

۱۱۱۷: عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَأُھُمْ لِکِتَابِ اللّٰہِ فَاِنْ کَانُوْا فِی الْقِرَاءَ ۃِ سَوَاءً فَاَعْلَمُھُمْ بِالسُّنَّۃِ فَاِنْ کَانُوْا فِی السُّنَّۃِ سَوَاءً فَاَقْدَمُھُمْ ھِجْرَۃً فَاِنْ کَانُوْا فِی الْھِجْرَۃِ سَوَاءً فَاَقْدَمُھُمْ سِنًّا وَلَا یُؤَمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِیْ سُلْطَانِہٖ وَلَا یَقْعُدُ فِیْ بَیْتِہٖ عَلٰی تَکْرِمَتِہٖ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (رواہ مسلم وفی روایۃ لہٗ وَلَا یُؤَمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِیْ اَھْلِہٖ)۔

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۴٦٥ حدیث رقم (۲۹۰-۲۷۳-٦۷۳)۔ وأخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۳۹۰ حدیث رقم ۵۸۲۔ والنسائی ۲/۷٦ حدیث رقم ۷۸۰۔ وابن ماجه ۱/۳۱۳ حدیث رقم ۹۸۰۔

ترجمہ: حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں کو امامت وہ آدمی کروائے جو قرآن کریم سب سے اچھا پڑھتا ہو اگر قرآن پڑھنے میں سب برابر ہوں تو پھر وہ شخص امامت کرے جو سنت کا علم سب سے زیادہ رکھتا ہو اور اگر وہ سنت کو جاننے میں سب برابر ہوں تو پھر وہ آدمی امامت کروائے جو سب سے پہلے ہجرت کر کے آیا ہو اور اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں تو پھر وہ آدمی نماز پڑھائے جس کی عمر زیادہ ہو اور کوئی آدمی کسی دوسرے شخص کی امارت کی جگہ امامت نہ کرے اور کسی کے گھر میں اس کی خاص مسند پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔ (مسلم) اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی آدمی کسی دوسرے کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر امامت نہ کرے۔

تشریح: ''عن أبی مسعود'' یہ ابومسعود انصاری ہیں، ابن حجر نے انہیں بدری قرار دیا ہے۔

''یؤم القوم'' یہ امر کے معنی میں ہے یعنی ''لیؤمّ القوم''۔

''أقرؤھم لکتاب اللّٰہ'' اس کا مطلب ہے قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرنے والا جسے قرآن مجید خوب یاد ہو۔

نبی کریم ﷺ نے قراء کو اس لئے مقدم کیا کہ آپ کے زمانہ میں جو قاری ہوتا تھا وہ فقیہہ ہی ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے اگر قاری فقیہہ بھی ہو تو امامت کا زیادہ حق دار ہوگا۔ بشرطیکہ وہ اتنی قراءت جانتا ہو جو نماز کی صحت کیلئے ضروری ہے، اکثر علماء کا تو یہی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلک ہے۔ لہٰذا اس معنی کو درست قرار دینے کیلئے "اقرء ھم لکتاب اللّٰہ" کو "أعلمھم بکتاب اللّٰہ" کے معنی میں لیا جائے گا۔

بعض علماء کا مسلک یہ ہے کہ قراءت فقہ پر مقدم ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا بھی شرح السنۃ کی حدیث کی بنا پر یہی قول ہے۔ البتہ قراءت اور فقہ کے دوسری چیزوں پر مقدم ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ شاگرد (جیسے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ) حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن کا اچھا قاری زیادہ علم والوں پر مقدم ہے۔ جبکہ امام مالک اور امام شافعی کا یہ مسلک ہے کہ اگر زیادہ علم والا اتنی قراءت کرسکتا ہو جو نماز کے صحیح ہونے کیلئے ضروری ہے تو وہ دوسروں پر مقدم ہوگا۔ اس لئے کہ عالم ہی نماز کے لاتعداد مسائل سے واقفیت رکھ سکتا ہے۔ اگر وہ عالم نہیں ہوگا تو کوئی ایسا کام کر گزرے گا جس سے نماز فاسد ہوجائے گی اور اسے علم بھی نہیں ہوگا۔

"فان کانوا فی القراء ۃ" اس برابری کا معیار چار چیزیں ہیں:

① مقدار قراءت۔ ② حسن قراءت۔ ③ اس قراءت پر قاری کا عمل۔ ④ اس کی تفسیر اور معنی کا علم۔

"فأعلمھم بالسنۃ" علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سنت سے مراد یہاں احادیث کا علم ہے کیونکہ عہد صحابہ میں سب سے بڑا فقیہہ وہ ہوتا تھا جو احادیث کا بڑا عالم ہوتا ہے۔

جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ قراءت، علم و فقہ پر مقدم ہے انہوں نے حدیث کے اس جملے سے بھی استنباط کیا ہے۔ امام ابو یوسف اور سفیان ثوری کا یہی مسلک ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ عالم اور فقیہہ اگر اتنی قراءت جانتا ہو جس کے ذریعے درست نماز پڑھا سکتا ہو تو اس کا حق قاری سے زیادہ ہوگا۔ یہ حضرات حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ آپؐ کے زمانہ کے قراء نماز کے مسائل کو خوب جانتے تھے جبکہ ہمارے زمانے کے قراء ایسے نہیں۔

اس موقع پر ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ہمارے بعض حضرات نے حدیث کی روایت کی بناء پر قاری کو استحقاق امامت میں عالم پر مقدم کیا ہے، امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم قاری پر مقدم ہوگا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت میں دوسرے صحابہ پر مقدم رہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات صراحت کے ساتھ بیان فرمادی تھی کہ صحابہ میں ان سے بہتر قرآن پڑھنے والے بھی موجود ہیں۔ یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صرف چار حضرات نے قرآن مجید حفظ کیا: ① حضرت ابی بن کعب، ② حضرت معاذ بن جبل، ③ حضرت زید بن ثابت اور ④ حضرت زید رضی اللہ عنہم، رواہ البخاری"۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "فان کانوا فی القراء ۃ سواء فاعلمھم بالسنۃ" اس بات کی دلیل ہے کہ قاری مطلقاً تمام لوگوں سے زیادہ امامت کا استحقاق رکھتا ہے۔ اس کا جواب آچکا ہے کہ حدیث میں اقرء سے مراد افقہ فی القرآن ہے۔ اگر وہ قرآن کے بارے میں برابر ہوں تو اس کے علم کے بارے میں بھی برابر ہوں گے اور اگر کسی کو سنت کا علم بھی حاصل ہو تو امامت کیلئے اس کا استحقاق بڑھ جائے گا۔ پس حدیث میں مطلقاً قاری کا استحقاق بتانا مقصود نہیں بلکہ ایسے قاری کا استحقاق بتانا مقصود ہے جو قاری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے کے ساتھ ساتھ عالم بھی ہو۔

''فأقدمهم هجرة''یعنی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے میں جس کو سبقت ہوگی اس کا استحقاق بھی زیادہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿لا يستوى منكم من أنفق قبل الفتح وقاتل۔ ؟؟''تم میں سے کوئی اس شخص کے برابر نہیں ہوسکتا جس نے فتح سے پہلے راہ خدا میں خرچ کیا اور جہاد کیا''۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں''اب ہجرت تو ختم ہوگئی لیکن اس کی فضیلت باقی ہے،لہٰذا مہاجرین کی اولاد امامت کے استحقاق میں دوسروں پر مقدم ہوگی۔

ابن ملک فرماتے ہیں''آج کل ہجرت چونکہ متروک ہے اس لئے یہاں حقیقی ہجرت کے بجائے معنوی ہجرت یعنی گناہوں اور معاصی کے ترک کا اعتبار ہوگا۔پس جو جتنا زیادہ متقی ہوگا امامت میں اس کا استحقاق بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا''۔

''فأقدمهم سنا''عمر میں محترم کا مطلب پیدائش زمانے کی عمر نہیں بلکہ اسلام کی عمر مراد ہے۔یعنی اگر ایسے لوگ جمع ہوں جو پہلے مسلمان نہ تھے بعد میں اسلام لائے،ان میں امامت کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہوگا جو سب سے پہلے اسلام لایا۔اس کی تائید مسلم شریف کی ایک روایت سے بھی ہوئی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں''فأقدمهم اسلامًا''۔

ابن ملک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں''بڑی عمر والے کی امامت میں تکثیر جماعت کی حکمت کی وجہ سے اسے مقدم کیا''۔

ابن ہمام رحمۃ اللہ فرماتے ہیں''جمہور کے مختار مسلک کی دلیل یہ حدیث ہے:''مروا أبابكر فليصل''جب کہ اس زمانے میں ان کی موجودگی میں ان سے بڑے قاری حضرت ابی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔

اس موقع پر ہم اس بات کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں کہ ہجرت کا حکم چونکہ منسوخ ہو چکا ہے اس لئے اب ہجرت سے مراد گناہوں سے ہجرت یعنی گناہوں کو چھوڑنا ہے۔ایک حدیث میں آتا ہے:

''المهاجر من هجر الخطايا والذنوب''''مہاجر وہ ہے جو گناہوں اور معاصی سے ہجرت کرے''۔

البتہ اگر کوئی شخص دارالحرب میں اسلام قبول کرلے تو اس کیلئے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا واجب ہے۔پس دارالاسلام میں پرورش پانے والا ہجرت کرنے والے سے زیادہ استحقاق رکھے گا۔

اس حدیث میں امامت کے صرف اتنے ہی مراتب ذکر کئے گئے ہیں لیکن عطاء نے کچھ اور بھی مراتب ذکر کئے ہیں۔ چنانچہ اگر عمر میں بھی سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرے جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہو اور اگر اخلاق میں بھی سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرے جو اچھے چہرے والا ہو اور اگر خوبصورتی میں بھی سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرے جو سب سے عمدہ لباس پہنے ہوئے ہو یا سب سے زیادہ شریف النسب ہو،اگر تمام اوصاف میں لوگ برابر ہو جائیں تو اس صورت میں بہتر شکل یہ ہے کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے یا معاملہ لوگوں کے حوالہ کردیا جائے وہ جسے چاہیں اپنا امام مقرر کرلیں۔

''ولا يؤمن الرجل الرجل فى سلطانه''اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی سلطنت اور امارت میں امامت نہ کرے،اسی طرح ایسی جگہ بھی امامت نہ کرے جس کا مالک کوئی دوسرا شخص ہو جیسا کہ ایک دوسری روایت میں''فى اهله''سے ثابت ہوتا ہے۔اس وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حجاج کے پیچھے نماز ادا فرماتے تھے۔ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ امام مسجد سلطان کے علاوہ ہر شخص پر مقدم ہے، اس مسئلہ کی حکمت یہ ہے کہ جماعت کی مشروعیت مسلمانوں کی باہمی محبت والفت کیلئے ہے۔ جب کوئی آدمی کسی دوسرے کی سلطنت میں امامت کروائے گا اس کی وجہ سے فتنہ وفساد کا دروازہ کھلے گا۔ امور سلطنت میں کمزوری اور آپس میں بغض وعناد پیدا ہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ اگر کسی مقام پر حاکم وقت امامت کرتا ہے یا حاکم وقت کی جانب سے مقرر شدہ اسی کا نائب جو امیر اور خلیفہ کے حکم میں ہوتا ہے امارت کے فرائض سرانجام دیتا ہے تو کسی دوسرے شخص کیلئے مناسب نہیں کہ وہ آگے بڑھ کر امامت کرے خاص طور پر عیدین اور جمعہ کے اجتماع میں تو یہ بالکل مناسب نہیں ہے۔ اس طرح جس مسجد میں امام مقرر ہو یا کسی مکان میں صاحب خانہ کی موجودگی میں مقررہ امام اور صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر امامت کی طرف سبقت کرنا کسی دوسرے شخص کا حق نہیں۔

امامت کا مستحق علم والا ہے

۱۱۱۸: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانُوْا ثَلَاثَۃً فَلْیَؤُمَّھُمْ اَحَدُھُمْ وَاَحَقُّھُمْ بِالْاِمَامَۃِ اَقْرَأُھُمْ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/ ٤٦٤ حديث رقم (۲۸۹-٦٧٢)۔ والنسائي في السنن ۱/ ۷۷ حديث رقم ۷۸۲۔ والدارمي ۱/ ۳۱۸ حديث رقم ۱۲٥٤۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تین آدمی جمع ہو جائیں تو ان میں سے ایک امام بن جائے اور امامت کا مستحق ان میں سے زیادہ علم والا ہے۔ (مسلم)

تشریح: ''ثلاثۃ'' ''تین'' آدمیوں کی قید اتفاقی ہے۔ اگر دو آدمی ہوں تب بھی جماعت سے نماز ادا کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ پچھلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

''فلیؤمھم احدھم'' حدیث کے اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مفضول بھی امامت کرا سکتا ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم زندگی کا ایک بڑا حصہ طے کر چکے تھے جب اسلام کی دولت نصیب ہوئی تو وہ لوگ قرآن پڑھنے سے پہلے علم دین سیکھتے تھے۔ لیکن بعد میں یہ صورت نہ رہی بلکہ اب تو لوگ عمر کے ابتدائی حصہ ہی میں علم دین حاصل کرنے سے پہلے قرآن پڑھنا سیکھ لیتے ہیں۔ بہر حال امامت کے مسئلے میں اچھے قاری پر اس فقیہ اور عالم کو برتری حاصل ہوگی جو نماز کے احکام ومسائل کا علم جانتا ہو لہٰذا معاملات کا زیادہ علم رکھنے والا قاری پر مقدم نہیں ہو سکتا۔

''وذکر حدیث مالك بن الحویرث فی باب بعد باب فضل الاذان'' یعنی مالک بن الحویرث کی حدیث باب فضل الاذان کے بعد ایک باب میں ذکر کی جا چکی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے ''قال اتیت النبی ﷺ انا وابن عم لی فقال ''اذا سافرتما فأذنا وأقیما ولیؤمکما اکبر کما'' اس حدیث میں امام کی فضیلت بیان کی گئی ہے اس لیے اس کو امامت کے باب میں ذکر کرنا زیادہ بہتر ہے۔ صاحب مشکوۃ نے یہاں مصابیح کی تصنیف میں تبدیلی کی ہے جس کی خاص ضرورت نہیں تھی کیونکہ اس میں بھی امامت کی فضیلت موجود ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر وہ یہ وجہ بیان کریں کہ اس میں اذان کا ذکر مقدم ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اذان کا حدیث میں مقدم ہونا وجود میں اس کے مقدم ہونے کی وجہ سے ہے جیسے حضرت بلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جنت میں جائیں گے لیکن ایک خادم کی حیثیت سے۔
ابن حجر کو اس مقام پر ایک وہم ہوا ہے اور انہوں نے کہا کہ صاحب مصابیح نے مالک بن حویرث کی حدیث کو باب فضل الاذان کے بعد ایک باب میں ذکر کیا۔ (حالانکہ یہ صاحب مصابیح نے نہیں بلکہ صاحب مشکوٰۃ نے کیا ہے)۔

الفصل الثانی:

امام اور مؤذن بہترین آدمی ہوں

۱۱۱۹: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُؤَذِّنْ لَكُمْ خِيَارُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ قُرَّاءُكُمْ۔ (رواہ ابو داود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۱/۳۹۶ حديث رقم ۵۹۰۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو لوگ بہترین ہیں وہ اذان دیں اور جو لوگ تم میں زیادہ علم والے ہیں وہ تمہاری امامت کروائیں۔ (ابوداؤد)

تشریح: ''لیؤذن لکم'' یہ امر استحباب کیلئے ہے۔
''خیارکم'' یعنی تم میں سے بہترین شخص اذان دے، اس ہدایت کی دو وجہیں ہیں:
① جب مؤذن بلند جگہ پر کھڑے ہو کر اذان دیتا ہے تو بسا اوقات اس کی نظر لوگوں کے گھروں پر پڑتی ہے، لہٰذا مؤذن دیندار ہوگا تو اپنی نظر کو نامحرم پر پڑنے سے بچائے گا۔
② اوقات کی پابندی کرے گا۔
علامہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے خیار کی وضاحت امانت دار سے کی ہے کیونکہ روزے اور نماز کے بہت سے مسائل کا تعلق مؤذن سے وابستہ ہے۔
''قرّاءُ کم'' بضم القاف وتشدید الراء۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ کو ''اقرأکم'' نقل کیا ہے جو کہ اصول صحیحہ کے خلاف ہے۔ جو شخص قرآن کا اچھا قاری بھی ہو اور عالم بھی ہو وہ امامت کروانے میں سب پر فضیلت رکھتا ہے کیونکہ نماز کا سب سے افضل، مشکل اور لمبا ذکر قراءت ہے۔ اس حدیث میں کلام اللہ کی تعظیم اور اس کے قاری کی تقدیم کا مضمون موجود ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں جہان میں اس کا مقام بلند ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دفن کرنے میں قاری حضرات کو فوقیت اور تقدم عطا فرماتے ہیں۔
''رواہ ابو داؤد'' امام میرک فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی نقل کیا ہے۔ دارقطنی اور حاکم میں حدیث کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ ہے۔ ''فانهم وفدکم فيما بينكم وبين ربكم''۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملاقات کے لیے جانے والا امامت نہ کرائے

۱۱۲۰: وَعَنْ اَبِیْ عَطِیَّۃَ الْعُقَیْلِیْ قَالَ کَانَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَیْرِثِ یَأْتِیْنَا اِلٰی مُصَلَّانَا یَتَحَدَّثُ فَحَضَرَتِ الصَّلاۃُ یَوْمًا قَالَ اَبُوْعَطِیَّۃَ فَقُلْنَا لَہٗ تَقَدَّمْ فَصَلِّہٖ قَالَ لَنَا قَدِّمُوْا رَجُلاً مِنْکُمْ یُصَلِّیْ بِکُمْ وَسَأُحَدِّثُکُمْ لِمَ لَا اُصَلِّیْ بِکُمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَا یَؤُمُّھُمْ وَلْیَؤُمُّھُمْ رَجُلٌ مِنْھُمْ (رواہ ابوداود والترمذی والنسائی) اِلَّا اَنَّہٗ اِقْتَصَرَ عَلٰی لَفْظِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۳۹۹/۱ حدیث رقم ۵۹۶۔ والترمذی ۱۸۷/۲ حدیث رقم ۳۵۶۔ والنسائی فی السنن ۸۰/۲ حدیث رقم ۷۸۷۔ وأحمد فی المسند ۵۳/۵۔

ترجمہ: حضرت ابوعطیہ عقیلیؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت مالک بن حویرث ہماری مسجد میں آیا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرتے تھے ایک روز جب وہ ہمارے درمیان مسجد میں موجود تھے تو نماز کا وقت ہوگیا ابوعطیہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت مالک سے کہا آگے بڑھیں اور ہمیں نماز پڑھائیں مالک نے فرمایا تم اپنے میں سے کسی آدمی کو آگے کرو۔ تاکہ وہ تمہیں نماز پڑھائے اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں نماز کیوں نہیں پڑھاتا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جو آدمی کسی قوم سے ملاقات کے لئے جائے تو وہ ان کی امامت نہ کرے بلکہ ان میں سے ہی کسی شخص کو ان کی امامت کرنی چاہیے۔ (ترمذی، نسائی، ابوداود) امام نسائی نے اس روایت کو نقل کیا ہے لیکن انہوں نے صرف رسول اللہ ﷺ کے الفاظ پر اکتفاء کیا ہے یعنی حضرت مالک کے مسجد میں آنے کا واقعہ اور امامت سے انکار اس کو ذکر نہیں کیا۔

راوی حدیث:

ابوعطیہ۔ ابوعطیہ نام ہے بنوعقیل کے آزاد کردہ ہونے کے باعث "عقیلی" کہلاتے ہیں۔ مالک بن الحویرث سے روایت کرتے ہیں۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عقیل بن کعب کی طرف منسوب ہیں۔ میرک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابوحاتم رضی اللہ عنہ اور ابوعطیہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا نہ یہ معروف ہیں اور نہ ان کا نام معلوم ہے۔ (جزری) مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے الاکمال میں طبقہ تابعین میں ان کو ذکر نہیں کیا۔ اھ مرتب عرض کرتا ہے مگر ہمارے "الاکمال" کے نسخہ میں ان کا ذکر طبقہ تابعین میں موجود ہے۔ عقیل تصغیر کے ساتھ ہے۔ روایت: ۱۱۹۴ ان کے تابعی ہونے کی صریح دلیل ہے۔

تشریح: "وعن ابی عطیۃ العقیلی" ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "یہ ابوعطیہ عقیل بن کعب کی طرف منسوب ہیں"۔ میرک فرماتے ہیں کہ ابوحاتم سے ابوعطیہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا "یہ غیر معروف اور نامعلوم شخصیت ہیں"۔ شیخ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی ذکر کیا ہے۔ مؤلف نے بھی مشکوٰۃ کے اسماء الرجال میں تابعین کے حصہ میں ان کا ذکر نہیں کیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"مالك بن الحويرث" یہ لیثی ہیں وفد کی صورت میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیس دن آپ کی خدمت میں قیام فرمایا، آپ کی سکونت بصرہ میں تھی۔ مؤلف نے یہ بات فرمائی ہے۔

"وليؤمهم رجل منهم" میزبانوں میں سے کوئی آدمی امامت کروائے کیونکہ وہ وہاں زیادہ حق دار ہے۔ حضرت مالک بن الحویرث نے حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے امامت کروانے سے احتراز کیا ہے۔ حالانکہ انہیں اس کی اجازت مل چکی تھی۔

پس اگر یہ حدیث انہوں نے نماز کے بعد بیان کی تھی تو "وساحدثكم" کا سین استقبال کیلئے وگرنہ تاکید کیلئے ہوگا۔

"رواہ ابوداؤد، والترمذی" ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

نابینا آدمی امام بن سکتا ہے

۱۱۲۱: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَ اُمِّ مَكْتُوْمٍ يَؤُمُّ النَّاسَ وَهُوَ اَعْمٰى ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۱/ ۳۹۸ حديث رقم ۵۹۵۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تاکہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں حالانکہ وہ نابینا تھے۔ (ابوداؤد)

تشریح: "ابن ام مکتوم" ان کا اصل نام "عبداللہ" تھا۔

"یؤم الناس" ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت ابن ام مکتوم کو دو مرتبہ مدینہ کا بالعموم اور امامت کا بالخصوص نائب بنایا تھا۔

"وھو اعمٰی" ابن ملک فرماتے ہیں کہ اگر لوگوں میں کوئی بینا ایسا ہو جو نابینا سے زیادہ علم والا ہو یا اس کے برابر ہو تو نابینا کی امامت مکروہ ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے نابینا کی امامت کے جواز پر استدلال کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نابینا کی امامت کے جواز میں کسی کو اختلاف نہیں، اختلاف اس بارے میں ہے کہ وہ بینا سے اولیٰ ہے یا نہیں۔

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے تبوک جاتے ہوئے حضرت علیؓ کی موجودگی میں ابن ام مکتوم کو نائب بنایا تاکہ حضرت علیؓ آل بیت کی حفاظت پوری تندہی سے انجام دے سکیں کیونکہ دشمن کی طرف سے حملہ کا خطرہ تھا۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا نائب اس لئے نہیں بنایا کہ بعد میں کوئی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے معاملہ پر طعن بازی نہ کر سکے۔

(ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میرا خیال یہ ہے کہ حضور ﷺ کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کی نظیر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک امی (ان پڑھ) اور غیر کاتب کو نبی بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''وما كنت تتلو من قبله من كتاب ولا تخطه بيمينك اذ الارتاب المبطلون''۔

''آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے اسے لکھتے تھے وگرنہ اہل باطل لوگ شک میں پڑ جاتے''۔

مبطلون کے لفظ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر حضور ﷺ لکھنا پڑھنا جانتے تو اہل حق تب بھی شک میں نہ پڑتے۔

حدیث میں مذکورہ واقعہ حضور ﷺ کے تیرہویں غزوہ کا ہے۔

تین آدمیوں کی نماز قبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچتی

۱۱۲۲: وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تُجَاوِزُ صَلَاتُهُمْ اٰذَانَهُمُ الْعَبْدُ الْاٰبِقُ حَتّٰى يَرْجِعَ وَامْرَاَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَاِمَامُ قَوْمٍ وَهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ۔

(رواه الترمذی وَقَالَ هذاحديث غريب)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/ ۱۹۱ حديث رقم ۳۵۸۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن کی نماز ان کے کانوں سے بلند نہیں ہوتی ایک وہ غلام جو اپنے مالک سے بھاگ گیا ہو یہاں تک کہ وہ واپس آ جائے دوم وہ عورت جو اس حالت میں رات گزارے کہ اس کا خاوند اس سے ناراض ہو سوم وہ امام کہ اس کی قوم اس کو پسند نہ کرتی ہو۔ (ترمذی) یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: ''لا تجاوز صلاتهم آذانهم'' اس جملہ کے دو معنی ہیں:

① ان کی نماز کو قبول کامل حاصل نہیں ہوتا۔ ② عمل صالح کی طرح ان کی نماز اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچتی۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے خصوصی طور پر ''کانوں'' کا ذکر فرمایا کیونکہ دعا اور تلاوت کی آواز کا تعلق کانوں ہی سے ہے۔ یہ حضور ﷺ کے اس قول کی مثل ہے جس میں آپ نے ریاکار قاری کے بارے میں فرمایا:

''يقرأون القرآن لا يجاوز تراقيهم''۔

''وہ قرآن پڑھتے ہیں لیکن قرآن ان کے حلق سے آگے نہیں جاتا''۔

امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اعمال کا کانوں کے اوپر نہ جانے سے مراد یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن عمل صالح کی طرح اس پر سایہ نہ کریں گے۔

بعض علماء نے اس حدیث کی تشریح میں فرمایا کہ ان لوگوں کو نماز، خاوند اور آقا کے حقوق کا خیال رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی جب انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا تو گویا کہ یہ نصیحت و ہدایت ان کے کانوں سے اوپر نہ گئی۔ جیسا کہ قاری کامل وہ ہوتا ہے جو قرآن پڑھ کر اس پر عمل کرے اور اگر عمل نہیں کرتا تو گویا کہ اس کا قرآن حلق سے آگے نہیں آتا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"العبد الآبق" غلام کے حکم میں باندی بھی شامل ہے۔

"وزوجها عليها ساخط" یہ اس شکل میں ہے جب کہ عورت بداخلاق ہو اور اس کا خاوند اس کی بداخلاقی اور بے ادبی کی وجہ سے اس سے ناراض ہو اگر خاوند ہی بداخلاق ہو اور اپنی بیوی سے ناحق ناراض ہے تو عورت گناہ گار نہ ہوگی مرد ہی گناہ گار ہوگا۔

"امام قوم" اس سے مراد خلافت (امامت کبریٰ) ہے یا نماز کی امامت۔ دونوں احتمال موجود ہیں۔

ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام پر یہ گناہ اس وقت ہوگا جبکہ اس کی بدعت، فسق یا اس کی جہالت کی وجہ سے مقتدی یا عوام اس سے ناراض ہوں اور اگر وہ لوگ کسی دنیاوی غرض سے بغض رکھتے ہوں تو امام بالکل گناہ گار نہیں ہوگا۔ صاحب شرح السنۃ فرماتے ہیں کہ امام سے مراد امامِ ظالم ہے اور اگر کوئی امام سنت کی پیروی اور احیاء کرنے والا ہو تو اس کی مخالفت کرنے والا گناہ گار ہوگا۔

بعض علماء نے اس حدیث کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اس سے مراد نماز کا ایسا امام ہے جس میں امامت کی صلاحیت تو نہ ہو، زور بازو کی بنا پر امامت کروائے، اگر یہ بات نہ ہو تو اس کو ملامت کرنے والا گناہ گار ہوگا۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر ایک، دو یا تین آدمی اسے ناپسند کرتے ہیں تو اس کی پرواہ نہ کرے باقی لوگوں کو جماعت سے نماز پڑھاتا رہے۔

"رواه الترمذی وقال هذا حديث غريب" ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تین آدمیوں کی نماز قبول نہیں ہوتی

۱۱۲۳: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ صَلَاتُهُمْ مَنْ تَقَدَّمَ قَوْمًا وَهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ وَرَجُلٌ اَتَى الصَّلَاةَ دِبَارًا وَالدِّبَارُ اَنْ يَّاْتِيَهَا بَعْدَ اَنْ تَفُوْتَهٗ وَرَجُلٌ اعْتَبَدَ مُحَرَّرَهٗ۔ (رواہ ابوداود وابن ماجۃ)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۱/۳۹۷ حديث رقم ۵۹۳۔ وابن ماجه ۱/۳۱۱ حديث رقم ۹۷۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمی ایسے ہیں جن کی نماز قبول نہیں ہوتی: ایک وہ آدمی جو کسی قوم کا امام ہو اور قوم اس سے ناراض ہو دوسرا وہ آدمی جو نماز کا وقت نکل جانے کے بعد نماز پڑھے تیسرا وہ آدمی جو آزاد کو غلام بنالے۔ (ابوداود، ابن ماجہ)

تشریح: "ثلاثة لا تقبل منهم صلاتهم" ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "یہاں عدم قبول سے نماز کے کمال کی نفی مراد ہے"۔ (ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میرا خیال یہ ہے کہ قبول کی نفی سے اصل نماز کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ قبول کی نفی سے مراد ثواب کی نفی ہے، اگرچہ نماز علی وجہ الکمال موجود ہے۔

"من تقدم" اس جملہ میں دو احتمال ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

① امامت کبریٰ یعنی خلافت کیلئے۔ ② امامت صغریٰ یعنی نماز کی امامت کیلئے۔

"وهم له كارهون" یہ شخص قابل مذمت اس وقت ہوگا جب لوگ اسے کسی شرعی دلیل کی بناء پر ناپسند سمجھتے ہوں۔ نیز اس کو مذموم ٹھہرانے کیلئے ضروری ہے کہ اکثر لوگ اسے ناپسند قرار دیں۔ اگر ناپسند کرنے والے لوگ کم ہوں تو اصل اعتبار عالم کا ہے یعنی وہ ناپسند کرنے والا عالم ہو نہ کہ جاہل خواہ وہ اکیلا ہی کیوں نہ ہو۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے کہ اکثر لوگوں کا اعتبار ہے (عالم کا اعتبار نہیں)۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اس صورت میں محمول ہوگا کہ جب اکثر علماء موجود ہوں، جاہلوں کی کثرت کا کوئی اعتبار نہیں۔

"بعدان تفوته" اس جملہ میں دو احتمال ہیں:

① جماعت کی نماز فوت کر دے۔ ② نماز کو قضاء کر دے۔

ابن ملک فرماتے ہیں کہ یہ شخص حدیث کا مصداق اس وقت بنے گا جب اس عمل کو اپنی عادت بنالے۔

"ورجل اعتبد محررہ" غلام کو آزاد سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ غلام کو آزاد کر دے اور پھر بعد میں زبردستی اس سے خدمت لے۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ کسی آزاد کے بارے میں یہ دعویٰ کرے کہ یہ میرا غلام ہے اور پھر اس کا مالک بن بیٹھے۔

تیسرا معنی یہ ہے کہ کسی غلام کو آزاد تو کر دیا لیکن خدمت کے حصول کیلئے اس کی آزادی کو اس سے چھپائے رکھے۔

ابن ملک فرماتے ہیں کہ لفظ "محررۃ" مونث استعمال کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے مراد نسمۃ (نفس انسانی) ہے خواہ غلام ہو یا باندی۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ محررہ (باندی) کا ذکر اس کے ضعف کی بنا پر کیا اور المحرر (غلام) کا ذکر اس کی قوت کی بناء پر نہیں کیا۔ (اور اس مسئلہ میں اصل بنیاد ضعف اور کمزوری ہے)۔

صحیح امام نہ ملنا قیامت کی علامت ہے

۱۱۲۴: وَعَنْ سَلَامَةَ بِنْتِ الْحُرِّ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَتَدَافَعَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ لَا يَجِدُوْنَ اِمَامًا يُصَلِّيْ بِهِمْ۔ (رواه احمد وابوداود وابن ماجة)

أخرجه أبو داؤد في السنن ١/ ٣٩٠ حديث رقم ٥٨١ـ وأحمد في المسند ٦/ ٣٨١ـ

ترجمہ: حضرت سلامہ بنت حُر سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علامات قیامت میں سے ایک علامت یہ ہے کہ مسجد والے لوگ امامت کو ایک دوسرے کے حوالے کریں گے یعنی امام بننے سے گریز کریں گے اور کوئی نماز پڑھانے والا ان کو نہیں ملے گا۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

راویٔ حدیث:

سلامۃ بنت الحر۔ یہ سلامہ بنت الحر" از دیہ" اور فزاریہ ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی حدیث کوفہ والوں میں مروی ہے۔ یہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ لفظ ''حر'' ہے جو ''عبد'' کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔

تشریح: ''سلامة'' امام میرک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''سلامہ صحابیہ ہیں''۔

''ان من اشراط الساعة'' یعنی قیامت کی مذموم علامات میں سے ایک یہ ہے، ''أشراط'' (شرط) کی جمع ہے۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اس تفسیر کو بعض علماء نے ناپسند کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے قائم ہونے سے پہلے لوگوں کے ناپسندیدہ معمولی اور چھوٹے امور میں سے ایک یہ ہے۔

''ان یتدافع اهل المسجد'' یعنی مسجد کے لوگوں میں سے ہر ایک نماز پڑھانے سے جان چھڑائے گا کیونکہ انہیں اتنے مسائل کا علم بھی نہیں ہوگا جن سے نماز صحیح ہو جائے۔ یہ قول علامہ طیبی کا ہے۔

ابن ملک فرماتے ہیں لوگوں میں ہر ایک دوسرے کو مصلی اور محراب کی طرف دھکیلے گا تا کہ وہ نماز پڑھائے کیونکہ ہر ایک نماز کے مسائل سے ناواقف ہوگا اور امامت کی صلاحیت نہ رکھتا ہوگا۔

''یصلی بهم'' یعنی خالصۃً اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے، اسی وجہ سے متاخرین علماء نے امامت، اذان اور تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو جائز کہا ہے جبکہ متقدمین عبادت پر اجرت لینے کو حرام بتاتے تھے۔

''رواہ احمد، وابوداؤد وابن ماجہ'' امام میرک فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امامت کیلئے ایک دوسرے کو آگے دھکیلنا مکروہ ہے۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جس میں ہے کہ تین آدمیوں کا نماز کی امامت کے بارے میں تنازع ہوا تو انہیں زمین میں دھنسا دیا گیا۔ اس روایت کا ظاہر اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ ان کا یہ تنازعہ کسی شرعی غرض کیلئے نہ تھا۔ ورگرنہ اگر کوئی شخص اپنے سے اعلیٰ سمجھتے ہوئے کسی عالم یا فقیہ کو امامت کیلئے آگے ہونے پر اصرار کرے تو مکروہ نہیں ہے۔

فاسق امام بن سکتا ہے

۱۱۲۵: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجِهَادُ وَاجِبٌ عَلَيْكُمْ مَعَ كُلِّ اَمِيْرٍ بَرًّا كَانَ اَوْ فَاجِرًا وَاِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ وَالصَّلَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَيْكُمْ خَلْفَ كُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا كَانَ اَوْ فَاجِرًا وَاِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ وَالصَّلَاةُ وَاجِبَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا كَانَ اَوْ فَاجِرًا وَاِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ۔

(رواه ابو داود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۳/ ٤٠ حديث رقم ۲۵۳۳۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اوپر جہاد واجب ہے ہر امیر کے ساتھ چاہے نیک ہو یا فاجر ہو اگرچہ وہ کبیرہ گناہ کرتا ہو اور تم پر نماز واجب ہے ہر مسلمان کے پیچھے چاہے نماز پڑھانے والا نیک ہو یا فاجر اگرچہ گناہ کبیرہ کرتا ہو اور نماز جنازہ ہر مسلمان پر واجب ہے چاہے نیک ہو یا فاجر اگرچہ کبائر کا مرتکب ہو۔ (ابوداؤد)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح: ''الجهاد واجب عليكم'' یعنی بعض صورتوں میں تم پر جہاد فرض عین ہے اور بعض صورتوں میں فرض کفایہ۔

''برًا كان اوفاجرا وان عمل الكبائر'' ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق کو امیر بنانا جائز ہے اور اس کے فسق کی وجہ سے اسے معزول نہیں کیا جائے گا۔ جب تک وہ معصیت کا حکم نہ دے اس کی اطاعت ضروری ہے۔ اسلاف کے جن لوگوں نے ظالم حکمرانوں کے خلاف جہاد کیا۔ وہ ظالم حکمران کے خلاف جہاد کی حرمت کے اجماع سے پہلے تھا۔ اب ظالم حاکم کے خلاف جہاد ٹھیک نہیں۔

''واجبة عليكم'' اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنا فرض عملی ہے فرض اعتقادی نہیں ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''جماعت کی نماز فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں ہے''۔ لیکن چونکہ جماعت کی نماز شعائر اسلام ہی سے ہے اور سلف عظام کا معمول رہی ہے اس لئے ابن حجر سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے تو یہ لازم آئے گا کہ اگر ایک شہر میں ایک شخص کسی امام کے ساتھ نماز پڑھ لے تو باقی سب سے فرض ساقط ہو جائے گا۔

''برًا كان اوفاجرا وان عمل الكبائر'' اس حدیث سے فاسق اور بدعتی (جبکہ وہ کسی کفریہ عقیدہ میں مبتلا نہ ہو) کی اقتداء کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک فاسق کے پیچھے نماز نہیں ہوتی یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز کے مکروہ ہونے کے باوجود ان کے پیچھے نماز ادا کرنے کا حکم اس بات کی دلیل ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے۔

''وان عمل الكبائر'' ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کبیرہ گناہ کرے تو وہ اسلام کے دائرے سے خارج نہیں ہوتا (جیسا کہ خوارج کا عقیدہ ہے) اور اس کے اعمال صالحہ بھی ضائع نہیں ہوتے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ یہ حدیث چونکہ منقطع ہے اس لئے امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف حجت نہیں بن سکتی جیسا کہ ابن ملک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

لیکن ابن الہمام نے اس حدیث پر کچھ بحث کی اور اسے مقبول قرار دیا ہے، اب چونکہ یہ مختلف طرف سے مروی ہے وہ تمام طرق تو ضعیف ہیں لیکن کثرت طرق کی وجہ سے یہ حدیث محققین کے نزدیک کے حسن کے درجہ میں آ گئی۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی تائید دارقطنی کی درج ذیل روایت سے ہوتی ہے:

''اقتدوا بكل برّ وفاجر''

یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن اسلاف کا فعل اسے تقویت بخشتا ہے کیونکہ اسلاف سے ظالم حکمرانوں کی اقتداء کرنا ثابت ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما حجاج کے پیچھے نماز ادا کیا کرتے تھے۔ ان حضرات کے عمل میں ضعف کا احتمال نہیں ہے کیونکہ خلیفہ وقت عبدالملک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بہت تعظیم کرتا تھا، اسی وجہ سے وہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حج کے موقع پر ابن عمر رضی اللہ عنہما کو آگے کرتا اور حجاج کو ان کی اتباع کا حکم دیتا تھا۔

الفصل الثالث:

نابالغ امام کی امامت

۱۱۲۶: عَنْ عَمْرِو ابْنِ سَلَمَةَ قَالَ كُنَّا بِمَاءٍ مَمَرِّ النَّاسِ يَمُرُّ بِنَا الرُّكْبَانُ نَسْأَلُهُمْ مَا لِلنَّاسِ؟ مَا لِلنَّاسِ؟ مَا هٰذَا الرَّجُلُ فَيَقُوْلُوْنَ يَزْعَمُ اَنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَهٗ اَوْحٰى اِلَيْهِ اَوْحٰى اِلَيْهِ كَذَا فَكُنْتُ اَحْفَظُ ذٰلِكَ الْكَلَامَ فَكَاَنَّمَا يُغْرٰى فِيْ صَدْرِيْ وَكَانَتِ الْعَرَبُ تَلَوَّمُ بِاِسْلَامِهِمُ الْفَتْحَ فَيَقُوْلُوْنَ اتْرُكُوْهُ وَقَوْمَهٗ فَاِنَّهٗ اِنْ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَهُوَ نَبِيٌّ صَادِقٌ فَلَمَّا كَانَتْ وَقْعَةُ الْفَتْحِ بَادَرَ كُلُّ قَوْمٍ بِاِسْلَامِهِمْ وَبَادَرَ اَبِيْ قَوْمِيْ بِاِسْلَامِهِمْ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ جِئْتُكُمْ وَاللّٰهِ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ حَقًّا فَقَالَ صَلُّوْا صَلَاةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا وَصَلَاةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ اَحَدُكُمْ فَلْيَؤُمَّكُمْ اَكْثَرُكُمْ قُرْاٰنًا فَنَظَرُوْا فَلَمْ يَكُنْ اَحَدٌ اَكْثَرَ قُرْاٰنًا مِنِّيْ لِمَا كُنْتُ اَتَلَقّٰى مِنَ الرُّكْبَانِ فَقَدَّمُوْنِيْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَاَنَا ابْنُ سِتٍّ اَوْ سَبْعِ سِنِيْنَ وَكَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ كُنْتُ اِذَا سَجَدْتُ تَقَلَّصَتْ عَنِّيْ فَقَالَتِ امْرَاَةٌ مِنَ الْحَيِّ اَلَا تُغَطُّوْنَ عَنَّا اِسْتَ قَارِئِكُمْ فَاشْتَرَوْا فَقَطَعُوْا لِيْ قَمِيْصًا فَمَا فَرِحْتُ بِشَيْءٍ فَرَحِيْ بِذٰلِكَ الْقَمِيْصِ ۔ (رواه البخاري)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲۲/۸ حديث رقم ۴۳۰۲۔ وأحمد في المسند ۳۰/۵۔

ترجمہ: حضرت عمرو ابن سلمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک پانی کے کنارے رہتے تھے وہاں سے گروہ اور قافلے گزرتے تھے۔ ہم ان سے پوچھتے رہتے تھے کہ لوگوں کے لئے ایک آدمی نیا دین لے کر آیا ہے۔ وہ کیسا ہے وہ لوگ ہمیں بتاتے تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبی بنا کر بھیجا ہے اور قافلہ کے لوگ قرآن کریم کی آیات سنا کر کہا کرتے تھے کہ یہ ان کے پاس وحی آتی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات قافلے والے لوگ بیان کرتے اور جو آیات پڑھ کر سنایا کرتے تھے میں ان کو اچھی طرح یاد کر لیا کرتا تھا۔ اور وہ میرے سینے میں محفوظ ہو جاتی تھیں اور عرب کے لوگ اسلام لانے کے سلسلے میں مکہ فتح ہونے کا انتظار کر رہے تھے' اکثر لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر مکہ فتح ہو گیا تو ہم مسلمان ہو جائیں گے اور یہ بھی کہا کرتے تھے اس رسول کو اور رسول کی قوم کو چھوڑ دو اگر وہ اپنے لوگوں پر غالب آ گیا اور مکہ کو فتح کر لیا تو پھر یہ سچا نبی ہے کیونکہ وہ اپنی کمزوری کے باوجود غالب آ جائے گا اور فتح مکہ اس کا معجزہ ہوگا چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کیا اور مکہ فتح ہو گیا تو لوگ اسلام قبول کرنے کے لئے تیزی سے اسلام میں داخل ہونے لگے میرے والد اپنی قوم سے سبقت کر کے سب سے پہلے اسلام لے آئے جب وہ واپس آئے تو کہنے لگے اللہ کی قسم میں سچے نبی کے پاس سے آیا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے فلاں وقت میں ایسی ایسی اور اتنی نماز پڑھو یعنی نماز

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور رکعات نماز کی تعلیم دی جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان دے اور تم میں سے جس کو زیادہ قرآن یاد ہو وہ تمہاری امامت کروائے جب نماز کے وقت جماعت کی تیاری ہوئی تو لوگوں نے آپس میں دیکھا تو اس وقت مجھ سے زیادہ قرآن جاننے والا کوئی نہیں تھا کیونکہ میں نے مختلف قافلے والوں سے قرآن سیکھا تھا چنانچہ لوگوں نے مجھے آگے کر دیا اس وقت میری عمر چھ یا سات سال کی تھی اور میرے جسم پر صرف ایک چادر تھی جب میں سجدہ کرتا تو وہ چادر میرے جسم سے ہٹ جاتی اور جسم کا کچھ حصہ برہنہ ہو جاتا تو قوم میں سے ایک عورت نے کہا کہ ہمارے سامنے تم لوگ اپنے امام کی شرمگاہ کیوں نہیں ڈھانپتے اس وقت میری قوم نے کپڑا خریدا اور میرے لئے ایک قمیص بنوائی مجھے اس قمیص کے اتنی خوشی ہوئی کہ اس سے پہلے اتنی خوشی کسی چیز کی نہیں ہوئی تھی۔ (بخاری)

تشریح: ''عمرو بن سلمة'' لفظ ''سلمة'' لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ صاحب مصابیح فرماتے ہیں کہ ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ تقریب اور الأنساب کے مصنف نے انہی صحابی قرار دیا ہے۔

علامہ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وفد کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کے والد حاضر ہوئے وہ خود نہیں تھے۔

طبرانی اور ابن مندہ نے حماد بن سلمہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ وہ خود بھی اس وفد میں شامل تھے۔ ان کی صحابیت کے بارے میں التخفدیب کی رائے یہ ہے کہ یہ صحابی نہیں ہیں۔

''ممر الناس'' اس کی ترکیب میں دو احتمال ہیں: ① ماء کی صفت ہے۔ ② اس سے بدل ہے۔

''الرکبان'' راء کے ضمہ کے ساتھ اونٹ سوار معنی خاص ہے کہ راکب کی جمع ہے۔

''یزعم'' یہ لفظ بتا رہا ہے کہ عمر ابن سلمہ کی قوم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتانے والا شخص آپ کی نبوت کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار تھا کیونکہ اس لفظ کی حقیقت یہی ہے۔

''اوحی الیہ بکذا'' علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قرآن سے کنایہ ہے۔

① ''فکانما یغری'' اس لفظ کی حقیقت صرفیہ میں دو قول ہیں:

① باب تفعیل سے مضارع مجہول ہے۔ ② باب افعال سے مضارع مجہول ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کلام میرے سینہ سے چمٹ جاتا تھا یعنی اچھی طرح یاد ہو گیا اور کبھی نہ بھولا۔ اسلئے کہا جاتا ہے کہ بچپن ہی یاد کی ہوئی چیز پتھر پر لکیر کی طرح ہوتی ہے۔

اس لفظ میں دو روایتیں اور بھی ہیں:

① یقراء۔ یہ القراء ۃ سے مشتق ہے، بمعنی پڑھنا۔ ② یقرّی، یہ التقریہ سے مشتق ہے، بمعنی جمع کرنا۔

بعض روایات یقرّ (راء کی تشدید کے ساتھ بھی) آیا ہے۔ (اس لفظ کی حقیقت اور روایات کے بارے میں علماء کے انتہائی تفصیلی اور مختلف اقوال بھی ملتے ہیں)۔

''فھو نبی صادق'' ان کی اس بات کا ~~منشا یہ تھا~~ کہ محض معجزات دکھا کر عربوں کو مغلوب نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کیلئے تو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صدق نبوت اور اللہ کی نصرت ضروری ہے۔

"فلما قدم" اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو عمر ابن سلمہ جو اس واقعے کے راوی ہیں خود ساتھ نہ تھے۔

"فلیؤذن احدکم" یہ بیان جواز ہے۔ اور ایک دوسری حدیث "فلیؤذن لکم خیارکم" بیان افضلیت ہے اس لئے دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

"وانا ابن ست او سبع سنین" اس جملہ سے ان علماء کے قول کی تائید ہوگئی ہے جن کا کہنا یہ ہے کہ تحمل کی کم از کم عمر پانچ سال ہے۔ محمود بن الربیع کی پانچ سالہ عمر کی روایت پر امام بخاری نے "متی یصح سماع الصغیر" کے نام سے ترجمۃ الباب بھی باندھا ہے۔ بعض علماء کا قول یہ ہے کہ اگر بچہ پانچ سال سے کم بھی ہو پھر بھی اس کی روایت لی جا سکتی ہے۔ ایک مرتبہ مامون کے پاس چار سال کا بچہ لایا گیا۔ جو قرآن پڑھتا تھا اور اس کی تفسیر کرتا تھا اور جب بھوک لگتی تو رونا شروع کر دیتا لیکن علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حکایت ثابت شدہ نہیں۔ البتہ یہ بات بالکل درست ہے کہ محب ابن الہاشم نے پانچ سال کی عمر سے پہلے قرآن مجید، العمدۃ، کافیہ اور شافیہ کو پوری طرح یاد کر لیا تھا اور جب ان سے کسی آیت کے بارے میں سوال کیا جاتا تو بلا توقف جواب دیتے۔

"فما فرحت بشیء فرحی بذلك القمیص" اس خوشی کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں:

① اب مکمل پردے کا انتظام ہو گیا، اب بے پردگی کا خوف نہ رہے گا۔

② نئے کپڑے پہننے کی خوشی جو عام طور پر بچوں میں پائی جاتی ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ لڑکے کی امامت کے جواز میں اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ لڑکے کی امامت جائز ہے۔ البتہ جمعہ کی نماز میں نابالغ لڑکے کی امامت کے سلسلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں اور امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نابالغ لڑکے کی امامت جائز نہیں ہے۔ البتہ نفل نماز کے بارے میں علماء کے یہاں اختلاف ہے۔ چنانچہ بلخ کے مشائخ نفل نماز میں نابالغ لڑکے کی امامت کے جواز کے قائل ہیں اور اسی پر ان کا عمل ہے نیز مصر اور شام میں اسی پر عمل ہے۔ ان کے علاوہ دیگر علماء نے نفل نماز میں بھی نابالغ لڑکے کی امامت کو جائز قرار نہیں دیا، چنانچہ علماء ماوراء النہر کا عمل اسی پر ہے۔

علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ شرح کنز میں اس مسئلہ کے بارے میں لکھتے ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں نابالغ لڑکے کی امامت کو جائز کہا ہے۔ انہوں نے اسی روایت سے استدلال کیا ہے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کی روشنی میں کہ "وہ لڑکا جس پر حد واجب نہیں ہوئی امامت نہ کرے"۔ نابالغ لڑکے کی امامت جائز نہیں ہے، اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "لڑکا جب تک بالغ نہ ہو جائے امامت نہ کرے"۔

لہٰذا یہ جائز نہیں کہ فرض نماز پڑھنے والا نابالغ لڑکے کی اقتداء کرے۔ جہاں تک عمرو بن سلمہ کی امامت کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ ان کی امامت آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی بنا پر نہیں تھی بلکہ یہ ان کی قوم کے لوگوں کا اپنا اجتہاد تھا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ عمر چونکہ قافلہ کے لوگوں سے قرآن کریم سیکھ چکے تھے اس لئے ان کو امام بنا دیا۔

شافعیہ کے بارے میں بڑے تعجب کی بات ہے کہ شوافع حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور دوسرے بڑے بڑے صحابی رضوان اللہ علیہم کے قول کو تو حجت قرار نہیں دیتے جبکہ ایک نابالغ بچہ کے قول سے استدلال کر رہے ہیں۔

آزاد شدہ غلام کی امامت کا مسئلہ

۱۱۲۷: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ الْمَدِيْنَةَ كَانَ يَؤُمُّهُمْ سَالِمٌ مَوْلٰى اَبِيْ حُذَيْفَةَ وَفِيْهِمْ عُمَرُ وَاَبُوْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالْاَسَدِ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/ ۱۸٤ حدیث رقم ٦٩٢۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں پہلے آنے والے مہاجرین آئے تو ابوحذیفہؓ کے غلام سالم ان کو نماز پڑھاتے تھے اور مقتدیوں میں حضرت عمر اور ابوسلمہ بن اسد وغیرہ موجود ہوتے تھے۔(ابوداؤد)

تشریح: ''لما قدم المهاجرون الاولون المدینه'' بعض روایات میں ''العصبة'' کا ذکر آیا ہے جو کہ قباء میں ایک جگہ کا نام ہے۔

''کان یؤمهم سالم مولی ابی حذیفه وفیهم عمر وابو سلمة بن عبدالاسد'' علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ افضل کی موجودگی میں مفضول نماز پڑھا سکتا ہے۔

حضرت سالم، حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام اور بہترین قاریوں میں سے ایک تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چار صحابہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ ان سے قرآن سے سیکھو، ان میں ایک یہ حضرت سالم بھی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں حضرت سالمؓ کی امامت کروانا اس بات کی دلیل ہے کہ اقرأ امامت میں افقہ پر مقدم ہوگا۔

وہ لوگ جن کی نماز قبول نہیں ہوتی

۱۱۲۸: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَةٌ لَا تَرْفَعُ لَهُمْ صَلَاتُهُمْ فَوْقَ رُؤُسِهِمْ شِبْرًا رَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُوْنَ وَامْرَاَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَّاَخَوَانِ مُتَصَارِمَانِ۔

(رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجه فی السنن ۱/ ۳۱۱ حدیث رقم ۹۷۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ جن کی نماز ان کے سر سے ایک بالشت بھی بلند نہیں ہوتی: ① وہ آدمی جو قوم کا امام ہو اور قوم اسے پسند نہ کرے۔ ② وہ عورت جو رات اس طرح گزارے کہ اس کا خاوند اس سے ناراض ہو یعنی اس کی نافرمانی کی وجہ سے۔ ③

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسے دو بھائی جو آپس میں ناراض ہوں اور تعلقات ختم کیے ہوئے ہوں۔ (ابن ماجہ)

تشریح: ''لا ترفع لهم صلاتهم فوق رؤوسهم شبرًا'' یہ عدم قبول سے کنایہ ہے۔

جن تین حضرات کا اس حدیث میں ذکر ہے ان تینوں میں ایک بات قدر مشترک ہے انہوں نے علی الترتیب حق امامت، حق زوجیت اور حق اخوت کا پاس نہیں رکھا۔

''واخوان متصارمان'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نسبی بھائی بھی ہو سکتا ہے اور مسلمان بھائی بھی۔ کیونکہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ کسی مسلمان کیلئے حلال نہیں کہ وہ تین دن سے زائد اپنے بھائی کو چھوڑے رکھے۔ یعنی بغیر کسی شرعی وجہ کے اس سے مقاطعہ رکھے۔

بَابُ مَا عَلَى الإِمَامِ

وہ چیزیں جو امام پر لازم وضروری ہیں

اس باب میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ امام مقتدیوں کی رعایت کرے اور مختصر نماز پڑھائے

الفصل الاول:

۱۱۲۹: عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ إِمَامٍ قَطُّ أَخَفَّ صَلَاةً وَلَا أَتَمَّ صَلَاةً مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَيُخَفِّفُ مَخَافَةَ أَنْ تُفْتَنَ أُمُّهُ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۰۱/۲ حدیث رقم ۷۰۸۔ ومسلم فی صحیحه ۳۴۲/۱ حدیث رقم (۱۹۰۔۴۶۹) وأبوداؤد فی السنن ۴۹۹/۱ حدیث رقم ۷۸۹۔ والترمذی ۳۴۲/۱ حدیث رقم ۳۷۶۔ والنسائی ۹۵/۲ حدیث رقم ۸۲۵۔ وابن ماجه ۳۱۶/۱ حدیث رقم ۹۹۰۔ وأحمد فی المسند ۳۰۵/۵۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ ہلکی اور کامل نماز میں نے کسی امام کے پیچھے نہیں پڑھی اور آپ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ اگر آپ کسی بچہ کے رونے کی آواز سن لیتے تو نماز کو مختصر کر دیتے تھے تا کہ اس کی ماں فکر مند ہو کر فتنہ میں نہ پڑ جائے۔

تشریح: ''أنس'' حضرت انس رضی اللہ عنہ بصرہ میں فوت ہونے والے سب سے آخری صحابی ہیں، آپ کا انتقال سن ۹۱ ہجری میں ہوا اور اس وقت آپ کی عمر ایک سو تین سال تھی۔

''أخف صلاة ولا أتم صلوٰة من النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' قاضی رحمہ اللہ اس جملہ کی شرح اس طرح کرتے ہیں کہ خفت صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ لمبی قراءت نہ کی جائے بلکہ قصار مفصل پر اکتفاء کر لیا جائے۔ اور انتقالات لمبی لمبی دعائیں نہ مانگی جائیں۔ تمام صلاۃ کا مطلب یہ ہے تمام ارکان وسنن کو بجالایا جائے اور رکوع وسجدہ میں تین تسبیح کے بقدر ٹھہرا جائے۔

قاضی رحمہ اللہ کی اس تشریح سے یہ وہم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اوساط مفصل اور طوال مفصل سے نہیں پڑھتے تھے۔ حالانکہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا ثبوت موجود ہے۔ پس معنی یہ ہوگا کہ نبی کریم ﷺ الفاظ کو کھینچ کھینچ کر اور بلاوجہ لمبا کر کے نہیں پڑھتے تھے جیسا کہ ہمارے زمانے میں مکہ مکرمہ کے بڑے ائمہ کرتے ہیں۔ ① وہ مدات کو تین تین الف تک لے جاتے ہیں اور لمبے لمبے سکتے شد و وقوف کرتے ہیں اور تسبیحات کی تعداد میں اس لئے اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں کہ لمبی لمبی با ترنم تکبیرات کہنے والے مکبّرین تکبیریں پوری کرلیں۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کی قراءت عمدہ، خوبصورت مرل اور واضح ہوتی تھی۔ آپ ﷺ کی لطیف قراءت کی خصوصیت تھی کہ وہ نفوس پر بار نہیں بنتی تھی۔ اگر طویل بھی ہوجاتی تو پھر بھی اس سے ارواح سیر نہ ہوتی تھیں۔

ہمارا (احناف کا) مسلک یہ ہے کہ امام کیلئے مناسب نہیں کہ تسبیحات وغیرہ کو اتنا طویل کرے کہ لوگ بیزار ہونے لگیں۔ کیونکہ تطویل لوگوں کو بے توجہ کرنے کے مترادف ہے اور یہ مکروہ ہے۔ البتہ اگر لوگوں کی یہی خواہش اور مرضی ہے تو کوئی حرج نہیں۔ اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ لوگوں کی تنگدلی کو مدنظر رکھتے ہوئے نماز کو سنت مقدار سے بھی کم نہ کردے۔

''فیخفف مخافة ان تفتن'' علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے استدلال کیا جاسکتا ہے اگر کوئی امام رکوع کی حالت میں یہ محسوس کرے کہ کوئی شخص نماز میں شریک ہورہا ہو تو وہ رکوع کو تھوڑا لمبا کردے تاکہ اسے رکعت مل جائے۔ کیونکہ جب امر دنیاوی کی حاجت کیلئے نماز میں کمی بیشی کرسکتا ہے تو امر اخروی کیلئے تو بطریق اولی جائز ہے۔ البتہ بعض علماء نے اسے مکروہ خیال کیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ یہ شرک بھی بن سکتا ہے۔ امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے۔

حنفی مسلک یہ ہے کہ اگر امام رکوع کو تقرب الی اللہ کی نیت سے نہیں بلکہ اس مقصد سے طویل کرے گا کہ کوئی آنے والا شخص رکوع میں شامل ہوکر رکعت پالے تو یہ مکروہ تحریمی ہوگا۔ بلکہ اس سے بھی بڑے گناہ کے مرتکب ہونے کا احتمال ہوسکتا ہے تاہم کفرو شرک کی حد تک نہیں پہنچے گا کیونکہ اس سے اس کی نیت غیر اللہ کی عبادت بہر حال نہیں ہوگی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر امام آنے والے کو پہچانتا نہیں، تو اس شکل میں رکوع کو طویل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ اس کا ترک اولیٰ ہے۔ ہاں اگر کوئی امام تقرب الی اللہ نیت سے رکوع کو طویل کرے اور اس پاک جذبہ کے علاوہ کوئی اور دوسرا مقصد نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ ایسی حالت کا ہونا چونکہ نادر ہے اور پھر یہ کہ اس مسئلہ کا نام ہی ''مسئلة الرياء'' ہے۔ اس لئے اس سلسلہ میں کمالِ احتیاط ہی اولیٰ ہے۔

امام ابوداؤد نے ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز میں اس وقت تک انتظار کرتے جب تک جوتوں کی آواز آرہی ہوتی۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اگر اسے صحیح تسلیم کرلیں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ نماز شروع کرنے میں انتظار کرتے تھے۔ نیز صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ظہر کی پہلی رکعت کو لمبا کرتے تھے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ شریک ہوجائیں۔

نماز میں طویل قیام کی نیت کے بعد قیام کو مختصر کرنا

۱۱۳۰: وَعَنْ اَبِی قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنِّیْ لَاَدْخُلُ فِی الصَّلَاةِ وَاَنَا اُرِیْدُ اِطَالَتَهَا فَاَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَاَتَجَوَّزُ فِیْ صَلَاتِیْ مِمَّا اَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ اُمِّهٖ مِنْ بُكَائِهٖ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۲۰۲ حديث رقم ۷۰۹۔ وابن ماجه في السنن ۱/۳۱۶ حديث رقم ۹۸۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نماز میں داخل ہوتا ہوں تو نماز کو طویل کرنے کا ارادہ کرتا ہوں مگر جب بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو یہ جان کر کہ بچے کے رونے کی وجہ سے اس کی ماں کہیں پریشان نہ ہو جائے نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں۔ (بخاری)

تشریح: ''فأتجوز فی صلاتی'' اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کسی لمبی سورت کے پڑھنے کا ارادہ فرما چکے ہوتے تھے لیکن بچہ کی آہ و بکا سن کر چھوٹی سورت کی قراءت فرما لیتے۔ حاصل یہ کہ نبی کریم ﷺ دو فضیلتوں کو جمع فرماتے ایک لمبی نماز، شفقت اور رحمت کا ارادہ اور دوسری لوگوں کو بیزاری سے بچانا۔ اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

امام پر لازم ہے کہ مقتدیوں کی رعایت رکھے

۱۱۳۱: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلّٰی اَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيْهِمُ السَّقِيْمُ وَالضَّعِيْفُ وَالْكَبِيْرُ وَاِذَا صَلّٰی اَحَدُكُمْ لِنَفْسِهٖ فَلْيُطَوِّلْ مَاشَاءَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۹۹/۲ حدیث رقم ۷۰۳۔ومسلم فی صحیحه ۳۴۱/۱ حدیث رقم (۱۸۳۔۴۶۷) وأبوداوٗد فی السنن ۵۰۲/۱ حدیث رقم ۷۹۴۔والترمذی فی السنن ۴۶۱/۱ حدیث رقم ۲۳۶۔والنسائی ۹۴/۲ حدیث رقم ۸۲۳۔وابن ماجه ۳۱۶/۱ حدیث رقم ۹۸۷۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی لوگوں کو نماز پڑھائے اس کو چاہئے کہ نماز کو مختصر کرے کیونکہ مقتدیوں میں کمزور اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور جب کوئی آدمی تنہا نماز پڑھے تو اس کو اختیار ہے جس قدر چاہے نماز کو طویل کرے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: ''فان فیهم السقیم والضعیف'' ضعیف، جو پیدائشی ضعیف ہے، یا عبادت میں ضعیف مراد ہے۔
''واذا صلی احدكم لنفسه فليطول ما شاء'' یعنی جب آدمی اکیلا نماز پڑھے یا سب لوگ حضورِ قلب کے حامل ہوں تو وہ لمبی نماز پڑھا سکتا ہے۔

طویل نماز پڑھانے والے امام کی شکایت

۱۱۳۲: وَعَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِیْ حَازِمٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَاَتَاَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنْ اَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيْلُ بِنَا فَمَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ مَوْعِظَةٍ اَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِيْنَ فَاَيُّكُمْ مَا صَلّٰی بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ فَاِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ وَالْكَبِيْرُ وَذَاالْحَاجَةِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۰۰/۲ حدیث رقم ۷۰۴۔ومسلم فی صحیحه ۳۴۰/۱ حدیث رقم (۱۸۲۔۴۶۶) وأبوداوٗد فی السنن ۵۰۲/۱ حدیث رقم ۷۹۵۔وابن ماجه ۳۱۵/۱ حدیث رقم ۹۸۴۔والدارمی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱/۳۲۲ حدیث رقم ۱۲۵۹۔وأحمد فی المسند ۱۱۸/٤۔

ترجمہ: حضرت قیس بن ابوحازم کہتے ہیں کہ مجھے ابومسعود رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا اے اللہ کے رسول میں صبح کی نماز سے اس وجہ سے رہ جاتا ہوں کہ فلاں آدمی ہمیں بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے۔حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت کے دوران اتنے غصہ سے بھرے ہوئے کبھی نہیں دیکھا آپ نے فرمایا ان میں سے کچھ لوگ لوگوں کو نفرت دلانے والے ہیں خبردار تم میں سے جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے اسے چاہئے کہ وہ ان کو مختصر نماز پڑھائے کیونکہ مقتدیوں میں کمزور، بوڑھے اور حاجت مند بھی ہوتے ہیں۔(بخاری، مسلم)

راویٔ حدیث:

قیس بن ابی حازم ۔ نام ''قیس'' ہے۔ابوحازم کے بیٹے ہیں۔بنواحمس و بجلیہ میں سے ہیں۔زمانہ جاہلیت و اسلام دونوں دیکھے۔جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت ہونے کی غرض سے آئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے تھے۔کوفہ کے تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ان کا نام صحابہ کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے حالانکہ سب کو اعتراف ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی۔

خصوصیت:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی عشرۂ مبشرہ سے روایت کی ہے۔ان کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ سے روایت کرتے ہیں۔ان کے سوا اور کوئی راوی ایسا نہیں جس نے عشرۂ مبشرہ میں سے نو (۹) سے روایت کی۔
نہروان کے واقعہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے ہمراہ شریک ہوئے۔بڑی عمر پائی۔سو سال سے زیادہ زندہ رہ۔۹۸ھ میں انتقال فرمایا۔

تشریح: ''من اجل فلان مما یطیل بنا'' پہلا ''من'' تعلیلیہ ہے اور دوسرا اس سے بدل ہے۔

''فی موعظۃٍ اشدّ'' اگر رؤیت بصریہ ہے تو اشد کا نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے اور اگر رؤیت علمیہ ہے تو یہ نصب مفعولیت کی بنا پر ہے۔

''غضبا منہ یومئذٍ'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دن انتہائی غضب ناک ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوڑنے کیلئے مبعوث ہوئے جبکہ ان امام کا یہ فعل توڑ کے مترادف تھا۔

راوی کا قول ''فی موعظۃ'' دلالت کررہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ اپنی ذات کیلئے نہ تھا۔اس حدیث میں اس شخص کیلئے وعید ہے جو لوگوں کو جماعت سے ہٹانے کا ذریعہ بنے۔

''فایکم ما صلی'' ''ما'' کی ترکیب میں دو احتمال ہیں:

① ما زائدہ ہے۔② موصوفہ ہے مفعول مطلق کی بنا پر منصوبۃ المحل ہے۔

''الضعیف'' بیماری کا ضعیف یا ہمت کا، دونوں مراد ہیں۔

''الکبیر'' یعنی بڑی عمر والا، یہ تخصیص بعد تعمیم ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غلط نماز پڑھانے والے کیلئے تنبیہ

۱۱۳۳: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلُّوْنَ لَکُمْ فَاِنْ اَصَابُوْا فَلَکُمْ وَاِنْ اَخْطَأُوْا فَلَکُمْ وَعَلَیْهِمْ ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۸۷/۲ حديث رقم ٦٩٤۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہیں امام نماز پڑھائیں گے اگر وہ نماز اچھی طرح پڑھائیں گے تو اس کا فائدہ تمہیں ہوگا اور ان کو بھی اور اگر انہوں نے خطا کی تو تمہیں ثواب ملے گا اور انہیں گناہ ہوگا۔ (بخاری)

تشریح: ''یصلون'' مبتدأ محذوف کی خبر ہے، اصل عبارت یہ ہے ''ائمتکم یصلون''۔

''لکم'' یعنی تم جماعت کی نماز کے ثواب کو حاصل کرنے کیلئے ان کی اقتداء کرتے ہوتا کہ تمہیں اور انہیں یہ ثواب حاصل جائے۔ اس میں خطاب کو تغلیب حاصل ہے۔ قاضی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز کی ضمیر ائمہ کیلئے ہیں۔ چونکہ وہ مقتدیوں کی نماز کے ضامن ہوتے ہیں اس اعتبار سے وہ ان کے لئے ہی نماز پڑھتے ہیں۔

''فلکم'' اس میں بھی مراد امام اور مقتدی دونوں ہیں لیکن خطاب کو غلبہ حاصل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ارکان اور شرائط کی انجام دہی کے ساتھ نماز پڑھائیں تو تمہیں اور انہیں دونوں کو اجر ملے گا۔

''فلکم و علیهم'' یعنی اگر وہ نماز درست نہ پڑھا سکیں تو تمہیں تو ثواب مل ہی جائے گا لیکن وبال ان پر ہوگا۔ یہ اس وقت ہے جب مقتدی کو نماز کے مسئلہ کا علم نہ ہو اگر اسے نماز کے مسئلہ کا علم ہو جائے تو اس پر اعادہ لازم ہے اگر اعادہ نہ کرے تو اس پر بھی وبال ہوگا۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس مسئلہ کی دلیل ہے کہ اگر امام نے بے وضو یا جنبی ہونے کی حالت میں نماز پڑھائی تو اس پر نماز کا اعادہ واجب ہوگا لیکن لوگوں کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ خواہ امام کو اپنی ناپاکی کا علم ہو اور جان بوجھ کر امامت کروائے یا اپنی ناپاکی کا اس کو علم نہ ہو۔ ہمارے نزدیک اگر مقتدی کو امام کی نماز کے بطلان کا علم ہو جائے تو اس پر اعادہ لازم ہے۔ اس کی دلیل کتاب آلا ثار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے، انہوں نے ایسے شخص کے بارے میں جو لوگوں کو جنبی ہونے کی حالت میں نماز پڑھائے، فرمایا کہ وہ بھی نماز کا اعادہ کرے اور لوگ بھی۔ مسند عبدالرزاق میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حالت جنابت میں یا بے وضو ہونے کی حالت میں نماز پڑھائی، پھر خود ہی نماز کا اعادہ فرمایا اور لوگوں کو بھی اعادہ کا حکم دیا۔ مسند عبدالرزاق ہی میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حالت جنابت میں نماز پڑھا دی، پھر خود تو اعادہ کیا لیکن لوگوں کو اعادہ کا نہیں کہا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر آپ لوگوں کو بھی اعادہ کا کہیں تو زیادہ بہتر ہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔

اس حدیث کے ضمن میں یہ مسئلہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اگر کسی شخص نے لوگوں کو ایک عرصہ تک نماز پڑھائی پھر اپنے کافر ہونے کا دعویٰ کیا یا یہ کہا کہ اس نے بغیر طہارت کے نماز پڑھائی ہے تو لوگوں پر اعادہ واجب نہیں۔ کیونکہ اس کی خبر دیانات میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قابل قبول نہیں اس لئے کہ وہ اپنے فسق کا اعتراف کر چکا ہے۔ ابن الہمام کی شرح الہدایۃ (فتح القدیر) میں یہ مسئلہ اسی طرح ہے۔

''هذا الباب خال عن الفصل الثاني'' صاحب مشکوٰۃ اعتراض سے بچنے کیلئے یہ عبارت لا رہے ہیں کہ اس باب کی فصل ثانی چونکہ مصابیح میں نہیں تھی اور اس باب میں احادیث حسان موجود نہیں ہیں اس لئے مشکوٰۃ میں فصل ثانی نہیں آئے گی۔

الفصل الثالث:

امام کو چاہئے کہ مقتدیوں کی رعایت رکھے

۱۱۳۴: وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ قَالَ اٰخِرُ مَا عَهِدَ اِلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَمْتَ قَوْمًا فَاَخِفَّ بِهِمِ الصَّلَاةَ رواه مسلم وفی رواية لَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ اُمَّ قَوْمَكَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَجِدُ فِیْ نَفْسِیْ شَيْئًا قَالَ اُدْنُهْ فَاَجْلَسَنِیْ بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ وَضَعَ كَفَّهٗ فِیْ صَدْرِیْ بَيْنَ ثَدْيَیَّ ثُمَّ قَالَ تَحَوَّلْ فَوَضَعَ فِیْ ظَهْرِیْ بَيْنَ كَتِفَیَّ ثُمَّ قَالَ اُمَّ قَوْمَكَ وَمَنْ اَمَّ قَوْمًا فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيْهِمُ الْكَبِيْرَ وَاِنَّ فِيْهِمُ الْمَرِيْضَ وَاِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ وَاِنَّ فِيْهِمْ ذَاالْحَاجَةِ فَاِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ وَحْدَهٗ فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ.

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۳٤۱ حديث رقم (۱۸٦-٤٦۸)

ترجمه: حضرت عثمان بن ابی العاصؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے آخری وصیت یہ فرمائی تھی کہ جب تم لوگوں کو نماز پڑھاؤ تو انہیں مختصر نماز پڑھاؤ۔ (مسلم) مسلم کی دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ اپنی قوم کی امامت کرو تو حضرت عثمان کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے اپنے دل میں کچھ کھٹک محسوس ہو رہی ہے۔ آپ نے فرمایا میرے قریب آؤ جب میں قریب گیا تو آپ نے مجھے اپنے سامنے بٹھایا اور میرے سینے پر میری دونوں چھاتیوں کے درمیان اپنا ہاتھ مبارک رکھا پھر فرمایا کہ پشت پھیرو چنانچہ آپ نے میری پشت پر دونوں کندھوں کے درمیان اپنا ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ اپنی قوم کی امامت کرو اور جب بھی کوئی شخص کسی قوم کا امام بنے تو اسے چاہئے کہ ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ ان نمازیوں میں بوڑھے بھی ہیں اور بیمار بھی اور کمزور لوگ بھی اور حاجت مند بھی ہوتے ہیں اور جب کوئی اکیلے نماز پڑھے تو اسے اختیار ہے جیسے چاہے نماز پڑھے۔

تشریح: ''قلت يا رسول الله! انی أجد فی نفسی شيئًا'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے اس قول کا منشاء یہ تھا کہ میں اپنے دل کے وساوس کی وجہ سے خود کو امامت کی شرائط پوری کرنے سے عاجز سمجھتا ہوں اور قرآن وفقہ میں بھی میری معلومات بہت کم ہیں۔ پس نبی کریم ﷺ نے ان کے سینہ اور کمر پر ہاتھ پھیرا جس سے ان کے وساوس دور ہو گئے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے اس قول کا معنی یہ ہے کہ امامت کے وقت میرے دل کے اندر ایک قسم کی برتری اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غرور کی سی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی کی برکت سے ان کے اس مرض کو دور فرما دیا۔

"قال أدنه" یہ دنو سے امر کا صیغہ ہے۔ یہ نون کے ضمہ کے ساتھ ہائے سکتہ کے ساتھ ہے، یعنی میرے قریب ہو جا۔

"وان فیھم ذا الحاجة" لفظ "ان" کے تکرار میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس علت کی موجودگی ہر شخص میں پائی جا سکتی ہے۔

"فلیصل کیف شاء" ہمارے زمانہ کے ائمہ کا یہ حال ہے کہ جب وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے ہیں تو بہت زیادہ طوالت سے کام لیتے ہیں مگر جب تنہا نماز پڑھتے ہیں تو صرف اتنے اختصار پر نماز پڑھتے ہیں جس سے نماز ادا ہو جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اتنا عرصہ گذر جانے کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا جذبہ موجود ہے۔

سورۃ الصّٰفّٰت کی قراءت

۱۱۳۵: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُنَا بِالتَّخْفِيْفِ وَيَؤُمُّنَا بِالصَّافَّاتِ .

(رواه النسائی)

أخرجه النسائی فی السنن ۲/ ۹۵ حدیث رقم ۸۲۶۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مختصر نماز پڑھانے کا حکم دیا اور جب آپ ہمیں نماز پڑھاتے تو سورۃ الصافات کی قراءت کرتے۔ (نسائی)

تشریح: "یأمرنا بالتخفیف ویؤمنا بالصافات" ان دونوں باتوں میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے کہ ایک طرف تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تخفیف کا حکم دے رہے ہیں اور دوسری طرف سورۃ الصافات کی تلاوت فرما رہے ہیں جو کہ ایک لمبی سورت ہے۔

اس سوال کے جواب میں علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ لمبی لمبی سورتیں اور بہت زیادہ آیتیں بہت کم عرصہ میں پڑھ لیتے تھے جس سے لوگوں کو گرانی محسوس نہ ہوتی تھی۔

اس کا ایک جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کیلئے ایسا کیا تھا۔ یا پھر آپ مناجاتِ الٰہیہ میں ایسے مستغرق ہوئے کہ خیال ہی نہ رہا۔

لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت سے لذت حاصل کرتے تھے۔ اور اتنی لمبی تلاوت ان کیلئے گراں نہیں تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے لمبا ہونے کے وقت فیض الٰہی کا ظہور ہوتا تھا اور سامع اپنے تمام مشاغل کو بھول جاتا تھا اور کمزور کو روحانی قوت حاصل ہو جاتی تھی۔ اور ہر شخص یہ خواہش کرتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری عمر پڑھتے رہیں اور میں سنتا رہوں۔

مبارک ہو اس شخص کو جس کی آنکھیں دیدار نبوی سے ٹھنڈی ہوئی ہوں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَابُ مَاعَلَى الْمَامُوْمِ مِنَ الْمُتَابَعَةِ وَحُكْمِ الْمَسْبُوْقِ

مقتدی کے لئے امام کی متابعت کے لزوم اور مسبوق کے حکم کا بیان

الفصل الاول:

امام کی متابعت

۱۱۳۶: عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ لَمْ يَحْنِ اَحَدٌ مِّنَّا ظَهْرَهٗ حَتّٰى يَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَبْهَتَهٗ عَلَى الْاَرْضِ۔

(متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۱۸۱ حديث رقم ۶۹۰۔ ومسلم في صحيحه ۱/۳۴۵ حديث رقم (۱۹۷۔۴۷۴) وأبوداؤد في السنن ۱/۴۱۲ حديث رقم ۶۲۲۔ والترمذي ۲/۷۰ حديث رقم ۲۸۱۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے چنانچہ رسول اللہ ﷺ جب سمع الله لمن حمده کہتے تو جب تک آپ سجدہ کے لئے اپنی پیشانی کو زمین پر نہیں رکھتے تھے ہم میں سے کوئی شخص اپنی پیٹھ کو نہیں جھکاتا تھا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: ''حتی یضع النبی ﷺ جبهته علی الارض'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مقتدی کیلئے سنت یہ ہے کہ وہ اپنی نماز کے ارکان امام کی نماز کے ارکان کے اسی قدر بعد ادا کرے اور اگر امام کے افعال صلوٰۃ اور مقتدی کے افعال صلوٰۃ میں اتنا وقفہ نہ ہو تو بھی جائز ہے مگر تکبیر تحریمہ کے وقت مقتدی کیلئے اتنا توقف کرنا ضروری ہے کہ جب امام تکبیر تحریمہ کہہ کر فارغ ہو تو مقتدی تکبیر تحریمہ کہیں۔

ہمارا (احناف کا) مسلک یہ ہے کہ مقتدی کیلئے امام کی متابعت بطریق مواصلت واجب ہے یعنی مقتدیوں کو ہر رکن امام کے ساتھ ہی بلا تاخیر ادا کرنا چاہیے۔ تحریمہ بھی امام کی تحریمہ کے ساتھ کریں۔ حتی کہ اگر امام نے رکوع یا سجدہ سے اپنا سر اٹھایا لیکن مقتدی اپنی تسبیح سے فارغ نہیں ہوا تھا تو صحیح قول یہ ہے کہ وہ امام کی موافقت کرے اور اگر مقتدی نے امام کے رکوع یا سجدہ سے پہلے سر اٹھالیا تو اس کیلئے ضروری ہے کہ دوبارہ اپنے عمل میں لوٹ جائے۔ پھر امام کے ساتھ سر اٹھائے اس طرح یہ رکوع یا سجدے دو نہیں ہوں گے بلکہ ایک ہی شمار ہوں گے۔

مقتدیوں کو خاص ہدایت

۱۱۳۷: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهٗ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ اِمَامُكُمْ فَلَا تَسْبِقُوْنِيْ بِالرُّكُوْعِ وَلَا بِالسُّجُوْدِ وَلَا بِالْقِيَامِ وَلَا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِالْاِنْصِرَافِ فَاِنِّی اَرَاکُمْ مِنْ اَمَامِیْ وَمِنْ خَلْفِی ۔ (رواہ مسلم)

صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب تحریم سبق الامام برکوع او سجود ونحوهما' ح ٦٤٦

اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا چکے تو اپنا چہرۂ انور ہماری طرف کر کے متوجہ ہوئے اور فرمایا "لوگو! میں تمہارا امام ہوں للہذا تم رکوع کرنے' سجدہ کرنے' کھڑا ہونے اور پھرنے میں مجھ سے سبقت نہ لے جایا کرو (یعنی نماز کے ارکان کو امام سے پہلے ادا نہ کیا کرو) اور کوئی حرکت تمہاری مجھ سے پوشیدہ نہیں"۔ (مسلم)

"ولا بالانصراف" انصراف سے مراد سلام پھیرنا ہے۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ارکان فعلیہ میں امام کی متابعت واجب ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انصراف سے مراد سلام پھیرنا بھی ہو سکتا ہے اور مسجد سے نکلنا بھی۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ دوسرا احتمال قطعی طور پر درست نہیں کیونکہ سیاق وسباق اس کی بالکل تائید نہیں کرتے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل مسجد سے نکلنے پر کوئی نہی بھی وارد نہیں ہوئی۔

"فانی أراکم من أمامی ومن خلفی" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا یا تو مکاشفہ کی وجہ سے تھا یا معجزاتی مشاہدہ کی وجہ سے۔

"رواہ مسلم" امام میرک فرماتے ہیں کہ مشکوۃ میں ذکر کردہ الفاظِ حدیث مسلم کے ہیں، مصابیح میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ وارد نہیں ہوئی۔

مقتدیوں کو آمین کہنے کا حکم

۱۱۳۸: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُبَادِرُوا الْاِمَامَ اِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ متفق علیه اِلَّا اَنَّ البخاری لَمْ یَذْكُرْ وَاِذَاقَالَ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔

أخرجه مسلم في صحيحه ٣١٠/١ حديث رقم (٨٧-٤١٥)-والنسائي ٩٦/٢ حديث رقم ٨٣٠-وابن ماجه ٣٠٨/١ حديث رقم ٩٦٠-وأحمد في المسند ٤٤٠/٢-

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے امام پر سبقت نہ کیا کرو جب امام تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو۔ اور جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو اور جب امام رکوع میں جائے تو تم بھی رکوع میں جاؤ۔ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو۔ (بخاری، مسلم) امام بخاری نے اپنی روایت میں واذا قال ولا الضالین کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

تشریح: "واذا قال ولا الضالین فقولوا آمین" اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب امام قراءت کر رہا ہے تو مقتدی خاموش رہے، یہی مضمون ایک حدیث میں بھی آیا ہے۔

"واذا اقرأ فانصتوا" "جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو"۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب امام و لا الضالین کہنے کا ارادہ کرے تو تم آمین کہو، کیونکہ سنت یہ ہے کہ مقتدی اور امام کی آمین ایک ساتھ ہو۔

میں یہ سمجھتا ہوں کی یہ معنی مطلوب کے خلاف ہے کیونکہ اس صورت میں مقتدی کی آمین امام کے و لا الضالین کے ساتھ ہوجائے گی۔ پس مقتدی کی آمین امام کی آمین سے مقدم ہوجائے گی اور ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔

''واذا رکع فارکعوا'' اس میں فاء تعقیبیہ ہے اور اس سے ہمارے ذکر کردہ مذہب کی تائید ہوتی ہے۔

اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم

۱۱۳۹: وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ فَرَسًا فَصُرِعَ عَنْهُ فَجُحِشَ شِقُّهُ الْاَيْمَنُ فَصَلّٰى صَلَاةً مِنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهٗ قُعُوْدًا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا صَلّٰى قَائِمًا فَصَلُّوْا قِيَامًا وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَ اِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْ وَاِ ذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَاِذَا صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا اَجْمَعُوْنَ قَالَ الْحُمَيْدِيُ قَوْلُهٗ اِذَا صَلّٰى جُلُوْسًا فَصَلُّوا جُلُوْسًا هُوَ فِيْ مَرَضِهِ الْقَدِيْمِ ثُمَّ صَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا وَالنَّاسُ خَلْفَهٗ قِيَامٌ لَمْ يَأْمُرْهُمْ بِالْقُعُوْدِ وَاِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالْاٰخِرِ فَالْاٰخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيْ وَاتَّفَقَ مُسْلِمٌ اِلٰى اَجْمَعُوْنَ وَزَادَ فِيْ رِوَايَةٍ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ وَ اِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا ۔

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۱۷۳ حديث رقم ۶۸۹۔ ومسلم ۱/۳۰۸ حديث رقم (۷۷۔۴۱۱)۔ وأبو داوٗد في السنن ۱/۴۰۱ حديث رقم ۶۰۱۔ والترمذي ۲/۱۹۴۔ حديث رقم ۳۶۱ والنسائي ۲/۹۸ حديث رقم ۸۳۲ وابن ماجه ۱/۳۹۲ حديث رقم ۱۲۳۷ ومالك في الموطأ ۱/۱۳۵ حديث رقم ۱۶ من كتاب صلاة الجماعة۔ وأحمد في المسند ۳/۱۱۰۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں گھوڑے پر سوار تھے اچانک آپ گھوڑے سے نیچے گر گئے۔ اس سے دائیں کروٹ پر چوٹ لگ گئی اور آپ کے لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھانا مشکل ہوگیا آپ نے ہمیں پانچ نمازوں میں سے ایک نماز بیٹھ کر پڑھائی۔ اور ہم نے بھی بیٹھ کر نماز پڑھی جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے تا کہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا جب امام کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب امام رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب امام رکوع سے اٹھے تو تم بھی رکوع سے اٹھو اور جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو اور جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔ حمیدی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو یہ حکم اس بیماری میں دیا گیا تھا جو سابقہ تھی بعد میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور بیٹھ کر نماز پڑھائی لوگوں نے آپ کے پیچھے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور آپ نے ان کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال میں سے آخری امر اور فعل کو اختیار کیا جاتا ہے۔ (بخاری) امام مسلم نے اجمعون کے الفاظ تک اتفاق کیا ہے اور ایک روایت میں ان الفاظ کو زیادہ کیا ہے کہ اختلاف نہ کرو جب امام سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔

تشریح: ''فصلی صلاۃ من الصلوات'' اس سے مراد فرض نماز ہے جیسا کہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ظاہر عبارت بھی یہی ہے۔

''قال انما جعل الامام لیؤتم به'' مصابیح میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:

''فلا تختلفوا علیه'' ''تم امام سے اختلاف نہ کرو''۔

یعنی امام سے تقدیم و تاخیر میں اختلاف نہ کرو تا کہ اس اقتداء کے قطع ہونے کا وہم نہ ہو۔

''فصلوا قیامًا'' ''قیامًا'' کی لغوی حقیقت میں دو قول ہیں:

① مصدر یعنی ذوی قیام۔

② جمع یعنی قائمین۔ اس کا نصب حالیت کی بنا پر ہے۔

''فصلوا جلوسًا'' ابن ملک فرماتے ہیں کہ یہ جالس کی جمع ہے اور حالیت کی بنا پر منصوب ہے۔

''أجمعون'' ''فصلوا'' کی ضمیر مرفوع کی تاکید ہے۔

ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے آخری جملہ کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ جب امام تشہد کیلئے بیٹھے تو تم بھی بیٹھ کر تشہد پڑھو۔ لیکن حدیث کے ظاہر الفاظ سے یہ معنی درست معلوم نہیں ہوتا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔ اس صورت میں اس حدیث کو ان روایات کی وجہ سے منسوخ مانا جائے گا جن میں یہ ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں بیٹھ کر نماز پڑھائی تھی اور صحابہ کرام پیچھے کھڑے تھے۔

امام احمد، اسحاق بن راہویہ اور امام اوزاعی اس حدیث کے حکم کو منسوخ نہیں بلکہ ثابت مانتے ہیں۔

''قال الحمیدی'' یہ حمیدی امام بخاری کے استاذ ہیں، وہ حمیدی نہیں جو جمع بین الصحیحین کے مؤلف ہیں۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کے نزدیک اگر امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں گے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی اقتداء جائز نہیں۔ امام مالک کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

''لا یؤم احد بعدی جالسًا''

''میرے بعد کوئی بیٹھا ہوا شخص امامت نہ کروائے''۔

یہ حدیث مرسل ہے اور تنزیہ پر محمول ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ یہ بات جان لیجئے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے نے اگر کھڑے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوکر نماز شروع کی تھی پھر بیٹھ گیا تو لوگوں کا اس کی اقتداء کرنا درست ہے لیکن اس نے ابتداء ہی بیٹھ کر نماز پڑھنے سے کی تو پھر اقتداء درست نہیں، اور یہ بات تو طے شدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی جگہ تک کھڑے ہوکر آئے پھر بیٹھ گئے۔ علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اگر کوئی مریض تھوڑی دیر حتی کہ تکبیر تحریمہ کے دوران کے قیام پر قادر ہو تو اتنی مقدار کھڑے رہنا اس پر فرض ہوگا اور یہ صورت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں متحقق ہے۔ تو اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ایک ایسے امام کی اقتداء ہوگی جس نے کھڑے ہوکر نماز شروع کی پھر بیٹھ گیا۔

نماز کے دوران امام کے تغیر کا حکم

۱۱۴۰: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ فَقَالَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ اَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَصَلّٰى اَبُوْ بَكْرٍ تِلْكَ الْاَيَّامَ ثُمَّ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ فِيْ نَفْسِهٖ خِفَّةً فَقَامَ يُهَادٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ وَرِجْلَاهُ تَخُطَّانِ فِي الْاَرْضِ حَتّٰى دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمَّا سَمِعَ اَبُوْبَكْرٍ حِسَّهٗ ذَهَبَ يَتَاَخَّرُ فَاَوْمَاَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَّا يَتَاَخَّرَ فَجَاءَ حَتّٰى جَلَسَ عَنْ يَسَارِ اَبِيْ بَكْرٍ فَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ يُصَلِّيْ قَائِمًا وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ قَاعِدًا يَقْتَدِيْ اَبُوْبَكْرٍ بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ يَقْتَدُوْنَ بِصَلَاةِ اَبِيْ بَكْرٍ متفق عليه وفى رواية لَهُمَا يُسْمِعُ اَبُوْبُكْرٍ النَّاسَ التَّكْبِيْرَ۔

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۶۷/۲ حديث رقم ۶۸۴۔ ومسلم في صحيحه ۳۱۳/۱ حديث رقم (۹۵۔۴۱۸) والنسائي ۹۹/۲ حديث رقم ۸۳۳۔ وابن ماجه ۳۸۹/۱ حديث رقم ۱۲۳۲۔ والدارمي ۳۵۳/۱ حديث رقم ۱۳۳۶۔ وأحمد في المسند ۱۵۹/۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت بیمار تھے ایک روز حضرت بلالؓ آپ کو نماز کی اطلاع دینے کے لئے آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں ان دنوں میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی پھر جب آپ نے اپنی طبیعت کو کچھ ہلکا محسوس کیا تو دو آدمیوں کا سہارا لے کر اس طرح چلے کہ آپ نے اپنے ہاتھ صحابہ کے کندھوں پر رکھے تھے اور آپ کے پاؤں زمین پر گھسٹتے جا رہے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی آہٹ محسوس کی اور پیچھے ہٹنا شروع ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو اشارہ کیا کہ پیچھے مت ہٹو۔ آپ آگے بڑھ کر ابوبکر کی بائیں طرف بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوکر نماز پڑھا رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھتے رہے جب کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کر رہے تھے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: ''لما ثقل'' بفتح العشاء وضم القاف۔ جب مرض زیادہ ہو گیا اور ضعف حد سے بڑھ گیا۔

''مروا ابابکر ان یصلی بالناس'' شرح السنہ میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں میں سے افضل ہیں اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دین کیلئے پسند فرمایا تھا تو کیا ہم انہیں اپنی دنیا کے لئے پسند نہ کریں۔

یہ بات بھی مدنظر رہے کہ متعدد نمازوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کی بناء پر معاملہ اور زیادہ واضح ہوگیا کہ یہ امر محض اتفاقی نہیں تھا بلکہ ارادۃً ایسا ہوا تھا۔ اس طرح قولی، فعلی، امری اور تقدیری تمام دلیلیں جمع ہوگئیں۔

''فصلی ابو بکر تلك الایام'' علامہ دمیاطی نے نقل کیا ہے کہ یہ کل سترہ نمازیں تھیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی شدت کے دنوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پڑھائیں۔

''بین رجلین'' یہ دو حضرات کون تھے؟ اس بارے میں تین قول ہیں:

① حضرت عباس و حضرت علی۔

② حضرت عباس و حضرت اسامہ۔

③ حضرت عباس و حضرت فضل۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین

''فاوما'' عفیف الدین کے نسخہ میں ''فاوما'' الف مبدلہ عن الیاء کے ساتھ ہے جو کہ درست نہیں کیونکہ قاموس میں ہمزہ کے ساتھ آیا ہے۔

''الیہ رسول اللہ ﷺ ان لا یتاخر'' اس روایت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نماز شروع کروا دینے کی تصریح نہیں ہے۔ لیکن شافعیہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ دوسرے امام کی اقتداء کی نیت کی تجدید کے بغیر دو اماموں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ اس طرح کہ پہلے ایک امام کی اقتداء کرے پھر اسے چھوڑ کر دوسرے کی اقتداء شروع کر دے۔

علامہ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نائب کے امامت شروع کروا دینے کے بعد اصل امام آجائے تو نائب امام کا مقتدی بن جانا جائز ہے اور اس سے دوسرے مقتدیوں کی نماز بھی باطل نہ ہو۔

ابن عبدالبر نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ پھر اس پر اجماع کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ لیکن شافعیہ کے اختلاف کی وجہ سے اجماع کا قول تو باطل ہو جاتا ہے۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ انہوں نے شافعیہ کے اختلاف کو اہمیت کے قابل نہ سمجھا ہو۔

علامہ سیوطی نے بھی اس استخلاف کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت قرار دیا ہے۔

''فجاء حتی جلس عن یسار'' اس جملہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کردی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی امام تھے۔ حضرت ابوبکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کررہے تھے۔ یہی بات حضرت ابن عباسؓ کے قول سے معلوم ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت وہیں سے شروع کی جہاں تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہنچے تھے، بعد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی خاموش رہے کیونکہ یہ ایک جہری نماز تھی۔

اس سے بھی ثابت ہوا کہ امام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے کیونکہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جہری نماز میں مقتدی امام کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ نہیں پڑھے گا۔

یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کر رہی ہے کہ سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا رکن نہیں ہے۔

''یقتدی ابو بکر بصلاۃ رسول اللّٰہ ﷺ'' ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ اس شخص پر صریح رد ہے جس کا کہنا یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کر رہے تھے۔

''والناس یقتدون بصلاۃ أبی بکر'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ کھڑے تھے جو عمل حضور ﷺ کرتے تھے وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کرتے تھے اور لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر نماز ادا کر رہے تھے۔

''ابو بکر الناس التکبیر'' بعض نسخوں کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر محض مکبّر تھے امام نہیں تھے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ اور عیدین وغیرہ میں مؤذنین کا آواز بلند کرنا جائز ہے۔

''ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں'' ہمارے زمانے میں ابلاغ کیلئے آواز کو اونچا کرنے کے سلسلہ میں بہت سی کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔ مکبّرین آواز زیادہ لوگوں تک پہنچانے کیلئے اللہ اکبر یا اُکبر کے ہمزہ کو بہت لمبا کر دیتے ہیں۔ اور یہ عمل مفسد نماز ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ ضرورت سے زیادہ آوازیں بلند کی جاتی ہیں اور چیخ و پکار اور شور شغب کی سی کیفیت بن جاتی اور اس سے مقصود صرف نغمات صناعیہ کا اظہار ہوتا ہے عبادت کا قیام تو بالکل دب کر رہ جاتا ہے۔ اس بات کی تفصیل آگے بھی آجائے گی۔ کہ جب جنت دوزخ کے تذکرے سے کوئی مضطرب ہو کر آواز بلند کرے تو نماز نہیں ٹوٹتی لیکن جب کسی مصیبت کی وجہ سے آواز بلند کرے گا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ چونکہ اس میں اصل مقصود لوگوں کو متوجہ کرنا ہوتا ہے تو جو شخص اپنی آواز یا بلند و بالا تکبیرات سے لوگوں کو متوجہ کرنا چاہے تو اس کی کیا نماز رہے گی۔ اسی طرح دعاؤں کے اندر بھی طرز و انداز اپنانے کی اور مخصوص لب و لہجے میں دعائیں مانگنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ تو محض ایک کھیل تماشہ ہے کیا کسی بادشاہ سے مانگنے کیلئے یہی انداز اختیار کیا جاتا ہے۔ حاجت کے قیام میں تضرع ہوتا ہے تغنی نہیں۔ مکبّرین جب تکبیرات کو لمبا کرتے ہیں تو اس سے ایک اور بڑی عجیب صورتحال سامنے آتی ہے وہ یہ کہ ائمہ ان کی تکبیرات کے ختم ہونے کا انتظار کرتے رہتے اس طرح امام تابع اور مکبّر متبوع بن جاتا ہے۔

(فقہ حنفی کی روشنی میں) صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والا بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی اقتداء بالاتفاق جائز ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تندرست کیلئے کسی ایسے مریض کی اقتداء جائز نہیں جو بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو۔ اگرچہ وہ رکوع سجدہ بھی کرے۔ صحابہ کرامؓ کا حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنا حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔

شافعیہ کا مسلک امام، مقتدی بن سکتا ہے، اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ بات طے شدہ نہیں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے امامیت سے ماموميت کی طرف انتقال کی نیت فرمائی تھی، احتمال کے ساتھ استدلال درست نہیں ہو سکتا۔

امام سے سبقت کرنے والے کے لئے وعید

۱۱۴۱: وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا يَخْشَى الَّذِی يَرْفَعُ رَأْسَهٗ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَبْلَ الْإِمَامِ اَنْ یُّحَوِّلَ اللّٰہُ رَأْسَهٗ رَأْسَ حِمَارٍ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۸۲/۲ حدیث رقم ٦۹۱۔ ومسلم فی صحیحه ۳۲۰/۱ حدیث رقم (۱۱٤۔٤۲۷) وأبوداوٗد فی السنن ٤۱۳/۱ حدیث رقم ٦۲۳۔ والترمذی ٤۷٥/۲ حدیث رقم ٥۸۲۔ والنسائی ۹٦/۲ حدیث رقم ۸۲۸۔ وابن ماجه ۳۰۸/۱ حدیث رقم ۹٦۱۔ والدارمی ۳٤٥/۱ حدیث رقم ۱۳۱٦۔ وأحمد فی المسند ٥۰٤/۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع اور سجدہ سے سر اٹھاتا ہے کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو تبدیل کر کے گدھے کے سر جیسا بنا دے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: ''اما یخشی'' ہمزہ استفہامیہ اور ما نافیہ ہے۔

''رأسه رأس حمارٍ'' یعنی اللہ تعالیٰ اسے حیوانات میں سب سے بے وقوف جانور گدھے کی طرح بے وقوف بنا دیں۔ یہ معنوی اور مجازی مسخ ہے۔ اس کو حقیقت پر محمول کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ باب اشراط الساعۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت میں مسخ ممکن ہے۔ اور بعض روایتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ جس میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی صورت گدھے کی صورت جیسی بنا دیں گے۔

علامہ اشرف رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مجازی معنی پر محمول کیا ہے۔ مسخ اس امت میں ممکن نہیں ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اس امت میں مسخ کو ممکن قرار دیا ہے، ابن حجر کا بھی یہی مسلک ہے۔ البتہ ان کے خیال میں مسخ عام ناممکن اور مسخ خاص ممکن ہے۔ جیسا کہ صریح احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

مسخ کے امکان والے قول کی تائید ایک محدث کے واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ طلب حدیث کیلئے وہ دمشق کے ایک مشہور محدث کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لیکن ان محدث نے اپنا چہرہ پردہ میں چھپایا ہوا تھا۔

جب یہ کافی عرصہ وہاں رہے اور حدیث کی طلب میں اپنی حرص دکھائی تو انہوں نے پردہ ہٹا دیا، ان کا چہرہ گدھے کے چہرہ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ پس انہوں نے اپنے شاگرد سے کہا اے میرے بیٹے امام سے آگے بڑھنے سے ڈرو، جب میں نے یہ حدیث سنی تو اس چیز کو ناممکن خیال کیا اور امام سے پہلے سر اٹھا لیا پس میرا چہرہ ویسا ہو گیا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔

(ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ) میرے خیال میں ان کے مسخ کی وجہ مسخ کو ناممکن سمجھنا ہے۔ ورنہ لوگ تو اپنے امام کی مخالفت کرتے ہی رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک بہت سخت وعید ہے اس کی حقیقت برزخ یا جہنم میں ظاہر ہو گی۔ یہ بھی ممکن ہے مسخ عدم خشیت کے ساتھ متعلق ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الفصل الثانی:

جو آدمی نماز کے لئے آئے اور آتے ہی جماعت میں شریک ہو جائے

۱۱۴۲: وَعَنْ عَلِيٍّ وَمُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰى اَحَدُكُمُ الصَّلٰوةَ وَالْاِمَامُ عَلٰى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْاِمَامُ (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/ ۴۸۵ حدیث رقم ۵۹۱۔

ترجمہ: حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی نماز پڑھنے کے لئے آئے تو امام جس حالت میں ہو اور جو کچھ کر رہا ہو یہی کچھ یہ مقتدی کرے۔ (ترمذی) اور کہا ہے یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: ''اذا أتی احدکم الصلاۃ'' ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی جب نماز کی نیت کرے اور تکبیر تحریمہ کہے۔

''فلیصنع کما یصنع الامام'' ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امام جس حال میں بھی ہو اس کی موافقت کرنی چاہیے۔ اگر وہ رکوع میں ہو تو اسے بھی رکوع میں چلے جانا چاہیے اگر سجدہ میں ہو تو اسے بھی سجدہ میں چلے جانا چاہیے عام لوگوں کے عمل کی طرح امام کے قیام میں واپس آنے کا انتظار نہ کرے۔

''رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب'' امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے تاہم عطاء کا اس حدیث پر عمل ہے اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی اسناد ضعیف ہیں لیکن جس حدیث پر عطاء کا عمل ہوتا تھا اسے امام ترمذی صحیح قرار دیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ حدیث کی صحت علماء کے عمل سے ثابت ہو جائے جیسا کہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث پہنچی کہ جو شخص لا الہ الا اللہ ستر ہزار مرتبہ پڑھے تو اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ اسی طرح جس شخص کیلئے پڑھا جائے اس کی بھی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ میں اس کلمہ کو روایت کردہ عدد کے مطابق خاص طور پر کسی کی نیت کئے بغیر پڑھا کرتا تھا، اتفاق سے ایک دن میں ایک جگہ دعوت میں گیا، میرے کچھ ساتھی بھی ساتھ تھے، ان میں ایک نوجوان بھی تھا جو کشف کے بارے میں بہت مشہور تھا۔ کھانے کے دوران اچانک وہ رونے لگا۔ میں نے حیرت زدہ ہو کر اس سے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ میں کشف کے ذریعہ دیکھ رہا ہوں کی میری ماں عذاب میں مبتلا ہے، یہ سنتے ہی میں نے کلمہ مذکورہ کا ثواب دل ہی دل میں اس کی ماں کیلئے بخش دیا اب وہ ہنسنے لگا اور کہا کہ اب میں اپنی ماں کو جنت میں دیکھ رہا ہوں۔

اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس شخص کے کشف کے صحیح ہونے سے میں نے اس حدیث کو صحیح جانا اور اس حدیث کے صحیح ہونے سے اس شخص کے کشف کو صحیح مانا۔

سجدہ میں شرکت سے رکعت نہیں ہوتی

۱۱۴۳: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جِئْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ وَنَحْنُ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْهُ شَيْئًا وَمَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلَاةَ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۱/۵۵۳ حديث رقم ۸۹۳۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے آؤ اور ہم لوگ سجدے کی حالت میں ہوں تو تم بھی سجدہ میں چلے جاؤ اور اس سجدہ کو کسی حساب میں شمار نہ کرو جس شخص نے امام کے ساتھ رکوع کو پالیا تو اس نے پوری رکعت کو پالیا۔ (ابوداؤد)

تشریح: ''ونحن سجود'' سجود، ساجد کی جمع ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے السجود کو معنی مصدری پر محمول کیا ہے۔

''فقد ادراك الصلاة'' اس کے معنی میں مختلف قول ہیں:

① اس نے رکعت کو پالیا۔

② جماعت کی نماز کے ثواب کو پالیا۔

③ ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جمعہ کی نماز ہے۔ وگرنہ دوسری نمازوں میں نماز کا ایک جز پالینے سے بھی جماعت کا ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جماعت کی نماز کا ثواب پوری ایک رکعت کے بغیر حاصل نہیں ہوگا۔ خواہ جمعہ کی نماز ہو یا کوئی دوسری نماز۔

''رواہ أبو داؤد'' میرک فرماتے ہیں، اس کی اسناد میں یحییٰ بن ابی سلیمان المدینی ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔ امام بخاری نے اسے منکر الحدیث اور ابوحاتم نے اسے مضطرب کہا ہے۔ امام حاکم نے بھی اسے روایت کیا ہے اور حدیث کو صحیح اور یحییٰ کو ثقہ قرار دیا ہے۔

محدث فقہاء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ رکوع کے پالینے سے رکعت حاصل نہیں ہوتی کیونکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جسے رکوع ملا وہ رکوع کرلے اور رکعت کو لوٹائے۔ لیکن یہ قول اجماع امت کے خلاف ہے اور اس حدیث کو جمہور علماء نے صحیح قرار نہیں دیا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تمام علماء کا اس قول کی تردید پر اتفاق ہے لہٰذا اسے خاطر میں نہ لایا جائے گا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام میں رکوع پالینے کی صورت میں رکعت پالینے کے قائل وہ حضرات تھے جو قراءت خلف الامام کے قائل نہ تھے، جو حضرات قراءت خلف الامام کے قائل تھے وہ رکوع پالینے سے رکعت کے پالینے کے قائل نہ تھے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اس قول کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ سے اس سلسلہ میں دو قول ملتے ہیں ان کے ایک قول کی بنیاد پر بعد کے علماء کا اسی پر اجماع ہوا کہ اگر رکوع مل جائے تو رکعت مل جائے گی۔

مسلسل چالیس روز تک تکبیر اولیٰ میں شامل ہونے کا ثواب

۱۱۴۴: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِيْ جَمَاعَةٍ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی چالیس روز تک اللہ کی رضا کے لئے جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھے کہ وہ تکبیر اولیٰ کو پالے اس کے لئے دو قسم کی نجات لکھ دی جاتی ہے ایک جہنم کی آگ سے دوم نفاق سے۔ (ترمذی)

تشریح: ''التکبیرۃ الاولی'' ظاہر طور پر امام کے ساتھ کہی جانے والی تکبیر تحریمہ مراد ہے لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ رکوع میں ملتے وقت مقتدی کی تکبیر تحریمہ مراد ہے۔ پس اس سے مراد جماعت کے ساتھ پوری نماز کو پڑھنا ہے اور نماز پہلی رکعت کے پالینے سے پوری ہو جائے گی۔

''براءۃ من النفاق'' نفاق سے بری ہونے کا مطلب یہ ہے دنیا میں اسے منافقین کے عمل سے نجات ملے گی اور اخلاق والا عمل نصیب ہوگا اور آخرت میں اسے منافقین کو ہونے والے عذاب سے محفوظ رکھیں گے اور اس کے بارے میں یہ اعلان ہوگا کہ یہ منافق نہیں ہے۔

چالیس دن کی تعین میں سالکین کیلئے ایک راز پوشیدہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سید المرسلین کی سنت میں بیان کیا گیا ہے ایک حدیث میں آتا ہے جو شخص چالیس دن تک اللہ کیلئے اخلاص کے ساتھ عمل کرے گا تو اس کے دل سے حکمت کے چشمے اس کی زبان پر جاری ہوں گے، گویا کہ اس مقدار کو کسی بھی عمل کے اندر کمال حاصل کرنے میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔

''رواہ الترمذی'' یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی نقل کی گئی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسی روایات موقوف بھی ہوں تو مرفوع کے درجہ میں ہوتی ہیں۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سند منقطع سے نقل کیا اس کے باوجود فضائل اعمال میں ایسی روایات پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

یہی مضمون ایک اور روایت میں بھی وارد ہوا ہے کہ ہر چیز کا ایک کمال ہوتا ہے اور نماز کا کمال تکبیر اولیٰ ہے پس تم اس کی حفاظت کرو۔

انہی روایات کی بنا پر تکبیر اولیٰ کو سنت قرار دیا گیا ہے، اسلاف کا معمول یہ تھا کہ جب ان کی تکبیر اولیٰ فوت ہو جاتی ہو تو تین دن تک افسوس کرتے اور جب جماعت کی نماز فوت ہو جاتی تو سات دن تک افسوس کرتے۔ گویا کہ ان سے کبھی جمعہ فوت نہیں ہوا ورنہ ستر دن تک اس کا افسوس کرتے۔

جماعت میں شرکت کے ارادہ سے نکلنے والے کو اجر مل جاتا ہے

۱۱۴۵: وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ رَاحَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا اَعْطَاهُ اللّٰهُ مِثْلَ اَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَرَهَا لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا۔

(رواہ ابوداود والنسائی)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۳۸۱/۱ حديث رقم ۵۶۴ والنسائي ۱۱۱/۲ حديث رقم ۸۵۵۔ وأحمد في المسند

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲/ ۳۸۰۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی انسان نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا اور پھر مسجد میں گیا وہاں دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے جماعت میں حاضر ہونے والے کے ثواب کی طرح ثواب دے گا۔ اس سے دوسروں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: ''ثم راح'' یعنی اچھی طرح وضو کر کے کسی بھی وقت مسجد کی طرف گیا۔ نبی کریمؐ نے لفظ غدا کے بجائے لفظ راح استعمال کر کے ایک خاص نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

''فوجد الناس قد صلوا'' اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اصل لوگ تو نمازی ہی ہیں باقی سب تو نسناس ہیں۔

''وحضرها'' بعض نسخوں میں مخضرھا ہے جو کہ درست نہیں۔

''لا ینقص ذلك من اجورھم شیئاً'' علامہ مظہر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ثواب تب ملے گا جب یہ تاخیر کسی سستی یا کوتاہی کی وجہ سے نہ ہوئی ہو۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ یہ ثواب ملنے کی دو وجہیں ہیں:

① مومن کی نیت اس کے عمل سے بڑھ کر ہے۔ ② جماعت کے فوت ہونے پر اس کو جو افسوس ہوا اس پر ثواب ملے گا۔

تحقیق شدہ قول یہ ہے کہ اصل ثواب نیت پر ملے گا اور افسوس پر الگ ثواب ہوگا۔

جماعت پالینے کا اجر

۱۱۴۶: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ وَقَدْ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلَا رَجُلٌ یَتَصَدَّقُ عَلٰی هٰذا فَیُصَلِّیْ مَعَهٗ فَقَامَ رَجُلٌ فَصَلّٰی مَعَهٗ۔ (رواہ الترمذی و ابو داود)

أخرجه الترمذي في السنن ۲/ ۷ حدیث رقم ۲۴۱۔

ترجمه: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی آیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اللہ کی راہ میں اس کو صدقہ دے دے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے چنانچہ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے اس کے ساتھ نماز پڑھی۔ (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: ''جاء رجل وقد صلی رسول اللہ ﷺ'' ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عصر کی نماز تھی، ہمیں چونکہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملا اسلئے یہ ہمارے اس مذہب کے منافی نہیں کہ صبح اور عصر کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ حدیث عصر، فجر اور مغرب کے علاوہ پر محمول ہوگی، کیونکہ ان تینوں کو نفل نہیں بنایا جا سکتا اور اسے اعادہ پر بھی محمول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ مکروہ ہے۔

''یتصدق علی ھذا الرجل فیصلی معه؟'' یعنی کوئی شخص نہیں جو اس کے ساتھ اس طور پر احسان کرے کہ اس کے ساتھ جماعت کی نماز پڑھے تاکہ اسے جماعت کا ثواب حاصل ہو جائے۔ اس طرح وہ شخص گویا کہ صدقہ دے رہا ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کسی کو نیکی کا راستہ دکھانا یا نیکی کی ترغیب دینا صدقہ ہے۔

مظہر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس عمل کو صدقہ سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ یہ آدمی اس پر ستائیس درجہ ثواب کو صدقہ کر رہا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ اگر یہ آدمی اکیلا نماز پڑھتا تو اسے ایک نماز کا ثواب ملتا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''ألا رجل يتصدق على هذا فيصلي معه'' عربوں کے قول ''ألا تنزل بنا فتصيب خيرًا'' کی طرح ہے اور فيصلي، ألا رجل کا جواب ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

اس کی ترکیب میں ایک قول یہ بھی ہے کہ ہمزہ استفہام کیلئے لیس کے معنی میں نہیں ہے اس صورت میں فیصلی خبر پر عطف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا، یہ صورت زیادہ بہتر ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ استفہام کا جواب ہونے کی وجہ سے منصوب ہو جیسے ''هل عندك ماء فاشربه'' ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔

اس کا رفع بھی درست ہے اس میں يتصدق پر اس کا عطف ہوگا جو کہ لا بمعنی لیس کی خبر ہے۔

''فقام رجلٌ'' ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے سنن بیہقی کے حوالہ سے کہا ہے کہ یہ آدمی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔

''فصلي معه'' علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص نے جماعت سے نماز پڑھ لی ہو اس کیلئے امام یا مقتدی بن کر دوسری مرتبہ جماعت سے نماز پڑھنا جائز ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ نماز لوٹانے والے کا امام بننا اس حدیث سے بالکل معلوم نہیں ہوتا، نیز یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں صحابہ کرام کے کسی عمل کو متفق علیہ معاملہ پر محمول کرنا مختلف فیہ معاملہ پر محمول کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

(ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) ان تینوں احادیث کو باب فضیلۃ الجماعۃ میں لانا زیادہ مناسب تھا۔

الفصل الثالث:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امامت کرائی

۱۱۴۷: وَعَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَقُلْتُ اَلَا تُحَدِّثِيْنِيْ عَنْ مَرَضِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ بَلٰى ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَصَلَّى النَّاسُ فَقُلْنَا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَهُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ فَقَالَ ضَعُوْا لِيْ مَاءً فِي الْمِخْضَبِ قَالَتْ فَفَعَلْنَا فَاغْتَسَلَ فَذَهَبَ لِيَنُوْءَ فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَاهُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ضَعُوْا لِيْ مَاءً فِي الْمِخْضَبِ قَالَتْ فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوْءَ فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَا هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ضَعُوْالِيْ مَاءً فِي الْمِخْضَبِ فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوْءَ فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَاهُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالنَّاسُ عُكُوْفٌ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُوْنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَلَاةِ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ فَاَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ بِاَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَاَتَاهُ الرَّسُوْلُ فَقَالَ اِنَّ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُكَ اَنْ تُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ وَكَانَ رَجُلًا رَقِيْقًا يَاعُمَرُ صَلِّ بِالنَّاسِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ اَنْتَ اَحَقُّ بِذٰلِكَ فَصَلّٰى اَبُوْبَكْرٍ تِلْكَ الْاَيَّامَ ثُمَّ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ فِيْ نَفْسِهٖ خِفَّةً وَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ اَحَدُهُمَا الْعَبَّاسُ لِصَلَاةِ الظُّهْرِ وَاَبُوْبَكْرٍ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ فَلَمَّا رَاٰهُ اَبُوْبَكْرٍ ذَهَبَ لِيَتَاَخَّرَ فَاَوْمَا اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَنْ لَّا يَتَاَخَّرَ قَالَ اَجْلِسَانِيْ اِلٰى جَنْبِهٖ فَاَجْلَسَاهُ اِلٰى جَنْبِ اَبِيْ بَكْرٍ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ وَقَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لَهٗ اَلَا اَعْرِضُ عَلَيْكَ مَاحَدَّثَتْنِيْ عَائِشَةُ عَنْ مَرَضِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَاتِ فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَدِيْثَهَا فَمَا اَنْكَرَ مِنْهُ شَيْئًا غَيْرَ اَنَّهٗ قَالَ اَسَمَّتْ لَكَ الرَّجُلَ الَّذِيْ كَانَ مَعَ الْعَبَّاسِ قُلْتُ لَا قَالَ هُوَعَلِيٌّ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۷۲/۲ حدیث رقم ۶۸۷۔ومسلم فی صحیحه، ۳۱۱/۱ حدیث رقم ۹۰/ ۴۱۸۔ والنسائی فی السنن ۱۰۱/۲ حدیث رقم ۸۳۴۔

ترجمہ: حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے بارے میں مجھے کچھ بتائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا آپ کو میں ضرور بتاؤں گی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو نماز کے وقت آپ نے پوچھا کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟ ہم نے عرض کیا ابھی نہیں پڑھی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے لئے برتن میں پانی رکھو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے ایک برتن میں پانی رکھ دیا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا اور ارادہ کیا کہ کھڑے ہوں مگر آپ پر غشی طاری ہوگئی اور بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو پھر فرمایا کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟ ہم نے عرض کیا ابھی نہیں پڑھی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا برتن میں پانی رکھو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم نے عرض کیا کہ پانی رکھ دیا گیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا اور کھڑا ہونے کا ارادہ کیا مگر بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو پھر دریافت کیا کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟ ہم نے عرض کیا ابھی نہیں پڑھی لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا برتن میں پانی رکھو جب ہم نے پانی رکھ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے اور غسل کیا پھر جب اٹھنا چاہا تو بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو پوچھا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ کے انتظار میں ہیں اور لوگ مسجد میں عشاء کی نماز کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں چنانچہ قاصد ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے آپ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نرم دل آدمی تھے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا اے عمر تم ان لوگوں کو نماز پڑھا دو لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس عظیم الشان کام کے لئے سب سے زیادہ اہل آپ ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دنوں میں لوگوں کو سترہ نمازیں پڑھائیں۔ اس کے بعد ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیماری میں کچھ تخفیف محسوس کی تو دو آدمیوں کا سہارا لے کر نماز ظہر کے لئے مسجد میں تشریف لائے ان سہارا دینے والوں میں ایک حضرت عباسؓ تھے۔ اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے جب انہوں نے آپ کی تشریف آوری کی آہٹ محسوس کی تو پیچھے ہٹنے کا ارادہ فرمایا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہ ہٹنے کا اشارہ کیا اور سہارا دینے والوں کو فرمایا مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بٹھا دو۔ انہوں نے آپؐ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بائیں پہلو میں بٹھا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھانے لگے۔ حضرت عبیداللہ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث سنی اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا اور ان سے عرض کیا کیا میں آپ کے سامنے وہ حدیث بیان نہ کروں جو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے بارے میں سنی ہے؟ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہاں بیان کرو میں نے پھر ان کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بیان کی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس میں سے کسی بات کا انکار نہیں کیا البتہ یہ کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تم کو اس شخص کا نام بتایا جو حضرت عباسؓ کے ساتھ آپ کو سہارا دینے والے تھے۔ میں نے کہا نہیں تو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ حضرت علیؓ تھے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: ''**عن عبيد الله بن عبد الله**'' یہ عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں، ابن الہمام رحمہ اللہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ ابن عمرو ہیں۔ یہ قول درست نہیں۔ صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ یہ کبار تابعین میں سے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

''**عن مرض رسول الله ﷺ**'' مرض سے مرض الموت ہے۔

''**وهم ينتظرونك**'' یعنی لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے یا حکم کا انتظار کر رہے تھے۔

''**فأغمى عليه**'' اعضاء کے فتور اور ضعف کی شدت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے ہوشی طاری ہو گئی تھی۔ اس میں حکمت انبیاء کے اجر میں اضافہ اور لوگوں کو صبر آزما حالات میں تسلی دینا ہے کہ انبیاء پر ایسے سخت حالات آسکتے ہیں عام لوگوں کا کیا کہنا؟ ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جب انبیاء کے ہاتھ پر معجزات کا ظہور ہوتا رہے تو کہیں وہ فتنے کا شکار نہ ہو جائیں۔ اس لئے انہیں تکلیف دہ حالات سے گزارا جاتا ہے۔

''**فقعد فاغتسل**'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بے ہوشی کے بعد غسل کرنا مستحب ہے۔ جتنی مرتبہ بے ہوشی ہوتی ہے اتنی ہی مرتبہ غسل کرنا مستحب ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ غسل ٹھنڈک کے حصول اور اعمال پر تقویت حاصل کرنے کیلئے ہو۔

''**فأغمى عليه ثم افاق**'' یہ بے ہوشی اور افاقہ تین مرتبہ ہوا تھا، قاضی حسین نے نقل کیا ہے کہ انبیاء پر بے ہوشی کا طاری ہونا صرف ایک یا دو ساعت کیلئے ہوتا ہے، ایک دو مہینے تک بے ہوشی کا قرار انبیاء علیہم السلام پر ممکن نہیں ہے۔

''**هم ينتظرونك يا رسول الله ﷺ!**'' اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پوری طرح اپنی امت کے ساتھ نماز پڑھنے کی چاہت رکھتے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''الصلاۃ العشاء الآخرۃ''یوں تو صحابہ کرام ہر نماز میں نبی کریم ﷺ کا انتظار فرمایا کرتے تھے لیکن اس واقعہ میں جس نماز کا ذکر ہے وہ عشاء کی نماز ہے۔

''فأتاہ الرسول''یعنی نبی کریم ﷺ کے قاصد، حضرت بلال مؤذن رضی اللہ عنہ۔

''رقیقًا''یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نرم دل والے ہیں حضور ﷺ کی جگہ کھڑے ہونے کی طاقت نہ رکھیں گے۔ یا یہ کہ وہ رحیم لطیف متواضع اور خلیق انسان ہیں۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت ''مھینا لینا ضعیفًا'' کے الفاظ سے کی ہے۔ ایک روایت میں أسیف کا لفظ آیا ہے اس سے بھی مراد رقیق القلب ہی ہے۔

''یا عمر! صل بالناس''گویا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قرائن سے معلوم ہو گیا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے کسی کو معین نہیں میا اس لئے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا کہا۔ یا پھر تواضع اور دوسرے کو اجازت دینے کے جواز کی بنا پر ایسا کیا۔ نیز وہ جانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھانا ان کے رقیق دل کے بس کی بات نہیں جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مضبوط دل والے ہیں۔

''انت احق بذلك''یعنی نفس الامر میں زیادہ حق دار ہیں یا اختصاص کی وجہ ہے۔

''فصلی ابو بکر تلك الایام''یعنی حضور ﷺ کے ایام مرض میں سترہ نمازیں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پڑھائیں۔

''شیئًا''مصدر ہے یعنی ما أنکر شیئًا من الانکار۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے مفعول کے مطلق قرار دیا ہے۔ راجح یہ ہے کہ یہ مفعول بہ ہے۔ یعنی ما انکر شیئا من الاشیاء۔

''اسمّت لك الرجل الذی کان مع العباس''بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حضرت عائشہ نے حضرت عباسؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کا نام اس لئے نہیں لیا کہ ان کے دل میں حضرت علیؓ کے بارے میں کچھ ناراضگی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی کے بغض کی وجہ سے ایسا نہیں کیا بلکہ اس کی مختلف وجوہ تھیں۔

① دوسرے شخص کا نام بھول سے رہ گیا۔

② وقتی طور پر ذہن سے خطا ہو گیا۔

③ دوسرے شخص کا نام متعین نہیں، بعض نے حضرت اسامہ کا نام لیا ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے یہ خیال کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت علیؓ کا نام اس لئے نہیں لیا کہ واقعہ افک میں انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا تھا۔ ''عائشہؓ کے علاوہ اور بھی بہت سی عورتیں ہیں''۔ لیکن اس بات سے اتفاق نہیں ہو سکتا کیونکہ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کا نام لیا تھا البتہ اس روایت میں مبہم رکھا کیونکہ روایات میں آیا ہے کہ حضرت عباس کے ساتھ کبھی ان کے بیٹے تھے، کبھی اسامہ اور کبھی علی رضی اللہ عنہم تھے۔ اس لئے انہوں نے کسی ایک کی تعیین نہیں کی۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بحیثیت امام نماز ادا کی تھی، جبکہ ترمذی، نسائی اور بیہقی کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی تھی۔ اس تعارض کا حل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے ہفتہ یا اتوار کے دن ظہر کی نماز بطور امام کے پڑھائی تھی، جبکہ پیر کے دن فجر کی نماز آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں پڑھی تھی۔ (اس واقعہ میں مختلف محدثین نے مختلف روایات نقل کی ہیں جو اس واقعہ کی جزئی تفصیلات سے آگاہ کرتی ہیں)۔

امام شافعی نے اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ بعض صحابہ کرام سے منقول ہے کہ جب انہوں نے کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائی تو لوگوں کو بھی بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ ان حضرات کا یہ عمل نسخ کا علم نہ ہونے پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ خاص واقعات کا علم ہر ایک کو نہیں ہوتا۔

سورۂ فاتحہ کے ترک سے خیر کثیر سے محروم ہیں

۱۱۴۸: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ اَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ اَدْرَكَ السَّجْدَةَ وَمَنْ فَاتَتْهُ قِرَاءَةُ اُمِّ الْقُرْاٰنِ فَقَدْ فَاتَهٗ خَيْرٌ كَثِيْرٌ۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك في الموطأ ۱/۱۱ حديث رقم ۱۸ من كتاب وقوت الصلاة۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس انسان نے رکوع کو پالیا اس نے پوری رکعت پالی اور جس آدمی نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی یعنی سورۂ فاتحہ کی قراءت فوت ہوگئی تو وہ خیر کثیر سے محروم ہوگیا۔ (مالک)

تشریح: ''وعن أبی هريرة، أنه كان يقول'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہوسکتا ہے یقول کی ضمیر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹ رہی ہو اس صورت میں یہ حدیث موقوف ہوگی۔

میرا خیال ہے کہ بظاہر یہ موقوف ہی ہے اور مرفوع ہونے کا احتمال بعید ہے لیکن اس قسم کی موقوف احادیث بھی مرفوع کے حکم میں ہوتی ہیں۔ ''الركعة'' سے مراد رکوع ہے۔ ''السجدة'' سے مراد رکعت یا جماعت کی نماز کا ثواب ہے۔

''فقد فاته خير كثير'' کیونکہ سورۃ الفاتحہ قرآن مجید کی اصل ہے، پس جس کی سورۂ فاتحہ رہ گئی اس کی نماز کا ثواب ناقص ہے۔ ایک حدیث سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس شخص کو امام کے ساتھ رکوع مل گیا لیکن سورۂ فاتحہ کی قراءت رہ گئی وہ بہت بڑے ثواب سے محروم ہوگیا۔ ابن حجر کی بھی یہی رائے ہے۔ البتہ یہ بات اس صورت میں لاگو ہوگی۔ جب یہ تاخیر سستی تقصیر یا سستی کی وجہ سے ہو۔ یہ حکم ہر اس عمل کے بارے میں ہے جو مقتدی سے فوت ہوجائے۔

امام سے سبقت کرنے والے کے لئے وعید

۱۱۴۹: وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ الَّذِیْ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ وَيَخْفِضُهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ فَاِنَّمَا نَاصِيَتُهٗ بِيَدِ الشَّيْطَانِ۔

(رواه مالك)

أخرجه مالك في الموطأ ۱/۹۲ حديث رقم ۵۷ من كتاب وقوت الصلاة۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو انسان اپنے سر کو امام سے پہلے اٹھائے یا جھکائے تو سمجھ لو کہ اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے۔ (مالک)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح: "الذی یرفع راسه ویخفضه" یعنی رکوع وسجدہ سے سر اٹھاتا ہو یا جھکاتا ہو۔
"ناصیته بید الشیطان" حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اور مجازی بھی اس طرح کہ شیطان کا اس پر تصرف ہے اور وہ شیطان کی اتباع کرتا ہے۔

بَابُ مَنْ صَلَّی الصَّلٰوۃَ مَرَّتَیْنِ

دو مرتبہ نماز پڑھنے والے کا بیان

خواہ حقیقۃً پڑھتا ہے یا صورۃً۔

الفصل الاول:

ایک نماز کو دو مرتبہ پڑھنا

۱۱۵۰: وَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بِهِمْ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۹۲/۲ حديث رقم ۷۰۰۔ ومسلم ۳۳۹/۱ حديث رقم (۱۸۸۔۴٦٥) وأبوداوٗد في السنن ۵۰۰/۱ حديث رقم ۷۹۰۔ والنسائي ۱۷۲/۲ حديث رقم ۹۹۷۔ وابن ماجه ۲۷۳/۱ حديث رقم ۸۳٦۔ والدارمي ۳۳۷/۱ حديث رقم ۱۲۹٦۔ وأحمد في المسند ۳۰۸/۳۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ پہلے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے پھر اپنی قوم کے ساتھ آکر نماز پڑھتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: حضرت معاذ بن جبلؓ کا یہ معمول تھا کہ وہ عشاء کی سنتیں یا نفل حضور ﷺ کے ساتھ پڑھتے تھے تاکہ حضور ﷺ کے ہمراہ اور مسجد نبوی کی فضیلت وسعادت حاصل ہو جائے اور نماز کے آداب بھی سیکھ لیں، پھر اپنی قوم میں آکر لوگوں کو فرض پڑھایا کرتے تھے۔ حدیث کی مذکورہ تشریح پر سب کا اتفاق ہے۔

قاضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں نماز کو جماعت کے ساتھ دوبارہ پڑھنے کے جواز کی دلیل موجود ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس بات کی کوئی دلیل موجود نہیں کہ انہوں نے دونوں نمازوں میں عشاء کے فرض کی نیت کی تھی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مطلقاً اس کے جواز کے قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف ظہر اور عشاء کا اعادہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ظہر اور عشاء کا اعادہ نفلی طور پر ہو سکتا ہے۔ فجر اور عصر کا اس لئے نہیں ہو سکتا کہ ان دونوں نمازوں کے بعد نفل پڑھنا جائز نہیں، باقی مغرب میں چونکہ تین رکعتیں ہیں اور نفل تو دو ہوتے ہیں۔ اگر چار رکعات پڑھ لے تو امام کی مخالفت لازم آئے گی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے نماز جماعت سے پڑھی ہے تو اس کا اعادہ نہ کرے اور اگر اس نے اکیلے پڑھی ہے تو پھر جماعت کے ساتھ اعادہ کرے لیکن مغرب کا اعادہ نہ کرے۔

ان حضرات کا کہنا ہے کہ چونکہ نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے۔ اس لئے حضرت معاذؓ کی دوسری نماز

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو نفل کہا جائے گا۔

(متفق علیہ) ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلم کے الفاظ یہ ہیں: ''فیصلی بھم الصلاۃ''۔

جبکہ بخاری میں یہ الفاظ ہیں: ''فیصلی بھم الصلاۃ المکتوبۃ''۔

لیکن اس سے بھی ان کا مدعیٰ ثابت نہیں ہوتا۔

۱۱۵۱: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذٌ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلٰى قَوْمِهٖ فَيُصَلِّيْ بِهِمُ الْعِشَاءَ وَهِيَ لَهٗ نَافِلَةٌ۔ (رواه البيهقي والبخاري)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۹۲/۲ حديث رقم ۷۰۱۔ ومسلم في صحيحه ۳۴۰/۱ حديث رقم (۱۸۰۔۴۶۵)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے تھے اس کے بعد اپنی قوم کی طرف جاتے اور ان کو بھی عشاء کی نماز پڑھاتے اور وہ نماز حضرت معاذؓ کے لئے نفل ہوتی۔ (بیہقی، بخاری)

تشریح: ''وھی لہ نافلۃ'' اس جملہ کے دو معنی ہیں:

① ان کا یہ عمل یعنی دو مرتبہ نماز پڑھنا ان کے لئے نفل یعنی ثواب کا کام ہے۔

② پہلی نماز ان کیلئے نفل ہے۔

جن حضرات نے یہ کہا کہ وہ دوسری نماز نفل کی نیت سے پڑھتے تھے اور لوگ ان کے پیچھے فرض کی نیت کرتے تھے تو یہ ایک ایسا قول ہے جس کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ نیت کا تعلق تو دل کے ساتھ ہے۔ نیز ابن الہمام نے لکھا ہے کہ زبان سے نیت کرنا بدعت ہے، زبان سے نیت کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے منقول نہیں۔

(رواہ......) مصنف نے یہاں بیاض چھوڑی ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مصنف نے اس کے روایت کرنے والے کو اصحاب سنن میں سے بیان نہیں کیا۔

الفصل الثانی:

فرض نماز پڑھنے کے بعد دوبارہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم

۱۱۵۲: عَنْ يَزِيْدَ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ شَهِدْتُّ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّتَهٗ فَصَلَّيْتُ مَعَهٗ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِيْ مَسْجِدِ الْخَيْفِ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهٗ وَانْحَرَفَ فَاِذَا هُوَ بِرَجُلَيْنِ فِيْ اٰخِرِ الْقَوْمِ لَمْ يُصَلِّيَا مَعَهٗ قَالَ عَلَيَّ بِهِمَا فَجِيْءَ بِهِمَا تَرْعَدُ فَرَائِصُهُمَا فَقَالَ مَا مَنَعَكُمَا اَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا فَقَالَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا قَدْ صَلَّيْنَا فِيْ رِحَالِنَا قَالَ فَلَا تَفْعَلَا اِذَا صَلَّيْتُمَا فِيْ رِحَالِكُمَا ثُمَّ اَتَيْتُمَا مَسْجِدَ جَمَاعَةٍ فَصَلِّيَا مَعَهُمْ فَاِنَّهَا لَكُمَا نَافِلَةٌ۔ (رواه الترمذي وابوداود والنسائي)

أخرجه أبوداود في السنن ۳۸۶/۱ حديث رقم ۵۷۵۔ والترمذي ۴۲۴/۱ حديث رقم ۲۱۹۔ والنسائي ۱۱۲/۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث رقم ۸۵۸۔والدارمی ۱/ ۳۶۶ حدیث رقم ۱۳٦۷۔وأحمد فی المسند ٤/ ۱٦۰۔

ترجمہ: حضرت یزید بن اسود سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک تھا چنانچہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد خیف میں فجر کی نماز پڑھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو دیکھا دو آدمی لوگوں کے آخر میں بیٹھے ہوئے ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں کو میرے پاس لے آؤ' وہ دونوں آپ کی خدمت میں لائے گئے اوران کے کندھوں کا گوشت کانپ رہا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا تمہیں ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم اپنے ٹھہرنے کی جگہ نماز پڑھ آئے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا اگر تم اپنے مقام پر نماز پڑھ چکے ہو اور اس کے بعد مسجد میں آؤ جہاں جماعت ہورہی ہو تو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو کہ یہ نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی۔(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

راوئ حدیث:

یزید بن الاسود۔ یہ یزید' اسود کے بیٹے ہیں اور باعتبار خاندان سوائی ہیں۔ان سے ان کے بیٹے" جابر رضی اللہ عنہ " نے روایت کی۔ ان کا شمار اہل طائف میں ہوتا ہے۔اوران کی حدیث اہل کوفہ کے یہاں پائی جاتی ہے۔"سوائی" میں سین مہملہ مضموم' واو بلا تشدید اور الف ممدودہ ہے۔

تشریح:"مع النبی ﷺ حجتہ" یعنی حجۃ الوداع میں۔

"فی مسجد الخیف" مسجد خیف کی وجہ تسمیہ کے بارے میں علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔خیف ایسی جگہ کو کہتے ہیں جو پہاڑی ٹیلوں سے نیچے ہو اور سیلاب وغیرہ سے بھی محفوظ ہو،یہ مسجد ایک ایسی ہی جگہ واقع ہے۔

"وانحرف" ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں جانب کو مقتدیوں کی طرف اور بائیں جانب کو قبلہ کی طرف کیا جیسا کہ سنت ہے۔

"علی بھما" یہ اسم فعل ہے بمعنی ان دونوں کو میرے پاس لاؤ۔علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علی فعل محذوف کا متعلق ہے اور بھما حال ہے،اصل عبارت یہ ہوگی۔"أقبلا علیّ وأتیا بھما"۔یا علیّ اسم فعل ہے اور بھما اسی کے ساتھ متعلق ہے۔

"فرائصھما" فرائص، فریصۃ کی جمع ہے،اس سے مراد وہ گوشت ہے جو جانور کے پہلو اور شانے کے درمیان ہوتا ہے اور خوف کے وقت کانپنے لگتا ہے۔مطلب یہ کہ وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈر رہے تھے۔

ابن حجر کا یہ کہنا کہ فرائص،فریصۃ کی تثنیہ ہے،بالکل وہم ہے،البتہ اس سے تثنیہ مراد ہوسکتا ہے۔لفظی تثنیہ اس لئے نہیں لایا گیا کہ اس طرح دو تثنیہ کا اجتماع ہوجاتا جنہیں ان کے امتزاج کی وجہ سے ایک ہی کلمہ شمار کیا گیا ہے،اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

"فقد صغت قلوبکما"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

البتہ زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ حقیقت میں یہاں مراد بھی جمع ہی ہے کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک کے دو دو فریصہ تھے۔
''ان تصليا معنا؟''یعنی مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ۔
''فانها لكما نافلة''یعنی آخر میں پڑھی جانے والی نماز نفل ہو جائے گی خواہ پہلی نماز جماعت سے پڑھی ہو یا تنہا پڑھی ہو۔

ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الفصل الثّالث:

جو آدمی نماز پہلے پڑھ چکا ہو وہ دوبارہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لے

۱۱۵۳: عَنْ بُسْرِ بْنِ مِحْجَنٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ كَانَ فِيْ مَجْلِسٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاُذِّنَ بِالصَّلَاةِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى وَ رَجَعَ وَمِحْجَنٌ فِيْ مَجْلِسِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَنَعَكَ اَنْ تُصَلِّيَ مَعَ النَّاسِ اَلَسْتَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ فَقَالَ بَلٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَلٰكِنِّيْ كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ فِيْ اَهْلِيْ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جِئْتَ الْمَسْجِدَ وَكُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ فَاُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلِّ مَعَ النَّاسِ وَاِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ۔

(رواه مالك والنسائى)

أخرجه النسائى فى السنن ۲/۱۱۲ حديث رقم ۸۵۷۔ومالك فى الموطأ ۱/۱۳۲ حديث رقم ۸ من باب صلاة الجماعة۔

ترجمہ: حضرت بسر بن محجن اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد ایک مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔نماز کے لئے اذان دی گئی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوگئے آپ جب نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو دیکھا کہ محجن اپنی جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے تمہیں کس چیز نے روکا ہے؟ کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمان ہوں لیکن میں اپنے گھر والوں کے ساتھ نماز پڑھ چکا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا جب تم مسجد میں آؤ تو باوجود اس کے کہ تم نماز پڑھ چکے ہو جب مسجد میں جماعت کھڑی ہو جائے تو لوگوں کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھ لو۔(مالک،نسائی)

راویٔ حدیث:

بسر بن محجن۔یہ ''بسر بن محجن دیلمی حجازی'' ہیں۔اپنے والد سے روایت کرتے تھے اور ابن مندہ نے ان کا نام صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذیل میں درج کیا اور کہا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کی ہے۔اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ان کو ''تابعی'' کہا ہے اور یہ ٹھیک ہے۔ان سے ''زید بن اسلم'' نے روایت کی ہے۔بسر باء کے ضمہ اور سین مہملہ کے ساتھ ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ بکسر الاول اور معجمہ کے ساتھ ہے مرتب عرض کرتا ہے علامہ طاہر پٹنی لکھتے ہیں کہ ثوری رحمۃ اللہ علیہ اس کو شین معجمہ کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ بھی بیان کرتے تھے پھر انہوں نے رجوع کر لیا۔اھ (المغنی فی ضبط اسماء الرجال ص: ۲۷) ''مِحجن'' میں میم مکسور حاء ساکن جیم مفتوح اور آخر میں نون ہے ''دیلمی'' میں دال مکسور ہے اور دو نقطوں والی یاء ساکن ہے۔

تشریح: ''عن بسر'' ''بضم وسکون ومهملة، البداية الجزوية اور التقريب میں یونہی درج ہے البتہ التقریب میں ''بکسر أوله والمعجمة'' کا قول بھی ملتا ہے، بعض حضرات نے انہیں صحابی کہا ہے لیکن ان کا تابعی ہونا راجح ہے، صاحب جامع الاصول نے انہیں حجازی قرار دیا ہے۔ مؤلف نے انہیں صدوق الروایۃ لکھا اور فرمایا کہ یہ اپنے والد سے بھی روایت کرتے ہیں۔

''ابن محجن'' بکسر المیم وفتح الجیم۔

''كان في مجلس'' یہ مجلس مسجد کے اندر تھی۔

''فأذن'' صیغۂ مجہول کے ساتھ۔

''فصل'' یعنی بطور نفل کے نہ کہ اعادہ اور قضاء کیلئے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ''وكنت قد صليت'' کا تکرار اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے:

''ثم ان ربك للذين عملوا السوء بجهالة ثم تابوا من بعد ذالك وأصلحوا ان ربك من بعدها لغفور رحيم''۔

(اس آیت میں ''ان ربك'' دو مرتبہ مذکور ہے)۔

دوسری روایات کی بنا پر اس حکم سے صبح، عصر اور مغرب کی نماز خارج ہوں گی۔

اگر گھر میں نماز پڑھ لی تو مسجد میں دوبارہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھے

۱۱۵۴: وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ اَسَدِ بْنِ خُزَيْمَةَ اَنَّهٗ سَأَلَ اَبَا اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيَّ قَالَ يُصَلِّيْ اَحَدُنَا فِيْ مَنْزِلِهِ الصَّلَاةَ ثُمَّ يَأْتِي الْمَسْجِدَ وَتُقَامُ الصَّلَاةُ فَاُصَلِّيْ مَعَهُمْ فَاَجِدُ فِيْ نَفْسِيْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اَبُوْ اَيُّوْبَ سَأَلْنَا عَنْ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَذٰلِكَ لَهٗ سَهْمُ جَمْعٍ۔ (رواه مالك وابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۳۸۸/۱ حديث رقم ۵۷۸۔ومالك في الموطأ ۱۳۳/۱ حديث رقم ۱۱ من كتاب صلاة الجماعة ۔

ترجمہ: قبیلہ اسد بن خزیمہ کے ایک آدمی سے روایت ہے کہ اس نے حضرت ابو ایوب انصاری سے سوال کیا کہ ہم میں سے کوئی آدمی اپنے گھر میں نماز پڑھ لیتا ہے پھر وہ مسجد میں آتا ہے اور وہ دیکھتا ہے وہاں جماعت سے نماز پڑھی جا رہی ہے کیا وہ آدمی ان کے ساتھ نماز پڑھ لے۔اس کے متعلق میں اپنے دل میں تردد محسوس کرتا ہوں تو حضرت ابو ایوب انصاری نے فرمایا ہم نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ دوبارہ نماز پڑھنا اس کے لئے جماعت کا حصہ ہے۔ (مالک، ابوداؤد)

تشریح: ''فاصلي معهم'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں غیبو بیت سے خطاب کی طرف التفات ہے،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ اصل میں ''یصلی احدنا'' کی جگہ ''اصلی فی منزلی'' ہونا چاہیے۔ یا پھر ''فاصلی معهم'' کی جگہ ''فیصلی معهم'' ہوتا۔ لیکن اس کلام میں التفات آیا ہے۔

''فاجد فی نفسی شبهة'' یعنی مجھے شبہ ہو جاتا ہے کہ میرا فائدہ کس چیز میں ہے اور نقصان کس میں؟۔

''سألنا عن ذلك النبی ﷺ'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوسرے ''ذلك'' کا مشارالیہ وہی ہے جو پہلے اور تیسرے مشارالیہ کا ہے۔ (لیکن ملا علی قاری رحمہ اللہ کا خیال یہ ہے کہ تیسرے ذلك کا مشارالیہ الرجل ہے) یعنی آدمی کا عمل کہ وہ اکیلے نماز پڑھنے کے بعد اسے جماعت کے ساتھ لوٹایا کرتا تھا۔

''سهم جمع'' یعنی جماعت کا ثواب۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کے قول ''فاجد فی نفسی'' کے دو معنی ہیں:

① میں اس بارے میں اپنے دل میں کشمکش پاتا ہوں کہ نا معلوم یہ عمل میرے فائدہ میں ہے یا نقصان میں اس کی وضاحت ہوگئی کہ اس میں سراسر اس کا فائدہ ہے۔

② مجھے اس عمل سے خوشی اور راحت ملتی ہے تو اسے بتایا گیا کہ اس کی یہ راحت جماعت کی نماز کا ثواب ملنے کا وجہ سے ہے۔

پہلا معنی راجح ہے۔

یہ جواب اپنی عمومیت کے ساتھ ہمارے زمانہ کی صورتحال کو بھی شامل ہے کہ ہمارے مساجد میں متعدد جماعتیں ہوتی ہیں۔ اس میں حرمین شریفین کے رہنے والے بھی مبتلا ہیں۔ بلاشبہ موافق امام کے ساتھ فرض پڑھنا اولیٰ ہے پھر جب فرض سے پہلے یا بعد میں مخالف امام کے ساتھ مکروہ اوقات کے علاوہ میں نفل پڑھے گا تو اسے دوگنا ثواب ملے گا۔

دوسری مرتبہ پڑھی ہوئی نماز نفل ہو جائے گی

۱۱۵۵: وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ جِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَجَلَسْتُ وَلَمْ اَدْخُلْ مَعَهُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰنِي جَالِسًا فَقَالَ اَلَمْ تُسْلِمْ يَا يَزِيْدُ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَسْلَمْتُ قَالَ وَمَا مَنَعَكَ اَنْ تَدْخُلَ مَعَ النَّاسِ فِي صَلَاتِهِمْ قَالَ اِنِّي كُنْتُ قَدْصَلَّيْتُ فِي مَنْزِلِي اَحْسَبُ اَنْ قَدْ صَلَّيْتُمْ فَقَالَ اِذَا جِئْتَ الصَّلَاةَ فَوَجَدْتَّ النَّاسَ يُصَلُّوْنَ فَصَلِّ مَعَهُمْ وَاِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ تَكُنْ لَكَ نَافِلَةٌ وَهٰذِهٖ مَكْتُوْبَةٌ ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ۱/۳۸۸ حديث رقم ۵۷۷۔

ترجمہ: حضرت یزید بن عامرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا اور ان لوگوں کے ساتھ نماز میں شامل نہ ہوا جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے اور مجھے ایک طرف بیٹھے ہوئے دیکھا تو فرمایا اے یزید کیا تم مسلمان نہیں ہو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

؟میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ یقیناً میں مسلمان ہوں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہونے سے تمہیں کس چیز نے منع کیا؟ میں نے عرض کیا میں اپنے گھر میں نماز پڑھ چکا تھا اور میرا یہ خیال تھا کہ آپ بھی نماز سے فارغ ہو چکے ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے آؤ اور لوگوں کو پاؤ کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں تو تم بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ اگر چہ تم اس سے پہلے نماز پڑھ چکے ہو یہ نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی اور وہ فرض ہو جائے گی۔ (ابوداؤد)

راویٔ حدیث:

یزید بن عامر۔ یہ یزید ہیں۔ عامر کے بیٹے ہیں۔ اور سوائی وحجازی ہیں۔ غزوہ حنین میں مشرکین کی جانب سے شریک ہوئے تھے۔ اس کے بعد مسلمان ہوئے۔ ان سے سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

تشریح: ''ولم ادخل معھم'' دفع وہم کیلئے یہ بات ارشاد فرمائی کہ جلست کے الفاظ مفہوم ہوتا تھا کہ بیٹھ کر اقتداء کرنی ہوگی۔

''انما کنت قد صلیت فی منزلی، أحسب أن قد صلیتم'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ حالیہ ہے یعنی میں نے گمان کرتے ہوئے نماز پڑھ لی تھی کہ آپ نماز پڑھ چکے ہوں گے۔ اس جملہ میں نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کے دو عذر بیان کئے۔ ایک یہ کہ میں نے نماز پڑھ لی ہے اور دوسرا یہ کہ اس لئے پڑھی کہ میرا خیال یہ تھا کہ نماز ہو چکی ہوگی۔

''تکن لک نافلۃً وھذہ مکتوبۃ'' بالرفع والنصب۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکیلے پڑھی گئی نماز کو نفل اور جماعت کی نماز کو فرض قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اصل نماز وہ ہے جو جماعت کے ساتھ پڑھی جائے۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہوا کہ جماعت کی نماز واجب، فرض یا شرط ہے۔

دوبارہ پڑھی جانے والی نماز کا حکم

۱۱۵۶: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلاً سَأَلَهُ فَقَالَ اِنِّیْ اُصَلِّیْ فِیْ بَیْتِیْ ثُمَّ اُدْرِكُ الصَّلَاةَ فِی الْمَسْجِدِ مَعَ الْإِمَامِ اَفَاُصَلِّیْ مَعَهُ قَالَ لَهُ نَعَمْ قَالَ الرَّجُلُ اَیَّتُهُمَا اَجْعَلُ صَلَاتِیْ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَذٰلِكَ اِلَیْكَ اِنَّمَا ذٰلِكَ اِلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ یَجْعَلُ اَیَّتَهُمَا شَاءَ۔ (رواہ مالک)

أخرجه مالك في الموطأ ١/١٣٣ حديث رقم ٩ من كتاب صلاة الجماعة۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھ لیتا ہوں پھر میں مسجد میں امام کے ساتھ نماز کو پالیتا ہوں کیا میں بھی اس امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاؤں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہاں اس کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ پھر اس آدمی نے پوچھا میں اپنی کون سی نماز کو فرض قرار دوں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ تیری ذمہ داری نہیں ہے اس کا اختیار اللہ کو ہے اس کی مرضی وہ جسے چاہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمہارے لئے فرض قرار دے۔ (مالک)

تشریح: ''أیتھما اجعل صلاتی'' یعنی ان دونوں ادا کردہ نمازوں میں سے میں کس کو فرض بناؤں۔

''قال ابن عمر و ذلك الیك'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ جواب اس صورت پر محمول ہوگا کہ اس شخص نے نماز کا اعادہ تو کرلیا لیکن نفل کیلئے کسی کی تعیین نہیں کی تھی۔ شاید حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نسخ اور اعادۂ حقیقیہ کی کراہت کا علم نہ ہوگا جیسا کہ بعض روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

''انما ذلك الی اللہ عزوجل یجعل أیتھما شاء'' یعنی ان نمازوں میں فرض اور نفل کی تعیین کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز کا مدار تو قبولیت پر ہے اور قبولیت بندوں پر مخفی ہے۔ اگرچہ جمہور پہلی نماز کو فریضہ قرار دیتے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلی نماز فاسد ہوگئی ہو اور اللہ نفل کو فریضہ کی جگہ رکھ کر ثواب عطا فرمائیں۔ یعنی اس معاملہ کو فقہی اور دنیوی اعتبار سے دیکھنے کے بجائے آخرت پر چھوڑ دیا جائے۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام غزالی رحمہ اللہ کے اس قول کی تائید کرتی ہے کہ ان دونوں میں سے ایک نماز بلا تعیین فرض ادا ہوتی ہے خواہ پہلی نماز ہو یا دوسری۔ لیکن مسلم شریف میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ائمہ سے فرمایا جو نماز کو مؤخر کرتے تھے کہ تم اپنی نماز کو اول وقت میں پڑھو اور اپنی نماز کو ان کے ساتھ نفل بنالو۔ اس میں بحث ظاہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس فرض کو چاہے نفل بنادے اور جس نفل کو چاہے فرض بنادے۔

ایک نماز کو ایک دن میں دو مرتبہ پڑھنا منع ہے

۱۱۵۷: وَعَنْ سُلَيْمَانَ مَوْلٰى مَيْمُوْنَةَ قَالَ اَتَيْنَا ابْنَ عُمَرَ عَلَى الْبَلَاطِ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ فَقُلْتُ اَلَا تُصَلِّيْ مَعَهُمْ قَالَ قَدْ صَلَّيْتُ وَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا تُصَلُّوْا صَلَاةً فِيْ يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ۔

(رواہ احمد و ابوداود و النسائی)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۳۸۹/۱ حدیث رقم ۵۷۹۔ والنسائی ۱۱۴/۲ حدیث رقم ۸۶۔ وأحمد فی المسند ۱۹/۲۔

ترجمہ: حضرت میمونہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سلیمان سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس مقام بلاط میں آئے لوگ اس وقت نماز ادا کر رہے تھے۔ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ آپ لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا میں نماز پڑھ چکا ہوں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم ایک دن میں ایک نماز دو مرتبہ نہ پڑھو۔ (احمد، ابوداود، نسائی)

تشریح: ''أتینا ابن عمر علی البلاط'' بفتح الفاء ''بلاط'' پتھروں کی ایک خاص قسم ہے جو زمین پر بچھائے جاتے ہیں۔ یہ مدینہ میں ایک مشہور جگہ کا نام ہے۔

''قد صلیت'' اس جملہ میں دو احتمال ہیں:

① انہوں نے یہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تھی۔ ② یہ وقت فجر، عصر یا مغرب کا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"لا تصلوا صلاۃ" یعنی دو نمازوں کو فریضہ بنا کر نہ پڑھو (بلکہ ایک کو نفل اور دوسری کو فرض بناؤ)۔

"في يوم مرتين" البتہ اگر پہلی نماز نہ ہوئی ہو تو دوسری مرتبہ فرض بھی پڑھ سکتے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے اس روایت کو امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب پر محمول کیا ہے لیکن میرک فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام مالک کے مذہب پر محمول کرنا حدیث معاذ کے منافی ہے۔ کیونکہ حضرت معاذؓ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے پھر آ کر اپنی قوم کو نماز پڑھاتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت معاذؓ کا عمل عدم اعادہ پر مشتمل تھا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ پہلے انہوں نے نفل کی نیت کی پھر فرض کی جیسا کہ ہمارا مذہب ہے، یا پہلے فرض کی نیت کی پھر نفل کی جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ میرک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احادیث میں تعارض کو ختم کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس حدیث کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص نے اس نیت سے نماز پڑھی کہ بعد میں اس کو تنہا لوٹائے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ کیونکہ جب تک دلیل نہ ہو اعادہ ممنوع ہے اور اعادہ کی صرف جماعت کی صورت میں گنجائش وارد ہوئی ہے۔

اس کے بعد میرک فرماتے ہیں کہ اس صورت میں یہ حدیث کسی دوسری حدیث یا مذہب کے مخالف نہ رہے گی۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے مذہب کی مخالفت کے باوجود یہ حدیث سائل کا جواب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ اس کا کلام جماعت کے ساتھ اعادہ کے بارے میں تھا اور اس کے ساتھ یہ کہ احادیث میں اعادۂ حقیقیہ کی تصریح موجود نہیں۔ بلکہ اعادہ صوریہ کا ذکر ہے پس نہی اعادہ حقیقیہ پر محمول ہوگی تاکہ احادیث میں تعارض بھی ختم ہو جائے اور فقہاء کے درمیان اتفاق بھی ہو جائے۔

نمازِ مغرب اور فجر کو ادا کر لینے والا اگر جماعت کو پائے تو اس کیلئے کیا حکم ہے؟

۱۱۵۸: وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ اَوِ الصُّبْحَ ثُمَّ اَدْرَكَهُمَا مَعَ الْاِمَامِ فَلَا يَعُدْ لَهُمَا۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك في الموطأ ١/١٣٣ حديث رقم ١٢ من كتاب صلاة الجماعة ـ

ترجمہ: حضرت نافع سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے جس انسان نے مغرب یا فجر کی نماز ادا کر لی ہو پھر دونوں نمازوں کو امام کے ساتھ پائے تو وہ ان کو دوبارہ نہ پڑھے۔ (مالک)

تشریح: "عن نافع" نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

"من صلى المغرب او الصبح"۔ عصر کی نماز کا بھی یہی حکم ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَابُ السُّنَنِ وَفَضَائِلِهَا

سنتوں اور اُس کی فضیلتوں کا بیان

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سنت، نفل، تطوع، مندوب، مستحب، مرغب فیہ اور حسن یہ تمام الفاظ مترادفہ ہیں۔ یہ ان اعمال پر صادق آتے ہیں کہ جن کے کرنے کو شارع نے فضیلت وثواب کی چیز بتایا لیکن ان کے چھوڑ دینے کی بھی اجازت دی، البتہ بعض مسنون چیزیں عمل کے اندر بالاتفاق دوسری مسنون چیزوں سے بڑھ کر ہیں۔

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے:

''قیامت کے دن آدمی کے اعمال میں سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال کیا جائے گا اگر نماز ٹھیک نکل آئی تو وہ شخص کامیاب اور بامراد ہوگا اور اگر خراب نکلی تو وہ خسارے اور گھاٹے میں ہوگا۔ اگر اس کے فرائض میں کوئی کمی ہوئی اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اس کے نوافل کو دیکھو۔ اگر نوافل بھی ہوئے تو ان کے ذریعہ اس کے فرضوں کو مکمل کر دیا جائے گا۔ یہی حال باقی تمام اعمال میں بھی ہوگا''۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر فرائض میں کمی ہو پھر بھی نوافل صحیح ہی ہوتے ہیں اور قبول ہو جاتے ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے جس میں ذکر ہے:

''نمازی کے نوافل اس وقت تک قبول نہیں ہوتے جب تک وہ فرائض کو پورا نہ کرے''۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یہی بات ارشاد فرمائی اور فرمایا کہ اگر اس کے فرائض میں نقص ہے تو وہ گناہ گار ہوگا لیکن یہ کسی امر خارجی کی وجہ سے ہے اس سے نوافل کا بطلان تو لازم نہیں آتا۔

الفصل الاوّل:

سنتوں کی تعداد کا بیان

۱۱۵۹: وَعَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى فِيْ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ثِنْتَىْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بُنِىَ لَهٗ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ اَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ (رواه الترمذى وفى رواية لمسلم) اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يُصَلِّىْ لِلّٰهِ كُلَّ يَوْمٍ ثِنْتَىْ عَشْرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعًا غَيْرَ فَرِيْضَةٍ اِلَّا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ اَوْ اِلَّا بُنِىَ لَهٗ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ۔

أخرجه مسلم فى صحيحه ۱/ ۵۰۳ حديث رقم حديث رقم (۱۰۳۔۷۲۸)۔ وأبوداوٗد فى السنن ۲/ ۴۲ حديث رقم ۱۲۵۰۔والترمذى ۲/ ۲۷۴ حديث رقم ۴۱۴۔والنسائى ۳/ ۲۶۰ حديث رقم ۱۷۹۴۔وابن ماجه

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۶۱/۱ حدیث رقم ۱۱۴۰۔والدارمی ۳۹۷/۱ حدیث رقم ۱۴۳۸۔وأحمد فی المسند ۳۲۶/۶۔

ترجمہ: حضرت ام حبیبہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی دن اور رات میں بارہ رکعتیں نماز پڑھے اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جاتا ہے۔ چار رکعت ظہر سے پہلے اور دو رکعت ظہر کے بعد اور دو رکعت مغرب کے بعد اور دو رکعت فجر سے پہلے۔ (ترمذی) مسلم کی ایک روایت اس طرح ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو مسلمان بندہ ہر روز اللہ تعالیٰ کے لئے فرض نماز کے علاوہ بارہ رکعت پڑھتا ہو تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں گھر بناتا ہے یا یہ فرمایا کہ اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جاتا ہے۔

تشریح: ''عن أم حبیبۃ'' ام حبیبہ، حضرت معاویہ بن ابی سفیان کی بہن اور حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں۔

''ثنتی عشرۃ'' بسکون الشین وکسرھا۔

''رکعۃ'' بسکون الکاف۔ حالانکہ بہت سے لوگ اسے کاف کے فتحہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ کیونکہ اس کی جمع اس وزن پر آتی ہے۔

''اربعا'' یہ بدل تفصیل ہے۔

''قبل الظھر ورکعتین بعدھا ورکعتین بعد المغرب ورکعتین بعد العشاء ورکعتین قبل صلاۃ الفجر'' یہ تمام سنن مؤکدہ ہیں۔ فجر کی سنتوں کی بہت تاکید آئی ہے حتیٰ کہ بعض علماء نے تو انہیں واجب قرار دیا ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے حسن بصری اور بعض حنفیہ کے اس قول کی تردید ہوگئی کہ فجر کی دو سنتیں واجب ہیں۔ اسی طرح حسن بصری کے مغرب کی دو سنتوں کو واجب قرار دینے کے قول کی بھی تردید ہوگئی۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر فجر کی دو رکعتیں چھوٹ گئیں تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری بخشش نہ ہو۔

''رواہ الترمذی'' اس میں صاحب مصابیح پر ایک اعتراض ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو صحاح میں ذکر کیا اور اگلی صحیح حدیث کو چھوڑ دیا۔

''تطوعا'' ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تطوع سے مراد وہ عمل ہے جو واجب نہ ہو، یہاں اس سے مراد سنت ہے۔

''غیر فریضۃ'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تطوع کی مزید تاکید کیلئے ہے۔

اگر تطوع کو ریاء اور شہرت پسندی کے مقابلہ میں خوشی اور رغبت کے معنی میں لیں تو غیر فریضہ مفعول سے بدل، بیان یا حال ہوگا۔

تطوع کی دو قسمیں ہیں: ① راتبہ۔ ② غیر راتبہ۔

راتبہ وہ ہے جس پر نبی کریم ﷺ نے دوام اختیار فرمایا ہو اور غیر راتبہ وہ ہے جس پر آپ نے دوام نہیں فرمایا۔

امام میرکؒ فرماتے ہیں کہ محی السنۃ کو چاہیے تھا کہ مسلم کی حدیث کو صحاح میں اور ترمذی کی حدیث کو حسان میں ذکر کرتے تا کہ یہ مسلم کے اجمال کا بیان ہو جاتا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظہر کی سنن قبلیہ اور بعدیہ کا ذکر

۱۱۶۰: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِيْ بَيْتِهٖ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِيْ بَيْتِهٖ قَالَ وَحَدَّثَتْنِيْ حَفْصَةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٤٢٥ حديث رقم ٩٣٧ ومسلم في ١/٥٠٤ حديث رقم (١٠٤-٧٢٩) والدارمي في السنن ١/٣٩٦ حديث رقم ١٤٣٧۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر سے پہلے دو رکعتیں اور ظہر کے بعد دو رکعتیں اور مغرب کے بعد دو رکعتیں گھر میں اور عشاء کے بعد دو رکعتیں گھر میں پڑھی ہیں۔ اور انہوں نے فرمایا کہ حضرت حفصہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلکی سی دو رکعت نماز طلوع فجر کے وقت بھی پڑھتے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: ''صلیت مع رسول اللہ ﷺ'' یہاں معیت سے مشارکت مراد ہے۔ معیتِ جماعت مراد نہیں کیونکہ نفل میں سوائے تراویح کے جماعت کی نماز مکروہ ہے۔ اس کی نظیر یہ آیت مبارکہ ہے:

''واسلمت مع سلیمان للّٰہ رب العالمین''

''رکعتین قبل الظھر'' یہ تثنیہ جمع کے منافی نہیں ہوگا۔ یہ معنی لینے کی صورت میں اس حدیث سے تعارض ختم ہو جائے گا جس میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے کی چار رکعات کبھی نہ چھوڑتے تھے۔

''ورکعتین بعدھا ورکعتین بعد المغرب فی بیتہ'' ظاہر یہ ہے کہ فی بیتہ کا تعلق صرف رکعتین بعد المغرب کے ساتھ ہے، جبکہ ابن حجر رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ اس قید کا تعلق پچھلی تمام سنن مذکورہ کے ساتھ ہے۔ ان کے اس قول کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آیا ہے آدمی کی بہترین نفل نماز وہ ہے جو گھر میں پڑھی جائے۔ جبکہ ہمارے قول کی تائید اگلے جملہ ورکعتین بعد العشاء فی بیتہ سے ہوتی ہے۔

''کان یصلی رکعتین خفیفتین'' امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء کا مسلک یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنتوں میں قراءت نہیں کرتے تھے، بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ صرف سورۃ الفاتحہ پڑھتے تھے۔ پھر امام طحاوی نے ان دونوں قولوں کے بطلان پر احادیث پیش کیں۔ جن میں سے ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم سورۂ فاتحہ کے بعد ''قل یایھا الکفرون'' اور سورۃ الاخلاص پڑھتے تھے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ پہلی رکعت میں ''قولوا امنا باللّٰہ وما انزل الینا'' اور دوسری رکعت میں ''وقولوا آمنا باللّٰہ'' سے لے کر ''ونحن لہ مسلمون'' تک پڑھتے تھے۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ دوسری رکعت میں ''ربنا آمنا بما انزلت واتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشاھدین'' پڑھتے تھے۔ مسلم شریف کی ایک روایت میں آیا ہے کہ دوسری رکعت میں ''قل یا أھل الکتاب'' سے پڑھتے تھے۔

علامہ جزری فرماتے ہیں ان دونوں سورتوں کو پڑھنے میں حکمت یہ ہے کہ یہ سور میں اللہ تعالیٰ کی عبادت وتوحید، کافروں کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تردید اور بتوں کی نفی پر مشتمل ہیں، ان مضامین سے صبح کرنے سے فرشتے اس کے ایمان کی گواہی دیں گے۔نوفل اشجعیؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "قل یا ایھا الکفرون" پڑھو پھر اس کے مکمل ہونے پر سو جاؤ۔ یہ شرک سے براءت کی علامت ہوگی۔مذکورہ دو آیات بھی توحید اور ایمان کے مضامین پر مشتمل ہیں۔

فجر کی سنتوں میں تخفیف کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تین تہائی یا اس سے بھی زیادہ رات کو قیام فرماتے تھے۔ پس فرض نماز کے نشاط کیلئے تخفیف کی ضرورت تھی۔

نماز جمعہ کے بعد گھر میں دو رکعت پڑھ لے

۱۱۶۱: وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايُصَلِّيْ بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ فِيْ بَيْتِهٖ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲ حدیث رقم ۹۳۷۔ومسلم ۲/ ۶۰۰ حدیث رقم (۷۱۔۸۸۲) والنسائی فی السنن ۳/ ۱۱۳ حدیث رقم ۱۴۲۷۔ومالك فی الموطأ ۱/ ۱۶۶ حدیث رقم ۶۹۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز جمعہ کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے یہاں تک کہ آپ واپس تشریف لے آتے اور اپنے گھر میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: "حتی ینصرف فیصلی" علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اس کا من حیث الجملہ ینصرف پر عطف ہے۔یعنی نبی کریم ﷺ جمعہ کے بعد گھر جا کر دو رکعات نماز پڑھتے تھے۔اس کو کاصرف ینصرف پر عطف ڈال کر منصوب ماننا درست نہیں کیونکہ اس صورت میں لازم آئے گا کہ دو رکعات کے بعد نماز پڑھتے تھے۔ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

"رکعتین" ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جمعہ کی سنتیں ہیں۔

صحیح احادیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد چار رکعات نماز پڑھتے تھے۔ایک روایت میں جمعہ کے بعد چھ رکعات کا ذکر ہے۔امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی نفل نماز کی تعداد

۱۱۶۲: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَطَوُّعِهٖ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ بَيْتِيْ قَبْلَ الظُّهْرِ اَرْبَعًا ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّيْ بِالنَّاسِ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ ثُمَّ يَدْخُلُ بَيْتِيْ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكْعَاتٍ فِيْهِنَّ الْوِتْرُ وَكَانَ يُصَلِّيْ لَيْلًا طَوِيْلًا قَائِمًا وَلَيْلًا طَوِيْلًا قَاعِدًا وَكَانَ اِذَا قَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَائِمٌ وَاِذَا قَرَأَ قَاعِدًا رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَاعِدٌ وَكَانَ اِذَاطَلَعَ الْفَجْرُ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ (رواہ مسلم ورواہ ابوداود)

ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّيْ بِالنَّاسِ صَلَاةَ الْفَجْرِ۔ (متفق علیه)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أخرجه مسلم فی صحیحه ١/ ٥٠٤ حدیث رقم (١٠٥-٧٣٠)۔وأبو داوٗد فی السنن ٢/ ٤٣ حدیث رقم ١٢٥١۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شقیق سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے پھر مسجد میں تشریف لے جاتے وہاں لوگوں کو جماعت کی نماز پڑھاتے پھر میرے گھر تشریف لاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔اسی طرح مغرب کی نماز مسجد میں لوگوں کو پڑھاتے پھر میرے گھر تشریف لا کر دو رکعت نماز پڑھتے اور عشاء کی نماز لوگوں کے ساتھ مسجد میں پڑھتے پھر میرے گھر تشریف لا کر دو رکعت نماز پڑھتے پھر صلوۃ اللیل یعنی تہجد کی نماز نو رکعت پڑھتے تھے ان میں وتر کی نماز شامل ہوتی تھی اور رات میں دیر تک کھڑے ہو کر اور دیر تک بیٹھ کر دونوں حالتوں میں نماز پڑھا کرتے تھے جب آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تو کھڑے کھڑے رکوع اور سجدہ میں چلے جایا کرتے تھے اور جب بیٹھ کر نماز پڑھتے اسی حالت میں رکوع اور سجدہ میں چلے جایا کرتے تھے اور جب فجر طلوع ہو جاتی تو فجر کی دو سنتیں پڑھتے تھے۔(مسلم) امام ابوداوٗد نے یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں کہ فجر کی دو سنتیں پڑھنے کے بعد مسجد میں تشریف لے جاتے اور لوگوں کو فجر کی نماز پڑھاتے تھے۔(بخاری، مسلم)

تشریح: ''وعن عبداللہ بن شقیق'' تابعی ہیں۔

''عن تطوعه'' یہ ''صلاة رسول الله ﷺ'' سے بدل ہے۔صحیح مسلم میں بھی یہ عبارت اسی طرح ہے۔جبکہ مصابیح میں یہ عبارت ''من تطوعه'' ہے۔مصابیح کی عبارت کو عمدہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔البتہ اس صورت میں من کو بیانیہ قرار دیا جائے گا۔

''فی بیتی قبل الظهر اربعا'' یہ ہمارے مختار مذہب کی دلیل ہے کہ ظہر سے پہلے چار رکعات سنت مؤکدہ ہیں۔اس حدیث میں عصر کی چار سنتوں کا ذکر اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ سنن مؤکدہ میں سے نہیں۔

''یدخل بیتی فیصلی رکعتین'' ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سنتوں کو گھر میں ادا کرنا مستحب ہے۔ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ سنتیں لوگوں کے سامنے پڑھی جائیں تا کہ دوسرے لوگوں کو بھی رغبت ہو۔البتہ سنت کی متابعت ہی اولیٰ ہے۔

''تسع رکعات'' ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نو رکعات پڑھتے تھے،کبھی گیارہ اور کبھی اس سے بھی کم کر دیتے ہیں۔مسلم شریف میں تیرہ رکعات کا بھی ذکر ہے۔

''فیهن الوتر'' ابن ملک فرماتے ہیں وتر اور تہجد برابر ہیں۔ایک قول یہ ہے کہ وتر تہجد کے علاوہ ہیں۔اگر کسی آدمی نے تیرہ رکعات سے زیادہ پڑھا تو کیا تمام رکعات وتر ہوں گی۔یا ایک رکعت وتر ہوگی اور باقی تہجد؟ تو احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ تمام رکعات وتر ہوں گی،تہجد کی نماز غیر وتر صرف اس وقت ہوگی جب کسی نے پہلے وتر پڑھ لئے پھر سو گیا اور پھر اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھی۔اس صورت میں یہ تہجد کی نماز ہوگی۔

ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہمارے مذہب کے خلاف ہے کیونکہ وتر غیر تہجد ہے کیونکہ وتر تو ایک سلام کے ساتھ تین رکعات پڑھنے کا نام ہے اور اس کا وقت بھی وہی ہے جو عشاء کا ہے۔البتہ رات کے آخری حصہ میں پڑھنا مستحب ہے اس شخص کیلئے جسے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاگ جانے کا یقین ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وترا''۔

''اپنی رات کی آخری نماز وتر کو بناؤ''۔

جہاں تک تہجد کا معاملہ ہے تو وہ بالاتفاق سنت ہیں۔ یہ مطلق طور پر رات کے آخری حصہ کے ساتھ یا سو کر اٹھنے کے بعد کے وقت کے ساتھ خاص ہیں۔ اس کی احادیث کا ذکر آگے آرہا ہے۔

''کان یصلی لیلاً طویلاً قاعداً ولیلا طویلاً قاعدًا'' مصابیح میں اس جملہ کے دو معنی مذکور ہیں:

① زیادہ قیام قعود والی نمازیں پڑھتے تھے۔

② لمبی لمبی رکعت والی نمازیں اس طرح پڑھتے تھے کہ بعض مرتبہ قیام لمبا ہوتا تھا اور بعض اوقات تھوڑا لمبا ہوتا تھا۔

''وکان اذا قرأ وھو قائم رکع وسجد وھو قائم'' ابن حجر رحمہ اللہ نے اس جملہ کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ رکوع سے پہلے بیٹھتے نہ تھے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ اس جملہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ قیام سے رکوع وسجود کی طرف جاتے تھے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء کا مسلک یہ ہے کہ جس شخص نے نماز بیٹھ کر شروع کی ہو اس کیلئے کھڑے ہو کر رکوع کرنا مکروہ ہے۔ کچھ دوسرے علماء نے اس کو مکروہ نہیں سمجھا کیونکہ یہ افضل کی طرف انتقال ہے۔

دوسرے فریق کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو آخر عمر تک کبھی تہجد کی نماز بیٹھ کر پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، آپ بیٹھ کر قراءت کرتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے تو کھڑے ہوتے اور تیس یا چالیس آیات پڑھتے پھر رکوع فرماتے''۔

اس روایت سے کھڑے ہو کر رکوع کرنا معلوم ہوتا ہے اور جن روایات میں بیٹھ کر رکوع کرنے کا ذکر آیا ہے وہ اس کے منافی نہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کسی حال میں کھڑے ہو کر رکوع فرماتے تھے اور کبھی بیٹھ کر ہی رکوع فرما لیتے ہوں گے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔

''وزاد ابو داؤد'' میرک فرماتے ہیں کہ اس عبارت میں شیخ محی الدین پر ہونے والے ایک اعتراض کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے اس جملہ کو حدیث عائشہ میں ذکر کیا حالانکہ صحیحین میں سے کسی ایک میں بھی یہ جملہ موجود نہیں۔

فجر کی سنتوں کی تاکید

۱۱۶۳: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ اَشَدَّ تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ۔ (متفق علیه)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۵۰۱ حدیث رقم (۹۵-۷۲۴)۔

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نوافل پڑھنے میں کسی اور نفل کی اتنی حفاظت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں کرتے تھے جتنی کہ فجر کی دوسنتوں کو پڑھنے کی حفاظت کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: ''علی رکعتی الفجر'' علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا قول ''علی'' ان کے قول ''معاهدا'' سے متعلق ہے اور تمیز کے معمول کو مقدم کرنا جائز ہے۔ ''أشد تعاهدًا'' حال یا فعل مطلق ہے۔ اس تاویل کے ساتھ کہ تعاهدا، متعاهدا کے معنی میں ہو۔ اس صورت میں ''رکعتی الفجر'' ''تعاهدا'' کے ساتھ متعلق ہوگا۔

ایک روایت میں آتا ہے۔ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو کسی نیکی یا کسی غنیمت کی طرف صبح کی دو رکعتوں سے بڑھ کر لپکتے ہوئے نہیں دیکھا''۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے۔ جس سے اللہ تعالیٰ مجھے فائدہ عطا فرمائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا صبح کی دو رکعتوں کو ضرور پڑھا کر یہ بڑی فضیلت کی چیز ہیں۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی ایک روایت منقول ہے، فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ''تم فجر کی نماز سے پہلے دو رکعتوں کو نہ چھوڑو کیونکہ اس میں بہت سی رغبت کی چیزیں ہیں''۔

فجر کی سنتیں دُنیا و مافیہا سے بہتر ہیں

۱۱۶۴: وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔ (رواه مسلم)

أخرجه الترمذي في السنن ۲/۲۷۵ حديث رقم ٤١٦. وأحمد في المسند ٦/٥٠۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فجر کی دو سنتیں دنیا اور دنیا کے ساز و سامان سے بہتر ہیں۔ (مسلم)

تشریح: ''خیر من الدنیا وما فیها'' اس سے دنیا کی مال و جاہ مراد ہے، بندوں سے صادر ہونے والے اعمال صالحہ مراد نہیں ہیں۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا سے مراد اس کی اعراض اور زیب و زینت مراد ہو تو خیر میں دو معانی کا احتمال ہے:

① خیر سے مراد ہر وہ چیز ہوگی جس کا کرنے والا اسے خیر سمجھتا ہو۔

② یہ ''ای الفریقین خیر مقاما'' کی قبیل سے ہوگا۔

اگر اس سے مراد اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا ہو تو یہ دو رکعتیں اس سے بہتر ہوں گی۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے ''یہ دو رکعتیں مجھے دنیا و مافیہا سے محبوب ہیں''۔ مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے ''فرائض کے بعد سب افضل نماز رات کی نماز ہے اور یہ مطلق ہے سب رات کے نوافل اس میں شامل ہیں جس میں فجر کی دو سنتیں بھی ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتوں کا حکم

۱۱۶۵: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَیْنِ صَلُّوْا قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَیْنِ قَالَ فِی الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ كَرَاهِیَةَ اَنْ یَّتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۱۰/۲ حدیث رقم ۶۲۷۔ومسلم فی صحیحة ۵۷۳/۱ حدیث رقم (۳۰۴۔۸۳۸) وأبوداؤد فی السنن ۵۹/۲ حدیث رقم ۱۲۸۱۔ والترمذی ۳۵۱/۱ حدیث رقم ۱۸۵۔وابن ماجه ۳۶۸/۱ حدیث رقم ۱۱۶۲۔وأحمد فی المسند ۵۵/۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نفل پڑھو اور آپ نے یہ الفاظ دو مرتبہ ارشاد فرمائے اور تیسری مرتبہ ارشاد فرمایا جو چاہے پڑھ لے اور یہ وضاحت آپ نے اس لئے کی تا کہ لوگ اس نماز کو سنت نہ بنالیں۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: ''صلوا قبل صلاۃ المغرب'' محی الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے غروب آفتاب اور مغرب کی نماز کے درمیان دو رکعات کا استحباب معلوم ہوتا ہے یا اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعات کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے۔ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔

اس بارے میں دو قول ہیں: ① یہ رکعات مستحب نہیں۔ (مشہور قول یہی ہے)۔ ② دوسرا قول وہی ہے کہ یہ مستحب ہیں بعض صحابہ، تابعین، امام احمد اور امام اسحاق وغیرہ کا یہی مسلک ہے۔ خلفاء راشدین، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور اکثر فقہاء نے اسے مستحب نہیں سمجھا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی کہ اس کی وجہ سے مغرب کے اول وقت میں تاخیر لازم آتی ہے۔

''قال فی الثالثة لمن شاء'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات (اوامر) وجوب کیلئے ہوتے ہیں الا یہ کہ اس کے غیر پر کوئی دلیل قائم ہو۔ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صلّوا، امر تھا اور اس سے وجوب معلوم ہوتا تھا اور جب اسے لوگوں کی مشیت پر چھوڑ دیا گیا تو اس نے محض مندوب ہونے کا فائدہ دیا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ مغرب سے پہلے دو رکعات نماز پڑھنا اول اسلام میں تھا تا کہ لوگوں کو ممنوع وقت کے نکل جانے کا یقین ہو جائے، پھر مغرب کو تعجیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم دے دیا گیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مغرب سے پہلے کی دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کسی کو یہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ انہیں بدعت قرار دیتے تھے۔

صحیح ابن حبان میں جو روایت آتی ہے کہ نبی کریم ﷺ یہ دو رکعات پڑھا کرتے تھے تو اس حدیث کو اوّل اسلام یا بیان جواز یا خصائص پر محمول کیا جائے گا۔

صحیحین کی روایت بین کل اذانین صلاۃ مطلق ہے اور اسے مغرب کے علاوہ باقی نمازوں کیلئے مقید کیا جانا چاہیے۔

درحقیقت یہ اختلاف لفظی ہے کیونکہ اس کے ثبوت کی روایات کا تعلق اول اسلام اور نفی کی روایات کا تعلق آخر کے ساتھ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس مقام کا تحقیقی اور تفصیلی مطالعہ کرنے کیلئے ابن الہمام کی فتح القدیر کا مطالعہ فرمائیں۔

جمعہ کے بعد چار رکعتیں

۱۱۶۶: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُصَلِّيًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ اَرْبَعًا (رواہ مسلم) وَفِیْ اُخْرٰی لَهٗ قَالَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا اَرْبَعًا۔

أخرجه مسلم فی صحيحه ۶۰۰/۲ حديث رقم (۱۷-۸۸۱)۔وأبوداؤد فی السنن ۶۷۳/۱ حديث رقم۔ والترمذی فی السنن ۳۹۹/۲ حديث رقم ۵۲۳۔وأحمد فی المسند ۴۹۹/۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو آدمی جمعہ کی فرض نماز کے بعد نماز پڑھے اسے چاہئے کہ وہ چار رکعت پڑھے (مسلم) اور مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی جمعہ کی نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ اس کے بعد چار رکعت سنت بھی پڑھے۔

تشریح: "اذا صلی احدکم الجمعة فلیصل بعدها أربعًا" ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے بعد چار رکعات سنت ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے چھ رکعات کو سنت قرار دیا، اس طرح وہ دونوں طرح کی احادیث پر عمل کرتے ہیں۔ نیز حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جو شخص جمعہ کے بعد نماز پڑھے تو چھ رکعات پڑھے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا مختار مسلک بھی یہی ہے۔

اس حدیث کے مفہوم سے بعض شافعیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ جمعہ سے پہلے کوئی نماز مسنون نہیں ہے۔ حتی کہ بعض حضرات نے اسے بدعت قرار دیا ہے۔ حالانکہ حافظ عراقی نے صحیح اسناد سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جمعہ سے پہلے چار رکعات پڑھا کرتے تھے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا عمل نقل کیا ہے کہ وہ جمعہ سے پہلے اور بعد میں چار چار رکعات پڑھا کرتے تھے۔

الفصل الثانی:

ظہر سے قبل اور بعد میں چار رکعتوں کا حکم

۱۱۶۷: عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ حَافَظَ عَلٰى اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَاَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ۔

(رواہ احمد والترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجة)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۵۲/۲ حديث رقم ۱۲۶۹۔والترمذی ۲۹۲/۲ حديث رقم ۴۲۷۔والنسائی ۲۶۵/۳ حديث رقم ۱۸۱۵۔وأحمد فی المسند ۳۲۶/۶۔

ترجمہ: حضرت ام حبیبہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو آدمی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز ظہر سے پہلے چار رکعت اور نماز ظہر کے بعد چار رکعت کی حفاظت کرتا ہے تو اللہ اس پر جہنم کی آگ کو حرام کر دیتا ہے۔(احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: بعد کی چار رکعتوں میں دو سنت مؤکدہ اور دو مستحب ہیں، ان کو دو سلاموں کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے جبکہ پہلی چار رکعات کو ایک سلام سے۔

ظہر سے پہلے چار رکعتوں کی فضیلت

۱۱۶۸: وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّھْرِ لَیْسَ فِیْھِنَّ تَسْلِیْمٌ تُفْتَحُ لَھُنَّ اَبْوَابُ السَّمَاءِ۔ (رواہ ابوداود وابن ماجۃ)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۲/۵۳ حدیث رقم ۱۲۷۰۔

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ظہر کی نماز سے پہلے ایک سلام کے ساتھ چار رکعتیں پڑھیں اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔(ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ''لیس فیھن تسلیم'' اس جملہ کی شرح میں ابن ملک فرماتے ہیں کہ ایک سلام کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ ان چار رکعات میں یہی افضل ہے۔

''تفتح'' اس کو مذکر و مونث اور مخفف و مشدد پڑھنا درست ہے۔

''لھن ابواب السماء'' یہ قبولیت سے کنایہ ہے۔

طبرانی نے معجم الکبیر اور معجم الاوسط میں اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے کہ جب سورج ڈھل ہو جاتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور ظہر کی نماز تک ان میں سے ایک دروازہ بھی بند نہیں ہوتا۔ پس میں چاہتا ہوں کہ اس وقت میں میری بھی کوئی نیکی آسمان کی طرف اٹھالی جائے۔

شرح السنۃ میں مذکور ہے کہ دن کی سنتوں کے بارے میں اختلاف ہے بعض کا خیال یہ ہے کہ رات کے نوافل کی طرح یہ بھی دو دو ہیں۔ جبکہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ چار ہی مستحب ہیں۔ امام ابو یوسف امام محمد اور امام ابوحنیفہ کا یہی مسلک ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ اختلاف تو وہاں ہونا چاہیے جہاں ایک یا دو سلام اور دو یا چار رکعات کی تعیین وارد نہ ہوئی ہو۔ واللہ اعلم۔

صلوٰۃ زوال کی فضیلت

۱۱۶۹: وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُصَلِّیْ اَرْبَعًا بَعْدَ اَنْ تَزُوْلَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّھْرِ وَقَالَ اِنَّھَا سَاعَۃٌ تُفْتَحُ فِیْھَا اَبْوَابُ السَّمَاءِ فَاُحِبُّ اَنْ یَّصْعَدَ لِیْ فِیْھَا عَمَلٌ صَالِحٌ۔(رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/۳۴۲ حدیث رقم ۴۷۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمه: حضرت عبداللہ بن سائب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز ظہر سے پہلے زوال کے بعد چار رکعت نماز پڑھتے تھے اور فرمایا کہ یہ ایسی گھڑی ہے کہ اس میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں لہٰذا میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میں میرا اچھا عمل آسمان کی طرف چڑھ جائے۔ (ترمذی)

تشریح: ''یصلی اربعا بعد ان تزول الشمس قبل الظهر'' ہمارے بعض علماء نے اس کی یہ شرح بیان کی کہ اس سے مراد ظہر سے پہلے کی چار سنتیں ہیں۔ اس تشریح سے ان حضرات کی تردید کرنا مقصود ہے جن کا کہنا یہ ہے کہ اس حدیث میں ذکر کردہ نماز ظہر کی چار سنتیں نہیں بلکہ سنت الزوال مراد ہیں۔

''ان یصعدلی فیها عمل صالح'' اس میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف تلمیح ہے:

''الیه یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعه''

نمازِ عصر سے پہلے چار رکعت کا بیان

۱۱۷۰: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَحِمَ اللّٰهُ اِمْرَأً صَلّٰى قَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعًا۔

(رواه احمد والترمذی وابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۲/۵۳ حدیث رقم ۱۲۷۱۔ والترمذی ۲/۲۹۵ حدیث قم ۴۳۰۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحمت نازل فرمائے جو نمازِ عصر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: ''رحم الله امراء'' ابن ملک نے فرمایا کہ یہ جملہ دعا بھی بن سکتا ہے اور خبر بھی۔ دوسرا احتمال زیادہ راجح ہے۔ لیکن حضور ﷺ کی دعا کی قبولیت اتنی یقینی ہے کہ خیر کے معنی کو بھی شامل ہے۔

''صلی قبل العصر اربعا'' اس سے مراد عصر کی سنت غیر مؤکدہ ہیں۔

۱۱۷۱: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ قَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِالتَّسْلِيْمِ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/۴۹۳ حدیث رقم ۵۹۸۔ والنسائی ۲/۱۱۹ حدیث رقم ۸۷۴۔ وابن ماجه ۱/۳۶۷ حدیث رقم ۱۱۶۱۔

ترجمه: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ عصر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھتے تھے اور ان چار رکعت کے درمیان۔ مقرب فرشتوں اور ان کی اتباع کرنے والے مسلمانوں اور مومنوں پر سلام بھیجنے کے ساتھ فصل کرتے تھے۔ (ترمذی)

تشریح: ''من تبعهم من المسلمین والمؤمنین'' مسلمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ظاہراً و باطناً اسلام کو اختیار کرنے والے ہیں اور مؤمنین سے مراد وہ لوگ جو دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرنے والے ہیں، لغت کے مفہوم کے اعتبار سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ البتہ شریعت کے عرف میں ان میں فرق ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"یفصل بینھن بالتسلیم" علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تسلیم سے مراد اسلام نہیں بلکہ تشہد ہے۔ ابن ملک کی بھی یہی رائے ہے اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مراد کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات سے اختلاف کیا ہے اور انہی کا قول زیادہ مضبوط معلوم ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث کا سیاق وسباق اس معنی کو تسلیم نہیں کرتا، کیونکہ سنت یہ ہے کہ آدمی سلام پھیرتے وقت اپنے دائیں، بائیں اور پیچھے کے فرشتوں اور مومن انسان وجنات کی نیت کرے۔ حدیث میں بھی اسی کا ذکر ہے۔

البتہ پہلی توجیہہ مذہب حنفیہ کے زیادہ مناسب ہے۔ واضح رہے کہ ایک یا دو سلاموں سے چار سنتیں پڑھنے کا اختلاف اولویت میں ہے جواز میں نہیں ہے۔ انہی روایات کے اختلاف کی وجہ سے امام محمد بن الحسن اور علامہ قدوری نے اس بارے میں اختیار دیا ہے کہ چاہے تو عصر سے پہلے چار رکعات پڑھ لے چاہے تو دو پڑھ لے۔

نمازِ عصر سے پہلے دو رکعتوں کا بیان

۱۱۷۲: وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ۔

(رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد في السنن حديث رقم ۱۲۷۲۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز سے پہلے دو رکعتیں نماز پڑھتے تھے۔ (ابوداود)

نمازِ مغرب کے بعد چھ رکعتوں کا بیان

۱۱۷۳: وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكْعَاتٍ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيْمَا بَيْنَهُنَّ بِسُوْءٍ عُدِلْنَ لَهٗ بِعِبَادَةِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً (رواہ الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عُمَرَ بْنِ اَبِيْ خَثْعَمٍ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمَاعِيْلَ يَقُوْلُ هُوَ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ وَضَعَّفَهٗ جِدًّا)۔

أخرجه الترمذي في السنن ۲۹۹/۲ حديث رقم ۴۳۵۔ وابن ماجه ۴۳۷/۱ حديث رقم ۱۳۷۳۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی نمازِ مغرب کے بعد چھ رکعت نماز پڑھے اور ان کے درمیان فحش گفتگو نہ کرے تو ان کا ثواب بارہ سال کی عبادت کے برابر ہوگا۔ (ترمذی) اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ ہم اس حدیث کو سوائے عمر بن ابی خثعم کے کسی اور سند سے نہیں جانتے اور میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا ہے وہ فرماتے ہیں کہ عمر بن ابی خثعم منکر الحدیث ہے اور انہوں نے اس حدیث کو بہت ضعیف قرار دیا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح: ''ست رکعات'' مفہوم یہی ہوتا ہے کہ دو سنت مؤکدہ ان چھ میں داخل ہیں، اگلی روایت میں ذکر کردہ بیس رکعات کے بارے میں بھی علماء کا یہی قول ہے۔ البتہ ان دو رکعات کو ایک سلام کے ساتھ پڑھے گا باقی کے بارے میں اسے اختیار ہے۔

''عدلن له، بعبادة ثنتى عشرة سنة'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ترغیب و تحریض کے باب سے ہے۔ غیر معروف کو معروف پر افضلیت دینا جائز ہے خواہ وہ معروف افضل ہی کیوں نہ ہو۔ علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ قلیل کا ثواب کثیر کے ثواب سے کئی گنا بڑھا دیا جائے۔ قاضی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس وقت اور حال میں قلیل عمل کثیر عمل سے کئی گناہ زیادہ ہوتا ہے۔

ابن ملک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ اس نماز کو صلاۃ الاوّابین کہتے ہیں۔ اس حدیث کے بارے میں علامہ میرک فرماتے ہیں کہ عجیب بات ہے کہ محی السنۃ نے اس حدیث کو ذکر کیا اور اس پر سکوت اختیار کیا حالانکہ محدثین کے اجماع کے ساتھ یہ حدیث ضعیف ہے؟ میں کہتا ہوں کہ ابن خزیمہ نے اسے اپنی صحیح میں ذکر کیا۔ نیز فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے بارے میں محدثین کا اتفاق ہے۔

محمد عمار بن یاسر فرماتے ہیں کہ میں نے عمار بن یاسر کو دیکھا کہ وہ مغرب کے بعد چھ رکعت پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں نے اپنے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کے چھ رکعات پڑھتے دیکھا ہے۔ اور آپ نے فرمایا:

''جو شخص مغرب کے بعد چھ رکعت پڑھے اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں''۔

نمازِ مغرب کے بعد بیس رکعتوں کی فضیلت

۱۱۷۴: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْمَغْرِبِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/۲۹۹ حدیث رقم ۴۳۵۔ وابن ماجه ۱/۴۳۷ حدیث رقم ۱۳۷۳۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی مغرب کی نماز کے بعد بیس رکعتیں پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتے ہیں۔ (ترمذی)

تشریح: ''عشرین رکعة'' مغرب کی نماز کے بعد دو سے لے کر بیس رکعات تک پڑھنے کا ذکر احادیث میں آیا ہے۔ اس کے حل کی صورت میں یہ ہے کہ مغرب کے بعد کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعات پڑھنا منقول ہے۔

نمازِ عشاء کے بعد کی سنتوں کا بیان

۱۱۷۵: وَعَنْهَا قَالَتْ مَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ قَطُّ فَدَخَلَ عَلَيَّ إِلَّا صَلّٰى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ أَوْ سِتَّ رَكَعَاتٍ ۔ (رواه ابو داؤد)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۲/ ۷۱ حدیث رقم ۱۳۰۳۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی مسجد میں عشاء کی نماز پڑھ کر میرے پاس تشریف لاتے تو چار رکعت یا چھ رکعت نماز ضرور پڑھتے تھے۔(ابوداؤد)

تشریح: ''الاصلّٰی اربع رکعات اؤست رکعات'' اس جملہ میں شک کا بھی احتمال ہے کہ حضرت عائشہ نے چار رکعات کا ذکر فرمایا یا چھ کا۔ اور تنویع کا احتمال بھی ہے کہ آپ کبھی چار رکعات پڑھتے کبھی چھ۔ اس صورت میں دو رکعات سنت ،دو مستحب اور دو زائد نوافل شمار ہوں گی۔

فجر اور مغرب کی سنتوں کا بیان

۱۱۷۶: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ الرَّكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ وَاِدْبَارَ السُّجُوْدِ الرَّكْعَتَانِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵/ ۳٦٦ حدیث رقم ۳۲۷۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ادبار نجوم سے مراد فجر کی دو رکعتیں ہیں جو نماز فجر سے پہلے پڑھی جاتی ہیں۔ اور ادبار سجود سے مراد مغرب کے بعد کی دو رکعتیں ہیں۔(ترمذی)

تشریح: ''ادبار النجوم'' اس کی ترکیبی کیفیت میں دو احتمال ہیں:

① راء منصوب ہے، اس صورت میں یہ قرآن مجید کی اس آیت سے حکایت ہوگی اور اعراب حکائی ہوگا:

''وسبح بحمد ربك حين تقوم ومن الليل فسبحه وادبار النجوم''

② راء مرفوع ہے۔ اس میں یہ مبتدا ہوگا اور اس کی خبر اگلا جملہ ''الركعتان قبل الفجر'' ہوگا۔

''وادبار السجود'' یہ ہمزہ کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ پڑھنا جائز ہے، اس آیت میں یہ دونوں قراءتیں متواتر ہیں:

''ومن الليل فسبحه وأدبار السجود''

ادبار النجوم کی نماز سے مراد فجر کی دو سنتیں اور أدبار السجود سے مراد مغرب کی فرض نماز ہے۔

ابن ملک فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ سجود بول کر پوری نماز مراد ہے کیونکہ جزءِ اعظم سے کل مراد لیا جا سکتا ہے۔

الفصل الثالث:

ظہر سے قبل چار رکعت کا بیان

۱۱۷۷: وَعَنْ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ بَعْدَ الزَّوَالِ تُحْسَبُ بِمِثْلِهِنَّ فِيْ صَلَاةِ السَّحَرِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ اِلَّا وَهُوَ يُسَبِّحُ اللّٰهَ تِلْكَ السَّاعَةَ ثُمَّ قَرَأَ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِلّٰهِ وَهُمْ دَاخِرُوْنَ - (رواه الترمذی والبيهقی فی شعب الايمان)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵/۲۷۹ حديث رقم ۳۱۲۸۔والبيهقی فی شعب الايمان۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ ظہر سے پہلے زوال کے بعد چار رکعت نماز تہجد کی چار رکعتوں کے برابر ہوتی ہیں اور یہ وہ وقت ہے کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنے میں مصروف ہوتی ہیں۔اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت کی **يتفيأ ظلاله عن اليمين والشمائل سجد الله وهم داخرون**۔ ہر چیز کا سایہ دائیں اور بائیں اللہ کے لئے سجدہ کرنے میں مصروف ہوتا ہے اس حال میں کہ وہ حقیر ہے ہو۔(ترمذیؒ، بیہقیؒ نے شعوب ایمان میں نقل کیا ہے)

تشریح: ''**اربع قبل من الظهر بعد الزوال تحسب بمثلهن فی صلاة السحر**'' سورج کے زوال کے بعد ساری کائنات اللہ کے سامنے جھک جاتی ہے کیونکہ کائنات میں سب سے بڑی مخلوق سورج بھی بارگاہ الٰہی میں جھک جاتا ہے تو جس چیز پر اس کا سایہ پڑتا ہے وہ بھی اللہ کے سامنے جھک جاتی ہے۔

''**فی صلاة السحر**'' اس کی مراد میں علماء کے دو قول ہیں: ① تہجد کی نماز۔② فجر کی نماز۔

بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے تہجد کی نماز مراد ہو لیکن اس صورت میں معنوی خرابی لازم آتی ہے وہ کہ تہجد کی نماز ظہر کی چار سنتوں سے زیادہ افضل نہیں حالانکہ مشبہ بہ کو مشبہ سے زیادہ قوی ہونا چاہیے اسی نکتہ کے پیش نظر محدثین نے اس سے مراد ظہر کی نماز لی ہے جو بہر حال ظہر کی چار سنتوں سے زیادہ افضل ہے۔

ظاہری معنی یعنی تہجد کی نماز مراد لینے کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ تشبیہ مشقت کے اعتبار سے ہو کہ تہجد کی مشقت ظہر کی سنتوں کی مشقت سے بہت زیادہ ہے اس صورت میں مشبہ بہ مشبہ سے قوی ہوگا۔

''**وهو يسبح الله تلك الساعة**'' بظاہر یہ جملہ ایک آیت سے متعارض ہے۔

''**وان من شیء الا يسبح بحمده**'' ہر چیز اللہ کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے۔

اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ اوقات کی تعیین کے بغیر ہر چیز اللہ کی تسبیح میں لگی ہوئی ہے جبکہ حدیث میں تسبیح کو ایک خاص ساعت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔

اس تعارض کو ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یوں حل فرمایا کہ اس وقت میں مخلوق ایک خاص قسم کی تسبیح وتنزیہ بیان کرتی ہے جو دوسرے اوقات میں نہیں کرتی۔

''**ثم قرأ**'' نبی کریم ﷺ نے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ حدیث میں ذکر کردہ آیت کی تفسیر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''کیا لوگ نہیں دیکھتے کہ زوال کے وقت ہر سایہ دار چیز اللہ کے سامنے جھک جاتی اور اظہارِ عاجزی وبندگی کرتی ہے، سورج جو اس کائنات میں سب سے بڑی، اعلیٰ اور عظیم الشان مخلوق ہے وہ زوال کے وقت عاجز ہو کر اپنی بندگی کا اظہار کر بیٹھتا ہے۔یہ خضوع وافتقار کا وقت تھا اس لئے نبی کریم ﷺ نے اسے سحری کے وقت کے تشبیہ دی جو تجلی حق، غفلت خلق اور استغفار کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقت ہے"۔

عصر کی نماز کے بعد دو رکعت کا بیان

۱۱۷۸: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ عِنْدِيْ قَطُّ (متفق علیه وفی روایة للبخاری) قَالَتْ وَالَّذِيْ ذَهَبَ بِهٖ مَا تَرَكَهُمَا حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ۔

أخرجه البخاری فی صحیحه ٦٤/٢ حدیث رقم ٥٩١ ـ ومسلم فی صحیحه ٥٧٢/١ حدیث رقم (٢٩٩ ـ ٨٣٥) وأبوداوٗد فی السنن ٥٨/٢ حدیث رقم ١٢٧٩ ـ والترمذی ٣٤٧/١ حدیث رقم ١٨٤ ـ والنسائی فی السنن ٢٨٠/١ حدیث رقم ٥٧٤ ـ وأحمد فی المسند ١٦٩/٦ ـ

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی میرے گھر عصر کے بعد کی دو رکعت نماز نہیں چھوڑی۔ (بخاری) اور بخاری کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کی روح قبض کی آپ نے عصر کے بعد کی دو رکعتیں کبھی بھی نہیں چھوڑیں یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوگیا۔

تشریح: "ما ترك رسول اللّٰه ﷺ ركعتين بعد العصر" علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ عبدالقیس کی قوم کے وفود آنے کے بعد کبھی یہ دو رکعتیں نہیں چھوڑیں۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ اور ابن ہمام رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ دو رکعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا نذر کی وجہ سے پڑھتے تھے یا آپ کی خصوصیات میں سے تھیں۔ (دوسرے لوگوں کیلئے یہ ٹھیک نہیں) اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو سزا دی جو عصر کے بعد نفل میں مشغول ہوا جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

مغرب سے پہلے دو رکعتوں کا بیان

۱۱۷۹: وَعَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ قَالَ سَأَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ التَّطَوُّعِ بَعْدَ الْعَصْرِ فَقَالَ كَانَ عُمَرُ يَضْرِبُ الْاَيْدِيَ عَلٰى صَلَاةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ وَكُنَّا نُصَلِّيْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْتُ لَهٗ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهِمَا قَالَ كَانَ يَرَانَا يُصَلِّيْهِمَا فَلَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ٥٧٣/١ حدیث رقم (٣٠٢ ـ ٨٣٦) ـ

ترجمہ: مختار بن فلفل سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عصر کے بعد نفل نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا انہوں نے ارشاد فرمایا اس معاملہ میں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رویہ اتنا شدید تھا کہ وہ عصر کے بعد نفل نماز کی نیت باندھنے پر ہاتھوں پر مارتے تھے یعنی سختی کے ساتھ منع کرتے تھے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج غروب ہونے کے بعد اور نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے یہ بات سن کر مختار کہتے ہیں کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس نماز کو پڑھتے تھے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ہم یہ نماز پڑھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دیکھتے تھے آپ نے نہ ہمیں کبھی حکم دیا اور نہ کبھی منع کیا۔ (مسلم)

راویٔ حدیث:

المختار بن فلفل۔ یہ مختار ہیں جو فلفل کے بیٹے ہیں۔ مخزومی وکوفی ہیں۔ انس بن مالک سے حدیث کی سماعت کی۔ ان سے ثوری وغیرہ نے روایت کی ہے "فلفل" میں دونوں فاء مضموم ہیں۔ واضح رہے کہ "فلفل" مرچ کو کہتے ہیں۔ لفظ "فلفل" جب مرچ کے معنی میں ہو تو دونوں فاء مضموم پڑھنے کے علاوہ مکسور بھی پڑھ سکتے ہیں۔ (قاموس)

تشریح: "عن المختار بن فلفل" بضمتين۔ مرچ کو بھی فلفل (بفحتين و كسرتين) کہتے ہیں۔

"كان عمر يضرب الأيدى على صلاة بعد العصر" یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا علم نہیں تھا۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ کی یہ بات درست نہیں اور یہ قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علمی کمال سے ناواقفیت کا شاخسانہ ہے یہ نماز وہی شخص پڑھتا ہے جسے تخصیص کا علم نہیں تھا۔

"ركعتين بعد غروب الشمس قبل صلاة المغرب" پہلے بھی یہ بات گذر چکی ہے کہ خلفاء راشدین ان رکعات کی مشروعیت کے قائل نہ تھے، ہمارے لئے ان کی اقتداء کافی ہے۔

"كان يرانا نصليهما فلم يأمرنا ولم ينهنا" یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تقریر ہے۔ اکثر فقہاء نے ان سے منع کیا ہے کیونکہ اس سے مغرب کی نماز میں تاخیر لازم آتی ہے۔

ابن الہمام رحمہ اللہ مغرب سے پہلے کی دو رکعات کے بارے میں فرماتے ہیں:

"ان رکعات کا مستحب نہ ہونا تو ثابت ہے، البتہ ان کی کراہت ثابت نہیں، جہاں تک مغرب کی نماز میں تاخیر کی بات ہے تو تاخیر وقت قلیل کی صورت میں مکروہ نہیں اور دو رکعات کا وقت، وقت قلیل ہی ہوتا ہے"۔

۱۱۸۰: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا بِالْمَدِيْنَةِ فَاِذَا اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ لِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ ابْتَدَرُوا السَّوَارِىَ فَرَكَعُوْا رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى اِنَّ الرَّجُلَ الْغَرِيْبَ لَيَدْخُلُ الْمَسْجِدَ فَيَحْسَبُ اَنَّ الصَّلَاةَ قَدْ صُلِّيَتْ مِنْ كَثْرَةِ مَنْ يُّصَلِّيْهِمَا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۵۷۳ حديث رقم (۳۰۳-۸۳۷)۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ میں تھے جب مؤذن مغرب کی اذان دیتا اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد کے ستونوں کی طرف سبقت کرتے اور دو رکعت نماز پڑھنے لگتے یہاں تک کہ اگر کوئی مسافر آدمی مسجد میں آ جاتا تو لوگوں کو الگ الگ نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر وہ خیال کرتا کہ مغرب کی نماز ہو چکی ہے یعنی اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کثرت سے لوگ ان دونوں رکعتوں کو پڑھتے تھے۔ (مسلم)

تشریح: ''ابتدروا السواری'' یعنی بعض صحابہ یا تابعین ستون تلاش کرتے تھے تاکہ انہیں سترہ بنا کر دو رکعات ادا کر سکیں۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ان دو رکعتوں کے اثبات پر صریح دلیل موجود ہے۔

بلا شبہ یہ عمل نادر ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بالاجماع مغرب کی نماز جلدی پڑھاتے تھے جبکہ اس عمل سے مغرب میں تاخیر لازم آتی ہے حتی کہ بعض علماء کے نزدیک تو مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی ایک دن بعض لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا ہو کہ مغرب کی اذان سنتے ہی مسجد میں آ گئے ہوں اور وہاں مغرب سے پہلے دو رکعات نماز نفل پڑھ لی ہو۔

اس کی سب سے بہتر تاویل یہ ہے کہ یہ نماز پہلے پڑھی جاتی تھی پھر اسے چھوڑ دیا گیا، خلفاء راشدین کا بھی یہی مسلک ہے۔

۱۱۸۱: وَعَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ اَتَيْتُ عُقْبَةَ الْجُهَنِيَّ فَقُلْتُ اَلَا اُعَجِّبُكَ مِنْ اَبِيْ تَمِيْمٍ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ فَقَالَ عُقْبَةُ اِنَّا كُنَّا نَفْعَلُهٗ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ فَمَا يَمْنَعُكَ الْاٰنَ قَالَ الشُّغْلُ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳/۵۹ حدیث رقم ۱۱۸۴۔ وأحمد فی المسند ۴/۱۵۵۔

ترجمہ: حضرت مرثد بن عبداللہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عقبہ جہنی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کہا کہ میں آپ کو ابوتمیم کا ایک عجیب کام بتاتا ہوں وہ یہ کہ ابوتمیم مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت عقبہؓ نے فرمایا یہ نماز تو ہم بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پڑھا کرتے تھے میں نے ان سے عرض کیا کہ پھر یہ نماز پڑھنے سے آپ کو کس چیز نے روک دیا۔ انہوں نے فرمایا دنیا کی مصروفیت نے۔ (بخاری)

راویٔ حدیث:

مرثد بن عبداللہ۔ یہ ''مرثد'' ہیں ''عبداللہ'' کے بیٹے ہیں۔ ''ابوالخیر'' کنیت سے عزنی و مصری ہیں۔ عقبہ بن عامر، ابوایوب، عبداللہ بن عمرو اور عمرو بن العاص سے حدیث کی سماعت کی ان سے یزید بن ابو حبیب نے روایت کی ہے۔ مرثد کے میم اور ثاء دونوں پر فتحہ ہے۔

تشریح: ''من ابی تمیم'' میرک فرماتے ہیں کہ ان کا پورا نام عبداللہ بن مالک بن ابی الاثم الجیشانی ہے، تابعی کبیر، ثقہ اور مخضرم ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام قبول کیا اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے قرآن پڑھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مدینہ آئے اور مصر کی فتح میں شریک ہوئے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ ۷۷ ہجری میں انتقال ہوا۔

''قال الشغل'' اس میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ یہ نماز محض مباح ہے ورنہ شغل دنیا کسی تابعی کو سنت سے روک نہیں سکتا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نفل نماز گھر میں پڑھی جائے

۱۱۸۲: وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ اِنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتٰى مَسْجِدَ بَنِىْ عَبْدِ الْاَشْهَلِ فَصَلّٰى فِيْهِ الْمَغْرِبَ فَلَمَّا قَضَوْا صَلَاتَهُمْ رَاٰهُمْ يُسَبِّحُوْنَ بَعْدَهَا فَقَالَ هٰذِهٖ صَلَاةُ الْبُيُوْتِ (رواه ابوداود وفى رواية الترمذى والنسائى) قَامَ نَاسٌ يُصَلُّوْنَ فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِهٰذِهِ الصَّلَاةِ فِى الْبُيُوْتِ۔

أخرجه أبوداؤد فى السنن ۲/ ۶۹ حديث رقم ۱۳۰۰۔والترمذى ۲/ ۵۰۰ حديث رقم ۶۰۴۔وأحمد فى المسند ۵/ ۴۲۷۔

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ قبیلہ بنو عبد الاشھل کی مسجد میں تشریف لائے اور وہاں مغرب کی نماز پڑھی۔ جب لوگ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ لوگ فرض نماز پڑھنے کے بعد نفل پڑھ رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ نماز گھر میں پڑھی جائے۔ (ابوداؤد) ترمذی اور نسائی کی ایک روایت میں اس طرح سے ہے کہ جب لوگ نفل نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم پر لازم ہے کہ یہ نماز اپنے گھروں میں پڑھو۔

تشریح: ''ھذہ صلاۃ البیوت'' کیونکہ گھر میں پڑھی جانے والی نماز ریا سے پاک اور اخلاص سے بھرپور ہوگی اور گھر پر بھی برکات کا نزول ہوگا۔ البتہ معتکف بلا کراہت مسجد میں نماز پڑھ سکتا ہے۔

مغرب کی سنتوں میں قراءت کا مسئلہ

۱۱۸۳: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطِيْلُ الْقِرَاءَةَ فِى الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ حَتّٰى يَتَفَرَّقَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ۔ (رواه ابو داود)

أخرجه أبوداؤد فى السنن ۲/ ۷۰ حديث رقم ۱۳۰۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ مغرب کے بعد مغرب کی سنتوں میں اتنی طویل قراءت کرتے تھے کہ لوگ اپنی اپنی نماز سے فارغ ہو کر چلے جاتے تھے۔ (ابوداؤد)

تشریح: ''یطیل القراءۃ فی الرکعتین بعد المغرب'' ایسا بعض مرتبہ ہوتا تھا، کیونکہ ابن ماجہ نے نقل کیا ہے کہ ان رکعات میں حضور سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص پڑھتے تھے۔

''حتی یتفرق اھل المسجد'' ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ رکعات مسجد میں ادا فرماتے تھے، پس اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ کسی عذر کی وجہ سے گھر تشریف نہ لے جاتے تھے۔ لیکن سب سے بہتر تاویل یہ ہے کہ اسے بیان جواز یا حالت اعتکاف پر محمول کیا جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمازِ مغرب کے بعد دو یا چار رکعت کی فضیلت

۱۱۸۴: وَعَنْ مَكْحُوْلٍ يَبْلُغُ بِهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْمَغْرِبِ قَبْلَ اَنْ يَتَكَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ رُفِعَتْ صَلَاتُهٗ فِيْ عِلِّيِّيْنَ مُرْسَلًا۔

لم أجده عند البيهقی فی شعب الايمان بل عزاه فی كنز العمال إلی ابن أبی شيبة۔

ترجمہ: حضرت مکحول سے روایت ہے اور وہ اس حدیث کو مرفوعاً بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی مغرب کی نماز پڑھ کر عام گفتگو سے پہلے دو رکعت اور دوسری روایت کے مطابق چار رکعت نماز پڑھے تو اس کی یہ نماز علیین میں پہنچادی جاتی ہے۔ (رزین)

تشریح: "عن مکحول" یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ مکحول تابعی ہیں اور انہوں نے صحابی راوی کا ذکر نہیں کیا۔

"من صلی بعد المغرب قبل ان یتکلم رکعتین" رکعتین کی مراد میں دو احتمال ہیں:

① مغرب کی دو سنتیں۔ ② صلاۃ الغفلۃ۔

"وفی روایۃ اربع رکعات" اس جملہ کی مراد میں تین احتمال ہیں:

① دو مغرب کی سنتیں اور دو صلاۃ الغفلۃ۔ ② چاروں رکعات اسلاۃ الغفلہ۔

یہ دونوں احتمال ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کئے ہیں۔

③ اوابین کی نماز مراد ہے۔ (ملا علی قاری نے اس احتمال کو راجح قرار دیا ہے)۔

"رفعت صلاۃ فی علیین" قبولیت کی انتہا اور ثواب کی عظمت سے کنایہ ہے۔

قاموس میں لکھا ہے کہ علیون، علیّ کی جمع ہے۔ یہ ساتویں آسمان میں ایک مقام ہے جہاں مؤمنین کی ارواح و اعمال پہنچائے جاتے ہیں۔

"مرسلاً" ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے مرسل ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ مرسل اس ضعیف کی طرح ہے جس کا ضعف بہت زیادہ نہ ہو۔ فضائل اعمال میں اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

یہ بات ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق تو درست ہوسکتی ہے وگرنہ جمہور کے نزدیک مرسل حجت ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ نمازیں گھر میں ہی پڑھتے تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اسی کا علم تھا۔

۱۱۸۵: وَعَنْ حُذَيْفَةَ نَحْوَهٗ وَزَادَ فَكَانَ يَقُوْلُ عَجِّلُوا الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فَاِنَّهُمَا تُرْفَعَانِ مَعَ الْمَكْتُوْبَةِ رَوَاهُمَا رَزِيْنٌ۔ (وروی البيهقی الزيادة عنه نحوها فی شعب الايمان)

ذكره المنذری فی الترغيب۔

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی روایت مروی ہے لیکن اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ تم لوگ مغرب کی نماز کے بعد دو سنتیں جلدی پڑھ لیا کرو کیونکہ وہ فرض کے ساتھ مقام علیین پر پہنچائی جاتی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔(رزین)اور امام بیہقیؒ نے حضرت حذیفہؓ کی روایت کے زائد الفاظ کو شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

تشریح: ''عجلوا الركعتين بعد المغرب'' اس تعجیل کے دو معنی ہیں:

① تخفیف کے ساتھ پڑھو، بہت لمبی نہ کرو۔ ② جلدی پڑھو، (فرائض اور سنتوں میں وقفہ نہ کرو)۔

''فانهما ترفعان مع المكتوبة'' یعنی دن کے فرشتے فرائض کے ساتھ ان کو بھی لے جاتے ہیں کیونکہ سنتیں فرائض کے تابع اور ان کو مکمل کرنے والی ہیں۔

''رواهما رزين'' علامہ میرک نے منذری کے حوالہ سے ذکر کیا کہ یہ روایتیں اصول میں نہیں تھیں۔

فرض اور نفل کے درمیان فرق کرنا چاہیے

۱۱۸۶: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ اِنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ اَرْسَلَهُ اِلَى السَّائِبِ يَسْئَلُهُ عَنْ شَيْءٍ رَاٰهُ مِنْهُ مُعَاوِيَةُ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ نَعَمْ صَلَّيْتُ مَعَهُ الْجُمُعَةَ فِي الْمَقْصُوْرَةِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْاِمَامُ قُمْتُ فِيْ مَقَامِيْ فَصَلَّيْتُ فَلَمَّا دَخَلَ اَرْسَلَ اِلَيَّ فَقَالَ لَا تَعُدْ لِمَا فَعَلْتَ اِذَا صَلَّيْتَ الْجُمُعَةَ فَلَا تَصِلْهَا بِصَلَاةٍ حَتّٰى تَتَكَلَّمَ اَوْ تَخْرُجَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَنَا بِذٰلِكَ اَنْ لَّا نُوْصِلَ بِصَلَاةٍ حَتّٰى نَتَكَلَّمَ اَوْ نَخْرُجَ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۶۰۱/۲ حدیث رقم ۷۳۔۸۸۳۔وأبوداوٗد فی السنن۱/۶۷۲ حدیث رقم ۱۱۲۹۔وأحمد فی المسند ۹۵/۴۔

ترجمہ: حضرت عمرو ابن عطاء سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت نافع بن جبیر نے ان کو حضرت سائب کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان سے ان چیزوں کے متعلق پوچھیں جو حضرت معاویہ نے انہیں نماز میں کرتے ہوئے دیکھا اور ان کے کرنے سے روکا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرو حضرت سائب کے پاس گئے تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت معاویہ کے ساتھ مقصورہ میں جمعہ کی نماز ادا کی جب امام نے سلام پھیرا تو میں اپنی جگہ میں کھڑا ہو گیا اور نماز پڑھنے لگا جب حضرت معاویہ اپنے گھر چلے گئے تو میرے پاس ایک آدمی کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ جو کچھ تم نے کیا ہے آئندہ ایسا نہ کرنا جب تم جمعہ کی نماز پڑھو تو اس نماز کو دوسری نماز سے مت ملاؤ یہاں تک کہ درمیان میں کوئی گفتگو نہ کر لو یا جگہ نہ تبدیل کر لو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم ایک نماز کو دوسری نماز کے ساتھ نہ ملائیں یہاں تک کہ ہم ان دونوں کے درمیان گفتگو کے ساتھ یا جگہ تبدیل کرنے کے ساتھ فرق کر لیں۔ (مسلم)

راویٔ حدیث:

عمر بن عطاء۔ یہ عمر بن عطا بن ابی الخوار ''مکی'' ہیں۔ طبقہ تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی حدیثیں اہل مکہ میں پائی جاتی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کا روایت کرنا مشہور ہے۔ سائب بن یزید اور نافع بن جبیر سے بھی روایت کرتے ہیں۔ ابن جریج وغیرہ نے ان سے حدیث سنی یہ بکثرت روایت کرتے ہیں۔ ''خوار'' میں خاء معجمہ پر پیش اور واؤ پر زبر اور آخر میں مہملہ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نافع بن جبیر۔ یہ نافع ''جبیر'' کے بیٹے اور ''مطعم'' کے پوتے ہیں۔ خاندان قریش میں سے ہیں' حجاز کے رہنے والے ہیں' اپنے والد سے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے زہری وغیرہ نے روایت کی ہے۔

تشریح: ''صليت معه الجمعة في المقصورة'' المقصورہ سے مراد بادشاہوں کی نماز کیلئے جامع مسجد میں بنائی ہوئی خاص جگہ ہے۔

''فصليت'' یعنی میں فرائض اور سنتوں میں وقفہ کئے بغیر سنتوں میں مشغول ہو گیا۔

''واذا صليت الجمعة'' یہ قید اتفاقی ہے یعنی بطور مثل کے جمعہ کا ذکر کیا گیا ورنہ باقی نمازوں کا بھی یہی حکم ہے۔

''حتى تكلم'' تکلم سے مراد لوگوں سے بات کرنا۔ ذکر اللہ والا تکلم مراد نہیں (کیونکہ اس سے مقصود حاصل نہیں ہوگا)۔ اس لئے کہ تکلم سے مقصود فصل ہے۔

''أو تخرج'' خروج حقیقۃً ہو (یعنی مسجد سے باہر نکل آئے) یا حکماً یعنی اپنی جگہ سے پیچھے ہٹ جائے۔

ان تمام باتوں سے مقصود دو نمازوں کے درمیان فصل کرنا ہے تاکہ وصل کا وہم نہ ہو، پس یہ امر استحباب اور نہی تنزیہ کیلئے ہے۔

۱۱۸۷: وَعَنْ عَطَاءٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا صَلَّى الْجُمُعَةَ بِمَكَّةَ تَقَدَّمَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ فَيُصَلِّيْ اَرْبَعًا وَاِذَا كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ صَلَّى الْجُمُعَةَ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى بَيْتِهٖ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ فِي الْمَسْجِدِ فَقِيْلَ لَهٗ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهٗ (رواه ابوداود وفي رواية الترمذي) قَالَ رَاَيْتُ ابْنَ عُمَرَ صَلّٰى بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ اَرْبَعًا۔

أخرجه أبو داؤد في السنن ۱/۶۷۲ حديث رقم ۱۱۲۹۔ وأخرجه الترمذي ۲/۳۹۹ حديث رقم ۵۲۲۔

ترجمہ: حضرت عطاء سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ میں جمعہ کی نماز پڑھ چکتے تو آگے بڑھ جاتے اور دو رکعت پڑھتے اس کے بعد پھر آگے بڑھتے اور چار رکعت پڑھتے اور آپ جب مدینہ میں ہوتے تو جمعہ کی نماز پڑھ کر اپنے گھر واپس آ کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے اور مسجد میں نہیں پڑھتے تھے۔ جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا میں ایسا اس لئے کرتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ (ابوداؤد) ترمذی کی روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھ کر اس کے بعد چار رکعتیں پڑھتے تھے۔

تشریح: ''تقدم فصلى ركعتين'' یہ تقدم' تکلم کے درجہ میں ہے لیکن راجح یہ ہے کہ یہ تقدم خروج کے درجہ میں لیا جائے۔

''ثم يتقدم'' بار بار جگہ بدلنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ زیادہ سے زیادہ جگہیں نیکی کی گواہی دیں۔

''فيصلي أربعا'' اس جملہ سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ جمعہ کی سنت چھ رکعات ہے، البتہ بالاتفاق چار رکعات کو پہلے پڑھنا اولیٰ ہے کیونکہ چار رکعات بلا اختلاف سنت ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"ثم رجع" علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کے قول میں خروج کی طرح ہے، لیکن راجح یہ ہے کہ یہ اپنی حقیقت اور اصل معنی پر ہے۔

"فصلی رکعتين ولم يصل في المسجد" یہ دو رکعات گھر میں پڑھتے تھے، اس کی حکمت جمعہ کی نماز کی تعظیم اور اس کو غیر جمعہ سے ممتاز کرنا ہے۔

اس روایت سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما صرف جمعہ کی نماز میں ایسا کرتے تھے باقی نمازوں میں وہ فصل نہ فرماتے تھے۔ حالانکہ راجح اور معتمد قول یہ ہے کہ فصل تمام نمازوں میں مستحب ہے۔

راوی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس فعل کی مکہ کے ساتھ بھی تخصیص کی ہے اس پر علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی انوکھا تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ مکہ کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ مکہ میں اوقات مکروہ میں بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔

حالانکہ جمعہ کی نماز کے بعد کا وقت کسی کے نزدیک بھی مکروہ اوقات میں نہیں ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فعل محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی وجہ سے تھا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں سنتیں مسجد میں اس لئے ادا فرماتے تھے کہ گھر دور تھا اور مدینہ میں گھر میں سنتیں پڑھنے کی وجہ گھر کا قریب ہونا تھا۔

الفصل الاول:

عشاء اور فجر کے درمیان کتنی رکعتیں ہیں

۱۱۸۸: عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِيمَا بَيْنَ اَنْ يَّفْرُغَ مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ اِلَى الْفَجْرِ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ مِنْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ فَيَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذٰلِكَ قَدْرَمَا يَقْرَأُ اَحَدُكُمْ خَمْسِيْنَ اٰيَةً قَبْلَ اَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهٗ فَاِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَتَبَيَّنَ لَهُ الْفَجْرُ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ حَتّٰى يَاْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلْاِقَامَةِ فَيَخْرُجُ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/ حديث رقم ٩٩٤۔ ومسلم ١/ ٥٠٨ حديث رقم (١٢٢۔٧٣٦)۔ وأبو داؤد في السنن ٢/ ٤٨ حديث رقم ١٤٤٧۔ والنسائي ٣/ ٢٤٢ حديث رقم ١٧٢٦۔ وابن ماجه ١/ ٣٧٨ حديث رقم ١١٩٨۔ والدارمي ١ / ٤٠٠ حديث رقم ١٤٤٧ ومالك في الموطأ ١/ ١٢٠ حديث رقم ٨ من كتاب صلاة الليل ۔ وأحمد في المسند ٦/ ١٢١۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر فجر کی نماز تک اکثر گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے اور وتر کی ایک رکعت کے ساتھ تمام نماز کو طاق کر لیتے تھے۔ اور اس نماز میں اتنا طویل سجدہ کرتے تھے کہ جتنی دیر میں کوئی آدمی اپنا سر اٹھانے سے پہلے پچاس آیتیں تلاوت کرے پھر جب موذن فجر کی اذان دے کر خاموش ہو جاتا اور فجر طلوع ہو جاتی تو آپ کھڑے ہو جاتے اور مختصر دو رکعتیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑھتے تھے اس کے بعد تھوڑی دیر کے لئے داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے یہاں تک کہ مؤذن اقامت کہنے کے لئے اجازت طلب کرتا پھر آپ مسجد میں تشریف لاتے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: ''ویوتر بواحدۃٍ'' ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ توجیہہ کی ہے کہ پچھلی دو رکعات کو اس ایک رکعت کے ساتھ ملاتے تھے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ وتر کی کم از کم مقدار ایک رکعت ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

''فیسجد السجدۃ من ذلك'' علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر کے علاوہ سجدہ کرنے سے بھی اللہ کا قرب حاصل کیا جاسکتا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فیسجد کے فاء سے یہی معلوم ہوتا ہے لیکن ''من ذلك'' کا قول اس کی تائید نہیں کرتا۔

البتہ اگر من کو ابتدائیہ متصل بالفعل مانا جائے تو پھر یہ توجیہہ درست ہے۔ اس صورت میں یہ سجدہ شکر ہوگا۔

راجح یہ ہے کہ فاء مجمل کی تفصیل کیلئے ہے یعنی ان تمام رکعات میں لمبے سجدہ کرتے تھے یعنی پچاس آیات کے بقدر۔ سجدہ منفردہ (جو نہ سجدہ شکر ہو نہ سجدۂ تلاوت) کے جواز عدم جواز کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے صحیح قول اس کے حرام ہونے کا ہے جس طرح رکوع منفرد حرام ہے۔ ایک قول اس کے جواز کا بھی ہے صاحب تقریب نے اسے ذکر کیا ہے۔

بہت سے جاہل مشائخ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ یہ قطعی طور پر ہر حال میں حرام ہے خواہ رخ قبلہ کی طرف ہو یا نہ ہو، چاہے اس میں اللہ کو سجدہ کرنے کی نیت ہو پھر بھی حرام ہے۔

''تبین له الفجر'' فجر سے مراد روشنی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ فجر کی نماز حتی کہ اس کی سنتوں کو بھی روشنی میں پڑھنا مستحب ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی معنی ذکر کیا اور فرمایا کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عشاء کی اذان اندھیرے میں دینا مستحب ہے کہ لوگوں کو نماز کیلئے آنے میں کافی وقت مل سکے۔

''ثم اضطجع علی شقه الأیمن'' ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رات کے قیام کی تھکاوٹ کو دور کرنے کیلئے آپ ﷺ استراحت فرماتے تھے تاکہ فرائض کو نشاط کے ساتھ ادا کرسکیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فجر کی دو سنتوں کے بعد پہلو کے بل لیٹنا مستحب ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ یہ اضطجاع فرائض اور سنتوں میں فصل کیلئے تھا۔ یہ قول درست نہیں کیونکہ آپ ﷺ سنتیں گھر میں اور فرائض مسجد میں ادا فرماتے تھے۔

فجر کی سنتوں کے بعد گفتگو کرنا

۱۱۸۹: وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَاِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حَدَّثَنِیْ وَ اِلَّا اضْطَجَعَ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۵۱۱ حدیث رقم (۱۳۳۔۷۴۳)۔وأبوداوٗد فی السنن ۲/۴۸ حدیث رقم ۱۲۶۳۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب فجر کی سنتیں پڑھ لیتے، اگر میں جاگ رہی ہوتی تو مجھ سے بات چیت کر لیتے اور اگر میں سوئی ہوئی ہوتی تو آپ ﷺ بھی لیٹ جاتے تھے، اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح: ''کان النبی ﷺ اذا صلی رکعتی الفجر'' اس سے مراد فجر کی سنتیں ہیں۔

''فان کنت مستیقظة حدثنی'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، شرط جزاء مل کر شرط اول کیلئے جزا ہیں۔ نیز شرط اول کی جزاء کو محذوف بھی مانا جاسکتا ہے۔ اس صورت میں فاء تفصیلیہ ہوگی۔

''اضطجع'' ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

① صبح کی سنتوں اور فرائض کے درمیان فصل کرنا جائز ہے۔

② اس وقت میں اہلیہ کے ساتھ باتیں کرنا سنت ہے۔

اس حدیث سے ان حضرات کے قول کی بھی تردید ہوگئی جن کا کہنا یہ ہے کہ فرائض وسنتوں کے درمیان کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے یا ثواب سے محرومیت ہو جاتی ہے۔

واضح رہے کہ نبی کریم ﷺ کی گفتگو سے مراد آخرت کی گفتگو ہے، دنیاوی باتیں تو ہر صورت میں خلاف اولیٰ ہیں کیونکہ فرائض سے پہلے سنتیں رکھنے کی حکمت ہی حالت کی درستگی اور غفلت سے نجات ہے۔ یہ حالت اس وقت باقی رہے گی جب نماز سے پہلے آخرت کی باتیں ہو۔

فجر کی سنتوں کے بعد استراحت کا بیان

۱۱۹۰: وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى رَكْعَتَیِ الْفَجْرِ اضْطَجَعَ عَلٰی شِقِّهِ الْاَیْمَنِ. (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳/۴۳ حدیث رقم ۱۱۶۰۔والنسائی ۳/۲۵۲ حدیث رقم ۱۷۶۲۔وابن ماجه ۱/۳۷۸ حدیث رقم ۱۱۹۹۔وأحمد فی المسند ۲/۱۷۳۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی دو رکعت سنت ادا کرنے کے بعد اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جایا کرتے تھے۔

تشریح: ''اضطجع علی شقه الایمن'' ان روایات کی بناء پر امام شافعی رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ ہر شخص کیلئے (خواہ وہ تہجد گزار ہو یا نہ ہو) فجر کے فرائض اور سنتوں کے درمیان دائیں پہلو پر (قبلہ رخ ہو کر) لیٹنا مستحب ہے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر پہلو کے بل نہ لیٹے تو محض مسجد کی طرف چلنے سے فصل حاصل نہ ہوگا۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ اضطجاع استراحت اور تحصیلِ نشاط کیلئے تھا تاکہ فرائض کے ادا کرنے میں چستی اور تازگی حاصل ہو جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور ﷺ فجر کے وقت سے پہلے پہلو کے بل لیٹا کرتے تھے، ابن عمر رضی اللہ عنہما اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے سنتوں کے بعد لیٹنے کو بدعت قرار دیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کے کلام کو عدم واقفیت پر محمول کیا ہے جو کہ بڑی بعید چیز ہے۔

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے تو ایک بڑی انوکھی بات کہی کہ اس طرح کا اضطجاع واجب ہے اور اس چھوڑنے کی صورت میں صبح کی نماز ادا نہ ہوگی۔

ابن حزم کا یہ قول صحیح احادیث کے مخالف ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ بیان جواز یا استراحت کی حاجت نہ ہونے کی صورت میں اضطجاع کو چھوڑ دیا کرتے تھے۔

صلوٰۃ اللیل کی رکعات

۱۱۹۱: وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً مِنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ. (رواہ مسلم)

أخرجه البخاري في صحيحه ٣/ ٢٠ حديث رقم ١١٤٠۔ ومسلم ١/ ٥١٠ حديث رقم(١٢٧۔٧٣٨)۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو تیرہ رکعت نماز پڑھتے تھے ان میں وتر اور فجر کی سنتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح: ''ثلاث عشر ركعة منها الوتر'' ان میں سے تین رکعات وتر کی ہیں تمام علماء کے نزدیک افضل تین رکعات ہی ہیں۔

شمائل ترمذی میں امام ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے:

''ثم يصلي ثلاثا''

امام مسلم نے بھی ایک روایت نقل کی ہے:

''ثم اوتر بثلاث''

یہ روایات بھی ہمارے مسلک کی تائید کرتی ہیں۔

''وركعتا الفجر'' ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فجر کی سنتوں کو وتر اور تہجد کے ساتھ ملایا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھتے تھے، پھر جاگتے رہتے اور پھر فجر کی دو سنتیں پڑھ لیتے۔

۱۱۹۲: وَعَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ سَبْعٌ وَتِسْعٌ وَإِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً سِوٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ٣/ ٢٠ حديث رقم ١١٣٩۔

ترجمہ: حضرت مسروقؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز کے بارے میں پوچھا کہ آپ ﷺ کتنی رکعت پڑھا کرتے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ کبھی آپ سات رکعت پڑھتے تھے، اور کبھی گیارہ رکعت پڑھتے تھے فجر کی سنتوں کے علاوہ۔

راویٔ حدیث:

مسروق بن الاجدع۔ یہ ''مسروق'' ہیں۔ ''اجدع'' کے بیٹے ہیں۔ ہمدانی اور کوفی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی وفات سے قبل مشرف باسلام ہوئے۔ صحابہ کے صدرِ اول ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم کا زمانہ پایا۔ سرکردہ اور فقہاء میں سے تھے۔ مرہ بن شرحبیل نے فرمایا کہ کسی ہمدانی عورت نے مسروق رحمۃ اللہ علیہ جیسا سپوت نہیں جنا۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر کسی گھرانے کے لوگ جنت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں تو وہ یہ ہیں، اسود، علقمہ اور مسروق۔ محمد بن المنتشر نے فرمایا کہ خالد ابن عبداللہ بصرہ کے عامل (گورنر) تھے۔ انہوں نے بطور ہدیہ تیس ہزار (۳۰۰۰) کی رقم دی۔ مسروق نے (باوجودیکہ محتاج تھے) اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ بچپن میں ان کو چرالیا گیا تھا پھر مل گئے تو ان کا نام ''مسروق'' ہو گیا۔ ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی۔ بمقام کوفہ ۶۲ھ میں وفات پائی۔

تشریح: ''واحدی عشر رکعة سوی رکعتی الفجر'' حضرت ام سلمہؓ سے ایک صحیح حدیث منقول ہے:

''نبی کریم ﷺ تیرہ رکعات پڑھا کرتے تھے جب عمر زیادہ ہوگئی اور کمزوری لاحق ہوئی تو آپ ﷺ سات رکعات پڑھا کرتے تھے''۔

جس روایت میں پندرہ رکعات کا ذکر ہے وہ اس صورت پر محمول ہے کہ رکعات سے ابتداء فرماتے تھے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ فجر کی دو سنتوں کو اس میں شمار کر لیا جائے۔ نیز بارہ رکعات تہجد اور تین رکعات وتر بھی شمار کی جاسکتی ہیں۔ آخری بات کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ جب نیند کے غلبہ کی وجہ سے آپ ﷺ کی تہجد رہ جاتی تو آپ ﷺ دن میں بارہ رکعات پڑھا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز ہلکی دو رکعتوں سے شروع کرتے تھے

۱۱۹۳: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ لِيُصَلِّيَ اِفْتَتَحَ صَلَاتَهٗ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۵۳۲ حديث رقم (۱۹۷-۷۶۷)۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو تہجد کی نماز کیلئے کھڑے ہوتے، تو اپنی نماز کو دو مختصر رکعتوں سے شروع کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح: ''افتتح صلاته برکعتین خفیفتین'' صاحب ازھار فرماتے ہیں:

''اس سے مراد تحیۃ الوضوء کی نماز ہے، اس میں تخفیف مستحب ہے''۔

راجح یہ ہے کہ یہ دو رکعات تہجد کا حصہ شمار کی جاتیں تو تحیۃ الوضو کے قائم مقام ہوں، کیونکہ وضو کیلئے علیحدہ کوئی نماز نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب بھی کوئی کام شروع کیا جائے تو تھوڑے سے شروع کیا جائے تا کہ اس میں چلنا آسان ہو۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شروع میں خفیف رکعات پڑھنے کی حکمت نشاط کا حصول اور طبیعت کو نماز پر لانا ہے۔

۱۱۹۴: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ مِّنَ اللَّیْلِ فَلْیَفْتَتِحِ الصَّلَاةَ بِرَكْعَتَیْنِ خَفِیْفَتَیْنِ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۵۳۲/۱ حديث رقم(۱۹۸۔۷۶۸)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کیلئے رات کے وقت اٹھے اُسے چاہئے کہ وہ اپنی نماز کی ابتداء ہلکی دو رکعتوں سے کرے، اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح: ''فلیفتتح'' ایک نسخہ میں فلیفتح آیا ہے۔

تہجد کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت

۱۱۹۵: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِیْ مَیْمُوْنَةَ لَیْلَةً وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا فَتَحَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَعَ اَهْلِهٖ سَاعَةً ثُمَّ رَقَدَ فَلَمَّا كَانَ ثُلُثُ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ اَوْ بَعْضُهٗ قَعَدَ فَنَظَرَ اِلَی السَّمَآءِ فَقَرَاَ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ حَتّٰی خَتَمَ السُّوْرَةَ ثُمَّ قَامَ اِلَی الْقِرْبَةِ فَاَطْلَقَ شِنَاقَهَا ثُمَّ صَبَّ فِی الْجَفْنَةِ ثُمَّ تَوَضَّاَ وُضُوْءً حَسَنًا بَیْنَ الْوُضُوْئَیْنِ لَمْ یُكْثِرْ وَقَدْ اَبْلَغَ فَقَامَ فَصَلّٰی فَقُمْتُ وَتَوَضَّاْتُ فَقُمْتُ عَنْ یَّسَارِهٖ فَاَخَذَ بِاُذُنِیْ فَاَدَارَنِیْ عَنْ یَّمِیْنِهٖ فَتَتَامَّتْ صَلَاتُهٗ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتّٰی نَفَخَ وَكَانَ اِذَا نَامَ نَفَخَ فَاٰذَنَهٗ بِلَالٌ بِالصَّلَاةِ فَصَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّاْ وَكَانَ فِیْ دُعَآئِهٖ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّسَارِیْ نُوْرًا وَّفَوْقِیْ نُوْرًا وَّتَحْتِیْ نُوْرًا وَّاَمَامِیْ نُوْرًا وَّخَلْفِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا وَّزَادَ بَعْضُهُمْ وَفِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا وَّذَكَرَ وَعَصَبِیْ وَلَحْمِیْ وَدَمِیْ وَشَعْرِیْ وَبَشَرِیْ (متفق عليه وفي رواية) لَهُمَا وَاجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا وَّاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَّفِیْ اُخْرٰی لِمُسْلِمٍ اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا۔

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۱۶/۱۱ حديث رقم ۶۳۱۶۔ومسلم في صحيحه ۵۲۶/۱ حديث رقم (۱۸۱۔۷۶۳) ۔والترمذي في السنن ۴۵۵/۵ حديث رقم ۳۴۱۹۔والنسائي ۲۱۸/۲ حديث رقم ۱۱۲۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں، کہ ایک مرتبہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رات گذاری اور رسول اللہ ﷺ بھی اُس دن انہی کے پاس تھے، رات کا کچھ حصہ آپ ﷺ اپنی اہلیہ سے باتیں کرتے رہے پھر آپ ﷺ سو گئے، پھر رات کا تیسرا حصہ یا اس سے کچھ کم باقی رہ گیا، تو آپ ﷺ اٹھے اور آسمان کی طرف دیکھ کر یہ آیت پڑھی: ﴿ان فی خلق السمٰوٰت﴾ ۔ یہاں سے شروع کر کے سورت کے اختتام تک تلاوت کی، پھر اٹھ کر پانی کی مشک کے پاس گئے، اور اس کا منہ کھول کر برتن میں پانی ڈالا، پھر اچھی طرح وضو کیا اور مناسب مقدار میں پانی استعمال کیا، چنانچہ حدیث کے راوی کا بیان ہے کہ درمیانہ وضو کیا (یعنی اتنا کم پانی بھی استعمال نہیں کیا کہ اعضاء اچھی طرح تر نہ ہوں اور نہ ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کیا) پھر آپ ﷺ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے آپ کے بعد میں بھی اٹھا جس طرح آپ کر رہے تھے ایسا ہی میں نے بھی کیا اور وضو کر کے آپ کی بائیں طرف جا کر کھڑا ہو گیا، آپ ﷺ نے میرا کان پکڑ کر اپنی بائیں طرف سے گھما کر اپنی دائیں طرف کھڑا کر دیا، اور آپؐ نماز پڑھتے رہے اور میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتا رہا۔ جب آپؐ نے تیرہ رکعت نماز پڑھ لی تو لیٹ کر سو گئے، یہاں تک کہ آپ خراٹے لینے لگے، آپ ﷺ سوتے وقت خراٹے لیتے تھے، اتنے میں حضرت بلالؓ آئے اور نماز کی اطلاع دی، آپ ﷺ نے دوبارہ وضو کئے بغیر سنت کی دو رکعتیں ادا کیں اور یہ دعا کرنے لگے: "اللّٰھم اجعل فی قلبی نورًا" (اے اللہ میرے دل میں نور پیدا کر دے اور میری آنکھوں میں اور میرے کانوں میں اور میری دائیں طرف اور میری بائیں طرف اور میرے اوپر اور میرے نیچے میرے آگے اور میرے پیچھے نور ہی نور بنا دے)۔ اور بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ میری زبان کو نور بنا دے اور بعض روایات میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ میرے پٹھوں میں میرے گوشت میں میرے خون میں میرے بالوں میرے چمڑے میں نور پیدا کر دے۔ اور بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ میرے نفس میں نور پیدا کر دے، اور میرے لیے نور میں بڑائی دے، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں "اے اللہ مجھے نور عطا کر دے"۔

تشریح: "فتحدث رسول الله ﷺ مع أهله ساعة" اس سے معلوم ہوا کہ اگر عشاء کے بعد آخرت یا وعظ ونصیحت یا حسن معاشرت کی گفتگو ہو تو مکروہ نہیں ہے۔

"نظر الی السماء" اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں تفکر اور عالم جبروت میں استغراق کیلئے آسمان کی طرف دیکھتے تھے۔

"واختلاف اللیل والنهار" رات دن کا اختلاف تین طرح سے ہے:

① طول وقصر کے اعتبار سے۔ ② تاریکی روشنی کے اعتبار سے۔ ③ گرمی وسردی کے اعتبار سے۔

"لأولی الألباب" اولوالالباب سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں عقل سلیم حاصل ہو اور وہ توحید اور نبوت کے طریق مستقیم اور ملتِ قومیہ پر ہوں۔ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"اس شخص کیلئے ہلاکت ہے جو اس آیت کو پڑھے اور تفکر نہ کرے"۔

حتی ختم السورة" کیونکہ یہ سورت بہت سے لطائف عظیمہ اور عوارف جسمیہ پر مشتمل ہے لیکن یہ اس کو ملیں گے جو اس کے بیان میں عذر کرے گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''بین الوضوئین'' اس جملہ کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں:

① ایسا وضو فرماتے جو اسراف اور بخل کے درمیان میں ہوتا (یعنی نہ زیادہ پانی ڈالتے کہ اسراف کی حد کو پہنچ جائے اور نہ اتنا کم کہ اعضاء بھی پوری طرح تر نہ ہو) اس سے معلوم ہوا کہ افراط وتفریط کے درمیان رہ کر وضو کرنا مستحسن ہے۔

② دو مرتبہ وضو فرماتے تھے۔

''لم یکثر'' یہ وضو کی دوسری صفت ہے یا وضو اور حسن کی وضاحت ہے۔ بہر حال عدم افراط کی طرف اشارہ ہے۔

''وقد أبلغ'' عدم تفریط کی طرف اشارہ ہے۔

''عن یسارہ'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے تھے، ابھی چھوٹے بچے تھے اس لئے نماز کے مسائل سے واقف نہ تھے۔

''فأخذ بأذنی'' شمائل ترمذی میں وارد ہے:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں دست مبارک میرے سر پر رکھا اور پھر میرے دائیں کان پکڑا''۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں برکت عطا کرنے کیلئے اپنا درست مبارک ان کے سر پر رکھا تا کہ انہیں اس مجلس کے سارے افعال نبوی یاد ہو جائیں۔

''فادارنی عن یمینہ'' ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، من جانب کے معنی میں ہے، اصل عبارت یہ ہوگی:

''أدارنی عن جانب یسارہٖ الی جانب یمیْنہ''۔

بعض روایات میں ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے کان کو مروڑا تا کہ ان کی غفلت دور ہو جائے اور پوری بیدار مغزی کے ساتھ افعال کو یاد کر سکیں۔

''صلاتہ ثلاث عشرۃ رکعۃ'' شمائل میں ہے:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت پڑھیں پھر وتر پڑھے''۔

یعنی آخری دو رکعات کو آخری رکعت کے ساتھ ملا کر پڑھا جس سے وتر تین ہو گئے۔ جیسا کہ امام مسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

''ثم اضطجع فنام حتی نفخ'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سونے کے بعد ایسی طرح سانس لیتے تھے کہ سانس کی آواز محسوس ہوتی تھی اور سنائی دیتی تھی۔

''وکان اذا نام نفخ'' یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب آرام فرماتے تھے تو بلند آواز سے سانس لیتے تھے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند آواز سے سانس لینا کسی امر خارج کی وجہ سے نہ تھا بلکہ یہ فطرتی تھا جو جسم کے پر گوشت ہونے کی بنا پر پیدا ہوا تھا۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام حاجتوں کو اللہ تعالیٰ نے پورا فرما دیا اور آپ کا غم امت ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اضافہ ہوا تھا۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ اس بارے میں دو قول ہیں:

① اللہ تعالیٰ کی عنایات اور امت محمدیہ ﷺ کی کثرت کو دیکھ کر آپ کے جسم میں اضافہ ہوا۔

② اللہ تعالیٰ کی عبدیت کا احساس اور اللہ رب العزت کی نوازشات کی وجہ سے ایسا ہوا۔

جن روایات میں پر گوشت اور فربہ لوگوں کی مذمت آئی ہے وہاں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو غفلت اور ناز ونعمت کی زندگی کی وجہ سے موٹے ہو جائیں، یا زیادہ گوشت کھانے کی وجہ سے ایسا ہو۔

''فصلی ولم یتوضأ'' علماء فرماتے ہیں کہ سونے کے باوجود نبی کریم ﷺ کا وضو نہ فرمانا اس حکمت کی بناء پر تھا کہ نیند بذات خود ناقض وضو نہیں بلکہ کسی امر خارج کی وجہ سے ہے اور امر خارج ناقضِ وضو چیز کا خروج ہے۔ اور چونکہ نیند میں نبی کریم ﷺ کا دل بیدار رہتا تھا اس لئے حضور ﷺ کے بارے میں یہ گمان کرنا ممکن نہیں کہ کوئی ناقض وضو چیز خارج ہوئی ہو۔ یہ نبی کریم ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قلب کی بیداری حدث سے مانع ہے اور دل کی بیداری کی حکمت' وحی کی حفاظت ہے، نبی کریم ﷺ پر نیند میں بھی وحی نازل ہوتی تھی۔

اب رہی یہ بات کہ پہلی مرتبہ اٹھنے کے بعد وضو کیوں فرمایا؟ تو وہ وضو کسی اور نقص، تجدید یا تنشیط کیلئے تھا۔

''وکان فی دعائہ'' اس جملہ کی مراد میں دو احتمال ہیں:

① اس رات کی دعاؤں میں سے ایک یہ تھی۔

② گھر سے مسجد کی طرف جانے کی دعاؤں میں سے ایک یہ تھی، علامہ جزری نے الحصن میں یہی ذکر کیا ہے۔

''اجعل فی قلبی نورا'' نور کی تعریف یہ ہے:

''ھو ما یتبین بہ الشئ ویظھر''۔ ''جس سے کوئی چیز واضح اور ظاہر ہو''۔

علامہ کرمانی فرماتے ہیں نوراً کی تنوین تعظیم کیلئے ہے، یعنی نوراً عظیمًا۔

دل کو باقی اعضاء پر مقدم کرنے کی حکمت یہ ہے کہ دل اعضاء کا حکمران اور بادشاہ ہے۔

''وفی بصری نورًا وفی سمعی نورًا'' بصارت وسماعت میں نور کی دعا اس لئے مانگی گئی کہ یہ دلائل عقلیہ اور نقلیہ کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

''وعن یمینی نورا وعن یساری نورًا'' یعنی دائیں اور بائیں طرف نور کر دے۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ نور سے مراد حق کی روشنی ہے۔ یعنی میرے اعضاء کو حق میں استعمال فرما اور میرے تصرف کو سیدھے راستہ پر چلا۔

''وفوقی نورًا و تحتی نورا وامامی نورًا وخلفی نورًا'' ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ان جوانب میں میں حرف جر نہ لانے کی حکمت یہ ہے کہ ان اعضاء میں کامل، اکمل اور محیط نور کا سوال کیا جا رہا ہے کیونکہ انسان کو ظلماتِ بشریہ نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے اور انسان صرف انوار الٰہیہ کی بدولت ان سے بچ سکتا ہے''۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ طیبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ان انوار کو ظاہر پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے اس صورت میں معنی یہ ہوگا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اپنے اعضاء کی نورانیت کا سوال کیا تا کہ قیامت کے دن آپ اور آپ کے متبعین اس نور کی روشنی میں چل سکیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ نور سے مراد علم اور ہدایت لئے جائیں، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''فهو على نور من ربه''۔

اسی طرح فرمایا: ''وجعلنا له نورا يمشي به في الناس''۔

البتہ ان دونوں معانی کو جمع کرنا بھی ممکن ہے (کہ ظاہری نور بھی مراد ہو اور علم وہدایت بھی)۔

نور کے معنی میں تحقیق شدہ بات یہ ہے کہ نسبت کے اختلاف سے اس کے معنی میں بھی اختلاف آتا ہے۔ سماعت کا نور مسموعات میں، بصارت کا نور مبصرات میں، دل کا نور معلومات میں اور اعضاء کا نور اعمال اطاعات میں ظاہر ہوتا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر ہر عضو میں نور مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ نور معرفت اور طاعت کے انوار سے منور ہو اور جہالت اور گمراہی کی ظلمت سے پاک ہو۔ کیونکہ جہالت کی ظلمات سر سے پاؤں تک انسان کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اور شیطان ہر طرف سے اسے وسواس وشبہات میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان برائیوں سے بچنے کیلئے ایسے انوار کی ضرورت ہے جو ان تاریکیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ اس میں امت کیلئے تلقین وراہنمائی کا سامان موجود ہے۔

دوسرا نکتہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے یہ بیان کیا ہے کہ قلب، سمع اور بصر میں فی ظرفیہ کو لائے کیونکہ دل انعام الٰہیہ کے نزول کا مستقر ہے۔ ''بصر آفاق وانفس میں اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے والی ہے اور سماعت انبیاء پر اترنے والی نشانیوں کو سننے والی ہے۔ یمین اور شمال کو عن کے ساتھ ذکر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ انوار قلب، بصر اور سمع سے نکل کر دائیں بائیں پہنچ جائیں، فوق، خلف، امام اور تحت کو حروف جارہ سے خالی اس لئے کیا گیا کہ مکمل اور کامل نور حاصل ہو جائے۔

''واجعل لي نورًا'' یہ اجمال بعد التفصیل ہے۔

ابن ملک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نور عظیم ہے جو تمام انوار کو جامع ہے۔ نسائی اور حاکم کی روایت میں واجعلني نورًا کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ مذکورہ الفاظ سے زیادہ جامع ہیں۔

''وعصبي'' کیونکہ بدن کی مضبوطی کا مدار اسی پر ہے۔

''ولحمي'' کیونکہ بدن کی نشو ونما اور زیادتی اسی پر منحصر ہے۔

''ودمي'' زندگی اس کے بغیر ممکن نہیں۔

''وشعري'' بال حسن وخوبصورتی میں اضافہ کا موجب ہے۔

''وبشري'' کھال کی وجہ سے انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے۔

''وفي رواية لهما'' شیخین کی روایت مراد ہے۔

''أعظم لي نورًا'' ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ، یعنی میرے نور کو عظیم فرما۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وتر تین رکعت ہے

۱۱۹۶: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ رَقَدَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَيْقَظَ وَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّأَ وَهُوَ يَقُوْلُ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتّٰی خَتَمَ السُّوْرَةَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰی رَكْعَتَيْنِ اَطَالَ فِيْهِمَا الْقِيَامَ وَالرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَامَ حَتّٰی نَفَخَ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ سِتَّ رَكَعَاتٍ كُلَّ ذٰلِكَ يَسْتَاكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيَقْرَأُ هٰؤُلَاءِ الْاٰيَاتِ ثُمَّ اَوْتَرَ بِثَلَاثٍ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/ ۵۳۰ حديث رقم (۱۹۱-۷۶۳)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ وہ ایک رات رسول اللہ ﷺ کے پاس سوئے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو بیدار ہوئے، مسواک کی اور وضو کیا پھر یہ آیت پڑھی ﴿ان فی خلق السّموٰت والارض﴾ یہاں تک کہ سورت کو ختم کیا پھر کھڑے ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی جس میں قیام' رکوع، اور سجدہ طویل کیا دو رکعت سے فارغ ہو کر آپ ﷺ لیٹ گئے اور خراٹے لینے لگے پھر تین مرتبہ اس طرح کیا۔ اس طرح آپ ﷺ نے تین مرتبہ میں چھ رکعتیں پڑھیں اور تین مرتبہ میں سے ہر بار مسواک بھی کرتے اور وضو بھی کرتے اور یہ آیات بھی پڑھتے، پھر آخر میں آپ نے وتر کی تین رکعتیں پڑھیں۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح: ''فاستیقظ'' شمائل میں اس کے بعد یہ اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے بیداری کے بعد چہرہ پر ہاتھ پھیرا اور نیند کے اثر کو ختم فرمایا۔

''فتسوك وتوضأ'' ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وضو محض تجدید کیلئے تھا کیونکہ آپ ﷺ کی نیند ناقض وضو نہیں۔ حتمی طور پر تجدید کا حکم لگا دینا درست نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ یہ وضو کسی اور نقص کی وجہ سے فرمایا ہو۔

''وهو يقول ان في خلق السموات والارض'' بظاہر اس واقعہ کا پہلے ذکر کردہ واقعہ سے تعارض معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں پہلے قراءت اور پھر وضو کا ذکر ہے جبکہ اس میں پہلے وضوء اور پھر قراءت کا ذکر ہے، محدثین نے اس کے حل میں تین باتیں فرمائی ہیں:

① دو مرتبہ پڑھا تھا (ایک مرتبہ پہلے ایک مرتبہ بعد میں)۔

② یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا۔

③ یہ عطفِ محض ہے، عطف رتبی نہیں ہے۔

''ثلاث مرات ست ركعات'' علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ست رکعات بدل ہے ثلاث مرات سے۔ یہ بھی کہا گیا کہ ست رکعات، اَعنی فعل محذوف کا مفعول یا ثلاث کیلئے بدل ہے۔

''كل ذلك يستاك'' علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''كل ذلك'' متعلق یستاک کے ساتھ۔

حضرت ابن عباسؓ کے قول ''ثم فعل ذلك'' میں ثم تراخی کیلئے ہے جس کو تقدیرًا و تاکیدًا لایا گیا ہے۔ یہ عطف مجر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیلئے نہیں ہے تاکہ چار مرتبہ پر عمل کرنا لازم نہ آئے۔

''یتوضا'' یہ وضو تجدید کیلئے تھا۔ جبکہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال یہ ہے کہ شاید اس موقع پر حدث کا احساس ہوا تھا۔

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی دوسرا واقعہ ہے کیونکہ حالات اور رکعات کی تعداد یہاں مختلف ہے۔ البتہ اگر رکعات کو صلوات پر محمول کیا جائے تو ٹھیک ہے۔

''ثم اوتر بثلاث'' ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ رکعات تہجد کی تھیں اور تین وتر تھے۔ امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مسلک ہے، امام شافعی بھی اس کے خلاف نہیں بلکہ ان کے نزدیک ایک رکعت پر اکتفا کرنا مکروہ ہے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز کی کیفیت

۱۱۹۷: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ اَنَّهُ قَالَ لَاَرْمُقَنَّ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّيْلَةَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَادُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَادُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَادُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ اَوْتَرَ فَذٰلِكَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً رواه مسلم قَوْلُهُ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَادُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ هٰكَذَا فِيْ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ وَاَفْرَادِهِ مِنْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَمُؤَطَّا مَالِكٍ وَسُنَنِ اَبُوْدَاوٗدَ وجامع الاصول۔

أخرجه مسلم في صحيحه ١/ ٥٣١ حديث رقم (١٩٥-٧٦٥)۔ وأخرجه أبوداود في السنن ٢/ ٩٩ حديث رقم ١٣٦٦۔ وابن ماجه ١/ ٤٣٣ حديث رقم ١٣٦٢۔ ومالك في الموطأ ١/ ١٢٢ حديث رقم ١٢ من كتاب صلاة الليل ۔ وأحمد في المسند ٥/ ١٩٣۔

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ارادہ کیا کہ آج رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھتا رہوں گا، چنانچہ میں نے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دو رکعتیں مختصر پڑھیں پھر دو رکعتیں بہت طویل پڑھیں، پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں جو ان دو رکعتوں سے کچھ مختصر تھیں اور اس کے بعد پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں جو ان دو رکعتوں سے کچھ مختصر تھیں پھر اس کے بعد آپ نے دو رکعتیں پڑھیں جو طویل کے مقابلہ میں مختصر تھیں اس طرح آپ نے تیرہ رکعتیں پڑھیں صحیح مسلم میں یہ روایت اسی طرح ہے اور حضرت زیدؓ کا یہ قول کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں جو طویل رکعتوں سے مختصر تھیں صحیح مسلم میں حمیدی کی کتاب میں جس میں صرف مسلم کی روایات نقل کی گئی ہیں اور موطا امام مالک، سنن ابی داود، اور جامع الاصول میں سب میں چار مرتبہ ذکر کیا گیا ہے، صرف یہاں پانچ مرتبہ کا ذکر ہے۔

تشریح: ''وعن زید بن خالد الجھنی'' مشہور مدنی صحابی ہیں، تقریب میں اسی طرح ہے۔

''انہ قال لأرمقن'' یعنی میں دیکھوں گا، غور کروں گا، یاد کروں گا اور ذہن میں بٹھاؤں گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس جملہ میں ماضی سے مضارع کی طرف عدول کیا گیا ہے اس کی حقیقت کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:
علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ عدول سامع کے ذہن میں اصل حالت کے تقرر اور استحضار کی وجہ سے ہے۔
بعض کا خیال یہ ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و عمل سے پہلے کا ہو۔
ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے یہ بات اپنے ساتھیوں سے دن کے وقت کہی اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو بنظر تامل ملاحظہ کیا۔ اس صورت میں مضارع اپنی حالت پر ہوگا۔
ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا قول انتہائی بعید ہے اس کو درست ثابت کرنے کیلئے بہت سی تقدیری عبارتیں ماننا پڑیں گی۔
''اللیلة'' یعنی آج رات میں ایسا کروں گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس رات حجروں سے باہر نماز ادا کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں گے۔

''ثم صلی رکعتین طویلتین طویلتین طویلتین'' یہ تکرار محض تاکید کیلئے ہے، ہر طویلتین سے دو رکعات مراد نہیں۔
علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ اس لفظ کو ذکر کر کے طوالت کی انتہاء کو بیان کیا پھر آہستہ آہستہ اس کی تخفیف کی طرف آتے گئے۔

''ثم اوتر'' مظہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ وتر تین رکعات پر مشتمل تھے کیونکہ راوی نے وتر سے پہلے کی رکعات کو دس تک شمار کیا ہے کیونکہ پہلے رکعتین حفیفتین کہا، پھر رکعتین طویلتین کہا پھر تین مرتبہ صلی رکعتین کہا۔ پس یہ دس رکعات ہوگئی۔ (مصابیح کے نسخہ کے مطابق مظہر اور طیبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا یہ قول درست ہے، البتہ اگر مشکوٰۃ کے نسخہ کو لیا جائے تو پہلی دو رکعات خفیفہ اس گنتی میں نہ آئیں گی ان کے بعد کی رکعات کو اس میں شمار کریں گے)۔

''فذلك ثلاث عشرة رکعة'' ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ وتر تین رکعات تھے کیونکہ پہلے پانچ سلاموں میں آپ نے دس رکعات پڑھی تھیں (یعنی دو رکعات خفیفہ کے علاوہ یا مصابیح کے نسخہ کی روایت کے مطابق)۔

''ثم صلی رکعتین وهما دون اللتین قبلهما أربع مرات هکذا فی صحیح مسلم وافراده من کتاب الحمیدی ومؤطا مالك وسنن ابی داؤد جامع الاصول'' اس عبارت سے صاحب مشکوٰۃ صاحب مصابیح پر اعتراض کر رہے ہیں کہ انہوں نے مصابیح میں ثلاث مرات ذکر کیا جبکہ مذکورہ کتابوں میں اربع مرات مذکور ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر عمر میں نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے

۱۱۹۸: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا بَدَّنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَثَقُلَ كَانَ اَكْثَرُ صَلَاتِهِ جَالِسًا۔

(متفق علیه)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۵۰۶ حدیث رقم (۱۱۷-۷۳۲)۔ وأحمد فی المسند ۶/۱۱۴۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک جب بھاری ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نفل نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح: "لمّا بدّن رسول اللہ ﷺ" دال کی تشدید کے ساتھ التبدین سے ماخوذ ہے یعنی بڑھاپے اور کمزوری کا لاحق ہو۔ اگر دال کی تخفیف کے ساتھ لیں تو اس کا معنی ہوگا گوشت کا بڑھ جانا۔ مرادی معنی یہ ہوگا کہ نبی کریم ﷺ کا جسم اطہر جب بوجھل ہوگیا اور حرکت میں تکلیف محسوس ہونے لگی۔

"وثقل" یہ عطف تفسیر ہے۔

محدثین فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو سمین (موٹا) کہنا آپ کی بے ادبی ہے۔ البتہ ان روایات کا مفہوم یہ ہے کہ جسم پر گوشت عام حالت سے بڑھ گیا تھا۔ عمر کے بڑھنے کی وجہ سے ضعف، بیماری اور کمر دردی لاحق ہوگئی تھی۔

"کان اکثر صلاتہ" نفل نماز مراد ہے۔

"جالسًا" ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خصوصیات سے ہے کہ آپ بیٹھ کر بھی نماز پڑھتے تھے۔ تو آپ کو حالت قیام کی نماز کا ثواب ملتا تھا۔ کیونکہ جو سستی ثواب کو آدھا کرتی ہے آپ اس سے مامون و محفوظ تھے۔

اس سے معلوم یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص فرض یا نفل نماز کو بیٹھ کر کسی عذر کی وجہ سے پڑھے تو اسے بھی پورا ثواب ملے گا۔ اس صورت میں یہ خصائص نبوی ﷺ میں سے نہ ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ کو عذر یا بلا عذر بیٹھنے کے باوجود پورا ثواب ملتا تھا تو یہ خصائص میں سے ہوگا۔

"متفق علیہ" میرکؒ فرماتے ہیں کہ مسلم اور بخاری کے الفاظ میں بہت فرق ہے۔

نمازِ تہجد میں رسول اللہ ﷺ کی قراءت

۱۱۹۹: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ عَرَفْتُ النَّظَائِرَ الَّتِیْ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرِنُ بَيْنَهُنَّ فَذَكَرَ عِشْرِيْنَ سُوْرَةً مِنْ اَوَّلِ الْمُفَصَّلِ عَلٰی تَالِيْفِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ سُوْرَتَيْنِ فِیْ رَكْعَةٍ اٰخِرُهُنَّ حٰمٓ الدُّخَانُ وَعَمَّ يَتَسَآءَ لُوْنَ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۲۵۵ حديث رقم ۷۷۵ـ ومسلم ۱/۵۶۵ حديث رقم (۲۷۹ـ۸۱۲) والنسائي ۲/۱۷٤ حديث رقم ۱۰۰٤ وأحمد في المسند ۱/٤۳۶ـ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے وہ سورتیں معلوم ہیں جو آپس میں مشابہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ جنہیں جمع کرتے تھے وہ بیس سورتیں ہیں جو مفصلات کے شروع میں ہیں، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے شمار کر کے بتائیں۔ رسول اللہ ﷺ ان سورتوں کو اس طرح جمع کیا کرتے تھے کہ ایک رکعت میں دو دو سورتیں ملا کر پڑھا کرتے تھے اور ان بیس سورتوں میں آخری دو سورتیں سورۃ حٰمٓ الدُّخَانُ اور عَمَّ يَتَسَآءَ لُوْنَ ہیں۔

تشریح: "قال لقد عرفت النظائر" النظائر جمع النظیرۃ کی بمعنی مثل اور شبہ، مراد یہ ہے کہ میں نے ان سورتوں کو پہچان لیا جو طول و قصر میں ایک جیسی ہیں۔

شیخ جزری نے تصحیح المصابیح میں اس روایت کو امام ابوداؤد کے حوالہ سے یوں بیان کیا ہے کہ حضرت علقمہ اور حضرت اسود روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، انہوں نے کہا میں آج رات ایک رکعت میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفصلات کی تمام سورتوں کی تلاوت کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت میں ایک جیسی دوسورتیں پڑھتے تھے، آپ ایک رکعت میں الرحمن اور النجم، ایک رکعت میں واقتربت اور الحاقة، ایک رکعت میں والطور اور لذاریات، ایک رکعت میں واذا وقعت اور والنون، ایک رکعت میں وسأل سائل اور والنازعات، ایک رکعت میں ویل للمطففین اور عبس، ایک رکعت میں المدثر اور المزمل، ایک رکعت میں هل أتى اور لا اقسم بیوم القیامة، ایک رکعت میں عم یتسألون اور المرسلات اور ایک رکعت میں الدخان اور اذالشمس کورت کی قراءت کرتے تھے۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تالیف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے۔

صحیح ابن خزیمہ میں یہ حدیث موجود ہے البتہ وہاں کچھ کمی اور ترتیب کے اختلاف کے ساتھ آئی ہے۔

علامہ جزری فرماتے ہیں کہ سورتوں کی ترتیب کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ ترتیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے توقیف پر مبنی ہے یا صحابہ کرام کا اس ترتیب پر اجماع ہوا ہے۔ یا بعض کی ترتیب توقیفی اور بعض کی اجماع پر مبنی ہے۔ البتہ اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن مجید اس ترتیب پر نازل نہیں ہوا جس پر آج موجود ہے۔ نیز اس کو اسی موجودہ ترتیب پر پڑھنے پر بھی اجماع ہے۔ البتہ حفظ کرنے والے بچوں کیلئے ضرورت تعلیم کی بنا پر آخر سے پڑھنا بھی درست ہے۔ نماز میں غیر مرتب پڑھنا غیر اولی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غیر مرتب پڑھنا مکروہ ہے۔

اگر ایک آدمی نے پہلی رکعت میں سورۃ الناس پڑھی تو اب وہ دوسری رکعت میں کیا پڑھے؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورۃ الناس ہی دوبارہ پڑھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورۂ بقرہ شروع سے المفلحون تک پڑھ لے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ یہ راجح ہے کیونکہ افادہ اعادہ سے بہتر ہے۔

اس حدیث کے بارے میں یہ بات واضح رہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اس شخص کو ڈانٹنا محض ترغیب کیلئے تھا وگرنہ ایک رکعت میں مفصلات کی قراءت بھی جائز ہے۔

الفصل الثانی:

نمازِ تہجد کی کیفیت

۱۲۰۰: عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّیْ مِنَ اللَّيْلِ فَكَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ثَلَاثًا ذُوالْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ فَقَرَأَ الْبَقَرَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوْعُهٗ نَحْوًا مِّنْ قِيَامِهٖ فَكَانَ يَقُوْلُ فِیْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِيْمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ فَكَانَ قِيَامُهٗ نَحْوًا مِّنْ رُكُوْعِهٖ يَقُوْلُ لِرَبِّیَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ سُجُوْدُهٗ نَحْوًا مِّنْ قِيَامِهٖ فَكَانَ يَقُوْلُ فِیْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰى ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ وَكَانَ يَقْعُدُ فِيْمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا مِّنْ سُجُوْدِهٖ وَكَانَ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْلِیْ رَبِّ اغْفِرْلِیْ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَرَأَ فِيْهِنَّ الْبَقَرَةَ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَآلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ أَوِ الْاَنْعَامَ شَكَّ شُعْبَةُ ۔(رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ١/٥٤٤ حديث رقم ٨٧٤۔ والنسائي ٢/٢٣١ حديث رقم ١١٤٥۔

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت تہجد کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا چنانچہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ اللہ اکبر کہا، اور اس کے ساتھ پڑھا **ذوالملکوتِ والجبروتِ والکبرِیاء والعظمة** پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے ثناء پڑھی اور سورۃ **بقرہ** کی تلاوت کی اور اس کے بعد رکوع کیا اور آپ کا رکوع تقریباً قیام کے برابر تھا اور رکوع میں آپ ﷺ نے **سبحان ربی العظیم** پڑھا، پھر رکوع سے سر اٹھایا اور تقریباً آپ کا قومہ رکوع کے برابر تھا اور آپ نے اٹھتے ہوئے **(سمع الله لمن حمده)** کہنے کے بعد **لربی الحمد** کے الفاظ دہرائے پھر سجدہ کیا اور آپ کا سجدہ تقریباً قومہ کے برابر تھا اور سجدہ میں آپ ﷺ نے **سبحان ربی الاعلیٰ** کہا، پھر آپ ﷺ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور دو سجدوں کے درمیان جلسہ کیا تقریباً سجدہ کے برابر اور اس میں کہتے رہے **رب اغفر لی رب اغفر لی**، اس طرح آپ ﷺ نے چار رکعتیں پوری کیں اور ان چار رکعتوں میں سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران، سورۂ نساء، سورۂ مائدہ یا سورۂ انعام کی قراءت کی۔ شعبہ کو مائدہ یا انعام میں شک ہے۔

تشریح: ''**فکان**'' علامہ طیبی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی فاء تفصیل کیلئے ہے۔ ایک نسخہ میں ''**و کان**'' (لواو) کے ساتھ ہے۔

''**یفعل**'' یعنی نیت قلبی کے بعد۔

''**اللّٰہ اکبر**'' وہ اللہ جو ہر چیز سے بڑا اور عظمت والا ہے۔ بعض علماء نے اکبر کی تفسیر کبیر سے کی ہے۔ یہ تفسیر ضعیف ہے۔ اللہ اکبر کا ایک معنی یہ بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے بالاتر اور بلند ہے کہ اس کی کبریائی اور عظمت کی تہہ تک پہنچا جائے۔

''**ذوالملکوت**'' ملکوت مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا مطلب ہے ظاہر اور باطنی بادشاہت کا مالک۔

''**والجبروت**'' فعلوت کے وزن پر ہے۔ جبر سے مشتق ہے اس کا معنی ہے غلبہ و قہر۔ جبار سے مراد وہ ذات جو بندوں کو زبردستی اپنے ارادے پر ڈال سکے۔ جبار کا ایک معنی مخلوق سے برتر و بلند بھی کیا گیا ہے۔

''**والکبریا والعظمة**'' یعنی کبریائی اور عظمت کی انتہاء والا۔ ان الفاظ کے معنی کے پیش نظر انہیں غیر اللہ کے لیے وصف نہیں بنا سکتے۔ ان دو الفاظ کے مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں:

① اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے بلند و رفیع ہے اور ساری مخلوق اس کی تابعدار ہے۔
② یہ الفاظ ذات و صفات کے کمال سے عبارت ہیں۔
③ کبریاء سے مراد ہر نقص سے پاک ہونا اور عظمت سے مراد احاطہ و ادراک میں نہ آنا ہے۔

تحقیق شدہ قول یہ ہے کہ ان دونوں الفاظ میں فرق ہے۔ کیونکہ ایک حدیث قدسی میں آیا ہے۔

''کبریائی میری چادر اور عظمت میرا انداز ہے جو ان کے بارے میں مجھ سے منازعہ کرے گا میں اسے توڑ دوں گا اور اسے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہلاک کردوں گا''

''ثم استفتح ''اس کی مراد میں دو قول ہیں:

① ثناء پڑھی، ثناء کو دعاء الاستفتاح بھی کہتے ہیں۔

② قراءت سے شروع فرمایا۔ یعنی بیان جواز کیلئے ثناء نہ پڑھی یا ثناء کے بعد قراءت سے شروع فرمایا۔

دوسرا معنی لینے کی صورت میں دوسری روایات سے اس کا تعارض ختم ہو جائے گا۔

''فقرأ البقرة'' سورۂ بقرہ پوری پڑھی یا سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ بقرہ کا کچھ حصہ پڑھا۔ اس میں سورۂ فاتحہ کا ذکر معلوم ہونے کی بناء پر نہیں۔ (یعنی سورۂ فاتحہ تو پڑھی ہی ہے البتہ اس کے بعد سورۂ بقرہ پڑھی)۔

''فكان ركوعه نحوا من قيامه'' یعنی رات کی نماز میں آپ ﷺ کا رکوع معمول کے مطابق نہ تھا بلکہ قیام کی طرح طویل تھا۔

ثم رفع رأسه من الركوع 'فكان قيامه: رکوع سے اٹھنے کے بعد۔ نحواً قريباً من ركوعه ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں میں ''من ركوعه'' کی جگہ ''من قيامه'' کے الفاظ ہیں اس صورت میں سیدھا کھڑا ہونا (قومہ) مزید طویل ہو جائے گا۔ حالانکہ وہ ہمارے نزدیک رکن قصیر ہے۔ اسی وجہ سے علامہ نووی نے اس کے طویل ہونے کو اختیار کیا اور اپنی بعض کتابوں میں اس کے لزوم پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ ایک متفق علیہ حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے جس میں آیا ہے:

''اذا صلى احدكم لنفسه فليطول ما شاء''

البتہ شیخ ابن حجر رحمہ اللہ نے جن نسخوں کا ذکر کیا ہے اصول مقررہ تصحیح شدہ میں یہ الفاظ موجود نہیں۔

''نحواً من قيامه'' اس قیام سے قراءت والا قیام مراد ہے جیسا کہ عصام الدین نے کہا ہے۔ گویا کہ آپ چاہتے تھے کہ سجدہ رکوع سے کم نہ ہو۔

البتہ راجح یہ ہے کہ اس قیام سے مراد رکوع کے بعد والا قیام (قومہ) لیا جائے، ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے۔

''وكان يقول'' یعنی دونوں سجدوں کے درمیانی جلسہ میں۔

''رب اغفرلي رب اغفرلي'' اس دعا کے تکرار میں دو مقصد ہو سکتے ہیں:

① یہ جملہ دو مرتبہ ہی ادا فرمایا۔

② اکثار کی طرف اشارہ ہے یعنی بہت زیادہ مرتبہ اس جملہ کو ادا فرمایا (لیکن راوی نے دو مرتبہ کا ذکر کیا) اس کی نظائر موجود ہیں۔

''والمائدة او الانعام شك شعبة'' شعبہ راوی کو شک ہے کہ سورۂ انعام پڑھی یا سورۂ مائدہ۔ سورۂ مائدہ کا پڑھنا زیادہ راجح ہے کیونکہ اس میں ترتیب کی رعایت ہے۔

''رواه ابو داؤد'' میرکؒ فرماتے ہیں کہ نسائی اور ترمذی نے ابو حمزہ مولی الانصار عن رجل من بني عبس عن حذيفه کی سند سے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ابو حمزہ ہمارے نزدیک طلحہ بن زید ہیں جبکہ امام نسائی نے انہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طلحہ بن یزید کہا ہے۔امام نسائی کا قول راجح ہے۔

نامعلوم شخص سے مراد ''صلة نبی زفر العنبسی الکوفی'' ہیں۔

تہجد کی نماز میں طویل قیام کی فضیلت

۱۲۰۱: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَامَ بِعَشْرِ اٰيَاتٍ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ وَمَنْ قَامَ بِمِائَةِ اٰيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِيْنَ وَمَنْ قَامَ بِاَلْفِ اٰيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْمُقَنْطِرِيْنَ۔

(رواہ ابوداود)

أخرج أبوداؤد فی السنن ۲/۱۱۸ حدیث رقم ۱۳۹۸۔والدارمی ۲/۵۵۷ حدیث رقم ۳۴۵۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی دس آیتوں کی قراءت کے ساتھ قیام کرے، تو وہ غافلین میں سے شمار نہیں کیا جاتا، اور جو آدمی سو آیتوں کی قراءت کرے اور اتنی مقدار میں قیام کرے تو اس کو فرماں برداروں میں لکھا جاتا ہے، اور جو آدمی ہزار آیتوں کی قراءت کرے تو اس کا نام بہت زیادہ ثواب حاصل کرنے والوں میں لکھا جاتا ہے۔اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح: ''من قام بعشر آیات'' یعنی جس شخص نے دس آیات کو غور و فکر کے ساتھ پڑھا۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دس آیات کھڑے ہو کر پڑھ لے اور اس میں نماز کی نیت نہ کرے تو اس کو بھی یہ فضیلت حاصل ہوگی۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص ان آیات کو عزم و قوت کے ساتھ پڑھے اسے یہ فضیلت ملے گی۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص دو یا زیادہ رکعات میں دس آیات پڑھے اسے بھی یہ فضیلت مل جائے گی۔سیاق کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دس آیات سورۂ فاتحہ کے علاوہ ہیں۔

راجح یہ ہے کہ اس جملہ میں نماز کے اقل مرتبہ کو بیان کرنا مقصود ہے۔وہ اس طرح کہ سات آیات سورۂ فاتحہ کی اور کم از کم تین آیات نماز میں فرض مقدار ہیں۔

''لم یکتب من الغافلین'' یعنی اس کا نام غافلین کے صحیفہ میں نہ لکھا جائے گا۔

''ومن قام بمائة آیة کتب من القانتین'' قانتین سے مراد وہ لوگ جو اطاعت پر استقامت اختیار کرنے والے اور عبادت میں انتہائی کوشش کرنے والے ہیں۔قنوت سے مراد طاعت اور قیام ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قانتین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے حکم کو پورا کرنے، اس کی طاعت کا التزام کرنے والے اور اس کے دربار میں عاجزی کرنے والے ہیں۔یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت ہر حال میں موجب فضیلت و برکت ہے۔لیکن اس کا بلند ترین مرتبہ نماز کی قراءت ہے۔خاص طور پر جب تہجد کی نماز ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا﴾ [المزمل:٦]

''کچھ شک نہیں کہ رات کا اٹھنا (نفس بہیمی کو) سخت پامال کرتا ہے اور اس وقت ذکر بھی خوب درست ہوتا ہے۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی وجہ سے محی السنۃؒ اس حدیث کو تہجد کے باب میں لائے ہیں۔

"من قام بألف آية" ابن المنذر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ سورۂ ملک سے آخر قرآن تک سو آیات ہیں۔

"كتب من المقنطرين" مقنطرین سے مراد بہت سا اجر حاصل کرنے والے ہیں۔ یہ لفظ قنطار سے ماخوذ ہے۔ قنطار مال کثیر کو کہتے ہیں۔

ابوعبیدہ رحمۃ اللہ کا خیال یہ ہے کہ ہم نے عربوں میں قنطار نام کا کوئی پیمانہ نہیں دیکھا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ عربوں سے قنطار کی مقدار وزن میں مختلف اقوال منقول ہیں:

① قنطار چار ہزار دینار کو کہتے ہیں۔ جب قناطیر قنطرہ کہا جائے تو بارہ ہزار دینار مراد ہوتے ہیں۔

② ایک بیل کی کھال بھر سونا کو قنطار کہتے ہیں۔

③ مال کثیر کی نامعلوم مقدار، علامہ طیبی رحمۃ اللہ کا یہی قول ہے۔

④ ستر ہزار دینار۔ ابن ملک رحمۃ اللہ کی رائے ہے۔

⑤ امام میرکؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ قنطار بارہ اوقیہ کا ہوتا ہے اور ایک اوقیہ زمین وآسمان کے درمیان کی چیزوں سے بہتر ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت کیا گیا ہے کہ ایک قنطار بارہ سو اوقیہ کا ہوتا ہے اور ایک اوقیہ زمین وآسمان کی چیزوں سے بہتر ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس طرح کی ایک حدیث حضرت ابوامامہؓ سے بھی منقول ہے جس میں وارد ہے:

"جس نے ایک رات میں ہزار آیات کی تلاوت کی اسے ایک قنطار ملے گا اور ایک قنطار بارہ سو اوقیہ کے برابر ہے"۔

ابن حبان نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے لیکن اس میں "ومن قام بمائتی آية كتب من المقنطرين" کے الفاظ ہیں۔

تہجد کی نماز میں قراءت کا طریقہ

۱۲۰۲: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ يَرْفَعُ طَوْرًا وَيَخْفِضُ طَوْرًا۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۲/۸۱ حديث رقم ۱۳۲۸۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رات کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کبھی بلند آواز سے ہوتی تھی اور کبھی پست آواز سے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح: "كانت قراءة النبي ﷺ بالليل" اس سے مراد نماز کی قراءت بھی ہوسکتی ہے۔ اور تلاوت بھی۔ اس جملہ کی خبر محذوف ہے اور وہ "مختلفه" ہے۔

"ويخفض طورًا" یعنی اگر کوئی سویا ہوتا تو آہستہ آواز سے پڑھتے۔ حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر موقع محل کی مناسبت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے قراءت فرماتے تھے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یرفع' کان کی خبر ہے اور عائد محذوف ہے اصل عبارت یہ ہوگی۔

''یرفع علیہ السلام فیھا طورًا صوتہ''۔

اگر ان الفاظ کو مجہول روایت کیا جائے تانیث کے صیغہ کے ساتھ اس کی خبریت ظاہر ہوگی۔ اور مفعول مقدر ماننے کی ضرورت نہ ہوگی۔

۱۲۰۳: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَدْرِ مَا يَسْمَعُهُ مَنْ فِي الْحُجْرَةِ وَ هُوَ فِي الْبَيْتِ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۲/ ۸۱ حديث رقم ۱۳۲۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی آواز سے قراءت کرتے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ کے اندر پڑھ رہے ہوں، تو باہر صحن میں موجود آدمی سن لیتا تھا۔ اس حدیث کو امام ابوداوٗد نے روایت کیا ہے۔

تشریح: ''على قدر ما يسمعه'' يسمعه میں مفعول کی ھو ضمیر کی تذکیر مقرو کے اعتبار سے ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ يسمعه کی ھو ضمیر صوت یا رفع کی طرف لوٹتی ہے۔

''من في الحجرة وهو في البيت'' حجرہ سے مراد گھر کا صحن ہے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ بیت سے مراد ہی حجرہ ہو۔

علامہ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو قراءت کرتے تو آواز نہ زیادہ بلند کرتے اور نہ زیادہ آہستہ کرتے کہ کوئی سن ہی نہ سکے اور جب مسجد میں قراءت کرتے تو اکثر بلند آواز سے کرتے تھے۔ (ذکرہ ابن ملک)

حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو کیفیت قراءت کی ہدایت

۱۲۰۴: وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً فَاِذَا هُوَ بِاَبِيْ بَكْرٍ يُصَلِّيْ وَيَخْفِضُ مِنْ صَوْتِهٖ وَمَرَّبِعُمَرَ وَهُوَ يُصَلِّيْ رَافِعًا صَوْتَهٗ قَالَ فَلَمَّا اجْتَمَعَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّيْ تَخْفِضُ صَوْتَكَ قَالَ قَدْ اَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّيْ رَافِعًا صَوْتَكَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ الشَّيْطَانَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا بَكْرٍ اِرْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ اِخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا۔ (رواه ابوداود وروى الترمذي نحوه)

أخرجه ، أبوداوٗد في السنن ۲/ ۸۱ حديث رقم ۱۳۲۹۔ والترمذي ۲/ ۳۰۹ حديث رقم ۴۴۷۔

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت باہر نکلے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، وہ نماز پڑھ رہے تھے، اور پست آواز سے قرآن کی تلاوت کر رہے تھے پھر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے وہ بھی نماز پڑھ رہے تھے، اور بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کر رہے تھے۔ حضرت ابوقتادہؓ فرماتے ہیں جب صبح کے وقت یہ دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جمع ہوئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! آج رات میں تمہارے پاس سے گزرا، تو تم اپنی نماز میں پست آواز کے ساتھ قراءت کررہے تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں جس ذات سے مناجات کررہا تھا اسی کو سنا رہا تھا، پھر آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ! آج رات میں تمہارے پاس سے گزرا، تو تم اپنی نماز میں بلند آواز سے قرآن پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں بلند آواز سے قراءت کر کے سوئے ہوئے لوگوں کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا، آپ ﷺ نے دونوں کی بات سن کر فرمایا اے ابوبکر! آپ اپنی آواز کو کچھ بلند کریں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ اپنی آواز کو کچھ پست کریں۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے، اور امام ترمذیؒ نے بھی اس کے مثل روایت نقل کی ہے۔

تشریح: ''قد اسمعت من ناجیت یا رسول اللّٰہ'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آہستہ پڑھنے کی علت کو بیان فرما رہے ہیں۔ یعنی میں اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہوں اور وہ بلند آواز کا محتاج نہیں۔

''أوقظ الوسنان'' الوسنان سے مراد ایسا سویا ہوا شخص جو اپنی نیند میں مستغرق نہ ہو۔

''وأطرد الشیطان'' یعنی شیطان کے وسوسہ کو دور کرتا ہو جو اللہ کی یاد سے غافل کرتا ہے۔

ان دونوں حضرات کے مقام ومرتبہ میں تامل فرمائیں۔ ان دونوں حضرات کی نیت اپنے اپنے فعل میں بہت اچھی اور عمدہ تھی۔ لیکن سب سے کامل حالت نبی کریم ﷺ کی تھی۔ آپ نے طبیب حاذق اور حبیب مشفق کی حیثیت سے دونوں ساتھیوں کی تربیت فرمائی۔

''یا أبا بکر ارفع من صوتك شیئا'' یعنی اے ابوبکر! تم اپنی آواز کو تھوڑا سا بلند کرلو تاکہ سننے والے کو اس سے فائدہ ہو اور ہدایت کا طالب اس سے نصیحت حاصل کرے۔ اب چونکہ ان کے مزاج پر توحید کا اثر غالب تھا جو غیر اللہ کو مکمل طور پر نگاہوں سے ہٹا دیتا ہے۔ یہ اکمل المراتب اور افضل المناصب ہے۔ رسل کرام اور اولیاء عظام کا یہی وظیفہ حیات ہوتا ہے۔

''وقال لعمر اخفض من صوتك شیئا'' یعنی اے ابوعمر! تم اپنی آواز کو تھوڑا سا پست کرلو تاکہ نمازی اور سونے والے کو تکلیف نہ ہو۔ حضور ﷺ کے ارشاد کا منشاء ان کے مزاج کو معتدل بنانا تھا کیونکہ برودتِ خلق اور کافوریتِ شیطان ان کے مزاج پر غالب تھی۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں توحید کا غسل کرنے کا حکم دیا جس میں لوگوں کی شفاء ہے۔ انہیں مناجات کی حلاوت استعمال کرنے کو کہا جس میں عبادات کی لذت ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس قول کی نظیر یہ آیت ہے:

﴿ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴾ [الاسراء: ١١٠]

''اور نماز نہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ آہستہ بلکہ اس کے بیچ کا طریقہ اختیار کرو۔''

گویا کہ حضور ﷺ نے صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ اپنے رب سے مناجات میں کچھ کمی کر کے اپنی قراءت میں مخلوق کا حصہ بھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھو اور حضرت عمرؓ نے فرمایا مخلوق سے تھوڑا سا الگ ہو کر اپنے رب سے مناجات کی طرف بھی توجہ دو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پوری رات ایک آیت کو بار بار پڑھنا

۱۲۰۵: وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَصْبَحَ بِاٰيَةٍ وَالْاٰيَةُ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (رواه النسائی وابن ماجة)

أخرجه النسائی فی السنن ۱۷۷/۲ حدیث رقم ۱۰۱۰۔وابن ماجه فی السنن ۴۳۹/۱ حدیث رقم ۱۳۵۰۔ وأحمد فی المسند ۱۴۹/۵۔

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں صبح تک کھڑے رہے اور یہ آیت پڑھتے رہے ﴿ان تعذبھم......﴾ اگر تو انہیں عذاب دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں معاف کر دے تو تو غالب اور حکمت والا ہے۔اس حدیث کو امام نسائیؒ، امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: ''قام رسول الله ﷺ حتی اصبح'' ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری رات قیام کیا۔ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ملک کے اس قول پر گرفت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری رات عبادت کرنا ثابت نہیں ہے۔

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیند کے بعد قیام فرمایا اور صبح تک عبادت کرتے رہے۔

''باية'' یہ قام کے متعلق ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیام کے دوران ایک آیت کو پڑھتے رہے اور اس کے معانی میں بار بار غور وفکر کرتے رہے۔

''والاية ان تعذبهم فانهم عبادك'' یعنی اگر تو امت اجابت کو عذاب دے تو وہ اس کے مستحق ہیں کیونکہ تیرے بارے میں ظلم کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔اس میں استعطاف لطیف ہے (یعنی انتہائی عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کا سوال کیا جا رہا ہے)

''وان تغفر لهم'' یعنی اگر تو ان کے گناہوں کو معاف کر دے تو وہ تیرے بندے ہیں۔

''فانك انت العزيز'' یعنی تو اپنے ارادے پر غالب ہے۔

''الحكيم'' ایسا حاکم جس کے حکم میں تبدیلی کرنے والا کوئی نہیں یا ایسا حکم چیزوں کو ان کی جگہ رکھتا ہے۔عزیز سے مراد وہ ذات جو اپنے مخالفین سے انتقام لے۔اور حکیم سے مراد وہ ذات جو اپنے موافق لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے۔

ابن ملک فرماتے ہیں:

''اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے حضرت عیسیٰؑ نے ان الفاظ میں سرگوشی کی اے اللہ! اگر تو میری امت کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں۔اب اللہ اگر اپنے بندے کو سزا دے تو کوئی اس پر اعتراض نہیں کر سکتا۔اگر وہ ایمان واطاعت کی وجہ سے معاف کر دے تو وہ عزیز وحاکم ہے''۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس آیت کا تعلق چونکہ قیامت کے دن کے ساتھ ہے اس لئے مغفرت کی تفسیر توفیق ایمان سے کرنا زیادہ مناسب نہیں ہے۔

فجر کی سنتوں کے بعد لیٹنے کا حکم

۱۲۰۶: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيَضْطَجِعْ عَلٰى يَمِيْنِهٖ۔ (رواہ الترمذی وابو داود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۲/۴۷ حديث رقم ۱۲۶۱۔ والترمذی ۲/۲۸۱ حديث رقم ۴۲۰۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی فجر کی دو سنتیں پڑھ لے تو اس کو چاہیے کہ اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جائے۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ اور امام ابو داودؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: ''اذا صلی احدکم رکعتی الفجر'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فجر کی سنتیں ہیں۔

''فليضطجع علی یمینه'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیام لیل کی تھکاوٹ کو دور کرنے کیلئے آرام فرماتے تھے پھر نشاط وانبساط کے ساتھ فرض نماز پڑھتے تھے۔ جبکہ یہی بعض علماء کا مسلک ہے۔

ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ تہجد پڑھنے والے کے حق میں یہ امر استحبابی ہے''۔

اس بنیاد پر مسجد کے بجائے گھر میں لیٹنا زیادہ بہتر ہے تاکہ نمازِ تہجد کا اخفاء ہو سکے۔ یہ بھی اہتمام رہے کہ اگر نیند کا غلبہ ہو جائے تو وضو ضرور کر لے۔ ہمارے شیخ اور استاذ الحدیث سید ذکریا رحمہ اللہ یہی فرمایا کرتے تھے۔

الفصل الثالث:

عمل پر مداومت محبوب ہے

۱۲۰۷: عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ اَیُّ الْعَمَلِ كَانَ اَحَبَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَتِ الدَّائِمُ قُلْتُ فَاَیَّ حِيْنٍ كَانَ يَقُوْمُ مِنَ اللَّيْلِ قَالَتْ كَانَ يَقُوْمُ اِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۳/۱۶ حديث رقم ۱۱۳۲۔ ومسلم فی صحيحه ۱/۵۱۱ حديث رقم (۱۳۱۔۷۴۱) وأبو داوٗد ۲/۷۷ حديث رقم ۱۳۱۷۔ والنسائی ۳/۲۰۸ حديث رقم ۱۶۱۶۔

ترجمہ: حضرت مسروقؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں، کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب عمل کونسا تھا تو انہوں نے فرمایا جس عمل کو ہمیشہ کیا جائے، میں نے پھر دریافت کیا کہ کونسا وقت؟ تو انہوں نے فرمایا رات کے وقت تہجد کی نماز۔ میں نے پھر دریافت کیا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس وقت کھڑے ہوتے تھے، تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کھڑے ہو جاتے تھے، جب مرغ کی آواز سنتے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: ''ای العمل کان أحب الی رسول اللہ ﷺ قالت الدائم'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''الدائم''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے مراد وہ عمل ہے جس پر صاحب عمل دوام اور ہمیشگی اختیار کرے۔ اسی وجہ سے مندرجہ ذیل آیت میں صرف لفظ "ثم" حرف تراخی کو داخل کیا گیا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا﴾ [فصلت: ٣٠]

"جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار خدا ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے۔"

"اذا سمع الصارخ" الصارخ سے مراد مرغ کی بانگ ہے۔

آپ ﷺ کا معمول مرغ کی بانگ پر جاگنے کا نہ تھا بلکہ اکثر اوقات ایسا ہوتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کا رات کے وقت اٹھنے کا عمل

۱۲۰۸: وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ مَا كُنَّا نَشَاءُ أَنْ نَرَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اللَّيْلِ مُصَلِّيًا إِلَّا رَأَيْنَاهُ وَلَا نَشَاءُ أَنْ نَرَاهُ نَائِمًا إِلَّا رَأَيْنَاهُ۔ (رواه النسائی)

أخرجه البخاری فی صحيحه ٣/٢٢۔ حديث رقم ١١٤١۔والترمذی ٣/١٤٠ حديث رقم ٧٦٩۔وأحمد فی المسند ٣/١٠٤۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں اگر ہم چاہتے کہ رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں تو ہم آپ کو نماز پڑھتے دیکھ لیتے اور اگر یہ چاہتے کہ ہم آپ کو سوئے ہوئے دیکھیں تو آپ کو سوتے دیکھ لیتے۔ اس حدیث کو امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

تشریح: "ما کنا" مانافیہ ہے۔ "فی اللیل" یعنی رات کے بعض حصہ میں۔

"مصليا الا رأيناه و لا نشاء أن نراه نائما الا رأيناه" علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم ان دو حالتوں میں سے جس حالت پر آپ کو دیکھنا چاہتے تھے دیکھ لیتے تھے، یعنی آپ ﷺ کا معمول اعتدال پر مبنی اور افراط و تفریط سے پاک تھا۔ آپ ﷺ جس حصہ میں سونا مناسب تھا اس میں سو جاتے اور جب اٹھ کر نماز پڑھنا بہتر تھا اس میں اٹھ کر نماز میں مشغول ہو جاتے۔

علامہ عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ کی نیند اور نماز کا رات میں کوئی خاص وقت مقرر نہ تھا بلکہ آپ جب چاہتے سو جاتے جب چاہتے نماز میں مشغول ہو جاتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گزشتہ حدیث گھر کے معمول پر محمول ہوگی جبکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا مصداق دوسرے مواقع ہوں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ظاہر سے نبی کریم ﷺ کے قیام و منام کا تعدد معلوم ہو رہا ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے جو کہ پہلے گزر چکا ہے۔

رات کی نماز کیلئے کئی بار جاگنا اور نماز پڑھنا پھر سو جانا

۱۲۰۹: وَعَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ إِنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُ وَاَنَا فِیْ سَفَرٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَاَرْقُبَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلَاةِ حَتّٰی اَرٰی فِعْلَهٗ فَلَمَّا صَلّٰی صَلَاةَ الْعِشَاءِ وَهِیَ الْعَتَمَةُ اِضْطَجَعَ هَوِيًّامِنَ اللَّيْلِ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَنَظَرَ فِی الْاُفُقِ فَقَالَ رَبَّنَامَاخَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا حَتّٰی بَلَغَ اِلٰی اِنَّكَ لَاتُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ثُمَّ اَهْوٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی فِرَاشِهٖ فَاسْتَلَّ مِنْهُ سِوَاكًا ثُمَّ اَفْرَغَ فِیْ قَدَحٍ مِّنْ اِدَاوَةٍ عِنْدَهٗ مَاءً فَاسْتَنَّ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰی قُلْتُ قَدْ صَلّٰی قَدْرَ مَانَامَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰی قُلْتُ قَدْ نَامَ قَدْرَ مَا صَلّٰی ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَفَعَلَ كَمَا فَعَلَ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَقَالَ مِثْلَ مَاقَالَ فَفَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَبْلَ الْفَجْرِ۔ (رواه النسائی)

أخرجه النسائي في السنن ۳/۲۱۲ حديث رقم ۱۶۲۶۔

ترجمہ: حضرت حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابیؓ نے بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اللہ کی قسم میں نماز کے وقت آپ کو دیکھتا رہوں گا تاکہ میں رسول اللہ ﷺ کے افعال کو دیکھوں، جب آپ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی جسے ہم عتمہ کہتے ہیں، تو اس کے بعد آپ ﷺ لیٹ گئے، پھر آپ ﷺ بیدار ہوئے اور آپ ﷺ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر یہ آیت پڑھی: ﴿ربنا ما خلقت هذا باطلاً﴾ یہاں تک کہ ﴿انك لا تخلف الميعاد﴾ تک پڑھا، پھر آپ ﷺ اپنے بستر کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں سے مسواک اتاری، پھر آپ ﷺ نے ایک چھاگل سے ایک برتن میں پانی ڈالا پھر مسواک کرنے کے بعد کھڑے ہوگئے اور آپ نے نماز پڑھی، میں نے کہا کہ جتنی دیر آپ ﷺ سوئے تھے اتنی ہی دیر آپ ﷺ نے نماز پڑھی پھر آپ لیٹ گئے، میں نے دل میں خیال کیا کہ جتنی دیر آپ ﷺ نے نماز پڑھی اتنی ہی دیر سوئے، پھر آپ بیدار ہوئے جو کچھ پہلے کیا تھا وہی اب کیا۔ جو کچھ پہلے پڑھا تھا وہی اب پڑھا اور آپ نے فجر کی نماز سے پہلے تین مرتبہ اس طرح کیا۔ اس حدیث کو امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔

راویٔ حدیث:

حمید بن عبدالرحمٰن۔ یہ "حمید" عبدالرحمٰن بن عوف زہری قریشی مدنی کے بیٹے ہیں۔ یہ کبار تابعین میں سے ہیں۔ ۱۰۵ھ میں وفات پائی۔ ان کی عمر تہتر (۷۳) سال کی ہوئی۔

تشریح: "عن حميد بن عبدالرحمن بن عوف" مؤلف نے انہیں کبار تابعین میں ذکر کیا ہے۔

"قال ان رجلاً" بظاہر اس سے مراد زید بن خالد جہنی ہیں۔

"من اصحاب النبی" (علم اصول حدیث کی روشنی میں) ظہور عدالت کی بنا پر صحابی کا مجہول ہونا روایت کی صحت کو متاثر نہیں کرتا۔

"قلت" اپنے دل میں کہا یا اپنے کسی ساتھی سے کہا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''وانا فی سفر'' کسی غزوہ، عمرہ یا حج کا سفر مراد ہو سکتا ہے۔

''فلما صلی صلاۃ العشاء، وھی العتمۃ'' عتمہ کا لفظ لا کر یا تو مغرب کی نماز سے احتراز ہے یا پھر عشاء کی تفسیر کر رہے ہیں۔ کیونکہ ان حضرات میں عتمہ کا لفظ عشاء کے لفظ سے زیادہ مشہور تھا۔

''ھُوِیّا'' لفظ ''ھاء'' کے فتحہ اور لفظ ''یاء'' کے تشدید کے ساتھ کافی دیر تک۔

''حتی بلغ انك لا تخلف المیعاد'' دوسری روایات میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے سورت کے آخر تک تلاوت فرمائی تھی۔ اس روایات کے بارے میں محدثین نے دو باتیں کی ہیں:

① اس رات اتنا ہی پڑھا تھا۔

② راوی نے اتنا ہی سنا تھا چنانچہ یہیں تک نقل کر دیا۔

''ثم قام فصلّی'' نئے وضو سے نماز پڑھی یا پہلے وضو سے، دونوں احتمال ہیں۔

''ثم اضطجع'' اضطجاع سے مراد پہلو کو زمین پر رکھنا (سوئے بغیر) اور استیقاظ سے مراد پہلو کو زمین سے اٹھانا بھی ہو سکتا ہے۔ (حاصل یہ کہ نبی کریم ﷺ سوئے نہیں تھے محض لیٹے تھے)۔

رسول اللہ ﷺ کی تہجد کے بارے میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان

۱۲۱۰: وَعَنْ یَعْلَی بْنِ مُمْلَكٍ اَنَّهٗ سَأَلَ اُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَصَلَاتِهٖ فَقَالَتْ وَمَالَكُمْ وَصَلَاتَهٗ كَانَ یُصَلِّیْ ثُمَّ یَنَامُ قَدْرَمَاصَلّٰی ثُمَّ یُصَلِّیْ قَدْرَ مَا نَامَ ثُمَّ یَنَامُ قَدْرَ مَا صَلّٰی ثُمَّ یُصَلِّیْ قَدْرَ مَا نَامَ ثُمَّ یَنَامُ قَدْرَ مَا صَلّٰی حَتّٰی یُصْبِحَ ثُمَّ نَعَتَتْ قِرَاءَتَهٗ فَاِذَاهِیَ تَنْعَتُ قِرَاءَتَهٗ مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا۔ (رواہ ابوداود والترمذی والنسائی)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۲/ ۱۵٤ حدیث قم ۱٤٦٦۔ والترمذی ۵/ ۱٦۷ حدیث رقم ۲۹۲۳۔ والنسائی ۳/ ۲۱٤ حدیث رقم ۱٦۲۹۔ وأحمدفی المسند ٦/ ۳۰۰۔

ترجمہ: حضرت یعلی بن مملک سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ام سلمہؓ سے جو کہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ ہیں آپ کی قراءت اور نماز کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی قراءت اور نماز بیان کرنے سے تمہیں کیا حاصل ہوگا؟ لیکن اگر آپ معلوم کرنا ہی چاہتے ہو تو سن لو! رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تھے پھر جتنی دیر آپ نماز پڑھتے تھے اتنی دیر سو جاتے تھے پھر اٹھتے، پس اتنی دیر نماز پڑھتے تھے جتنی دیر سو جاتے تھے پھر اتنی دیر سو جاتے جتنی دیر تک نماز پڑھتے یہ سلسلہ صبح تک جاری رہتا تھا یہاں تک کہ آپ کی رات کی نماز مکمل ہو جاتی اور نیند پوری کر لیتے۔ اس کے بعد حضرت ام سلمہؓ نے قراءت کی کیفیت بیان کی یہاں تک کہ انہوں نے اچھی طرح ایک ایک حرف کی ادائیگی وضاحت کے ساتھ بتائی اس حدیث کو امام ابوداودؒ، امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راوی حدیث:

یعلیٰ بن مملک ۔ یہ یعلیٰ ہیں۔ تابعی ہیں۔ مملک کے بیٹے (مملک بروزن جعفر ہے یعنی پہلا میم مفتوح دوسرا میم ساکن لام مفتوح اور آخر میں کاف ہے)۔ مقبول رواۃ میں سے ہیں اور تیسرے طبقہ کے روای ہیں۔ انہوں نے ام سلمہ سے اور ان سے ابن ابی ملیکہ نے روایت کی۔

تشریح: ''وعن یعلی بن مملک'' مملک بروزن جعفر۔ طبقہ ثالثہ کے مقبول راویوں میں سے ہیں۔ تقریب میں یہی مذکور ہے۔

''ام سلمة زوج النبی ﷺ'' زوج النبی بدل ہے یا عطف بیان۔

''فقالت مالکم وصلاته'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں و مالکم کا عطف پچھلے پورے جملہ پر ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا۔ ''مالکم وقراء ته وما لکم وصلاته'' وصلاته کی ''واؤ'' ''مع'' کے معنی میں ہے۔ عبارت یہ ہوگی۔ ''ما تصنعون مع قراء ته وصلاته''۔ حضرت ام سلمہؓ نے یہ بات اظہار افسوس وحسرت کیلئے کی کہ انہیں حضور ﷺ کے احوال یاد آگئے تھے۔ یہ بات نہ تھی کہ انہیں سائل کا سوال برا لگا۔

ام سلمہؓ کے اس انداز بیان میں ایک احتمال یہ بھی کہ وہ سائل کو یہ کہنا چاہتی ہیں کہ جب تمہارے سامنے حضور ﷺ کی قراءت ونماز کی حالت بیان کروں گی تو تمہیں اس سے کیا فائدہ ہوگا حالانکہ تم ان جیسے اعمال کی طاقت نہیں رکھتے۔

اس میں ایک قسم کا تعجب ہے اور اس کی نظیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول:

''تم میں سے کون ان اعمال کی طاقت رکھتا ہے جن کی طاقت آپ ﷺ میں تھی''۔

''کان یصلی ثم ینام قدر ما صلی، ثم یصلی قدر ما نام، ثم ینام قدرما صلی، حتی یصبح'' اس جملہ کی مراد میں دو احتمال ہیں:

۱۔ صبح تک آپ کی نماز تین مختلف اوقات میں ہوتی تھی۔
۲۔ صبح تک سونے اور اٹھنے کی یہ حالت جاری رہتی تھی۔

''تنعت قراء ة مفسرة حرفاً حرفاً'' یعنی حضرت ام سلمہؓ نے ایسی تلاوت فرمائی جو واضح، ترتیل کے ساتھ قواعد تجوید کے مطابق، ممیز اور غیر مختلط تھی۔

حرفاً حرفاً کا ایک معنی یہ بھی ہوسکتا ہے۔ وقف کی رعایت رکھتی تھیں۔

علامہ میرکؒ فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں دو احتمال ہیں:

۱۔ حضرت ام سلمہؓ نے (خود قراءت نہ کی بلکہ) صرف یہ بتلایا کہ نبی کریم ﷺ کی قراءت ایسی ایسی ہوتی تھی۔
۲۔ حضرت ام سلمہؓ نے ایسی قراءت خود کر کے دکھائی جیسی قراءت نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ اس کی مثال عربوں کا یہ قول ہے:

''وجهها یصف الجمال''۔ ''اس کا چہرہ حسن وجمال کو بیان کرتا ہے''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''وتصف السنتهم الكذب'' بھی اسی قبیل سے ہے۔
ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دوسرا معنی قرین قیاس ہے۔

بَابُ مَا يَقُوْلُ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز میں جو کچھ پڑھتے تھے اُس کا بیان

الفصل الاول:

نمازِ تہجد کی دعا

۱۲۱۱: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاءُ كَ حَقٌّ وَّقَوْلُكَ حَقٌّ وَّالْجَنَّةُ حَقٌّ وَّالنَّارُ حَقٌّ وَّالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَّمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ حَقٌّ اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳/۳ حديث رقم ۱۱۲۰۔ ومسلم في صحيحه ۵۳۲/۱ حديث رقم ۹(۱۹۹/۷۶۹)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں تہجد کی نماز کیلئے اٹھتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے اللهم لك الحمد ''اے میرے رب! تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں تو آسمانوں اور زمینوں کو قائم رکھنے والا ہے اور اس چیز کو جوان دونوں کے درمیان ہے اور تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں تو ہی زمینوں اور آسمانوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو روشن کرنے والا ہے، اور تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں اور تو ہی زمینوں کا اور آسمانوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک ہے' سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں' تو حق ہے' تیرا وعدہ حق ہے' تیری ملاقات حق ہے' تیرا کلام حق ہے' جنت حق ہے' جہنم حق ہے' تمام نبی حق ہیں' محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں' قیامت حق ہے، اے اللہ! میں تیرا تابعدار ہوں میں نے تیرے تمام احکام قبول کیے۔ میں تجھ پر ایمان لایا تجھ پر بھروسہ کیا تیری طرف میں نے رجوع کیا۔ تیری ہی مدد سے میں دشمنوں سے جھگڑتا ہوں اور تیرے پاس اپنی فریاد لایا ہوں تو میرے ان گناہوں کو بخش دے جو مجھ سے سرزد ہوئے اور ان کو بھی جو بعد میں مجھ سے سرزد ہونگے میرے ایسے گناہوں کو بھی معاف فرما جو میں نے پوشیدہ طور پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کئے اور جو ظاہری طور پر کیے اور جو میری خطائیں ہیں جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، معاف کر دے تو ہی آگے کرنے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے تو معبود ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: ''یتھجد'' یہ قام کی ''ھو'' ضمیر سے حال ہے۔

امام میرکؒ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا نماز شروع کرنے سے پہلے پڑھتے تھے۔ لیکن راجح یہ ہے کہ افتتاح کے بعد یا قومہ اعتدال میں یہ دعا پڑھتے تھے جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

''لك الحمد'' خبر کی تقدیم اختصاص پر دال ہے۔ اسی طرح لام جر اور ''الحمد'' میں لام جنس یا عہد کا اجتماع بھی تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔ اگر لام کو استغراق کیلئے ''لیس تو تیند دلالتیں'' جمع ہو جائیں۔

''انت قیم السموات والارض'' قیم اس ذات کو کہتے ہیں جو مخلوق کے امور کا اہتمام اور تدبیر کرے اور سارے عالم کے تمام حالات میں ان کے امور میں تصرف و تدبر کا ذمہ دار ہو۔

قیوم اس ذات کو کہتے ہیں جو خود بھی قائم ہے اور موجود چیز کا وجود اس کی وجہ سے ہے۔

''من فیھن'' یعنی تمام علوی اور سفلی مخلوقات۔

''انت نور السموت والارض'' اس جملہ کی مراد میں مختلف اقوال ہیں:

① زمین و آسمان کو منور کرنے والا۔

② ان دونوں کو ظاہر کرنے والا۔

③ ان کے نور کو پیدا کرنے والا۔

④ اس کا معنی یہ ہے کہ تو ہی وہ ذات ہے جس کی وجہ سے ہر چیز کا ظہور ہے اور تو ہی وہ ذات ہے جس کی وجہ سے مخلوق روشن ہوئی اور عدم کی ظلمت سے نکل کر وجود کی روشنی میں آئی۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ نور کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''النور الذی یبصر بنورہ ذو العمایة و یرشد بھداہ ذو الغوایة''

''جس کی روشنی میں نابینا دیکھ سکے اور گمراہ ہدایت حاصل کر سکے''۔

علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زمین و آسمان کی طرف نور کی اضافت اس کی روشنی کی وسعت اور اس کی ضیاء کی قوت کو بتانے کیلئے ہے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ النور سے مراد الھادی ہے۔ لیکن یہ معنی محل اعتراض ہے۔ کیونکہ ہدایت کی اضافت زمین و آسمان کی طرف کسی طرح بھی درست معلوم نہیں ہوتا۔ اس طرح تو من فیھن جو کہ معطوف ہے۔ اپنے معطوف علیہ سے اس کا اتحاد لازم آئے گا۔

اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت کو نور فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابو ذر غفاریؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں میں نے ایک نور دیکھا''۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک نام النور بھی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''ولك الحمد انت ملك السموات والارض ومن فيهن'' یعنی تو زمین وآسمان میں کلی، ملکی، ظاہری اور باطنی تصرف کا مالک ہے۔ اس بادشاہت میں تیرا نہ کوئی شریک ہے نہ حصہ دار۔

''أنت الحق'' یعنی تیرا وجود ثابت' حقیقی' دائمی' ازلی اور ابدی ہے۔

''ووعدك الحق'' یعنی بندوں سے انعام وانتقام کے وعدوں اور وعیدوں کی تو کبھی مخالفت نہیں کرتا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں'' انت الحق اور وعدك الحق میں لفظ'' حق'' کو معرفہ اور باقی جملوں میں نکرہ رکھا گیا۔ کیونکہ سلف وخلف میں اللہ تعالیٰ کے دائمی وجود اور بقاء اور غیر اللہ کے زوال کے بارے میں کسی کا انکار نہیں ہے:

''ألا كل شيءٍ ما خلا الله باطل''

''خبردار، اللہ کے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے''۔

وعدہ کے ایفاء کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ کے غیر کا وعدہ عجز یا مقصد کے بسبب ٹوٹ سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو نہ تو کوئی عجز ہے نہ وہ جان بوجھ کر اپنے وعدے کو توڑے گا۔

''ولقاءك حق'' اللہ تعالیٰ کی لقاء سے مراد دار آخرت کی طرف روانگی اور اللہ کے خزانوں سے حاصل کرنا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: زیارت الٰہی بھی لقاء میں داخل ہے۔

علامہ میرک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لقاء سے مراد قبروں سے اٹھنا یا اللہ تعالیٰ کی رؤیت ہے۔

اگر بطور سوال کے کہا جائے کہ لقاء تو وعدہ میں داخل ہے اس کا ذکر دوبارہ کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وعدہ مصدر ہے۔ اور جن چیزوں کا ذکر بعد میں ہے۔ وہ موعود ہیں یہ تخصیص بعد تعمیم ہے۔ جیسے اگلے جملہ'' وقولك حق'' میں قول کا ذکر وعد کے بعد تعمیم بعد تخصیص ہے۔

''وقولك حق'' حق سے مراد وہ چیز جو متحقق الوجود اور ثابت ہوتی ہے۔ نیز قول کو صدق وکذب کا موصوف کرنا ایک الگ حیثیت ہے۔

پہلی دو چیزوں میں لفظ'' حق'' کو معرفہ اور بعد میں لفظ حق کو نکرہ لانے کی حکمت یہ ہے کہ معرف بلام الجنس اور نکرہ کے درمیان زیادہ فرق نہیں بلکہ اہل لغت نے صراحتاً ذکر کیا ہے کہ ان کا مصداق ایک ہے۔ ان میں صرف اتنا فرق ہے کہ معرفہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ جس ماہیت پر لام داخل ہے وہ سامع کو معلوم ہے۔ نکرہ میں یہ اشارہ تو نہیں ہوتا۔ لیکن معلوم وہ بھی ہوتا ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں'' وقولك الحق'' (الحق کو معرفہ لایا گیا ہے)۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے دو جملوں میں لفظ'' الحق'' کو معرفہ بنانا حصہ کی غرض کیلئے ہے۔

''ومحمد حق'' امام میرک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنا اس امر کی طرف متوجہ کرنے کیلئے ہے کہ آپ کی شان سب سے جدا ہے اور آپ کو کچھ اوصاف کی بناء پر متوجہ کرنے کیلئے ہے کہ آپ کی شان سب سے جدا ہے۔ اور آپ کو کچھ ایسے اوصاف کی بنا پر فوقیت حاصل ہے جو آپ ہی کا خاصہ ہیں۔ کیونکہ تغایر وصف تغایر ذات پر دلالت کرتا ہے۔

''والساعة'' قیامت اور قیامت کے دن کے احوال جیسے میزانِ اعمال، پل صراط، حوض کوثر اور حساب وکتاب سب مراد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔

"وبك امنت" یعنی تیری تصدیق کی اور جن چیزوں پر تو نے ایمان کا حکم دیا ان سب پر ایمان لایا یا ترے کلام پر ایمان لایا۔

اس کا ایک معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تیرے رسول کی خبروں پر ایمان لایا۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تیری توفیق سے ہر اس چیز پر ایمان لایا جو مجھے تیرے عذاب سے بچائے گی۔

"وعليك توكلت" علامہ میرکؒ نے اس کی مراد یہ بیان کی ہے کہ میں نے اپنے امور کو اسباب عادیہ سے قطع نظر کر کے تیرے سپرد کر دیا۔

"واليك انبت" ابن ملک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ میں نے اپنے تمام احوال سے رجوع کر کے اپنے معاملہ کو تیرے سپرد کر دیا۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ توبہ کی حقیقت بھی یہی ہے کہ انسان معصیت سے رجوع کر لے اور غفلت کو چھوڑ دے۔

"وبك" تیری قوت سے۔ یا تیری حجت سے یا تیری مدد سے۔

علامہ میرکؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ تمام افعال کے صلات کی تقدیم تخصیص اور افادہ حصر کیلئے ہے۔

"فاغفرلی ما قدمت" "حسنات الابراء سيئات المقربين" کے تحت یہ دعا فرمائی۔

"وما أخرت" عبادت میں کمی مراد ہے۔

"وما اسررت" خفیہ کیا ہو یا دل میں اس کا خیال پیدا ہوا۔

"وما أعلنت" یعنی اقوال، افعال اور احوال میں پائی جانے والی بشری کمیاں بھی معاف کر دے۔ اگر سوال کیا جائے کہ نبی کریم ﷺ بخشے بخشائے ہیں آپ کو مغفرت کا سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کی مختلف توجیہات ہیں:

① تواضع کی وجہ سے۔ ② کسر نفسی کی وجہ سے۔

③ اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان اور جاہ و جلال کے پیش نظر۔ ④ تعلیم امت کیلئے۔

"وما انت اعلم به منی" تعمیم بعد التخصیص ہے۔

"أنت المقدم وأنت الموخر" ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت تو سب سے آخر میں ہوئی لیکن قیامت کے دن آپ سب سے آگے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"نحن الآخرون السابقون"

"ہم سب سے آخر میں آنے والے اور سب سے پہلے (جنت میں) جانے والے ہیں"۔

تہجد کے وقت کی دُعا

۱۲۱۲: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ اِفْتَتَحَ صَلَاتَهُ فَقَالَ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَللّٰھُمَّ رَبَّ جِبْرِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ وَاِسْرَافِیْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ فِیْمَا کَانُوْافِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ اِھْدِنِیْ لِمَااخْتُلِفَ فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَھْدِیْ مَنْ تَشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/٥٣٤ حديث رقم (٢٠١۔ ٧٧١)۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کے وقت تہجد کی نماز کیلئے کھڑے ہوتے اور تہجد کی نماز شروع کرتے تو یہ دعا پڑھتے تھے: اللھم رب جبرائیل "اے اللہ! جو پروردگار جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کا ہے، اے زمینوں اور آسمانوں کے پیدا کرنے والے! پوشیدہ وظاہر کو جاننے والے، تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اُس چیز میں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں فیصلہ کرے گا۔ اے اللہ! حق کے معاملے میں جواختلاف کیا گیا ہے اُس میں میری رہنمائی فرما کیونکہ جسے تو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح: "اذا قام من اللیل افتتح صلاته" صلاته سے مراد "صلاۃ نفسه" بھی ہوسکتا ہے اور "صلاۃ اللیل" بھی۔ دوسرے معنی کی تائید حسن کی روایت سے ہوتی ہے۔

"فقال اللھم رب جبرئیل، ومیکائیل واسرافیل" ان فرشتوں کی شرافت وفضیلت کی بنا پر ان کو ذکر کیا گیا جبکہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کا رب ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جبرئیل علیہ السلام کو سب سے مقدم رکھا کیونکہ وہ کتب سماویہ کے امین ہیں، سارے امور دینیہ کا اہتمام ان کے پاس ہے۔ اسرافیل کو آخر میں رکھا کیونکہ وہ لوح محفوظ اور صور پھونکنے کے امین ہیں۔ زندگی اور موت کا معاملہ ان کے حوالہ ہے۔ میکائیل کو درمیان میں رکھا کیونکہ وہ دونوں اطراف سے متعلق ہیں وہ بارش اور پودوں وغیرہ کے امین ہیں، دین، دنیا اور آخرت کی روزی کا تعلق ان سے وابستہ ہے۔ جبرائیل اور اسرافیل، میکائیل سے افضل ہیں جبکہ پہلے دونوں کی افضلیت میں اختلاف ہے"۔

"اللھم رب" کی نحوی کیفیت کے بارے میں واضح رہے کہ بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ صفت ہونے کی بنا پر اس کا نصب درست نہیں کیونکہ میم مشددہ اصوات کے درجے میں ہے اور وہ لفظ جس کے ساتھ جیم ملا ہوا ہے موصوف نہیں بن سکتا۔ تقدیری عبارت "یارب جبرئیل" ہوگی۔

زجاج فرماتے ہیں یہ سیبویہ کا قول ہے میرے نزدیک یہ صفت بن سکتا ہے۔ جب "یا" کے ساتھ صفت ممتنع نہیں تو میم کے ساتھ بھی نہیں۔

ابوعلی فرماتے ہیں کہ سیبویہ کا قول زیادہ بہتر ہے کیونکہ اسماء موصوفہ میں اللھم جیسا کوئی لفظ نہیں اس وجہ سے وہ تمام اسماء سے مختلف ہے اور ان جگہوں میں شامل ہے جو موصوف نہیں بنتے جیسے لفظ "حیھل" یہ دونوں صوتِ مضموم الی اسم کے درجہ میں ہیں لہٰذا موصوف نہیں بن سکتے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''فاطر السموات والارض'' تو زمین و آسمان کا خالق، مبدع اور مخترع ہے۔

''انت تحكم بين عبادك'' یعنی قیامت کے دن تو اپنے وعدے کے مطابق حق و باطل کا ثواب و عقاب کے ذریعہ فیصلہ کرے گا۔

''فيه يختلفون'' یعنی دنیا کی زندگی میں، دین کے معاملہ میں جو اختلاف کرتے تھے۔

''اهدني'' یعنی میری ہدایت میں اضافہ فرما اور مجھے اس پر استقامت نصیب فرما۔

''لما اختلف فيه'' لام ''الی'' کے معنی میں ہے۔

لفظ ہدایت کبھی بذات خود متعدی ہوتا ہے اور کبھی الی یا لام کے واسطہ سے، بذات خود متعدی ہونے کی مثال:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ (الفاتحه۔ ٦)

الی کے واسطہ سے متعدی ہونے کی مثال:

﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ [الشوریٰ۔ ٥٢]

لام کے واسطہ سے متعدی ہونے کی مثال:

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾ [الاسراء۔ ٩]

''ما'' موصولہ ہے۔ عبارت کا معنی یہ ہوگا:

''انبیاء کی آمد اور ان کی صراط مستقیم کی دعوت میں، جو اختلاف کیا گیا''۔

''من الحق'' لما کا بیان ہے۔

''انك تهدى من تشاء الى صراط مستقيم'' جملہ استینافیہ ہے جو کہ تعلیل کو متضمن ہے اور تعلیل کے قائم مقام ہے۔

بیدار ہونے کے بعد کی دعا

۱۲۱۳: وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ اَوْقَالَ ثُمَّ دَعَا اُسْتُجِيْبَ لَهٗ فَاِنْ تَوَضَّاَ وَصَلّٰى قُبِلَتْ صَلَاتُهٗ۔ (رواه البخاري)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢٩/٣ حديث رقم ١١٥٤۔ وأبوداؤد في السنن ٣٠٥/٥ حديث رقم ٥٠٦٠۔ والترمذي ٤٧٧/٥ حديث رقم ٣٤١٤۔ وابن ماجه ١٣٧٦/٢ حديث رقم ٣٨٧٨۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی رات میں بیدار ہو، تو یہ دعا پڑھے لا اله الا الله ...... ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادشاہی ہے اور اس کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ پاک ہے تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ بہت بڑا اور گناہوں سے بچنے اور عبادت کی قوت اللہ کے پاس ہے''۔ پھر اس کے بعد یہ دعا پڑھے: اے اللہ! میرے گناہ بخش دے یا یہ فرمایا کہ پھر یہ دعا کرے تو اس کی دعا قبول کی جائے گی پھر اگر وہ وضو کرے اور نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول کی جائے گی۔ اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: ''من تعارّ'' بتشدید الراء۔ نیند سے بیدار ہونا۔

ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ایسی بیداری ہے جو آواز کے ساتھ ہو، پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو پسند فرمایا کہ اٹھنے کے وقت کا کلام تسبیح و تہلیل میں ڈھل جائے۔ یہ بات اسی میں پائی جا سکتی ہے جس نے ذکر کو وظیفہ حیات بنا لیا ہو۔

واضح رہے کہ لفظ تعارّ کی حقیقت کے بارے میں علماء لغت نے مزید بھی کچھ اقوال پیش فرمائے ہیں۔ یہ اقوال ابو عبید مروی نے اپنی کتاب میں امام ثعلب کے حوالہ سے نقل کیے ہیں، ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

① بیدار ہونا۔ ② جاننا۔

البتہ راجح یہی ہے کہ اس سے مراد ایسی بیداری ہے جس میں آواز بھی ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ کلمات کی جامعیت کی گئی تھی اس لئے آپ نے ایسا لفظ استعمال فرمایا جو بیک وقت دو معانی کو ادا کر رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا منشا یہ ہے کہ آدمی کو اس حال میں بیدار ہونا چاہیے کہ اس کی زبان ذکر الٰہی میں مشغول ہو اور یہ مقام اسے ہی مل سکتا جو ذکر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

یھیم فؤادی ما حییت بذکرھا ☆ ولو أننی ارممت أن بہ الصوی

ابن التین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ تعارّ کا معنی محض بیدار رہنا ہے۔ (تکلم اس میں شامل نہیں) کیونکہ آگے فقال کے ذریعہ قول کو علیحدہ لایا گیا۔

ممکن ہے یہ فاء تفسیریہ ہو اور تعارّ کی تفسیر فقال کے ذریعہ کی گئی ہو۔

''**فقال لا الہ الا اللّٰہ وحدہ**'' یعنی اس کائنات میں اپنی ذات، صفات، افعال اور آثار وغیرہ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ سب سے منفرد ہے۔

''**لا شریك لہ**'' الوہیت اور ربوبیت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

''**لہ الملك**'' ظاہری و باطنی بادشاہت اسی کی ہے۔

''**وھو علی کل شیٔ قدیر**'' یعنی ہر چیز اس کے ارادے سے متعلق اور اس کی مشیت کی پابند ہے۔

''**قدیر**'' قدرت تامہ اور کامل ارادے والا ہے۔

''**وسبحان اللّٰہ**'' اللہ تعالیٰ صفات نقص اور زوال کمال سے پاک ہے۔

''**والحمد للّٰہ**'' جمال اور کمال کی صفات کی بنا پر سب تعریفیں اسی کیلئے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باقی راویوں نے حمد کو تسبیح پر مقدم رکھا لیکن اسماعیلی نے اس کے برعکس کیا ہے۔ تسبیح کی تقدیم میں ترتیب کی رعایت ہے کیونکہ تصفیہ اور تخلیہ پہلے ہوتا ہے اور تجلیہ اور تحلیہ بعد میں۔

حاصل یہ کہ سبحان اللہ کی الحمد للہ پر تقدم روایت شاذہ ہے اور جمہور اس کے مخالف ہیں۔

''واللّٰہ اکبر'' جو چیز بھی دل میں آسکتی ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی بڑا ہے۔

''ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ'' تمام احوال میں نیکی کرنے کی طاقت گناہ سے بچنے کی قوت اللہ تعالیٰ کی مدد، مشیت، ارادہ اور مہربانی سے مل سکتی ہے۔

''او قال ثم دعا'' ''اَوْ'' شک کیلئے ہے۔ ممکن ہے تنویع کیلئے ہو۔ پہلے قول کی تائید اسماعیلی کی روایت سے ہوتی ہے۔

اس میں یہ الفاظ ہیں: ''ثم قال رب اغفرلی غفرله او قال فدعا استحیب له''

''استجیب له'' ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس سے مراد یقینی قبولیت ہے کیونکہ احتمالی قبولیت کا امکان تو ہر دعا میں ہوتا ہے۔

''فان توضا وصلّی'' علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''فان توضأ'' کا عطف ''دعا'' پر بھی جائز ہے اور ''قال لا اله الا اللّٰہ'' پر بھی۔ پہلی صورت زیادہ بہتر ہے۔ اس صورت میں معنی یہ گا کہ جو شخص نیند سے بیدار ہوا اور اس نے یہ الفاظ کہے اب اگر وہ دعا کرے گا تو دعا قبول ہوگی اور اگر نماز پڑھے تو نماز قبول ہوگی۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے قرب لفظی کی بنا پر قول اول کو راجح کہا ہے لیکن اس میں شک وتردید کا ثبوت ہے اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ دوسرا قول زیادہ بہتر ہے کیونکہ اصل مدار معانی پر ہے۔

ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دعا کی یقینی قبولیت کے بعد نماز کی قبولیت بھی یقینی ہے۔

الفصل الثانی:

بیدار ہونے کے وقت کی دُعا

۱۲۱۴: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَيْقَظَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِیْ وَاَسْاَلُكَ رَحْمَتَكَ اللّٰهُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَّلَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ اِذْهَدَيْتَنِیْ وَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۵/۳۰۶ حديث رقم ۵۰۶۱۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے لا اله الا انت سبحانك ''اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری ذات پاک ہے اے اللہ! میں تیری تعریف کے ساتھ تیری تسبیح کرتا ہوں اپنے گناہوں کی بخشش مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میرے علم میں زیادتی کر اور ہدایت کے بعد میرے دل کو ٹیڑھا نہ کر اور اپنے پاس سے میرے لیے رحمت عطا کر' بے شک تو ہی عطا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے والا ہے''۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح: ''فقال لا اله الا انت'' توحید سے ابتداء ہے کیونکہ ارباب تفرید کے مقامات کی یہی انتہاء ہے۔

''سبحانك اللهم وبحمدك'' اس کی ترکیبی کیفیت میں دو احتمال ہیں:

① باء زائد ہے، معنی ہوگا ''اسبحك مع حمدی ایاك''۔

② واؤ عاطفہ ہے۔ یعنی ''وبحمدك اسبح''

''أستغفرك لذنبي'' استغفار تعلیم امت یا اللہ رب العزت کی تعظیم اور جلالت شان کے پیش نظر ہے۔ افضل کی مخالفت کو ذنب (گناہ) سے تعبیر کرنا کمالِ طاعت کی بنیاد پر ہے۔

''اللهم زدني علما'' علما کی تنوین تفخیم کیلئے ہے۔

''ولا تزغ قلبي'' یعنی میرے دل کو حق سے ہٹا کر باطل کی طرف نہ پھیر دے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی کیا ہے ''میرے اوپر ایسی آزمائش نہ ڈال جو میرے دل کو حق سے باطل کی طرف موڑ دے''۔

''وهب لي من لدنك رحمة'' یعنی مجھے ایسی توفیق عطا فرما جو مجھے ایمان، اطاعت، ہدایت اور تیری رحمت کے موجبات پر ثابت قدم رکھے۔

''انك انت الوهاب'' تھوڑے عمل پر بہت سا اجر عطا کرنے والا ہے۔

ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دعا میں امت کیلئے تعلیم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترنے والی آزمائش اور زوال نعمت سے بے خبر اور غافل نہ ہوں۔

رات کو سوتے وقت اور جاگتے وقت کا عمل

۱۲۱۵: وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَبِيْتُ عَلٰى ذِكْرٍ طَاهِرًا فَيَتَعَارُّ مِنَ اللَّيْلِ فَيَسْأَلُ اللّٰهَ خَيْرًا اِلَّآ اَعْطَاهُ اللّٰهُ اِيَّاهُ۔ (رواه احمد و ابو داود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ٥/٢٩٦ حديث رقم ٥٠٤٢ وابن ماجه ٢/١٢٧٧ حديث رقم ٣٨٨١۔ وأحمد في المسند ٥/٢٤٤۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو بھی مسلمان رات کے وقت باوضو ہو کر اللہ کا ذکر کرتے ہوئے سو جائے اور پھر رات کے وقت بیدار ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ سے خیر کی دعا مانگ لے، تو اللہ تعالیٰ اُسے خیر دے دیتا ہے۔ اس حدیث کو امام احمدؒ اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح: ''يبيت على ذكر'' اس کے معنی میں دو احتمال ہیں:

① سوتے وقت کے اذکار مستحبہ میں مشغول رہے۔ ② مطلق طور پر رات کو اللہ کا ذکر کرے۔

''طاهرا'' یہ پاکی ظاہری بھی ہو سکتی ہے جو وضو یا تیمّم سے حاصل کرے اور باطنی بھی، یعنی اپنے دل کو حسد، کھوٹ، کینہ اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غیر اللہ سے پاک کرے۔

نمازِ تہجد سے پہلے کی دُعا

۱۲۱۶: وَعَنْ شَرِيْقِ الْهَوْزَنِيِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی عَائِشَةَ فَسَأَلْتُهَا بِمَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ اِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَتْ سَأَلْتَنِيْ عَنْ شَيْءٍ مَا سَأَلَنِيْ عَنْهُ اَحَدٌ قَبْلَكَ كَانَ اِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ عَشْرًا وَحَمِدَ اللّٰهَ عَشْرًا وَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَشْرًا وَقَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ عَشْرًا وَاسْتَغْفَرَ اللّٰهَ عَشْرًا وَهَلَّلَ اللّٰهَ عَشْرًا ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا وَضِيْقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ عَشْرًا ثُمَّ يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ۔ (رواہ ابو داود)

أخرجه أبو داؤد فى السنن ٣٢٢/٥ حديث رقم ٥٠٨٥ والنسائى ٢٨٤/٨ حديث رقم ٥٥٣٥۔

ترجمہ: حضرت شریق ہوزنی سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نیند سے بیدار ہونے کے بعد اپنی عبادت کو کس چیز سے شروع کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا آپ نے آج مجھ سے اس چیز کے بارے میں پوچھا ہے جس کے بارے میں آپ سے پہلے کسی نے مجھ سے نہیں پوچھا، تو سن لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کے وقت نیند سے بیدار ہوتے تو پہلے اللہ اکبر دس مرتبہ، الحمد للہ دس مرتبہ، سبحان اللہ وبحمدہ دس مرتبہ، سبحان الملک القدوس دس مرتبہ پڑھتے تھے اور دس مرتبہ استغفار کرتے تھے اور لا الٰہ الا اللہ دس مرتبہ پڑھتے تھے، پھر یہ دعا پڑھتے تھے **اللّٰھم انی اعوذبك**...... دس مرتبہ، اے اللہ! میں تجھ سے دنیا کی تنگی اور آخرت کی تنگی سے پناہ چاہتا ہوں، پھر نماز شروع کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

راویٔ حدیث:

شریق الہوزنی۔ یہ شریق ہوزنی تابعی ہیں۔ ''حمص'' کے رہنے والے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت فرماتے ہیں۔ اوران سے ''ازہر حرازی'' روایت کرتے ہیں۔ ''شریق'' بروزن ''امیر'' ہے ہوزنی ھاء کے فتح اور زاء کے ساتھ ذی کلاع کے ایک قبیلہ کی طرف منسوب ہے۔ (الانتساب)

تشریح: ''وعن شريق الهوزني'' بفتح الهاء والزاء'' ذوالکلاع کے ایک قبیلہ کی طرف نسبت ہے۔ صاحب جامع نے ان کے بارے میں لکھا ہے ''خمصي مقبول تابعي''

''فقالت سألتني عن شيءٍ ما سألني عنه احدٌ قبلك'' اس میں ان کے سوال کی تحسین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے لوگوں کی غفلت کی طرف اشارہ کرنا چاہتی ہیں۔

''من الليل كبر عشرًا'' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے دس مرتبہ اللہ اکبر پڑھتے اور اپنے دن کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کے بیان سے فرماتے تھے۔

''القدوس'' جو ہر عیب اور آفت سے محفوظ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"واستغفر اللّٰہ عشرًا" یہ استغفار اپنی تقصیر کے اعتراف کیلئے تھا۔

"وھلل اللّٰہ عشرًا" اذکار کو توحید پر ختم کرنے میں اہل تجرید وتفرید کیلئے ایک لطیف اشارہ ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ "اللہ تعالیٰ کی توحید کے بیان میں آواز کو بلند فرماتے تھے"۔ حدیث کی دلالت کے خلاف ہے۔

"اعوذ باللّٰہ من ضیق الدنیا" جس شخص کو کوئی مرض، قرض یا ظلم کی مشقت لاحق ہو یہ دنیا اس کی آنکھ میں تنگ پڑ جاتی ہے۔

"ثم یفتتح الصلاۃ" یعنی تہجد کی نماز۔

الفصل الثالث:

تہجد کے وقت کی ایک دُعا

۱۲۱۷: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّیْلِ کَبَّرَ ثُمَّ یَقُوْلُ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا ثُمَّ یَقُوْلُ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ مِنْ ھَمْزِہٖ وَنَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ (رواہ الترمذی وابوداود والنسائی و زاد ابوداود) بَعْدَ قَوْلِہٖ غَیْرُکَ ثُمَّ یَقُوْلُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ثَلَاثًا وَ فِیْ اٰخِرِ الْحَدِیْثِ ثُمَّ یَقْرَأُ۔

أخرجہ أبوداؤد فی السنن ۱/ ۴۹۰ حدیث رقم ۷۷۵۔ والترمذی ۲/ ۹ حدیث رقم ۲۴۲۔ وابن ماجہ ۱/ ۲۶۴ حدیث رقم ۸۰۴۔ والدارمی ۱/ ۳۱۰ حدیث رقم ۱۲۳۹۔ وأحمد فی المسند ۳/ ۵۰۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کی نماز میں کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہہ کر یہ دعا پڑھتے تھے سبحانک اللھم "اے اللہ! تو پاک ہے، ہم تیری تعریف کرتے ہیں تیرا نام برکت والا ہے، تیری ذات بلند ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے"۔ پھر اللہ اکبر کبیرا کہتے، پھر اس کے بعد یہ دعا پڑھتے اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم میں اللہ سننے والے اور جاننے والے کی شیطان مردود سے اور اس کے وسوسے سے اور اس کے تکبر سے اور اس کے بُرے شعر سکھانے سے پناہ چاہتا ہوں۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ، امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔ امام ابوداؤد نے اپنی روایت میں ولا الہ غیرک کے بعد یہ الفاظ نقل کئے لا الہ الا اللہ تین مرتبہ پڑھتے تھے، اور اس کے بعد قراءت شروع کردیتے تھے۔

تشریح: "اذا قام من اللیل کبر" بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد تکبیر تحریمہ ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ثم تراخی اخبار کیلئے ہے اور ساعات لیل میں اسے تراخی اقوال کیلئے بھی مانا جاسکتا ہے۔

"وتبارک اسمک" یعنی تیرے نام کی اتنی برکتیں ہیں تو جس کا یہ نام ہے اس کی برکت کا کیا عالم ہوگا۔ یا یہ معنی ہے کہ تیرا نام اس بات سے بالاتر ہے کہ اس میں الحاد کیا جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض علماء نے یہ معنی بھی بیان کیا ہے کہ اس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان ہدایت الٰہی کے بغیر اللہ تعالیٰ کا کوئی نام تجویز نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالی کیلئے لائق اسماء کو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

''وتعالٰی جدك'' یعنی تیری عظمت ہر عظمت سے بالاتر ہے۔ یا اس کا معنی ہے کہ تیرا غنا ہر چیز سے بلند ہے اور اتنا بلند ہے کہ ہر محتاج تیری طرف متوجہ ہے۔

''من الشیطان الرجیم'' رجیم سے مراد دھتکارا ہوا اور مردود ہے۔ اس نے فخر و زیادتی کا دعویٰ کیا اور عبادت سے انکار کیا۔ جس کے نتیجہ میں اسے بارگاہ الٰہی سے دھتکار دیا گیا۔

شیطان، شطون سے نکلا ہے جس کا معنی ہے دوری۔ شیطان کا اطلاق انسان اور جنات میں ہر اس نافرمان پر ہوتا ہے جو سرکشی کی انتہاء کو پہنچا ہو۔

لفظ الرجیم فاعل کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ شیطان بندوں کو رب سے دور کر کے ان میں وسوسے ڈال کر انہیں رجیم کرتا ہے۔

''من همزه'' همزه کے مختلف معانی بیان کئے گئے۔ ① شیطان کا وسوسہ۔ ② شیطان کی گمراہی۔ ③ جادو۔ ④ پاگل پن۔

رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز

۱۲۱۸: وَعَنْ رَبِيعَةَ بْنِ كَعْبِ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ كُنْتُ اَبِيْتُ عِنْدَ حُجْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ اَسْمَعُهُ اِذَاقَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَقُوْلُ سُبْحَانَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الْهَوِيَّ ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ الْهَوِيَّ (رواه النسائی وللترمذی نحوه وَقَالَ هذاحدیث حسن صحیح)۔

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٤٤٨ حدیث رقم ٣٥١٦۔ والنسائی ٣/٢٠٨ حدیث رقم ١٦١٨۔ وأحمد فی المسند ٤/٥٨۔

ترجمہ: حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمیؓ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے حجرہ کے قریب رات بسر کیا کرتا تھا تو میں سنتا تھا کہ جب رات کی نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو آپ کافی دیر تک سبحان رب العالمین کہتے تھے اور پھر کافی دیر تک سبحان اللہ وبحمدہ کہتے تھے۔ اس حدیث کو امام نسائی نے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذیؒ نے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: ''وعن ربیعة بن کعب الأسلمی'' یہ اصحاب صفہ میں سے ہیں اور نبی کریم ﷺ کے خادم تھے۔

''الھویّ'' بفتح الهاء ونصب الیاء المشددة۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد طویل زمانہ ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ رات کے اوقات کے ساتھ مختص ہے۔ الھوی کا معرفہ ہونا لمبے وقت کا ذکر کے ساتھ خاص ہونے کے استغراق کیلئے ہے۔ تنکیر سے استغراق کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا جیسے: قام زید الیوم اور قام زید یوماً میں فرق یہ ہے کہ پہلے میں پورا اور دوسرے میں بعض دن مراد ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کے قول: اسرٰی بعبدہ لیلاً (الاسراء۔۱) میں بھی بعض لیل مراد ہے۔

بَابُ التَّحْرِيْضِ عَلٰی قِيَامِ اللَّيْلِ

رات کے قیام پر رغبت دلانے کا بیان

الفصل الاول:

رات کی عبادت سے روکنے کیلئے شیطان کی چال

۱۲۱۹: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلٰی قَافِيَةِ رَأْسِ اَحَدِكُمْ اِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عُقَدٍ يَضْرِبُ عَلٰی كُلِّ عُقْدَةٍ عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيْلٌ فَارْقُدْ فَاِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللّٰهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ تَوَضَّاَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ صَلّٰی انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاَصْبَحَ نَشِيْطًا طَيِّبَ النَّفْسِ وَاِلَّا اَصْبَحَ خَبِيْثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۴/۳ حدیث رقم ۱۱۴۲۔ ومسلم فی صحیحه ۵۳۸/۱ حدیث رقم (۲۰۷۔ ۷۷۶)۔ وأبو داوٗد فی السنن ۷۲/۲ حدیث رقم ۱۳۰۶۔ وابن ماجه ۴۲۱/۱ حدیث رقم ۱۳۲۹۔ ومالك فی الموطأ ۱۷۶/۱ حدیث رقم ۹۵ من کتاب قصر الصلاة ۔ وأحمد فی المسند ۴۳/۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی رات کو سوتا ہے تو شیطان اس کے سر کی گدی پر تین گرہیں لگاتا ہے۔ ابھی بہت رات باقی ہے سو جاؤ، جب کوئی آدمی بیدار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اس کی ایک گرہ کھل جاتی ہے پھر جب وضو کرتا ہے دوسری گرہ کھل جاتی ہے پھر اگر اس کے بعد نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے۔ ایسا آدمی خوشی کی حالت میں پاک نفس ہو کر صبح کرتا ہے ورنہ خبیث نفس اور سستی کی حالت میں صبح کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: "یعقد" بکسر القاف بمعنی باندھنا۔ "الشیطان" ابلیس یا اس کا کوئی چیلا۔ دونوں مراد ہیں۔

"علی قافیة رأس أحدکم" قافیة رأس سے مراد گدی (یعنی سر کا پچھلا حصہ) ہے، بعض کے خیال کے مطابق سر کا درمیان حصہ ہے۔ "اذا هو نام ثلاث عقد" اس سے مراد یہ ہے کہ شیطان سستی کی گرہیں باندھ دیتا ہے۔

ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ شیطان اسے سستی پر ابھارتا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اسے بوجھل پن اور سستی میں اس طرح باندھ دیتا ہے کہ اسے خبر بھی نہیں ہوتی۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ شیطان کے مکروفریب سے استعارہ ہے کہ شیطان نیند کو اس کیلئے محبوب بنا دیتا ہے اور استراحت و آرام سے نکلنے نہیں دیتا۔ تین کے ساتھ مقید کرنا تاکید کیلئے ہے۔ کیونکہ جن چیزوں سے شیطان روکتا ہے وہ تین

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ذکر، وضواور نماز۔گدی کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ (گدی) وہم کا محل ہے۔

''یضرب ''یعنی اپنے ہاتھ سے مارتا ہے تاکید کیلئے یا مضبوط کرنے کیلئے۔

''علی کل عقدۃ'' یہ یضرب سے متعلق ہے۔ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''یضرب'' کا مفعول ظاہر نہیں ہے اس کا ایک معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ شیطان سونے والے کی حس پر چھا جاتا ہے اور وہ اٹھ نہیں سکتا۔اللہ تعالیٰ کے قول ''فضربنا علی آذانہم'' کا معنی ہے ہم نے انہیں سلا دیا۔

علامہ میرک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس عقد کے بارے میں اختلاف ہے۔بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ حقیقت پر محمول ہے۔جیسے جادوگر اپنے جادو کے ذریعہ گرہ لگا دیتا ہے۔اس معنی کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ہر آدمی کے سر میں ایک رسی ہے جس میں تین گرہیں ہیں۔اس حدیث کو ابن ماجہ، احمد، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے نقل کیا ہے۔بعض علماء نے اسے مجاز پر محمول کیا ہے گویا کہ شیطان کے فعل کو جادوگر کے فعل سے تشبیہ دی گئی ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد دل کی گرہ ہے اور اس کو کسی چیز پر مضبوط کرنا ہے یعنی شیطان اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ ابھی بہت رات باقی ہے۔

''علیک لیل طویل'' ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بخاری کی تمام روایات میں لیلٌ رفع کے ساتھ ہے۔قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلم کی اکثر رویات میں لیلًا منصوب آیا ہے۔

''فذکر'' ذکر دل سے کرے یا زبان سے۔دونوں کا احتمال ہے۔

''فان صلی انحلت عقدۃ'' ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بخاری کی تمام روایات میں یہ لفظ جمع کے ساتھ ہے جبکہ موطا میں مفرد لفظ کے ساتھ ہے۔پس مناسب تھا کہ مصابیح میں جمع کے صیغہ کے ساتھ ہو کیونکہ آخر میں ''متفق علیہ'' کے الفاظ ہیں۔لیکن اس کے تمام نسخوں میں مفرد کے ساتھ ہی یہ الفاظ آئے ہیں۔

''نشیط طیب النفس'' اس کی تازگی اور مسرت کی تین وجوہات ہیں:

① شیطانی چنگل سے نجات۔ ② اسباب غفلت سے چھٹکارا۔ ③ رضائے الٰہی کا حصول۔

''أصبح خبیث النفس'' مغموم، پریشان اور حیران سرگرداں۔

عبادت سے شکر کی ادائیگی

۱۲۲۰: وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهٗ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَلَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۵۸۴/۸ حدیث رقم ۴۸۳۶۔ والنسائی فی السنن ۱۹/۳ حدیث رقم ۱۶۴۴۔ وابن ماجه ۴۵۶/۱۔

ترجمہ: حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ رات کو طویل قیام کیا، آپ کے قدمین پر ورم آ گیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ اس قدر طویل قیام کیوں کرتے ہیں آپ کے تو اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ (بخاری ومسلم)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح: ''وعن المغیرۃ قال، قام النبی ﷺ'' ایک نسخہ میں ''من اللیل'' کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

''فقیل له لم تصنع هذا'' عصام الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ استفہام تعجب کیلئے ہے۔

''أفلا اکون عبدًا شکورًا'' یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے مغفرت کی نعمت عطا فرمائی اور دوسری بہت سی نعمتوں سے نوازا۔ کیا میں تمام نعمتوں پر اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کا یہی معنی بیان کیا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فاء، محذوف کیلئے مسبب ہے یعنی کیا میں قیام لیل اور تہجد کو اس لئے چھوڑ دوں کہ اس نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ اور میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا مجھے معاف کرنا اس بات کا سبب ہے کہ میں اس کیلئے قیام کروں اور تہجد پڑھوں۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے اتنی مشقت برداشت کرنے کے متعلق سوال کرنے والے کا خیال یہ تھا کہ اس مشقت کا سبب گناہ کا خوف یا بخشش کی امید ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسے سمجھا دیا اور اس کا سبب حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''کچھ لوگ جنت کے شوق میں اللہ کی عبادت کرتے ہیں یہ تاجروں کی عبادت ہے۔ کچھ لوگ اللہ کے خوف سے عبادت کرتے ہیں یہ غلاموں کی عبادت ہے اور کچھ لوگ شکر کیلئے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ آزاد لوگوں کی عبادت ہے''۔

یہ قول ربیع الابراء میں موجود ہے۔

فجر کی نماز کے لئے نہ اٹھنے والے کا حال

۱۲۲۱: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقِيْلَ لَهُ مَازَالَ نَائِمًا حَتّٰى اَصْبَحَ مَا قَامَ اِلَى الصَّلَاةِ قَالَ ذٰلِكَ رَجُلٌ بَالَ الشَّيْطَانُ فِيْ اُذُنِهٖ اَوْقَالَ فِيْ اُذُنَيْهِ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ٣/٢٨ حديث رقم ١١٤٤۔ ومسلم ١/٥٢٧ حديث رقم (٢٠٥/٧٧٤)۔ والنسائي في السنن ٣/٢٠٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک آدمی کا کچھ تذکرہ کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ وہ آدمی صبح تک سویا رہتا ہے اور فجر کی نماز کیلئے نہیں اٹھتا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر فی الواقع وہ انسان ایسا ہی ہے تو پھر اس کے کان میں، یا یہ فرمایا کہ اس کے کانوں میں شیطان پیشاب کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: ''ما قام الی الصلاۃ'' الصلاۃ سے مراد میں دو احتمال ہیں:

① صبح کی نماز۔ ② تہجد کی نماز۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جملہ کی نحوی ترکیب میں مختلف احتمال بیان کئے ہیں:

① أصبح تامہ ہے اور وما قام محل نصب میں فاعل سے حال ہے۔

② أصبح ناقصہ ہے اور ما قام اس کی خبر ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

③ ما قام جملہ مستانفہ اور پہلے جملہ کیلئے مبینہ ہے یا مؤکدہ مقررہ ہے۔

"ذلك الرجل بال الشيطان في أذنه" موذن کی آواز کی طرف التفات اور توجہ نہ کرنے والے کو اس شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جس کے کان میں پیشاب کر کے اسے بوجھل بنا دیا اور اس کی حس سماعت میں خرابی پیدا ہو گئی۔

علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کنایہ ہے کہ شیطان اس کا مذاق اڑاتا ہے اور اس پر ہنستا ہے اور اسے ہلکا اور معمولی سمجھتا ہے۔ جب آدمی کسی چیز کو معمولی سمجھتا ہے تو اس پر پیشاب کرتا ہے۔ کان کو خاص طور پر ذکر کرنے کی یہ ہے کہ کسی چیز کی توجہ اور انتباہ کانوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ نہایہ میں فرماتے ہیں کہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ شیطان اس کی سماعت کو باطل اور جھوٹی باتوں سے بھر دیتا ہے۔ اور اس سے دعوت حق کے سننے سے محروم کر دیتا ہے۔

"أو قال في أذنيه" تثنیہ کے ساتھ ہے یہ مبالغہ کیلئے ہے۔

اس حدیث میں بعض علماء نے شیطان کے پیشاب کرنے کو حقیقت پر محمول کیا ہے۔ ایک مرتبہ ایک بزرگ سوئے تھے اور نماز نہ پڑھ سکے انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سیاہ رنگت والا شخص آیا اور اس کے کان میں پیشاب کر دیا۔

حسن بصری رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو حقیقت پر محمول کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج رضی اللہ عنہن کو نماز کے لئے اٹھانا

۱۲۲۲: وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتِ اسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَزِعًا يَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا اُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْخَزَائِنِ وَمَاذَا اُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ مَنْ يُّوْقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ يُرِيْدُ اَزْوَاجَهٗ لِكَيْ يُصَلِّيْنَ رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الْاٰخِرَةِ۔ (رواه البخاري)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳/ ۱۰ حديث رقم ۱۱۲٦۔ والترمذي في السنن ٤/ ٤٢٢ حديث رقم ۲۱۹٦۔ ومالك في الموطأ ۲/ ۹۱۳ حديث رقم ۸ من كتاب اللباس۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبراہٹ کی حالت میں بیدار ہوئے اور کہہ رہے تھے سبحان اللہ آج رات کس قدر خزانے نازل کئے گئے اور کس قدر فتنے اتارے گئے، کوئی ہے جو ان حجروں والیوں کو اٹھا دے، مراد اس سے ازواج مطہرات تھیں اور مطلب آپ کا یہ تھا کہ ازواج مطہرات اٹھیں اور نماز پڑھیں اکثر عورتیں ایسی ہیں کہ دنیا میں کپڑے پہننے والی ہیں اور آخرت میں ننگی ہونگی۔ اس حدیث کو امام بخاری نے نقل کیا ہے۔

تشریح: "فزعًا" بکسر الزاء۔

"ما ذا أنزل الليلة من الخزائن" یہ جملہ تقریر اور بیان کے لئے ہے کیونکہ اس میں ما استفہامیہ ہے۔ جو تعجب اور تعظیم کے معنی کو شامل ہے۔

"وما ذا انزل من الفتن" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت کو خزانوں سے تعبیر فرمایا اور عذاب کو فتنوں سے۔ کیونکہ فتنے ہی عذاب کا دروازہ ہیں جبکہ رحمت خزانوں کے حصول کا ذریعہ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان دونوں الفاظ کو جمع لانے کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے اور اس کا عذاب بہت وسیع اور کثیر ہے۔

''لکی یصلین'' تا کہ وہ (ازواج مطہرات) بھی نماز پڑھ لیں اور انہیں بھی رحمت حاصل ہو جائے اور فتنوں سے چھٹکارا مل جائے۔

رب کاسیة فی الدنیا عاریة فی الآخرة کے مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں:

① اپنی حقیقت پر محمول ہے کہ دنیا میں بہت سی لباس پہننے والی عورتیں آخرت میں حساب کے وقت ننگی ہوں گی۔

② بہت سی عورتیں لباس تو پہنیں گی لیکن اللہ کے شکر سے عاری ہوں گی۔

③ ایک قول یہ ہے کہ اس حدیث میں ایسے لباس کی ممانعت ہے جو بدن کو چھپا نہ سکے۔

محدثین فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اس لئے ذکر فرمایا کہ جب ان کیلئے تہجد کی نماز ضروری ہے تو دوسری عورتوں کیلئے بطریق اولیٰ ضروری ہے۔

رات کے وقت اللہ عزوجل کی رحمت کا نزول

۱۲۲۳: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰی كُلَّ لَیْلَةٍ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا حِیْنَ یَبْقٰی ثُلُثُ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ یَقُوْلُ مَنْ یَّدْعُوْنِیْ فَاَسْتَجِیْبُ لَهٗ مَنْ یَّسْاَلُنِیْ فَاُعْطِیَهٗ مَنْ یَّسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرُلَهٗ (متفق علیه وفی روایة لمسلم) ثُمَّ یَبْسُطُ یَدَیْهِ یَقُوْلُ مَنْ یُّقْرِضُ غَیْرَ عَدُوْمٍ وَلَا ظَلُوْمٍ حَتّٰی یَنْفَجِرَ الْفَجْرُ۔

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۵۲٦ حدیث رقم (۱٦۸۔ ۷۵۸)۔ والترمذی فی السنن ۲/۳۰۷ حدیث رقم ٤٤٦۔ وابن ماجه ۱/٤۳۵ حدیث رقم ۱۳٦٦۔ والدارمی ۱/٤۱۳ حدیث رقم ۱٤۷۹۔ وأحمد فی المسند ۲/۲٦٤۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر رات کے آخری ثلث میں ہمارا رب آسمان دنیا پر نزول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کون ہے جو مجھے پکارے اور میں اس کو قبولیت بخشوں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اُسے عطا کروں، کون ہے جو مجھ سے مغفرت مانگے میں اس کی مغفرت کر دوں۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے اور کہتا ہے کون ہے جو ایسے کو قرض دے جو نہ فقیر ہے نہ ظلم کرنے والا ہے اور صبح ظاہر ہونے تک یہی اعلان ہوتا رہتا ہے

تشریح: ''قال رسول اللہ ﷺ ینزل ربنا'' ینزل ربنا کے دو معنی ہیں:

① اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو زمین پر اترنے کا حکم دیتا ہے۔

② اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان کرنے والے فرشتے کا نزول ہوتا ہے۔

''تبارك'' اس کی خیر، رحمت اور آثار جمال بہت زیادہ ہیں۔

''تعالٰی'' اللہ تعالیٰ مخلوق کی صفات سے بالاتر ہے اور حدوث و زوال سے محفوظ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ دونوں جملے معترضہ ہیں۔ جو فعل اور ظرف کے درمیان آئے ہیں۔ یہ تنزیہ پر دلالت کرتے ہیں تا کہ جملہ کی اسناد کے حقیقی ہونے کا وہم نہ ہو۔

''کل لیلة الی السماء الدنیا'' ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نزول سے مراد یہ ہے کہ اللہ کا حکم، اس کی رحمت یا اس کے فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ امام مالک نے بھی اس حدیث کا یہی معنی بیان کیا ہے اور اس کی تائید ایک صحیح حدیث سے ہوتی ہے۔ جس میں آیا ہے:

''اللہ تعالیٰ مہلت دیتا ہے اور جب آدھی رات گزر جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایک اعلان کرنے والے فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ وہ اعلان کرے کہ کوئی دعا مانگنے والا ہے کہ اس کی دعا کو قبول کیا جائے''۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ (یہ تفسیر بھی امام مالک کی طرف منسوب ہے) یہ کلام علی سبیل الاستعارۃ استعمال ہوا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں دعا مانگنے والے پر قبولیت، رحمت، لطف اور قبول مغفرت کے ساتھ توجہ ہوتا ہے۔

علامہ نووی، شرح مسلم میں اس حدیث اور اس جیسی دوسری احادیث کی شرح میں صفات باری تعالیٰ کی حقیقت کے بارے میں مندرجہ ذیل بحث فرماتے ہیں۔

اس بارے میں دو مشہور مذہب ہیں ایک مذہب جمہور سلف اور بعض متکلمین کا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک ان کی حقیقت کما یلیق بشانہ کے اعتبار سے ایمان لانا واجب ہے۔

دوسرا مذہب اکثر متکلمین اور ایک جماعت سلف کا ہے یہ مذہب امام مالک اور امام اوزاعی وغیرہ سے بھی منقول ہے۔ ان صفات کو ان کے باطن کے اعتبار سے تاویل کر کے ان پر ایمان لایا جائے گا۔ ان دو مذاہب اور اسی طرح شیخ ربانی ابو اسحاق شیرازی، امام الحرمین اور امام غزالی جیسے دوسرے ائمہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس قسم کی تمام نصوص کے ظاہر پر عمل اور عقیدہ نہ ہوگا جسا کہ اللہ تعالیٰ کا آنا' اللہ تعالیٰ کے رجل' قدم' ید' وجہ وغیرہ کا ذکر۔ ان تمام صفات کے بارے میں یہی حکم ہے۔ کیونکہ ان کے ظاہر سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ قطعی طور پر باطل ہے (کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کیلئے جسم ماننا لازم آئے گا)۔ اور بالا جماع ان چیزوں کو ثابت کرنے والے پر کفر لازم آتا ہے۔

بعض حضرات نے ان احادیث کی تفصیلی تاویل کی ہے۔ اس قسم کی تاویل کا مقصد اسلاف کے مسلک سے انحراف نہیں بلکہ ان کے زمانہ میں اس کی ضرورت پیش آئی تھی کیونکہ مجسمیہ اور جہمیہ بہت زیادہ ہو گئے تھے وہ عوام الناس کو گمراہی اور فسادِ عقیدہ میں مبتلا کر رہے تھے۔ ان کی گمراہی اور لوگوں کی عقلوں پر غلبہ حاصل کرنے سے بچنے کیلئے امام مالک، اوزاعی، سفیان ثوری اور امام جعفر صادق نے اس حدیث کی تفصیلی تاویل کی ہے۔

ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متشابہ ہے۔

بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات صفات جلال سے صفات رحمت اور صفات جمال کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔

میں یہ کہتا ہوں کہ انتقال کی تعبیر کو اہل کمال نے پسند نہیں کیا کیونکہ اس میں نقص اور زوال کا وہم ہے۔ البتہ اگر اس سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظہور اور صفت جمال کی تجلی مراد ہو تو یہ معنی درست ہو سکتا ہے۔

''حتی یبقی ثلث اللیل الأخر'' صاحب نہایہ فرماتے ہیں کہ ثلث آخر کی تخصیص اس بنیاد پر ہے کہ یہ تہجد اور لوگوں کی غفلت کا وقت ہے اس وقت نیت خالص اور رغبت کامل ہوگی۔

ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد رحمت، رحمانیت اور اُلطاف سبحانیہ کا نزول ہے اور صفت ربوبیت کے مقتضی کے مطابق ذات عالی کا بندوں سے قرب ہے۔ یا اس سے مراد خواص ملائکہ کا نزول ہے۔ اس وقت میں یہ فرشتے کلام ربانی کو نقل کرتے ہیں۔

یہ روایت ان روایات کے منافی نہیں ہے جن میں یہ الفاظ آئے ہیں:

''اذا مضٰی شطر اللیل أو ثلثاہ''

کیونکہ ممکن ہے کہ یہ نزول بعض راتوں میں ثلثِ لیل آخر میں اور بعض راتوں میں آدھی رات اور بعض راتوں میں ثلث لیل میں ہوتا ہو۔

ابن حجر رحمہ اللہ عسقلانی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ نزول ثلث اول، نصف اور ثلث آخر میں تین مرتبہ ہوتا ہو۔ راجح اور ظاہر یہ ہے کہ یہ نزول کسی خاص وقت کے ساتھ خاص نہیں۔ ان اوقات کا تذکرہ غفلت کی نیند سے بیدار ہونے والوں کے زمانوں اور اوقات کے اعتبار سے ہے۔

''یقول من یدعونی فأستجیب لہ'' ''فاستجیب لہ' منصوب ہے جواب استفہام میں اَن مقدر سے۔ استیناف ماننے کی صورت میں یہ مرفوع ہوگا۔ اسی طرح فأعطیہ فأغفر لہ کی بھی یہی ترکیب ہے۔

''من یسألنی فأعطیہ'' اس کی اعرابی کیفیت میں دو قول ہیں:

① بفتح الھاء وضم الھاء۔ ② بسکون الیاء وکسر الھاء۔

''من یستغفرنی فاغفرلہ'' اس حدیث سے مقصود ترغیب وابارنا ہے، اس وقت کی تخصیص فضیلت میں اضافہ کیلئے ہے۔ وگرنہ مکلف کا ہر فعل ہی قابل قبول اور نافع ہوتا ہے۔

''فی روایۃ لمسلم ثم یبسط یدیہ'' ''یدیہ'' سے مراد لطف ورحمت ہے۔

ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یدیہ کے مظہر کو پھیلا دیتے ہیں۔ اس میں تجلی صوری کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات نزول حسی سے پاک ہے۔

''یقول'' یعنی اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں یا خاص فرشتوں کے ذریعہ منادی ہوتی ہے۔

''من یقرض'' یعنی کون ہے جو عبادت مالیہ یا بدنیہ کے ذریعہ قرض دے اور اس کا عوض لے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات عالی کو ان دو صفات کے ساتھ متصف کرنا اس غرض سے ہے کہ ان دو صفات کی عدم موجودگی قرض دینے سے مانع ہے۔ معنی یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں اچھا عمل کرے گا آخرت میں اس کی جزا پائے گا۔

''حتی'' یہ بسط کی غایت ہے یعنی اللہ تعالیٰ طلوع فجر تک طالبین کے دلوں کو متوجہ کرنے کیلئے یہ اعلان فرماتے رہتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔

''يتفجر الفجر'' اس جملہ میں اس لطف کے ابتداء کی طرف اشارہ ہے۔

رات میں قبولیتِ دُعا کی گھڑی

۱۲۲۴: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ فِي اللَّيْلِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللّٰهَ فِيْهَا خَيْرًا مِّنْ اَمْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا اَعْطَاهُ وَاِيَّاهُ وَذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/٥٢١ حديث رقم (١٦٦- ٧٥٧)۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رات میں ایک گھڑی ہوتی ہے جو مسلمان اُسے حاصل کرتا ہے اور اُس گھڑی میں اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی جس خیر کا سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اُسے عطا کرتا ہے اور قبولیت کی یہ گھڑی ہر رات میں ہوتی ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح: ''ان في الليل لساعة'' رات میں ایک ساعت مبہمہ ہے۔

''لا يوافقها رجل مسلم'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ ''لساعة'' کی صفت ہے۔

''يسأل الله'' نسخہ صحیحہ میں ''لا يسأل الله فيها'' ہے یہ جملہ صفت ثانیہ یا حال ہے۔

''الا أعطاه اياه'' حقیقی طور پر یا حکمی طور پر اسے عطا ہو جاتی ہے۔

''كل ليلة'' یعنی یہ ساعت کسی ایک رات کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر رات میں یہ ساعت پائی جا سکتی ہے۔

صوفیہ فرماتے ہیں کہ تمہارے رب کے پاس تمہاری زندگی کے لمحات میں نفحات ہیں۔ انہیں ضرور تلاش کرو کیونکہ حق کے جذبات میں سے ایک جذبہ جن وانس کے عمل کے برابر ہے۔

اس حدیث کو ان حضرات نے اپنا مستدل بنایا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ رات دن سے افضل ہے کیونکہ ہر رات میں قبولیت اور اجابت کی ایک ساعت ہے اور یہ سوائے جمعہ کے دن کے کسی دن میں نہیں۔ پس آدمی کو چاہئے کہ ساری رات یا کم از کم رات کا کچھ حصہ اللہ کی عبادت میں مشغول رہے۔

دوسری ساعات قبولیت کی طرح اس ساعت کو بھی مبہم رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ مقصد کے حصول کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرے، اس کے گزر جانے پر نا امیدی کا شکار نہ ہو اور عبادت کیلئے کسی وقت کو مخصوص کئے بغیر ہر وقت اللہ کی عبادت کرے۔ تا کہ اس کا دل خود پسندی اور غرور سے محفوظ رہے۔ ایمان کی اصل کیفیت جو امید اور خوف کے درمیان ہے وہ حاصل ہو جائے۔

داؤد علیہ السلام کا صوم وقیام اللہ کو پسند تھا

۱۲۲۵: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الصَّلَاةِ اِلَى اللّٰهِ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صَلَاةُ دَاوٗدَ وَاَحَبُّ الصِّيَامِ اِلَى اللّٰهِ صِيَامُ دَاوٗدَ كَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُوْمُ ثُلُثَهٗ وَيَنَامُ سُدُسَهٗ وَيَصُوْمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۶/۳ حديث رقم ۱۱۳۱۔ والنسائي ۲۱۴/۳ حديث رقم ۱۶۳۰۔ وابن ماجه ۵۴۶/۱ حديث رقم ۱۷۱۲۔ وأحمد في المسند ۱۶۰/۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کو تمام نمازوں میں سے حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز زیادہ محبوب ہے اور اسی طرح تمام روزوں میں سے داؤد علیہ السلام کا روزہ زیادہ محبوب ہے وہ نصف رات سوتے تھے اور رات کا تیسرا حصہ قیام کرتے تھے اور پھر رات کے چھٹے حصے میں سوتے تھے اور وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: ''احب الصلاۃ الی اللہ صلاۃ داؤد'' یعنی نفلی نمازوں میں وقت کی فضیلت اور نفس پر زیادہ مشقت کے اعتبار سے سب سے محبوب نماز۔

''کان'' یہ استیناف مبین ہے جو دونوں سابقہ جملوں کی وضاحت کر رہا ہے۔

''ینام نصف اللیل ویقوم ثلثه وینام سدسه'' ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبارت کی اس نوع کے محبوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی رات کے دو ثلث میں آرام کرے گا تو اس کا بدن ہلکا اور چست ہو جائے گا۔

شاید نبی کریم ﷺ نے اس انداز استراحت کو اس لئے اختیار نہیں فرمایا کہ آپ کا قیام تمام انبیاء مقام کو جامع ہو اور قیامت کے دن امت پر آسانی کی جائے رات کو زندہ کرنے کے وظیفہ کی وجہ سے۔

''یصوم یومًا ویفطر یومًا'' ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں روزوں کی یہ ترتیب نفس پر زیادہ شاق ہے کیونکہ اس میں ایک مانوس چیز کو ایک وقت میں چھوڑنا اور دوسرے وقت میں اپنانا لازم آتا ہے۔

حضور ﷺ نے روزے رکھنے میں بھی اس ترتیب و انداز کا التزام نہیں فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بعض مرتبہ اتنے روزے رکھتے تھے کہ ہم سمجھتے کہ اب آپ روزے نہ چھوڑیں گے اور کبھی آپ روزے بالکل چھوڑ دیتے اور ہم یہ سمجھتے کہ اب آپ روزے نہ رکھیں گے۔ اگر آپ انہیں رات کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا چاہتے تو دیکھ سکتے تھے اور اگر نیند کرتے ہوئے دیکھنا چاہتے تو دیکھ سکتے تھے۔

پس معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ اپنی عبادت میں اوقات کے پابند نہیں تھے بلکہ حکمت و شوق کے وقت جب مناسب خیال فرماتے اللہ کی عبادت شروع کر دیتے۔

آپ ﷺ کا رات کے آخری حصہ میں عبادت کرنا

۱۲۲۶: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ تَعْنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنَامُ اَوَّلَ اللَّيْلِ وَيُحْيِيْ اٰخِرَهٗ ثُمَّ اِنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ قَضٰى حَاجَتَهٗ ثُمَّ يَنَامُ فَاِنْ كَانَ عِنْدَ النِّدَاءِ الْاَوَّلِ جُنُبًا وَثَبَ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَأَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ جُنُبًا تَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٣/٣٢۔ حديث رقم ١١٤٦۔ ومسلم في صحيحه ١/٥١٠ حديث رقم (١٢٩۔ ٧٣٩)۔ وأخرجه النسائي في ٣/٢١٨ حديث رقم ١٦٤٠۔ وابن ماجه ١/٤٣٤ حديث رقم ١٣٦٥۔ وأحمد في المسند ٦/١٠٢۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے شروع حصہ میں سو جاتے تھے اور رات کے آخری حصہ کو زندہ رکھتے تھے، پھر اگر آپ کو اپنی زوجہ سے کوئی ضرورت ہوتی تو اُس ضرورت کو پورا کرتے، پھر سو جاتے تھے، پھر اگر پہلی اذان کے وقت غسل کی حاجت ہوتی تو غسل کرتے اور اگر غسل کی حاجت نہ ہوتی تو نماز کیلئے وضو کرتے پھر فجر کی دو سنت ادا کرتے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: ''كانت تعني رسول الله'' لفظ ''رسول اللہ'' بظاہر تعنی کا مفعول اور معنوی طور سے کان کا اسم ہے۔

''ينام اول الليل ويحيي آخره ثم'' علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ''ثم'' تراخی اخبار کیلئے ہے۔

''قضٰى حاجته ثم ينام'' ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبادت کو قضاء حاجت پر مقدم کرنے میں ایک نکتہ ہے جو پوشیدہ نہیں ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مباشرت رات کے آخری حصہ میں کرنا اولیٰ ہے کیونکہ رات کے اول حصہ میں عام طور سے پیٹ بھرا ہوتا ہے اور پیٹ بھرے ہونے کی حالت میں جماع کرنا بالاتفاق نقصان دہ ہے۔ نیز یہ کہ اس میں امکان ہے کہ بغیر غسل کے سو جائے گا اور جنابت کی حالت میں سونا مکروہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وطی کے بعد غسل سے پہلے سونا بیان جواز کیلئے تھا۔

یہ بھی جان لینا چاہیے۔ کہ اس حدیث میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر وضو کے سو جاتے تھے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کو کمال پر محمول کرنا اولیٰ ہے۔

''فان كان عند النداء الاوّل'' اس جملہ کے معنی میں دو احتمال ہیں:

① نداء اول سے مراد حضرت بلالؓ کی اذان ہے جو آدھی رات گزر جانے کے بعد دیتے تھے اور حضرت ابن ام مکتومؓ کی اذان جو صبح صادق کے وقت ہوتی تھی اسے نداء ثانی کہتے ہیں۔

② راجح قول یہ ہے کہ نداء اول سے مراد اذان اور نداء ثانی سے مراد اقامت ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے قول کو غلط فاحش قرار دیا ہے۔

''فافاض لم يكن جنبًا توضأ للصلاة'' یہ وضو تجدید یا کسی اور سبب کی وجہ سے ہوگا (وگرنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند ناقض وضو نہیں)۔

''ثم صلى ركعتين'' اس سے مراد فجر کی سنتیں ہیں۔

ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دو رکعات سے ابتداء فرماتے تھے جیسا کہ تہجد کی نماز کے بیان میں ذکر کیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا"۔ یہ ان کے پہلے کلام کے مناقض ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وضو کی دو سنتیں ہیں۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو تفصیل کے ساتھ شمائل میں ذکر کیا ہے جس سے اس حدیث کے مضمون کی بھی تشریح ہوتی ہے۔ اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: "والا توضا وخرج الی الصلاۃ"۔

ملا حنفی فرماتے ہیں کہ فجر کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد مسجد کی طرف جاتے تھے۔

الفصل الثانی:

نماز تہجد کی فضیلت

۱۲۲۷: وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَیْکُمْ بِقِیَامِ اللَّیْلِ فَاِنَّهٗ دَاْبُ الصَّالِحِیْنَ قَبْلَکُمْ وَهُوَ قُرْبَةٌ لَّکُمْ اِلٰی رَبِّکُمْ وَمُکَفِّرَةٌ لِّلسَّیِّئَاتِ وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْاِثْمِ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٥١٦ حدیث رقم ٣٥٤٩۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رات کے قیام کو ضروری سمجھو کیونکہ یہ طریقہ تم سے پہلے نیک لوگوں کا ہے اور قیام اللیل سے تمہیں اپنے رب کا قرب نصیب ہوگا اور گناہ ختم ہوں گے اور یہ تمہیں گناہوں سے باز رکھے گا۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: "عن أبی أمامة قال قال رسول اللہ ﷺ علیکم بقیام اللیل" یعنی رات میں نماز کو لازم پکڑو۔

"فانه دأب الصالحین" یعنی یہ صالحین کا طریقہ ہے۔

صالحین سے مراد انبیاء اور اولیاء ہیں۔ اس جملہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص تہجد کی نماز کا اہتمام نہیں کرتا وہ کامل صالحین کے درجہ میں نہیں بلکہ مزکی کے درجہ میں ہو سکتا ہے۔ ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے انبیاء سابقین بھی مراد لئے جا سکتے ہیں۔

"وھو قربة لکم الی ربکم" یعنی صالحین کی طرز کی پیروی کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس میں رب تعالیٰ کی قربت ہے۔ اس جملہ میں ایک حدیث قدسی کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "بندہ نفلوں کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں"۔

"ومکفرة للسیئات ومنھاۃ" یہ دونوں مصدر میمی ہیں۔ یعنی یہ گناہوں کو ڈھانپنے والی اور عیوب کو مٹانے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ان الحسنات یذھبن السیئات" (ھود، ۱۱۴) "نیکیاں گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں"۔

"عن الاثم" یعنی یہ نماز گناہوں سے بچانے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ [العنکبوت۔ ٤٥] "بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے"۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تہجد پڑھنے والوں کے لئے خوشخبری

۱۲۲۸: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ یَضْحَكُ اللّٰهُ اِلَیْهِمُ الرَّجُلُ اِذَاقَامَ بِاللَّیْلِ یُصَلِّیْ وَالْقَوْمُ اِذَاصَفُّوْا فِی الصَّلَاةِ وَالْقَوْمُ اِذَا صَفُّوْا فِیْ قِتَالِ الْعَدُوِّ۔

رواہ فی شرح السنة۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ دیکھ کر ہنستا ہے، وہ آدمی جو رات کے وقت تہجد کی نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے، وہ لوگ جو نماز پڑھنے کیلئے اپنی صفوں کو درست کرتے ہیں، وہ لوگ جو دشمنوں سے قتال کرنے کیلئے صفوں کو درست کرتے ہیں۔ (شرح السنہ)

تشریح: ''قال رسول اللہ ﷺ ثلاثة'' ثلاثة کی مراد میں چار احتمال ہیں:

① رجال، علامہ طیبی نے اسی کو بیان کیا ہے۔ ② اشخاص۔ ③ اصناف۔ ④ انفس۔ صاحب مصابیح نے اسی کو ذکر کیا ہے۔

''یضحك اللّٰه الیهم'' یعنی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوتے ہیں۔ اور انہیں نظرِ عنایت سے دیکھتے ہیں۔ اور ان پر انتہائی مہربانی اور رحم فرماتے ہیں۔

''الرجل'' غلبیت کی بنا پر رجل کا ذکر کیا گیا۔ نیز اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تہجد کی نماز پڑھنا مردوں کا کام ہے۔

www.KitaboSunnat.com

''والقوم اذا صفوا فی الصلاة'' یعنی جہاد اصغر کیلئے صفیں بنائیں۔

''والقوم اذا صفوا فی قتال العدوّ'' یعنی جہاد اکبر کیلئے صفیں بنائیں۔

حدیث کی ترتیب ترقی من الادنیٰ الی الاعلیٰ'' کی قبیل سے ہے کیونکہ جہاد سب سے افضل ہے پھر جماعت کی نماز ہے کیونکہ اس کی فرضیت میں اختلاف ہے۔

''رواہ فی شرح السنة'' علامہ میرکؒ کہتے ہیں کہ ابن ماجہ نے اس حدیث کو لفظی تفسیر کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

۱۲۲۹: وَعَنْ عَمْرِوبْنِ عَنْبَسَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَقْرَبُ مَا یَكُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ الْاٰخِرَةِ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَكُوْنَ مِمَّنْ یَّذْكُرُ اللّٰهَ فِیْ تِلْكَ السَّاعَةِ فَكُنْ۔

(رواہ الترمذی وقال هٰذاحدیث حسن صحیح غریب اسناد)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٥٣٢ حدیث رقم ٣٥٧٩۔ وابن ماجه ١/٤٣٤ حدیث رقم ١٣٦٤۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن عنبسہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری حصہ میں ہوتا ہے، لہٰذا اگر تم بھی اُس وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں میں ہوسکتے ہو تو ضرور ہو جاؤ۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور سند

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اعتبار سے غریب ہے۔

تشریح: ''اقرب ما یکون الرب'' رب کے قرب سے مراد اس کی رضا ہے۔

''من العبد فی جوف اللیل'' یہ اقرب کی خبر ہے۔

حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے سب سے زیادہ قریب رات کے وقت میں ہوتے ہیں کیونکہ یہ تجلی کا وقت ہے جسے نزول سے تعبیر کیا گیا ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ یا تو ''من الرب'' سے حال ہے اس صورت میں معنی ہوگا ''قائلاً فی جوف اللیل'' اور اگر اس کو ''من العبد'' سے حال مانیں تو معنی ہوگا ''قائمًا فی جوف اللیل''۔

یہ ''الأقوب'' کی خبر بھی بن سکتا ہے۔اس کا معنی تفصیل کے ساتھ باب السجدۃ میں گزر چکا ہے۔

اگر آپ یہ سوال اٹھائیں کہ یہاں ''اقرب مایکون الرب من العبد'' کے الفاظ ہیں اور وہاں تو ''اقرب مایکون العبد من ربه'' کے الفاظ ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت آگے بڑھی ہوئی ہے۔اللہ تعالیٰ کی رحمت کا قرب محسنین کے احسان سے آگے ہے۔جب وہ سجدہ کرتے ہیں تو اپنے رب کے قریب ہو جاتے ہیں۔جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''فاسجد واقترب'' (العلق) ''تم سجدہ کرو اور قریب ہو جاؤ''۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور اس کی طرف سے ملنے والی توفیق آدمی کے عمل پر سابق اور عمل کا سبب ہے اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق نہ ہوتی تو بندے سے کبھی خیر کا صدور نہ ہوتا۔

علامہ میرک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس حدیث کی عبارت اور باب السجدۃ کی عبارت ''أقرب مایکون العبد من ربه وهو ساجد'' میں کیا فرق ہے؟ تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ اس حدیث میں یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے سب سے قریب رات کے وقت ہوتے ہیں اور بندے اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتے ہیں۔

''فکن'' یعنی تو بھی ان لوگوں میں سے ہو جا جو ذکر کرتے ہیں تا کہ ان کی برکت سے تجھے بھی اللہ کا قرب مل جائے۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تو بھی ان لوگوں میں سے ہو جا جو اپنے تقدم کی بناء پر ذاکرین میں شمار ہوتے ہیں اور ان کی برکت سے تیرے اوپر بھی رحمت کا فیضان برسے گا۔یہ انداز بیان زیادہ بلیغ ہے۔کیونکہ ''انه لمن الصالحین'' کی بلاغت ''انه صالح'' سے بڑھی ہوئی ہے۔

''هذا حدیث حسن صحیح غریب اسنادًا'' اسنادًا، تمیز ہے غریب کیلئے۔یعنی اس کی سند غریب ہے۔ان دونوں کے درمیان فرق علم الاصول میں معلوم ہوتا ہے اور غرابت وصحت میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاونداور بیوی کا ایک دوسرے کو عبادت کے لئے جگانا

۱۲۳۰: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلّٰى وَاَيْقَظَ اِمْرَاَتَهٗ فَصَلَّتْ فَاِنْ اَبَتْ نَضَحَ فِیْ وَجْهِهَا الْمَاءَ رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَاَيْقَظَتْ زَوْجَهَا فَصَلّٰى فَاِنْ اَبٰى نَضَحَتْ فِیْ وَجْهِهِ الْمَاءَ ۔ (رواہ ابوداود والنسائی)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۲/ ۱٤٦ حدیث رقم ۱٤۵۰۔ والنسائی ۳/ ۲۰۵ حدیث رقم ۱٦۱۰۔ وابن ماجه ۱/ ٤۲٤ حدیث رقم ۱۳۳٦۔ وأحمد فی المسند ۲/ ۲۵۰۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُس آدمی پر اپنی رحمت نازل فرمائے جو رات کو اُٹھ کر نماز پڑھے اور اپنی بیوی کو جگائے تاکہ وہ بھی نماز پڑھے اور اگر اُس کی بیوی نہ جاگے تو اُس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور اللہ تعالیٰ اُس عورت پر بھی اپنی رحمت نازل فرمائے جو رات کو اٹھ کر خود بھی نماز پڑھے اور اپنے خاوند کو بھی جگائے تاکہ وہ بھی نماز پڑھے اور اگر خاوند نہ جاگے تو وہ اُس کے منہ پر پانی کے چھینٹے ڈالے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: ''رحم الله رجلاً قام من الليل فصلى'' یعنی تہجد کی نماز پڑھے اور اگر اس پر کچھ قضاء بھی ہے تو قضاء کو پہلے پڑھنا زیادہ مناسب ہے۔

''وأيقظ امرأته'' اس میں تنبیہ اور موعظت دونوں کا احتمال ہے۔ البتہ بیوی کے معنی میں تمام رشتہ دار بھی داخل ہیں۔

''فان أبت'' یعنی غلبہ نیند یا سستی کی وجہ سے بیوی اٹھنے سے انکار کرے۔

''نضح فی وجهها الماء'' اس سے مراد بیوی کے ساتھ مہربانی اور اسے اللہ کی اطاعت کیلئے تیار کرنے کی پوری کوشش کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''وتعاونوا على البرّ والتقوى'' ''نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو''۔

ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی کو نیکی کے کام پر زبردستی کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔

''فان أبى نضحت فی وجهه الماء'' اس میں بھی حسن معاشرت اور موافقت وملاطفت کے کمال کا بیان ہے۔

دُعا قبول ہونے کا وقت

۱۲۳۱: وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفَ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ وَدُبُرَ الصَّلٰوتِ الْمَكْتُوْبَاتِ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵/ ٤۹۲ حدیث رقم ۳٤۹۹۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا، اے اللہ کے رسول! کس وقت دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کے آخری یعنی تیسرے حصہ میں اور فرض نمازوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بعد۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: ''یا رسول اللّٰہ! أی الدعاء أسمع؟'' یعنی قبولیت کے قریب تر دعا کون سی ہے؟

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت وہی دعا سنی جاتی ہے جس نے قبول ہونا ہو۔

''الآخر'' اس کی ترکیبی کیفیت میں مختلف احتمال ہیں:

ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ صرف ''اللیل'' کی صفت ہے۔

امام میرک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جوف اللیل ظرفیت کی بنا پر منصوب ہے۔ اگر مضاف کو محذوف مانا جائے اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کیا جائے تو اس میں رفع کا احتمال بھی ہے۔ عبارت ہو گی۔ ''الدعاء جوف اللیل الاخر''۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رات کے چھ حصوں میں سے آخری حصہ مراد ہے۔

جنت کے بالا خانے

۱۲۳۲: وَعَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجَنَّةِ غُرَفًا يُرٰی ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَبَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا اَعَدَّهَا اللّٰهُ لِمَنْ اَلَانَ الْكَلَامَ وَاَطْعَمَ الطَّعَامَ وَتَابَعَ الصِّيَامَ وَصَلّٰى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

أخرجه أحمد فی المسند ٥/٣٤٢۔ والبیہقی فی شعب الایمان ٣/٤٠٤ حدیث رقم ٣٨٩٢۔

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں کہ جن کے باہر کی چیزیں اندر سے اور اندر کی چیزیں باہر سے نظر آتی ہیں اور یہ بالا خانے اللہ نے ان لوگوں کیلئے تیار کیے ہیں جو دوسرے لوگوں سے نرمی کے ساتھ گفتگو کریں اور غریبوں کو کھانا کھلائیں اور زیادہ سے زیادہ نفلی روزے رکھیں اور رات کے وقت اُٹھ کر ایسے اوقات میں تہجد کی نماز پڑھیں جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ اس روایت کو امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں بیان کیا ہے۔

تشریح: ''ان فی الجنۃ غرفًا'' جنت میں ایسے بلند کمرے ہیں جو لطافت، پاکیزگی اور عمدگی کی انتہاء کو پہنچے ہوئے ہیں۔

''لمن ألان الکلام'' اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص مخلوق کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلامًا'' (الفرقان۔۶۳)۔

''اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے تو وہ سلامتی کی بات کرتے ہیں''۔

اس میں یہ رحمٰن کے بندے بن جاتے ہیں اور زمین پر نرمی کے ساتھ چلتے ہیں اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

''اولئك یجزون الغرفۃ بما صبروا''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''ان لوگوں کو ان کے صبر کے بدلہ میں (جنت کے) کمرے دیئے جائیں گے''۔

''**واطعم الطعام**'' یعنی خالص اور مکمل سخاوت کے ساتھ لوگوں کو کھانا کھلائے۔

''**تابع الصیام**'' ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ ان روزوں سے مراد نفلی روزے ہیں۔اور معنی یہ ہے کہ پے در پے روزے رکھتا رہے بالکل چھوڑ نہ دے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ متابعت صیام سے مراد یہ ہے کہ ہر مہینے کم از کم تین روزے رکھے۔ان تمام جملوں میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے:

''**والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلك قوامًا**'' (الفرقان۔ ۲۷)

''**وصلی باللیل والناس نیام**'' لوگوں کے نیند اور غفلت میں پڑے ہونے کی وجہ سے یہ عبادت ریاء سے یکسر خالی اور اخلاص سے بھرپور ہوگی، اس جملہ میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

''**والذین یبیتون ربھم سجدًا وقیامًا**'' (الفرقان۔۶۷)

''وہ لوگ جو اپنے رب کیلئے قیام اور سجدے میں رات گزارتے ہیں''۔

(**رواہ البیھقی فی شعب الایمان**) امام میرک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس جیسی روایت نقل کی ہیں۔

۱۲۳۳: وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ عَنْ عَلِیٍّ نَحْوَہٗ وَفِیْ رِوَایَتِہٖ لِمَنْ اَطَابَ الْکَلَامَ .

ترجمہ: نیز ترمذی نے بھی اس طرح کی روایت (سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے) نقل کی ہے مگر اُن کی روایت میں **لمن اطاب الکلام** کا ذکر آیا ہے (لیکن **لمن الان الکلام** کا جو مفہوم ہے وہی **لمن اطاب الکلام** کا ہے)۔

تشریح: ''**لمن اطاب الکلام**'' اس حدیث میں ''**لمن اطاب الکلام**'' کا ذکر ہے جبکہ پہلی حدیث میں ''**لمن الان الکلام**'' کا ذکر ہے۔

الفصل الثالث:

تہجد کی نماز شروع کرنے کے بعد چھوڑنے کی ممانعت

۱۲۳۴: وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا عَبْدَاللّٰہِ لَاتَکُنْ مِثْلَ فُلَانٍ کَانَ یَقُوْمُ مِنَ اللَّیْلِ فَتَرَکَ قِیَامَ اللَّیْلِ ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاری في صحیحه ۳/۳۷۔ حدیث رقم ۱۱۵۲۔ والنسائی ۳/۲۵۳ حدیث رقم ۱۷۶۳۔ وابن ماجه ۱/۴۲۲ حدیث رقم ۱۳۳۱۔ وأحمد في المسند ۲/۱۷۰۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بن العاصؓ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمایا: اے عبداللہ! فلاں آدمی کی طرح نہ ہو جائیں کہ وہ رات کا قیام کرتا تھا پھر اس نے رات کا قیام چھوڑ دیا۔

(بخاری ومسلم)

تشریح: ''قال قال لی'' یعنی یہ بات صرف مجھے ہی کہی میرے ساتھ کوئی اور شریک نہ تھا۔

''یاعبداللّٰہ لاتکن مثل فلان'' یعنی اس خصلت میں اس فلاں کی طرح نہ ہو جا۔

''فترك قیام اللیل'' یعنی اب اس نے بغیر عذر کے سستی کی وجہ سے تہجد کی نماز چھوڑی ہے۔

فلاں کا ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ وہ اس کلام کو سن لے اور غفلت کو ترک کر دے۔ اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسی عبادت کو چھوڑ دینا اور کسی اچھی عادت کو ترک کر دینا ایسے ہے جیسے چلتے چلتے الٹے پاؤں لوٹ آنا۔ لہٰذا سالک اور زاہد کو چاہیے کہ ہمیشہ زیادتی اور اضافے کی کوشش کرتا رہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ جو شخص اضافے میں نہیں وہ نقصان میں ہے۔ جس کے دو دن برابر ہو گئے وہ نقصان اور خسارے میں ہے۔ یاد رہے کہ اس زیادتی سے مراد علم وعمل کی زیادتی ہے مال کی زیادتی مراد نہیں۔

ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

''زیادة المرء فی دنیاه نقصان ☆ وربحه غیر محض الخیر خسران''

''آدمی کا دنیا میں آگے بڑھتے جانا نقصان کی چیز ہے اور نیکی کے بغیر دنیا کا نفع نقصان ہی نقصان ہے''۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت

۱۲۳۵: وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كَانَ لِدَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ اللَّيْلِ سَاعَةٌ يُوْقِظُ فِيْهَا اَهْلَهٗ يَقُوْلُ يَا اٰلَ دَاوٗدَ قُوْمُوْا فَصَلُّوْا فَاِنَّ هٰذِهٖ سَاعَةٌ يَسْتَجِيْبُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِيْهَا الدُّعَاءَ اِلَّا لِسَاحِرٍ اَوْ عَشَّارٍ۔ (رواه احمد)

أخرجه أحمد فی المسند ٤/٢٢۔

ترجمہ: حضرت عثمان بن ابی عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کیلئے رات میں ایک وقت مقرر تھا جس میں وہ اپنے گھر والوں کو بیدار کرتے اور فرماتے اے آل داؤد! اٹھو اور نماز پڑھو کیونکہ یہ ایسی گھڑی ہے جس میں اللہ عز وجل دعا کو قبول کرتا ہے، سوائے جادوگر اور ٹیکس وصول کرنے والے کے (کہ ان کی دعا کو قبول نہیں کرتا)۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: ''ساعة'' کان کا اسم ہے۔

''یستجیب اللّٰہ عزوجل فیها الدعاء'' نماز کو دعا اس لئے ہی کہہ سکتے ہیں کہ نماز ایسی دعا پر مشتمل ہوتی ہے جسے ذکر اور ثناء نے ڈھانپا ہوا ہے۔

''أو عشار'' یعنی وہ شخص جو لوگوں سے زبردستی بھتہ وصول کرے۔ خواہ عشر سے کم ہی لے پھر بھی وہ اس وعید کا مستحق ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک بزرگ فرماتے ہیں عبودیت نام ہے اللہ کے حکم کی تعظیم اور اللہ کی مخلوق پر شفقت کا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ساری مخلوق میں جادوگر اور عشار کو بطورِ خاص اس لئے ذکر کیا گیا کہ اس میں ان کیلئے سخت وعید اور دھمکی ہے۔ گویا کہ یہ لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس کرنے والے ہیں۔

یعنی یہ اگر رات کو قیام بھی کریں اور پیروی بھی کریں تو ان کے گناہ کی نحوست اور ان کی توبہ کی صعوبت کی بنا پر ان کی نماز اور دعا قبول نہ ہوگی۔

یا اس کا معنی یہ ہے کہ انہیں اپنے جرم عظیم کی وجہ سے اس خیر کی توفیق نہ ملے گی۔

پہلے معنی کی صورت میں استثناء متصل اور دوسرے معنی کی صورت میں استثناء منفصل ہوگا۔

"افضل الصلاۃ بعد المفروضۃ صلاۃ فی جوف اللیل" امام میرک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں شافعیہ کے عالم ابواسحاق روزی کی دلیل ہے کہ وہ تہجد کی نماز کو تمام نفلوں سے افضل قرار دیتے ہیں۔

اکثر علماء فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد والے نوافل افضل ہیں۔ لیکن ابواسحاق روزی کا قول اس حدیث کی نص کی بناء پر قوی ہے۔

البتہ اس حدیث کی یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ اس میں مطلقاً افضل نمازوں کا ذکر ہے۔ یعنی افضل الصلاۃ کا معنی ہوگا "من افضل الصلاۃ"۔

علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ نفس پر زیادہ مشقت کے اعتبار سے اور ریا سے دور ہونے کی وجہ سے تہجد کی نماز افضل ہے اور فرض نمازوں کے بعد پڑھے جانے والے نوافل فرائض کی مشابہت کی بنا پر افضل ہیں۔ اس طرح دونوں میں کوئی منافات نہ رہے گا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ رات کی نماز وتر (جو کہ واجب ہے) پر مشتمل ہونے کی وجہ سے افضل ہے۔

فرض نماز کے بعد صلوٰۃ اللیل کا درجہ ہے

۱۲۳۶: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْمَفْرُوْضَةِ صَلَاةٌ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ۔ (رواہ احمد)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۸۲۱/۲ حدیث رقم (۲۰۲/۱۱۶۳)۔ وأبو داود فی السنن ۸۱۱/۲ حدیث رقم ۲۴۲۹۔ وأحمد فی المسند ۵۳۵/۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز وہ ہے جو رات میں پڑھی جائے۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

تہجد کی نماز برائی سے روکتی ہے

۱۲۳۷: وَعَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ فُلَانًا یُصَلِّیْ بِاللَّیْلِ فَاِذَا اَصْبَحَ سَرَقَ فَقَالَ اِنَّهٗ سَیَنْهَاهُ مَاتَقُوْلُ۔ (رواہ احمد والبیھقی فی شعب الایمان)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أخرجه أحمد في المسند ٢/ ٤٤٧ والبيهقي في شعب الايمان ٣/ ١٧٤ حديث ٣٢٦١۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اُس نے عرض کیا کہ فلاں آدمی رات کو تہجد کی نماز پڑھتا ہے مگر صبح کو اٹھ کر چوری کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عنقریب اس کی نماز اس کو اس برائی سے روک دے گی جو تو کہتا ہے۔ اس حدیث کو امام احمدؒ اور امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

تشریح: ''سرق'' یعنی دن کو چوری کرتا ہے اور رات کو نماز پڑھتا ہے۔ اس چوری کی دو صورتیں ہو سکتی ہے یا تو کسی کی چیز میں چرائے یا ناپ تول میں کمی کرے۔

''سینھاہ'' اگر اسے تاء کے ساتھ پڑھیں تو اس صورت میں اس کی ضمیر الصلاۃ کی طرف لوٹے گی، معنی یہ ہوگا کہ اس کی نماز اسے اس گناہ سے روک دے گی۔

اگر یاء کے ساتھ سینھاہ پڑھیں تو فاعل 'ما'' ہوگا جو کہ آگے ما تقول میں آ رہا ہے اس کی تذکیر لفظ کے اعتبار سے ہوگی۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ستنھاہ کا سین تاکید کیلئے ہے۔ اس کے عدم کی طرف نسبت کرتے ہوئے جیسے 'لن'' نفی میں تاکید کیلئے ہوتا ہے لا کی طرف نسبت کرتے ہوئے۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سین اپنی اصل پر یعنی مستقبل قریب کے معنی میں ہے یعنی یہ نماز عنقریب اسے چوری سے روک دے گی۔ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے قول کی طرف اشارہ ہے:

''ان الصلاۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر'' (العنکبوت۔۴۵) ''بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے''۔

سب گھر والے تہجد پڑھیں

۱۲۳۸: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَیْقَظَ الرَّجُلُ اَهْلَهٗ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلَّیَا اَوْصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ جَمِیْعًا کُتِبَ فِی الذّٰاکِرِیْنَ وَالذّٰاکِرَاتِ۔

(رواہ ابوداود وابن ماجة)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٢/ ٧٣ حديث رقم ١٣٠٩۔ وابن ماجه في السنن ١/ ٤٢٣ حديث رقم ١٣٣٥۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دونوں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی آدمی رات کے وقت اپنی بیوی کو جگائے اور وہ دونوں نماز پڑھیں یا یہ فرمایا دونوں میں سے ہر ایک دو رکعتیں اکھٹی پڑھیں تو ان کو ذکر کرنے والے مردوں اور ذکر کرنے والی عورتوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: ''اذا أیقظ الرجل اھلہ'' اھل سے مراد بیویاں، اولاد، رشتہ دار، غلام اور باندیاں ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"فصليا أو صلى ركعتين جميعًا" "جميعا" "فصليا" یا "صلی" کی ضمیر کیلئے تاکید ہے۔ جبکہ علامہ طیبی رحمہ اللہ نے اسے فصليا کی تثنیہ ضمیر سے حال موکدہ بنایا ہے۔

"كتبا فى الذاكرين والذاكرات" اس حدیث میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے:

"والذاكرين كثيرًا والذاكرات أعدّلهم مغفرة وأجرًا عظيمًا" (الاحزاب۔ ۳۵)

"اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والی عورتیں، اللہ نے ان کیلئے مغفرت اور اجر عظیم رکھا ہے"۔

رواه ابو داؤد وابن ماجه : علامہ میرک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو نسائی، ابن حبان اور حاکم نے بھی نقل کیا ہے ان کے الفاظ ملتے جلتے ہیں۔

بلند مرتبہ لوگ

۱۲۳۹: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْرَافُ اُمَّتِىْ حَمَلَةُ الْقُرْاٰنِ وَاَصْحَابُ اللَّيْلِ ۔ (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

أخرجه البيهقي في شعب الايمان ٢/٥٥٦ حديث رقم ٢٧٠٣۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے بلند مرتبہ لوگ قرآن کریم کے اٹھانے والے اور رات کے وقت اٹھنے والے ہیں۔ اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے روایت کیا شعب الایمان میں۔

تشریح: "حملة القرآن" حاملین قرآن سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس کے معانی کو یاد کریں' اس کے معانی کو سمجھیں' اس کے اوامر ونواہی پر عمل کریں۔ جس کے پاس قرآن کا جتنا زیادہ علم ہوگا اس کا رتبہ اتنا ہی بڑھتا جائے گا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"جس نے قرآن مجید کو حفظ کیا اس نے علوم نبوت کو اپنے سینہ میں لے لیا البتہ اس کی طرف وحی جلی نہیں کی جاتی لیکن وحی خفی کی جاتی ہے"

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حاملین قرآن سے مراد ہے کہ وہ شخص قرآن مجید کو حفظ کرے اور اس کے مقتضا پر عمل کرے۔ اگر وہ قرآن مجید پر عمل نہیں کرتا تو اس کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"كمثل الحمار يحمل أسفارا" (الجمعۃ۔ ۵) "(ان کی مثال) اس گدھے کی سی ہے جس نے کتابیں اٹھا رکھی ہیں"۔

"وأصحاب الليل" اصحاب لیل سے مراد ریاسے پاک وقت میں خالص اللہ کی عبادت کرنے والے لوگ ہیں جن کی عبادت مشقت اور تکلیف سے بھری ہوئی ہے۔

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اس امت کے برگزیدہ اور اشراف وہ ہیں جو علم نافع اور عمل صالح کے جامع ہوں۔ یا اس کا یہ معنی ہے کہ ان میں سے ہر ایک باقی امت سے ممتاز ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ طیبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اصحاب کی اضافت لیل کی طرف کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ رات کو کثرت سے نماز پڑھنے والے ہیں۔ جیسے ابن السبیل اس شخص کو کہا جاتا ہے جو بہت زیادہ سفر کرنے والا ہو اور ابن الوقت اسے کہتے ہیں جو وقت کی بہت زیادہ پابندی اور اہتمام کرنے والا ہو۔

علامہ میرک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن ابی الدنیا نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صلوٰۃ اللیل

۱۲۴۰: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ اَبَاهُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ مَاشَاءَ اللّٰهُ حَتّٰى اِذَا كَانَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ اَيْقَظَ اَهْلَهٗ لِلصَّلَاةِ يَقُوْلُ لَهُمُ الصَّلَاةُ ثُمَّ يَتْلُوْ هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْاَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۔ (رواہ مالك)

أخرجه مالك في الموطأ ١/١١٩ حديث رقم ٥ من كتاب صلاة الليل۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ ان کے والد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ رات کے وقت جتنا اللہ چاہتا نماز پڑھتے تھے، اور جب رات کا آخر ہوتا تو اپنی بیوی کو بھی نماز کے لئے بیدار کرتے اور کہتے اٹھو اور نماز پڑھو اس کے بعد قرآن کریم کی آیت پڑھتے کہ اپنی اہل کو نماز کا حکم دو، اور خود بھی اس کی مشقتوں پر صبر کرو، ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے آپ کو بھی رزق ہم دیتے ہیں اور اچھا انجام پرہیزگار لوگوں کیلئے ہے۔ اس حدیث کو امام مالک رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: ''عن ابن عمر ان اباہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ'' ایک ضعیف نسخہ میں عنہما ہے لیکن اس سے وہم پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے مراد حضرت عمر اور ان کے بیٹے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے والد نہیں۔

''کان یصلی من اللیل ماشاء اللہ'' یعنی جتنے وقت اور جتنی رکعات اللہ تعالیٰ چاہتے نماز پڑھتے تھے۔

''ایقظ اھلہ للصلاۃ'' تاکہ گھر والے بھی اس چیز کو حاصل کرسکیں۔

''یقول لھم الصلاۃ'' الصلاۃ کی ترکیبی کیفیت میں دو احتمال ہیں:

① منصوب۔ اس صورت میں أقیموا یا صلوا فعل محذوف ہوگا۔

② مرفوع۔ اس صورت میں حضرت کا لفظ محذوف ہوگا۔

''ثم یتلو ھذہ الایۃ (وامر اھلك بالصلاۃ)'' یہ آیت اپنے عموم کی وجہ سے تہجد کو بھی شامل ہے۔ اپنے گھر والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ اپنے فقر کو ادا کرنے کیلئے اللہ سے مدد طلب کرو۔ رزق کے حصول کا زیادہ اہتمام نہ کرو۔ بلکہ اپنے دل کو آخرت کیلئے فارغ کرلو۔ کیونکہ روزی کا انتظام ہمارے ذمہ ہے۔

''والعاقبۃ للتقوٰی'' یعنی دنیا اور آخرت کا اچھا انجام ان متقین کیلئے جو علم عمل اور اخلاص والے ہیں اور مقام اختصاص تک پہنچنے والے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض بزرگوں کے بارے میں منقول ہے کہ جب انہیں کوئی تنگی پیش آتی تو فوراً نماز پڑھنے کا حکم دیتے اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اسی عمل کا حکم دیا ہے۔ پھر اسی آیت کریمہ کی تلاوت فرماتے ہیں۔

بَابُ الْقَصْدِ فِي الْعَمَلِ

اعمال میں میانہ روی اختیار کرنے کا بیان

اس باب میں ایسی احادیث ذکر کی جائیں گی جن میں یہ مذکور ہوگا کہ جس طرح دنیاوی امور میں حد سے آگے بڑھنا غیر نفع بخش ہے اسی طرح دینی امور میں بھی حدِ اعتدال سے آگے بڑھنا غیر مفید اور تھکا دینے والا ہے بلکہ دینی کاموں میں بھی میانہ روی اختیار کرنا ضروری ہے تاکہ افراط وتفریط سے محفوظ رہے اور اعمال پر مداومت ہو جو کہ اصل مطلوب ہے اور اس لئے بھی اعتدال ضروری ہے کہ دین متین کا مزاج ہی میانہ روی ہے۔

الفصل الاول:

حضور ﷺ کے اعمال میں بھی اعتدال تھا

۱۲۴۱: عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى نَظُنَّ اَنْ لَّا يَصُوْمَ مِنْهُ وَيَصُوْمُ حَتّٰى نَظُنَّ اَنْ لَّا يُفْطِرَ مِنْهُ شَيْئًا وَّكَانَ لَا تَشَاءُ اَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا اِلَّا رَاَيْتَهٗ وَلَا نَائِمًا اِلَّا رَاَيْتَهٗ ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢٢/٣۔ حديث رقم ١١٤١۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ مہینہ کے اکثر ایام میں نفلی روزہ نہ رکھتے، یہاں تک کہ ہم گمان کرتے کہ حضور ﷺ اس مہینہ میں نفلی روزے نہیں رکھیں گے اور آپ ﷺ اسی مہینہ یا کسی دوسرے مہینہ میں نفلی روزے رکھتے یہاں تک کہ ہم گمان کرتے کہ آپ ﷺ اس مہینہ کا کوئی دن بھی بغیر روزے کے نہیں رہیں گے۔ اور اگر آپ ﷺ کو رات میں (نفل) نماز پڑھتے ہوئے تم دیکھنا چاہتے تو نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھ لیتے اور اگر تم حضور ﷺ کو رات کو سوتے ہوئے دیکھنا چاہتے تو بھی دیکھ لیتے۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: "حتی نظن ان لا یصوم" **لا یصوم** کی ترکیبی کیفیت میں دو احتمال ہیں:

① منصوب، اس صورت میں اَن ناصبہ ہوگا۔ ② مرفوع، اَن مخففہ من المثقلہ ہوگا۔

"ان لا یفطر" اس کی ترکیب میں بھی مذکورہ دونوں احتمال ہیں۔

"وکان لا تشاء" علامہ مظہرؒ فرماتے ہیں کہ لفظ "لا" "لیس" یا "لم" کے معنی میں ہے۔ ای لست تشاء یا لم تکن تشاء"۔

حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ روزوں میں بھی اعتدال سے کام لیتے اور رات کی نماز کے بارے میں بھی،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر کوئی شخص آپ کو سوتے ہوئے دیکھنا چاہتا تو دیکھ سکتا تھا اور اگر نماز پڑھتے ہوئے چاہتا تو دیکھ سکتا تھا۔ یعنی آپ ﷺ اس معاملہ میں بھی اعتدال اور میانہ روی سے کام لیتے تھے۔ سونے کے وقت میں آرام فرماتے تھے یعنی رات کے اول حصہ میں اور تہجد کے وقت میں تہجد پڑھتے تھے یعنی رات کے آخری حصہ میں۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا کہ میں پوری رات نماز پڑھوں گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھوں گا کبھی افطار نہ کروں گا۔ جب حضور ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ ہم میں سے نہیں۔

"رواه البخاری" امام ترمذی نے بھی شمائل میں اس حدیث کو مختلف الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل

۱۲۴۲: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۱۱/۲۹٤۔ حديث رقم ٦٤٦٢۔ ومسلم فی صحيحه ۱/٥٤۱ حديث رقم (۲۱۸۔ ۷۸۳)۔ والترمذی فی السنن ٥/۱۳۱ حديث رقم ۲۸٥٦۔ والنسائی ۳/۲۲۲ حديث رقم ۱٦٥٥۔ ومالك فی الموطأ ۱/۱۷٤ حديث رقم ۹۰ من كتاب قصر الصلاة۔ وأحمد فی المسند ٦/٤۰۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (بندوں کے نیک اعمال میں) اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جو کہ ہمیشہ کیا جائے اگر چہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: "أحب الأعمال الى الله أدومها" اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب عمل وہ ہے جس پر ہمیشگی اختیار کی جائے۔ کیونکہ نفس اس کا عادی اور مانوس ہو جاتا ہے۔ اور اس میں مکمل یکسوئی اور توجہ حاصل ہوتی ہے۔

علامہ مظہرؒ اس حدیث کی روشنی میں کہتے ہیں کہ صوفیاء کے نزدیک اولاد کو چھوڑنا اسی طرح ہے جیسے فرائض کو چھوڑنا۔ کسی اطاعت کے کام کو بلا وجہ چھوڑنے والا اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اعراض کرنے والا ہے لہٰذا اسے ملامت کا مستحق ہونا چاہیے۔

"وان قلّ" یعنی مداومت والا عمل اگر چہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عمل قلیل مداومت اور ہمیشگی کی وجہ سے اس عمل کثیر سے آگے بڑھ جاتا ہے جس میں مداومت اور استقامت نہ ہو۔

"متفق عليه" علامہ ابہری فرماتے ہیں کہ مصنف نے شاید اس حدیث کو اس بنا پر متفق علیہ قرار دیا ہے کہ بخاری میں ہے کہ حضرت مسروق نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا تھا کہ نبی کریم ﷺ کو سب سے محبوب عمل کون سا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا جس پر ہمیشگی اختیار کی جائے۔ پس بخاری کی روایت معنوی طور پر مسلم کی روایت جیسی ہوگی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبادت ہمیشہ اپنی طاقت کے مطابق کرنی چاہیے

۱۲۴۳: وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِيقُوْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَايَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢١٣/٤۔ حديث رقم ١٩٧٠۔ ومسلم في صحيحه ٥٤٠/١ حديث رقم (٢١٥۔ ٧٨٢)۔ والنسائي ٢١٨/٣ حديث رقم ١٦٤٢۔ وابن ماجه ١٤١٦/٢ حديث رقم ٤٢٣٨۔ و مالك في الموطأ ١١٨/١ حديث رقم ٤ من كتاب صلاة الليل۔ وأحمد في المسند ٦١/٦۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اعمال میں سے اتنی ہی مقدار عمل کرنا اختیار کرو جتنی مقدار (ہمیشہ) کرنے کی طاقت رکھتے ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ (ثواب دینے سے) نہیں اکتاتا، یہاں تک کہ تم خود اُکتا جاؤ (یعنی تنگ ہو کر عبادت چھوڑ دو)۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: ''خذوا من الأعمال'' یعنی اقوال و افعال اور اذکار مراد ہیں جس عمل کی جتنی طاقت ہو اسی کے بقدر عمل کرنا چاہیے۔

''ما تطیقون'' ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اپنی جانوں پر بہت سے اوراد و وظائف بوجھ نہ ڈالو کہیں تنگ آ کر انہیں چھوڑ نہ دو۔

بعض علماء نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے اس وقت تک اپنا فضل نہیں ہٹاتا جب تک تم اس سے سوال کرنا نہ چھوڑ دو۔ اس عبارت کو ازدواج کے لئے ذکر کیا گیا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ''نسو الله فنسیهم'' ورنہ ملول کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا درست نہیں کیونکہ ملال ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جو کسی چیز کے کثرت عمل کی وجہ سے فتویٰ کی صورت میں بدن کو لاحق ہوتی ہے اس سے اس فعل کے بارے میں اعراض اور کھچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے اور اس کا تصور اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کے بارے میں کرنا ناممکن ہے۔

جب تک دِلجمعی ہو تب تک عبادت کرنی چاہیے

۱۲۴۴: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِيُصَلِّ اَحَدُكُمْ نَشَاطَهٗ وَاِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ٣٦/٣۔ حديث رقم ١١٥٠۔ ومسلم في صحيحه ٥٤١/١ حديث رقم ٧٨٤/٢١٩۔ وأبو داوٗد في السنن ٧٥/٢ حديث رقم ١٣١٢۔ والنسائي ٢١٨/٣ حديث رقم ١٦٤٣۔ وابن ماجه ٤٣٦/١ حديث رقم ١٣٧١۔ وأحمد في المسند ١٠١/٣۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاہیے کہ تم میں سے کوئی اسی وقت تک نماز پڑھے جب تک نشاط و چستی رہے اور جب طبیعت بوجھل ہو جائے تو بیٹھ جائے (یعنی نفل نماز چھوڑ دے)۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ''لیصل احدکم نشاطه'' یعنی نشاط و انبساط کے وقت نشاط والی نماز پڑھو۔

''واذا فتر'' یعنی جب وہ کمزوری محسوس کرے طبیعت اچاٹ ہونے لگے اور اس کا نشاط ختم ہونے لگے یا تھک جائے تو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیٹھ جائے۔

"فلیقعد" یعنی قیام نہ کرے بلکہ بیٹھ جائے۔ لیترك (چھوڑ دے) کے بجائے فلیقعد (بیٹھ جائے) کا لفظ استعمال کرنے میں ایک مخفی نکتہ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے اس کا معنی یہ ہو کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے جب تھک جائے تو بیٹھ کر نماز شروع کر دے۔

حاصل یہ ہے کہ آخرت کے رستے پر چلنے والے کیلئے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت نماز وعبادات کی کوشش کرتا رہے۔ جہاں تک اس کی ہمت اجازت دے اطاعت میں اعتدال کے ساتھ چلتا رہے اور سلوک طریقت میں بیزاری اور تھکاوٹ والے اعمال سے اجتناب کرے۔ کیونکہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں ہے کہ آپ سستی اور بیزاری کے ساتھ اس سے مناجات کریں۔ جب تھکاوٹ ہو جائے تو قیام کو چھوڑ کر کسی مباح کلام میں مصروف ہو جائے یا عبادت میں نشاط کیلئے تھوڑا سا آرام کرے۔ اس کا یہ آرام بھی عبادت شمار ہوگا۔ اس وجہ سے کہا جاتا ہے:

"نوم العالم عبادة"۔ "عالم کی نیند بھی عبادت ہے"۔

حضور ﷺ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمانا "کلمینی یا حمیراء" "اے حمیراء! مجھ سے باتیں کرو، اسی قبیل سے ہے۔

علامہ میرک فرماتے ہیں کہ ابوداؤد اور نسائی نے بھی اسے نقل کیا ہے۔

سخت نیند کی حالت میں نماز نہ پڑھنی چاہیے

۱۲۴۵: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَعَسَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّي فَلْيَرْقُدْ حَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا صَلّٰى وَهُوَ نَاعِسٌ لَا يَدْرِىْ لَعَلَّهٗ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبَّ نَفْسَهٗ۔ (متفق عليه)

أخرجه مسلم في صحيحه ۵٤۲/۱ حديث رقم ۲۲۲/۷۸٦۔ وأبوداؤد في السنن ۷٤/۲ حديث رقم ۷٤/۲ حديث رقم ۱۳۱۰۔ والترمذي ۸٦/۲ حديث رقم ۳۵۵۔ وابن ماجه ٤۳٦/۱ حديث رقم ۱۳۷۰۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی دوران نماز اونگھنے لگے تو اسے چاہئے کہ وہ سو جائے یہاں تک کہ نیند چلی جائے، اس لئے کہ جب تم میں سے کوئی ایک اُونگھتا ہوا نماز پڑھتا ہے تو وہ نہیں جانتا کہ وہ استغفار کر رہا ہے یا کہ اپنے نفس کو گالی دے رہا ہے (یعنی اپنے لئے بددعا کر رہا ہے)۔

تشریح: "وهو يصلي" یہ جملہ حالیہ ہے۔

"فليرقد" یہ امر استحباب کیلئے ہے، اس حالت میں نماز پڑھنے سے ثواب تو ملے گا لیکن نماز مکروہ ہوگی۔

"لا يدرى" لا يدرى کا مفعول محذوف ہے۔ اصل عبارت یہ ہے:

"لا يدرى ماذا يصدر عنه وما يقول من غلبة النوم"

"نیند کے غلبہ کی بنا پر اس کو علم نہیں ہوگا کہ وہ کیا کر رہا ہے اور کیا کہہ رہا ہے"۔

"فيسب" علامہ عسقلانی کے نزدیک اس کو منصوب ومرفوع دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیسب نفسہ کی تفسیر میں ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ استغفار کی جگہ اپنے آپ کو بددعا کرنے کی یہ صورت ہوگی کہ ''اللھم اغفر (اے اللہ! معاف فرما) کے بجائے ''اللھم اعفر'' (اے اللہ، مٹی کر دے) کہنے لگے گا۔ پس رفع نہ تو اصول میں سے ہے اور نہ ہی روایت ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فلیسب کی فاء سببیت کیلئے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل قول میں لام سببیت کیلئے ہے۔

''فالتقطه' آل فرعون ليكون'' (القصص۔۸)

مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فیسب میں رفع بھی جائز ہے اس صورت میں فعل کا فعل پر عطف ہوگا اور نصب بھی جائز ہے۔ اس صورت میں مذہب فیسب اول کا جواب ہوگا کیونکہ ھل کا جواب منصوب کے تقاضا میں لیس کی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

''لعله يزكى او يذكر فتنفعه الذكرى'' (العبس۔ ۳۔۴)

امام عاصم نے اسے منصوب اور باقی حضرات نے مرفوع پڑھا ہے۔

بہر حال نصب ہی بہتر اور اولیٰ معلوم ہوتا ہے اور اس لئے بھی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے گا تا کہ پاکیزہ ہو پس وہ ایسی بات کرے گا جو اسے گناہ میں مبتلا کر دے گی۔ اور اس کا گناہ اور معصیت اور بڑھ جائے گی۔ حقیقت میں گویا کہ وہ اپنے آپ کو گالی دینے لگے گا۔

عبادت میں اپنے اوپر سختی کرنا

۱۲۴۶: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ وَلَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهٗ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاَبْشِرُوْا وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَیْءٍ مِّنَ الدُّلْجَةِ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۲/ ۵۸۷۰۔ حديث رقم ۱۱۱۷۔ والترمذی فی السنن ۲/ ۲۰۸ حديث رقم ۳۷۲۔ وابن ماجه ۱/ ۳۷۶ حديث رقم ۱۲۲۳ وأحمد فی المسند ۴/ ۴۲۶۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک دین آسان ہے اور ہرگز نہیں سختی کرتا دین میں کوئی شخص مگر دین اس پر غالب آ جاتا ہے (یعنی زائد کام جو شروع کیا ہے اس کو ادا نہیں کر سکتا) لہٰذا دینی امور میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی بساط کے مطابق عمل کرو اور خوش رہو (اللہ تعالیٰ کے اکرام اور انعامات کے ساتھ) اور اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرو صبح اور شام اور رات کے آخری حصہ میں۔ (بخاری)

تشریح: ''ان الدین یسرٌ'' دین سے مراد بندوں کیلئے اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ احکامات ہیں۔ یہ دین آسانی پر مبنی ہے۔

ارباب لغت کا کہنا ہے کہ یسرٌ مصدر ہے اور مبالغہ کیلئے مفعول کے قائم مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''يريد الله بكم اليسر ولا يريدبكم العسر'' (البقرہ۔۱۸۵)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے مشکل کا ارادہ نہیں کرتا''۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''وما جعل علیکم فی الدین من حرج'' (الحج۔۷۸) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین میں کوئی سختی نہیں رکھی''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ رخصت دیں جیسا کہ عزیمتوں کو پسند فرماتے ہیں''۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ تم بوڑھوں کے دین پر عمل کرو، علامہ سخاوی کے مطابق اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

''ولن یشاد الدین احدٌ'' یعنی دین کے مقابلہ میں ہرگز کوئی سختی کے ساتھ نہیں آ سکتا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اپنے نفس پر سختی کرے اور دین کے معاملہ میں تعمق سے کام لے اور غیر واجب چیزوں سے خود کو الجھائے اور پہنائے رکھے تو عین ممکن ہے کہ اس تکلیف کو برداشت نہ کر سکے اور واجب چیزوں پر بھی عمل پیرا نہ ہو سکے گا۔

''یشاد، المشادۃ سے مشتق ہے اس کا معنی ہے ''التشدّد علی وجہ المبالغۃ''۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر کو مضمر کی جگہ رکھنا اس کی تعظیم میں مبالغہ کیلئے ہوتا ہے۔ وہ اس حدیث کا یہ معنی بیان کرتے ہیں۔

''جب بھی کوئی شخص آسان دین کو مشکل بنانے کی کوشش کرے گا تو یہ دین اپنی آسانی کے ساتھ اس پر غالب آ کر رہے گا۔ اس میں رہبانیت اور ترک دنیا کی بھی ممانعت ہے جس کا مقصد اولین خواہشات نفس کو کچلنا ہے کیونکہ یہ چیزیں انسان کو فتور اور عجز تک پہنچا کے چھوڑتی ہیں۔ اس بناء پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو سختی سے منع فرمایا جنھوں نے اپنے نفسوں پر سختی کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب عمر رسیدہ ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصیت کردہ اعمال کے ادائیگی میں مشقت پیش آنے لگی تو انہوں نے کہا کہ کاش میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت کو قبول کر لیتا''۔

''فسدّدوا'' یعنی اعتدال اور میانہ روی کے رستہ کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور منہج قدیم وصراط مستقیم پر کاربند رہو۔

''وقاربوا'' یعنی آسانی کے ساتھ امر کے قریب رہو اور صعوبت اور پریشانی کی وجہ سے اس سے دور مت ہو جاؤ۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فاء شرط محذوف کا جواب ہے۔ اصل عبارت یہ ہوگی:

''اذا بینت لکم ما فی المشادۃ فی الوھن فسدّدوا''۔

یعنی تمہارے لئے دین میں سختی اور تشدد رکھی راہ بیان کردی گئی۔ تو تمہیں چاہیے کہ صراط مستقیم اور راہِ اعتدال کو تلاش کرو جس میں کوئی ٹیڑھا پن نہ ہو۔ قاربوا تاکید ہے تشدید کیلئے ہے معنی کے اعتبار سے۔

''وأبشروا'' اور بشارت حاصل کرو جنت کی۔ سلامتی کی اور ہر نعمت واعزاز کی کیونکہ اللہ تعالیٰ تھوڑے عمل پر بھی بہت سا اجر عطا فرماتے ہیں۔

''واستعینوا'' اور اوقات کے دوران عبادات میں اللہ کی مدد طلب کرو۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ طاعت کے ذریعہ جنت کے حصول پر ان تینوں اوقات میں عبادت کے ذریعہ مدد حاصل کرو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استراحت اس لئے ضروری ہے کہ کہیں تھکاوٹ، سستی اور بیزاری کا شکار نہ ہو جاؤ۔

ایک معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ اپنی ضروریات کی تکمیل اور مقاصد کی برآوری میں دن کے دونوں حصوں اور رات کے ایک ٹکڑے میں اللہ کی مدد حاصل کرو۔

علامہ میرکؒ فرماتے ہیں کہ امام نسائی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک حدیث مرسل میں آیا ہے:

''یہ دین آسان ہے اسے نرمی سے حاصل کرو اور اللہ کی عبادت کو اپنے نزدیک قابل نفرت نہ بناؤ کیونکہ جو آدمی سواری کو طاقت سے زیادہ دوڑاتا ہے وہ نہ کوئی زمین چھوڑتا ہے اور نہ سواری۔ یعنی سواری ہلاک ہو جاتی ہے اور منزل ادھوری رہ جاتی ہے۔

رات کے وظائف کی قضا دن میں

۱۲۴۷: وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهٖ اَوْعَنْ شَيْءٍ مِنْهُ فَقَرَاَهُ فِيْمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهٗ كَاَنَّمَا قَرَاَهُ مِنَ اللَّيْلِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه البخاري في صحيحه ۵۸۶/۲۔ حديث رقم ۱۱۱۶۔ والترمذي في السنن ۲۰۷/۲ حديث رقم ۳۷۱۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنا رات کا پورا وظیفہ پڑھے بغیر یا اس کے کچھ حصہ کو پڑھے بغیر سو گیا اور پھر وہ اس کو نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان پڑھ لیتا ہے تو اس کے لئے (ثواب میں) یہی لکھا جائے گا کہ گویا اس نے اس کو رات میں ہی پڑھا ہے۔ (مسلمؒ)

تشریح: ''من نام عن حزبه'' جو شخص اپنا وظیفہ پورا کئے بغیر سو گیا۔ نماز کا بھی یہی حکم ہے۔ یعنی آدمی کسی بھی قسم کا وظیفہ، ورد یا عمل کیا کرتا تھا اگر رات کو نہ کر سکا اور فجر اور ظہر کے درمیان اس کو پورا کرے تو اسے پورا پورا اجر دے دیا جاتا ہے۔

''كانما قرأه'' یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ اصل عبارت یہ نکلے گی:

''أثبت أجره في صحيفة عمله اثباتاً مثل اثباته حين قرأة''

بعض علماء فرماتے ہیں کہ ظہر سے پہلے کے وقت کا ذکر اس بنا پر ہے کہ یہ وقت پوری رات کے برابر ہے اسی وجہ سے زوال سے پہلے نیت کر لینے سے روزہ درست ہو جاتا ہے۔

البتہ اس بات سے اتفاق نہیں ہو سکتا کیونکہ زوال سے پہلے نیت کا درست ہونا اس وجہ سے نہیں کہ یہ وقت رات کے برابر ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ دن کا اکثر حصہ روزہ کی حالت میں گزر جائے۔ قبل از زوال سے مراد ضحوۂ کبریٰ ہے۔

میرے خیال میں زیادہ بہتر توجیہ یہ ہے کہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے:

''وهو الذي جعل الليل والنهار خلفة لمن أراد أن يذكر أو اراد شكوراً''

''اللہ وہ ذات ہے جس نے دن اور رات ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے جانے والے بنائے اس شخص کیلئے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے یا شکر کرنا چاہے''۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاضی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دن اور رات میں سے ہر ایک دوسرے کے قائم مقام ہیں پس اگر ان میں سے کسی ایک وقت کے اوراد رہ جائیں تو وہ دوسرے وقت میں پورے کئے جاسکتے ہیں۔

یہ معنی بہت سے حضرات سے منقول ہے جیسے ابن عباس، قتادہ، حسن بصری اور سلمان رضی اللہ عنہم۔ جیسا کہ امام سیوطیؒ نے ذکر کیا ہے۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو رات کو کسی عمل سے رہ جائے تو دن کے ابتدائی حصہ میں اسے پورا کرلے اور اگر دن کا کوئی عمل رہ جائے تو رات کے ابتدائی حصہ میں اسے پورا کرلے۔

زوال سے پہلے کی تخصیص میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فوت شدہ اعمال کی قضاء موت سے پہلے جلدی کرنے کی کوشش کرے کیونکہ تاخیر میں بہت سی آفات ہیں خاص طور سے طاعات اور عبادات کے حق میں۔

اس تخصیص کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کسی شے کے قریب والی چیز کو اس شے کا حکم دیا جاتا ہے۔

اس لئے بھی کہ وقتِ فضا کو قضاء میں صرف کرنا چاہیئے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ان تمام باتوں کو اس کی حکمت قرار دیا جائے کیونکہ جس ذات نے یہ بات فرمائی ہے اسے کلمات کی جامعیت عطا کی گئی تھی۔

نماز ہر حالت میں پڑھی جائے

۱۲۴۸: وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/ ۵۸۷۰۔حدیث رقم ۱۱۱۷۔والترمذی فی السنن ۲/ ۲۰۸حدیث رقم ۳۷۲۔وابن ماجه ۱/ ۳۷۶حدیث رقم ۱۲۲۳وأحمد فی المسند ٤/ ٤٢٦۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نماز کھڑے ہوکر پڑھو، اگر کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوتو بیٹھ کر پڑھو اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوتو کروٹ کے بل لیٹ کر نماز پڑھو۔ (بخاریؒ)

تشریح: "وعن عمران بن حصین" لفظ حصین تصغیر کے ساتھ ہے۔

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آیا ہے کہ اگر کوئی شخص کھڑے ہوکر نماز نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے اور اگر بیٹھ کر بھی نماز نہ پڑھ سکے تو پہلو کے بل لیٹ کر پڑھو۔ کیونکہ اصول یہ ہے:

"ما لا یدرك كله لا یترك كله"۔ "جو چیز پوری حاصل نہیں کی جاسکتی پوری چھوڑی بھی نہیں جاسکتی"۔

البتہ اگر اس میں حرکت کرنے کی سکت بھی نہ ہو اور اسکو حرکت دینے والا کوئی مددگار بھی نہ ہو تو اب نماز نہ پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ:

"الضرورات تبیح المحظورات"۔ "مجبوریاں، ممنوع چیزوں کو مباح کردیتی ہیں"۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ امام مسلم کے علاوہ باقی حضرات نے اس حدیث کو مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔
امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ''اگر بیٹھنے کی طاقت نہ ہو تو چت لیٹ کر نماز پڑھ لے اور اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتے''۔

احناف کے نزدیک استلقاء (چت لیٹنا) اضطباع (پہلو کے بل لیٹنا) سے زیادہ افضل ہے۔ استلقاء کا معنی ہے کہ کندھوں کے نیچے تکیہ رکھے بغیر ٹانگیں سیدھی رکھے تاکہ ارشادہ کرنا اس کیلئے ممکن ہو وگرنہ حقیقی استلقاء کی صورت میں تو صحیح بھی اشارہ نہیں کر سکتا مریض کیسے کرے گا۔

استلقاء کے افضل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس صورت میں نمازی کا اشارہ جہتِ قبلہ کی طرف ہوتا ہے اور اسے یہ فرض بھی ادا ہو جائے گا جبکہ دوسری صورت میں ایسا نہیں۔

ہماری تائید دار قطنی کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ مریض کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا اگر اس کی طاقت نہ ہو تو پاؤں قبلہ کی طرف چت لیٹے نماز پڑھے گا۔

جب فرض میں قدرت اور طاقت شرط ہے اور ضرر و نقصان سے ساقط ہو رہی ہے تو نفل میں بطریق اولیٰ ایسا ہوگا۔

بغیر عذر کے نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا

۱۲۴۹: وَعَنْهُ اَنَّهٗ سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلَاةِ الرَّجُلِ قَاعِدًا قَالَ اِنْ صَلّٰى قَائِمًا فَهُوَ اَفْضَلُ وَمَنْ صَلّٰى قَاعِدًا فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِ الْقَائِمِ وَمَنْ صَلّٰى نَائِمًا فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِ الْقَاعِدِ۔

(رواه البخاري)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٥٨٦۔ حديث رقم ١١١٦۔ والترمذي في السنن ٢/٢٠٧ حديث رقم ٣٧١۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ سے ہی روایت ہے کہ انہوں نے آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کی نماز کے متعلق پوچھا جو کہ نفل نماز (بلا عذر) بیٹھ کر پڑھتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر وہ کھڑے ہو کر پڑھ لے تو یہ زیادہ افضل ہے اور جو شخص (بلا عذر) بیٹھ کر نفل نماز پڑھے گا تو اس کے لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے نصف اجر کے برابر اجر و ثواب ہو گا اور جو شخص لیٹ کر نفل نماز پڑھے، اس کیلئے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے اجر کے نصف کے برابر اجر ہوگا۔ (بخاریؒ)

تشریح: ''انه سأل ﷺ عن صلاة الرجل قاعدا'' اس سوال کا منشا یہ ہے کہ اس شخص کا کیا حکم ہے؟ جو قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھے۔

''قال ان صلى قائما فهو افضل'' ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص بلا عذر فرض نماز بیٹھ کر پڑھے تو اس کی نماز بالاتفاق باطل ہے اور جو شخص قیام کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ کیونکہ اس کا ضروریاتِ دین میں سے ہونا طے شدہ بات ہے۔

''من صلى قاعدًا فله نصف اجر القائم'' ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ نے اس جملہ کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص بغیر عذر کے نفل نماز بیٹھ کر پڑھے تو اسے آدھا ثواب ملے گا لیکن اگر کوئی عذر کی وجہ سے نفل نماز بیٹھ کر پڑھتا ہے تو اسے پورا ثواب ملے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گا۔

ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ کی اس تشریح میں یہ اضافہ کرنا ضروری ہے کہ اگر اس کی نیت پہلے سے کھڑے ہو کر پڑھنے کی تھی لیکن بعد میں کوئی عذر لاحق ہو گیا تو اسے پورا ثواب ملے گا۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے۔

"من صلی نائما فله نصف اجر القاعد" نائم سے مراد سویا ہوا شخص نہیں بلکہ وہ ہے جو پہلو کے بل یا چت لیٹا ہو۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کیلئے ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام کے علاوہ کسی اور حالت میں نفل پڑھنا قیام کی طرح ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سستی اور بیزاری سے مامون و محفوظ تھے۔

میری رائے یہ ہے کہ اس امر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت قرار دینے میں کسی اور دلیل کی ضرورت ہے ورنہ بشریت کی بنا پر آپ دوسرے مسلمانوں کی طرح ہیں۔ البتہ آپ ایسی سستی سے بہر حال محفوظ و مامون تھے جو فرض سے غافل کر دے۔ باقی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلق سستی سے محفوظ ہونا محل بحث ہے۔ باوجود اس کے کہ عدم کسل، عدم ضعف کو مستلزم نہیں اور عذران دونوں سے زیادہ عام ہے۔ پھر یہ واقعہ بھی کتابوں میں موجود ہے کہ جب نماز کی کثرت کی وجہ سے آپ کے پاؤں مبارک ورم آلود ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

"طه ما انزلنا علیك القرآن لتشقی" (طہ۔۱،۲) "طٰہٰ، ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ تھک جائیں"۔

ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے اکثر نماز بیٹھ کر ہوتی تھیں" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت بھی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیند کی وجہ سے رات کو نماز نہ پڑھ سکتے تو دن کو بارہ رکعات پڑھا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "قل انما انا بشر مثلکم" (الکھف۔۱۱۰) "آپ کہہ دیجئے میں تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہوں"

ان دلائل کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تخصیص کیلئے کسی قطعی دلیل کی ضرورت ہے ورنہ اصل یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے احکام میں اپنی امت کی طرح ہیں۔

البتہ فصل ثالث میں آنے والی حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثواب کم نہیں ہوتا ہے۔ اس حدیث میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ عام ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹھ کر نماز پڑھنا عذر کی بنا پر تھا یا بغیر عذر کے تھا۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز نہ پڑھتے تھے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بلا عذر لیٹ کر نفلی نماز پڑھنے کے جواز کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک جائز اور بعض کے نزدیک ناجائز ہے۔ حسن بصری اس کے جواز کے قائل ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ لیٹ کر نماز پڑھنے والے کا اجر بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے اجر سے نصف ہوگا۔ یہ قول زیادہ صحیح اور بہتر ہے۔ مذکورہ احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ لیٹ کر نوافل پڑھنا درست نہیں، پھر اس حدیث کی ان کے نزدیک یہ تاویل ہے کہ یہ فرض پڑھنے والے ایسے مریض کے بارے میں جس کیلئے قیام یا قعود ممکن تو ہو لیکن اس کی وجہ سے مرض میں شدت اور زیادتی کا یقین ہو۔

اس حدیث سے ان حضرات کے قول کی بھی نفی ہوگئی جو قعود پر قدرت کی صورت میں اضطجاع کو حرام کہتے ہیں۔

الفصل الثانی:

باوضو ہو کر لیٹنے اور سونے کی فضیلت

۱۲۵۰: وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اٰوٰی اِلٰی فِرَاشِهٖ طَاهِرًا وَّذَكَرَ اللّٰهَ حَتّٰی يُدْرِكَهُ النُّعَاسُ لَمْ يَتَقَلَّبْ سَاعَةً مِّنَ اللَّيْلِ يَسْاَلُ اللّٰهَ فِيْهَا خَيْرًا مِّنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ ذَكَرَ النَّوَوِیُّ فِیْ كِتَابِ الْاَذْكَارِ بِرِوَايَةِ ابْنِ السُّنِّیِّ۔

أخرجه ابن السني في اليوم والليلة ص ٢٣٤ حديث رقم (٧٢٢)۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص بحالت پاکی اپنے بستر پر لیٹنے کیلئے آئے اور نیند آنے تک "اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے، تو وہ رات کی کسی گھڑی میں کروٹ نہیں بدلے گا مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی خیر مانگ رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو یہ ضرور عطا فرما دیتے ہیں۔ اس کو امام نوویؒ نے کتاب الاذکار میں ابن السنی کی روایت سے نقل کیا ہے۔

تشریح: "سمعت النبی ﷺ" ایک نسخہ میں رسول اللہ ﷺ بھی ہے۔

"طاھرًا" اس لفظ کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

① ناپاکی اور احداث سے پاک ہو۔ ② گناہوں کی آلودگی سے پاک ہو۔

"یسأل اللّٰہ" یہ یتقلب کے فاعل سے حال ہے۔

"خیرًا" خیر یہاں شر کے مقابلہ میں ہے۔

"من خیر الدنیا و الاخرۃ" ضمیر ثانی جنس کے درجہ میں ہے اور خیر اول کی تنوین تنکیر کیلئے ہے۔

"الا أعطاہ ایاہ" علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی من یسأل سے حال ہے۔

النووی فی کتاب الأذکار بروایۃ ابن السنی" علامہ منذری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے عن شھر بن حوشب عن ابی امامۃؓ کی سند سے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے

۱۲۵۱: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجِبَ رَبُّنَا مِنْ رَجُلَيْنِ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَجُلٌ ثَارَعَنْ وَطَائِهٖ وَلِحَافِهٖ مِنْ بَيْنِ حِبِّهٖ وَاَهْلِهٖ اِلٰى صَلَاتِهٖ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لِمَلَائِكَتِهٖ اُنْظُرُوْا اِلٰى عَبْدِيْ ثَارَعَنْ فِرَاشِهٖ وَوِطَائِهٖ مِنْ بَيْنِ حِبِّهٖ وَاَهْلِهٖ اِلٰى صَلَاتِهٖ رَغْبَةً فِيْمَا عِنْدِيْ وَشَفَقًا مِمَّا عِنْدِيْ وَرَجُلٌ غَزَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَانْهَزَمَ مَعَ اَصْحَابِهٖ فَعَلِمَ مَاعَلَيْهِ فِي الْاِنْهِزَامِ وَمَالَهٗ فِي الرُّجُوْعِ فَرَجَعَ حَتّٰى هُرِيْقَ دَمُهٗ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لِمَلَائِكَتِهٖ اُنْظُرُوْا اِلٰى عَبْدِيْ رَجَعَ رَغْبَةً فِيْمَا عِنْدِيْ وَشَفَقًا مِّمَّا عِنْدِيْ حَتّٰى هُرِيْقَ دَمُهٗ۔ (رواه في شرح السنة)

أخرجه أحمد في المسند ٤١٦۔ والبغوي في شرح السنة ٤/٤٢ حديث رقم: ٩٣٠۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمارا رب کریم دو آدمیوں سے بہت ہی خوش ہوتا ہے، ایک تو اُس آدمی سے جو رات اپنے نرم بستر اور لحاف اور اپنی محبوب بیوی کے پاس سے اُٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنے کیلئے آتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے ارشاد فرماتے ہیں کہ دیکھو میرے بندے کی طرف اپنے نرم بستر اور لحاف اور اپنی محبوب بیوی کے پاس سے اپنی نماز پڑھنے کیلئے اُٹھ گیا ہے اس چیز کے شوق میں جو میرے پاس ہے (یعنی جنت اور اس کی نعمتیں) اور اس چیز کے ڈر سے جو میرے پاس ہے (یعنی دوزخ اور اس کی مصیبتیں)۔ اور دوسرے اس شخص سے جس نے اپنے رب کی راہ میں جہاد کیا اور اپنے ساتھیوں سمیت میدانِ جنگ سے بھاگ گیا، مگر جب اس کو میدان کارزار سے بھاگنے کی سزا اور پھر میدان جنگ واپس آنے کا ثواب یاد آیا تو وہ واپس میدان جنگ میں لوٹ کر آ گیا (اور لڑتا رہا) یہاں تک کہ اس کا خون بہا دیا گیا (یعنی شہید ہو گیا) تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرے بندے کی طرف دیکھو کہ وہ میدانِ جنگ میں واپس آ گیا ان چیزوں کے شوق میں جو میرے پاس ہیں (یعنی جنت اور اس کی نعمتیں) اور ان چیزوں کے ڈر سے جو میرے پاس ہیں (یعنی دوزخ اور اس کی تکالیف) یہاں تک کہ لڑتا رہا حتیٰ کہ اس کا خون بہا دیا گیا۔ (شرح السنۃ)

تشریح: ”قال رسول اللّٰہ ﷺ عجب ربنا من رجلین“ یعنی اللہ تعالیٰ ان دو آدمیوں کے فعل سے راضی اور خوش ہوتے ہیں۔

ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تعجب کا ذکر بطور مجاز کیلئے کیونکہ تعجب اس چیز پر ہوتا ہے جس کا سبب پوشیدہ ہو اور اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

”رجل“ اس کی ترکیب میں دو احتمال ہیں:

① جر، اس صورت میں یہ من رجلین سے بدل ہوگا۔ ② رفع، اس صورت میں احدهما، منهما یا هما مقدر ہوگا۔

”ثار“ وہ شخص جو ہمت، نشاط اور رغبت کے ساتھ اٹھے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ کچھ لوگ بستر پر اللہ کا ذکر کرتے ہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں بلند درجات تک پہنچا دیتے ہیں۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح میں ذکر کیا ہے۔

حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ یہ شخص مخلوق سے منہ موڑ کر اللہ کی عبادت کی طرف متوجہ ہو گیا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ ساری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مخلوق قبر و حشر میں اس کے کسی کام نہیں آسکتی جبکہ نیک عمل تو ہمیشہ اس کے کام آئیں گے۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ انہوں نے فرمایا:

''تمام لکھی ہوئی عبارتیں ضائع ہوگئیں علم و فن کی تمام مجلسیں ہمارے کسی کام نہ آئیں ہمیں تو صرف ان چند رکعات نے نفع دیا جو ہم رات کے آخری حصہ میں پڑھا کرتے تھے''۔

''فیقول اللہ لملائکۃ'' اللہ تعالیٰ فخر کے طور پر فرشتوں سے کہتے ہیں کہ اس بندے کو دیکھو جس کی صفات ملکیت اس کے احوال بشریت پر غالب ہیں باوجود اس کے کہ شیطان، وساوس، نفس اور طلب شہوت جیسے مسائل سے وہ دوچار ہے۔

دیکھنے سے مراد یہ ہے کہ اسے نظر رحمت سے دیکھو جس کا نتیجہ استغفار و شفاعت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

''وشفقا مما عندی'' اس بندے کا عمل میرے عذاب، جہنم، ناراضگی اور اس حجاب کے خوف سے ہے جو میرے اور نافرمانوں کے درمیان ڈال دیا جائے گا۔

پہلا شخص جس کا تذکرہ ہوا یہ ایسا مجاہد ہے جو جہاد اکبر کرنے والا ہے یہ لوگوں کے آرام کے وقت میں وجوب کے بغیر اللہ کی عبادت کیلئے کمربستہ ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ شخص اہل سعادت میں سے ہے۔

''فرجع حتی ھریق دمہ'' یعنی اس کو بھی شہید کردیا جائے۔

ایک حدیث میں آیا ہے:

''غفلت والوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسے ہے جیسے (میدان جنگ سے) بھاگنے والوں میں (دشمن کے سامنے) صبر کرنے والا''۔

''رواہ فی شرح السنۃ'' صاحب مصابیح نے اس روایت کو شرح السنۃ میں ذکر کیا ہے۔

شیخ جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام احمد نے اس حدیث کو اسناد صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس سند میں عطاء بن سائب بھی ہیں۔ محدثین اربعہ اور امام بخاری نے ان سے روایت لی ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے بھی نقل کیا ہے۔

علامہ منذری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام احمد، ابویعلی، طبرانی اور ابن حبان نے اسے نقل کیا ہے، طبرانی نے سند حسن کے ساتھ اسے موقوف بھی نقل کیا ہے لیکن اس کے الفاظ میں کچھ فرق ہے۔

ان تمام احادیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ثواب کی امید سے عمل کرنا اخلاص ہے کمال کے منافی نہیں، البتہ اکمل کے منافی ہے، اکمل صورت یہ ہے کہ عمل محض اللہ کیلئے ہو کسی بھی غرض یا عوض کیلئے نہ ہو۔

اس بات کو سمجھ لینے کے بعد امام فخر الرازی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا معنی بھی سمجھ میں آگیا کہ اگر کوئی شخص ثواب کے حصول یا سزا کے خوف سے عبادت کرے تو اس کی عبادت درست نہیں۔ معلوم ہوا کہ اس سے مراد وہ عبادت کرنے والا ہے جو محض ثواب یا عتاب کو دیکھ کر چلے اسے رضائے الٰہی سے کوئی غرض نہ ہو، یقیناً اس کی عبادت درست نہیں بلکہ بعض علماء نے تو اسے کافر قرار دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی ذات کے اعتبار سے عبادت کا استحقاق رکھتا ہے۔ واللہ اعلم۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الفصل الثّالث:

بعض عبادات میں حضور ﷺ کا امتیاز

۱۲۵۲: عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ حُدِّثْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَاةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلَاةِ قَالَ فَاَتَيْتُهُ فَوَجَدْتُّهُ يُصَلِّيْ جَالِسًا فَوَضَعْتُ يَدِيْ عَلٰی رَأْسِهٖ فَقَالَ مَالَكَ يَاعَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو قُلْتُ حُدِّثْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنَّكَ قُلْتَ صَلَاةَ الرَّجُلِ قَاعِدًا عَلٰی نِصْفِ الصَّلَاةِ وَاَنْتَ تُصَلِّيْ قَاعِدًا قَالَ اَجَلْ وَلٰكِنِّيْ لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۵۸۷۔ حديث رقم ۱۱۱۷۔ ومسلم في صحيحه ۱/۵۰۷ حديث رقم (۱۲۰۔ ۷۳۵)۔ والنسائي ۳/۲۲۳ حديث رقم ۱۶۵۹۔ وأحمد في المسند ۴/۴۴۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انسان کی نماز نفل جو بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھی گئی ہو کھڑے ہو کر پڑھی ہوئی نماز کے نصف کے برابر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ خود بیٹھ کر نفل نماز پڑھ رہے تھے، تو میں نے اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے سر مبارک پر رکھ دیا، آپ ﷺ نے (نماز سے فراغت کے بعد) فرمایا کیا ہوا تجھے اے ابن عمرو! تو میں نے جواباً عرض کیا کہ مجھے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی نماز آدھی ہوتی ہے اور حال یہ ہے کہ آپ خود بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں ایسا ہی ہے لیکن میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ (مسلم)

تشریح: ''فوضعت یدی علی رأسه'' حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے حضور ﷺ کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے سر مبارک پر رکھا تا کہ حضور ﷺ ان کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ حضور ﷺ کے سامنے آنے کے بجائے یہ انداز زیادہ بہتر تھا اور عربوں کے نزدیک اسے بے ادبی پر بھی محمول نہیں کیا جا سکتا اس کی وجہ ان کا عدم تکلف اور کمال تالف ہے۔ اسی طرح ان کا أنتم کے بجائے أنت کہنا بھی خطاب کے مقتضی میں خلاف ادب نہیں اور اس کا قائل عتاب کا مستحق نہیں۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے اس مقام پر تکلف سے کام لیتے ہوئے صحابہ کرام کی طرف قلت ادب کی نسبت کی ہے اور بات کو بلاوجہ سوال و جواب کے ذریعہ طول دینے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اگر آپ یہ سوال کریں کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو تعظیم رسول ﷺ کے پیش نظر کوئی اور انداز اختیار کرنا چاہیے تھا تو اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ یہ عمل ان سے ارادتاً اور قصداً سرزد نہیں ہوا بلکہ جب انہوں نے حضور ﷺ کی بیان فرمودہ بات کے خلاف کا صدور دیکھا اور اسے ناممکن خیال کیا تو نبی کریم ﷺ کے سر مبارک پر ہاتھ رکھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے اس عمل کو ناپسندیدہ خیال فرمایا اور ان کا نام لیا اور ان کی نسبت ان کے والد کی طرف بھی ذکر کی۔ اسی طرح حضرت عبداللہ کا ''انت تصلی قاعدًا'' کہنا بھی جہت اشکال کیلئے حال مقررہ ہے۔ پھر میں نے ابن حجر رحمہ اللہ کو دیکھا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ کسی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مستغرب اور بعید چیز کو وقوع پذیر ہوتا دیکھ کر اس طرح کرتے ہیں۔البتہ یہ عمل ان کے نزدیک خلاف ادب ہے۔اس کی نظیر یہ ہے کہ بعض عرب مفاوضہ کے موقع پر داڑھی کو ہاتھ لگاتے ہیں''۔

ہمارے زمانے میں اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک عربی شخص نے رئیس مکہ کی داڑھی چھوا کہ ''اے حسن! میں آپ پر فدا ہو جاؤں'' حالانکہ اس کی جوتی اس کی انگلی میں لٹک رہی تھی۔

''**فقال مالك**''اس جملہ کے معانی میں تین احتمال ہیں:

① **ما شانك**، تجھے کیا مسئلہ۔

② **ای غرض لك**۔تیری کیا غرض ہے؟

③ ''**ای شيء أقلقك و اذعجك**'' کس چیز نے تجھے بے چین و پریشان کر دیا؟

''**یا عبدالله بن عمرو**'' عربوں کے ہاں نام لینا معرفت اور خصوصیات پر دلالت کرتا ہے۔اسی بنا پر ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ تم علم و تقدم کے معروف مقام پر ہو۔اسی وجہ سے علماء فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ فقیہ اور حافظ حدیث تھے۔

''**وأنت تصلي قاعدًا**'' حالانکہ یہ بات تو ثابت شدہ ہے کہ آپ کے اعمال اکملیت اور افضلیت کے بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں۔کیا ان کا یہ حدیث بیان کرنا صحیح ہے۔

''**قال أجل**''اس جملہ کے معانی میں دو احتمال ہیں:

① ہاں ان کا حدیث بیان کرنا صحیح ہے۔② ہاں تمہاری بات ٹھیک ہے۔

''**ولكن لست كأحدمنكم**'' یعنی یہ میری خصوصیات میں سے ہے کہ میری نماز کا ثواب کم نہیں ہوتا ہے۔یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنا فضل عطا کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''**وكان فضل الله عليك عظيمًا**'' (النساء۔۱۱۳)''اور تم پر اللہ کا عظیم فضل ہے''۔

نماز راحت و آرام کا سبب ہے

۱۲۵۳: وَعَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِی الْجَعْدِ قَالَ قَالَ رَجُلٌ مِّنْ خُزَاعَةَ لَيْتَنِی صَلَّيْتُ فَاسْتَرَحْتُ فَكَاَنَّهُمْ عَابُوْا ذٰلِكَ عَلَيْهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَقِمِ الصَّلَاةَ يَا بِلَالُ اَرِحْنَا بِهَا۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ٥/٢٦٢ حديث رقم ٤٩٨٥۔

ترجمہ: حضرت سالم بن ابی الجعدؒ فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنو خزاعہ کے آدمی نے ایک دن کہا کاش! میں نماز پڑھتا اور راحت پاتا، جب لوگوں نے اسکے اس قول کو برا سمجھا تو وہ کہنے لگا میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اے بلال! نماز کیلئے اقامت یعنی تکبیر کہو تا کہ ہم نماز کے ذریعے راحت حاصل کریں۔(ابوداؤد)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راوئ حدیث:

سالم بن ابی الجعد۔ یہ سالم بن ابی الجعد کوفی ہیں۔ ''ابوالجعد'' کا نام رافع ہے۔ مشہور معتبر راویوں میں سے ہیں۔ ابن عمر اور جابر وانس رضی اللہ عنہم سے حدیث کو سنا اور ان سے منصور واعمش روایت کرتے ہیں۔ ۹۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

تشریح: ''رجل من خزاعه'' ''خزاعہ'' ایک بڑے اور مشہور قبیلے کا نام ہے۔

''لیتنی صلیت فاسترحت'' یعنی کاش! میں نماز پڑھتا اور اپنے رب کی عبادت، اس کے ساتھ مناجات اور تلاوت قرآن سے لذت وراحت حاصل کرتا۔

''عابوا ذلك'' بعض لوگوں نے حصول راحت کی اس خواہش کو ناپسند خیال کیا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نماز میں استراحت کی خواہش کو ناپسند سمجھا کیونکہ ان کے خیال میں نماز ایک بامشقت عمل ہے۔ شاید وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو بھول گئے تھے:

''وانها لكبيرة الاعلى الخاشعين'' (البقرۃ۔۴۵) ''نماز بھاری ہے لیکن خشوع رکھنے والوں پر نہیں''۔

''یا بلال أرحنا بها'' علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ اے بلال! دل کو نماز کی مشغولی میں مصروف کر کے راحت پہنچاؤ۔

علماء فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں مشغول ہونا ہی آپ کیلئے ذریعہ راحت تھا کیونکہ دنیاوی اعمال آپ کیلئے بوجھ تھے۔ آپ نماز سے استراحت حاصل کرتے تھے کیونکہ اس میں مناجات ہیں اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے''۔ یہی قول زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی معنی کی تائید کی ہے۔

بَابُ الْوِتْرِ

نماز وتر کا بیان

وتر کا لغوی معنی ہے طاق، اور فقہاء کی اصطلاح میں صلوٰۃ وتر اس نماز کو کہتے ہیں، جس کا وقت عشاء کے بعد ہوتا ہے اور عام طور پر فوراً عشاء کی نماز کے بعد ادا کیا جاتا ہے، اس باب میں اسی نماز کے بارے میں بیان ہوگا۔

صلوٰۃ وتر کا حکم:

صلوٰۃ وتر واجب ہے یا سنت؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صلوٰۃ وتر واجب ہے۔

امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وتر سنت ہے۔

رکعاتِ وتر:

تعداد وتر میں بھی ائمہ کا اختلاف ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احناف کے نزدیک وتر کی تین رکعات ہیں، اور جمہور ائمہ کے نزدیک وتر کی ایک ہی رکعت ہے لیکن ان حضرات کے نزدیک بھی وتر کے لیے صرف ایک رکعت پڑھنا مکروہ ہے بلکہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور پھر ایک رکعت وتر پڑھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمہور ائمہ کے نزدیک بھی وتر کی تین رکعتیں ہیں صرف فرق یہ ہے کہ احناف کے نزدیک ایک سلام کے ساتھ ہے اور جمہور کے نزدیک دو سلاموں کے ساتھ ہیں۔

طریقۂ وتر:

احناف کے نزدیک مغرب کی نماز کی طرح وتر کی تین رکعات پڑھی جائیں گی۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ فرض کی صرف دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملائی جاتی ہے جبکہ وتر کی تینوں رکعات میں سورۂ فاتحہ کے بعد دوسری سورت ملائی جاتی ہے اور تیسری رکعت میں سورت ملانے کے بعد ہاتھ کانوں تک اٹھا کر پھر باندھے اور آہستہ آواز کے ساتھ دعائے قنوت پڑھے، اور دعائے قنوت یہ ہے۔

اللهم انا نستعينك ونستغفرك ونؤمن بك ونتوكل عليك ونثني عليك الخير ونشكرك ولا نكفرك ونخلعُ ونترك من يفجرك. اللهم اياك نعبد ولك نصلي ونسجد واليك نسعٰى ونحفد ونرجو رحمتك ونخشي عذابك ان عذابك بالكفار ملحق.

اے اللہ! ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں اور تجھ سے ہی اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، اور تجھ ہی پر ایمان لاتے ہیں اور تجھ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں اور تیری ہی تعریف کرتے ہیں، اور تیرا شکر ادا کرتے ہیں، اور تیری ناشکری نہیں کرتے۔ اور ہم الگ ہوتے ہیں اور چھوڑتے ہیں اس شخص کو جو تیری نافرمانی کرے۔ اے اللہ! بے شک ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے لیے ہی نماز پڑھتے ہیں اور تیرے لیے ہی سجدہ کرتے ہیں، اور تیری طرف ہی دوڑتے ہیں، اور عبادت میں مستعدی اور جلدی کرتے ہیں، اور ہم تیری رحمت کے ہی امیدوار ہیں، اور تیرے عذاب سے ہی ڈرتے ہیں، بے شک تیرا عذاب کافروں کو ملنے والا ہے۔

اگر اس کے بعد یہ دعا پڑھ لے تو نور علی نور ہے:

اللهم اهدني فيمن هديت وعافني فيمن عافيت وتولني فيمن توليت وبارك لي فيما اعطيت وقني شر ما قضيت فانك تقضي ولا يقضٰى عليك فانه لا يذل من واليت ولا يعز من عاديت تباركت ربنا وتعاليت۔

اے اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت عطا فرما ان لوگوں کے ساتھ جن لوگوں کو تو نے ہدایت دی اور مجھے مصائب سے ان لوگوں کے ساتھ بچا جن کو تو نے بچایا اور مجھ سے محبت کر ان لوگوں میں جن سے تو نے محبت کی، اور تو برکت ڈال اس میں جو تو نے مجھے عطا کیا، اور مجھے ان برائیوں سے بچا جو مقدر ہیں اور بے شک تو فیصلہ و حکم کرنے والا ہے تیرے خلاف فیصلہ اور تجھ پر حکم نہیں کیا جا سکتا، بے شک نہیں ذلیل ہوتا وہ شخص جس سے تو محبت کرے اور نہیں عزت پا سکتا وہ شخص جس سے تو دشمنی کرے،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برکت والی ہے تیری ذات، اے ہمارے رب! تو بزرگ و برتر ہے۔

فائدہ: اگر کسی کو دعائے قنوت یاد نہ ہو تو وہ یہ دعا پڑھ لے۔ ربنا اتنا فی الدنيا حسنةً وفي الآخرة حسنةً وقنا عذاب النار ''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں اچھائی عطا فرما، اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما، اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔

اگر کوئی شخص یہ بھی نہ جانتا ہو تو وہ تین بار اللهم اغفر لی یا یا رب پڑھ لے۔

الفصل الاول:

ایک رکعت وتر

۱۲۵۴: عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى فَإِذَا خَشِيَ اَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰى رَكْعَةً وَّاحِدَةً تُوْتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰى (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/ ۴۷۷۔ حديث رقم ۹۹۰۔ ومسلم في صحيحه ۱/ ۵۱۶ حديث رقم (۱۴۵۔ ۷۴۹)۔ وأبو داؤد في السنن ۲/ ۸۰ حديث رقم ۱۳۳۶ والترمذي ۲/ ۳۰۰ حديث رقم ۴۳۷۔ والنسائي ۳/ ۲۳۳ حديث رقم ۱۶۹۴۔ والدارمي ۱/ ۴۰۴ حديث رقم ۱۴۵۸۔ ومالك في الموطأ ۱/ ۱۲۳ حديث رقم ۱۳ من كتاب صلاة الليل۔ وأحمد في المسند ۲/ ۵۸۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کی نماز دو رکعت ہے، جب خوف ہو تم میں سے کسی کو صبح ہونے کا تو ایک رکعت پڑھ لے یہ پہلی پڑھی ہوئی رکعتوں کو طاق کر دے گی۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ''قال رسول اللّٰہ ﷺ صلاة الليل'' ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک روایت صحیحہ میں ''صلاة الليل والنهار'' کے الفاظ ہیں۔

''مثنٰی'' یہ بغیر تنوین کے ہے غیر منصرف ہونے کی وجہ سے۔ کیونکہ اس میں دو سبب عدل اور وصف پائے جا رہے ہے جیسا کہ علامہ سیبویہ کا مذہب ہے، اس کا معنی ہے دو دو۔

ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعیؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رات کے نوافل میں دو رکعات کے بعد سلام پھیرنا افضل ہے۔

''مثنٰی'' یہ پہلے مثنٰی کی تاکید کے لئے ہے۔

''صلى ركعة واحدة توتر'' ایک رکعت کی طرف اسناد مجازی ہے کیونکہ ایک رکعت نماز پڑھنے سے نہی وارد ہوئی ہے یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے۔ لیکن مرسل جمہور کے نزدیک حجت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ما اجزأت ركعة قط'' ایک رکعت کبھی جائز نہیں ہو سکتی۔

یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے۔ نیز امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس ایسی کوئی صحیح یا ضعیف حدیث نہیں جو رکعت مفردہ کے ثبوت پر دلالت کر رہی ہو۔ پس احادیث میں تطبیق کے لیے مجمل احادیث کی تاویل کرنی پڑے گی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان حضرات کا یہ کہنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت وتر پر اکتفاء فرمایا ہے۔اس قول کو ابن صلاح نے رد کیا ہے۔ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا ابن صلاح کے اس قول کو ان کی غفلت قرار دینا ان کا دعویٰ محض ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں اسی وجہ سے اصحابہ شافعی کی ایک جماعت ایک رکعت وتر پڑھنے کی کراہت کی قائل ہے۔

ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس ایک رکعت کو اس سے پہلے کی دو رکعتوں کے ساتھ ملالے۔

ابن ہمام جواب تسلیمی کے طور پر کہتے ہیں کہ یہ واقعہ وتروں کی تین رکعات طے ہونے سے پہلے کا ہے۔البتہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ کہیں معلوم نہیں ہوتا کہ وتروں کیلئے الگ تکبیر تحریمہ کہی جائے۔لہٰذا اس کا جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ایک رکعت اس طرح پڑھے کہ اس سے پہلے دو رکعتیں پڑھے تاکہ یہ رکعت پہلے شفع یعنی اس ایک رکعت سے پہلے پڑھی گئی دونوں رکعتوں کو طاق کر دے۔گویا ایک رکعت علیحدہ نہ پڑھی جائے بلکہ دو رکعتوں کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے۔

ہمارا مذہب قیاس کے اعتبار سے بھی درست ہے کیونکہ وتر ہوں گے یا فرض ہوں گے یا سنت۔اگر فرض ہیں تو فرض دو، تین یا چار ہیں، وتر دو یا چار نہ ہونے پر علماء کا اجماع ہے معلوم ہوا کہ وتر تین ہی ہیں۔اگر سنت ہیں تو ہر سنت کی نظیر فرض میں موجود ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر بڑی انوکھی اور عجیب بات کہی وہ لکھتے ہیں:

''ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے سنت صحیحہ اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت کی ہے جس میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیتے تھے اور ایک رکعت وتر کی پڑھتے تھے۔ان روایات کے علاوہ کسی روایت کی رعایت اس وجہ سے نہیں کی جائے گی کہ آپ جان چکے ہیں کہ دلیل مع الاحتمال استدلال کی صلاحیت نہیں رکھتی۔باقی رہی وہ حدیث جس میں آیا ہے ''مغرب کی تین رکعت کی طرح وتر کی بھی تین رکعات ہیں'' یہ مرفوعاً ثابت نہیں بلکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے''۔

اگر ہم اس کو مرفوعاً صحیح قرار نہ دیں تو یہ موقوف بھی مرفوع ہی کے حکم میں ہے،ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ عسقلانی مزید لکھتے ہیں:

''وہ حدیث جس میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی رکعات میں سلام نہیں پھیرتے تھے یہ تطبیق روایات کیلئے جواز پر محمول ہے''۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی اس تعجب خیز بات کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''**کان لا یسلم فی رکعتی الوتر**''۔

اس میں لفظ ''کان'' آیا ہے۔جو لغۃً اور عرفاً استمرار پر دلالت کر رہا ہے۔نیز یہ ایک صریح منطوق ہے۔پس دوسری احادیث کی تاویل اسی کے مطابق کرنی چاہیے۔

اس سے بڑی عجیب بات یہ ہے کہ بعض علماء نے تو تین رکعات ملا کر پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔قاضی حسین نے ایک غیر معروف حدیث کو بنیاد بنا کر یہ فتویٰ دیا ہے اس میں آیا ہے ''تم تین رکعات وتر نہ پڑھو بلکہ پانچ یا سات رکعات پڑھو اور وتر دن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو مغرب کی نماز کے مشابہ نہ کرو"۔

اگر اس روایت کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہ ابتداء اسلام پر محمول ہوگی کیونکہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ وتر تین رکعات ملا کر پڑھتے تھے۔ اس روایت کا ایک معنی یہ بھی ہوسکتا ہے رات کی نماز میں تین رکعات پر اکتفاء کرنے سے نہی تنزیہی وارد ہوئی ہے اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اس میں پانچ یا سات رکعات پڑھنے کا ذکر ہے جبکہ تین رکعات کے جواز اور پانچ یا سات رکعات عدم وجوب پر فقہاء کا اجماع ہیں۔

نماز وتر رات کے آخری حصہ میں پڑھنا

۱۲۵۵: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِّنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ۔

(رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/٥١٨ حديث رقم (١٥٣ ـ ٧٥٢)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اشاد فرمایا کہ وتر کی ایک رکعت ہے رات کے آخری حصہ میں پڑھنا افضل ہے۔ (مسلمؒ)

تشریح: "الوتر رکعة" یعنی وتر ایک رکعت اس سے پہلے پڑھے ہوئے شفع (دو رکعت) کے ساتھ مل کر ہے۔ اس طرح تمام احادیث میں تطبیق ہو جائے گی۔

"من اخر اللیل" یعنی وتر کا آخر وقت آخر لیل تک ہے یا اس کا بہترین وقت رات کا آخری حصہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کی صلوٰۃ اللیل کے مختلف طریقے

۱۲۵۶: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يُّوْتِرُ مِنْ ذٰلِكَ بِخَمْسٍ لَايَجْلِسُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا فِيْ اٰخِرِهَا ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٣/٢٠۔ حديث رقم ١١٤۔ ومسلم في صحيحه ١/٥٠٨ حديث رقم (١٢٣ـ ٧٣٧)۔ وأبوداوٗد في السنن ٢/٨٥ حديث رقم ١٣٣٨۔ والترمذی ٢/٣٢١ حديث رقم ٤٥٩۔ والدارمي ١/٤٤٨ حديث رقم ١٥٨١۔ وأحمد في المسند ٦/١٦١۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ رات میں (تہجد کیلئے) تیرہ رکعات پڑھتے تھے جن میں سے پانچ رکعتیں بطور وتر کے پڑھتے تھے۔ اور ان میں تشہد کیلئے صرف آخری رکعت میں ہی بیٹھتے تھے۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "یصلی من اللیل ثلاث عشر رکعة" ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے آٹھ رکعات دو سلاموں کے ساتھ ہوتی تھیں۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں شرح الشمائل میں ہے کہ یہ تمام رکعات چار سلاموں کے ساتھ پڑھی ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ان تیرہ رکعات میں دو رکعات تو حقیقی ہیں باقی گیارہ رکعات وتر ہیں جن میں سے چھ مفصول (الگ الگ) ہیں۔

ابن حجر رحمۃ اللہ کی یہ توجیہہ درست نہیں کیونکہ اس طرح مشار الیہ وہ ہوگا جو اصل میں مذکور نہیں۔

''بخمس'' یعنی پانچ رکعات وتر کی نیت سے پڑھتے تھے۔

''لا یجلس فی شیء الا فی اخرھا'' یعنی تشہد کے لیے صرف آخر ہی میں بیٹھتے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کا یہی مسلک ہے اور ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں پانچ رکعات کے وصل کا جواز معلوم ہو رہا ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ وتر پہلے پانچ تھے اور اب اس پر اجماع ہے کہ ہر دو رکعات کے پورا کرنے پر اس تشہید پڑھنی ہوگی۔

اس جملہ کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ''سلام کیلئے صرف آخر ہی میں بیٹھتے تھے''۔ واللہ اعلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا

۱۲۵۷: وَعَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ قَالَ انْطَلَقْتُ اِلٰی عَائِشَةَ فَقُلْتُ یَا اُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْبِئِیْنِیْ عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ اَلَسْتَ تَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ قُلْتُ بَلٰی قَالَتْ فَاِنَّ خُلُقَ نَبِیِّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ الْقُرْاٰنُ قُلْتُ یَااُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْبِئِیْنِیْ عَنْ وِتْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ کُنَّا نُعِدُّ لَهٗ سِوَاکَهٗ وَطَهُوْرَهٗ فَیَبْعَثُهُ اللّٰهُ مَاشَاءَ اَنْ یَبْعَثَهٗ مِنَ اللَّیْلِ فَیَتَسَوَّكُ وَیَتَوَضَّأُ وَیُصَلِّیْ تِسْعَ رَکَعَاتٍ لَایَجْلِسُ فِیْهَا اِلَّا فِی الثَّامِنَةِ فَیَذْکُرُ اللّٰهَ وَیَحْمَدُهٗ وَیَدْعُوْهُ ثُمَّ یَنْهَضُ وَلَا یُسَلِّمُ فَیُصَلِّی التَّاسِعَةَ ثُمَّ یَقْعُدُ فَیَذْکُرُ اللّٰهَ وَیَحْمَدُهٗ وَیَدْعُوْهُ ثُمَّ یُسَلِّمُ تَسْلِیْمًا یُّسْمِعُنَا ثُمَّ یُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ بَعْدَ مَایُسَلِّمُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَتِلْكَ اِحْدٰی عَشْرَةَ رَکْعَةً یَا بُنَیَّ فَلَمَّا اَسَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَخَذَ اللَّحْمُ اَوْتَرَ بِسَبْعٍ وَّصَنَعَ فِی الرَّکْعَتَیْنِ مِثْلَ صَنِیْعِهٖ فِی الْاُوْلٰی فَتِلْكَ تِسْعٌ یَابُنَیَّ وَکَانَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی صَلَاةً اَحَبَّ اَنْ یُّدَاوِمَ عَلَیْهَا وَکَانَ اِذَا غَلَبَهٗ نَوْمٌ اَوْوَجَعٌ عَنْ قِیَامِ اللَّیْلِ صَلّٰی مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَیْ عَشْرَةَ رَکْعَةً وَّلَا اَعْلَمُ نَبِیَّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ کُلَّهٗ فِیْ لَیْلَةٍ وَّلَا صَلّٰی لَیْلَةً اِلَی الصُّبْحِ وَلَاصَامَ شَهْرًا کَامِلًا غَیْرَ رَمَضَانَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۵۱۲/۱ حديث رقم (۱۳۹ ـ ۷۴۶)۔

ترجمہ: حضرت سعد بن ہشامؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کیا کہ امّ المؤمنین! مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کے بارے میں بتلائیں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، کیا آپ نے قرآن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجید نہیں پڑھا؟ تو میں نے عرض کیا کیوں نہیں (میں نے پڑھا ہے) تو فرمایا کہ حضور ﷺ کا خلق قرآن مجید تھا (یعنی آنحضرت ﷺ کی اخلاقی زندگی قرآن مجید کا عملی نمونہ تھی اور قرآن مجید پر عمل کرنا) آپ ﷺ کی عادت میں ہی سما چکا تھا پھر میں نے عرض کیا کہ مجھے حضور ﷺ کے وتر کے بارے میں خبر دیں (کہ وتر کی کتنی رکعات پڑھتے تھے اور کس طرح اور کس وقت پڑھتے تھے)۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں حضور ﷺ کیلئے پہلے ہی مسواک اور وضو کا پانی تیار کر دیتی تھی جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو رات میں اٹھانا چاہتے تو اس وقت اٹھا دیتے چنانچہ بیداری کے بعد حضور ﷺ مسواک کرتے اور پھر وضو کرتے اور نو/۹ رکعات پڑھتے تھے اور آٹھویں رکعت کے سوا کسی رکعت کے بعد قعدہ نہیں کرتے تھے جب آٹھویں رکعت پڑھ لیتے تو اب تشہد کیلئے بیٹھتے اور خدا کا ذکر کرتے اور حمد باری تعالیٰ بجالاتے اور دعا مانگتے (یعنی التحیات پڑھتے) پھر سلام پھیرے بغیر نویں رکعت کیلئے کھڑے ہوجاتے پھر نویں رکعت پڑھ کر تشہد کیلئے بیٹھتے پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور اس کی حمد بیان کرتے اور اس سے دعا مانگتے پھر سلام پھیرتے ہمیں سناتے ہوئے (یعنی با آواز بلند سلام پھیرتے) پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے تو یہ کل گیارہ رکعتیں ہوجاتی تھیں، اے میرے بیٹے! پھر جب حضور ﷺ عمر رسیدہ ہوگئے (اور بڑھاپے کی وجہ سے) جسم پر گوشت زیادہ ہوگیا (یعنی جسم مبارک بھاری ہوگیا) تو وتر سمیت سات رکعتیں پڑھتے تھے اور وہی کرتے تھے (وتر کے بعد والی) دو رکعتوں میں جس طرح پہلے کرتے تھے یعنی ان کو بیٹھ کر پڑھتے تھے، پس یہ نو رکعتیں ہوگئیں، اے بیٹے! حضور ﷺ کی یہ خواہش تھی کہ جب کوئی نماز شروع فرماتے تو اس کو ہمیشہ جاری رکھنا پسند فرماتے تھے۔ اور آپ ﷺ پر جب نیند غالب آجاتی یا کوئی تکلیف پیش آجاتی جو کہ قیام اللیل سے مانع ہوجاتی تو آپ ﷺ دن میں بارہ رکعتیں پڑھتے تھے (زوال سے قبل) اور مجھے معلوم نہیں کہ حضور ﷺ نے کبھی ایک رات میں پورا قرآن پڑھا ہو یا مسلسل صبح تک نماز پڑھی ہو اور مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک کے علاوہ کسی اور مہینے کے پورے روزے رکھے ہوں۔ (مسلمؒ)

راویٔ حدیث:

سعید بن ہشام۔ یہ سعید بن ہشام انصاری ہیں۔ اونچے درجہ کے تابعین میں سے ہیں۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے سنا اور ان سے حسن رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ ان کی حدیث اہل بصرہ میں پائی جاتی ہے۔ مرتب عرض کرتا ہے کہ مرقاۃ کے فوقانی اور تحتانی دونوں متون میں ''سعد بن ہشام'' ہے جبکہ ''الاکمال'' میں ''سعید بن ہشام'' لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تشریح: ''وعن سعد بن ہشام'' یعنی نبی کریم ﷺ کے اخلاق وشمائل سے مجھے آگاہ کر دیجئے۔

ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی طبیعت وعادات کیا ہے۔

''فان خلق رسول اللہ ﷺ کان القرآن'' یعنی نبی کریم ﷺ ان تمام مکارم اخلاق سے مزین تھے جو قرآن حکیم میں بیان کئے گئے۔

اس کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے اخلاق قرآن مجید کی اس آیت میں بیان کئے گئے ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''وانك لعلى خلق عظيم''(القلم۔۴) ''آپ عظیم اخلاق پر فائز ہیں''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانا یہ چاہتی ہیں کہ عظیم الشان ذات جب کسی چیز کو عظمت والا قرار دے تو اس کی رفعت کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔

صاحب احیاء فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصود ان آیات کو بتلانا تھا جن میں اخلاق ذمیمہ کی تہذیب اور اخلاق حمیدہ کی تحصیل کا ذکر ہے ان میں سے چند آیات درج ذیل ہیں:

① ''خذ العفو''(الاعراف۔۱۹۹) معاف کرنے کو لازم پکڑیئے۔

② ''ان الله يامر بالعدل والاحسان''(النحل۔۹۰) اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

③ ''فاصبر على ما اصابك''(لقمان۔۱۷) مصیبت پر صبر کیجئے۔

④ فاعف عنهم واصفح''(المائدہ۔۱۳) ان کو معاف کیجئے اور درگزر فرمائیں۔

⑤ ''والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس''(آل عمران۔۱۳۴) غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے۔

⑥ ''يايها الذين أمنوا اجتنبوا كثيرًا من الظن''(الحجرات۔۱۲) اے ایمان والو! بہت سے گمان کرنے سے بچو!۔

''ما شاء ان يبعثه'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی اصل عبارت یہ ہوگی:

''في الوقت المقدر الذى شاء بعثه فيه''۔

ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ما موصولہ ہے اور عائد محذوف ہے اور معنی ہوگا ''ماشاء فيه''۔

''من الليل'' ابن ملک کے نزدیک من بیانیہ ہے جبکہ اس کا تبعیضیہ ہونا راجح ہے۔

''فيذكر الله'' یعنی تشہد پڑھتے تھے۔

''ويحمده'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حمد یہاں مطلق ثناء وتعریف کے معنی میں ہے کیونکہ التحیات میں حمد نہیں ہے۔

''ثم يصلي ركعتين بعد ما يسلم وهو قاعدٌ'' یہ حدیث بظاہر ایک اور حدیث کے معارض ہے جس میں آیا ہے:

''اجعلوا آخر صلاتكم وترًا''۔''اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ''۔

شرح طیبی میں اس تعارض کے بارے میں یہ تفصیل مذکور ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نہ یہ دو رکعتیں پڑھتا ہوں اور نہ ان سے منع کرتا ہوں۔

امام مالک رحمہ اللہ انہیں پسند نہ کرتے تھے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کے بعد نماز کے بیان جواز کیلئے یہ دو رکعات بیٹھ کر پڑھی ہیں۔اس میں بیٹھ کر نفل پڑھنے کا جواز اور ان پر ہمیشگی اختیار نہ کرنے کا بیان بھی ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے دو رکعات نماز والی ~~احادیث~~ کی تردید کی ہے۔یہ تردید درست نہیں کیونکہ احادیث جب صحیح ہوں تو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے مابین تطبیق کی جائے گی۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''جو شخص ان رکعات کو سنت سمجھے اس سے دھوکہ مت کھاؤ۔ وہ شخص اپنی جہالت اور عدم انس کی وجہ سے ان کی طرف دعوت بھی دیتا ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (ان رکعات کی کراہت کے حکم سے) مسافر مستثنیٰ ہے، کیونکہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں مسافر کے لئے وتر کے بعد دو رکعات پڑھنے کا حکم نقل کیا ہے کیونکہ مسافر کے بارے میں گمان ہے کہ وہ تہجد کیلئے نہیں اٹھ سکے گا۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سفر جہد و مشقت سے عبارت ہے اگر تم میں سے کوئی وتر پڑھ چکے تو دو رکعات نماز پڑھ لے۔ اگر بیدار ہو جائے تو (تہجد کی) نماز پڑھ لے اور اگر نہ اٹھ سکے تو یہ نماز اس کی تہجد بن جائے گی۔

''أخذ اللحم'' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر گوشت بڑھ گیا۔ ابن ملک نے اس کی تعبیر کمزوری سے کی ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمر کے آخری حصہ میں وصال سے تقریباً ایک سال پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک بڑھ گیا تھا۔

''اذا صلی صلاۃ'' صرف نماز ہی نہیں ہر عبادت کا یہی حال تھا۔

''أحب ان یداوم علیھا'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی عذر یا بیان جواز کیلئے کسی عمل کو چھوڑ بھی دیتے تھے۔

اس جملہ سے ان دو رکعات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت معلوم ہوئی۔ جس سے ظاہر ہوا کہ علامہ نووی کی یہ توجیہہ ٹھیک نہیں کہ یہ رکعات بیان جواز کیلئے ہیں۔

شاید قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اس بنا پر رد کیا ہے کہ دوسری ثابت احادیث میں ان رکعات کے عدم مواظبت کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم۔

''ولا صام شھرًا کاملاً غیر رمضان'' اس جملہ میں ایک اور حدیث معارض معلوم ہوتا ہے جس میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پورا شعبان روزہ رکھا کرتے تھے۔

اس تعارض کے دو حل ہیں:

① آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ پورے شعبان میں روزہ نہیں رکھتے تھے۔

② آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے اکثر دنوں میں روزہ رکھتے تھے اس کو راوی نے پورے مہینے سے تعبیر کر دیا۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم کے دن رات، حاضر و غیوبت کے اوقات کے اعمال و افعال کا باقاعدہ تجزیہ کیا کرتی تھیں۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کا کلام وہی کر سکتا ہے جسے اس چیز کا مکمل علم ہو۔ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو سختی سے نفی فرمائی ہے اس کے پیچھے ان کی با اعتماد معلومات ہیں۔

وتر کا مستحب وقت

۱۲۵۸: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(رواه مسلم)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۴۸۸۔ حدیث رقم ۹۹۸۔ ومسلم فی صحیحه ۱/۵۱۷ حدیث رقم (۱۵۱۔ ۷۵۱)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی رات کی نمازوں میں سے آخری نماز وتر کی نماز کو بناؤ۔ (مسلم)

تشریح: یہ امر استحبابی ہے۔

۱۲۵۹: وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَادِرُوْا الصُّبْحَ بِالْوِتْرِ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۵۱۷ حدیث رقم (۱۴۹۔ ۷۵۰)۔ والترمذی فی السنن ۲/۳۳۱ حدیث رقم ۴۶۷۔ وأحمد فی المسند ۲/۳۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صبح کے آثار ظاہر ہونے پر وتر پڑھنے میں جلدی کرو۔ (مسلم)

تشریح: یعنی صبح سے پہلے وتر پڑھ لو۔ یہ امر ہمارے نزدیک وجوب کیلئے ہے۔ عطاء بن ابی رباح، امام احمد رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک صبح کے بعد وتر نہ پڑھے۔

سفیان بن ثوری اور امام شافعی رحمہ اللہ کے راجح قول کے مطابق جب اسے موقع ملے قضاء کر لے، کیونکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص وتر پڑھے بغیر سو جائے تو جب صبح ہو تو پڑھ لے"۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ وتر کی قضاء واجب ہے یہاں تک کہ اگر نمازی صاحب ترتیب ہو اور وتر سے پہلے صبح کی نماز پڑھ لے اور اسے وتر یاد ہوں تو فجر صحیح نہ ہوگی۔

(رواہ مسلم) اس روایت کو ترمذی، ابن حبان اور امام احمد نے بھی نقل کیا ہے۔

رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھنا

۱۲۶۰: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ اَنْ لَّا يَقُوْمَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ اَوَّلَهٗ وَمَنْ طَمِعَ اَنْ يَّقُوْمَ اٰخِرَهٗ فَلْيُوْتِرْ اٰخِرَ اللَّيْلِ فَاِنَّ صَلَاةَ اٰخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ وَذٰلِكَ اَفْضَلُ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۵۲۰ حدیث رقم (۱۶۲۔ ۷۵۵)۔ والترمذی فی السنن ۲/۳۱۷ حدیث رقم ۴۵۵۔ وابن ماجه ۱/۳۷۵ حدیث رقم ۱۱۸۷۔ ومالك فی الموطأ ۱/۱۲۴ حدیث رقم ۱۸ کتاب صلاة اللیل۔ وأحمد فی المسند ۳/۳۸۹۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو خوف ہو کہ وہ رات کے آخر میں بیدار نہیں ہو سکے گا تو اس کو چاہیے کہ وہ شروع رات میں ہی وتر پڑھ لے اور جس شخص کو آخر لیل میں اٹھنے کی امید ہو تو وہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رات کے آخر میں ہی وتر پڑھے کیونکہ رات کے آخری نماز وتر ہوتی ہے (یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتے نازل ہوتے ہیں) اور یہی افضل ہے یعنی رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھنا۔ (مسلمؒ)

تشریح: ''من خاف ان لا یقوم من اخر اللیل'' من تبعیض کیلئے ہے یا فی کے معنی میں ہے۔

''فلیوتر اوّلہ'' فوت ہونے کے خوف سے وتروں کو رات کے اول حصہ میں پڑھنے کا حکم ان کے وجوب پر دلالت کرتا ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہی ہے۔

''ان یقوم اخرہ'' یہ منصوب بنزع الخافض ہے۔ اصل عبارت یہ ہوگی ''ان یقوم فی اخرہٖ''

''فان صلاۃ اٰخر اللیل مشھودۃ'' یعنی اس وقت میں رات کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اس وقت دن اور رات کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں کہ دن کے فرشتے نیچے اترتے ہیں اور رات کے فرشتے اوپر جاتے ہیں۔

اس جملہ کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ اس وقت بہت سے نمازی نماز میں مشغول ہوتے ہیں۔

''وذلک'' اس کا مشارالیہ ''ایثار فی اخر اللیل'' ہے۔ بعض حضرات نے اس کا مشارالیہ ''ایثار فی اول اللیل'' قرار دیا جسے درست تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

''افضل'' کیونکہ اس کا ثواب ملائکہ رحمت، برکت واستغفار کے حضور کی وجہ سے اکمل ہے، نیز یہ نماز سب سے افضل وقت میں اور نیکوکار نمازیوں کے ساتھ مشارکت پر مبنی ہے۔

اس روایت کو ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

صلوٰۃ وتر رات کے ہر حصہ میں پڑھی جاسکتی ہے

۱۲۶۱: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مِنْ كُلِّ اللَّيْلِ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَوَّلِ اللَّيْلِ وَاَوْسَطِهٖ وَاٰخِرِهٖ وَانْتَهٰى وِتْرُهٗ اِلَى السَّحَرِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۴۸۶۔ حدیث رقم ۹۹۶۔ ومسلم فی صحیحه ۱/۵۱۲ حدیث رقم (۱۳۷۔ ۷۴۵) والترمذی فی السنن ۲/۳۱۸ حدیث رقم ۴۵۶۔ والنسائی ۳/۲۳۰ حدیث رقم ۱۶۸۱۔ وابن ماجه ۱/۳۷۵ حدیث رقم ۱۱۸۶۔

ترجمہ: امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے ہر حصہ میں نماز وتر پڑھی، یعنی ابتدائی رات میں بھی اور اس کے درمیانی حصہ میں بھی اور رات کے آخری حصہ میں بھی، لیکن آخری عمر میں وتر کیلئے رات کا آخری حصہ یعنی وقت سحر مقرر کرلیا تھا۔ (بخاریؒ)

تشریح: ''قالت من کل اللیل'' من ابتدائیہ اور منصوب ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک من، فی کے معنی میں ہے۔

''من اول اللیل واوسطہ واخرہ'' یہ بدل یا بیان ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلا من تبعیضیہ اور دوسرا من اس سے بدل ہے یا بعضیت کے معنی میں بیان ہے۔ پہلا قول راجح ہے۔

''وانتھی وترہ الی السحر'' کشاف کے مطابق سحر سے مراد رات کا آخری سدس ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثری معمول کا ذکر ہے۔

صلوٰۃ ضحیٰ کی اہمیت

۱۲۶۲: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَوْصَانِیْ خَلِيْلِیْ بِثَلَاثٍ صِيَامِ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَيِ الضُّحٰى وَاَنْ اُوْتِرَ قَبْلَ اَنْ اَنَامَ ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ۵۶/۳۔ حديث رقم ۱۱۷۸۔ ومسلم ۴۹۹/۱ حديث رقم (۸۵۔ ۷۲۱)۔ وأبوداؤد في السنن ۱۳۸/۲۔ حديث رقم ۱۴۳۲۔ والترمذي ۱۳۳/۳ حديث رقم ۷۶۰۔ والنسائي ۲۲۹/۳ حديث رقم ۱۶۷۷۔ والدارمي ۴۰۲/۱ حديث رقم ۱۴۵۴۔ وأحمد في المسند ۴۵۹/۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھے میرے محسن دوست نے تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی۔ ہر مہینہ میں تین دن روزے رکھنے کی۔ دو رکعت چاشت کی نماز پڑھنے کی اور تیسری یہ کہ میں وتر پڑھ لوں سونے سے پہلے پہلے۔ (بخاری)

تشریح: ''قال: أوصانی'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عہد لیا اور مجھے سختی سے حکم دیا۔

''وأن أوتر قبل أن أنام'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''والوتر قبل النوم'' کہا جاتا لیکن ان مصدریہ اور فعل کو اسے فاعل بنایا گیا اور اس کا مقصد اہتمام شان ہے اور یہ ان کے حال کے زیادہ لائق تھا کیونکہ سو جانے کی صورت میں وتر کے فوت ہو جانے کا اندیشہ تھا ورنہ وتر رات کے آخری حصہ میں پڑھنا افضل ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ رعایت دینے کا مقتضا یہ تھا کہ وہ رات کے ابتدائی حصہ میں حضرت ابوہریرہؓ احادیث یاد کرنے میں مشغول رہتے تھے، رات کا بہت بڑا حصہ اسی عمل میں گزر جاتا تھا۔ لہٰذا صبح تہجد کے وقت ان کیلئے اٹھنا ممکن نہ تھا، اس صورتحال کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وتر جلدی پڑھنے کا حکم دیا کیونکہ وہ ایک ایسے کام میں مشغول ہے جو زیادہ افضل ہے۔

(متفق علیہ) یہ روایت ابوداؤد اور نسائی نے بھی نقل کی ہے۔

الفصل الثانی:

آنحضرت کا عمل میں آسانی اختیار کرنا

۱۲۶۳: عَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ اَرَأَيْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ فِیْ اَوَّلِ اللَّيْلِ اَمْ فِیْ اٰخِرِهٖ قَالَتْ رُبَّمَا اغْتَسَلَ فِیْ اَوَّلِ اللَّيْلِ وَرُبَّمَا اغْتَسَلَ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فِیْ اٰخِرِہٖ قُلْتُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ فِی الْاَمْرِ سَعَۃً قُلْتُ کَانَ یُوْتِرَ فِیْ اَوَّلِ اللَّیْلِ اَمْ فِیْ اٰخِرِہٖ قَالَتْ رُبَّمَا اَوْتَرَ فِیْ اَوَّلِ اللَّیْلِ وَرُبَّمَا اَوْ تَرَفِیْ اٰخِرِہٖ قُلْتُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ فِی الْاَمْرِ سَعَۃً قُلْتُ کَانَ یَجْھَرُ بِالْقِرَاءَ ۃِ اَمْ یَخْفِتُ قَالَتْ رُبَّمَاجَھَرَبِہٖ وَرُبَّمَا خَفَتَ قُلْتُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ فِی الْاَمْرِ سَعَۃً۔ (رواہ ابوداود وروی ابن ماجۃ الفصلَ الاخیرَ)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۱/ ۱۵۳ حدیث رقم ۲۲۶۔ وابن ماجه ۱/ ۴۳۰ حدیث رقم ۱۳۵۴۔

ترجمہ: حضرت غضیف بن حارثؓ فرماتے ہیں کہ میں نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع رات میں غسل جنابت فرما لیتے تھے یا کہ رات کے آخر میں (یعنی جماع سے فراغت کے بعد فوراً غسل کرتے تھے یا کہ اس وقت سو جاتے اور بوقت سحر اٹھ کر غسل کرتے تھے) تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کبھی شروع رات میں ہی غسل کر لیتے تھے اور کبھی رات کے آخر میں غسل کرتے تھے، میں نے اللہ اکبر کہا کہ اللہ سب سے بڑا ہے اور تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہیں جس نے ہر معاملہ دینی میں آسانی پیدا فرمائی۔ میں نے پھر پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر اول لیل میں پڑھتے تھے یا کہ آخر لیل میں پڑھتے تھے تو فرمایا کبھی اول لیل میں یعنی سونے سے قبل ہی وتر پڑھ لیتے اور کبھی آخر لیل میں وتر پڑھتے تھے۔ میں نے کہا اللہ اکبر تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہیں جس نے دینی معاملات میں آسانی عطا فرمائی۔ میں نے پھر پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت بلند آواز سے فرماتے تھے یا کہ پست آواز میں تو فرمایا کبھی بلند آواز میں پڑھتے تھے اور کبھی پست آواز میں پڑھتے تھے تو میں نے کہا اللہ اکبر! تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے دین کے ہر امر میں آسانی عطا فرمائی۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے ابن ماجہ نے اس کا صرف آخری حصہ نقل کیا ہے۔

تشریح: ''عن غضیف'' اس لفظ کی کیفیت میں دو احتمال ہیں:

① غضیف۔ بضم الغین وفتح الضاد المعجمتین ویاء ساکنۃ وآخرہ فاء۔

② غطیف۔ بالطاء المھملۃ''

ان کے صحابی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے غضیف اور غطیف الگ الگ افراد کے نام قرار دیئے ہیں۔ میرک رحمہ اللہ کا کہنا یہ ہے کہ غضیف صحابی اور غطیف تابعی ہیں۔

مؤلف فرماتے ہیں کہ غضیف نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے اور ان کے صحابی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔

''قلت لعائشۃ، أرأیت'' ابن ملک رحمہ اللہ نے اس کا معنی بیان کیا ہے۔ ''أخبرینی'' مجھے خبر دیجئے۔

زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس سے مراد استفہام ہو خواہ رؤیت بصری ہو یا علمی، اس کا معنی ہے ھل رأیت کیا آپ نے دیکھا ہے۔

''قالت ربما اغتسل في اول اللیل وربما اغتسل فی اخرہ'' ان دونوں جملوں میں لفظ رب تکثیر کیلئے ہے یا پہلے جملہ میں تکثیر اور دوسرے میں تقلیل کیلئے ہے۔ یعنی کبھی کبھی بیان جواز یا حصول نشاط کے لئے رات کے آخری حصہ میں بھی غسل فرماتے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''فقلت: اللّٰہ اکبر'' انہوں نے تعجب اور فرحت کی وجہ سے اللہ اکبر کہا۔

''الحمد للّٰہ الذی جعل فی الامر سعۃً'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ احکامات کے اندر اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی رعایت ملتی ہے تو یہ ایک ایسی نعمت ہے جس کا شکر ادا کرنا واجب ہے اور اللہ اکبر اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ نعمت بہت بڑی ہے۔

''قالت ربما جھر بہ وبما خفت'' اس جملہ کے دو معنی ہیں:

① کسی رات میں اونچی آواز سے تلاوت فرماتے اور کسی رات میں آہستہ آواز سے

② ایک ہی رات میں کبھی اونچی آواز سے تلاوت فرماتے کبھی آہستہ آواز سے۔

رکعات صلوٰۃ تہجد

۱۲۶۴: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ قَیْسٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ بِکَمْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُوْتِرُ قَالَتْ کَانَ یُوْتِرُ بِاَرْبَعٍ وَّثَلَاثٍ وَّسِتٍّ وَّثَلَاثٍ وَّثَمَانٍ وَّثَلَاثٍ وَّعَشْرٍ وَّثَلَاثٍ وَلَمْ یَکُنْ یُوْتِرُ بِاَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ وَّلَا بِاَکْثَرَ مِنْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ۔ (رواہ ابو داود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ۲/ ۹۷ حديث رقم ۱۳۶۲۔ وأحمد في المسند ۶/ ۱۴۹۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن قیس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتنی رکعتوں کے ساتھ وتر پڑھتے تھے تو فرمایا کبھی چار اور تین (یعنی سات) اور کبھی چھ اور تین (یعنی نو/۹) اور کبھی آٹھ اور تین (یعنی گیارہ) اور کبھی دس اور تین (یعنی ۱۳) رکعتوں کے ساتھ وتر ادا کرتے تھے اور آپ نے وتروں سمیت سات سے کم اور تیرہ سے زیادہ صلوٰۃ تہجد نہیں پڑھی۔ (ابوداؤد)

راوی حدیث:

عبداللہ بن ابی قیس۔ یہ عبداللہ بن ابی قیس تابعی ہیں۔ ان کی کنیت ''ابوالاسود'' ہے۔ شام کے رہنے والے ہیں۔ عطیہ بن عازب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ ہیں۔ ان کا شمار شامیوں میں کیا جاتا ہے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ ان سے ایک جماعت نے احادیث کی روایت کی ہے۔

تشریح: ''عبداللّٰہ بن ابی قیس'' یہ تابعی ہیں۔

''بکم کان رسول اللّٰہ ﷺ یوتر؟'' اس سوال کے منشا میں دو احتمال ہیں:

① کتنی رکعات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر بناتے تھے۔

② وتر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی رکعات پڑھتے تھے۔

''کان یوتر باربع'' یہ چار رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھتے تھے یا دو سلاموں کے ساتھ، دونوں احتمال ہیں۔

''وثلاث'' یعنی ایک سلام کے ساتھ ~~علیہ السلام~~ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس طرح سات رکعات بن جاتی ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''وست'' یہ چھ رکعات دو سلاموں کے ساتھ پڑھتے تھے یا تین کے ساتھ، دونوں احتمال ہیں۔
''وثلاث'' اس طرح نو رکعات بن جائیں گی۔
''وثمان وثلاث'' اس طرح گیارہ رکعات بن جائیں گی۔
''وعشر وثلاث'' اس طرح تیرہ رکعات بن جائیں گی۔
حضرت عائشہؓ نے ہر عدد کے بعد ''ثلاث'' کا ذکر کیا ہے اس سے صریح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ وہ تو حقیقت میں تین ہیں۔ اس کے پہلے کی نماز نماز تہجد ہے۔ اور ان تمام پر وتر کا اطلاق بطور مجاز کے ہے۔ ایک صحیح حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے جس میں آیا ہے کہ ''رات میں اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ''۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رکعات کے اس اختلاف کی بنیاد مندرجہ ذیل چیزوں پر ہے:
① وقت کی وسعت۔ ② قراءت کی طوالت۔ ③ نیند۔ ④ مرض۔ ⑤ عمر کی زیادتی۔
امام میرک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوداؤد یا منذری نے اس روایت کو ضعیف قرار نہیں دیا۔

صلوٰۃِ وتر کا پڑھنا واجب ہے

۱۲۶۵: وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْوِتْرُ حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ فَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِخَمْسٍ فَلْیَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِثَلَاثٍ فَلْیَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِوَاحِدَۃٍ فَلْیَفْعَلْ۔

(رواہ ابوداود والنسائی وابن ماجۃ)

أخرجہ أبوداؤد فی السنن ۲/۱۳۲ حدیث رقم ۱۴۲۲۔ والنسائی ۳/۲۳۸ حدیث رقم ۱۷۱۲۔ وابن ماجہ ۱/۳۷۶ حدیث رقم ۱۱۹۰۔

ترجمہ: حضرت ابوایوبؓ فرماتے ہیں کہ سرکار طیبہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وتر کی نماز پڑھنا ہر مسلمان پر حق (یعنی واجب) ہے۔ جس کا دل چاہے پانچ رکعات پڑھنا تو وہ پانچ رکعات پڑھ لے اور جو شخص تین پڑھنا پسند کرتا ہے وہ تین پڑھ لے اور جو ایک ہی رکعت پڑھنا پسندیدہ سمجھتا ہے وہ ایک ہی پڑھ لے۔ (ابن ماجہ)

تشریح: ''الوتر حق علی کل مسلم'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حق کے دو معنی آتے ہیں: ① الثبوت۔ ② الوجوب۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے دوسرا معنی لیا اور وہ وتر کے وجوب کے قائل ہیں۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے پہلا معنی لیا ہے یعنی وتر شریعت اور سنت میں ثابت ہے اور اس میں تاکید بھی پائی جا رہی ہے، ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تاکید ایک اور حدیث سے بھی معلوم ہوتی ہے جس میں آیا ہے۔ ''وتر پڑھو کہ اللہ تعالیٰ وتر (طاق یعنی ایک) ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے وجوب وتر کو اختیار کیا ہے۔ اس پر ابن المنذر رحمہ اللہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی امام بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے موافق نہیں۔ ابن المنذر رحمہ اللہ کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اجتہادی مسائل میں موافقت شرط نہیں۔
مسلک حنفیہ کی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک نماز کا اضافہ کیا ہے اس کی پابندی کرو اور وہ نماز وتر ہے''۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن ان کے جواب میں ہم یوں کہیں گے کہ اگر ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی بات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو ضعیف حدیث ایک صحیح حدیث کی تائید بہر صورت کر سکتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں ضعف ایک ایسے راوی کی وجہ سے آیا ہے جو مجتہد کے بعد کا ہے۔ اس لئے اس کا ضعف ہمارے مسلک کیلئے نقصان دہ نہیں ہو سکتا۔

''**فمن أحب ان یوتر بخمس فلیفعل**'' وتر کی پانچ رکعات پڑھنے کی صورت یہ ہے کہ پہلے دو رکعات پڑھے پھر تین رکعات۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہی طریقہ منقول ہے اور کسی امام نے ان کی مخالفت بھی نہیں کی۔ البتہ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ پانچ رکعات کے بعد ہی سلام پھیرے۔

''**ومن احب ان یوتر بثلاث**'' فقہ حنفی میں اصل یہی ہے کہ تین وتر ایک سلام کے ساتھ پڑھے جائیں۔ ان کے جواز پر تو سب علماء متفق ہیں البتہ افضل اور غیر افضل ہونے میں اختلاف ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وصل اور فصل کے درمیان تفضیل کا اختلاف تین رکعات وتر میں ہے۔ اگر تین سے زیادہ رکعات پڑھے تو اس میں قطعی طور پر فصل (الگ سے پڑھنا) افضل ہے''۔

''**فلیفعل**'' اس حدیث میں تین رکعات پڑھنے کا حکم ہے۔ یہ روایت بظاہر ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ اس روایت کے خلاف ہے جس میں یہ ذکر ہے:

''تین رکعات وتر نہ پڑھو بلکہ پانچ یا سات رکعات وتر پڑھو۔ تم وتروں کو مغرب کی نماز کے مشابہ نہ بناؤ''۔

اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کی تاویل یہ ہوگی کہ اس میں اس شخص کے عمل پر نہی تنزیہ ہے جو تہجد کی نماز چھوڑ دے اور محض تین رکعت وتر پر اکتفا کر لے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے فرمانا چاہتے ہیں کہ مغرب کی نماز کی طرح وتر صرف تین رکعات نہ پڑھو بلکہ اس کے ساتھ چار یا دو رکعات تہجد کی بھی ملاؤ۔

''**ومن أحب ان یوترا بواحدۃ فلیفعل**'' امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر کی کم از کم مقدار ایک رکعت ہے اور ایک رکعت وتر پڑھنا بھی صحیح ہے ہمارا اور جمہور کا یہی مذہب ہے جبکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک رکعت وتر پڑھنا درست نہیں اور ایک رکعت سے نماز نہ ہوگی۔ جبکہ احادیث صحیحہ سے ان کی تردید ہوتی ہے۔

امام ابن ہمام فرماتے ہیں کہ وتر کے وجوب کے ثبوت میں ہماری دلیل وہ حدیث ہے جسے امام ابوداؤد نے کچھ یوں روایت کیا ہے:

''**عن ابی المنیب عبید اللہ العتکی، عن عبداللہ بن بریدۃ عن أبیه قال قال رسول اللہ ﷺ الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منی الوتر حق فمن لم یوتو فلیس منی الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منی**''۔

امام حاکم نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ انہوں نے اور ابن معین نے ابوالمنیب کو ثقہ قرار دیا ہے۔

ابن ابی حاتم نے ابو حاتم کا قول ذکر کیا ہے کہ ابوالمنیب صالح الحدیث ہیں۔ انہوں نے امام بخاری کی اس بات کو درست نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سمجھا کہ ابوالمنیب ضعیف راوی ہیں۔

نسائی اور ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے اور ابن عدی فرماتے ہیں **لا باس به**۔ پس مذکورہ تفصیل کی روشنی میں یہ حدیث حسن ہے۔

"والوتر واجب علی کل مسلم"۔ "وتر ہر مسلمان پر واجب ہیں"۔

اگر ان احادیث کی تاویل میں یہ کہا جائے کہ امر کبھی استحباب کیلئے بھی آتا ہے اور واجب ثبوت کے معنی میں بھی آتا ہے اسی طرح حق کا معنی بھی ثبوت ہے۔ نیز ان روایات کی معارض روایات بھی موجود ہیں۔ اور ایسا قرینہ بھی موجود ہے جو امر کو استحباب اور واجب وحق کو ثبوت کے معنی میں لینے پر دلالت کر رہا ہے وہ معامعارض روایات درج ذیل ہیں:

① بخاری اور مسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر وتر پڑھ لیا کرتے تھے۔

② متفق علیہ روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن بھیجا تو ان سے فرمایا کہ یمن والوں کو بتا دینا کہ اللہ تعالیٰ نے دن رات میں ان پر پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ کو یمن بھیجنا وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ عرصہ پہلے کا واقعہ ہے۔ موطا مالک سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

③ ابن حبان نے بھی ایک روایت نقل کی ہے جس میں ہے رمضان میں ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو آٹھ رکعات نماز اور وتر پڑھائے۔ اگلے دن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لائے۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر وتر فرض نہ کر دیئے جائیں"۔

وتر کو واجب نہ کہنے والے فقہاء کے پاس ان کے علاوہ کچھ اور روایات بھی ہیں جو ضعف اور عدم دلالت تامہ سے خالی نہیں۔

واجب اور حق کو ثبوت کے معنی میں لیے جانے پر دلالت کرنے والا قرینہ ترمذی کی یہ روایت ہے:

"الوتر واجب علی کل مسلم، فمن أحب ان یوتر بخمس فلیوتر، ومن أحب ان یوتر بثلاث، فلیفعل، ومن أحب أن یوتر بواحدة فلیوتر"۔

ابن حبان اور حاکم نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔

وجہ قرینہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے وجوب کا حکم دیا پھر مختلف صورتوں کے درمیان اختیار دیا۔ اگر وتر واجب ہوتے تو ان صورتوں میں سے ہر صورت واجب ہوئی اور پانچ رکعات وتر کے واجب نہ ہونے پر سب کا اجماع ہے۔ پس واجب کو ثبوت کے معنی میں لینا پڑے گا۔

فریق مخالف کی پہلی دلیل (انواع معارضہ کا وجود) کا جواب یہ ہے کہ یہ سارے خصوصی واقعات ہیں اور عمومیت سے خالی ہیں ممکن ہے کہ یہ کسی عذر کی وجہ سے ہوں۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ فرض نماز بارش یا کیچڑ وغیرہ کے عذر سے سواری پر پڑھی جاسکتی ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ابن عمرؓ کا ذکر کردہ واقعہ وتروں کے وجوب سے پہلے کا ہو کیونکہ وتر کا وجوب پانچ نمازوں کی فرضیت کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد عمل میں آئی۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ وتروں کے وقت سواری سے اتر جاتے تھے، اس سلسلہ میں امام طحاوی نے مندرجہ ذیل روایت نقل کی ہے:

''عن حنظلة بن سفيان عن نافع عن ابن عمر أنه كان يصلي على راحلته ويوتر بالأرض''۔

پس معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا سواری پر وتر پڑھنا کسی عذر کی وجہ سے تھا یا وتروں کے وجوب سے پہلے کا تھا۔

ان کی ذکر کردہ دوسری حدیث (یعنی حضرت معاذ کی یمن روانگی) کی تاویل یہ ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ وتر حضرت معاذؓ کے سفر کے بعد واجب ہوئے ہوں۔

تیسری حدیث کی توجیہہ بھی یہی ہے کہ یہ واقعہ وجوب سے پہلے کا ہے یا پھر اس سے مراد وتر اور تہجد کی نماز کا مجموعہ ہے۔ حالانکہ اس مجموعہ کے وجوب کے تو ہم بھی قائل نہیں۔ اس کی تائید ایک اور روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

''خشيت ان يكتب عليكم صلاة الليل''

جس قرینہ کا انہوں نے ذکر کیا اس کا جواب بھی یہ ہے کہ یہ واقعہ وتروں کے بارے میں کوئی بھی حکم طے ہونے سے پہلے کا ہے۔ ممکن ہے پہلے ایسا ہی ہوتا ہو۔

مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ رات کو تیرہ رکعات نماز پڑھتے تھے جن میں سے پانچ رکعت وتر پڑھتے اور صرف ان کے آخر میں ہی بیٹھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شروع میں وتر پانچ تھے۔ حالانکہ اب اس بات پر اجماع ہے کہ ہر دو رکعات کو پورا کر کے بیٹھا جائے گا۔

اسی طرح دارقطنی کی ایک روایت میں آتا ہے۔ کہ ''تین رکعات وتر نہ پڑھو بلکہ پانچ یا سات رکعات پڑھو''۔

اسے لغوی معنی پر محمول کرنا کسی طرح درست نہیں کیونکہ اس میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو وجوب کے مقتضا کی بھرپور تائید کر رہے ہیں، خاص طور پر آپ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک: ''فمن لم يوتر فليس منى''

اسے تین مرتبہ لا کر اور زیادہ مؤکد کیا گیا ہے۔

امام طحاویؒ نے مختلف اسانید کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے:

''عن ابى ايوب عن النبى ﷺ قال الوتر حق فمن شاء اوتر بخمس ومن شاء اوتر بثلاث ومن شاء اوتر بواحدة''

اس کے بعد امام طحاویؒ فرماتے ہیں:

''اگر اس کے خلاف پر اجماع ہوتا ہے تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ جو شخص وتر پڑھنا چاہے تو اس کو ان تین صورتوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔ (حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں) پس معلوم ہوا کہ اس حدیث کے منسوخ ہونے پر اجماع ہے''۔

''رواه ابو داؤد، والنسائي، وابن ماجة'' امام نووی رحمہ اللہ نے اس کو اسناد کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام حاکم نے اسے بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوداؤد کی ~~سند صحیح~~ ہے ابن حبان اور حاکم نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن القطان نے اس کو مرفوع قرار دیا ہے۔
میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی صحت کے اختلاف کی بناء پر ایک رکعت وتر پر اس سے استدلال کرنا ٹھیک نہیں۔
اس حدیث سے متعلق بحث پیچھے گذر گئی ہے اور یہ بات بھی گزری کہ ابن صلاح نے اس حدیث کو محفوظ قرار نہیں دیا۔

صلوٰۃِ وتر کی فضیلت

۱۲۶۶: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ فَاَوْتِرُوْا يَآاَهْلَ الْقُرْاٰنِ ۔ (رواه الترمذي وابوداود والنسائي)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲۱٤/۱۱ حديث رقم ٦٤١٠۔ ومسلم ۲۰٦۲/٤ حديث رقم۲٦۸۸/٥۔ وأبو داوٗد في السنن ۱۲۷/۲ حديث رقم۱٤۱٦۔ والترمذي ۳۱٦/۲ حديث رقم ٤٥۳۔ والنسائي ۲۲۸/۳ حديث رقم ۱٦۷٥۔ وابن ماجه ۳۷۰/۱ حديث رقم ۱۱٦۹۔ والدارمي ٤٤۸/۱ حديث رقم ۱٥۸۰۔ وأحمد في المسند ۱۰۰/۱۔

ترجمہ: امیر المؤمنین حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ وتر ہے (یعنی اکیلا اور طاق ہے) اور وتر کو پسند کرتا ہے لہٰذا تم وتر پڑھو اے اہل قرآن! (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: ''ان اللّٰه وتر'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وتر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے۔ اور اپنی صفات میں بھی یکتا ہے اس کے مشابہ کوئی نہیں نہ اس کے مثل کوئی ہے۔ وہ اپنے افعال میں تنہا ہے اس کا کوئی شریک ہے نہ مددگار۔

''یحب الوتر'' یعنی وتروں پر ثواب دیتا ہے اور انہیں قبول کرتا ہے۔

قاضی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس چیز کی ادنیٰ مناسبت بھی ہو وہ حضور ﷺ کو اس چیز سے زیادہ پسند ہوتی تھی جس کی بالکل مناسبت نہ ہو۔

ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ اشارتاً یہ فرمانا چاہتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی اس عبادت کو پسند کرتا ہے جو اللہ کے ہر غیر سے الگ تھلگ اور مستغنی ہو کر کی جائے۔

''فأوتروا'' علامہ طیبی رحمہ اللہ نے اس کا معنی بیان کیا ''پس تم وتر پڑھو''۔

ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فاء شرط مقدر کو بتا رہی ہے گو کہ یہ فرمایا ''اذا اهتديتم الى أن اللّٰه يحب الوتر فأوتروا''۔ امر کا مقتضا وجوب ہے اس لئے اس سے وتروں کا واجب ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔

''یا أهل القرآن'' یعنی اے اہل ایمان! کیونکہ وہ شخص اہل قرآن میں سے ہے جو اس پر ایمان لے آیا خواہ قرآن پڑھے یا نہ پڑھے۔ البتہ سب سے کامل اہل قرآن وہ ہے جو قرآن پڑھے یا حفظ کرے اس کے احکامات کو حاصل کرے اور پر عمل بھی کرے۔

تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل قرآن کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے محبوب چیزوں کو قربان کرنے کی کوشش

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے رہتے ہیں۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مقام قرآنیہ میں اہل قرآن کی تخصیص شاید اس وجہ سے ہے کہ قرآن صرف توحید کے ثبوت کیلئے نازل ہوا ہے۔

''رواہ الترمذی وابو داؤد والنسائی'' علامہ میرکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام ابن ماجہؒ نے بھی نقل کیا ہے۔

نمازِ وتر دنیا کے ہر چیز سے بہتر ہے

۱۲۶۷:وَعَنْ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَمَدَّكُمْ بِصَلَاةٍ هِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ اَلْوِتْرُ جَعَلَهُ اللّٰهُ لَكُمْ فِيْمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ اِلٰى اَنْ يَّطْلَعَ الْفَجْرُ۔

(رواہ الترمذی وابو داود)

أخرجه أبوداؤد ۲/۱۲۸ حديث رقم ۱۴۱۸۔ والترمذي في السنن ۲/۳۱۴ حديث رقم ۴۵۲۔ وابن ماجه ۱/۳۶۹ حديث رقم ۱۱۶۸۔ والدارمي ۱/۴۴۶ حديث رقم۱۵۷۶۔

ترجمہ:حضرت خارجہ بن حذافہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی نماز کے ساتھ تمہاری امداد فرمائی ہے(یعنی صلوٰۃ خمسہ کے علاوہ ایسی نماز کا تمہارے لیے اضافہ کیا ہے) جو کہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے اور وہ وتر کی نماز ہے اور مقرر کی گئی ہے یہ نماز تمہارے لیے عشاء کی نماز کے بعد سے فجر کے طلوع ہونے تک۔(ترمذیؒ،ابوداؤدؒ)

راویٔ حدیث:

خارجۃ بن حذافۃؓ۔یہ ''حذافہ قریشی عدوی'' کے بیٹے ہیں۔یہ قریش کے ماہر سواروں میں سے ایک شہسوار ہیں ان کے متعلق یہ مشہور ہے کہ یہ ایک ہزار (۱۰۰۰) سواروں کے برابر ہیں۔ان کا شمار ''مصریوں'' میں کیا جاتا ہے یہی وہ شخص ہیں جن کو خارجی شخص نے یہ سمجھ کر کہ ''عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ'' ہیں قتل کر دیا تھا اور یہ خارجی ان تین شخص میں کا ایک شخص ہے جنہوں نے حضرت علی اور حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے قتل پر اتفاق کیا تھا اور ان سے ہر ایک ان تینوں اصحاب میں سے ہر ایک کے قتل کی کوشش میں تھا۔اللہ کا فیصلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں پورا ہوا اور باقی دونوں اصحاب بچ گئے اور خارجہ کا قتل ۴۰ھ میں پورا ہوا۔ابن حجر کے نسخہ میں حذافہ بن خارجہ ہے یہ قلم کا سہو ہے۔

تشریح:''وعن خارجة من حذافة'' حذافۃ حاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ کے ایک نسخہ میں حذافہ بن خارجۃ ہے جو کہ ایک قلمی غلطی ہے۔

''ان اللہ أمدكم'' اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک نماز کا اضافہ کیا ہے۔

ایک نسخہ میں أمر کم ہے جس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔

''هي خير لكم من حمر النعم'' الحمر (بضم الحاء وسكون الميم) احمر کی جمع ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

النعم کا معنی ہے اونٹ۔ یہ عبارت اضافت صفت الی الموصوف کی قبیل سے ہے۔ عربوں کے نزدیک سب سے بہترین مال اونٹ ہیں اس لئے ترغیب میں اونٹوں کا ذکر کیا گیا۔ یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ یہ نماز دنیا کی ہر خیر سے بہتر ہے کیونکہ یہ آخرت کا ذخیرہ ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

''الوتر'' اس کی ترکیبی کیفیت میں تین احتمال ہیں:

① جر، اس صورت میں یہ صلاۃ سے بدل ہے۔

② رفع۔ اس صورت میں یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای ھی الوتر۔

③ نصب، أعنی مقدر ہوگا۔

ایسی ترکیب میں جر زیادہ صحیح ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: ''الحمد للّٰہ رب العالمین'' (الفاتحۃ۔۱)

اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے: ''بنی الاسلام علی خمس شھادۃ ان لا الہ الا اللّٰہ''۔

''فیما بین صلاۃ العشاء الی ان یطلع الفجر'' ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ وتروں کو عشاء کے فرضوں سے پہلے پڑھنا جائز نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''فی وقت العشاء'' کے الفاظ نہیں فرمائے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ وتروں کو عشاء کے فرضوں پر مقدم کرنا جائز ہے۔ نیز یہ کہ ان کو ''زیادۃ'' کہا گیا ہے اور زیادۃ مزید فیہ کے کمال کے بعد ہوتی ہے۔

''رواہ الترمذی وابوداؤد'' اس روایت کو ابن ماجہؒ نے بھی نقل کیا ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے یزید بن ابی حبیب کے علاوہ کسی سے منقول نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا سماع معروف نہیں۔

ابو تمیم الجیشانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمرو بن عاصؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے ایک صحابی نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ان اللّٰہ عزوجل زادکم صلاۃ فصلوھا فیما بین العشاء والصبح الوتر الوتر''

اس روایت کو امام احمد اور طبرانی نے نقل کیا ہے اور امام احمد کی ایک روایت کے سب راوی صحیح ہیں۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام حاکم اور ابن السکنؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام نوویؒ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

اگر ابن السکن کی اس بات کو مان بھی لیا جائے پھر بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ابن منذر نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ وتر کا وقت یہی ہے جو حدیث میں ذکر کیا گیا۔

بہرصورت یہ حدیث کم از کم حسن کے درجہ میں تو ہوگی اور صاحبِ ہدایہ نے وتر کے وجوب پر اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ حاکم نے اسے روایت کیا اور صحیح قرار دیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ترمذیؒ کا اس حدیث کو غریب قرار دینا صحت کے منافی نہیں جیسا کہ معلوم ہو چکا اسی وجہ سے وہ اپنی کتاب میں بارہا فرماتے ہیں حسن صحیح غریب۔

امام بخاری کا اس حدیث کو معلول قرار دینا اس بنیاد پر ہے کہ امام بخاری کے نزدیک لقاء کا علم ضروری ہے جبکہ صحیح قول یہ ہے کہ صحت حدیث کیلئے امکان لقاء کافی ہے۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں یہ بات طے ہوگئی کہ یہ حدیث صحت کے اعلیٰ معیار پر ہے۔ اگر اسے تسلیم نہ کیا جائے تو کم از کم یہ حدیث اپنے کثرت طرق کی وجہ سے حسن کے درجہ کو پہنچ جائے گی۔

قضا وتر کا حکم

۱۲۶۸: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِهٖ فَلْيُصَلِّ اِذَا اَصْبَحَ۔

(رواه الترمذی مرسلا)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۲/۱۳۷ حدیث رقم ۱۴۳۱۔ والترمذی فی السنن ۲/۳۳۰ حدیث رقم ۴۶۶۔

ترجمہ: حضرت زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص وتر پڑھے بغیر سو جائے تو چاہیے کہ وہ ان کو جب صبح ہو جائے تو پڑھ لے۔ (ترمذی، مرسل روایت)

تشریح: "زید بن أسلم" مشہور تابعی ہیں۔ ایک قول کے مطابق ان کے والد صحابی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

"فلیصل اذا أصبح" یعنی جب صبح ہو تو بطور قضاء کے انہیں پڑھ لے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر یہ شخص صاحب ترتیب ہو تو اسے چاہیے کہ صبح کی نماز سے پہلے وتر پڑھے (اگر نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو) اس حدیث سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔

ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ صبح کی نماز کے بعد جب اسے موقع ملے وتروں کی قضاء کر لے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی راجح مذہب ہے۔

امام مالک اور امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ وتر کی قضاء نہیں کرے گا۔

"رواه الترمذی مرسلاً" امام میرکؒ نے تصحیح کے حوالہ سے فرمایا ہے کہ طبرانی میں اغر مدنی کی حدیث اسناد جید کے ساتھ اس کا شاہد ہے۔

البتہ واضح رہے کہ مرسل حدیث جمہور کے نزدیک حجت ہے اور جب اس کا شاہد ہو تو امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسے حجت مانتے ہیں۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی جہالت کی بنا پر کہا ہے کہ "ان هذا المرسل مقولاً انه الحجة وحده"۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلوٰۃ وتر میں خاص سورتیں پڑھنا

۱۲۶۹: وَعَنْ عَبْدِالْعَزِيْزِ بْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَأَلْنَا عَائِشَةَ بِاَيِّ شَيْءٍ كَانَ يُوْتِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْاُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يٰاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۲/۱۳۲ حديث رقم ۱۴۲۳۔ والترمذی ۲/۳۲۶ حديث رقم ۴۶۳۔ وابن ماجه ۱/۳۷۱ حديث رقم ۱۱۷۳۔

ترجمہ: حضرت عبدالعزیز بن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ وتر میں کون کون سی سورتیں تلاوت فرماتے تھے؟ تو امّ المؤمنین رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلی پڑھا کرتے تھے، اوردوسری رکعت میں قل یا ایها الکافرون اور تیسری رکعت میں قل هو الله احد ومعوذتین پڑھا کرتے تھے۔ اس کو امام ترمذی اور امام ابوداوٗد نے روایت کیا ہے۔

راویٔ حدیث:

عبدالعزیز بن جریج رحمہ اللہ۔ یہ عبدالعزیز بن جریج مکی مشہور تابعی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ فقیہ عبدالملک ان کے بیٹے ہیں اور خصیف ان سے روایت کرتے ہیں۔

''جریج'' جیم کے ضمہ، راء مہملہ کے فتحہ، اور یائے تحتیہ کے سکون کے ساتھ ہے۔

تشریح: ''وعن عبدالعزیز ''مشہور تابعی ہیں۔

''بأی شیٔ کان یوتر رسول الله ﷺ ''ابن حجر رحمہ اللہ نے اس جملہ کی یہ توجیہ کی ہے:

''بای شیء من القرآن یقرأ فی وتره''

جبکہ اس کی بہتر تعبیر یہ ہے۔

''بای شیء من السور یقرأفی وتره''

''وفی الثالثة بقل هو الله احد ''اس جملہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ تینوں رکعات ایک سلام کے ساتھ ہوتی تھیں۔ ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ''فی رکعته'' کا لفظ استعمال فرماتی۔

''رواه الترمذی ''امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔

۱۲۷۰: وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبْزٰى۔

ترجمہ: اور اس روایت کو امام نسائی نے عبدالرحمٰن بن ابزی سے نقل کیا ہے۔

''عن عبدالرحمن بن أبزی ''بفتح الهمزة وسکون الموحدة بعد هاذ زای مقصور۔

قبیلہ خزاعہ سے تعلق رکھنے والے ایک نوعمر صحابی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے خراسان کے گورنر تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مؤلف فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کا زمانہ پایا ہے اور آپ ﷺ کے پیچھے نماز بھی پڑھی ہے۔ ان سے ان کے بیٹوں نے روایت لی ہے۔

۱۲۷۱: وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ ۔

ترجمہ: امام احمد نے ابی بن کعب سے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

۱۲۷۲: وَالدَّارِمِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلَمْ يَذْكُرُوْا وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ۔

ترجمہ: اور امام داری نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے مگر امام دارمی نے اپنی روایت میں لفظ معوذتین ذکر نہیں کیا (یعنی انہوں نے صرف یہ نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ وتر کی تیسری رکعت میں سورہ اخلاص کی قراءت فرماتے تھے"۔

امام احمد اور داری نے معوذتین کا ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے لیکن المعوذتین کا ذکر نہیں کیا۔ حضرت ابی کی حدیث کا اعتماد حضرت عائشہؓ کی حدیث سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ عبدالعزیز بن جریج کو تقریب میں "فیه لین" قرار دیا گیا۔

علامہ عجلیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبدالعزیز بن جریج کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں۔ خصیف کا صراحت کے ساتھ ان کے سماع کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت کرنا ان کی خطا ہے۔ اس روایت کے ضعف کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کا جو عمل انہوں نے نقل کیا ہے۔ یہ عمومی عمل کے خلاف ہے کیونکہ اس میں آخری رکعت پہلی دو رکعات سے زیادہ لمبی ہو جائے گی۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ وتر کی تیسری رکعت میں ہمارے اصحاب سے صرف سورۂ اخلاص ہی منقول ہے۔ اگرچہ حدیث کے بعض طرق میں سورۂ اخلاص اور معوذتین کا ذکر آیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سند میں اس مسئلہ کی حدیث کچھ ان الفاظ میں آئی ہے:

"عن حماد عن ابراهيم عن الاسود عن عائشه قالت كان رسول اللهﷺ يوتر بثلاث يقرأ في الاولى سبح اسم ربك الاعلى وفي الثانية قل يا أيها الكافرون وفي الثالثة قل هو الله احدٌ"

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ وتر تین رکعات ہیں۔

ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام حاکم نے شیخین کی شرط پر حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے تھے اور ان کے آخر میں ہی سلام پھیرتے تھے۔

امام نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ وتر کی رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔

امام حاکم نے نقل کیا ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ سے یوں کہا گیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے۔ حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے زیادہ فقیہ تھے اور وہ دوسری رکعت میں تکبیر کے بعد اٹھ جاتے تھے امام طحاوی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ابوخالد بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوالعالیہ سے وتروں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ ہمیں سکھایا کرتے تھے کہ وتر مغرب کی طرح ہیں۔ یہ رات کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وتر ہیں اور وہ دن کے وتر ہیں۔

ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے رات کے وتر دن کے وتروں کی طرح تین رکعات منقول ہیں۔محدثین نے اس حدیث کے مرفوع ہونے کوضعیف قرار دیا ہے کیونکہ "اعمش عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم" تک صرف یحیٰ ابن أبي الحواجب نے مرفوع کیا اور اسے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے:

"حدثنا ابو العوام محمد عبد الجبار المرادی حدثنا خالد بن نزار الأیلی حدثنا عبدالرحمٰن بن ابی زیادة عن أبیه عن الفقهاء السبعة سعید بن المسیب وعروة بن الزبیر، والقاسم بن محمد وأبی بکر بن عبدالرحمٰن وخارجة بن زید وعبید الله بن عبدالله وسلیمان بن یسار فی مشییخه سواهم اهل فقه وصلاح"

امام طحاوی ؒ ان تمام اکابر علماء وفقہاء کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فکان مما وعیت عنهم أن الوتر ثلاث لا یسلم الا فی آخرهن"

"ان سب حضرات کے بارے میں ہمیں یہی معلوم ہے کہ وتر تین ہیں اور صرف آخر میں سلام پھیرا جائے گا۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں امام نووی کا یہ قول حیرت سے خالی نہیں کہ ایک رکعت وتر جمہور کا مذہب ہے۔

دُعاوتر

۱۲۷۳: وَعَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَلِمَاتٍ اَقُوْلُهُنَّ فِيْ قُنُوْتِ الْوِتْرِ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّمَا قَضَيْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَايُقْضٰى عَلَيْكَ اِنَّهٗ لَايَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ۔

(رواه الترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجة والدارمی)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۲/۱۳۷ حدیث رقم ۱٤۳۰۔ والنسائی ۳/۲۵۰ حدیث رقم ۱۷۵۱۔

ترجمہ: حضرت حسن بن علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کچھ کلمات سکھائے تاکہ میں ان کو قنوتِ وتر میں پڑھوں۔

"اے اللہ! مجھے ہدایت دے اُن لوگوں کے ساتھ جن کو تو نے ہدایت دی (یعنی انبیاء کرام) اور مجھے عافیت دے ان لوگوں کے ساتھ جن کو تو نے عافیت دی اور مجھ سے محبت کر ان لوگوں کے ساتھ جو تیرے محبوب ہیں، اور مجھے برکت عطا کر اس مال میں جو کہ تو نے مجھے عطا کیا ہے، اور مجھے ان برائیوں سے بچا جن کا تو نے فیصلہ کیا ہے، بے شک تو جو چاہتا ہے حکم اور فیصلہ کرتا ہے اور تجھ پر حکم اور فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ بے شک ذلیل نہیں ہو سکتا وہ شخص جس سے تو محبت رکھتا ہو بابرکت ہے تو اے ہمارے رب! اور تیری ذات بلند وبالا ہے"۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی، ابوداؤد)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راویٔ حدیث:

حسن بن علی رضی اللہ عنہ۔ یہ حضرت حسن، علی بن ابی طالب کے صاحبزادے ہیں۔ ان کی کنیت ''ابو محمد'' ہے۔ رمضان المبارک کی پندرھویں تاریخ کو ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ قول ان تمام اقوال میں سے جو حضرت حسن کی ولادت کے بارے میں لکھے گئے ہیں۔ زیادہ صحیح ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں اور آپ کے روحانی پھول ہیں۔ جنت کے تمام جوانوں کے سردار ہیں۔ ان کی وفات ۵۰ھ میں واقع ہوئی۔ بعض نے ۵۸ھ اور بعض نے ۴۹ھ کہا ہے اور بعض نے ۴۴ھ بھی کہا ہے۔ جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔ ان سے ان کے بیٹے حسن بن حسن اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور بڑی جماعت نے روایت کیا ہے اور جب کہ ان کے والد بزرگوار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں شہید کیا گیا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر چالیس ہزار (۴۰۰۰) افراد نے بیعت علی الموت کی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ کے سپرد خلافت کا کام پندرھویں جمادی الاولیٰ ۴۱ھ میں کیا۔

تشریح: ''علمنی رسول اللہ ﷺ کلمات'' کلمات سے مراد مفید جملے ہیں۔

''أقولهن'' یعنی میں ان کے ذریعہ دعا کروں۔ ''في قنوت الوتر'' ایک روایت میں ''في الوتر'' ہے۔

ظاہری طور پر اس حدیث کا اطلاق پورے سال پر ہو رہا ہے جیسا کہ ہمارا مذہب ہے جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وتر میں قنوت پڑھنے کو رمضان کے آخری پندرہ دن کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔

''اللهم اهدني'' اس جملہ کے دو معنی ہیں:

① اے اللہ! مجھے ہدایت پر ثابت قدم فرما۔

② اے اللہ! مجھے زیادہ سے زیادہ ہدایت کے اسباب عطا فرما جس کی وجہ سے مجھے کمال کے اعلیٰ مراتب حاصل ہو جائیں۔

''فيمن هديت'' اس جملہ کے مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں:

① مجھے ان انبیاء و اولیاء کے زمرے میں داخل فرما جنہیں تو نے ہدایت سے نوازا۔ جیسا کہ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تھا ''اے اللہ! مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما''۔

② ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے ''اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں داخل فرما جنہیں تو نے صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرمائی ہے''۔

③ بعض علماء کا کہنا کہ اس جملہ میں اور اس کے بعد والے جملوں میں في، مع کے معنی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''فاولئك مع الذين أنعم الله عليهم'' (النساء۔۶۹) ''یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا''۔

''وعافني فيمن عافيت'' یعنی مجھے بری عادات، اخلاق اور خواہشات کے چنگل سے آزادی نصیب فرما۔

ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''مجھے عافیت عطا فرما جو مجھے برائی سے دور کر دے''۔

''وتولني فيمن توليت'' یعنی میرے معاملات کا نگہبان بن جا اور مجھے ان لوگوں کے زمرے میں داخل کر دے جنہیں تو نے اپنا قرب عطا کر کے فضیلت بخشی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن ملک نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ مجھے ان لوگوں کے زمرے میں داخل کردے جن سے تو محبت کرتا ہے۔ اوران کے امور کی نگہبانی کرتا ہے۔

علامہ مظہرؒ نے تولی کا معنی بیان کیا ''کسی سے محبت کرنا، اس کی حفاظت کرنا اور اس کے معاملات کی نگہبانی کرنا''۔

''وبارك لي فيما أعطيت'' یعنی جو عمر، مال، علوم اور اعمال تو نے مجھے عطا فرمائے ہیں ان میں برکت اور خیر کثیر عطا فرما۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اس جملہ میں ''فی'' پچھلے جملہ کی طرح نہیں ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ دارین کی نعمتوں میں جو تو نے مجھے عطا فرمائی ہیں اس میں برکت عطا فرما''۔ اور ''فیمن ھدیث'' کا معنی یہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء میں سے جن لوگوں کو تو نے ہدایت عطا کی ہے مجھے بھی ان میں شامل فرما اور ہدایت کا کثیر حصہ مجھے عطا فرما۔

''وقني شر ما قضيت'' یعنی تجھ سے دوستی رکھنے حقیقتاً یا صورتاً ذلیل نہیں ہوسکتا۔ بعض روایات میں ''لا یعز من عادیت'' کے الفاظ بھی موجود ہیں۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے:

''تیرے بندوں میں تجھ سے تعلق اور دوستی رکھنے والا آخرت یا دنیا و آخرت دونوں میں ذلیل نہیں ہوسکتا خواہ اس پر کتنی ہی آزمائشیں آئیں اور اس پر ایک شخص مسلط ہو جو اسے ذلیل کرنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء کے نزدیک عزت و رفعت کی انتہا یہی ہے اور اصل اعتبار تو انہی کا ہے اسی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام پر بڑے مشکل اور بڑے امتحانات آئے۔ جیسے حضرت زکریا علیہ السلام کو آرے سے چیرا گیا اور ان کے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ذبح کر دیا گیا''۔

طبرانی نے مختلف طرق سے ولا یعز من عادیت کا اضافہ نقل کیا ہے یعنی دنیا و آخرت میں وہ شخص عزت نہیں پا سکتا جو اللہ تعالیٰ سے دشمنی رکھے خواہ اسے دنیا کی نعمتیں اور بادشاہت عطا کی گئی ہو کیونکہ وہ اللہ کے اوامر پر عمل نہیں کرتا تھا اور اس کی منع کردہ باتوں سے نہیں بچتا تھا۔

ابن ابی عاصم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں اس کے بعد نستغفرك ونتوب اليك کا ذکر بھی موجود ہے۔

''وتعالیت'' اس جملہ کے معنی میں دو قول ہیں:

① اللہ تعالیٰ کی عظمت، قدرت اور قہر ساری کائنات پر حاوی ہے۔

② اللہ تعالیٰ ہر شے کی مشابہت سے بالاتر ہے۔

''رواہ الترمذی ابوداؤد والنسائی وابن ماجه والدارمی'' تصحیح میں ہے کہ احمد، ابن حبان، ابن ابی شیبہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اور قنوت کے باب میں ہمیں اس سے بہتر حدیث کوئی نہیں ملی۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت میں ذکر کیا ہے محمد ابن الحنفیہ فرماتے تھے کہ میرے والد فجر کی نماز میں دعا مانگا کرتے تھے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ ہی نے ابن عباسؓ کے طریق سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی قنوت میں پڑھنے کیلئے ہمیں یہ دعا سکھایا کرتے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ صبح کی نماز اور رات کے وتروں میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا کی تعلیم وتر اور صبح کے قنوت کیلئے تھی۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اس میں پر تین اختلاف ہیں، پہلا یہ کہ جب وتر میں دعاء قنوت پڑھے۔ تو رکوع سے پہلے پڑھے یا رکوع کے بعد۔ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ وتروں میں دعاء قنوت پورا سال پڑھی جائے گی یا رمضان کے آخری پندرہ دن میں۔ تیسرا اختلاف اس بارے میں ہے کہ وتر کے علاوہ کسی نماز میں دعاء قنوت پڑھی جائے گی یا نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وتروں میں دعا قنوت رکوع کے بعد پڑھی جائے گی جبکہ احناف کا مسلک یہ ہے کہ دعاء قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جائے گی۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل امام حاکم کی حسن بن علیؓ سے نقل کردہ یہ حدیث ہے:

"علمنی رسول اللہ ﷺ کلمات اقولھن فی وتری اذا رفعت رأسی ولم یبق الا السجود"

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

ہماری دلیل ابن ماجہ اور نسائی کی ذکر کردہ یہ روایت ہے، حضرت ابی بن کعبؓ راوی ہیں:

"ان رسول اللہ ﷺ کان یوتر فیقنت قبل الرکوع"۔

خطیب نے کتاب القلوب میں ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھا کرتے تھے۔

ابن جوزی نے بھی تحقیق میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔

ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تین رکعات وتر پڑھی اور رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھی۔

طبرانی نے اوسط میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ تین رکعات وتر پڑھا کرتے تھے اور رکوع سے پہلے دعا قنوت پڑھتے تھے۔

حضرت انسؓ کی جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھتے تھے۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ یہ صرف ایک مہینہ ہوا تھا۔ اس کی دلیل باب القنوت میں آجائے گی۔ صحیح بات یہ ہے کہ اکثر صحابہ کرام کا عمل فقہ حنفی کے مسلک کے مطابق تھا۔

ابن ابی شیبہؒ نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور نبی کریم ﷺ کے صحابہ وتر میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھا کرتے تھے۔

جب رکوع سے پہلے قنوت کے پڑھنے کا معاملہ راجح ہو گیا تو اب رکوع کا مابعد محل قنوت نہیں ہے۔ اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر کوئی شخص دعاء قنوت پڑھنا بھول جائے اور پھر اگر اسے اعتدال کے بعد (یعنی قومہ میں) یاد آئے تو دعا قنوت نہیں پڑھے گا اور اگر رکوع کی حالت میں یاد آیا تو اس بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ دعاء قنوت نہ پڑھے گا اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ واپس قیام میں لوٹ آئے اور دعاء قنوت پڑھے۔ فتاویٰ قاضی خان میں اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارے میں درج ذیل حکم آیا ہے:

''صحیح یہ ہے کہ نہ رکوع میں دعاء قنوت پڑھنے گا اور نہ قیام کی طرف لوٹے گا اگر وہ قیام کی طرف لوٹا اور اس نے دعاء قنوت پڑھی اور رکوع کا اعادہ نہ کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ اس کا رکوع قائم ہے۔ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ دو رکعتوں کا مسبوق اگر تیسری رکعت میں امام کے ساتھ دعاء قنوت پڑھے تو وہ دوسری مرتبہ دعاء قنوت نہیں پڑھے گا۔ اگر امام مقتدی سے آگے نکل جائے اور رکوع کر لے، اگر مقتدی قنوت سے ابھی فارغ نہیں ہوا تو پھر بھی امام کی متابعت کرے۔ اگر امام نے دعاء قنوت پڑھے بغیر رکوع کر لیا جبکہ مقتدی نے بھی دعاء قنوت نہ پڑھی تھی۔ تو اگر اسے رکوع کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو رکوع کر لے وگرنہ دعاء قنوت پڑھنے کے بعد رکوع کرے''۔

دوسرے دونوں اختلافوں کو ہم باب القنوت میں ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قنوت رمضان کے دوسرے نصف کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ سنت یہ ہے کہ جب آدھا رمضان گزر جائے تو وتر میں **سمع الله لمن حمده** کے بعد کفار پر لعنت کی جائے۔ اسی وجہ سے لوگ جب حضرت اُبی کے پاس جمع ہوتے تو وہ انہیں آدھے نصف تک دعاء قنوت نہ پڑھاتے تھے۔ اس روایت کو ابوداؤد نے بھی نقل کیا ہے۔ اس روایت کے بارے میں حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض ہے کہ جس حدیث کو انہوں نے صحیح قرار دیا ہے وہ غریب اور مردود ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ طرق متعددہ سے مروی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ متعدد طرق سے منقول ہونا صحت کو لازم نہیں کرتا۔ اگر اس کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ کفار کے غلبہ کی حالت میں قنوت پر محمول ہوگی اور یہ اس قنوت کے منافی نہیں ہے جو پورا سال پڑھا جائے۔ واللہ اعلم۔

صلوٰۃِ وتر کے بعد کی تسبیح

۱۲۷۴: وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ فِي الْوِتْرِ قَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ رواه ابوداود والنسائی وزاد ثَلَاثَ مَرَّاتٍ يُطِيْلُ فی آخرهن۔

سنن ابی داوٗد، کتاب الصلاۃ، باب فی الدعاء بعد الوتر، ح ۱۲۱۸

ترجمہ: سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر کی نماز کا سلام پھیرتے تو یہ فرماتے ''سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ'' یعنی پاک ہے بادشاہ نہایت پاک'' (ابوداؤد، نسائی) نسائی نے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تسبیح تین مرتبہ فرماتے تھے اور تیسری مرتبہ بآوازِ بلند فرماتے تھے''۔

تشریح: ''اذا سلّم فی الوتر'' ایک نسخہ میں من الوتر کے الفاظ ہیں۔

''**سبحان الملك القدوس**'' بعض حضرات نے ''**رب الملائكه والروح**'' کا اضافہ کیا ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق حدیث میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **قدوس** سے مراد وہ ذات ہے جو عیوب اور نقائص سے پاک اور منزہ ہو۔ فعول (ضمہ کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ) مبالغہ کے صیغوں میں سے ہے۔

علامہ میرک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ امام نسائی کے ہیں۔ دار قطنی اور ابن ابی شیبہؒ نے ''رب الملائكة والروح'' کا اضافہ کیا ہے۔

۱۲۷۵: وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلنَّسَآئِيْ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبْزٰى عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا سَلَّمَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ ثَلَاثًا وَّ يَرْفَعُ صَوْتَهٗ بِالثَّالِثَةِ۔

ترجمہ: نیز نسائی نے ایک روایت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے نقل کی ہے جس میں وہ یعنی عبدالرحمٰن اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیر لیتے تو تین مرتبہ "سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ" فرماتے اور تیسری مرتبہ میں آواز بلند فرماتے۔

تشریح: ''وفي رواية للنسائي عن عبدالرحمٰن بن أبزى عن أبيه'' علامہ میرک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درست عبارت یہ ہے:

''عن ابن عبدالرحمٰن بن أبزى عن أبيه''

''ويرفع صوته بالثالثة'' ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کو امام احمد، دار قطنی نے بھی نقل کیا ہے۔

علامہ مظہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر ریاء سے پاک ہو کر بلند آواز سے سامعین کی تعلیم اور انہیں غفلت کی نیند سے جگانے کیلئے بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ جہاں تک ذکر کی آواز پہنچے وہاں تک موجود ہر حیوان، شجر و حجر تک اس کی برکت پہنچ جائے اور دوسرے بھی اس خیر کی اقتداء کریں۔ نیز خشک و تر چیز جو اس کی آواز سن رہی ہے۔ اس کے حق میں گواہی دے۔

بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ ذکر کو آہستہ آواز سے کرنا مستحق ہے کیونکہ یہ ریاء سے بہت بعید ہے۔ اس بات کا تعلق نیت کے ساتھ ہے۔

صلوٰۃ وتر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بھی پڑھتے تھے

۱۲۷۶: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ اٰخِرِ وِتْرِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَآءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔

(رواه ابوداود والترمذي والنسائي وابن ماجة)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۲/ ۱۳٤ حديث رقم ۱٤۲۷۔ وابن ماجه ۱/ ۳۷۳ حديث رقم ۱۱۷۹۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وتر کی نماز کے آخر میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے ''اے اللہ! میں تیری رضا کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں تیرے غصے سے اور میں تیری معافی کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں تیرے عذاب سے، اور میں تیرے ساتھ پناہ چاہتا ہوں تجھ سے (یعنی تیری صفات غضبیہ کے ظہور سے)، میں تیری تعریف کا شمار نہیں کر سکتا تو ویسے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جیسے کہ تو نے اپنی تعریف خود کی"۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: "کان یقول فی اخر وترہ" یعنی سلام کے بعد، علامہ میرک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نسائی کی ایک روایت میں ہے:

"کان یقول اذا فرغ من صلاته وتبوأ مضجعه"۔

"اللهم انی أعوذ برضاك" رضاك سے مراد تمام صفات جمالیہ ہیں۔

"من سخطك" سخطك سے مراد صفات جلالیہ ہیں۔

"وبمعا فاتك" اس سے مراد افعال اکرام وانعام ہیں۔ "من عقوبتك" اس سے مراد افعال غضب وانتقام ہیں۔

"وأعوذبك منك" ای بذاتك من اثار صفاتك" اس میں اللہ کے مندرجہ ذیل اقوال کی طرف اشارہ ہے۔

① ﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَه﴾ [آل عمران۔ ۲۸] اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے۔

② ففروا الی اللّٰه "(الذاریات۔۵۰) اللہ کی طرف دوڑو۔

③ ﴿وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا﴾ [المزمل۔ ۸] ہر طرف سے یکسو ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

صوفیہ کی اصطلاح کے مطابق پہلے جملہ میں توحید صفات، دوسرے جملہ میں توحید افعال اور تیسرے جملہ میں توحید ذات کی طرف اشارہ ہے۔

اس بارے میں امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض روایات میں فقرۂ ثانیہ، فقرۂ اولیٰ سے مقدم ہے جو کہ زیادہ مناسب ہے۔ اگر واؤ مطلق جمع کیلئے ہو اس لیے کہ ترتیب لفظی کا تناسب معنوی میں خاص اثر رکھتی ہے۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تحقق افعال، ثبوت صفات کے بعد ہوتا ہے۔ پس ان دونوں کی حیثیت اصل اور نوع کی سی ہے اور اصل کا مقدم ہونا ہی اصل ہے ان دونوں کو توحید ذاتی پر مقدم رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں خارج میں توحید ذاتی سے مقدم ہیں۔

"لا أحصی ثناء علیك" یعنی میں تیری تعریف کی طاقت نہیں رکھتا اور میں حصر اور عدد کے اعتبار سے اس تک نہیں پہنچ سکتا۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے لا احصی سے پہلے سبحانك کا اضافہ کیا۔ حدیث میں اس کی کوئی اصل میری نگاہ سے نہیں گزری۔

"أنت کما أثنیت علی نفسك" ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اللہ کی ذات کے حق اور اس کی تعریف تک نہ پہنچنے پر استغفار کا معنی پایا جاتا ہے۔

نسائی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"لا أحصی ثناء علیك ولو حرصت، ولکن أنت کما أثنیت علی نفسك"

علامہ میرک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے "کما" میں کاف کو زائد قرار دیا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا "انت الذی أثنیت علی نفسك" بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ کما کا ما موصوفہ یا موصولہ ہے اور کاف مثل کے معنی میں ہے۔ معنی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ہوگا" تو ہی وہ ذات ہے جسے جلال واکرام کی صفات حاصل ہیں وہ علم شامل اور قدرتِ کاملہ کی مالک ہے۔ تو اپنی تعریف کے احصاء پر قادر ہے۔ یہ تعریف خواہ فعل سے ہو یا قول سے۔

"رواه ابو داؤدو والترمذی والنسائی وابن ماجة" علامہ میرکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن غریب قرار دیا ہے نیز طبرانی اور ابن ابی شیبہ نے بھی اسے نقل کیا ہے۔

ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وجوب قنوت کے اثبات کی ضرورت ہے اور یہ اثبات صیغہ امر کے ثبوت پر موقوف ہے۔ یعنی صاحبِ ہدایہ کا قول "اجعل هذا فی وترك" میرے نزدیک ثابت نہیں۔ بعض حضرات نے احادیث سے معلوم ہونے والی مواظبت کے ذریعہ وجوبِ قنوت کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ بات بھی اس کے غیر مقرونہ بالترک ہونے پر موقوف ہے لیکن مطلق مواظبت مقرونہ بھی ہوتی ہے اور غیر مقرونہ بالترک بھی۔ اور اعم کی اخص پر کوئی دلالت ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ان کلمات کا واجب لعینہٖ ہونا یا دوسرے کلمات سے اولیٰ ہونا لازم آئے گا حالانکہ احناف کے نزدیک ثابت شدہ کلمات اس روایت کے ہے جسے امام ابوداؤد نے مراسیل میں ذکر کیا ہے۔ حضرت حضرت خالد بن عمرانؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ مضر پر بددعا فرما رہے تھے۔ کہ جبرئیلؑ حاضرِ خدمت ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوتے۔ حضرت جبرئیل نے آپ کو برا بھلا کہنے والا اور لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا۔ پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: "لیس من الامر شی" پھر آپ کو قنوت کی یہ دعا سکھائی:

"اللهم ان نستعينك ونستغفرك ونؤمن بك ونخضع لك ونخلع ونترك من يكفرك اللهم اياك نعبد ولك نصلی ونسجدوا اليك نسعی ونحفدو نراجو رحمتك ونخاف عذابك ان عذابك الجد بالكفار ملحق"

علامہ سیوطی نے درمنثور میں ذکر کیا ہے کہ امام بیہقی نے اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ معاویہ بن صالح کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

حصن حسین میں یہ دعا ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے:

"اللهم انا نستعينك ونستغفرك ونثنی عليك الخير ولا نكفرك ونخلع ونترك من يفجرك اللهم اياك نعبد ولك نصلی ونسجد والك نسعی ونحفدو نخشی عذابك ونرجورحمتك ان عذابك الجد بالكفار ملحق"۔

ابن ابی شیبہ نے اسے موقوفاً ابن مسعود سے اور ابن السنی نے موقوفاً ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ بعض مشائخ سے منقول ہے کہ دعاء قنوت کے الفاظ مخصوص نہیں کیونکہ الفاظ کی تعیین کی صورت میں دل کا اخلاص ورغبت شامل حال نہ رہیں گے اور مقصود حاصل نہ ہوگا۔

دوسرے بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ یہ حکم "اللهم انا نستعينك" کے علاوہ کا ہے۔ کیونکہ صحابہ کا اس پر اتفاق ہے۔ اگر اس نے اس کے علاوہ بھی پڑھا تو جائز ہے ~~بہتر یہ ہے~~ کہ اس کے بعد قنوتِ حسن پڑھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو شخص دعاء قنوت نہ پڑھ سکتا ہو تو اسے چاہیے کہ ”ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار“ پڑھے۔

ابو اللیث فرماتے ہیں تین مرتبہ اللهم اغفر لی پڑھ لے۔

الفصل الثالث:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک رکعت وتر پڑھنا

۱۲۷۷: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قِيلَ لَهُ هَلْ لَكَ فِي أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ مُعَاوِيَةَ مَا أَوْتَرَ إِلَّا بِوَاحِدَةٍ قَالَ أَصَابَ إِنَّهُ فَقِيهٌ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ أَوْتَرَ مُعَاوِيَةُ بَعْدَ الْعِشَاءِ بِرَكْعَةٍ وَعِنْدَهُ مَوْلًى لِابْنِ عَبَّاسٍ فَأَتَى ابْنَ عَبَّاسٍ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ دَعْهُ فَإِنَّهُ قَدْ صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۰۳/۷۔ حديث رقم ۳۷۶۵۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں کیا خیال کرتے ہیں جو کہ وتر کی صرف ایک رکعت پڑھتے ہیں تو فرمایا وہ درست ہیں اس لئے کہ وہ فقیہ ہیں۔ ایک دوسری روایت میں منقول ہے کہ حضرت ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر کی نماز پڑھی اور ان کے پاس حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام تھے، پس وہ جب ابن عباسؓ کے پاس تشریف لائے تو ان کو خبر دی کہ حضرت امیر معاویہؓ وتر کی ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اُن کو چھوڑیں (یعنی ایسی بات ان کے بارے میں نہ کریں) کیونکہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسر ہوئی ہے۔ (بخاریؒ)

تشریح: ”هل لك“ یعنی کوئی جواب یا فتویٰ اس کے بارے میں آپ کے پاس ہے۔

”ما أوتر الا ابواحدة“ اس کا ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے ایک ہی رکعت پر اکتفاء کیا، جبکہ کلام میں اس کا بھی احتمال موجود ہے کہ انہوں نے اس ایک رکعت کو پہلے کی دو رکعتوں کے ساتھ ملا کر پڑھا ہو۔ دوسری صورت میں ان پر انکار یا تو اس اعتبار سے ہوگا کہ انہوں نے وتروں پر اکتفا کیا اور تہجد کی نماز نہیں پڑھی یا اس اعتبار سے کہ انہوں نے عشاء کی سنتوں کو چھوڑ دیا۔ واللہ اعلم۔

”أصاب“ یعنی انہوں نے اپنے اجتہاد کا ثواب پا لیا۔

”انه فقیه“ یعنی وہ مجتہد ہیں اور مجتہد کو اس کے اجتہاد کا ثواب ملتا ہے خواہ اس سے خطا ہی کیوں نہ ہو جائے۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی بنا پر (یعنی حضرت معاویہؓ کے مجتہد ہونے کی بنا پر) جب وہ سنتے کہ کسی فقیہ نے خلاف سنت کوئی بات کی ہے تو منبر پر چڑھ جاتے اور فرماتے ”اے مدینہ والو! تمہارے علماء کہاں ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے یا انہیں اس طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے“

”مولى لابن عباس“ علامہ میرکؒ نے شیخ کریب سے نقل کیا ہے کہ محمد بن نصر امروزیؒ نے کتاب الوتر میں اس روایت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو نقل کیا ہے۔

انہوں نے اس روایت کو علی بن عبداللہ بن عباس کے طریق سے بھی روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کو یہ عمل کرتے ہوئے دیکھا تو اپنے والد سے سوال کیا۔ پہلی روایت میں ''قیل لابن عباس'' سے یہی مراد ہے۔

''فقال دعه'' یعنی اس معاملہ کو چھوڑ دو اور انکار کر کے ان پر اعتراض نہ کرو۔

''فانه قد صحب النبی ﷺ'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس قول کا منشا یہ ہے کہ وہ صحابی رسول ہیں اس لئے وہ صرف وہی عمل کریں گے جو ثابت ہیں۔ شاید یہ عمل ان کے نزدیک ثابت شدہ ہوگا۔ اور رسول اللہ ﷺ کے سارے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی اقتداء بھی کی جائے گی ہدایت ملے گی۔ وہ سارے کے سارے عدول ہیں وہ اپنی طرف سے کوئی عمل نہیں کرتے۔ لیکن یہ حدیث اس بارے میں صریح ہے کہ حضرت معاویہؓ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے منفرد ہیں اسی وجہ سے ابن عباسؓ نے ان کا انکار فرمایا۔ اس کی تائید پہلے ذکر کردہ اجماع مسلمین سے بھی ہوتی ہے۔

وتر نہ پڑھنے والے کے بارے میں وعید نبوی ﷺ

۱۲۷۸: وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رواہ ابو داود)

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وتر حق ہیں یعنی لازم ہیں جو آدمی وتر نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں۔ وتر حق ہے جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ وتر حق ہے جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں (یعنی ایسا شخص ہمارا تابعدار نہیں)۔ (ابو داؤد)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۲/۱۲۹ حدیث رقم ۱۴۱۹۔

تشریح: ''یقول الوتر حق'' حق سے مراد واجب ہے جیسا ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

''فلیس منا'' یعنی ہمارے متبعین میں سے نہیں۔ ہم فلیس منا کو اس بات پر محمول کریں گے وہ ہمارے طریقہ اور ہماری سنت پر نہیں ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اس جملہ میں من اتصالیہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: ''المنافقون والمنافقات بعضهم من بعض'' اسی طرح نبی کریم ﷺ کا قول 'فانی لست منك ولست منی' پس فلیس منا کا معنی یہ ہوگا کہ جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہمارے رستے پر نہیں ہے۔ یعنی وتر شریعت میں ثابت ہیں اور سنت مؤکدہ ہیں اور جملوں کا تکرار اس کی حقیقت کے ثبوت کیلئے ہے۔ اس سے امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کا اثبات بھی ہوتا ہے۔ اور وجوب کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہ کے مسلک کا بھی''۔

بعض اوقات لیس منا غیر واجب کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے نبی کریم ﷺ کا قول: ''لیس منا من استنجی من الریح''

یہ لفظ فرض کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ﴾[الانعام: ۱۵۹]
اور ہم وجوب وتر کے قائل دلیل ظنی کی وجہ سے ہے۔
(رواہ ابو داوٗد) علامہ میرک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام احمد امام حاکم نے بھی اسے نقل کیا اور اسے صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ائمہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور امام حاکم کی تصحیح کو رد کیا۔

فرض کی طرح وتر کی بھی قضا واجب ہے

۱۲۷۹: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَّامَ عَنِ الْوِتْرِ اَوْ نَسِيَهٗ فَلْيُصَلِّ اِذَا ذَكَرَ وَاِذَا اسْتَيْقَظَ۔ (رواه الترمذی وابوداود وابن ماجة)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۲/۱۳۷ حدیث رقم ۱۴۳۱۔ والترمذی ۲/۳۳۰ حدیث رقم ۴٦۵وابن ماجه ۱/۳۷۵ حدیث رقم ۱۱۸۸۔

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص وتر پڑھے بغیر سو جائے یا وتر پڑھنا بھول جائے تو اس کو چاہیے کہ جب اس کو یاد آئے یا بیدار ہو جائے تو اس کو پڑھ لے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: ''او نسیه فلیصل ''یعنی قضا پڑھ لے۔قضا وجوب کی علامت ہے۔
''اذا ذکر '' یہ نسیان کی طرف راجع ہے۔''و اذا استیقظ'' یہ نوم کی طرف راجع ہے۔
واؤ ''اَو کے معنی میں ہے اور ترتیب سامع کی رائے کے پیش نظر ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا مسائل کے جواب میں محتاط انداز

۱۲۸۰: وَعَنْ مَّالِكٍ بَلَغَهٗ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ عَنِ الْوِتْرِ اَوَاجِبٌ هُوَ؟ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ قَدْ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَوْتَرَ الْمُسْلِمُوْنَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يُرَدِّدُ عَلَيْهِ وَعَبْدُاللّٰهِ يَقُوْلُ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَوْتَرَ الْمُسْلِمُوْنَ۔ (رواه فی الموطأ)

أخرجه مالك فی الموطأ ۱/۱۲۴ حدیث رقم ۱۷ من كتاب صلاة الليل۔

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کو یہ بات پہنچی کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ پوچھا کہ کیا وتر کی نماز واجب ہے؟ تو حضرتؓ نے فرمایا کہ وتر کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پڑھی ہے اور دیگر مسلمانوں نے بھی پڑھی ہے (یعنی صحابہ کرام نے)۔ وہ شخص بار بار یہ سوال دھراتا رہا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما یہی جواب ارشاد فرماتے رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وتر کی نماز پڑھی ہے اور دیگر مسلمانوں نے بھی پڑھی ہے۔ (مؤطا امام مالک)

تشریح: ''أوتر رسول اللّٰه ﷺ وأوتر المسلمون ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دلیل کے ذریعہ مجمول کے بیان پر اکتفا کیا ہے گویا کہ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وتر واجب ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت اور اہل اسلام کے اجماع کی وجہ سے۔
''فجعل الرجال یردد علیه ''یعنی آدمی نے صریح جواب کو طلب کیا اور اشارہ پر اکتفا نہ کیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"وعبد الله يقول أوتر رسول اللهﷺ وأوتر المسلمون" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے احتیاط کا پہلو اختیار کیا اور صراحت کے ساتھ جواب نہ دیا کیونکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس سلسلہ میں کوئی حکم نہ سنا تھا۔ یہ طریق زیادہ احتیاط والا ہے اور صوفیہ کا طرز عمل بھی یہی ہے کہ وہ ثابت شدہ عمل کو ہمیشگی کے ساتھ کرتے ہیں۔ وہ اس بحث میں نہیں پڑتے کہ یہ عمل فرض ہے یا مستحب، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ جس عمل کو واجب ہونے کے اعتقاد کے ساتھ کیا جائے اس کا ثواب سنیت کے اعتقاد سے زیادہ ہوتا ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے جواب کی تلخیص یہ ہے کہ میں قطعی طور پر اس کے وجوب یا عدم وجوب کا فیصلہ نہیں کرتا۔ اگر میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی مواظبت کو دیکھوں تو یہ واجب معلوم ہوتے ہیں اور اگر میں اس کے بارے میں نص کو تلاش کروں تو مجھے اس قول سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ ہم نے پہلی شق کو لیا اور ہم اس کے وجوب کے قائل ہیں اگر ہمیں اس بارے میں قطعی دلیل مل جائے تو ہم اس کے فرضیت کا قول کریں گے اور یہ کہ آپ ﷺ کا یہ طریقہ نہیں تھا کہ وہ یہ فرماتے یہ فرض یا واجب یا سنت ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ ائمہ کا اختلاف رحمت ہے۔ لیکن اصولیین کے نزدیک اصل چیز نبی کریم ﷺ کی مواظبت اور خاص طور پر اس کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی مواظبت بھی مل جائے تو یہ وجوب کی دلیل ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کیلئے وجوب وتر میں یہ دلیل ہی کافی ہے۔

ایک رکعت میں ایک سورت سے زائد بھی پڑھی جا سکتی ہیں

۱۲۸۱: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ يَقْرَأُ فِيْهِنَّ بِتِسْعِ سُوَرٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِثَلَاثِ سُوَرٍ اٰخِرُهُنَّ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٢/٣٢٣ حديث رقم ٤٦٠۔

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے، اور ان میں آپ ﷺ مفصل کی نو/۹ سورتیں اس انداز میں قراءت فرماتے تھے کہ ہر رکعت میں تین تین سورتیں تلاوت فرماتے تھے اور آخر میں پڑھی جانے والی سورت قل ھو اللہ احد ہوتی تھی۔ (ترمذی)

تشریح: "كان رسول الله ﷺ يوتر بثلاث" یعنی نبی کریم ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔

"يقرأ في كل ركعة بثلاث سور اخرهنّ قل هو الله أحد" ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں یہ احتمال بھی ہے کہ ان تینوں رکعات میں دو سورتیں پڑھتے تھے اور اختتام سورہ اخلاص پر فرماتے تھے اور یہ احتمال بھی ہے کہ صرف آخری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھتے تھے۔ پہلا معنی لینے کی صورت میں معلوم ہوتا ہے کہ ایک سورت کو دو رکعتوں میں پڑھا جا سکتا ہے۔

بظاہر پہلا معنی ہی متبادر ہے اور دوسرا معنی مستبعد معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ایک ضمیر ماننی پڑے گی جو السور التسع کی طرف لوٹے گی۔ جو کہ بہت بعید ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک واقعہ

۱۲۸۲: وَعَنْ نَّافِعٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ بِمَكَّةَ وَالسَّمَآءُ مُغِيمَةٌ فَخَشِيَ الصُّبْحَ فَاَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ انْكَشَفَ فَرَاٰى اَنَّ عَلَيْهِ لَيْلاً فَشَفَعَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَلَمَّاخَشِيَ الصُّبْحَ اَوْتَرَبِوَاحِدَةٍ۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك في الموطأ ١/١٢٥ حديث رقم ١٩ من كتاب صلاة الليل ـ

ترجمہ: حضرت نافع فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ میں تھا اور آسمان بادلوں میں چھپا ہوا تھا یعنی مطلع ابر آلود تھا، پس ابن عمر رضی اللہ عنہما کو صبح ہو جانے کا اندیشہ ہوا تو انہوں نے ایک رکعت وتر پڑھ لی۔ پھر مطلع صاف ہو گیا اور آپؓ نے دیکھا کہ کافی رات باقی ہے، پس آپؓ نے ایک رکعت اور پڑھ کے اس کو دوگانہ کر دیا پھر دو دو رکعت کر کے نوافل پڑھتے رہے یہاں تک کہ جب صبح ہونے کا اندیشہ ہوا تو وتر کی ایک رکعت پڑھ لی۔ (امام مالکؒ)

تشریح: ''والسماء مغيمه'' اس کے اعراب میں مختلف احتمال ہیں:

① بضم الميم الاولى و كسر الثانية ''نسخہ صحیحہ میں یوں ہی ہے۔
② ''مغيمة'' بكسر الياء المشددہ۔
③ مغيمه، بفتح الياء المشدده ـ
④ مغيمة ـ بضم الميم و كسرا الياء۔
⑤ مضيمة ـ بكسر الغين۔
⑥ مغماة، مشددة و مخففة۔
⑦ مغميمة كمرضية ـ

ان تمام کا معنی ایک ہی ہے۔

''فرأى أن عليه ليلاً فشفع بواحدة'' ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک رکعت ملائی تا کہ نماز دو رکعات بن جائے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اجعلوا اخر صلاتكم بالليل وتراً''
''رات میں اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ''۔

اس حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نماز سے نکلنے پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ وگرنہ وتر کا تکرار لازم آتا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

''لا وتر ان فی ليلة''۔ ''ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں''۔

جس معنی پر حدیث کو ہم نے محمول کیا ہے اس معنی سے ابن حجر رحمہ اللہ لاعلم رہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اکثر صحابہ نے اس کا انکار کیا ہے۔اور دونوں حدیثوں پر عمل کیا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ دوسری حدیث پر عمل کرتے ہوئے وتروں کا اعادہ نہ کیا جائے اور مذکورہ کیفیت پر وتروں کو توڑتا دونوں حدیثوں کے معنی سے خارج ہے پس اس کو خاص کرنے کیلئے کسی دلیل کی ضرورت ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل ہمارے نزدیک حجت نہیں کیونکہ انہوں نے اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کیا بلکہ یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے اور ان کا اجتہاد کسی دوسرے کیلئے حجت نہیں''۔

میں کہتا ہوں کہ ان کا اجتہاد ہمارے نزدیک حجت ہے۔

ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص سونے سے پہلے وتر پڑھ لے پھر رات کو اٹھ کر نماز پڑھے تو دوبارہ وتر نہ پڑھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں۔البتہ یہ شخص ایک مستحب عمل کو چھوڑنے والا ہوگا جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے ''رات میں اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ''۔اس لئے کہ پہلی نماز کو نفل بھی نہیں بنا سکتا کیونکہ ایک یا تین رکعت نفل پڑھنا ممنوع ہے''۔

فلما خشي الصبح اوتر بواحدة ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مذہب ایک رکعت وتر پڑھنے کا تھا۔لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے زیادہ فقیہ تھے اور وہ تین رکعت پڑھا کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹھ کر نماز شروع کرنا پھر کھڑے ہو جانا

۱۲۸۳: وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ جَالِسًا فَيَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ فَإِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهٖ قَدْرَ مَا يَكُوْنُ ثَلَاثِيْنَ اَوْ اَرْبَعِيْنَ اٰيَةً قَامَ وَقَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ يَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/ ٥٠٥ حديث رقم (١١٢ ـ ٧٣١)۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھتے اور بیٹھ کر ہی قراءت بھی کرتے (قراءت کی طوالت کی وجہ سے) اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کی تیس یا چالیس آیات رہ جاتیں تو کھڑے ہو جاتے اور انہیں کھڑے ہو کر پڑھتے، پھر رکوع کرتے اور پھر سجدہ کرتے اور پھر دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کرتے۔ (مسلم)

تشریح: ''ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی جالسًا'' یہ آخر عمر کی بات ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت میں ضعف آ گیا تھا۔

''**ما یکون ثلاثین او اربعین آیة**'' او شک یا تنویع کیلئے ہے۔

''**قام وقرأ وھو قائم ثم رکع ثم سجد**'' اس سے معلوم ہوا کہ قومہ نماز کا رکن نہیں ہے۔

''**ثم یفعل فی الرکعة الثانیة مثل ذلك**'' یہ صورت بالاتفاق جائز ہے بخلاف اس کے عکس کے۔اگر ایک آدمی نے کھڑے ہو کر نماز شروع کی پھر بیٹھ گیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے جبکہ صاحبین کا اس کا اختلاف ہے۔صاحب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہدایہ نے یہی ذکر کیا ہے۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ پہلی رکعت میں بیٹھے یا دوسری رکعت میں۔ جیسا کہ اس اطلاق سے معلوم ہوتا ہے۔

(رواہ مسلم) اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر نہیں۔ البتہ اتنا کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ حدیث تیسری رکعت کے بارے میں خاموش ہے۔ یا اس میں شفع کا ذکر وتر کے مقدمہ کے طور پر ہے۔ یا اس کا شفع وتر کے مابعد پر محمول ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس حدیث کو باب کے آخر میں ذکر کیا جائے۔

وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھنا مسنون ہے

۱۲۸۴: وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ بَعْدَ الْوِتْرِ رَكْعَتَيْنِ (رواه الترمذی وزاد ابن ماجة) خَفِيْفَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ.

أخرجه الترمذي في السنن ۲/۳۳۵ حديث رقم ۴۷۱۔ وابن ماجه ۱/۳۷۷ حديث رقم ۱۱۹۶۔

ترجمہ: امّ المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد بھی دو رکعات پڑھتے تھے۔ (یہ ترمذی کی روایت ہے) اور ابن ماجہ نے خفيفتين وهو جالسٌ کے الفاظ کا اضافہ نقل کیا ہے کہ دو رکعات ہلکی پڑھتے تھے اور بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

تشریح: ''عن ام سلمة ان النبی'' ایک نسخہ صحیحہ میں ''ان رسول اللّٰہ ﷺ'' کا ذکر رہا۔

وتروں کے بعد کی دو رکعات کا ایک اور طریقہ

۱۲۸۵: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ يَقْرَأُ فِيْهِمَا وَهُوَ جَالِسٌ فَإِذَا اَرَادَ اَنْ يَّرْكَعَ قَامَ فَرَكَعَ (رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجه في السنن ۱/۳۷۷ حديث رقم ۱۱۹۶۔

ترجمہ: حضرت امّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی ایک رکعت پڑھتے تھے اور پھر دو رکعتیں نوافل پڑھتے اور ان میں بیٹھے بیٹھے قراءت کرتے جب رکوع کرنے کا ارادہ ہوتا تو کھڑے ہو کر پھر رکوع کرتے۔

(ابن ماجہ)

تشریح: ''قالت کان رسول اللّٰہ ﷺ یوتر بواحدة'' ایک رکعت کو اس سے پہلے شفع کے ساتھ ملا کر پڑھتے تھے۔ یہ معنی لینے کی صورت میں تمام احادیث میں تطبیق ہو جائے گی۔

''فاذا اراد أن یرکع قام فرکع'' ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ماقبل کے منافی نہیں کیونکہ کبھی ان دو رکعات کو بغیر قیام کے بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ اور کبھی رکوع سے پہلے قیام فرما لیتے تھے۔

شاید ان احادیث کا تعلق بیان جواز کیلئے ہے یا رات کی آخری نماز وتر کو بنانے کا حکم نافذ ہونے سے پہلے کا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وتر کے بعد کی دو رکعات کا تہجد کے قائم مقام ہونا

۱۲۸۶: وَعَنْ ثَوبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ هٰذَا السَّهْرَ جُهْدٌ وَّثِقْلٌ فَإِذَا أَوْتَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ فَإِنْ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ وَإِلَّا كَانَتَا لَهُ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه أحمد فی المسند ٥/٢٦٠۔

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رات کو تہجد کیلئے بیدار ہونا انتہائی مشقت اور بوجھ والا کام ہے اس لئے جب تم میں سے کوئی شخص (نیند سے پہلے) وتر پڑھے تو اس کو چاہیئے کہ وہ دو رکعتیں نفل پڑھ لے کیونکہ اگر وہ صلوٰۃ تہجد کیلئے بیدار ہو گیا تو فبہا، اور اگر بیدار نہ ہو سکا تو یہ دو رکعتیں اس کیلئے کافی ہونگی (یعنی تہجد کا کچھ ثواب مل جائے گا)۔ (ترمذیؒ)

تشریح: ''جهد'' بضم الجيم وفتحها'' بمعنی مشقت۔

''وثقل'' بكسر المثلثة وسكون القاف وفتحها۔

حاصل یہ ہے کہ رات کی بیداری طبعی عادت کی وجہ سے نفوس بشریہ کیلئے بوجھ اور مشقت ہے۔

''فليركع ركعتين'' ابن حجر ؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اجعلوا اخر صلاتكم بالليل وترا' کے منافی نہیں۔ کیونکہ اُوتر سے مراد ارادۂ وتر ہے۔

''فليركع ركعتين'' یعنی دو رکعات پڑھے پھر وتر پڑھے۔ یا وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھے اس صورت میں یہ دو رکعتیں بیان جواز کیلئے ہوں گی۔ دوسرا قول صحیح نہیں کیونکہ امر بیان جواز کے لئے نہیں آیا کرتا۔ پس پہلی تاویل ہی متعین ہوگی۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک رکعت وتر پڑھنا ممنوع ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ وتر سے مراد تین رکعتیں ہیں اس سے پہلی کی دو رکعتیں نفل اور تہجد کے قائم مقام ہو جائیں گی۔

''فان قام من الليل والا كانتا له'' یعنی اگر وہ رات کو اٹھ گیا اور اس نے نماز پڑھ لی تو اس نے اچھا کام کیا اور نور علی نور ہوگا اور اگر وہ نیند کے غلبہ کی وجہ سے نہ اٹھ سکا تو وہ دو رکعتیں تہجد کے بارے میں کافی ہو جائیں گی۔

وتروں کے بعد دو رکعات میں حضورﷺ کی قراءت

۱۲۸۷: وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيهِمَا بَعْدَ الْوِتْرِ وَهُوَ جَالِسٌ يَقْرَأُ فِيهِمَا إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ۔ (رواه احمد)

أخرجه البخاری فی صحيحه ١١/١٩٣۔ حديث رقم ٦٣٩٣۔ ومسلم فی صحيحه ١/٤٦٦ حديث رقم (٢٩٤۔ ٦٧٥) وأبو داوٗد فی السنن ٢/١٤٢ حديث رقم ١٤٤٢۔ والنسائی فی السنن ٢/٢٠١ حديث رقم ١٠٧٤۔ وابن ماجه ١/٣٩٤ حديث رقم ١٢٤٤۔ والدارمی ١/٤٥٣ حديث رقم ١٥٩٥۔ وأحمد فی المسند ٢/٢٥٥۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ وتر کی نماز کے بعد دو رکعات بیٹھ کر پڑھتے تھے اور ان میں سورۃ زلزال اور سورۃ کافرون تلاوت کرتے تھے۔ (امام احمدؒ)

تشریح: ''أن النبی ﷺ کان یصلیھما'' یعنی شروع میں یا کبھی کبھی ایسا کرتے تھے۔ ایک نسخہ میں یصلیھا ہے اور اس سے مراد الصلاۃ المعھودۃ ہے اور وہ دو رکعتیں مراد ہیں جن کا ذکر پہلے کیا گیا۔ ان کا مقصد وتروں کے بعد نفل کا جواز بتانا ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ کے اصل میں افراد کے صیغہ کے ساتھ ہے انہوں نے تثنیہ کو ایک نسخہ قرار دیا ہے اور یہ اصول معتمدہ کے مخالف ہے۔

''بعد الوتر'' اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ وتر کے بعد سونے سے پہلے پڑھتے پھر اٹھ کر نفل نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

بابُ القنوت

قنوت کا بیان

ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قنوت کا اصل معنی طاعت ہے پھر نماز میں طویل قیام کو بھی قنوت کہا جانے لگا۔ یہاں یہی مراد ہے۔

راجح یہ ہے کہ قنوت سے مراد یہاں دعا ہے۔ دعا بھی قنوت کے معانی میں سے ایک معنی ہے۔ نہایہ میں یوں ہی ہے اور ابہری نے زین العرب سے یونہی نقل کیا ہے۔

قنوت کی دو تعریفیں ہیں: لغوی، اصلاحی۔ لغت کے اعتبار سے قنوت کے چند معنیٰ ہیں۔ طول القیام۔ طول القیام فی الصلوٰۃ' دعا' عاجزی اور انکساری۔ اور اصطلاحی معنیٰ ہے دعائے مخصوصہ، جو کہ وتر میں پڑھی جاتی ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک قنوت وتر سے مراد اللھم اھدنی فیمن ھدیت ہے۔ اور اسی کو وتر میں پڑھنا مسنون اور اولیٰ ہے۔

احناف کے نزدیک قنوت وتر اللھم انا نستعینک...... ہے، اور اس کو وتر میں پڑھنا اولیٰ اور مستحب ہے، اور صحیح سند کے ساتھ یہ قنوت طبرانی وغیرہ سے منقول ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ ترجمانِ احناف نے امام ابوداؤد کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ قبیلہ مضر کے ظلم وستم کی وجہ سے ان کے خلاف قنوت نازلہ پڑھتے تھے اور بددعا فرماتے تھے اور حضرت جبریل امین نے آکر عرض کیا کہ **یا محمد ان اللہ لم یبعثك سباباً ولا لعاناً انما بعثك رحمةً** کہ اے رحمت دو جہاں! اللہ تعالیٰ نے آپ کو بُرا بھلا کہنے والا اور لعنت کرنے والا نہیں بنا کر مبعوث کیا، بلکہ رحمت بنا کر اس دنیا میں مبعوث کیا ہے، یہ بددعا اب چھوڑ دیئے اور لیس لك من الامر شیٔ کی آیت کا بھی حوالہ پیش کیا اور اس کے بعد آپ ﷺ کو قنوت وتر یعنی اللھم انا نستعینك سکھائی، جس کو آپ ﷺ نے وتر میں پڑھنے کا معمول بنالیا۔

علامہ جلال الدین السیوطیؒ الاتقان میں رقم طراز ہیں کہ قنوت وتر یعنی اللھم انا نستعینك یہ قرآن مجید کی دو سورتیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں الحفد سورۃ الخلع ۔ بعد میں بطور قراءت کے ان کو منسوخ کر دیا، اس کو دعا بنا دیا لہٰذا اب جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ بالکل ثابت نہیں وہ غلط کہتا ہے۔ لہٰذا وتر میں اسی کو پڑھنا بہتر ہوگا لیکن اگر یہ دعائے وتر یاد نہ ہو تو پھر جو بھی یاد ہو اس کو پڑھ لے۔

اور اسی طرح علامہ سیوطیؒ نے درمنثور میں اس کو کچھ تغیر الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

الفصل الاول:

رحمتِ دو عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شفقت

۱۲۸۸: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّدْعُوَ عَلٰی اَحَدٍ اَوْ یَدْعُوَ لِاَحَدٍ قَنَتَ بَعْدَ الرُّکُوْعِ فَرُبَّمَا قَالَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِیْدَ ابْنَ الْوَلِیْدِ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَّعَیَّاشَ بْنَ اَبِیْ رَبِیْعَةَ اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْاَتَكَ عَلٰی مُضَرَ وَاجْعَلْهَا سِنِیْنَ کَسِنِیْ یُوْسُفَ یَجْهَرُ بِذٰلِكَ وَکَانَ یَقُوْلُ فِیْ بَعْضِ صَلَاتِهٖ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَّفُلَانًا لِاَحْیَاءٍ مِنَ الْعَرَبِ حَتّٰی اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ الْاٰیَةَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۴۸۹/۲۔ حديث رقم ۱۹۰۲۔ ومسلم ۴۶۸/۱ حديث رقم (۳۰۱۔ ۶۷۷)۔ وأبوداؤد في السنن ۱۴۳/۲ حديث رقم ۱۴۴۴ وأحمد في المسند ۱۶۷/۳۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی کے لئے دعا کرنے کا یا بد دعا کرنے کا ارادہ کرتے، تو رکوع کے بعد قنوت نازلہ پڑھتے اور بسا اوقات سمع الله لمن حمده ربنا لك الحمد کہنے کے بعد یہ پڑھتے اللهم انج الوليد بن الوليد وسلمة بن هشام وعياش بن ابی ربيعة اللهم اشدد وطأتك على مضر واجعلها سنين كسني يوسف. اے اللہ! ولید بن ولید، مسلمہ بن ہشام اور عیاش بن ربیعہ کو نجات عطا فرما، اے اللہ! قوم مضر پر اپنا سخت عذاب نازل فرما اور ان پر عذاب کو قحط کی شکل میں نازل فرما ایسا قحط جو قوم یوسف علیہ السلام کے قحط کی طرح شدید ہو۔ یہ دعا آپ بلند آواز میں فرماتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض نمازوں میں یہ بد دعا فرماتے تھے، اے اللہ! فلاں فلاں پر لعنت فرما۔ عرب کے (ان) قبائل کا ارادہ کرتے ہوئے (جو کہ کافر تھے) یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: ليس لك من الامر شيء۔ اس معاملہ میں آپ کی دخل اندازی نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: "وکان اذا اراد أن يدعو على أحد أو يدعو على حد قنت" اس قنوت کے بارے میں دو احتمال ہیں:

① یہ صبح کی نماز کے ساتھ خاص ہے۔ ۲۔ یہ تمام نمازوں کیلئے عام ہے، یہ قول زیادہ راجح ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کسی عمومی مصیبت (جیسے وباء، قحط یا طاعون) یا خصوصی مصیبت (جیسے کسی مجاہد یا عالم کی قید کی صورت میں) تمام فرض نمازوں کے آخر میں دعاء قنوت پڑھنا مسنون ہے۔ امام طحاویؒ کا یہ کہنا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ حضرت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علی رضی اللہ عنہ نے صفین کے مقام پر مغرب کی نماز میں دعاء قنوت پڑھی تھی۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا اس قول کی نسبت امام طحاویؒ کی طرف کرنا درست نہیں کیونکہ ہمارے علماء کے نزدیک مصیبت کے وقت دعا قنوت پڑھنا جائز ہے۔

''بعد الرکوع'' علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رکوع سے قبل قنوت کا پڑھنا بھی روایات سے ثابت ہے۔ لیکن رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھنے کی روایات زیادہ ہیں اور ان کے راوی احفظ ہیں لہٰذا انہی کا اعتبار ہوگا۔ نیز فقہاء راشدین کی صحیح روایات میں بھی یہی مذکور ہے۔

''اذا قال'' ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر ایک بڑی ناممکن بات کی ہے وہ کہتے ہیں ''ای قال ابو هريرة في رواية اذا قال النبي صلی اللہ علیہ وسلم''۔

''أنج الوليد بن الوليد'' یہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے بھائی ہیں اور جنگ بدر میں کافروں میں قیدی بنا کر لائے گئے تھے۔ جب ان کا فدیہ دے دیا گیا تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ نے فدیہ دینے سے پہلے اسلام قبول کیوں نہیں کیا تو فرمایا کہ میں اس بات کو ناپسند سمجھتا ہوں کہ کوئی یہ خیال کرے کہ میں نے دب کر اسلام قبول کیا ہے۔ قبول اسلام کے بعد مشرکین نے انہیں مکہ میں قید کر دیا پھر حضورؐ کی دعا کی برکت سے انہیں رہائی نصیب ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

''وعياش بن أبي ربيعة'' یہ ابو جہل کے ماں شریک بھائی تھے۔ شروع میں ایمان قبول کر دیا تھا جس کے نتیجے میں ابو جہل نے انہیں بیڑیوں سے باندھ دیا۔ یہ تینوں حضرات مغیرہ کی اولاد میں سے تھے اور ایک دوسرے کے چچازاد بھائی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کیلئے کفار کی قید سے نجات کی دعا فرمائی۔

''اللهم اشدد وطأتك على مضر'' وطأة (بفتح الواو وسکون الطاء) بمعنی سختی اور سزا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الوطء کا اصل معنی ہے ''پاؤں سے روندنا'' پھر اسے جہاد و قتال اور لڑائی کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔

''واجعلها سنين'' سنین، سنۃ کی جمع ہے اس کا معنی ہے قحط۔ بددعا کا معنی یہ ہوگا کہ اے اللہ! تو ان پر اپنا عذاب اس طرح نازل کر کہ ان پر سات سال یا اس سے زائد عمر تک اپنا عذاب عظیم قحط کی صورت میں بھیج۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''واجعلها'' کی ضمیر کا مرجع الوطأة ہے یا الایام ہے۔

میں کہتا ہوں کہ دوسری نمازوں میں دعاء قنوت پڑھنے کی اباحت حالات کی دشواری اور نزول مصیبت کے ساتھ خاص ہے اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے۔

اور فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کا نام لے کر دعا کرنے اور کفار و ظالموں کے حق میں بددعا کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز میں ہمیشہ دعاء قنوت پڑھنا مسنون ہے۔ دوسری نمازوں کے بارے میں تین

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقوال ہیں صحیح اور مشہور قول یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت نازل ہو تو تمام فرض نمازوں میں دعا قنوت پڑھی جائے۔

واضح رہے کہ اس حدیث سے صبح کی نماز میں دعاء قنوت کی مسنونیت معلوم نہیں ہوتی۔

''وكان يقول في بعض صلاته'' یہ الفاظ بالکل مطلق ہیں۔اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ صبح کی نماز کے بارے میں ہو یا وتروں کے بارے میں یا دوسری نمازوں کے بارے میں، یہ تینوں احتمال اس میں موجود ہیں۔رکوع سے پہلے ہے یا بعد میں دونوں احتمال ہیں۔

''الأحياء من العرب'' اُحیاء، حی کی جمع ہے بمعنی قبیلہ۔مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! انہیں اپنی رحمت سے دور کر۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر آپ (بطور اعتراض) کے کہیں کہ ''فلانا'' کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو ان کے ناموں کے ساتھ ذکر کیا تھا اور جو ''الاحياء من العرب'' کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ان کے قبیلوں کے نام سے ذکر فرمایا تھا۔دوسرے احتمال کی تائید ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ''علی أحياء بن سليم على رعل'' کے الفاظ آئے ہیں۔(آپ کے اس اعتراض کے جواب میں میں یہ کہوں گا کہ ممکن ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے خاص ناموں کو ذکر کیا ہے پھر عمومی قبائل کو ذکر فرمایا یا آپ نے ''فلانًا و فلانًا'' سے نفس قبائل مراد لے رہے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ ''لأحياء'' محذوف کے ساتھ متعلق ہے۔

درست بات یہ ہے کہ یہ یقول سے متعلق ہے خواہ عام مراد ہو خاص۔

''حتى أنزل الله تعالى ليس لك من اللأمر شيء'' یعنی لوگوں کو ہدایت دینا اور کفار کو ہلاک کرنے کا اختیار آپ کو نہیں ہے بلکہ یہ معاملہ تو صرف اللہ جل شانہ کے ہاتھ میں ہے اللہ چاہے تو اسلام کی توفیق دے کر ان کی توبہ قبول کرلے اور اگر چاہے تو انہیں کفر کی حالت میں ہی موت دے کر عذاب سے دوچار کردے۔

''أو يتوب عليهم أويعذبهم فانهم ظالمون'' اَو 'الى أن کے معنی میں ہے۔

معنی اس جملہ کا یہ ہے کہ آپ اس مصیبت پر صبر کریں یہاں تک کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرلے۔یا انہیں عذاب دے لیکن آپ کی رضا اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے موافق ہونی چاہیے۔آپ اپنے اختیار سے نہ کوئی بات کریں نہ کوئی کام۔

علامہ میرک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے ائمہ اربعہ نے بھی اس کو نقل کیا ہے اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

قنوتِ نازلہ رکوع کے بعد پڑھی جائے

۱۲۸۹: وَعَنْ عَاصِمٍ الْاَحْوَلِ قَالَ سَأَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوْتِ فِي الصَّلَاةِ كَانَ قَبْلَ الرُّكُوْعِ اَوْبَعْدَهُ قَالَ قَبْلَهُ اِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا اِنَّهُ كَانَ بَعَثَ اُنَاسًا يُّقَالُ لَهُمُ الْقُرَّآءُ اِلٰى اَحْيَاءِ الْعَرَبِ سَبْعُوْنَ رَجُلًا فَاُصِيْبُوْا فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا يَّدْعُوْا عَلَيْهِمْ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٤٩٠ حديث رقم ١٠٠٣ ـ ومسلم في صحيحه ١/٤٦٨ حديث رقم (٢٩٩ـ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

٦٧٧)۔ والنسائی فی السنن ٢/ ٢٠٠ حدیث رقم ١٠٧٠۔

ترجمہ: حضرت عاصم احولؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نماز میں پڑھی جانے والی قنوت کے بارے میں پوچھا کہ وہ رکوع سے پہلے پڑھی جائے گی یا کہ بعد میں تو انہوں نے فرمایا کہ پہلے پڑھی جاتی ہے اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد صرف ایک مہینہ قنوتِ (نازلہ) پڑھی تھی اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ صحابہ کو جو کہ قراء کہلاتے تھے جو کہ ستر آدمی تھے (تبلیغ) کیلئے بھیجا تھا تو ان کو شہید کر دیا گیا تھا پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ رکوع کے بعد قنوت پڑھ کر ان کے خلاف یعنی صحابہ کے قاتلوں کے خلاف بددعا فرمائی تھی۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "عاصم بن الأحول" مشہور تابعی ہیں۔

"سألت أنس بن مالك عن القنوت في الصلاة" اس نماز کے مصداق میں تین احتمال ہیں:

① فجر کی نماز۔ ② وتر کی نماز۔ ③ مصیبت کے وقت کی نماز۔

"قال: قبله" یعنی دعاء قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جاتی تھی۔ یہ جملہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے۔

ابن حجر کا کہنا یہ ہے کہ صبح کی نماز میں رکوع سے پہلے اور بعد میں دونوں طرح پڑھنے کے بارے میں صحیح روایات موجود ہیں البتہ رکوع کے بعد قنوت کو نقل کرنے والے راویوں کی تعداد زیادہ ہے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے کہ (ترجیح کیلئے) اکثریت کا کوئی اعتبار نہیں۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کے بعد دعا قنوت پڑھنے کا عمل منسوخ ہو چکا ہے کیونکہ آگے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان موجود ہے:

"انما قنت رسول الله ﷺ بعد الركوع شهرًا"

"یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (فجر کی نماز میں یا مطلق طور پر) صرف ایک مہینہ دعائے قنوت پڑھی ہے"۔

"يقال لهم القراء" ان لوگوں کو قراء کہنے کی دو وجہیں تھیں:

① کثرت قراءت کی وجہ سے۔ ٢۔ حفظ قرآن کی وجہ سے۔

"الی أحياء من العرب" ① ان قراء کو تعلیم القرآن اور ایمان کے احکام سکھانے کیلئے بھیجا گیا تھا۔

"سبعون رجلاً" یہ ستر آدمی اصحاب صفہ میں سے تھے۔ ان تمام حضرات کا قیام بھی صفہ میں تھا اور یہ وہاں رہ کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت آتی تو یہ اپنی بہادری کے بل بوتے پر ان کی مدد بھی کرتے تھے۔ یہ دن کو لکڑیاں چنتے تھے اور اس سے کھانا خریدتے تھے۔ یہ انتہائی غریب فقیر اور زاہد لوگ تھے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ ان حضرات کی تعداد ستر سے زائد نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوت اسلام اور تعلیم قرآن کیلئے اہل نجد کی طرف بھیجا تھا۔ جب یہ لوگ مکہ اور عسفان کے درمیان بئر معونہ نامی جگہ پہنچے تو عامر بن طفیل نے بنو سلیم کے کچھ قبیلوں کے ساتھ مل کر ان پر چڑھائی کر دی اور سب کو شہید کر دیا۔ البتہ کعب بن زید انصاری اس طرح بچ گئے کہ ان میں زندگی کے آثار باقی تھے وہ لوگ انہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے۔ پھر غزوہ خندق میں شہید ہوئے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کا جسد مبارک شہداء میں نہ ملا انہیں فرشتوں نے دفن کر دیا تھا۔ یہ واقعہ سن ۴ ہجری کا ہے۔ اس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید دکھ تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اور موقع پر اتنا غمگین ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔

''فقنت رسول اللہ ﷺ بعد الرکوع شھرًا یدعو علیھم ''یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قاتلوں کیلئے بددعا فرماتے تھے۔

ایک روایت میں ''یدعولھم'' کے الفاظ میں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ہدایت کی دعا فرماتے تھے۔ یا پھر یہ لھم بھی علیھم کے معنی میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کا منشا یہ ہے کہ اس واقع کے بعد کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز میں رکوع کے بعد دعا قنوت نہیں پڑھی۔

''متفق علیہ'' بخاری مسلم کی ایک روایت میں ''ثم ترکہ '' (پھر دعاء قنوت کو چھوڑ دیا) کے الفاظ ہیں اس کے تین معنی ہوسکتے ہیں:

① مطلق طور پر چھوڑ دیا۔ ② رکوع کے بعد قنوت کو چھوڑ دیا۔ ③ ان کے حق میں بددعا ترک دیا۔

''دعاء علیہ الصلوٰۃ والسلام علی الذین قتلوا أصحاب بئر معونۃ ثلاثین صباحا یدعو علی رعل ولحیان وعیصہ عصت اللہ ورسولہ''۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس مقام پر لحیان کا ذکر کرنے سے وہم ہوتا ہے کہ قراء پر چڑھائی کرنے والوں میں لحیان بھی شریک تھے حالانکہ ایسا نہیں ہے درحقیقت لحیان نے بعث الرجیع پر چڑھائی کی تھی اور ان دونوں واقعات کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی وقت میں دی گئی تھی اس لئے آپ نے دونوں کیلئے ایک ہی وقت میں بددعا فرمائی۔

بعث الرجیع کا سبب یہ تھا کہ عضل اور قارہ کے کچھ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کی تعلیم کیلئے کسی کو بھیجا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چھ صحابہ کرام کو بھیجا۔ اور عاصم بن ثابت کو ان کا امیر بنایا۔ جب وہ رجیع آئے تو بنولحیان نے ان پر حملہ کر کے حضرت عاصم کو شہید کر دیا۔ اور زید بن سدانہ اور حضرت خبیب کو قید کر دیا اور انہیں مکہ میں بیچ دیا۔ امام بخاری کے ترجمۃ الباب میں بھی یہی وہم ہوتا ہے کہ بعث الرجیع بئر معونہ ایک ہی ہیں۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ ان دونوں کے قریب ہونے کی وجہ سے انہیں خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ یہ دونوں واقعات ایک ہی مہینہ میں وقوع پذیر ہوئے۔

www.KitaboSunnat.com

الفصل الثانی:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ماہ تک قنوتِ نازلہ پڑھنا

۱۲۹۰: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَھْرًا مُتَتَابِعًا فِی الظُّھْرِ وَالْعَصْرِ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَصَلَاةِ الصُّبْحِ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ مِنَ الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ يَدْعُوْ عَلٰى اَحْيَاءٍ مِّنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ عَلٰى رِعْلٍ وَّذَكْوَانَ وَعُصَيَّةَ وَيُؤَمِّنُ مَنْ خَلْفَهٗ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٢/ ٤٩٠ حدیث رقم ١٠٠٣۔ ومسلم فی صحیحه ١/ ٤٦٨ حدیث رقم (٢٩٩۔ ٦٧٧)۔ والنسائی فی السنن ٢/ ٢٠٠ حدیث رقم ١٠٧٠۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مسلسل ایک مہینہ تک ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح کی نماز میں آخری رکعت میں (رکوع سے) سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد قنوت پڑھی جس میں آپ بنی سلیم کے چند قبیلوں یعنی رعل، ذکوان اور عصیہ کے لئے بددعا کرتے تھے اور آپ ﷺ کے پیچھے والے لوگ یعنی مقتدی آمین کہتے تھے۔ (ابوداؤد)

تشریح: قنت رسول اللہ ﷺ شهرًا متتابعًا" متتابعا سے مراد یہ ہے کہ ایک ماہ تک روزانہ یا اپنی نمازوں میں بلاناغہ دعائے قنوت پڑھتے تھے۔

"من الرکعة الآخرة" ایک نسخہ میں الرکعة الأخيرة" ہے۔

"علی رعل" بکسر الراء وسکون المهملة۔ یہ بنوسلیم کی ایک شاخ کا نام ہے۔

ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ فرضوں میں دعائے قنوت صرف اس وقت پڑھی جائے گی جب مسلمانوں پر قحط، دشمن یا کسی اور صورت میں مصیبت نازل ہو۔

حضور ﷺ نے قنوتِ نازلہ کتنا عرصہ پڑھی

۱۲۹۱: وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَهْرًا ثُمَّ تَرَكَهٗ۔ (رواہ ابو داود والنسائی)

أخرجه مسلم فی صحیحه ١/ ٤٦٩ حدیث رقم (٣٠٤۔ ٦٧٧)۔ وأبوداوٗد فی السنن ٢/ ١٤٣ حدیث رقم ١٤٤٥۔ والنسائی ٢/ ٢٠٣ حدیث رقم ١٠٧٩۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، کہ حضور ﷺ نے قنوتِ نازلہ ایک مہینہ پڑھی پھر ترک کر دی۔ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: "ثم ترکه" یعنی مطلق طور پر فرض میں قنوت کو چھوڑ دیا یا رکوع کے بعد قنوت کو چھوڑ دیا۔

علامہ میرک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم میں اس سے زیادہ مکمل روایت ہے اس میں ثم ترکه کے الفاظ نہیں ہیں۔

شرح السنہ میں ہے: اکثر اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ اس حدیث اور اس کے بعد والی حدیث کی بنا پر تمام نمازوں میں دعائے قنوت نہیں پڑھی جائے گی۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ دعائے قنوت پڑھی جائے گی۔ یہی امام مالک اور امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو تو تمام نمازوں میں دعائے قنوت پڑھی جائے گی۔

بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد منقول ہے کہ ہماری فجر کی نماز حضور ﷺ کی نماز کے قریب تر ہے۔ نیز حضرت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابو ہریرۃ کا معمول یہ تھا کہ وہ فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھتے تھے اور مومنین کیلئے دعا اور کافروں کے لئے بددعا فرماتے تھے۔

ابن ابی فدیک، عبداللہ بن سعید، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھاتے تو دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھتے:

''اللهم اهدني فيمن هديت، وعافني فيمن عافيت ، وتولني فيمن توليت وبارك لي فيها أعطيت وقني شر ما قضيت انك تقضي ولا يقض عليك انه لا يزل من واليت تباركت وتعاليت''۔

اس روایت اور گذشتہ روایات سے شوافع کے مسلک کی تردید ہوتی ہے کیونکہ وہ اللهم واهدنا وعا فنا "جمع کے صیغوں کے ساتھ قرار۔ وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ دعا صرف امام کی طرف سے نہیں بلکہ مقتدی بھی ساتھ شریک ہیں۔ اس لئے جمع کا صیغہ ہونا چاہیے۔ اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو امام تھے۔ فجر کی نماز منفرد تو نہ پڑھتے تھے اس کے باوجود دعائے قنوت میں واحد کے صیغے استعمال فرماتے تھے۔

ان حضرات کے ذکر کردہ دلائل کا جواب درج ذیل ہے۔

ابن ابی فدیک کی وایت جو ان کے ذکر کردہ دلائل میں بنیاد اور نص کا درجہ رکھتی ہے۔ ضعیف ہے۔ اس میں عبداللہ بن سعید مقبری ضعیف راوی ہے۔ نیز اس سے ماقبل کی روایت کو صاحب ہدایہ نے بزاز، ابن ابی شیبہ طبرانی اور طحاوی سے روایت کردہ حدیث کی بناپر منسوخ قرار دیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

''شريك القاضي عن ابي حمزة القصاب، عن ابراهيم ، عن علقمة، عن عبدالله بن مسعود قال: لم يقنت رسول الله ﷺ في الصبح الاشهرا، ثم لم يقنت قبله ولا بعده۔

اس روایت کے بارے میں شافعیہ کا کہنا یہ ہے کہ اس میں ابوحمزۃ القصاب راوی ضعیف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابوجعفر رازی کی بھی تو ایک جماعت نے تضعیف کی۔ اس طرح تو قصاب ابوجعفر کے برابر ہوگئے۔ برابری کے بعد دیکھا یہ جائے گا کہ وجہ ترجیح کس کے پاس ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ ابوحمزہ القصاب کے ظن کی تقویت اس روایت سے ہوتی ہے جس کو شبابہ نے قیس بن ربیع اور انہوں نے عاصم بن سلیمان سے نقل کیا ہے کہ ہم نے حضرت انس بن مالکؓ سے کہا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر میں دعائے قنوت پڑھتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک مہینہ اس پر عمل فرمایا جس میں آپ مشرک قبائل کیلئے بددعاء فرماتے تھے۔

اس حدیث کی سند کو صاحب تنقیح التحقیق نے صحیح قرار دیا ہے۔

قنوت کی عام نفی کے بارے میں ان سب سے زیادہ صریح روایت وہ ہے جسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''عن حماد بن ابی سلیمان، عن ابراهيم ، عن علقمة، عن عبدالله بن مسعود'' کی سند سے نقل کیا۔ اس حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر میں صرف ایک مہینہ تک مشرکین کیلئے بددعا کی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ خود بھی فجر میں دعائے قنوت نہ پڑھتے تھے، طبرانی نے غالب بن فرقد طحان سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ میں نے دو ماہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس قیام کیا۔ انہوں نے اس دوران فجر کی نماز میں دعائے قنوت نہ پڑھی۔

جب قراءت قنوت کا نسخ ثابت ہو گیا تو ابو جعفر رازی کی روایت کو غلطی پر یا طول قیام پر محمول کریں گے۔ طول قیام پر عمل کرنے کی دلیل ایک صحیح روایت میں ہے جس میں آتا ہے:

''افضل الصلاۃ طول القنوت'' ''افضل نماز لمبے قنوت (یعنی قیام) والی ہے''۔

یقینی طور پر صبح کی نماز سب نمازوں سے لمبے قیام والی ہے۔

بعض محدثین کا مسلک یہ ہے کہ اسے قنوتِ نازلہ پر محمول کیا جائے گا۔ اس کا معنی ہوگا کہ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نزول مصائب کے وقت دعائے قنوت پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قنوت کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کیلئے دعا اور کفار کیلئے بددعا فرمایا کرتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ دعائے قنوت پڑھتے تھے کیونکہ روایات سے یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے نقل کیا ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں صرف اس وقت دعائے قنوت پڑھتے تھے جب کسی قوم کیلئے دعا یا بددعا کرنے کا ارادہ ہوتا۔

اس حدیث کی سند بھی صحیح ہے۔

ابن ہمام کے کلام کا باقی حصہ ہم آئندہ ذکر کریں گے۔ ان شاء العزیز۔

حضرات خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی وتر کے علاوہ قنوت نہیں پڑھتے تھے

۱۲۹۲: وَعَنْ اَبِیْ مَالِكِ نِ الْاَشْجَعِیِّ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ یَا اَبَتِ اِنَّكَ قَدْ صَلَّیْتَ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِیْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِیٍّ هٰهُنَا بِالْكُوْفَةِ نَحْوًا مِّنْ خَمْسِ سِنِیْنَ اَكَانُوْا یَقْنُتُوْنَ قَالَ اَیْ بُنَیَّ مُحْدَثٌ۔ (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/۲۵۲ حدیث رقم ۴۰۲ والنسائی ۲/۲۰۴ حدیث رقم ۱۰۸۰۔ وابن ماجه ۱/۳۹۳ حدیث رقم ۱۲۴۱۔

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشجعیؒ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد گرامی سے دریافت کیا کہ اے ابا جی! آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ اور عثمان غنیؓ اور اسی شہر کوفہ میں پانچ سال تک حضرت علیؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے کیا یہ حضرات نمازِ فجر میں قنوت پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ بیٹے یہ قنوت بدعت ہے۔ (ترمذی)

تشریح: ''أبی مالك الأشجعی'' صاحب تقریب فرماتے ہیں کہ ان کے والد صحابی ہیں۔ ان کا نام سعد بن طارق بن اشیم ہے۔

''ھھنا بالکوفۃ'' علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں طرف راوی کے قول 'وعلی' کے ساتھ تو متعلق ہیں، لیکن اس صورت میں عطف کو انسحاب کے بجائے تعدید پر محمول کیا جائے گا۔

''نحوًا من خمس سنین'' یعنی ان سب کے ساتھ آپ کی رفاقت کا عرصہ اتنا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت یہ چار سال اور کچھ ماہ ہیں۔ظاہر یہ ہے کہ ان کی مراد حضرت علیؓ کی خلافت کا زمانہ ہے۔

''أکانوا یقنتون'' کیا وہ حضرات دعائے قنوت پڑھتے تھے،یعنی صبح کی نماز میں۔علامہ طیبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ترمذی اور جامع الاصول میں ''أکانوا'' ہمزہ کے اثبات کے ساتھ ہے اور مصابیح کے نسخوں میں اس کے سقوط کے ساتھ ہے۔

ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں ''وکانوا یقنتون فی الفجر''

''أی بنی'' بفتح الیاء وکسرھا۔

''محدث'' بفتح الدال یعنی فجر میں دعائے قنوت کا پڑھنا بدعت ہے جسے بعض تابعین نے ایجاد کیا ہے۔ان صحابی کے اس قول کی مراد میں فریق مخالف کے محدثین کے مختلف اقوال ہیں:

① اس صحابی کی نفی سے قنوت کی نفی لازم نہیں آتی، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی اقتداء میں آخری صفوں میں نماز پڑھتے ہوں اور دعائے قنوت کی آواز ان تک نہ پہنچتی ہو،البتہ یہ بات انتہائی بعید ہے۔

② یہ صبح اور وتر کے علاوہ میں قنوت کی نفی کر رہے ہے،یہ قول بھی بعد سے خالی نہیں۔

③ انہوں نے اپنے زمانے کے لوگوں سے قنوت کے کچھ ایسے الفاظ سنے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام سے نہ سنا تھا۔پس ان کلمات کا انکار کیا۔البتہ ان کے جواب کے اطلاق سے اس قول کا صحیح نہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

④ علامہ طیبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ان صحابی کی نفی سے قنوت کی نفی لازم نہیں آتی، کیونکہ یہ نفی کی شہادت دے رہے جبکہ کچھ حضرات ایسے بھی ہیں جو اثبات کی گواہی دیتے ہیں جیسے حضرت حسن ،حضرت ابو ہریرہ،حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم۔

ان میں سے بعض قول کا جواب تو گزر گیا، کچھ کا جواب آگے آئے گا۔بعض لوگوں نے تو اس جملہ کی انتہائی عجیب وغریب تاویل کی ہے کہ قنوت کا نہ پڑھنا بدعت ہے۔اس قول کی تردید صراحت کے ساتھ آگے آئے گی۔

(رواہ الترمذی) علامہ میرکؒ کے نزدیک امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ قنوت کے عدم ثبوت کی مندرجہ ذیل روایات ضعیف ہیں:

① عن ابن مسعود أنه علیہ السلام لم یقنت فی شیء من صلاته۔

② عن ابن عباس انه بدعة۔

③ عن أم سلمة انه علیه الصلاة و اسلام نهی عن القنوت فی الصبح۔

وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ''ما احفظه من احد من اصحابنا'' ان لوگوں کے معارض ہے جنہوں نے محفوظ کیا۔میں کہتا ہوں کہ اس مقام پر کم از کم یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب دونوں طرح دلائل متعارض ہو گئے تو دونوں ساقط ہو گئے۔اور اصل اور قیاس عدم قنوت ہے۔

ابن ہمام رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ قنوت ~~پڑھنا سنت~~ راتبہ جہر یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ ابو مالک سعد بن طارق اشجعی اپنے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والد سے روایت کرتے ہیں:

"میں نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے قنوت نہ پڑھی، میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے بھی قنوت نہ پڑھی، میں نے عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے بھی قنوت نہ پڑھی میں نے عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے بھی قنوت نہ پڑھی۔ میں نے علیؓ کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے بھی قنوت نہ پڑھی۔ اے میرے بیٹے! یہ بدعت ہے"۔ نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے اسے نقل کیا ہے۔

اس روایت سے حازمیؒ کے اس قول کی بھی نفی ہوتی ہے کہ قنوت پڑھنا خلفاء اربعہ کا مسلک ہے۔ اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ "جمہور کا مسلک یہی ہے۔" یہ قول بھی حافظ کے ایک قول کے معارض ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ "جمہور کا مسلک اس کے خلاف ہے"۔

میں یہ کہتا ہوں کہ جمہور سے مراد خلفاء راشدین اور ان کے بعد کے حضرات ہیں۔ ان کے بعد کون ہیں جو جمہور کہلانے کے لائق ہوں۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے کہ ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم فجر میں دعائے قنوت نہ پڑھتے تھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے بارے میں انہوں نے نقل کیا کہ جب انہوں نے صبح کی نماز میں دعا قنوت پڑھی تو لوگوں نے انہیں منع کیا۔ انہوں نے فرمایا ہم نے اپنے دشمن کے خلاف مدد طلب کی ہے۔ واضح رہے کہ جن لوگوں نے منع کیا وہ صحابہ اور تابعین ہی تھے۔ ابن ابی شیبہ نے ابن عباس، ابن مسعود، ابن عمر اور ابن ازبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں نقل کیا ہے کہ یہ حضرات فجر میں دعائے قنوت نہ پڑھتے تھے۔ فجر کی قنوت کے بارے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ میں نے یہ کبھی ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور نہ مجھے اس کے بارے میں کچھ علم ہے۔

حازمی نے سعید بن میبّب کے حوالے سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول قنوت کے بارے میں ذکر کیا۔ فرمایا کہ انہوں نے اپنے والد کے ساتھ دعائے قنوت پڑھی لیکن وہ بھول گئے پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ذکر کیا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم بوڑھے ہوگئے اور بھول گئے۔

اس مسئلہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف نسیان کی نسبت کرنا غایت بعد میں ہے۔ نسیان کا دعویٰ ان امور میں ہوسکتا ہے جن کو سنا جائے اور یاد کیا جائے۔ اور ان افعال میں جو عمر میں کبھی کبھی انجام دیئے جائیں وہ افعال جو ہر صبح انجام دیئے جاتے ہوں ان میں بھول کا تصور نہیں ہوسکتا۔

گذشتہ دلائل سے یہ بات بھی قطعی طور پر ثابت ہوچکی ہے کہ قنوت سنت راتبہ نہیں ہے کیونکہ اگر یہ سنت راتبہ ہوتی تو نبی کریم ﷺ ہر صبح بلند آواز سے اسے پڑھتے اور آپ کے مقتدی آپ کے پیچھے آمین کہتے جیسا کہ امام شافعی کا مسلک ہے یا آپ ﷺ آہستہ آواز سے پڑھتے جیسا کہ امام مالک کا مذہب ہے۔ اگر یہ صورتحال ہوتی تو کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہوتا۔ بلکہ قراءت کے جہر وسر اور تعداد رکعات کی طرح یہ بھی منقول ہوتا۔

سعید بن میبّب نے نسیان کی جو نسبت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف کی ہے اس کی بہترین توجیہہ یہ ہے کہ اس سے مراد قنوت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نازلہ ہے۔ کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مطلق طور پر قنوت کی نفی کی ہے اور سعید بن مسیب رحمۃ اللہ کا کہنا یہ تھا کہ انہوں نے اپنے والد کے ساتھ قنوت پڑھی تھی یعنی قنوت نازلہ، لیکن وہ اس کو بھول گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں منقول ہے کہ مسیلمہ سے جنگ کے وقت اور اہل کتاب سے جنگ کے وقت انہوں نے دعائے قنوت پڑھی تھی، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی دعائے قنوت پڑھی تھی۔ حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ اور حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ سے قتال کے وقت بھی قنوت نازلہ پڑھی تھی۔

الفصل الثالث:

وتر میں قنوت پڑھنے کا مسئلہ

۱۲۹۳: عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّيْ لَهُمْ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً وَّلَايَقْنُتُ بِهِمْ اِلَّا فِي النِّصْفِ الْبَاقِيْ فَاِذَا كَانَتِ الْعَشْرُ الْاَوَاخِرُ تَخَلَّفَ فَصَلّٰى فِيْ بَيْتِهٖ فَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَبَقَ اُبَيٌّ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ٢/١٣٦ حديث رقم ١٤٢٩۔

ترجمہ: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطابؓ نے لوگوں کو رمضان میں تراویح کیلئے جمع کیا اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو امام بنایا۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے ان کو بیس دن تک نماز تراویح پڑھائی اور انہوں نے لوگوں کے ساتھ قنوت (وتر میں) نہیں پڑھی، مگر رمضان کے نصف اخیر میں اور جب دس روزے باقی رہ گئے تو حضرت ابی بن کعبؓ مسجد سے رُک گئے اور اپنے گھر میں نماز تراویح پڑھی لوگ کہنے لگے کہ ابی بن کعبؓ بھاگ گئے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: ''عن الحسن'' حسن سے مراد حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

''ان عمر بن الخطاب، جمع الناس'' الناس سے مراد مرد ہیں کیونکہ عورتوں کو سلیمان بن ابی حثمہ کے پاس جمع کیا تھا۔

''لا یقنت بھم'' یعنی وتر میں انہیں دعائے قنوت نہیں پڑھاتے تھے۔ شاید کہ یہ کفار کیلئے بددعا کے ساتھ مقید ہے جیسا کہ سند صحیح یا حسن کے ساتھ گذر چکا ہے۔ کہ سنت یہ ہے کہ جب آدھا رمضان گزر جائے تو وتروں میں کفار پر لعنت کی جائے۔ نصف اخیر کو اختیار کرنے کی حکمت تفاؤل ہے کہ اس مہینہ کے زوال کی طرح کافروں کو بھی زوال ہو جائے، جیسا کہ پچھنے لگوانے کیلئے ہر مہینے کے نصف اخیر کو اختیار کیا گیا ہے تاکہ خروج مرض اور زوال عیب کیلئے تفاؤل ہو جائے۔

''یقولون أبق أبی'' علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کے اس قول کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابی کے تخلف کو بھگوڑے غلام کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول:

''اذ أبق الى الفلك المشحون'' میں حضرت یونس علیہ السلام کے اپنے رب کی اجازت کے بغیر جانے کو مجازی طور پر اباق کہا گیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض محدثین کا کہنا ہے کہ حضرت ابیؓ کا تخلف نبی کریم ﷺ کی اتباع میں تھا، آگے آئے گا کہ نبی کریم ﷺ لوگوں کو نماز پڑھا کر گھر تشریف لے جاتے تھے، لیکن ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ کا تخلف کسی ایسی علت کی بنا پر ہو جو حضرت ابیؓ میں موجود نہ ہو ۔لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اسے حضرت ابیؓ کے کسی عذر پر محمول کیا جائے۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت ابیؓ اس عشرہ میں خلوت کو ترجیح دیتے تھے۔ تاکہ کمال خلوت حاصل ہو اور جلوت سے نکل جائیں۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس متن کے کچھ اور طرق بھی ہیں جنہیں امام نووی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

خلاصہ میں مذکور ہے کہ ابن عدی نے انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ رمضان کے نصف میں دعائے قنوت پڑھتے تھے۔ الخ۔ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس میں ابو عاتکہ راوی ضعیف ہے۔ اس روایت کو بیہقی نے ضعیف قرار دیا ہے باوجود اس کے کہ اس میں اور اس سے قبل عالی روایت میں قنوت سے مراد طول قیام ہے نیز نصف اخیر کی تخصیص زیادتی اجتہاد کے ساتھ ہے۔ اس طرح یہ حدیث متنازع معنی سے خارج ہو جائے گی۔

ہماری دلیل وہ مشہور دلیل ہے جو سنن اربعہ میں حسن بن علیؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کچھ کلمات سکھائے جنہیں میں وتر میں پڑھا کرو۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے۔

۱۲۹۴: وَسُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوْتِ فَقَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَبْلَ الرُّكُوْعِ وَبَعْدَهُ۔ (رواه ابن ماجة)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۲/۱۳۶ حديث رقم ۱۴۲۹۔

ترجمہ: اور حضرت انس بن مالکؓ سے قنوت وتر کے بارے میں پوچھا گیا (کہ کیا پڑھی جائے؟) تو فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے قنوت رکوع کے بعد پڑھی ہے اور دوسری روایت میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی دعائے قنوت رکوع سے قبل اور کبھی بعد میں پڑھی ہے۔ (یہ ابن ماجہ کی روایت ہے)۔

بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ

ماہ رمضان میں قیام کا بیان

یعنی رمضان کی راتوں کے قیام اور تراویح و تلاوت قرآن وغیرہ کے ذریعہ راتیں گزارنے کی فضیلت کا بیان۔ اس باب میں شعبان کے نصف کے قیام کی فضیلت کا بیان بھی موجود ہے۔

شہر رمضان میں قیام سے مراد تراویح کی نماز کی ادائیگی ہے اور قرآن مجید سننے کیلئے بیداری مراد ہے اس باب میں زیادہ تر وہ احادیث منقول ہونگی جو کہ تراویح کے اثبات اور اس کی فضیلت اور حکم پر دلالت کرنے والی ہونگی۔ لہٰذا اس باب میں تراویح کے متعلق چند مسائل کا معلوم کرنا ضروری ہے۔

مَسْئَلَة: نمبر ۱: صلوٰۃ تراویح ہر مرد اور عورت پر سنت مؤکدہ ہے اگر نہیں پڑھیں گے تو ترکِ سنت کی وجہ سے گناہ گار ہونگے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسئلہ: نمبر۲: جس رات رمضان المبارک کا چاند نظر آئے، تراویح اسی رات سے شروع کرے، کیونکہ رمضان کا مہینہ چاند نظر آتے ہی شروع ہو جاتا ہے اور جب عید کا چاند نظر آئے تو تراویح چھوڑ دے کیونکہ اب شوال کا مہینہ شروع ہو چکا ہے۔

مسئلہ: نمبر۳: تراویح روزے کے تابع نہیں بلکہ مستقل سنت ہے اگر کوئی کسی عذر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا تو اس پر بھی تراویح لازم ہیں اگر تراویح بھی چھوڑ دیگا تو سنت کے ترک کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

مسئلہ: نمبر۴: اگر عشاء کی نماز جماعت سے نہیں پڑھ سکا تو تراویح بھی اکیلے ہی پڑھے، ہاں اگر مسجد میں آ گیا تو پھر جماعت کے تابع ہو کر جماعت کے ساتھ ہی پڑھے گا۔

مسئلہ: نمبر۵: تراویح عشاء کے تابع ہے اگر عشاء کی نماز کسی وجہ سے معلوم ہوا کہ فاسد ہوگئی ہے تو تراویح کا بھی اعادہ کرنا چاہیئے۔

مسئلہ: نمبر۶: اگر کوئی عشاء کی نماز ہو جانے کے بعد مسجد میں آیا اور تراویح کی جماعت ہو رہی تھی تو وہ پہلے عشاء کی نماز پڑھے اور پھر تراویح کی جماعت میں شریک ہو اور جو تراویح رہ جائیں ان کو وتر کے بعد پڑھ لے۔

مسئلہ: نمبر۷: ایک مرتبہ تراویح کی نماز میں قرآن مجید کو مکمل کرنا لازم ہے یعنی سنت مؤکدہ ہے اگر سستی اور کاہلی کی وجہ سے چھوڑ دے تو درست نہیں۔ ہاں! اگر جماعت کے کم ہونے کا خطرہ ہو تو پھر آخری دس سورتوں سے یا جہاں سے چاہے پڑھ لے۔

مسئلہ: نمبر۸: پورے رمضان المبارک میں ایک قرآن ختم کرنا چاہئے اس سے زائد اگر اشتیاق ہو تو ٹھیک ہے ورنہ نہیں۔

مسئلہ: نمبر۹: ایک رات میں بھی تراویح کے اندر قرآن مجید کو مکمل کرنا جائز ہے اگر لوگ شوق رکھتے ہوں اور مکمل کھڑے ہو کر سنیں اور اگر اشتیاق نہ ہو لوگوں میں سے کوئی بیٹھ جائیں، کوئی لیٹ جائیں، کوئی بھی کھڑے ہوں، جس طرح کہ مروجہ شبینہ میں ہوتا ہے ایسا مناسب نہیں ہے کیونکہ اس سے قرآن کی بے حرمتی ہوتی ہے۔

مسئلہ: نمبر۱۰: قرآن سنانے والے حافظ کو ایک مرتبہ کسی بھی سورت کے شروع میں بلند آواز سے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا ضروری ہے کیونکہ بسم اللہ قرآن مجید کی علی سبیل التعیین ایک آیت ہے، اگر بسم اللہ ایک مرتبہ بھی بلند آواز سے نہ پڑھی تو ایک آیت نامکمل ہوگی اور قرآن مجید بھی تراویح میں مکمل نہ ہوگا۔

مسئلہ: نمبر۱۱: قرآن مجید مکمل بھی ہو جائے تو پھر بھی پورے رمضان میں تراویح پڑھنا لازم ہے، قرآن مجید مکمل ہونے کے بعد اگر دوسری دفعہ قرآن مکمل کرنے کا ارادہ نہ ہو، تو تراویح سورتوں سے پڑھائے۔

مسئلہ: نمبر۱۲: اہل بدعت کا طریقہ ہے کہ تراویح میں تکمیل قرآن کے لئے سورۂ اخلاص تین دفعہ پڑھتے ہیں، یہ غلط اور خلاف اصل ہے۔

مسئلہ: نمبر۱۳: تراویح پڑھنے کا وہی طریقہ ہے جو کہ دیگر نمازوں کا طریقہ ہے۔

مسئلہ: نمبر۱۴: رمضان المبارک میں تراویح کے بعد وتر جماعت سے پڑھے جائیں گے۔ رمضان کے علاوہ وتروں کو جماعت سے پڑھنا درست نہیں ہے۔

مسئلہ: نمبر۱۵: تراویح کی نیت یوں کرنی چاہئے: "نویت ان اصلی رکعتی صلاۃ التراویح سنۃ النبی ﷺ واصحابہ" یاد رکھنا چاہئے کہ نیت کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الفصل الاول:

آنحضرت ﷺ نے بھی تراویح کی نماز پڑھائی ہے

۱۲۹۵: عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ حُجْرَۃً فِی الْمَسْجِدِ مِنْ حَصِیْرٍ فَصَلّٰی فِیْھَا لَیَالِیَ حَتّٰی اجْتَمَعَ عَلَیْہِ نَاسٌ ثُمَّ فَقَدُوْا صَوْتَہٗ لَیْلَۃً وَظَنُّوْا اَنَّہٗ قَدْ نَامَ فَجَعَلَ بَعْضُھُمْ یَتَنَحْنَحُ لِیَخْرُجَ اِلَیْھِمْ فَقَالَ مَازَالَ بِکُمُ الَّذِیْ رَاَیْتُ مِنْ صَنِیْعِکُمْ حَتّٰی خَشِیْتُ اَنْ یُّکْتَبَ عَلَیْکُمْ وَلَوْ کُتِبَ عَلَیْکُمْ مَاقُمْتُمْ بِہٖ فَصَلُّوْا اَیُّھَا النَّاسُ فِیْ بُیُوْتِکُمْ فَاِنَّ اَفْضَلَ صَلَاۃِ الْمَرْءِ فِیْ بَیْتِہٖ اِلَّا الصَّلَاۃَ الْمَکْتُوْبَۃَ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/ ٢١٤ حديث رقم ٦٧٣١۔ ومسلم ١/ ٥٣٩ حديث رقم (٢١٣۔ ٧٨١)۔ وأخرجه أبوداؤد في السنن ٢/ ١٤٥ حديث رقم ١٤٤٧۔ والترمذي في السنن ٢/ ٣١٢ حديث رقم ٤٥٠۔ والنسائي ٣/ ١٩٧ حديث رقم ١٥٩٩ ومالك في الموطأ ١/ ١٣٠ حديث رقم ٤ من كتاب صلاة الجماعة۔ وأحمد في المسند ٥/ ١٨٢۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے (رمضان المبارک میں) مسجد میں چٹائی یعنی بوریے کا ایک خیمہ بنایا اور کئی راتیں اس میں نمازِ نفل ادا کرتے رہے (کیونکہ آپ ﷺ معتکف تھے اور صرف فرض اور تراویح پڑھانے کیلئے باہر تشریف لے جاتے اور تراویح اور فرض پڑھ کر حجرہ میں واپس آ جاتے)۔ یہاں تک کہ ایک دن لوگ تراویح کیلئے جمع ہوئے تو حضور ﷺ حجرہ سے باہر تشریف نہ لائے (یعنی فرض پڑھا کر خیمہ میں تشریف لے گئے تھے) پھر لوگوں نے حضور ﷺ کی آہٹ و آواز محسوس نہ کی تو وہ سمجھے کہ آپ ﷺ سو گئے ہیں، تو لوگوں نے کھنکارنا شروع کر دیا تاکہ آپ ﷺ تراویح کے لئے باہر تشریف لائیں، تو فرمایا مسلسل میں دیکھتا رہا تمہارا فعل (یعنی تمہارا تراویح پڑھنے کا شوق) یہاں تک کہ مجھے خوف ہوا کہ یہ تم پر فرض ہی نہ ہو جائے اگر یہ تم پر فرض ہو جاتی تو تم اس کو باقاعدگی سے ادا نہ کر سکتے لہٰذا تم اپنے گھروں میں نماز نفل پڑھا کرو، کیونکہ فرض نمازوں کے علاوہ آدمی کی سب سے افضل نماز وہ ہے جو گھر میں پڑھتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: ''ان النبی ﷺ اتخذ حجرۃ فی المسجد من حصیر'' یعنی نفلی نماز اور ذکر و فکر کیلئے تنہائی کی غرض سے یہ حجرہ بنایا گیا تھا۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے بیٹھنے کی جگہ پر چٹائی کا ایک حجرہ بنوایا تھا تاکہ لوگوں سے پردہ ہو جائے کیونکہ جو اسرار خلوت میں حاصل ہوتے ہیں وہ جلوت میں حاصل نہیں ہو سکتے۔

علماء کا کہنا کہ لوگوں سے اختلاط گوشہ نشینی سے بہتر ہے۔ اس کا مصداق ایسی گوشہ نشینی ہے جو مستقل طور پر اختیار کر لی جائے۔ نیز یہ کہ اس سے ایسی گوشہ نشینی مراد ہے جس میں لوگوں کو ملاقات کی اجازت نہ ہو۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کا اعتزال ایسا نہ تھا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ ہر ایک آپ سے مل سکتا تھا۔ اور اپنی ضرورت کا سوال کر سکتا تھا۔

اس روایت سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد میں اعتکاف فرمایا تھا۔ آپ نے چٹائی اس لئے لگوائی تھی کہ عبادات' کھانے' پینے اور آرام کی حالت کا لوگوں سے پردہ ہو سکے اور یہ چیز مسئلہ اعتزال میں داخل نہیں۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے مسجد میں چٹائی وغیرہ کا حجرہ بنانے کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے لیکن اس کیلئے شرط یہ ہے کہ اس کی تعداد ضرورت سے زیادہ نہ ہو ورنہ ایسا کرنا حرام ہوگا۔ کیونکہ اس میں نمازیوں کیلئے تنگی ہے۔ اگر اس بات کا یقین ہو کہ کثرت کے ساتھ نمازی آجائیں تو انہیں اس جگہ کی ضرورت نہ ہوگی تو اس صورت میں حرمت بالکل نہیں ہوتی۔

''فصلى فيها ليالي حتى اجتمع عليه ناس'' نبی کریم ﷺ اپنے حجرہ سے باہر تشریف لاتے تھے اور فرائض و تراویح جماعت کے ساتھ ادا کرتے تھے۔

اس مقام پر ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''فأتموا به'' کے الفاظ کہے ہیں، اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے حجرہ میں ہی ہوتے تھے اور لوگ آپ ﷺ کی اقتداء کر لیتے تھے۔ ان کا یہ قول محل بحث ہے۔ اس کیلئے نقل صحیح کی ضرورت ہے۔

''ثم فقدوا صوته ليلة'' یعنی نبی کریم ﷺ فرض نماز پڑھنے کے بعد حجرہ میں داخل ہوئے تو اپنی عادت مبارکہ کے مطابق تراویح کیلئے باہر تشریف نہ لائے۔

''فجعل بعضهم يتنحنح'' اس سے معلوم ہوا کہ اجازت طلب کرنے یا اپنی موجودگی کی اطلاع دینے یا کسی شخص کو باہر بلانے کیلئے گلہ صاف کرنے کی آواز نکالنا ممنوع نہیں۔

''فقال'' یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ارشاد حجرہ کے اندر سے ہی فرمایا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باہر آکر یہ بات فرمائی ہو۔

''ما زال بكم الذي رأيت'' بکم، زال کی خبر ہے جسے اسم پر مقدم کیا گیا ہے۔

''من صنيعكم'' یعنی جماعت کے ساتھ تراویح ادا کرنے پر تمہاری حرص کو دیکھ کر۔ من الذی کیلئے بیان ہے۔

''ولو كتب عليكم ما قمتم به'' یعنی اگر یہ نماز تم پر فرض کر دی جاتی تو تم اس کے ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتے اس میں حضور ﷺ کی اپنی امت کیلئے نرمی و شفقت کا بیان ہے۔

اس جملہ میں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ تراویح جماعت کے ساتھ پڑھنا بھی سنت ہے اور اکیلے پڑھنا بھی، البتہ ہمارے زمانہ میں لوگوں کی سستی کی بناء پر جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے۔

اس حدیث میں اس بات کی دلیل بھی موجود ہے کہ (فرض نماز جماعت سے پڑھنا ضروری ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے اس پر ہمیشگی اختیار فرمائی ہے۔ اور صرف منافق ہی اس سے پیچھے رہتا تھا۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کو اس بات کا خوف تھا کہ لوح محفوظ میں تراویح کی فرضیت اس کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کے دوام کے ساتھ معلق ہو۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ توجیہ ضعیف ہے۔

''فصلوا أيها الناس'' یہ امر استحبابی ہے۔

''في بيوتكم'' گھروں میں نفلی نماز پڑھنے کا حکم اس وجہ سے ہے کہ گھروں کو نفل کیلئے بنایا گیا ہے۔ کیونکہ گھروں میں نماز

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑھنا ریا سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

''فان افضل صلاۃ المرء فی بیتہ'' یہ جملہ عام ہے۔ اور تمام سنن ونوافل کو شامل ہے۔ لیکن وہ سنن جو شعائر اسلام ہیں اس میں داخل نہیں جیسے عید، کسوف اور استسقاء۔

''الا الصلاۃ المکتوبۃ'' سوائے فرض نماز کے کیونکہ اسے مسجد میں پڑھنا افضل ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے ہمارے ائمہ نے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ نوافل جنہیں مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنا مسنون نہیں ہیں۔ انہیں گھر میں پڑھنا سنت ہے اور انہیں گھر میں پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے افضل ہے۔ خواہ خانہ کعبہ یا روضہ رسول کے پاس ہی ادا کیوں نہ کرے۔ کیونکہ اتباع کی فضیلت مضاعف کی فضیلت سے بہت بڑھ کر ہے۔ اس سے گھر میں برکت بھی ہوگی اور ریا سے حفاظت بھی۔

اس روایت کو ائمہ اربعہ نے نقل کیا ہے اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز پڑھی، لوگوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مثل نماز پڑھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے دن نماز پڑھی تو لوگ اور زیادہ ہوگئے۔ تیسرے دن مزید لوگ جمع ہوگئے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لے آئے اور صبح کے وقت فرمایا ''میں نے تمہارا عمل دیکھ لیا تھا اور میں صرف اس وجہ سے نہیں آیا کہ مجھے خوف ہوا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ کردی جائے''۔

یہ رمضان کا واقعہ ہے۔ امام بخاری نے کتاب الصوم میں اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک معاملہ یوں ہی رہا۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں یونہی ہوتا رہا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع میں بھی یہی معمول رہا پھر مرد حضرت ابی اور عورتیں حضرت سلیمان بن ابی حثمہ کے پاس جمع ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابیؓ اور حضرت سلیمانؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو جمع کریں۔ اس وقت صورتحال یہ تھی کہ قراءت کرنے والا دو سو آیات تک پڑھتا تھا اور لوگوں کو طول قیام کی تھکاوٹ کی وجہ سے عصا کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ اور حضرت عمرؓ لوگوں کی ایک جماعت میں جمع ہونے کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ بڑی اچھی بدعت ہے۔ اس کو بدعت اس صورت کے اعتبار سے قرار دیا گیا ورنہ درحقیقت یہ بدعت کے حکم میں نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم صرف اس وجہ سے دیا تھا کہ کہیں اسے فرض قرار نہ دے دیا جائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جماعت سے پڑھنے کا حکم اس وجہ سے نہ دیا کہ وہ اس سے زیادہ اہم کام میں مشغول تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی عرصہ میں بھی یہی حال رہا۔ اسی وجہ سے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''علماء وائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تراویح کی نماز میں جماعت افضل ہے بلکہ بعض نے تو اس کی افضلیت پر صحابہ کرام کے اجماع کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ جبکہ امام بیہقی کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع تو نہ تھا البتہ اکثر کی رائے یہی تھی''۔

بعض علماء کا مسلک یہ بھی ہے کہ تراویح کو بغیر جماعت کے پڑھنا افضل ہے۔ لیکن اس کا مصداق وہ شخص ہے جسے قرآن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یاد ہو اور اسے نیند اور سستی وغیرہ کا خوف بھی نہ ہو۔

آنحضرت ﷺ بھی قیام رمضان کیلئے ترغیب دیتے تھے

۱۲۹۶: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُرَغِّبُ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّاْمُرَهُمْ فِيْهِ بِعَزِيْمَةٍ فَيَقُوْلُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ فَتُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالْاَمْرُ عَلٰی ذٰلِكَ ثُمَّ كَانَ الْاَمْرُ عَلٰی ذٰلِكَ فِیْ خِلَافَةِ اَبِیْ بَكْرٍ وَّصَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ عَلٰی ذٰلِكَ۔

(رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۵۲۳ حديث رقم (۱۷۴-۷۵۹)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ قیام رمضان کی ترغیب دیا کرتے تھے، لیکن صحابہ کو اس معاملہ میں پکا حکم نہیں دیتے تھے، آپ ﷺ (ترغیبا) فرماتے تھے جس شخص نے ایمان کی حالت میں ثواب کے حصول کیلئے رمضان میں قیام کیا، تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا وصال ہو گیا اور یہ معاملہ اسی طرح تھا اور پھر حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ خلافت میں بھی یہی (ترغیب) معمول جاری رہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی ایام میں بھی معاملہ یہی رہا۔ (مسلم)

تشریح: "كان رسول الله ﷺ يرغب من غير أن يامرهم فيه بعزيمة" یعنی اسے فرض قرار دیئے بغیر آپ ﷺ اس کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عزیمت اور عزم سے مراد ہے کہ دل کو کسی کام پر پابند کرنا۔

"فیقول من قام رمضان" اس جملے کے تین معنی ہیں:

① رمضان کی راتوں کو عبادت کے ذریعہ آباد کرے۔

② قیام رمضان یعنی تراویح کو ادا کرے۔

③ رمضان کی نماز کا اہتمام کرے۔

"ایمانًا" یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہ وہ اللہ کا قرب حاصل کر رہا ہے۔

"واحتسابًا" اپنے اس عمل پر اللہ سے اجر کی امید رکھے، اجر کے علاوہ کوئی چیز اس کا مقصود نہ ہو۔

یہ دونوں لفظ حال ہونے کی بنا پر منصوب ہیں۔ انہیں مفعول لہ بھی بنایا جا سکتا ہے۔

"غفرله ما تقدم من ذنبه" امام احمد کی روایت میں "وما تأخر" کے الفاظ بھی ہیں۔ اس سے مراد صغیرہ گناہوں ہیں۔ کبیرہ گناہوں کی معاف کی امید بھی کی جا سکتی ہے۔

"فتوفی رسول الله ﷺ والأمر علی ذلك" یعنی نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں بعض لوگ اپنے گھروں میں منفرد نماز پڑھتے تھے۔ بعض مسجد میں اس لئے پڑھتے تھے کہ معتکف کی حالت میں ہوتے تھے یا وہ اصحاب صفہ میں سے تھے یا ان کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گھروں میں ایسے مشاغل تھے جو نماز سے رہنے والے تھے اس لئے وہ مسجد میں نماز پڑھنے کو ترجیح دیتے تھے۔ پاس ان کا عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس زمان کے مخالف نہیں جس میں گھروں میں نماز تراویح پڑھنے کا حکم ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو کمی و زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے۔

نوافل نماز گھر میں پڑھنے کے اثرات

۱۲۹۷: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَضٰى اَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ فِيْ مَسْجِدِهٖ فَلْيَجْعَلْ لِبَيْتِهٖ نَصِيْبًا مِّنْ صَلَاتِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ فِيْ بَيْتِهٖ مِنْ صَلَاتِهٖ خَيْرًا۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٥٣٩/١ حديث رقم (٢١٠۔ ٧٧٨)۔ وابن ماجه في السنن ٤٣٨/١ حديث رقم ١٣٧٦۔ وأحمد في المسند ١٥/٣۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی اپنی فرض نماز اپنی مسجد میں پڑھ لے تو اس کو چاہیئے کہ اپنے گھر کے لیے بھی اس میں سے حصہ رکھے (یعنی نوافل اور سنن گھر میں پڑھے) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس کی اس نماز کی وجہ سے اس کے گھر میں خیر پیدا فرمادیں گے۔ (مسلم)

تشریح: ''اذا قضى أحدكم الصلاة'' الصلاۃ میں الف لام عہد ذہنی ہے۔ اس سے مراد فرض نماز ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی کہنا ہے اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد وہ مطلق نماز ہو جسے آدمی مسجد میں پڑھے۔

''فليجعل لبيته نصيبا من صلاته'' گھر کو بابرکت بنانے کیلئے سنن و نوافل یہاں تک کہ قضا نماز بھی گھر میں پڑھے۔

''فان الله تعالى جاعل في بيته من صلاته خيرا'' یعنی گھر میں نماز پڑھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق وہدایت کے راستے کھلیں گے اور زندگی ورزق میں برکت ہوگی۔ اسی وجہ سے نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے خواہ مسجد بالکل خالی ہی کیوں نہ ہو۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا قول تو یہی ہے البتہ یہ ارشاد اس مسجد کے ساتھ تو خاص ہے جس میں نیکی کا اجر بڑھایا نہیں جاتا یا اس قول کی نسبت اس شخص کی طرف ہے جسے ریاء کا خوف ہو یا یہ نفاق کے وہم کو دور کرنے کیلئے ہے یا یہ تمام نوافل کو گھر میں پڑھنے کی ترغیب کیلئے ہے۔

واضح رہے کہ تراویح بالاتفاق اس ارشاد سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بھی موجود ہے اور اس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع بھی وارد ہے۔

مصنفؒ کے اس حدیث کو زیر بحث باب میں لانے سے ایک وہم ہوتا ہے جو ارباب دانش پر مخفی نہیں (یعنی یہ شبہ ہوتا ہے کہ تراویح کو بھی گھر میں ادا کرنا چاہیے)۔

الفصل الثانی:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عشرہ کے بعض راتوں میں تراویح پڑھانا

۱۲۹۸: وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ صُمْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَقُمْ بِنَا شَيْئًا مِنَ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الشَّهْرِحَتّٰى بَقِيَ سَبْعٌ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ السَّادِسَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا فَلَمَّا كَانَتِ الْخَامِسَةُ قَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْنَفَّلْتَنَا قِيَامَ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ فَقَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا صَلّٰى مَعَ الْاِمَامِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ حُسِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ فَلَمَّا كَانَتِ الرَّابِعَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا حَتّٰى بَقِيَ ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ جَمَعَ اَهْلَهُ وَنِسَاءَهُ وَالنَّاسَ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى خَشِيْنَا اَنْ يَفُوْتَنَا الْفَلَاحُ قُلْتُ وَمَا الْفَلَاحُ قَالَ السَّحُوْرُ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ (رواه ابوداود والترمذی والنسائی وروی ابن ماجة نحوه اِلَّا اَنَّ الترمذی لَم یذکر) ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَابَقِيَّةَ الشَّهْرِ۔

أخرجه الترمذی فی السنن ۳/۱۶۹ حدیث رقم ۸۰۶۔ والنسائی ۳/۸۳ حدیث رقم ۱۳۶۴۔ وابن ماجه ۱/۴۲۰ حدیث رقم ۱۳۲۷۔ والدارمی ۲/۴۲ حدیث رقم ۱۷۷۷۔ وأحمد فی المسند ۵/۱۵۹۔

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رمضان المبارک کے روزے رکھے، پس آپ ﷺ نے مہینہ کے اکثر ایام میں (راتوں کو) ہمارے ساتھ قیام نہیں کیا (یعنی تراویح کی نماز نہیں پڑھائی) یہاں تک کہ جب سات راتیں باقی رہ گئیں، تو آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ تہائی رات تک قیام کیا (یعنی ہمیں تراویح کی نماز پڑھائی) پس جب چھ راتیں رہ گئیں (یعنی چوبیسویں شب آگئی) تو آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ قیام نہیں فرمایا، پھر جب پانچ راتیں رہ گئیں تو ہمارے ساتھ نصف اللیل تک قیام کیا میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کاش آج آپ ہمارے ساتھ قیام کو اور زیادہ کرتے (یعنی بڑھاتے تو کیا ہی مزہ تھا) تو آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ بے شک آدمی جب امام کے ساتھ فرض نماز پڑھ کر واپس آجاتا ہے تو اس کے لئے پوری رات کی عبادت کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ پس جب چار راتیں باقی رہ گئیں (یعنی چھبیسویں رات آئی) تو آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ رات کو قیام نہ فرمایا (ہم انتظار کرتے رہے آپ ﷺ کے آنے کا) یہاں تک کہ تہائی رات باقی رہ گئی اور جب تین راتیں باقی بچ گئیں (یعنی ستائیسویں شب آئی) تو آپ ﷺ نے اپنے گھر کی عورتوں اور اپنے اہل خانہ اور تمام لوگوں کو جمع کیا، پس ہمارے ساتھ قیام کیا (یعنی ہمیں نماز پڑھاتے رہے) یہاں تک کہ ہمیں خوف لاحق ہوا کہ کہیں ہم سے فلاح فوت نہ ہو جائے، راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا حضرت فلاح کیا چیز ہے تو فرمایا کہ وہ سحری ہے (یعنی سحری کھانا ہے) پھر بقیہ ایام رمضان کی راتوں میں حضور ﷺ نے ہمارے ساتھ قیام نہیں کیا۔ یہ ابوداؤد و ابن ماجہ ترمذی اور نسائی کی روایت ہے لیکن امام ترمذی نے آخری الفاظ کہ ثم لم یقم بنا بقیة الشهر نقل نہیں کیے۔

تشریح: "فلم يقم بنا شيئا من الشهر" یعنی نبی کریم ﷺ نے ہمیں رمضان میں فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہ پڑھائی جب آپ فرض ادا فرمالیتے تو حجرہ مبارک میں تشریف لے جاتے۔

"حتى بقي سبع" یعنی سات دن باقی رہ گئے اور بائیس دن گزر گئے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سات دنوں کا ذکر یقینی دنوں کو دیکھتے ہوئے ہے کہ مہینہ کم از کم انتیس دن کا تو ہوگا۔

"فقام بنا" یعنی تئیسویں رات میں آپ نے قیام فرمایا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"حتی ذهب ثلث الليل" یعنی آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا، قرآن مجید کی تلاوت فرمائی اور معارف وحقائق سے لبریز گفتگو فرمائی

"فلما كانت السادسه" اس سے مراد چوبیسویں رات ہے۔"فلما كانت الخامسة" اس سے مراد پچیسویں رات ہے۔

"يا رسول الله!لو نفلتنا" بالتشدید۔"قيام هذه الليلة" ایک روایت بقية ليلتنا کے الفاظ ہیں۔

علامہ مظہر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "لو" تمنی کیلئے ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اگر آپ قیام لیل میں نصف رات پر اضافہ فرمائیں تو زیادہ بہتر ہے۔

ابن حجر نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اسے پوری رات عبادت کرنے کا ثواب حاصل ہوگا یعنی یہ اجر فرض پڑھنے سے حاصل ہوجائے گا اور نوافل کی زیادتی نشاط پر موقوف ہے۔نیز یہاں امام کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز سے عشاء اور فجر کی نماز ہے۔

"فلما كانت الرابعة" اس سے مراد چھبیسویں رات ہے۔ابن حجر نے اسے ستائیسوں رات قرار دیا ہے جو کہ ان کی لغزش قلم ہے۔

علامہ حلیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رمضان کی تمام راتوں میں برابر قیام کرنا سنت ہے اور مناسب یہ ہے کہ مساجد میں اس پر عمل کیا جائے، آخری عشرہ میں زیادہ کوشش کرنا مستحب ہے اور اس کیلئے جمع ہونا بدعت ہے۔سنت نہیں ہے۔

اس حدیث سے علامہ حلیمیؒ کے قول کی تردید ہورہی ہے کیونکہ اس سے فضیلت کے فرق والی راتوں میں قیام کی مقدار کا فرق بھی معلوم ہورہا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ستائیسویں رات میں پوری رات قیام فرمایا کیونکہ یہ اکثر علماء کے نزدیک شب قدر ہے، نیز اس میں مرد خواتین جمع ہوئے۔اس لئے بڑی وضاحت سے حلیمی کے قول کی تردید ہوگئی۔

"فلما كانت الثالثة" اس سے مراد ستائیسویں رات ہے۔

"جمع اهله ونساء والناس" الناس سے مراد خواص ہیں۔"السحور" بالضم والفتح۔

اگر فتحہ کے ساتھ تو اس کا معنی سحری میں کھایا جانے والا کھانا ہے اور اگر ضمہ کے ساتھ ہو تو یہ مصدر ہے اور اس سے مراد فعل سحری (سحری کا کھانا) ہے اکثر نے فتحہ کے ساتھ روایت کیا ہے لیکن صحیح ضمہ کے ساتھ ہے کیونکہ برکت' اجر اور ثواب فعل میں ہوتا ہے کھانے میں نہیں۔

قاضی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فلاح کو سجود سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ سحری کی وجہ سے روزہ پورا کرنے میں مدد ملتی ہے۔اور روزے کا اتمام آخرت میں فلاح کا سبب ہے۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فلاح کا معنی ہے بقاء، سحری کو فلاح سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ روزہ کی بقاء سحری کی وجہ سے ہوتی ہے۔

بعض محدثین کا کہنا یہ ہے کہ سحری روزہ کے اتمام پر مددگار رہوتی ہے اور روزہ کا اتمام آخرت کی کامیابی اور بقاء تک پہنچانے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "السحر" کا لفظ متن حدیث ہے مؤلف کا کلام نہیں ہے جیسا کہ ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

ابن ملک نے اس موقع پر بڑی عجیب بات کہی کہ بعض کے خیال کے مطابق یہ ابوذرؓ کے الفاظ ہیں اور بعض کے نزدیک یہ متن حدیث ہے۔ درحقیقت ان دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں۔

ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قسم کی بات کی ہے انہوں نے لکھا ہے:

"قلت ای للنبی ﷺ" جیسا کہ ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے"۔

"ثم لم یقم بنا بقیة الشهر" یعنی اٹھائیسویں اور انتیسویں رات کو آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ قیام نہ فرمایا۔

ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں نبی کریم ﷺ نے جماعت کے ساتھ جو نمازیں پڑھائی تھیں ان کے بارے میں معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ تراویح تھی، واجب تہجد تھی، وتر کی نماز تھی یا صلاۃ قدر تھی؟"۔ درحقیقت ان تمام نمازوں کو جمع نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ صلاۃ قدر تو غیر معروف ہے، وتر تین رکعات سے زیادہ نہیں ہوسکتے اور تہجد کو وجوب کے ساتھ مقید کرنا غیر مناسب ہے کیونکہ اس کا وجوب مشہور قول کے مطابق نبی کریم ﷺ سے بھی منسوخ ہوگیا ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ترمذی اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور اس کی تائید ابن حبان کی عبداللہ بن اُنیس کی نقل کردہ حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ ان دونوں احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان راتوں میں گھر کے بجائے مسجد میں نماز پڑھنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ لہٰذا یہ دونوں احادیث "صلوا فی بیوتکم" کے امر سے خارج ہوں گی۔

شعبان کی پندرھویں رات کی فضیلت

۱۲۹۹: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَإِذَا هُوَ بِالْبَقِيْعِ فَقَالَ أَكُنْتِ تَخَافِيْنَ أَنْ يَحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَرَسُوْلُهُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّي ظَنَنْتُ إِنَّكَ أَتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِأَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ (رواه الترمذی وابن ماجة وزاد رزين مِمَّنِ اسْتَحَقَّ النَّارَ وَقَالَ الترمذی سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَعْنِي الْبُخَارِيَّ يُضَعِّفُ هٰذَا الْحَدِيْثَ)

أخرجه الترمذی فی السنن ۳/۱۱۵ حديث رقم ۷۳۹۔ وابن ماجه ۱/۴۴۴ حديث رقم ۱۳۸۹۔ وأحمد فی المسند ۶/۲۳۸۔

ترجمہ: حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے ایک رات اللہ کے رسول اللہ ﷺ کو گم پایا (یعنی دیکھا کہ وہ میرے بستر پر نہیں ہیں میں نے آپ ﷺ کو تلاش کیا) تو اچانک آپ کو جنت البقیع میں پایا، تو آپ ﷺ نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارشاد فرمایا کیا تمہیں اس بات کا خوف دامن گیر ہوا کہ اللہ اور اس کا رسول اللہ ﷺ تجھ پر ظلم کریں گے۔ تو میں نے عرض کیا مجھے خیال گذرا کہ آپ کسی اور بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہونگے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ماہِ شعبان کی نصف رات (یعنی پندرھویں شعبان کی شب) کو آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور قبیلہ بنوکلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔ (یہ ترمذی وابن ماجہ کی روایت ہے) اور رزینؒ نے ممن استحق النار (یعنی ان لوگوں میں سے جو اپنی برائیوں کی وجہ سے جہنم کے مستحق ہو چکے ہیں بخشتا ہے) کے الفاظ کا اضافہ نقل کیا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل یعنی امام بخاری کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

تشریح: ''فقدت رسول اللہ ﷺ لیلۃ'' اس رات سے مراد حضرت عائشہؓ کے حصہ کی رات ہے۔

''فاذا هو بالبقيع'' یہاں کچھ الفاظ محذوف ہیں جو ایک دوسری عبارت سے معلوم ہو رہے ہیں۔

''فشددت على ثيابي وخرجت أتبع أثره فاذا هو ساجد بالبقيع فأطال السجود حتى ظننت أنه قبض، فلما سلم التفت الي''۔

''أكنت تخافين أن يحيف الله عليك ورسوله؟'' اللہ تعالیٰ کا ذکر بارگاہ الٰہی میں اپنے تقرب کو بتانے کیلئے ارشاد فرمایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا ارشاد ہے۔

''ان الذين يبايعونك انما يبايعون الله''

''بے شک جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے در حقیقت وہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں''۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کلام کو خوبصورت اور مزین بنانے کیلئے ہے۔ یا قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

''أم يخافون أن يحيف الله عليهم ورسوله'' محدثین فرماتے ہیں کہ أحيف أنا کے بجائے يحيف رسوله کی تعبیر اختیار کرنے میں ایک خاص امر کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ حیف سے مراد ہے غیر مستحق کو دینا اور مستحق کو زبردستی محروم رکھنا اور یہ عمل رسول کے شایانِ شان نہیں ہے۔

علامہ طیبی نے اس کی یہ تشریح کی ہے کہ ''(اے عائشہ!) تو یہ خیال کرتی ہے کہ میں تیرے اوپر ظلم کروں گا اور تیری باری کسی اور کو دے دوں گا یہ تو منصب رسالت کے منافی ہے۔

نیز ماضی سے مضارع کی طرف عدول کرنے کی علت گزری ہوئی حالت کا استحضار ہے۔

''اني ظننت انك اتيت بعض نسائك'' یعنی میں سمجھی کہ شاید آپ کسی ضرورت کے سلسلہ میں کسی دوسری بیوی کے ہاں چلے گئے ہیں۔ سو میں اس کی تحقیق کیلئے نکلی تھی اور مجھے ایسا کرنے پر اس غیرت نے ابھارا جو عورتوں کو انجام سے بے خبر کر کے دائرہ عقل سے خارج کر دیتی ہے۔ حاصل یہ کہ میں نے یہ گمان نہیں کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ظلم کریں گے بلکہ میں تو یہ سمجھی کہ اللہ کے حکم یا اپنے اجتہاد کی بنا پر آپ کسی دوسری بیوی کے پاس چلے گئے ہیں کیونکہ آپ کی عادت مبارکہ تو یہ ہے کہ آپ گھر میں نوافل ادا کرتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محدثین فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ ؓ نے ہاں میں جواب دینے کے بجائے یہ ساری بات اس لئے ارشاد فرمائی کہ نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ ؓ سے خصوصی عفوو درگزر، محتسب وعاطفت اور شفقت وعنایت کا معاملہ فرماتے تھے۔ جب حضرت عائشہ ؓ نے اپنی ان سوکن کا پیالہ توڑا جنہوں نے حضور ﷺ کیلئے کھانا تیار کیا تھا تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ ؓ کو ڈانٹا نہ تھا۔ ابن حجرۃ فرماتے ہیں کہ ''نعم'' (جی ہاں) کے ساتھ تو جواب دیتیں تو کفر لازم آتا اور ''لا'' (نہیں) کے ساتھ جواب اس لئے نہیں دیا کہ انکار کا نہ ہونا ظاہر تھا۔ چنانچہ ساری بات کو تفصیل سے بیان کر دیا، گھر سے نکلنے پر معذرت کی اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا، نبی کریم ﷺ نے بھی شفقت وکرم کا معاملہ فرمایا اور ان کی تسلی کیلئے اپنے باہر آنے کا عذر بھی بیان کر دیا۔

''**لیلة النصف من شعبان**'' شعبان کی پندرہویں رات کو لیلۃ البراءت (شب برات) کہا جاتا ہے۔ اس مبارک رات میں اس سال میں وقوع پذیر ہونے والے تمام امور کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔

''**الی السماء الدنیا**'' یعنی اللہ تعالیٰ دنیا والوں سے قریب ترین آسمان کا قصد فرماتا ہے جو مغفرت کے حصول اور رحمت کے نزول کا محتاج ہوتے ہیں۔ ظاہر حدیث یہ ہے کہ اس نزول سے مراد تجلی اعظم، رحمت کبریٰ کا نزول اور مغفرت عامہ ہے۔ خاص طور پر اہل بقیع کیلئے۔ یہ رات ان خصوصیات کی بنا پر باقی راتوں سے ممتاز ہے۔ اس لئے کہ باقی راتوں میں نزول رحمت ثلث لیل کے ساتھ خاص ہے۔

حاصل یہ کہ یہ وقت تجلیات رحمانیہ، تنزلات صمدانیہ اور تقربات سبحانیہ کا وقت ہے۔ یہ چیزیں عام وخاص کو حاصل ہوتی ہیں لیکن سب زیادہ حصہ ارباب اختصاص کو ملتا ہے، پس مناسب یہی ہے کہ غفلت کی نیند سے بیدار ہو کر نفحات رحمت کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ گویا کہ نبی کریم ﷺ فرماتے رہے ہیں کہ میں بخشش طلب کرنے والوں کا رئیس، رحم طلب کرنے والوں کا فلیس (ساتھی)' گناہ گاروں کا شفیع اور بالخصوص رحمۃ اللعالمین ہوں تو میرے لئے یہی مناسب ہے کہ میں بارگاہ الٰہی میں زیادہ کروں اور اپنی امت کے لیے بخشش طلب کروں اور اپنے لئے رحمت کی زیادتی کا سوال کروں۔ کیونکہ کوئی شخص بھی اللہ کی رحمت سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

میں یہ کہتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہو تو کون ایسا شخص ہے جو جہنم کا مستحق نہ ہو۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے **من المؤمنین** کی قید کا اضافہ کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے صراحتاً معلوم ہو رہا ہے:

''**ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذلك لمن یشاء**'' ۔

''اللہ تعالیٰ شرک کو تو معاف نہیں فرمائیں اس کے علاوہ جس کو چاہیں گے معاف فرمائیں گے''۔

''**وقال الترمذی: سمعت محمدًا۔ یعنی البخاری۔ یضعف هذا الحدیث**'' اس حدیث کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ ''یحیی بن ابی کثیر کا سماع عروہ سے ثابت نہیں، اسی طرح حجاج بن ارطاۃ نے ابن ابی کثیر سے نہیں سنا''۔ اس تفصیل کو امام میرکؒ نے نقل کیا ہے۔ بہر حال علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث معمول بہ ہوتی ہے۔

شارحین کا کہنا یہ ہے کہ اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت یہ ہے کہ اس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ شعبان کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پندرہویں رات کی عبادت میں بے انتہاء ثواب ہے تو گویا کہ یہ حدیث رمضان کے قیام کیلئے مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کلام چونکہ رات کے قیام کے بارے میں ہے اور اس کی مراد اعظم شب قدر پالینا ہے تو شب برات کا ذکر مقدمہ کے طور پر ہے کیونکہ بعض اولی الالباب کے نزدیک شب برات ہی شب قدر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

گھر میں نفل پڑھنے کی فضیلت مسجد نبوی پر

۱۳۰۰: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهٖ اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهٖ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ۔ (رواه ابوداود والترمذى)

أخرجه أبوداوٗد فى السنن ۶۳۲/۱ حديث رقم ۱۰۴۴۔ والترمذى فى السنن ۳۱۲/۲ حديث رقم ۴۵۰۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی اپنے گھر میں پڑھی جانے والی نماز میری اس مسجد میں پڑھی ہوئی نماز سے زیادہ بہتر ہے سوائے فرض نمازوں کے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں نماز کو پوشیدگی سے پڑھنے کی ترغیب دینا ہے کیونکہ مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب مسجد حرام کے سوا دوسری مسجدوں میں ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ اس میں بتانا مقصود ہے کہ نوافل کی مشروعیت تقرب الی اللہ کیلئے ہے۔ پس مناسب یہ ہے کہ یہ ریاء سے بعید ہوں۔ فرائض کی مشروعیت دین کی اشاعت اور شعائر اسلام کے اظہار کیلئے ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ انہیں مسجد میں لوگوں کے سامنے ادا کیا جائے۔

''ھذا'' یہ مسجد کی صفت ہے۔ مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے مطلقاً مسجد مراد نہیں ہے۔

الفصل الثالث:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح کے لئے لوگوں کو ایک امام کے پیچھے جمع کرنا

۱۳۰۱: عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِالْقَارِيِّ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَيْلَةً اِلَى الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ اَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ اِنِّيْ لَوْجَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى وَاحِدٍ لَكَانَ اَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهٗ لَيْلَةً اُخْرٰى وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ قَالَ عُمَرُ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ وَالَّتِيْ تَنَامُوْنَ عَنْهَا اَفْضَلُ مِنَ الَّتِيْ تَقُوْمُوْنَ يُرِيْدُ اٰخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ اَوَّلَهٗ۔ (رواه البخارى)

أخرجه البخارى فى صحيحه ۲۵۰/۴ حديث رقم ۲۰۱۰۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؒ فرماتے ہیں کہ میں (رمضان المبارک کی) ایک رات حضرت عمر بن خطاب کے ساتھ مسجد کی طرف نکلا (تو ہم نے دیکھا) کہ لوگ بکھرے ہوئے متفرق تھے۔ کوئی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور کوئی ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ مل کر نماز پڑھ رہا تھا (یعنی لوگ الگ الگ تراویح کی نماز پڑھ رہے تھے) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے فرمایا، اگر میں ان کو ایک قاری کے پیچھے جمع کر دوں تو یہ زیادہ مناسب ہوگا، پس آپؓ نے اس کا ارادہ فرمایا اور تمام لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ کے پیچھے جمع کر دیا۔ راوی فرماتے ہیں کہ پھر ایک رات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں گیا تو دیکھا کہ وہاں سب لوگ اپنے امام (یعنی ابی بن کعب) کی اقتداء میں نمازِ تراویح پڑھ رہے تھے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے (دیکھ کر) فرمایا کہ یہ اچھی بدعت ہے۔ اس وقت کی نماز جب تم سوتے رہتے ہو اس نماز سے بہتر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ تراویح کی نماز آخری شب میں پڑھنا اول شب سے زیادہ بہتر ہے یہ اسلئے فرمایا کہ لوگ اول شب میں پڑھ لیا کرتے تھے۔

راویٔ حدیث:

عبدالرحمٰن بن عبدالقاری۔ ان کا نام ''عبدالرحمٰن القاری'' ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے لیکن نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کی سماعت کی' نہ روایت بیان کی۔ مؤرخ واقدی رحمہ اللہ نے ان صحابہ کے ذکر میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے میں ان کا بھی شمار کیا ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ تابعی ہیں۔ مدینہ کے تابعین اور وہاں کے علماء میں سے ہیں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے احادیث سنی ہیں۔ ۸۱ھ میں بعمر ۷۸ سال وفات پائی۔ القاری میں قاف' راء زیر اور یاء مشدد ہے۔ آخر میں ہمزہ نہیں ہے۔ قبیلہ ''قارۃ'' کی طرف نسبت ہے۔

مرتب عرض کرتا ہے' علامہ طاہر پٹنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں' کہا گیا ہے کہ اس کا نام ''دیش بن محلم'' (بروزن محدث) تھا۔

تشریح: ''عن عبدالرحمٰن بن عبدٍ القاری'' بالیاء المشددہ، قبیلہ قارۃ کی طرف نسبت ہے۔ مؤلف کا کہنا یہ ہے کہ عبدالرحمٰن مدینہ کے جلیل القدر تابعین میں سے ہیں۔ بعض کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رؤیت اور سماع ثابت نہیں۔ علامہ واقدی نے انہیں ان صحابہ میں شمار کیا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے۔

''الی المسجد'' مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے۔

''فاذا الناس أوزاع'' بسکون الواو بعدھا زای''۔ یعنی لوگ عشاء کی نماز جماعت سے ادا کرنے کے بعد بکھر چکے تھے۔

''متفرقون'' علامہ ابہریؒ نے اس لفظ کو تاکید قرار دیا ہے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ کے نزدیک عطف بیان ہے۔ یہی قول راجح ہے۔

''یصلی الرجل نفسہ'' یہ ماقبل کے اجمال کی تفصیل ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کچھ لوگ اکیلے نماز پڑھ رہے تھے اور کچھ جماعت سے۔ راوی کے اگلے قول 'ویصلی الرجل فیصلی بصلاتہ الرھط'' کا یہی معنی ہے۔

''فیصلی بصلاتہ الرھط'' ایک صحیح نسخہ میں یہ الفاظ آئے ہیں:

''ویصلی الرجل فیصلی ای یقتدی بصلاتہ الرھط''

سید اصیل الدین کہتے ہیں کہ بخاری میں یونہی ہے اور اس کا ہونا بھی ضروری ہے لیکن مشکوٰۃ میں ان الفاظ کا سقوط ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بظاہر یہ سقوط نسخہ لکھنے والے کی طرف سے ہے۔

یہ الفاظ مشکوۃ کے بعض نسخوں میں بھی موجود ہیں۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے اس جملے کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ ایک آدمی دس سے کم افراد کی امامت کر رہا تھا۔ ابن حجر کا کہنا بھی یہی ہے۔ بظاہر اس سے ان کی مراد مطلق جماعت، یا ان کی قوم یا ان کا قبیلہ ہے۔

''فقال عمر: انی لو'' ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک نسخہ میں ''انی أری لو'' کے الفاظ ہیں۔ انہی الفاظ سے استدلال کرتے ہوئے ابن ملک نے کہا کہ کے فعل سے متعلق ہوتا ہے۔

''لکان أمثل'' یعنی اگر یہ سب ایک امام کی کی اقتداء کر لیں تو زیادہ ثواب اور فضیلت حاصل ہو کیونکہ اس طرح قلوب کا اجتماع ہوگا اور شیطان کی کمر ٹوٹے گی۔ نیز اعمال میں وزن پیدا ہوگا۔ علاوہ ازیں اس میں جماعت کے فضائل بھی حاصل ہوں گے جو ستائیس گنا تک بڑھ جاتے ہیں۔

''فجمعهم علی أبی بن کعب'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ کے پاس جمع کیا کیونکہ وہ صحابہ کرام میں سب سے بڑے قاری تھے۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قرآن پڑھنے کا حکم دیا تو انہوں نے سورۃ البینہ کی تلاوت کی تھی۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو تمیم داریؓ کے پاس جمع کیا تھا۔ ان دونوں روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ واقعات تھے۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو حضرت سلیمان بن ابی حثمہؓ کے پاس جمع کیا تھا۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کا مصداق نماز تراویح ہے کیونکہ یہ مقام مدح ہے۔ اور جماعت کے ساتھ اسے پڑھنے کی ترغیب دینا ہے۔ اگرچہ تراویح میں جماعت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نہ تھی لیکن اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا تھا اور اسے اس وجہ سے چھوڑ دیا تھا کہ کہیں یہ امت پر فرض نہ کر دی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر سے اس کی طرف توجہ دلائی اور اسے ہمیشہ کیلئے سنت قرار دیا۔ اب اس کی وجہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ثواب ملے گا اور قیامت تک ادا کرنے والوں کا ثواب بھی ان کو ملتا رہے گا۔

''والتی تنامون عنها افضل من التی تقومون'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جملے سے معلوم ہو رہا ہے۔ کہ تراویح کو رات کے آخری حصہ میں پڑھنا افضل ہے۔ اہل مکہ کا عمل اسی روایت کی بنا پر ہے کہ وہ تراویح سونے کے بعد اٹھ کر پڑھتے ہیں۔

اس جملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ نہ ملنے کی وجہ کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔

''یرید اخر اللیل'' یہ جملہ عبدالرحمٰن یا کسی اور راوی کی طرف سے ہے۔ اسی طرح اگلا جملہ ''وکان الناس یقومون أوّله'' بھی ہے۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تراویح کی تعداد رکعات

۱۳۰۲: وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ اَمَرَعُمَرُاُبَیَّ بْنَ كَعْبٍ وَتَمِيْمًا الدَّارِيَّ اَنْ يَّقُوْمَا لِلنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ بِاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً فَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ بِالْمِئِيْنَ حَتّٰى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعَصَاءِ مِنْ طُوْلِ الْقِيَامِ فَمَاكُنَّا نَنْصَرِفُ اِلَّا فِيْ فُرُوْعِ الْفَجْرِ۔ (رواہ مالك)

أخرجه مالك في الموطأ ١/١١٥ حديث رقم ٤ من كتاب الصلاة في رمضان۔

ترجمه: حضرت سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو تراویح کی گیارہ رکعتیں پڑھائیں اور قاری سوسو ۱۰۰،۱۰۰ آیات پڑھتا (ہر رکعت میں) یہاں تک ہم (طول قیام کی وجہ سے تھک کر) اپنی لاٹھیوں پر سہارا لیکر کھڑے ہوتے اور ہم نماز سے نہیں فارغ ہوتے تھے، مگر فجر کے قریب۔ (امام مالک)

تشریح: ''السائب بن یزید'' مؤلف فرماتے ہیں کہ یہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر اپنے والد کے ساتھ آئے تھے۔ اس وقت ان کی عمر سات سال تھی۔

''ان یقوما للناس'' ایک نسخہ میں بالناس ہے۔ یعنی یہ دونوں حضرات باری باری امام بنیں۔ یہ باریاں نماز کے اعتبار سے بھی ہوسکتی ہیں۔ اور راتوں کے اعتبار سے بھی۔

''باحدٰی عشرۃ رکعۃ'' شروع زمانہ میں گیارہ رکعات تھیں۔ جیسا کہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یہ روایت راوی کا وہم ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی تھی۔

ابن عبدالبرؒ کے اس قول پر اعتراض ہوتا ہے کہ اس حدیث کی سند تو صحیح ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ گیارہ رکعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عمل سے تشبیہ کیلئے پڑھی گئی ہوں کیونکہ روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو آٹھ رکعات تراویح اور تین وتر پڑھائے تھے اگرچہ آپ کا معمول بیس رکعات پڑھنے کا تھا۔ تئیس رکعات والی نماز اس بنیاد پر ہے کہ راوی نے تین وتروں کو بھی اس میں شمار کیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وتر تین ہی ہیں۔ اور یہ تہجد کی نماز میں داخل نہیں ہیں۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ امام وہ سورتیں پڑھتے تھے جو سو آیات سے زیادہ تھیں، اس میں نہ تو زیادتی کو بتانا مقصود ہے اور نہ کسی مخصوص سورت کی نشاندہی کرنا مقصود ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ قرآن ختم کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ قول صحیح کے مطابق تراویح میں ختم قرآن سنت ہے۔

''فما کنا تنصرف الا فی فروع الفجر'' مراد یہ ہے کہ فجر کے آثار کی ابتداء میں نماز ختم ہوتی تھی اس لئے یہ آگے آنے والی اس روایت سے متعارض نہیں جس میں ذکر ہے کہ وہ لوگ واپس جانے کے بعد سحری کھایا کرتے تھے۔ شاید اتنی لمبی نماز آخری زمانے میں تھی۔ اس لئے یہ اس قول کے منافی نہیں جس میں آیا ہے ''والتی تنامون عنها افضل''۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے حضرت عائشہؓ کی اس روایت کی تائید ہوتی ہے جس میں انہوں نے تراویح کی رکعات کی تعداد بیان کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی تعداد کا حکم دیا اور ان کے زمانے میں لوگ بیس رکعات تراویح ہی پڑھتے تھے۔ پھر وہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بھی لمبی سورتیں پڑھتے تھے۔ اور طول قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر سہارا لیتے تھے۔ اسے سائب بن یزید نے نقل کیا ہے۔

حضرت علیؓ کے شاگرد شبرمہ بن شکل فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ لوگوں کو رمضان میں پانچ ترویحات میں بیس رکعات پڑھایا کرتے تھے۔

ابوعثمان نہدی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین قاریوں کو بلوا کر ان سے قرآن سنا اور سب سے تیز پڑھنے والے سے کہا کہ لوگوں کو رمضان میں تیس آیات پڑھو اور درمیانی رفتار سے پڑھنے والے کو حکم دیا کہ پچیس (۲۵) آیات پڑھو اور سب سے آہستہ پڑھنے والے کو حکم دیا کہ وہ بیس آیات پڑھیں۔ امام سیوطیؒ نے اپنے رسالہ میں امام بیہقی کی ایک روایت نقل کی ہے جس سے مذکورہ روایت کی تائید ہوتی ہے۔

تراویح میں لمبی قراءت

۱۳۰۳: وَعَنِ الْاَعْرَجِ قَالَ مَا اَدْرَكْنَا النَّاسَ اِلَّا وَهُمْ يَلْعَنُوْنَ الْكَفَرَةَ فِيْ رَمَضَانَ قَالَ وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ سُوْرَةَ فِيْ ثَمَانِيَ رَكْعَاتٍ فَاِذَا قَامَ بِهَا فِيْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً رَأَى النَّاسُ اَنَّهُ قَدْ خَفَّفَ۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك في الموطأ ١/ ١١٥ حديث رقم ٦۔

ترجمہ: حضرت اعرج فرماتے ہیں کہ ہم نے نہیں پایا لوگوں کو مگر یہ کہ وہ کفار پر لعنت کرتے تھے رمضان المبارک میں اور قاری سورۂ بقرۃ کو تراویح کی آٹھ رکعتوں میں پڑھتا تھا اور کبھی کبھار سورۂ بقرہ کو بارہ رکعات میں پڑھتا، تو لوگ سمجھتے تھے کہ نماز ہلکی پڑھی گئی ہے۔ (امام مالک)

تشریح: ''الأعرج'' مشہور تابعین میں سے ہیں۔ ''ما أدركنا الناس'' الناس سے مراد صحابہ اور کبار تابعین ہیں۔

''الا وهم يلعنون الكفرة في رمضان'' اس سے مراد یہ ہے کہ وتر کی نماز میں دعائے قنوت میں کفار پر لعنت کرتے تھے جیسا کہ علامہ جزری نے حصن میں یہ دعائے قنوت نقل کیا ہے:

''اللهم اغفر لنا وللمؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات وألف بين قلوبهم وأصلح ذات بينهم وانصرهم على عدوهم اللهم العن الكفرة الذين يصدون عن سبيلك ويكذبون رسلك ويقاتلون أولياءك، اللهم خالف بين كلمتهم وزلزل اقدامهم وأنزل بهم بأسك الذى لا ترده عن القوم المجرمين''

اس دعاء کو ابن ابی شیبہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً نقل کیا ہے اور یہ رمضان کے نصف اخیر کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ معنی لینے کی صورت میں اختلاف بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اور روایات کے درمیان تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ اس طرح یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کے منافی بھی نہیں ہوگی جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ جب رمضان کا نصف گزر جائے تو کافروں پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لعنت کرنا سنت ہے۔اسی طرح یہ ابوداؤد کی روایت کے بھی متعارض نہ ہوگی۔جس میں آیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی کے پاس جمع فرمایا تو انہوں نے رمضان کے نصف ثانی میں یہی دعائے قنوت پڑھی۔

اس روایت میں قنوت سے مراد وہ مخصوص قنوت ہے جس میں کافروں پر بالعموم لعنت کی جاتی ہے۔ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اس حدیث کی وجہ سے ہمارے اصحاب نے اس بات کو مستحب قرار دیا ہے کہ وتر میں مندرجہ ذیل دعائے قنوت پڑھی جائے:

اللھم اھدنا فیمن ھدیت الخ ''اور''اللھم انا نستعینك و نستغفرك و نستھدیك و نؤمن بك......''

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ جب مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ مہینوں کی تعظیم نہ کی اور قرآن مجید سے ہدایت حاصل نہ کی تو وہ اس بات کے مستحق ہوگئے کہ ان کے حق میں بددعا کی جائے اور انہیں اللہ کی رحمت سے دور کیا جائے۔

نصف اخیر کی تخصیص میں ان کے زوال اور انجام بد کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔

ابن تیمیہ حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے تراویح میں عدد متعین کی تعیین نہیں فرمائی بلکہ کبھی رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعات پر اضافہ نہیں فرمایا۔لیکن آپ ﷺ لمبی لمبی رکعات پڑھا کرتے تھے۔جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابیؓ کے پاس جمع فرمایا تو وہ انہیں تراویح کی بیس رکعات پڑھایا کرتے تھے پھر وتر پڑھاتے وہ قراءت میں بھی تخفیف فرماتے تھے کیونکہ ایک رکعت کے بجائے زیادہ اور مختصر رکعات میں لوگوں کیلئے آسانی ہے۔اسلاف کی ایک جماعت کے بارے میں منقول ہے کہ وہ چالیس رکعات تراویح پڑھتے تھے پھر تین رکعات وتر پڑھا کرتے تھے۔کچھ حضرات چھتیس رکعات وتر پڑھنے کے بعد تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔یہ تمام کے تمام اعمال اچھے عمدہ ہیں۔جس شخص کا یہ خیال ہو کہ نبی کریم ﷺ سے رمضان کی تراویح میں کوئی معین اور طے شدہ مقدار منقول ہے۔اس پر کمی زیادتی نہیں ہوسکتی تو یہ اس کی غلطی ہے۔

ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ باب النوافل میں ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن کا قول گزرا ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ نبی کریم ﷺ کی تراویح کی کیفیت کیا تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں بارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔باقی وہ حدیث جسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں، نیز طبرانی اور بیہقی نے بھی نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ رمضان میں وتر کے علاوہ بیس رکعات پڑھتے تھے۔یہ روایت ابوبکر بن ابی شیبہ کے دادا ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے ضعیف ہے۔اس کے ضعف پر اتفاق ہے۔نیز یہ صحیح حدیث کی مخالف بھی ہے۔البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعات تراویح پڑھنا ثابت ہے۔موطا میں یزید بن رومانؒ سے منقول ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ۲۳ رکعت پڑھا کرتے تھے۔

بیہقیؒ نے معرفۃ میں سائب بن یزید سے نقل کیا ہے کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وتر کے علاوہ بیس رکعات پڑھا کرتے تھے۔امام نووی نے خلاصہ میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔موطا میں گیارہ رکعات کی روایت ہے۔

ان دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ پہلے گیارہ رکعات (یعنی آٹھ تراویح) ہی پڑھی جاتی تھیں۔بعد میں بیس رکعات تراویح پر سب کا اتفاق ہوگیا اب یہی منقول ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نبی کریم ﷺ نے اپنے خلفاء کی سنت کو اپنے سنت کا حکم دیا ہے۔ لیکن اس سے بیس رکعات تراویح کا نبی کریم ﷺ کی سنت ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ حضور ﷺ کی سنت تو وہ ہوتی ہے جس پر آپ ﷺ نے ہمیشگی اختیار فرمائی ہو۔

مشائخ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت بیس رکعات تراویح پڑھنا ہے۔ اس اعتبار سے قدوری کی عبارت (جس میں تراویح کے استحباب کا ذکر ہے) صاحب ہدایہ کی عبارت سے بہتر ہے (جس میں تراویح کے مسنون ہونے کا ذکر ہے۔ البتہ قدوری کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے تمام رکعات مستحب ہیں جیسا کہ صاحب ہدایہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام رکعات مسنون ہیں۔ پس ان دونوں کے کلام کو صحیح قرار دینے کی صورت یہ ہے کہ انہیں تغلیب پر محمول کیا جائے۔ اس اعتبار سے صاحب ہدایہ کی عبارت زیادہ راجح ہوگی کیونکہ مسنون رکعات کی تعداد مستحب رکعات سے زیادہ ہے۔ نیز یہ کہ نبی کریم ﷺ کا فعل صحابہ کے فعل سے افضل ہے۔ اس میں صاحب ہدایہ کا قول عوام الناس کو اس کے عمل پر زیادہ ابھارنے والا ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے جن مشائخ نے بیس رکعات تراویح کا قول اختیار کیا ہے شاید انہوں نے مصنف ابن ابی شیبہ کی اس روایت کو بنیاد بنایا ہے جس میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ رمضان میں وتر کے علاوہ بیس رکعات پڑھتے تھے۔ اسی طرح امام بیہقی کی روایت جس میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رمضان کی دو راتوں میں دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعات ادا فرمائیں اور تیسری رات میں تشریف نہیں لائے۔ لیکن یہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان کی صحیح میں یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو آٹھ رکعات تراویح اور وتر پڑھائے۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعات پڑھی جائے گی۔

تراویح دیر سے پڑھنا بھی جائز ہے

۱۳۰۴: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ اَبِیْ بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اُبَیًّا یَقُوْلُ كُنَّا نَنْصَرِفُ فِیْ رَمَضَانَ مِنَ الْقِیَامِ فَنَسْتَعْجِلُ الْخَدَمَ بِالطَّعَامِ مَخَافَةَ فَوْتِ السُّحُوْرِ وَفِیْ اُخْرٰی مَخَافَةَ الْفَجْرِ۔ (رواہ مالک)

أخرجه مالك فی الموطأ ١/١١٦ حديث رقم ٧ من كتاب الصلاة في رمضان۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہم جب رمضان مبارک میں قیام یعنی تراویح سے فارغ ہوتے تھے تو ہم خادموں سے کہتے تھے کہ جلدی کھانا لے آؤ، سحری کے وقت کے ختم ہونے کے خوف سے اور ایک دوسری روایت میں سحور کی بجائے فجر کے الفاظ ہیں، ہم فجر ہو جانے کے خوف سے خادموں سے جلدی کھانا لانے کا کہتے تھے۔ (یہ مؤطا امام مالک کی روایت ہے)

تشریح: ''وعن عبداللّٰہ بن ابی بکر'' یہ ابن محمد بن عمرو بن حزم الانصاری المرنی ہیں۔ یہ مدینہ کے بڑے علماء میں سے ہیں اور تابعی ہیں۔ امام احمد ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ''حدیثه شفاء''۔

(کنا ننصرف فی رمضان من القیام) تراویح کو قیام اس وجہ سے کہا گیا کہ وہ لوگ تراویح میں لمبا قیام کیا کرتے تھے۔ علامہ حلیمی نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ لوگ نیند سے قیام کے بعد تراویح پڑھتے تھے۔ اس لئے اسے قیام سے تعبیر کیا گیا۔ علامہ حلیمی کی یہ بات درست نہیں کیونکہ اکثر حضرات نیند سے پہلے تراویح پڑھ لیا کرتے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ کی رحمت کے بغیر کوئی بھی جنت میں نہیں جا سکتا

۱۳۰۵: وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ تَدْرِیْنَ مَافِیْ هٰذِهِ اللَّیْلَةِ یَعْنِیْ لَیْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ قَالَتْ مَافِیْهَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ فِیْهَا اَنْ یُّکْتَبَ کُلُّ مَوْلُوْدٍ بَنِیْ اٰدَمَ فِیْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِیْهَا اَنْ یُّکْتَبَ کُلُّ هَالِكٍ مِّنْ بَنِیْ اٰدَمَ فِیْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِیْهَا تُرْفَعُ اَعْمَالُهُمْ وَفِیْهَا تُنْزَلُ اَرْزَاقُهُمْ فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَامِنْ اَحَدٍ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی فَقَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ یَّدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی ثَلَاثًا قُلْتُ وَلَا اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَضَعَ یَدَهٗ عَلٰی هَامَّتِهٖ فَقَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰهُ مِنْهُ بِرَحْمَتِهٖ یَقُوْلُهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ (رواه البیهقی فی الدعوات الکبیر)

أخرجه ابن ماجه فی السنن ١/٤٤٥ حديث رقم ١٣٩٠۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتی ہو کہ اس رات میں یعنی شعبان کی پندرہویں رات میں کیا ہوتا ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا آپ ہی بتائیں کیا ہوتا ہے؟ تو فرمایا کہ اس رات میں یہ ہوتا ہے کہ بنی آدم کا ہر وہ شخص جو اس سال میں پیدا ہونے والا ہوتا ہے اس رات میں لکھ دیا جاتا ہے اور بنی آدم کا وہ شخص جو اسی سال میں ہلاک ہونے والا ہوتا ہے وہ بھی اس رات میں لکھا دیا جاتا ہے اور اس رات میں بندوں کے اعمال اوپر اٹھائے جاتے ہیں' اس میں ان کے رزق اتارے جاتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، اے اللہ کے رسول! اللہ کی رحمت کے بغیر کوئی شخص بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں ہے کوئی ایک بھی جو جنت میں داخل ہو، سوائے اللہ کی رحمت کے، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا۔ میں نے کہا، اور آپ بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہونگے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھا اور فرمایا میں بھی (یعنی میں بھی جنت میں داخل نہیں ہوسکتا) مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے رحمت سے ڈھانپ لے اور یہ الفاظ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ارشاد فرمائے۔ (بیہقی، کتاب الدعوات)

تشریح: ''قال هل تدرين ما فی هذه الليلة'' یعنی اے عائشہ! کیا تم اس رات میں پائی جانے والی عظمت وقدرت اور تقدیری فیصلوں کے بارے میں جانتی ہو۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم استفہام تقریری کے ذریعہ اس رات اور اس میں پیش آنے واقعات کی طرف تنبیہ کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ امت پوری طرح اس کو جان لے اور اس میں عبادت، دعا اور غور وفکر کے ذریعہ اس کو زندہ کرے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ نے بھی استفہام تقریری لینے کے سلسلہ میں ابن حجر کی اقتداء کی ہے۔ لیکن اس استفہام کو تقریر کے معنی میں لینا منقول نہیں ہے۔

''فيها أن يكتب'' کتابت سے کتابت ثانیہ ہے۔ لوح محفوظ کے بعد کا لکھنا مراد ہے۔

''كل مولود من بنی آدم'' بنوآدم کی تخصیص ان کی شرافت کی وجہ سے ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''وفیھا ان یکتب کل ھالك من بنی ادم فی ھذہ السنة'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں بھی یہی ارشاد ہے:

''فیھا یفرق کل أمر حکیم''۔ ''اس رات میں ہر اہم حکم کو تقسیم کر دیا جاتا ہے''۔ جیسے بندوں کے رزق اور ان کی زندگیاں وغیرہ۔

''وفیھا ترفع أعمالھم'' یعنی اس رات میں ان تمام اعمال صالحہ کو لکھا جاتا ہے جو اس سال میں واقع ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہؓ نے ما من أحدٍ...... کے الفاظ سے سوال کیا۔ یہ استفہام علی سبیل التقریر ہے یعنی جب اس رات میں اعمال صالحہ اپنے وجود سے پہلے ہی لکھ لئے جاتے ہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ جنت میں اللہ کی رحمت کے بغیر کوئی داخل نہیں ہوسکتا ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں آیا ہے کہ اس رات میں بندوں کے اعمال ملا اعلیٰ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔ جبکہ دوسری روایت میں آتا ہے کہ رات کے اعمال فجر کی نماز کے بعد اور دن کے اعمال عصر کی نماز کے بعد بارگاہ الٰہی میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ پیر اور جمعرات کے دن بھی بندوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ اس تعارض کا حل یہ ہے کہ نصف شعبان میں رفع اعمال سے مراد عام ہے یعنی پورے سال کے اعمال کو عمومی طور پر بارگاہ الٰہی میں پیش کیا جاتا ہے۔ جبکہ دوسرے ارفع سے مراد اسی دن اور رات کے خاص اعمال ہیں۔ جبکہ تیسرے رفع سے مراد اس ہفتہ کے اعمال ہیں۔ اس تکرار کی حکمت اعمال صالحہ کرنے والوں کی حوصلہ افزائی اور اعمال بد کرنے والوں کی حوصلہ شکنی ہے۔

شارح نے اعمال کو اعمال صالحہ کے ساتھ مقید کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''الیه لصیعد الکلم الطیب و العمل الصالح یرفعه''

''اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور عمل صالح اسی کی طرف اٹھتے ہیں''۔

یہ بات واضح ہے کہ آیت سے یہ بات معلوم نہیں ہورہی کیونکہ آیت میں رفع سے مراد قبولیت ہے۔ جبکہ حدیث میں یہ مراد نہیں۔

''ازراقھم'' رزق سے مراد اس کے اسباب اور مقدار ہیں۔ یہ حسی اور معنوی دونوں طرح کے فرق کو شامل ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل اس صورت میں درست قرار دی جاسکتی ہے جب ''فیھا یفرق کل امر حکیم'' سے شب برات مراد ہو حالانکہ قرآن مجید صراحت کے ساتھ اس کی تردید کر رہا ہے کیونکہ ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان میں قرآن مجید نازل ہوا جبکہ ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید لیلۃ القدر میں نازل ہوا۔ لیکن ان دونوں آیات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ شب قدر رمضان کی ایک رات ہے۔ اور اس نزول سے مراد قرآن مجید کا لوح محفوظ تک یکبارگی نازل ہونا مراد ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ پر لوح محفوظ سے آہستہ آہستہ مصالح کے پیش نظر نازل ہوتا رہا۔ جب یہ ثابت ہوا کہ قرآن کا نزول لیلۃ القدر میں ہے اور یہ رات وہی ہے جس میں ہر امر حکیم کا فیصلہ ہوتا ہے تو اس آیت سے شب قدر ہی مراد ہے شب برات مراد نہیں ہوسکتی۔ نیز یہ بات اس حدیث سے معلوم ہورہی ہے کہ شب برات میں ہر اہم امر کا فیصلہ ہوتا ہے۔ تو یہ کہا جائے گا کہ آیت میں شب برات نہیں بلکہ شب قدر مراد ہے البتہ شب قدر اور شب برات دونوں میں ہر اہم امر کا فیصلہ طے ہوتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ فیصلے شب برات میں شروع ہوتے ہیں اور شب قدر تک جاری رہتے ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ایک رات میں دنیاوی اعمال اور دوسری رات میں اخروی اعمال کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

اس میں اور بھی عقلی احتمالات موجود ہیں۔

''فقالت یا رسول اللّٰہ! مامن احد'' ما زائدہ اور استغراق کی تاکید کیلئے ہے۔

''ما من أحد یدخل الجنة الا برحمة اللّٰہ تعالٰی'' یعنی ہر شخص جنت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی داخل ہوگا۔ یہ حدیث قرآن مجید کی اس آیت سے بظاہر متعارض نظر آتی ہے:

''وتلك الجنة التي أورثتموها بما كنتم تعملون''۔ ''تم اس جنت کے وارث بنائے گئے اپنے اعمال کی وجہ سے''۔

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ عمل دخول جنت کا سبب صوری ہے اور سبب حقیقی رحمت باری تعالیٰ ہے۔ ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ دخول جنت تو رحمت باری تعالیٰ کی بنا پر ہوگا لیکن تفاوت درجات تفاوت طاعات کی بنا پر ہوگا۔

''ثلاثا'' یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قول کو تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ یہ تکرار تاکید کیلئے ہے یا حالات ثلثہ کے اعتبار سے ہے۔ عفیف کے نسخہ میں لفظ ''ثلاثہ'' مذکور نہیں۔

''أن یتغمدنی اللّٰہ'' یتغمد، الغمد سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے نیام۔

''ثلاث مرات'' اس جملہ کو بھی تاکید کیلئے پہلے کے مطابق کرنے کیلئے تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔

بعض بدبخت اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ سے بھی محروم ہوتے ہیں

۱۳۰۶: وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَیَطَّلِعُ فِیْ لَیْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَیَغْفِرُ لِجَمِیْعِ خَلْقِهٖ اِلَّا لِمُشْرِكٍ اَوْ مُشَاحِنٍ (رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجه في السنن ۱/ ۴۴۴ حديث رقم ۱۳۸۸۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ متوجہ ہوتے ہیں نصف شعبان کی رات میں (دنیا والوں کی طرف) پس اپنی تمام مخلوق کی بخشش فرما دیتے ہیں، سوائے مشرک اور کینہ رکھنے والے کے۔ یہ ابن ماجہ کی روایت ہے۔

تشریح: ''قال ان اللّٰہ تعالٰی لیطلع'' بتشدید الطاء۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر اپنی رحمت کے مظہر کے ساتھ تجلی فرماتے ہیں۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہی ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یطلع، ینزل کے معنی میں ہے۔

بہتر اور راجح یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ بندوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

''فیغفر لجمیع خلقه'' اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اپنے گناہ کا اقرار اور کوتاہی کا اعتراف کرنے والا ہو۔

''الا لمشرك'' یعنی کافر، خواہ وہ کسی بھی قسم کا کفر کرنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ شرک کرنے والے کو معاف نہیں فرماتے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''مشاحن'' وہ شخص جو کسی سے دشمنی اور کینہ رکھنے والا ہو۔ یہ دشمنی دین کی وجہ سے نہ ہو (بلکہ اس کے پیچھے کوئی دنیاوی غرض ہو)۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رات میں اپنے بندوں سے درگزر فرماتے ہیں لیکن کفر کرنے والے کو اور بندوں کے حقوق میں کمی کرنے والوں کو معاف نہیں فرماتے۔ یہاں تک کہ وہ توبہ کرلے وگرنہ اس کے عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شحناء سے مراد عداوت و دشمنی ہے۔ اس سے مراد وہ دشمنی ہے جو مسلمانوں کے درمیان نفس امارہ بالسوء کی وجہ سے پیدا ہوا اور کوئی دوسرا ان کے ہاتھ اور زبان سے محفوظ نہ رہے کیونکہ یہ عمل قتل تک پہنچانے والا ہے اور اس سے بعض اوقات کفر کا اندیشہ بھی ہوتا ہے کیونکہ کبھی انسان اپنے دشمن کی جان و مال فرط غضب میں آکر حلال اور مباح سمجھنے لگتا ہے۔ اسی وجہ سے ایک روایت میں مشاحن کو قاتل النفس کے ساتھ لایا گیا ہے۔ ان دونوں میں تہدید علی سبیل التغلیظ ہے۔

۱۳۰۷: ورواہ احمد عن عبداللہ بن عمرو بن العاص وفی روایته اِلاَّ اثْنَیْنِ مُشَاحِنٌ وَقَاتِلُ نَفْسٍ۔

ترجمہ: اور امام احمد نے اس روایت کو عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اور ان کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ کینہ رکھنے والے اور کسی کو ناحق قتل کرنے والے (کے علاوہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی بخشش فرمادیتا ہے)۔

''فی روایة'' یعنی امام احمد رحمہ اللہ کی روایت میں۔

''مشاحن'' بالرفع ای هما مشاحن''۔

''وقاتل نفس'' یعنی جان بوجھ کر کسی کو ناحق قتل کرنے والا۔ ان دونوں کو بدلیت کی بنا پر مجرور پڑھنا بھی جائز ہے۔

پندرہویں شعبان کے روزے اور رات کی عبادت کی فضیلت

۱۳۰۸: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا يَوْمَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ اَلَامِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَلَهُ اَلَامُسْتَرْزِقٌ فَاَرْزُقَهُ اَلَا مُبْتَلًى فَاُعَافِيَهُ اَلَا كَذَا اَلَا كَذَا حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ۔

(رواہ ابن ماجۃ) .

أخرجه البخاري في صحيحه ۴۸۴/۱۔ حديث رقم ۳۵۷۔ ومسلم في صحيحه ۴۹۸/۱ حديث رقم (۸۲۔ ۳۳۶) و ابوداود في السنن حديث رقم ۱۲۹۱ والترمذي ۳۳۸/۲ حديث رقم ۴۷۴۔ والنسائي ۲۰۲/۱ حديث رقم ۴۱۵۔ والدارمي ۴۰۲/۱ حديث رقم ۱۲۹۱۔ وفي الموطأ ۱۵۲/۱ حديث رقم ۲۸ من كتاب قصر الصلاة۔ وأحمد في المسند ۴۲۳/۶۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب نصف شعبان کی رات ہو تو اس رات میں نماز پڑھو اور اس کے دن کا روزہ رکھو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس رات میں سورج غروب ہوتے ہی آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے (یعنی اپنی رحمت کے ساتھ بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے) اور فرماتا ہے خبردار کیا کوئی ہے بخشش مانگنے والا کہ میں اس کو بخش دوں، کیا کوئی ہے رزق مانگنے والا کہ میں اس کو رزق دوں، کیا ہے کوئی مصیبت میں مبتلا کہ میں اس کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نجات دوں، کیا ہے کوئی ایسا ایسا (یعنی اللہ تعالیٰ ضرورتوں کے نام لے لے کر پکارتے رہتے ہیں، مثلاً ہے کوئی مانگنے والا کہ میں اس کو دوں وغیرہ) یہاں تک کہ صبح ہو جاتی ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح: ''اذا کانت لیلة نصف من شعبان، فقوموا لیلھا'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ظاہر تو یہ ہے کہ ''فقوموا فیھا'' کہا جائے لیکن جب ظاہر کو ضمیر کے قائم مقام رکھا گیا تو لیلۃ النصف کہا جائے گا۔ پس نصف کا اعتبار کرتے ہوئے ضمیر کو مونث لایا گیا وہ اس رات کا عین ہے۔

''الی السماء الدنیا'' یہ ناظر کی تضمین کے ساتھ ینزل کے ساتھ متعلق ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں لیل سے مراد رات کا بعض حصہ ہے کیونکہ رات کے بعض حصہ پر بھی رات کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں بھی یہی مراد ہے:

''کان یصلی لیلاً طویلاً قائمًا''

میں کہتا ہوں کہ یہ بعضیت تنکیر سے ماخوذ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: ''لیلاً من المسجد الحرام''

یہ بات درست نہیں کہ لفظ لیل کو مطلق بولا جائے تو اس سے بعض لیل مراد لیا جائے۔ اضافت کے ساتھ تو یہ معنی کسی صورت میں درست نہیں ہو سکتا۔

''فیقول'' اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کا منادی اللہ کی طرف سے اعلان کرتا ہے۔

''فأعافیه'' بہت سے پریشان حال لوگ عافیت کی دعا کرتے ہیں لیکن دعا کی شرائط پوری نہ ہونے کی وجہ سے ان کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

حضرت عمر بن خطاب اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور بہت سے اکابرین سے منقول ہے کہ وہ یہ مانگا کرتے تھے:

''اللھم ان کنت کتبتنا أشقیاء فامحه واکتبنا سعداء وان کنت کتبتنا سعداء فاثبتنا فانك تمحوما تشاء وتثبت وعندك أم الکتاب''۔

اس دعا کے بارے میں حدیث میں منقول ہے کہ نصف شعبان کی رات کو یہ دعا پڑھنی چاہیے لیکن یہ حدیث قوی نہیں ہے۔

جیسا کہ سید معین الدین صفوی کی تفسیر میں مذکور ہے۔

اس حدیث میں کتابت سے مراد کتابت اولیٰ معلقہ ہے کیونکہ لوح محفوظ میں لکھی ہوئی بات تبدیل نہیں ہو سکتی۔

اللآلی میں مذکور ہے کہ نصف شعبان میں سو رکعات اس طرح پڑھنا کہ ہر رکعت میں دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے، بڑے ثواب کا عمل ہے۔ اس قسم کی روایات موضوع ہیں۔

علی بن ابراہیم اپنے ایک رسالہ میں لکھتے ہیں کہ شب برات میں پائی جانے والی بدعات میں سے ایک دس دس مرتبہ سورۂ اخلاص کے ساتھ سو رکعات پڑھنا بھی ہے۔ بہت سے لوگ اس کا اہتمام کرتے ہیں حالانکہ اس کے بارے کوئی خبر یا اثر معلوم نہیں سوائے ایک ضعیف یا موضوع حدیث کے۔

صاحب قوت اور صاحب احیاء وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عوام الناس کیلئے یہ نماز بہت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑا فتنہ ثابت ہوئی اور بزرگان دین اس بدعت کی بنا پر بہت خشت کا شکار ہوئے اور اسے بڑے فتنوں میں شمار کیا۔

اس نماز کی ابتداء بیت المقدس میں سن ۴۴۸ھ میں ہوئی۔ مساجد کے جاہل ائمہ نے لوگوں کو جمع کرنے، سرداری وشہرت کے حصول اور لوگوں کو قابو کرنے کیلئے اسے صلاۃ الرغائب وغیرہ کے ساتھ ملا کر پڑھنا شروع کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ائمہ ہدیٰ کو اس فتنہ کو ختم کرنے کی طرف متوجہ کیا اور انہوں نے آٹھویں صدی کی ابتداء تک مصر اور شام کے علاقوں سے اسے ختم کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ خبر ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے۔ نیز علماء نے اس سے صرف اس لئے منع کیا کہ یہ نماز اپنے ساتھ بہت سی منکرات کو لائی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''ارایت الذی ینھی عبدا اذا صلی'' کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو بندے کو نماز سے منع کرتا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی ابتداء برامکہ سے ہوئی۔ وہ پہلے آگ کی پوجا کرتے تھے جب وہ اسلام میں داخل ہوئے تو انہوں نے ان چیزوں کو اسلام میں داخل کیا جنہیں وہ دین کی سنتوں میں سمجھتے تھے اور ان کا مقصود آگ کی عبادت کرنا ہوتا ہے وہ مسلمانوں کے ساتھ رکوع سجدہ بھی آگ کو کرتے تھے۔

علامہ طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر جمع ہونے اور سٹیج لگانے کو بدعت قرار دیا ہے میں کہتا ہوں کہ علامہ طرطوسی کی فطانت وفراست پر قربان جائیں۔ اب تو اس عمل میں اہل حرمین شریفین بھی شریک ہیں حتی کہ ختم قرآن کے موقع پر مردوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کا ایسا اجتماع ہوتا ہے جو عید اور جمعہ کے دن بھی دیکھنے میں نہیں آتا۔ اس کی وجہ سے بہت سے منکرات جنم لیتے ہیں وہ آگ کی طرف رخ کرتے ہیں اور بیت اللہ کی طرف پشت پھیر لیتے۔ وہ مطاف میں آگ کی پوجا کرنے والوں کی طرح کھڑے ہو کر طواف کرنے والوں کیلئے جگہ تنگ کر دیتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عفو وعافیت اور غفران ورضوان کا سوال کرتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

بَابُ صَلٰوةِ الضُّحٰى

نماز ضحیٰ کا بیان

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چاشت کے وقت سے مراد دن کا وہ حصہ ہے جب سورج پوری طرح بلند ہو جائے اور اس کی شعاعیں زمین پر چھا جائیں۔

اس کی ترکیب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اصل عبارت ''صلاۃ وقت الضحی'' ہے۔ لیکن راجح یہ ہے کہ صلاۃ کی اضافت الضحیٰ کی طرف فی کے معنی میں ہے جیسے صلاۃ اللیل و صلاۃ النہار۔

علامہ میرک فرماتے ہیں کہ الضحوۃ (بفتح المعجمۃ وسکون المھملۃ) کا معنی ہے ارتفاع النہار، اسی طرح الضحیٰ (بالمد والقصہ) کا معنی ہے دن کا روشن ہونا۔

چاشت کے وقت کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ دن کے چوتھائی حصہ کے گزرنے کے بعد زوال سے تھوڑی دیر پہلے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک ہوتا ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہ تو وقت متعارف ہے ورنہ اس کا اصل وقت وہی ہے جو اشراق کی نماز کا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اشراق کے وقت سے چاشت کے وقت کی ابتداء ہوتی ہے۔

ضحی مشتق ہے ضحو اور ضحوۃ سے، اس کا معنی ہے سورج کا بلند ہونا، دن کا چڑھنا اور چاشت کا وقت ہونا اور اس وقت پڑھی جانے والی نماز کو صلوٰۃ ضحیٰ کہتے ہیں، ضحیٰ کی عموماً دو نمازیں ہیں: نماز اشراق' نماز چاشت۔

نماز اشراق:

یہ جب سورج ایک نیزہ بلند ہو جائے اور مکروہ وقت ختم ہو جائے یہ اس وقت پڑھی جاتی ہے اور عربی کی اصطلاح میں اس کو ضحوہ صغریٰ بھی کہتے ہیں۔ نماز اشراق کی کم از کم دو رکعتیں ہیں، اور زیادہ سے زیادہ چھ رکعتیں ہیں۔

نماز چاشت:

یہ نماز اس وقت پڑھی جاتی ہے جب سورج بلند ہو جائے اور دوپہر شروع ہو جائے اور گرمی پیدا ہو جائے، اور عربی میں اس کو ضحوہ کبریٰ کہتے ہیں۔ نماز چاشت کی کم از کم دو رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں، لیکن مختار مذہب یہ ہے کہ چاشت کی چار رکعتیں پڑھنا بہتر ہے کیونکہ صحیح احادیث اور آثار صحابہؓ سے چار رکعتیں پڑھنا ہی منقول ہیں۔ امام نسائی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اشراق اور چاشت دونوں پڑھتے تھے، فرماتے ہیں کہ جب آفتاب مشرق کی جانب ایسا ہوتا جیسا کہ عصر کے وقت مغرب کی جانب ہوتا ہے تو آنحضرت ﷺ دو رکعت نماز پڑھتے تھے (یہ نماز اشراق ہوتی تھی) اور جب آفتاب شرق کی جانب ایسا ہوتا جیسا کہ ظہر کے وقت مغرب کی جانب ہوتا ہے تو آپ ﷺ چار رکعتیں پڑھتے تھے (یہ صلوٰۃ چاشت تھی)۔

صلوٰۃ ضحیٰ کا حکم:

اکثر علماء کے نزدیک یہ مستحب ہے کیونکہ اس کی فضیلت بہت زیادہ منقول ہے۔ شیخ ولی الدین ابن عراقی فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ ضحیٰ کے بارے میں صحیح اور مشہور روایتیں بہت زیادہ منقول ہیں یہاں تک کہ محمد ابن جریر طبرانی فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ ضحیٰ کے متعلق جو احادیث منقول ہیں وہ تواتر کا درجہ رکھتی ہیں۔

علامہ سیوطی نے علامہ دیلمی کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ صلوٰۃ ضحیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے وہ اکثر اسے پڑھا کرتے تھے۔ اور علامہ ابن نجار نے حضرت ثوبانؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ صلوٰۃ ضحیٰ وہ عظیم نماز ہے جسے حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے ہمیشہ پڑھا، اور علامہ قاضی ابوبکر فرماتے ہیں کہ یہ پچھلے انبیاء اور رسل کی نماز ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الفصل الاول:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چاشت کی نماز

۱۳۰۹: عَنْ اُمِّ هَانِیءٍ قَالَتْ اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ دَخَلَ بَیْتَهَا یَوْمَ فَتْحِ مَکَّةَ فَاغْتَسَلَ وَصَلّٰی ثَمَانِیَ رَکْعَاتٍ فَلَمْ اَرَصَلَاةً قَطُّ اَخَفَّ مِنْهَا غَیْرَ اَنَّهٗ یُتِمُّ الرُّکُوْعَ وَالسُّجُوْدَ وَقَالَتْ فِیْ رِوَایَةٍ اُخْرٰی وَذٰلِكَ ضُحًی۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱/ ۴۸۴۔ حدیث رقم ۳۵۷۔ ومسلم فی صحیحه ۱/ ۴۹۸ حدیث رقم (۸۲۔ ۳۳۶) و ابوداود فی السنن حدیث رقم ۱۲۹۱ والترمذی ۲/ ۳۳۸ حدیث رقم ۴۷۴۔ والنسائی ۱/ ۲۰۲ حدیث رقم ۴۱۵۔ والدارمی ۱/ ۴۰۲ حدیث رقم ۱۲۹۱۔ وفی الموطأ ۱/ ۱۵۲ حدیث رقم ۲۸من کتاب قصر الصلاۃ۔ وأحمد فی المسند ۶/ ۴۲۳۔

ترجمہ: حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن میرے گھر میں تشریف لائے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا اور پھر آٹھ رکعات نماز (چاشت) پڑھی میں نے اس سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے ہلکی نماز نہیں دیکھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع وسجود پورا کرتے تھے۔ ایک دوسری روایت میں فرماتی ہیں کہ یہ چاشت کی نماز تھی۔ (بخاری)

تشریح: ''عن أم هانیء'' بهمزة بعد النون۔ ان کا اصل نام فاختہ تھا اور حضرت علیؓ کی بہن ہیں۔

''وصلی ثمانی رکعات'' دو سلاموں کے ساتھ یا چار کے ساتھ، دونوں احتمال ہیں۔

''أخف منها'' اس نماز کی تخفیف لمبی سورتوں اور ذکر طویل کو ترک کرنے کی بنا پر تھی۔

''غیر أنه أیتم الرکوع والسجود'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''غیر'' استثناء کی بنا پر منصوب ہے۔ اس جملہ میں، رکوع وسجود کی طمانیت کے مہتم بالشان ہونے کو بتانا مقصود ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع وسجود کے علاوہ باقی تمام ارکان میں تخفیف فرمائی لیکن ان دونوں کو خوب طمانیت سے ادا فرمایا۔

ملا حنفی کہتے ہیں کہ غیر استثناء کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ اس سوال مقدر کو دور کرنے کیلئے ہے جو ما رأیته کے قول سے پیدا ہوا تھا۔

وہ سوال یہ تھا کہ اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع وسجود کو پوری طرح ادا نہیں فرمایا۔ ان دونوں کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ اکثر تساہل انہی دو میں ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تر چاشت میں چار رکعات پڑھتے تھے

۱۳۱۰: وَعَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ سَاَلْتُ عَائِشَةَ کَمْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ صَلَاةَ الضُّحٰی قَالَتْ اَرْبَعَ رَکْعَاتٍ وَیَزِیْدُ مَاشَاءَ اللّٰهُ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/ ۴۹۷ حدیث رقم (۷۹۔ ۷۱۹)۔ وأحمد فی المسند ۶/ ۱۴۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: حضرت معاذہؒ فرماتی ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ صلوۃ ضحیٰ کی کتنی رکعات پڑھا کرتے تھے؟ تو انہوں نے جواباً ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ چار رکعتیں پڑھتے تھے، اور اس سے زیادہ بھی جس قدر اللہ تعالیٰ چاہتا تھا، تو پڑھتے تھے۔ (مسلم)

تشریح: ''وعن معاذۃ'' یہ معاذۃ بنت عبداللہ العدویۃ الصہباء البصریۃ ہیں۔ تقریب کے مطابق یہ ثقہ اور طبقہ ثالثہ سے ہے۔

''قالت سألت عائشة: كم كان رسول الله ﷺ'' یعنی نبی کریم ﷺ کتنی رکعات پڑھتے تھے۔ یہ عبارت اگلے قول ''یصلی صلاۃ الضحی'' کیلئے مفعول مطلق ہے۔

''قالت: أربع ركعات'' یعنی چار رکعات سے کم نہیں پڑھتے تھے۔ احیاء میں لکھا ہے مناسب یہ ہے کہ ان چار رکعات میں سورۃ الشمس، سورۃ اللیل، سورۃ الضحیٰ اور سورۃ الانشراح پڑھی جائیں۔

''ويزيد'' یہ عبارت مقدر پر عطف ہے اور وہ قول کا مقول ہے یعنی ی صلی أربع ركعات ويزيد۔

''ما شاء الله'' علامہ مظہرؒ نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ بلا حصہ کے چار رکعات پر اضافہ فرماتے تھے لیکن آپ ﷺ بارہ رکعات سے زیادہ چاشت کی نماز میں نہ پڑھتے تھے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سعید بن منصور نے ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے اسود سے پوچھا کہ میں کتنی رکعات چاشت پڑھوں؟ انہوں نے فرمایا ''جتنی چاہو پڑھ لو''۔

ابو نعیم نے حلیۃ الأولیاء میں عون بن شداد سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ چاشت میں سو رکعات نماز پڑھتے تھے۔

صلوٰۃ ضحیٰ جسم کے تمام جوڑوں کا صدقہ ہے

۱۳۱۱: وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰى مِنْ اَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ فَكُلُّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَحْلِيْلَةٍ صَدَقَةٌ وَ كُلُّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةٌ وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَيُجْزِىٔ مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى۔

(رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/٤٩٨ حديث رقم (٨٤۔ ٧٢٠)۔ وأحمد في المسند ٥/١٧٨۔

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا صبح ہوتے ہی تم میں سے ہر ایک کے ہر جوڑ پر صدقہ لازم ہے لہٰذا ہر تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے اور ہر تحمید یعنی الحمدللہ کہنا صدقہ ہے اور تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے اور امر بالمعروف صدقہ ہے اور نہی عن المنکر صدقہ ہے۔ اور ان تمام کے قائم مقام ہے کہ بندہ صلوٰۃ ضحیٰ کی دو رکعتیں پڑھ لے (یعنی صلوٰۃ ضحیٰ کی دو رکعتیں پڑھنا تمام جوڑوں کا صدقہ ادا کر دیتا ہے)۔ (مسلم)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح: ''سلامی من أحدکم'' سلامی، بضم السین و فتح المیم بمعنی جوڑ۔ اس سے مراد پوری ہڈیاں ہیں۔
نہایہ میں لکھا ہے کہ سلامی جمع ہے سلامیۃ کی، سلامیۃ انگلی کے پورے کو کہا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کی واحد وجمع برابر ہے اور اس کی جمع سلامیات کے وزن پر بھی آتی ہے۔

''صدقۃ'' اس جملہ میں 'علی'' ندب کی تاکید کیلئے ہے اور تصدق وجوب اصطلاحی کے معنی میں ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یصبح کا اسم یا تو صدقہ ہے یعنی ہر صبح ہر جوڑ کے بدلے صدقہ واجب ہوتا ہے۔ یا اس کا اسم من أحدکم ہے اور ظرف خبر بنے گا۔ صدقہ ظرف کا فاعل ہوگا۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ تم میں سے ہر ایک اس حال میں صبح کرتا ہے کہ اس پر ہر جوڑ کے بدلے صدقہ واجب ہوتا ہے۔

قاضی رحمہ اللہ اس جملہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ابن آدم جب ہر جوڑ کی سلامتی کے ساتھ صبح کرتا ہے تو اس پر اس ذات کے شکر کیلئے صدقہ واجب ہوتا ہے جس نے اسے صورت بخشی اور ہر تکلیف دہ چیز سے محفوظ رکھا۔

مفاصل کی تعداد کو ذکر نہ کرنا طوالت سے بچنے کیلئے ہے۔ اس کے ترک میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ بھی ہے:

''وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها'' ''اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو ان کا احاطہ نہیں کر سکتے''۔

اس حدیث میں یہ بتانا مقصود ہے کہ صدقہ صرف مال خرچ کرنے کا نام نہیں بلکہ ہر نیکی صدقہ ہے۔ انسان اپنے افعال اور حرکات وسکنات کے ذریعہ بھی صدقہ کا ثواب حاصل کر سکتا ہے۔

''وأمر بالمعروف صدقة، ونهي عن المنكر صدقة'' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فائدہ اس عمل کو انجام دینے والے کو بھی ہوتا ہے۔ اور اس کی منفعت عام مسلمانوں کو بھی پہنچتی ہے۔

پچھلے جملے میں لفظ ''کل'' استعمال ہوا تھا لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذکر میں لفظ کل استعمال نہیں۔ شاید پچھلے ذکر کو کافی سمجھا گیا۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی یہ توجیہہ کی ہے کہ اس میں ان دونوں عملوں کی ندرت وقوع کی طرف اشارہ ہے۔ جبکہ گذشتہ اذکار تو ہر وقت کر سکتا ہے۔ خاص طور پر وہ شخص جو لوگوں سے الگ تھلگ ہوتا ہو وہ تو ان دونوں افعال میں مشغول ہو ہی نہیں سکتا۔ لفظ کل کو ذکر نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان دونوں میں کلیت بالکل ظاہر ہے کیونکہ یہ باقی اذکار سے افضل ہیں۔

اس حدیث میں صدقہ حقیقیہ (مال خرچ کرنا) کا عدم ذکر فقراء اور مساکین کی تسلی اور دل جوئی کیلئے ہے۔

''ویجزی'' بالتذکیر و التانیث۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس لفظ کو یاء کے ضمہ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ اس صورت میں اجزاء سے ماخوذ ہوگا۔ یہ بفتح الیاء بھی نقل کیا گیا ہے اس صورت میں یہ جزی یجزی سے مشتق ہوگا۔

''رکعتان'' یعنی اعضاء وجوارح کی سلامتی پر جن صدقات کا ذکر کیا گیا ان کیلئے یہ دو رکعات بھی کافی ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ نماز تمام اعضاء کی عبادت ہے۔ اس میں ہر ہر عضو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔ نماز صدقات مذکورہ پر بھی مشتمل ہے۔ نیز اس میں انسان اپنے نفس کیلئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سامان بھی کرتا ہے۔ علاوہ ازیں نماز بے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

''یر کعھا من الضحی'' اس نماز پر مداومت اختیار کرنا بہت ضروری ہے۔اسی وجہ سے بعض علماء نے ترک چاشت کو مکروہ قرار دیا ہے۔اس کی کم از کم مقدار دو رکعات کو قرار دیا گیا اس میں نہی بتیراء کی طرف مخفی اشارہ ہے۔

ان دو رکعات کو اجزاء سے تعبیر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اس وقت میں لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور حق عبودیت کے قیام سے غافل ہوتے ہیں۔اسی وجہ سے سورۃ الفجر کی آیت ''والشفع والوتر'' کی تفسیر چاشت کی نماز سے کی گئی ہے۔اور وتر بھی رات میں پڑھے جاتے ہیں۔اور یہ دونوں وقت آرام کے اوقات ہیں۔

صلوٰۃ ضحیٰ یعنی چاشت کا بہترین وقت

۱۳۱۲:وَعَنْ زَيْدِ ابْنِ اَرْقَمَ اَنَّهٗ رَاٰى قَوْمًا يُصَلُّوْنَ مِنَ الضُّحٰى فَقَالَ لَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّ الصَّلَاةَ فِىْ غَيْرِ هٰذِهِ السَّاعَةِ اَفْضَلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَاةُ الْاَوَّابِيْنَ حِيْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/ ۵۱۵ حديث رقم (۱۴۳۔۷۴۸)۔

ترجمہ:حضرت زید بن ارقمؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے کچھ لوگوں کو صلوٰۃ ضحیٰ پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ یہ لوگ جانتے ہیں کہ اس نماز کو اس وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں پڑھنا افضل ہے (پھر اس وقت کیوں پڑھتے ہیں) بے شک رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کی (صلوٰۃ ضحیٰ) نماز کا وقت وہ ہے جبکہ اونٹوں کے بچے گرم ہونے لگیں۔(مسلم)

تشریح:''انه دأى قومًا يصلون من الضحى فقال لقد علموا أن الصلاة فى غير هذه الساعة أفضل'' علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''من الضحى'' میں من زائدہ ہے،اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ چاشت کی نماز پڑھتے ہیں۔من تبعیضیہ بھی ہوسکتا ہے اس پر لقد علموا کا قول بھی صادق آتا ہے یعنی حضرت زید بن ارقم نے چاشت کے بعض وقت میں نماز کو ناپسندیدہ خیال کیا ہے گویا کہ وہ چاشت کے اول وقت میں نماز پڑھ لیتے ہیں اور مستحب وقت کا انتظار نہیں کرتے حالانکہ وہ جانتے بھی ہیں کہ نماز دوسرے وقت میں افضل ہے۔من کو ابتدائیہ بھی بنایا جاسکتا ہے۔اس سے مراد وہ نماز ہوگی جو اول وقت میں شروع کی جائے اور حضرت زید کا قول کا معنی یہ ہوگا کہ وہ اول وقت میں نماز شروع کرنے سے منع فرما رہے ہیں۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے من کو مقدر عبادت کیلئے بیانیہ قرار دیا ہے۔''ای صلاة هى الضحى'' میرے خیال میں اس کا ابتدائیہ ہونا راجح ہے اس کی تائید ''ان رسول الله ﷺ'' سے بھی ہوتی ہے۔

محققین صوفیاء کا خیال یہ ہے کہ تواب اسے کہتے ہیں جو معصیت سے بار بار توبہ کرنے والا ہو اور اَوّاب سے مراد وہ شخص ہے جو غفلت سے بار بار توبہ کرنے والا ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''حین ترمض الفصال'' الفصال جمع ہے الفصیل کی۔ فصیل اونٹنی کے بچہ کو کہتے ہیں جب وہ اپنی ماں سے جدا ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب اونٹ کا بچہ دن کی گرمی کی شدت کو محسوس کرتا ہے اور گرمی کی وجہ سے اس کے سم جلنے لگتے ہیں۔ اس میں بتانا یہ مقصود ہے کہ یہ وقت راحت و آرام کا وقت ہے۔ لہٰذا اس میں نماز میں مشغول ہونا نفس کی خواہش کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف متوجہ ہونے کے مترادف ہے۔

محدثین کا کہنا یہ بھی ہے کہ اس حدیث مبارک کا شان ورود یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قباء تشریف لائے اور یہاں کے لوگوں کو اس نماز میں مشغول پایا تو یہ ارشاد فرمایا۔ حاصل یہ ہے کہ چاشت کا اول وقت وہ ہے جب سورج طلوع ہو جائے۔ آخری وقت سورج کے استواء کا وقت ہے اور افضل وقت ان دونوں کے درمیان کا ہے اور وہ ربع نہار ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اس طرح انسان کے پورے دن کا کوئی ربع نماز سے خالی نہ رہے گا۔

الفصل الثانی:

صلوٰۃ ضحیٰ پڑھنے پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ

۱۳۱۳: وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ وَاَبِیْ ذَرٍّ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ اللّٰہِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اَنَّہٗ قَالَ یَا ابْنَ اٰدَمَ اِرْکَعْ لِیْ اَرْبَعَ رَکْعَاتٍ مِنْ اَوَّلِ النَّھَارِ اَکْفِكَ اٰخِرَہٗ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/ ۳٤۰ حدیث رقم ٤۷۵۔

ترجمہ: حضرت ابو درداءؓ اور حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اے ابن آدم! تو دن کے شروع حصہ میں میرے لیے چار رکعتیں پڑھ لیا کر میں تیری اس دن کی شام یعنی آخر تک تیری کفالت کرونگا۔ یہ ترمذیؒ کی روایت ہے اور ابوداؤد اور دارمیؒ نے نعیم بن حماز غطفانی سے نقل کیا ہے اور امام احمد نے ان سب سے یہ روایت نقل کی ہے۔

تشریح: ''قالا، قال رسول اللہ ﷺ عن اللہ'' لفظ ''عن اللہ'' کی ترکیب کے بارے میں دو قول ہیں:

① یہ مقولہ کا حصہ ہے۔ ② تقدیری عبارت یہ ہے ناقلا أو قائلاً عن اللہ''۔

''تبارك'' وہ ذات جس کی خیر و برکت کثیر ہے۔ ''وتعالیٰ'' وہ ذات جس کی عظمت و بزرگی بلند ہے۔

''انہ'' بفتح الھمزہ، ایک نسخہ میں بکسر الھمزۃ بھی ہے۔

''اربع رکعات من اول النھار'' اس کے مصداق میں تین قول ہیں:

۱۔ چاشت۔ ۲۔ اشراق۔ ۳۔ فجر کے دو فرض اور سنتیں۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا معنی یہ ہے میں تیری ضروریات و حوائج کو پورا کروں گا اور تیری ناپسندیدہ چیزوں کو تجھ سے دور کروں گا۔ معنی یہ ہے کہ تو دن کے شروع میں اپنے دل کو میری عبادت کیلئے فارغ کرنے میں دن کے آخر میں تیری ضروریات سے تیرے دل کو فارغ کر دوں گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحب تخریج المصابیح فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے اس حدیث میں ذکر کردہ رکعات کو چاشت کی نماز پر محمول کیا ہے۔ اسی وجہ سے امام ابوداؤد اور امام ترمذیؒ نے اسے باب الضحیٰ میں ذکر کیا ہے۔ میرکؒ نے نقل کیا ہے کہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ نہار سے مراد طلوع شمس اور غروب شمس کا درمیانی وقت ہے۔ یہ قول ماہرین فلکیات اور حکماء کی رائے کے مطابق ہے۔ تو درست ہوسکتا ہے۔ لیکن شرعی طور پر نہار کا اطلاق طلوع صبح سے مغرب تک ہوتا ہے۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔ اس کی سند میں اسماعیل بن عیاش قاضی راوی متکلم فیہ ہیں۔

شمائل میں ''ابن آدم'' کے الفاظ منقول ہیں، صرف نداء وہاں مذکور نہیں۔

۱۳۱۴: وَرَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ هَمَّارٍ الْغَطْفَانِيِّ وَاَحْمَدُ عَنْهُمْ۔

ترجمہ: ابوداؤد دارمی نے نعیم بن ہمار غطفانی سے اور امام احمد نے ان سب سے یہ روایت نقل کی ہے۔

راوی حدیث:

نعیم بن ہمار۔ یہ نعیم 'ہمار' کے بیٹے ہیں۔ ''ہمار'' میں ہاء مفتوح' میم مشدد اور راء مہملہ ہے۔ اور ایک نسخہ میں زاء معجمہ کے ساتھ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہمام آخر میں میم ہے۔ قبیلہ غطفان کے آدمی ہیں۔ ابوادریس خولانی نے ان سے روایت کی۔

تشریح: ''ورواه'' ایک نسخہ میں ''وابوداؤد'' کے الفاظ ہیں اور یہ غلط ہے۔

''ابو داؤد والدارمی'' میرکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام نسائی نے بھی ذکر کیا ہے۔

''عن نعیم بن هماز'' بتشدید المیم وبالراء المہملہ، ایک نسخہ میں ہماز (بالزای) بھی ہے۔ علامہ میرکؒ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کے نزدیک نعیم کے والد کا نام ہمار ہے۔ علاوہ ازیں هدار، هبار، خمار، ہمام اور حماز بھی نقل کئے گئے ہیں۔

''وأحمد منهم'' یعنی امام احمد نے بھی ان تین مذکورہ صحابہ سے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ اس موقع پر ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے ''عن الثلاثة الأولين ونعيم'' یہ قول وہم ہے۔

صلوٰۃ ضحیٰ جسم کے ہر جوڑ کا صدقہ ہے

۱۳۱۵: وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِي الْاِنْسَانِ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَّسِتُّوْنَ مَفْصِلًا فَعَلَيْهِ اَنْ يَتَصَدَّقَ عَنْ كُلِّ مَفْصِلٍ مِّنْهُ بِصَدَقَةٍ قَالُوْا وَمَنْ يُّطِيْقُ ذَاكَ يَانَبِيَّ اللّٰهِ قَالَ النُّخَاعَةُ فِي الْمَسْجِدِ تَدْفِنُهَا وَالشَّيْءُ تُنَحِّيْهِ عَنِ الطَّرِيْقِ فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فَرَكْعَتَا الضُّحٰى تُجْزِئُكَ۔

(رواه ابو داود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ٥/٤٠٦ حديث رقم ٥٢٤٢۔ وأحمد في المسند ٥/٣٥٩۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، پس انسان پر لازم ہے کہ وہ ہر جوڑ کے بدلہ میں صدقہ دے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اس کی کون طاقت رکھتا ہے اے اللہ کے رسول! تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد میں پڑا ہوا تھوک اس کو دفن کرنا بھی صدقہ ہے اور اسی طرح راستہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا بھی صدقہ ہے اگر تو یہ چیزیں نہ پائے تو پھر دو رکعتیں چاشت کی پڑھ لینا تیرے لئے کافی ہے۔(ابوداؤدؒ)

تشریح:''ثلاثمائة وستون مفصلا'' بفتح الميم و كسر الصاد''

''فعليه أن يتصدق عن كل مفصل منه بصدقة'' فعلیہ لزوم اور وجوب کیلئے استعمال ہوا ہے لیکن اس سے مراد لزوم وتاکید ہے شرعی وجوب مراد نہیں۔کیونکہ کوئی بھی چاشت کی نماز اور ان احادیث میں مذکور صدقات کی وجوبیت کا قائل نہیں ہے۔البتہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اجمالی اور تفصیلی شکر بجالانا شرعاً واجب ہے۔

''قالوا: ومن يطيق ذالك'' ایک نسخہ میں ''ذلك'' ہے۔

شاید لوگوں نے صدقہ کو صدقہ متعارف یعنی خیرات مالیہ پر محمول کیا اور یہ سوال کر دیا کہ اس کی طاقت کون رکھے گا۔کیونکہ اکثر لوگ فقراء تھے۔''تدفنها'' اس میں صیغہ جمع سے اس لئے عدول کیا گیا کہ کہیں اس عمل وفضیلت کے صحابہ کرامؓ کے ساتھ خاص ہونے کا وہم نہ ہو۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بظاہر تعبیر یہ ہونی چاہیے تھی ''من يدفن النخاعة في المسجد'' لیکن ان صفات کے اہتمام شان کو بیان کرنے کیلئے خطاب عام استعمال کیا گیا کہ ہر وہ شخص جس سے یہ خطاب ہو اس کو چاہیئے کہ اس پر عمل کرے۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں نخامہ (تھوک) سے مراد کسی دوسرے کی تھوک ہے کیونکہ اسے دفن کرنا سنت مؤکدہ ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور اس کی ترغیب دی۔اپنی تھوک کو دفن کرنا تو واجب اور ضروری ہے کیونکہ اس نے حرام کا ارتکاب کیا اور اس کا ختم کرنا اس پر واجب ہے اور شارع نے اسے اس کا کفارہ قرار دیا ہے۔

''فركعتا الضحى تجزئك'' خبر کا افراد معنی کے اعتبار سے ہے اصل عبارت ہوگی۔''فصلاة الضحى تجزئك''۔

''رواه ابو داؤد''۔علامہ میرکؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں علی بن حسین بن واقد ہیں۔علامہ ذہبی ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ابوحاتم نے انہیں ضعیف اور دوسرے بعض حضرات نے انہیں قوی قرار دیا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو تین سو ساٹھ جوڑ عطا فرمائے ہیں۔جو اللہ اکبر کہے، الحمد للہ کہے، لا الٰہ الا اللہ کہے۔استغفر اللہ کہے، راستے سے پتھر، کانٹے اور ہڈی کو ہٹائے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے اور یہ تمام اعمال تین سو ساٹھ مرتبہ کرے۔تو اس دن اس حال میں چلتا ہے کہ اسے دوزخ سے دور کر دیا گیا ہوتا ہے۔

وكم لله من لطف خفيي ☆ يدق خفاه عن فهم ذكي

''اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ کتنے ہی ایسے انعامات ہیں جن کی پوشیدگی کسی عالی دماغ پر بھی واضح نہ ہو سکی''۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلوٰۃ ضحیٰ پڑھنے پر جنت میں محل ملتا ہے

۱۳۱۶: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الضُّحٰى ثِنْتَيْ عَشَرَةَ رَكْعَةً بَنَى اللّٰهُ لَهٗ قَصْرًا مِنْ ذَهَبٍ فِي الْجَنَّةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ۔

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/۳۳۷۔وابن ماجه فی السنن ۱/۴۳۹ حدیث رقم ۱۳۸۰۔

ترجمه: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص چاشت کی بارہ رکعتیں پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں سونے کا محل بناتا ہے۔

اسنادی حیثیت: اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ ہم بجز اس سند کے جو ترمذی نے نقل کی ہے اور کسی سند سے اسے نہیں جانتے۔

تشریح: ''من صلی الضحی ثنتی عشرة رکعة'' یہ بارہ رکعات اکٹھی پڑھے یا الگ الگ، دونوں طرح درست ہے۔علامہ میرکؒ فرماتے ہیں کہ امام نوویؒ نے اس حدیث کو احادیث ضعیفہ میں ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے ''اگر تم چاشت کی دو رکعات پڑھو تو غافلوں میں شمار ہو گے۔ اگر چار رکعات پڑھو گے تو محسنین میں لکھ دیئے جاؤ گے، اگر چھ رکعات پڑھو گے تو قانتین میں لکھ دیئے جاؤ گے۔ اگر آٹھ رکعات پڑھو گے تو فائزین میں لکھ دیئے جاؤں گے اگر دس رکعات پڑھو گے تو اس دن تمہارا کوئی گناہ نہ لکھا جائے گا۔ اور اگر بارہ رکعات پڑھو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے جنت میں ایک گھر بنا دے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ذرؓ سے عرض کیا ''اے چچا جان! مجھے نصیحت فرما دیجئے۔ حضرت ابو ذرؓ نے فرمایا کہ جو سوال تم نے مجھ سے کیا یہ سوال میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا ''اگر تم چاشت کی دو رکعات پڑھو تو غافلین میں شمار نہ ہو گے''۔

طبرانی نے حضرت ابو درداءؓ کے حوالے سے یوں نقل کیا ہے کہ جو شخص چاشت کی چار رکعات پڑھے عبادت گزاروں میں شمار ہو گا۔ جو چھ رکعات پڑھے اس دن کی تمام حاجات پوری ہو جائیں گی اور جو آٹھ رکعات پڑھے اللہ تعالیٰ اسے قانتین میں لکھ دیں گے۔

نمازِ اشراق کی فضیلت

۱۳۱۷: وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ نِالْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ فِي مُصَلَّاهُ حِيْنَ يَنْصَرِفُ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتّٰى يُسَبِّحَ رَكْعَتَيِ الضُّحٰى لَا يَقُوْلُ اِلَّا خَيْرًا غُفِرَلَهٗ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ اَكْثَرَ مِنْ زَبَدِ الْبَحْرِ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۲/۶۲ حدیث رقم ۱۲۸۷۔وأحمد فی المسند ۳/۴۳۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: حضرت معاذ بن انس الجہنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص فجر کی نماز پڑھ کر اپنی نماز کی جگہ پر بیٹھا رہے یہاں تک کہ اشراق کی دو رکعتیں پڑھ لے (اور نماز فجر اور نماز اشراق کے درمیان) اپنی زبان سے سوائے کلمہ خیر کے دوسری بات نہ کرے تو اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، اگر چہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔

تشریح: ''وعن معاذ بن أنس الجهني'' قبیلہ جہینہ کی طرف نسبت ہے۔

''غفرله خطاياه'' یہاں مراد صغائر ہیں البتہ کبائر کا احتمال بھی موجود ہے۔

ابوداؤد نے اسے سهل بن معاذ الجهني عن أبيه کی سند سے نقل کیا، سہل ضعیف ہیں اور اس کے ایک اور راوی زبان بھی ضعیف ہیں۔ البتہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث بھی معمول بہ ہوتی ہے اور اس کی تحقیق گزر چکی کہ اس جملہ میں یہ حجۃ تامہ کی طرح مکمل اور تمام حجت ہے۔

الفصل الثالث:

۱۳۱۸: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافَظَ عَلٰى شَفْعَةِ الضُّحٰى غُفِرَتْ لَهٗ ذُنُوْبُهٗ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔ (رواه احمد والترمذى وابن ماجة)

أخرجه الترمذي في السنن ۳۴۱/۲ حديث رقم ۴۷۶۔ وابن ماجه ۴۴۰/۱ حديث رقم ۱۳۸۲۔ وأحمد في المسند ۴۹۹/۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص صلوۃ ضحیٰ کی دو رکعتوں پر ہمیشگی اختیار کرے گا اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اگر چہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ ترمذی ابن ماجہ اور مسند امام احمد کی روایت ہے۔

تشریح: ''غفرت له ذنوبه وان كانت مثل زبد البحر'' کثرت کو سمندر کی جھاگ کے ساتھ تشبیہ دینے میں حکمت یہ ہے کہ مخاطبین کے نزدیک مشہور و متعارف ہے۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں ''مثل'' کی تعبیر اختیار کی گئی جبکہ اس سے پہلی حدیث میں ''اكثر'' کا لفظ استعمال کیا گیا تھا اس کی حکمت یہ ہے کہ وہاں ذکر کردہ صورت زیادہ مشکل ہے پس اس میں مغفرت کی مقدار بھی زیادہ ہونی چاہیے۔

ابن حجر کا یہ قول محل نظیر ہے کیونکہ مواظبت مذکورہ (جو کہ دوسری حدیث میں ہے) اس قعود سے قوی معلوم ہوتی ہے۔ جو پہلی حدیث میں ذکر کیا گیا۔ البتہ اگر یہ کہا جائے کہ قعود میں بھی مواظبت شرط ہے تو پھر اس کے افضل ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

(رواه احمد والترمذى وابن ماجه) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو بہت سے ائمہ نے نہاس بن قہم سے نقل کیا ہے۔

علامہ میرکؒ نے نہاس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معمول

۱۳۱۹: وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا كَانَتْ تُصَلِّي الضُّحٰى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ تَقُوْلُ لَوْ نُشِرَلِيْ اَبَوَایَ مَا تَرَكْتُهَا۔

(رواہ مالك)

أخرجه مالك في الموطأ ۱۵۳/۱ حديث رقم ۳۰ من كتاب قصر الصلاة۔

ترجمہ: حضرت امّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مروی ہے کہ وہ صلوٰۃ ضحیٰ کی آٹھ رکعتیں پڑھا کرتی تھیں اور پھر فرماتی تھیں اگر میرے لئے میرے ماں باپ بھی زندہ کر دیئے جائیں تو پھر بھی میں اس نماز کو نہ چھوڑوں گی۔ (امام مالک)

تشریح: ''انها كانت تصلي الضحى ثماني ركعات'' شاید وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عام الفتح والے عمل کی اتباع کرتی تھیں۔

''ثم تقول لو نشري ابواى ماتركتها'' پھر ترغیب دینے کیلئے فرماتیں کہ اگر میرے ماں باپ کو زندہ کر دیا جائے تو پھر بھی میں ان رکعات کو نہ چھوڑوں گی۔ یعنی میں اس لذت کے حصول کیلئے اس لذت کو نوازش نہ کروں گی۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ مبالغہ کیلئے تعلیق بالمحال کی قبیل سے ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ اگر میرے والدین کو زندہ کر کے مجھے خصوصیت بخشی جائے تو یہ بھی میرے لئے ان آٹھ رکعات کی لذت سے زیادہ نہ ہوگی۔ یعنی اگر مجھے کہا جائے کہ اپنے اس عمل کی لذت کو اس لذت کیلئے چھوڑ دوں تو میں کبھی نہ چھوڑوں گی۔ حالانکہ فطرت طبعی کا تقاضا اس کے برخلاف ہوگا۔ اس جملہ کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اگر میرے والدین زندہ ہو جائیں۔ تو انہیں خوش آمدید کہنے یا ان کی خدمت کے لئے بھی اس نماز کو نہ چھوڑوں گی۔ یہ مواظبت کی انتہاء سے کنایہ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے چاشت کے بارے میں اور بھی روایات منقول ہیں ترمذی میں حضرت عبداللہ بن شقیق رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا نہیں البتہ جب سفر سے واپس آتے تو پڑھتے تھے۔

اس حدیث میں سفر سے واپسی کے علاوہ چاشت پڑھنے کی نفی معلوم ہو رہی ہے جبکہ حضرت معاذہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ روایت میں اس کا مطلقاً اثبات معلوم ہو رہا تھا۔

صحیحین میں حضرت عروہؒ کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول بھی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چاشت کی نماز پڑھتے نہیں دیکھا جبکہ میں چاشت کی نماز پڑھا کرتی تھی۔

اس روایت میں مطلقاً رؤیت کی نفی ہو رہی ہے۔ پس ان روایات کی بنا پر محدثین کا اختلاف پیدا ہوا۔ ابن عبدالبرؒ اور کچھ محدثین کے نزدیک شیخان کی متفق علیہ روایت کو اس روایت پر ترجیح دیں گے جس میں امام مسلم منفرد ہیں۔ نیز معاذہ اور عبداللہ بن شقیقؒ والی روایتیں امام مسلم کے مفردات میں سے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ عدم رؤیت عدم وقوع کو مستلزم نہیں۔ لہٰذا ان صحابہ کی روایات کو ترجیح دی جائے گی جنہوں نے چاشت کے اثبات کو نقل کیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے محدثین نے دونوں قسم کی روایات میں تطبیق کا راستہ اختیار کیا چنانچہ امام بیہقیؒ حضرت عروہؓ والی روایت کی یہ توجیہہ کرتے ہیں کہ اس میں دوام کی طرف اشارہ ہے یعنی میں نے حضور ﷺ کو اس نماز پر دوام اور ہیشگی اختیار کرتے نہیں دیکھا جبکہ میں اس پر ہیشگی اختیار کرتی تھی۔

محب طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محدثین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دو متعارض اقوال:

''ما کان یصلی الا ان یجیئ من مغیبه''اور''کان یصلی اربعا......''کے درمیان جمع کی یہ صورت بتائی کہ قول اول مسجد میں نماز پڑھنے پر محمول ہے۔اور قول ثانی گھر میں۔اس تطبیق پر اس متفق علیہ روایت کی بنا پر اشکال ہوتا ہے جس میں آیا ہے''ما رأیته سبح سبحة الضحی''اس کا جواب یہ دیا گیا کہ منفی صفت مخصوصہ ہے۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں:''ما صلاها''کا معنی ہے:''ما رأیته صلاها''میں نے حضور ﷺ کو یہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔یعنی حضور ﷺ یہ نماز تو پڑھتے تھے لیکن حضرت عائشہ اپنے مشاہدہ کی نفی کر رہی ہیں۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بیس سے زائد صحابہ کرام کو شمار کیا ہے جو چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی اُمت پر شفقت

۱۳۲۰:وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الضُّحٰی حَتّٰی نَقُوْلَ لَا یَدَعُهَا وَیَدَعُهَا حَتّٰی نَقُوْلَ لَا یُصَلِّیْهَا۔(رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/۳۴۲ حدیث رقم ۴۷۷۔وأحمد فی المسند ۳/۳۶۔

ترجمہ:حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے،فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب صلوٰۃ ضحیٰ پڑھنا شروع کرتے تو ہم کہتے اب آپ اس نماز کو نہیں چھوڑیں گے اور آپ اس کو کبھی چھوڑ دیتے،یہاں تک ہم یہ کہتے اب آپ اس کو نہیں پڑھیں گے۔

تشریح:نبی کریم ﷺ کا یہ ترک فعل اوقات کے مقتضی کے مطابق رخصت وعزیمت کے پیش نظر تھا اس کی نظیر صلاۃ تہجد اور صوم نفل میں گذر چکی ہے۔یہ بھی ممکن ہے کہ ترک سے مراد عدد اور زمانہ ومکان کی صفت مخصوصہ کی ترک ہو اور حضور ﷺ پر چاشت کے واجب ہونے کے منافی نہیں کیونکہ مراد یہ ہے کہ چاشت نبی کریم ﷺ پر فی الجملہ واجب تھی ہر روز کیلئے واجب نہ تھی۔

۱۳۲۱:وَعَنْ مُوَرِّقِ الْعِجْلِیِّ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ تُصَلِّی الضُّحٰی قَالَ لَا قُلْتُ فَعُمَرُ قَالَ لَا قُلْتُ فَاَبُوْبَکْرٍ قَالَ لَا قُلْتُ فَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا اِخَالُهٗ۔(رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳/۵۱۔حدیث رقم ۱۱۷۵۔

ترجمہ:حضرت مورق عجلیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا،کیا آپ صلوٰۃ ضحیٰ پڑھتے ہو؟انہوں نے فرمایا نہیں۔تو میں نے پھر پوچھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ؟(یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ چاشت کی نماز پڑھتے تھے)فرمایا نہیں پڑھتے تھے۔پھر میں نے پوچھا کیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ؟(پڑھتے تھے)انہوں نے فرمایا،کہ نہیں۔تو پھر میں نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عرض کیا کہ آنحضرت ﷺ پڑھتے تھے؟ فرمایا کہ نہیں، میرا خیال یہی ہے۔ (بخاری)

تشریح: "وعن مورق" بالتشدید اسم فاعل۔

"العجلی" بکسر فسکون۔ بنوعجل نامی قبیلہ کی طرف نسبت ہے۔

"قلت فأبو بکر؟ قال لا" ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سوال میں مقدم کرنے کی حکمت یہ ہے کہ انسان اپنے والد کے افعال سے جو آگاہی رکھتا ہے وہ کسی اور کے افعال کے خیال نہیں رکھ سکتا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ توجیہہ اس صورت میں درست ہے جب فاء تعقیب کیلئے ہو لیکن اس کلام میں فاء ترقی کیلئے ہے جیسا کہ "قلت فالنبی ﷺ" سے معلوم ہوتا ہے۔

"لا اخالہ" بکسر الہمزۃ، اس طرح پڑھنا زیادہ فصیح ہے، کبھی اس کو موفق قیاس بفتح الہمزہ بھی پڑھا جاتا ہے۔

رواہ البخاری شرح السنۃ میں ہے کہ بعض علماء نے چاشت کی نماز کو مکروہ قرار دیا ہے ابوبکرہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے انہوں نے کچھ لوگوں کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا "تم لوگ ایسی نماز پڑھتے ہو جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں پڑھی"۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایات جن سے نماز چاشت کی نفی معلوم ہوتی ہے دوسری وہ روایات جن میں اس نماز کا اثبات عیاں ہو رہا ہے ان سب میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کبھی تو اس نماز کی فضیلت حاصل کرنے کیلئے اسے پڑھ لیا کرتے تھے۔ اور کبھی اس کے فرض ہوجانے کے خوف سے چھوڑ بھی دیا کرتے تھے۔ نیز یہ بات بھی بہت واضح ہے کہ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ چاشت کے وقت نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ہوتے۔ کبھی آپ مسجد میں ہوتے کبھی کسی اور جگہ ہوتے کبھی دوسری ازواج کے پاس ہوتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں نو دن کے بعد تشریف لاتے اور اس دن نماز چاشت نہ پڑھتے ہوں گے۔ اس طرح تمام روایات کی تطبیق ہوجاتی۔ باقی رہی یہ بات کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے چاشت کو بدعت قرار دیا ہے۔ تو اس کی توجیہہ یہ ہے کہ انہوں نے اسے مسجد میں پڑھنے اور اس کا کھلم کھلا کرنے کو بدعت قرار دیا ہے کیونکہ اس بارے میں اصل یہ ہے کہ انہیں گھر میں ادا کیا جائے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ کا فعل اور آپ کا عمل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تک نہ پہنچا ہو۔ نیز ممکن ہے کہ انہوں نے اس کی پابندی ومواظبت کو بدعت قرار دیا ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرض ہونے کے خوف سے اس پر مواظبت نہ فرمائی تھی۔

ملا حنفی کہتے ہیں اس بات میں کوئی شک نہیں کی حضور ﷺ کے وصال کے بعد اب اس نماز کے فرض ہونے کا خوف باقی نہیں رہا۔ لہٰذا درست یہ ہے کہ اس نماز پر مواظبت اختیار کرنا مستحب ہے۔ اکثر علماء ومشائخ کا یہی مذہب ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَابُ التَّطَوُّعِ

(نفل نماز کا بیان)

ان تمام نفل نمازوں کا بیان جو حضور ﷺ سے ثابت ہیں۔ جیسے تحیۃ الوضوء، صلاۃ استخارہ، صلاۃ توبہ، صلاۃ احاجۃ اور صلوٰۃ تسبیح وغیرہ۔

تطوع یہ طَوْعٌ اور طاعۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی تابعداری کے ہیں، نفلی عبادت کو تطوع اور نفل عبادت کرنے والے کو متطوِّع کہتے ہیں، عموماً تطوع کا اطلاق فرض کے علاوہ ہر نماز پر ہوتا ہے چاہے وہ سنت ہو مستحب ہو یا نفل ہو، لیکن زیادہ تر تطوع کا اطلاق ان نمازوں پر ہوتا ہے جو کہ سنن غیر مؤکدہ کہلاتی ہیں۔ صاحب مشکوٰۃ نے اس باب میں مندرجہ ذیل نفل نمازوں کا تذکرہ کیا ہے۔ تحیۃ الوضوٗ صلوٰۃ استخارہ ٗصلوٰۃ توبہ ٗصلوٰۃ حاجت ٗصلوٰۃ تسبیح مطلق نفل کے بارے میں بھی چند احادیث نقل کی ہیں۔

الفصل الاول:

تحیۃ الوضو کی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا منفرد اعزاز

۱۳۲۲: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ یَا بِلَالُ حَدِّثْنِیْ بِاَرْجٰی عَمَلٍ عَمِلْتَهٗ فِی الْاِسْلَامِ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَیْكَ بَیْنَ یَدَیَّ فِی الْجَنَّةِ قَالَ مَاعَمِلْتُ عَمَلاً اَرْجٰی عِنْدِیْ اَنِّیْ لَمْ اَتَطَهَّرْ طُهُوْرًا فِیْ سَاعَةٍ مِّنْ لَیْلٍ وَّلَا نَهَارٍ اِلَّا صَلَّیْتُ بِذٰلِكَ الطُّهُوْرِ مَاكُتِبَ لِیْ اَنْ اُصَلِّیَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳/۳۴۔ حدیث رقم ۱۱۴۹۔ ومسلم فی صحیحه ۴/۱۹۱۰ حدیث رقم (۱۰۸۔ ۲۴۵۸)۔ وأحمد فی المسند ۲/۳۳۳۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اے بلال! مجھے یہ بتاؤ وہ عمل جس پر آپ کو ثواب کی سب سے زیادہ امید ہو جو آپ نے حالت اسلام میں کیا ہو، وہ کیا ہے؟ بے شک میں نے سنی ہے تمہارے جوتوں کی آواز جنت میں اپنے سامنے۔ تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں نے نہیں کیا کوئی ایسا عمل جو کہ زیادہ امید والا ہو میرے ہاں سوائے اس کے کہ میں پاکی حاصل نہیں کرتا دن رات کے کسی بھی حصے میں مگر میں پڑھ لیتا ہوں اس وضو کے ساتھ جو میرے مقدر میں ہوتی ہے کہ میں اس نماز کو پڑھ لوں۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: ''قال رسول اللہ ﷺ للبال عند صلاۃ الفجر'' عند بمعنی عقب یاقبیل کے ہے۔ نیز صلاۃ سے مراد فرض یا سنت قول ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افعل التفضيل يجوز أن يكون للفاعل أي :أخبرني بعمل يكون رجاؤك بثوابه أكثر.
ابن ملک کے اس مذکورہ قول میں دو غلطیاں ہیں ایک یہ کہ انہوں نے افعل التفضیل کو فاعل کے معنی میں ہونے کو جائز قرار دیا (یعنی ان کا یہ کہنا کہ ہوسکتا ہے کہ افعل التفضیل فاعل کے معنی میں ہو) حالانکہ اصل یہی ہے کہ افعل التفضیل فاعل کے معنی میں ہوتا ہے دوسرا یہ کہ انہوں نے کلام کا جو ترجمہ کیا وہ مبنی للمفعول ہونے کے اعتبار سے مبنی للفاعل ہونے کے اعتبار سے نہیں۔

''فاني سمعت دف نعليك'' أي: صوتهما عند مشيك فيهما'' ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا معنی کیا ہے ''صوت مشيك فيهما'' یہ درست نہیں کیونکہ مشی کے معنی مصدری میں صوت کو دخل نہیں۔ اس کا اصل معنی ہے آہستگی سے چلنا اور یہاں صوت سے مراد ایسی ہلکی اور معمولی آواز ہے جو چلنے سے پیدا ہوتی ہے۔

''في الجنة'' ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس امر کا عالم غیب سے حالت نوم، حالت بیداری یا حالت نوم وحالت بیداری کی درمیانی کیفیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کشف ہوا تھا یا آپ نے شب معراج میں اسے دیکھا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چلنا اسی طرح ہے جیسے خادم مخدوم کی حفاظت کیلئے اس کے آگے چلتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی تطییب خاطر اور ترغیب سامعین کیلئے یہ بات ارشاد فرمائی۔

''أرجى عندى أني'' بالفتح۔ اسے کسرہ کے ساتھ پڑھنا بھی درست ہے اس صورت میں یہ جملہ مستانفہ ہے۔

''لم أتطهر طهورا'' بضم الطاء۔ اس سے مراد عام طہارت ہے جو وضو، غسل اور تیمم کو شامل ہے۔ ابن ملک رحمہ اللہ نے اسے بفتح الطاء پڑھا ہے اس صورت میں اس سے مراد صرف وضو ہوگا۔

اس حدیث سے بظاہر اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنے کا جواز معلوم ہو رہا ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ وہ احادیث جن میں حرمت کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا اس حدیث پر مقدم ہوں گی جس میں جواز کا احتمال ہے۔ نیز اس حدیث میں یہ کہیں نہیں کہ وضو کے فوراً بعد نفل پڑھتے تھے بلکہ مراد مطلق بعد میں پڑھنا ہے۔

امام میرک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث میں کچھ دوسرے امور کو بھی نقل فرمایا ہے۔ یا تو راویوں کے بیان کا اختلاف ہے یا واقعہ مکرر ہے۔

صلوٰۃ استخارہ کا طریقہ اور دُعا

۱۳۲۳: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِي الْاُمُوْرِ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ اِذَا هَمَّ اَحَدُكُمْ بِالْاَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْاَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ اَوْقَالَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدِرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ اَوْقَالَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْدِرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ ارْضِنِي بِهِ قَالَ وَيُسَمِّي حَاجَتَهُ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۳/ حديث رقم ۱۱۶۶۔ والترمذی فی السنن ۲/ ۲۴۵ حديث رقم ۴۸۰۔ وابن ماجه ۱/ ۴۴۰ حديث رقم ۱۳۸۳۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں استخارہ سکھاتے تھے تمام امور میں جس طرح کہ قرآن مجید کی کوئی سورت ہمیں سکھاتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے جب بھی ارادہ کرے تم میں سے کوئی کسی بھی کام کا تو اس کو چاہیئے کہ وہ دو رکعتیں نماز پڑھ لے فرض کے علاوہ (یعنی نفل اور پھر یہ دعا پڑھے **اللهم انی استخيرك بعلمك**...... اے اللہ میں تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں تیرے علم کے وسیلہ سے اور میں تجھ سے قدرت طلب کرتا ہوں تیری قدرت کے واسطہ سے اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے بڑے فضل کا، بے شک تو قادر ہے اور میں قادر نہیں ہوں اور تو سب چیزوں کو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو جاننے والا ہے تمام غیب کی باتوں کو، اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام بہتر ہے میرے لیے، میرے دین میں اور میری دنیا میں، اور میرے انجام کے اعتبار سے۔ راوی کہتے ہیں یا فرمایا، میرے جلد آنے والے معاملے یا بدیر آنے والے معاملے میں یعنی میری دنیا میں یا آخرت میں تو اس کو مہیا فرما دے میرے لیے اور اس کو آسان کر دے میرے لیے پھر تو اس میں برکت ڈال دے میرے لیے اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے برا ہے میرے دین اور میری معاش اور میرے انجام کے اعتبار سے یا میری دنیا و آخرت میں، تو اس کو مجھ سے پھیر دے اور مجھے اس سے پھیر دے اور میرے لیے مہیا فرما جس میں خیر ہو جہاں بھی کہیں ہو اور پھر مجھے اس پر راضی فرما دے، اور لفظ ہذا الامر کی جگہ اپنی ضرورت اور چاہت کا نام لے۔ (بخاری)

تشریح: ''كان رسول الله ﷺ يعلمنا الاستخارة'' استخارہ سے مراد یہ ہے کہ دو امور میں خیر کو طلب کرنا۔

''اذاهم أحدكم بالأمر'' یعنی جب تم میں سے کوئی کسی کام مثلاً نکاح یا سفر وغیرہ کا ارادہ کرے۔

ابن ابی حمزہؒ فرماتے ہیں: ''دل پر وارد ہونے والے خیالات کے مختلف مراتب ہیں:

① الهمة۔ ② اللمة۔ ③ الحظرة۔ ④ النية۔ ⑤ الارادة۔ ⑥ العزيمة۔

پہلے تین میں مواخذہ نہیں جب کہ دوسرے تین میں مواخذہ ہے۔

نبی کریم ﷺ کے فرمان ''اذاهم'' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب دل میں کسی کا خیال آئے تو فوراً استخارہ کر لے تا کہ دعا و نماز کی برکت سے خیر فوراً ہو جائے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بات دل میں بیٹھ جائے عزم مصمم کر لے اس کی طرف میلان ہو جائے تو خیر شر کی طرف پلٹنے کا امکان کم ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ حدیث میں هم سے مراد عزیمت ہو کیونکہ دل پر آنے والے خیالات پختہ نہیں ہوتے۔ اس لئے استخارہ کرنے لگے تو بہت سا وقت اسی میں ضائع کر دے گا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث یہ الفاظ آئے ہیں: ''اذا اراد أحدكم أمرًا''۔

اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

''فليركع ركعتين'' یعنی کم از کم دو رکعات استخارہ کی نیت سے پڑھے۔ پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۂ اخلاص پڑھے۔ یا پہلی میں سورۂ قصص کی آیت ۶۸ اور دوسری رکعت میں سورۂ احزاب کی آیت ۳۶ پڑھے۔

"من غیر الفریضة" یہ اکملیت کا بیان ہے۔ اس کی نظیر تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء ہیں۔ علامہ میرک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے کہ صلوٰۃ استخارہ کیلئے فرض نماز میں نیت کافی نہیں۔ بلکہ اسے الگ ادا کرنا ہوگا۔ کچھ حضرات کا مسلک یہ ہے کہ چونکہ اس کے وقت کی تعیین نہیں کی گئی اس لئے صلوٰۃ استخارہ اوقات مکروہہ میں بھی جائز ہے لیکن جمہور کا مسلک یہ ہے استخارہ کی نماز اوقات مکروہہ کے علاوہ میں پڑھی جائے گی۔

"اللهم انی استخیرك" اے اللہ! میں تجھ سے دو امروں میں سے بہتر کا سوال کرتا ہوں۔

"بعلمك" بسبب علمك "معنی اس قول کا یہ ہے کہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اپنے علم کے ذریعے میرے دل کو خیر الامرین کیلئے کھول دے کیونکہ اشیاء کی حقیقت کا علم صرف تجھے ہی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

(البقرة: ۲۱۶) "ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو برا سمجھو اور وہ تمہارے لئے اچھی ہو اور ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو لیکن وہ تمہارے لئے بری ہے اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے"۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ أستخیرك بعلمك اور أستقدرك بقدرتك۔ دونوں میں باء استعانت کے لئے ہے یا استعطاف کیلئے ہے۔

"و أستقدرك بقدرتك" یعنی میں تجھ سے قوت طلب کرتا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ نیکی کرنے کی قوت اور گناہ سے بچنے کی طاقت اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ "قال رب بما أنعمت علی"۔

"و أنت علام الغیوب" بضم الغین و کسرھا۔ یہ باب الاکتفاء یا طریق البرھان کی قبیل سے ہے۔ معنی یہ ہوگا تو کثیر علم والا ہے اور غائب اشیاء کو بھی جانتا ہے ظاہر چیزوں کا کیا کہنا تو تو پوشیدہ اور مخفی اسرار سے بھی واقف ہے۔

یہ کلام ماقبل کی تکمیل و تاکید کیلئے ہے۔ مقام دعا میں ایسی ہی الحاح و زاری ہونی چاہیے جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا میں الحاح و زاری کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

پہلے کلام میں علم کو مقدم کرنے اور دوسرے میں تقدیر کو مقدم کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اصل یہ ہے کہ علم کے بعد فعل خیر کو انجام دینے کی قدرت بھی حاصل ہو جائے۔

"اللهم ان کنت تعلم ان هذا لأمر" ایک روایت میں آتا ہے کہ اس موقع پر اپنی حاجت کو بیان کرے، یا دل میں اس کا استحضار کرے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اللهم ان کنت تعلم" میں کلام کو موقع شک میں لایا گیا اور اس سے تفویض اور خفا کا اظہار کیا گیا اس کو بلاغت کی اصطلاح میں تجاہل عارف اور مزج الشك بالیقین کہا جاتا ہے۔ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ شک اس علم میں ہے جو خیر و شر سے متعلق ہو اصل علم میں شک نہیں۔

دوسرا قول زیادہ بہتر اور راجح ہے پہلے قول کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے میں ہمیں توقف ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''خيرلي في ديني ومعاشي'' صحاح میں لکھا ہے''العيش الحياة''۔العیش اور معاش کا ایک ہی معنی ہے۔ان دونوں میں سے ہر ایک کو مصدر بنایا جا سکتا ہے۔طبرانی اوسط میں حضرت ابن سلامؓ کی روایت میں آیا ہے''في ديني ودنياي'' جبکہ طبرانی کبیر میں ابوایوب انصاری کی روایت میں آیا ہے۔''في دنياي وآخرتي''۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ راوی کا شک یہ ہے کہ نبی کریم نے عاقبة أمری فرمایا یا عاجل أمری واجله فرمایا۔بعض علماء کا کہنا ہے کہ اس کی چار صورتیں ہیں:

① دین کی خیر ہو دنیا کی نہ ہو'یہ ابدال کا مقصود ہے۔ ② محض دنیا کی خیر ہو۔یہ حقیر شخص کا مقصود ہے۔

③ خیر عاجل ہو نہ کہ آجل۔ ④ خیر آجل ہو نہ کہ عاجل۔یہ اولی ہے اور دونوں کو جمع کرنا افضل ہے۔

اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ شک اس بارے میں ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے''في ديني ومعاشي وعاقبة أمري''فرمایا یا ان تین الفاظ کی جگہ''في عاجل أمري وآجله''فرمایا:عاجل الأمر دینی اور دنیوی دونوں کو شامل ہے۔جبکہ لفظ آجل ان دونوں کو اور عاقبت کو بھی شامل ہے۔

''فاقدره''بضم الدال وکسرہ۔

نہایہ میں لکھا ہے کہ تقدیر کے ذکر کو اس حدیث میں مکرر لایا گیا ہے۔تقدیر سے مراد وہ چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمالیا۔یہ قدر يقدر قدورا سے مصدر ہے۔لیلۃ القدر کو بھی لیلۃ القدر اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس میں رزق کی تقدیر لکھی جاتی ہے اور اس کا فیصلہ ہوتا ہے۔

''ويسره لي'' تقدیر کے بعد تیسیر (آسانی) کا سوال ہے۔بعض نے تقدیر سے تیسیر مراد لی ہے اس صورت میں ويسره لي عطف تفسیری ہوگا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بزار کی روایت''فوفقه وسهله''کے الفاظ منقول ہیں۔

شہاب الدین قرافی اپنی کتاب''القواعد''میں لکھتے ہیں:

''جو دعا استئنافِ مشیت پر مشتمل ہو حرام ہوتی ہے جیسے''اقدرلي الخير'' کیونکہ وہ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے مستقبل پر صادق آتی ہے۔نہ کہ ماضی پر۔کیونکہ دعا نام ہے طلب کا اور طلب زمانہ ماضی میں محال ہے۔پس اس دعا کا مقتضی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تقدیر کو مستقبل میں مرتب فرمائیں حالانکہ یہ بات محال ہے کیونکہ تقدیر تو ازل سے لکھی جا چکی ہے۔پس اس دعا سے اس مسلک کو تقویت ملتی ہے جس کے مطابق تقدیر کی کوئی حیثیت نہیں اور ہر کام خود بخود ہوتا ہے جیسا کہ خوارج کا مسلک ہے اور بالاجماع فسق ہے۔اگر آپ یہ کہیں کہ حدیث استخارہ میں''واقدرلي الخير حيث كان'' کے الفاظ آئے ہیں تو میں یہ کہوں گا کہ یہاں تقدیر سے مراد مجازی طور پر تیسیر ہے۔لہٰذا دعا مانگنے والا اگر اس مجاز کو پیش نظر رکھے تو پھر جائز ہے''۔

''ثم بارك لي فيه''ثم ترتیب کیلئے ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ثم کو لانے میں حکمت یہ ہے کہ سوال کے بعد حصول میں عام طور پر کچھ تراخی ہوتی ہے۔ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات سے اتفاق مشکل ہے کیونکہ اگر یہ دعا ابتداء سے برکت کے ساتھ ملی ہوئی نہ ہوتی تو وہ مضمحل ہوتا۔البتہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برکت کا ظہور کبھی مؤخر ضرور ہوتا ہے لیکن وہ یہاں مراد نہیں۔ اگر ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی بات کو خارج میں تسلیم کر بھی لیا جائے تو دعا وطلب کے مقام میں یہ معنی بالکل بھی درست نہیں۔

''فاصرفه عني واصرفني عنه'' ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: واصرفني عنه ماقبل فاصرفه عني کے لئے تاکید ہے کیونکہ جب وہ عمل شر سے دور ہوگا تو یہ بھی اس سے دور ہو جائے گا۔ اس کے معنی میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ فاصرفه عني سے مراد ہے لا تقدرني عليه اور اصرفني عنه سے مراد ہے اصرف خاطري عنه۔

''واقدر لي الخير حيث كان'' نسائی میں ''حيث كنت'' کے الفاظ ہیں۔ بزار کی روایت میں ''وان كان غير ذلك خيراً فوفقني الخير حيث كان'' کے الفاظ ہیں۔ ابن حبان کی روایت میں ''وان كان غير ذلك خيراً لي فاقدر لي الخير حيثما كان'' کے الفاظ ہیں۔ انہی کی ایک روایت میں ''اينما كان لاحول ولا قوة الا بالله'' کے الفاظ منقول ہیں۔

''ثم ارضني به'' ای بالخیر۔ نسائی کی روایت میں ''بقضائك'' کے الفاظ ہیں۔

ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ نے اس جملہ کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ پھر مجھے اپنی اس خیر سے راضی کر دے جو تو نے میرے مقدر میں لکھی ہے کیونکہ بعض اوقات مقدر میں خیر لکھی ہوئی ہے لیکن انسان اسے ناپسند سمجھتا ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔ لیکن اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہوں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اصول سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ نیز کسی امر کے اظہار و تعیین میں مقرر کرنا شرط نہیں بلکہ محض نیت بھی کافی ہے۔

علامہ میرک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محدثین اربعہ، ابن حبان اور ابن ابی شیبہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا۔

ابن حبان اور ابن ابی شیبہ کی ابوایوب انصاریؓ والی روایت میں ذکر ہے کہ آدمی جب کسی عورت سے شادی کرنا چاہے تو پیام نکاح سے پہلے اچھی طرح وضو کرے پھر نماز پڑھے پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے:

''اللهم انك تقدر ولا أقدر وتعلم ولا أعلم وأنت علام الغيوب فان رأيت ان في فلانة خيرا لي في ديني ودنياي واخرتي فاقدر بها لي وان كان غيرها خيرا لي منها في ديني واخرتي فاقدرها لي''۔

دوسرے فقرے میں دنیا کا ذکر نہ کرنے میں ایک نکتہ ہے جو مخفی نہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ استخارہ کے بعد دل میں اس کام کے بارے میں انشراح محسوس کرے گا۔ اگر دل میں انشراح محسوس نہ ہو تو اس وقت تک نماز میں مشغول رہے جب تک خیر ظاہر نہ ہو جائے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں سات مرتبہ استخارہ کرے۔

اگر وقت کم ہو اور لمبی دعا نہ پڑھ سکے تو اتنا پڑھ لے۔ ''اللهم خر واخترلي واجعل لي الخيرة''۔

یا یہ دعا پڑھ لے: ''اللهم خرلي واخترلي ولا تلكني الى اختياري''

يا خائر العبيدة ○ لاتتركن أحدًا سدًى

خرلي اليك طريقة ○ بيديك أساب الهدى

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

''اے اپنے بندے کی ضمیر چاہنے والے! تو کسی کو بے راہ نہ چھوڑ میرے لئے حق کا راستہ واضح کر دے کہ سارے اسبابِ ہدایت تیرے قبضے میں ہیں''۔

منقولہ دعاؤں میں سے ایک یہ ہے: اے اللہ! مجھے اچھے اعمال اور اچھے اخلاق کی توفیق دے، اچھے اخلاق اور عمدہ اعمال کا راستہ تو ہی دکھاتا ہے۔ اے اللہ مجھ سے اعمال و اخلاق کی برائی کو دور کر دے اس برائی کو صرف تو ہی دور کر سکتا ہے۔

الفصل الثانی:

برائی کے بعد فوراً توبہ کرنی چاہیے

۱۳۲۴: عَنْ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنِي اَبُوْبَكْرٍ وَصَدَقَ اَبُوْبَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَامِنْ رَّجُلٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَتَطَهَّرُ ثُمَّ يُصَلِّي ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ ثُمَّ قَرَأَ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ (رواه الترمذی وابن ماجة الا ان ابن ماجة لم يذكر الآية) وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ۔

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۲/۱۸۰ حديث رقم ۱۵۲۱۔ والترمذی فی السنن ۲/۲۵۷ حديث رقم ۴۰۶۔ وابن ماجه ۱/۴۴۶ حديث رقم ۱۳۹۵۔ وأحمد فی المسند ۱/۲۔

ترجمہ: فاتح خیبر حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ خلیفہ بلافصل حضرت صدیق اکبرؓ نے میرے سامنے بیان کیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا، فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص بھی کوئی گناہ کرتا ہے اور پھر نادم ہوتے ہوئے اٹھتا ہے اور وضو کرتا ہے اور نماز پڑھتا ہے تو پروردگار اس کی بخشش فرما دیتے ہیں پھر یہ آیت پڑھی: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً......﴾ وہ لوگ جب کوئی ایسا کام کر بیٹھیں جو برائی والا ہو یا ظلم کر بیٹھیں اپنی ذات پر وہ یاد کرنا شروع کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اور معافی چاہتے ہیں اپنے گناہوں کی۔ یہ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت ہے لیکن ابن ماجہ میں آیت کا حوالہ نہیں۔

تشریح: ''عن علی رضی اللہ عنہ قال حدثنی ابو بکر'' یہ روایۃ الا قران کی قبیل سے ہے جیسے امام ابوحنیفہ کا امام مالک سے اور امام مالک کا امام ابوحنیفہ سے رویت کرنا اور امام شافعی کا امام محمد بن حسن شیبانی سے روایت کرنا۔

''وصدق أبوبکر رضی اللہ عنہ'' ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ معترضہ ہے اس کے ذریعے حضرت علیؓ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جلالت شان اور ان کی سچائی کی رفعت کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

''مامن رجل'' ای أمرأۃ۔ من زائدہ ہے اس کا مقصد افادۂ استغراق کی زیادتی ہے۔

''یذنب ذنبا ثم یقوم'' علامہ طیبی رحمہ اللہ نے ثم کو تراخی رتبی کیلئے قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس کا تراخی زمانی کیلئے ہونا راجح ہے۔ یعنی اگر اس گناہ کرنے والے کا عزم توبہ گناہ سے متاخر بھی ہو تب بھی یہ فضیلت اسے حاصل ہوگی کیونکہ توبہ کی قبولیت

www.KitaboSunnat.com

کیلئے گناہ کے فوراً بعد توبہ کرنا شرط نہیں۔

"ثم یصلی" ابن السنی کی روایت میں ثم یصلی کے بعد رکعتین کا اضافہ ہے ان رکعات میں پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھے۔ یا پہلی رکعت میں آل عمران کی آیت ۱۳۵ اور دوسری میں سورۂ نساء کی آیت ۱۱۰ پڑھے۔

"ثم یستغفر اللّٰہ" استغفار سے مراد ماضی کے گناہوں پر ندامت اور مستقبل میں گناہ نہ کرنے کا عزم مراد ہے۔ انسان تہیہ کرے کہ آئندہ گناہ نہ کرے گا نیز اگر کسی کی حق تلفی کی ہے تو اس کے حقوق ادا کرے۔ ثم دونوں جگہوں میں محض عطف تعقیبی کیلئے ہے۔

"الا غفر اللّٰہ لہ" حصن میں ہے: "الا غفر لہ ذنوبہ کلھا" اللہ تعالیٰ نہ صرف بندے کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں بلکہ انہیں نیکیوں سے تبدیل کر دیتے ہیں۔

"ثم قرأ" اس جملہ کے معنی میں دو احتمال ہیں:

① حضور ﷺ نے استشہاد و اعتضاد کیلئے یہ آیت پڑھی۔ ② حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تصدیق و توفیق کیلئے یہ آیت پڑھی۔

"والذین" یہ "علی المتقین" پر عطف ہے۔ بیان یہ کرنا مقصود ہے کہ جنت جس طرح متقین کیلئے بنائی گئی اسی طرح تائبین کیلئے بھی بنائی گئی ہے۔ یا یہ مبتدا ہے اس کی خبر آگے آئے گی۔ یہی ظاہر حدیث ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ دو متعاطفین کے درمیان فصل نہ کیا جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عطف تفسیری ہو۔ پس تقدیری عبارت یہ ہوگی "وھم الذین"

"اذا فعلوا فاحشۃ" یعنی ایسا فعل جو اپنی قباحت میں انتہاء کو پہنچا ہو جیسے زنا اور کلمۂ کفر۔

"ذکروا اللّٰہ" یعنی اللہ کی سزا کو یاد کریں یا اس کی وعید کو یاد کریں۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہی کہا ہے لیکن ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا معنی ہے نماز پڑھیں۔ لیکن اعتبار چونکہ عموم لفظ کا ہوتا ہے خصوصی سبب کا نہیں۔ اس لئے اس کا معنی ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو کسی بھی طرح یاد کریں خواہ اس کی سزا کے ساتھ، خواہ گناہوں کی بدولت پڑنے والے حجاب کے ساتھ، خواہ رب الارباب کی تعظیم کے ساتھ، تسبیح وتہلیل کے ساتھ، قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ یا نماز کے ساتھ جو ان سب کو جامع ہے۔

"فاستغفروا" یعنی توبہ و ندامت کے وجود کے ساتھ مغفرت کو طلب کریں۔ توبہ ندامت کے ساتھ ہی استقامت حاصل ہو سکتی ہے۔

"لذنوبھم" ابن ملک فرماتے ہیں کہ لام معدیہ یا تعلیلیہ ہے۔

آیت کا اگلا حصہ یہ ہے:

"ومن یغفر الذنوب الا اللّٰہ ولم یصروا علی ما فعلوا وھم یعلمون"

"اللہ کے سوا کون گناہ معاف کر سکتا ہے اور اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں"۔

یعنی اللہ ہی وہ ذات ہے جو صفت غفور اور صفت غفار کے ساتھ موصوف ہے۔ پہلی صفت کثرت ذنوب کے مبالغہ کو بتانے کیلئے ہے اور دوسری صفت کثرت مذنبین کے مبالغہ بتلانے کیلئے ہے۔ اس آیت کا استفہام نفی کے معنی میں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''ولم یصرّوا'' کا معنی ہے کہ وہ اپنے گناہوں پر اصرار اور مداومت اختیار نہیں کرتے۔صغیرہ گناہ پر اصرار اسے کبیرہ بنا دیتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ جب بھی ان سے گناہ صادر ہوتا ہے تو فوراً توبہ کر لیتے ہیں۔نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''ما أصر من استغفر وان عاد فی الیوم سبعین مرۃ''

جس نے استغفار کر لیا اس نے اصرار نہیں کیا خواہ ایک دن میں ستر مرتبہ ہی توبہ کیوں نہ کرے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک آدمی سے گناہ کا صدور ہو گیا تو اس نے کہا اے میرے رب! مجھ سے گناہ ہو گیا ہے مجھے معاف کر دے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو اس کے گناہ معاف کرتا ہے اور اس کا ہاتھ تھامتا ہے۔میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا''۔بندہ کچھ عرصہ تک رکا رہتا ہے۔پھر گناہ کرتا ہے۔پھر کہتا ہے''اے میرے رب!میں نے ایک اور گناہ کیا مجھے معاف کر دیجئے''۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے''میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو اس کے گناہ کو معاف کرتا ہے۔اور اسے سہارا دیتا ہے۔میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا''۔بندہ کچھ عرصہ ٹھہرتا ہے پھر گناہ کرتا ہے۔پھر کہتا ہے۔''اے میرے رب!میں نے ایک اور گناہ کیا مجھے معاف کر دیجئے''۔''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ معاف کرتا ہے اور اس کو سہارا دیتا ہے۔میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا پس بندہ جو چاہے عمل کرے''۔

اس حدیث کے آخری جملہ''فلیعمل ماشاء''بندہ جو چاہے عمل کرے،کے بارے میں کہا گیا ہے کہ کبھی کبھی تلطف، مہربانی اور عنایت کے اظہار کیلئے ایسا ہوتا ہے جیسے جو شخص آپ سے دور ہو رہا ہے اور آپ کی حق تلفی کر رہا ہو آپ اس کو قریب کرنے کیلئے کہیں ''تم جو چاہو کر لو میں تم سے اعراض نہیں کروں گا اور تمہاری محبت کو ترک نہیں کروں گا''اس حدیث میں یہی معنی موجود ہے۔کہ تو نے جتنے گنا کئے ہیں اس سے کئی گنا زیادہ گناہ بھی کر لے پھر مجھ سے استغفار کرے تو میں تیرے سارے گناہوں کو معاف کر دوں گا۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم جو چاہو کرتے رہو۔

آیت مذکورہ کی خبر اگلی آیت ہے:

''اولئك جزاء هم مغفرة من ربهم وجنات تجری من تحتها الأنهار خالدين فيها ونعم أجر العاملين''

حضرت علیؓ نے اس روایت کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے''وصدق أبو بکر''کے جو الفاظ ذکر کئے ہیں اس کا پس منظر سمجھنے کیلئے حضرت علیؓ کا یہ قول ملاحظہ کیجئے،فرماتے ہیں:

''میں جب رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق مجھے اس سے فائدہ پہنچاتے۔اور جب صحابہ کرام میں سے کوئی مجھ سے حدیث بیان کرتا تو میں ان سے قسم لیتا اگر وہ قسم کھا لیتے تو ان کی تصدیق کر دیتا ہے۔اور جب ابو بکر رضی اللہ عنہ مجھ سے حدیث بیان کرتے تو میرا نظریہ یہ ہوتا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ تو سچ ہی کہتے ہیں''۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی ایک وجہ اور بھی تھی وہ یہ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ روایت باللفظ کا التزام کرتے تھے جبکہ اکثر صحابہ روایت بالمعنی بھی کرتے تھے۔اسی وجہ سے ان کی روایات بہت کم ہیں۔امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس خصوصیت میں ابو بکر رضی اللہ عنہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے تابع ہیں۔

امام میرک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس باب میں ابن مسعود، انس، ابوامامہ، معاذ، واثلہ، ابی الیسر (کعب بن عمرو) رضی اللہ عنہم کی روایات بھی موجود ہیں۔

''وابن ماجة الا ان ابن ماجة'' ظاہر کو ضمیر کے قائم مقام کیا گیا ہے ورنہ اصل یہ تھا کہ ''انه'' سے بیان کرتے۔

علامہ جزری رحمہ اللہ نے حصن میں ابوالدرداءؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ بندہ گناہ کے بعد جب توبہ کرنے کا ارادہ کرے تو ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگے:

''اے اللہ! میں توبہ کرتا ہوں آئندہ کبھی یہ گناہ نہیں کروں گا''۔

ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف فرما دیتے ہیں۔ جب تک وہ دوبارہ اس میں مشغول نہ ہو۔ (رواہ الحاکم)

امام غزالی رحمہ اللہ منہاج میں فرماتے ہیں:

''جب آپ توبہ کا ارادہ کریں تو غسل کریں صاف ستھرے کپڑے پہنیں پھر جتنا اللہ نے مقدر میں لکھا ہو نوافل پڑھیں۔ پھر کسی ایسی جگہ جہاں اللہ کے علاوہ کوئی آپ کو نہ دیکھے۔ اپنے چہرے کو زمین پر رکھیں، اپنے سر پر مٹی ڈالیں اور بہتے آنسوؤں غمگین دل اور بلند آواز کے ساتھ اپنے سب سے معزز عضو یعنی چہرے کو مٹی میں ملیں۔ جہاں تک ہو سکے اپنے ایک ایک گناہ کو یاد کریں۔ اور اپنے گناہ گار نفس کو ملامت کریں، اور کہیں ''اے نفس! تجھے شرم نہیں آتی؟ لیکن تیرے توبہ کرنے کا وقت نہیں آیا؟ کیا تو اللہ کے عذاب کو برداشت کر سکتا ہے؟ کیا تجھے کوئی اللہ کی ناراضگی سے بچا سکتا۔ خوب روئیں اور اپنے ہاتھ رب رحیم کی طرف اٹھا کر عرض کریں۔ ''اے الٰہی! تیرا بھاگا ہوا غلام تیرے دروازے پر حاضر ہے۔ تیرا گناہ گار بندہ صلح کیلئے لوٹ آیا ہے۔ تیرا عاصی بندہ معافی کا خواستگار ہے۔ اپنے فضل سے مجھے معاف فرما اور اپنی رحمت سے مجھے بخش دے اور میری طرف نظر رحمت فرما۔ اے اللہ! میرے پچھلے گناہوں کو معاف فرما اور آئندہ زندگی میں میری حفاظت فرما۔ ساری کی ساری خیر تیرے ہاتھ میں ہے تو ہمارے ساتھ نرمی اور مہربانی کرنے والا ہے''۔

مصیبت کے وقت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

۱۳۲۵: وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلّٰى۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۲/۷۸ حديث رقم ۱۳۱۹۔ وأحمد في المسند ۵/۳۸۸۔

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مصیبت پیش آتی، تو نماز (نفل) پڑھتے تھے۔

(ابوداؤد)

تشریح: ''اذا حزبه'' جب آپ کو اہم امر پیش آتا۔ ایک روایت ''حزنه'' ہے یعنی جب آپ غمگین ہوتے۔

''صلّٰی'' اس اہم یا غمگین کرنے والے معاملہ کیلئے آپ نماز پڑھتے تا کہ اس میں آسانی پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ کے اس قول پر عمل بھی ہو جائے: ''واستعينوا بالصبر والصلاة''۔ ''مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ذریعے''۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''وأمر أهلك بالصلاة واصطبر عليها''۔ ''اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی اس پر صبر اختیار کرو"۔

اس نماز کو صلاۃ حاجت کہا جاسکتا ہے کیونکہ یہ کسی کیفیت یا وقت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

ہر وقت باوضو رہنے اور تحیۃ الوضو پڑھنے کی فضیلت

۱۳۲۶: وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَدَعَا بِلَالًا فَقَالَ بِمَا سَبَقْتَنِيْ اِلَى الْجَنَّةِ مَا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَطُّ اِلَّا سَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ اَمَامِيْ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَذَّنْتُ قَطُّ اِلَّا صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ وَمَا اَصَابَنِيْ حَدَثٌ قَطُّ اِلَّا تَوَضَّأْتُ عِنْدَهُ وَرَأَيْتُ اَنَّ لِلّٰهِ عَلَيَّ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِهِمَا۔

(رواه الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/ ٦٢٠ حديث رقم ٣٦٨٩۔ وأحمد في المسند ٥/ ٣٦٠۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ نے صبح کے وقت حضرت بلالؓ کو بلا کر دریافت فرمایا کس عمل کے ذریعے تم نے جنت میں مجھ سے پیش روی اختیار کی ہے اس لئے کہ میں جب بھی جنت میں داخل ہوا تو میں نے اپنے آگے تمہارے قدموں کی چاپ سنی تو عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میں نے جب بھی اذان دی ہے تو اس کے بعد دو رکعتیں ضرور پڑھی ہیں اور جب بھی مجھے کوئی حدث لاحق ہو تو میں نے اسی وقت وضو کر لیا اور میں نے ضروری سمجھا ہے کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے دو رکعتیں پڑھنا لازم ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اعزاز انہی دونوں کی وجہ سے ہے۔

تشریح: "فدعا بلالاً فقال بما سبقتني الى الجنة؟" حضور ﷺ کے اس سوال کا منشا یہ تھا کہ آخر کسی وجہ سے تمہیں یہ سعادت حاصل ہوئی کہ جنت میں داخل ہوتے وقت تمہاری خدمت کی ذمہ داری میرے آگے پھر مقرر ہوئی؟ کیونکہ جنت کے درجات کا دارومدار تو نیکیوں پر ہے۔

بعض محدثین نے اس کی یہ تشریح کی ہے کہ میرے حکم دیئے بغیر تم نے کون سا عمل کر لیا جس سے جنت میں دخول واجب ہوگیا؟ یعنی سبقتني سے مراد دخول جنت میں سبقت نہیں بلکہ عمل میں سبقت مراد ہے۔

"ما دخلت الجنة قطّ" اس جملہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت بلال کو جنت میں کئی مرتبہ دیکھا ہے۔ شاید ایک مرتبہ شب معراج، دوسری مرتبہ خواب میں اور تیری مرتبہ عالم کشف میں۔

"الاسمعت خشخشتك أمامي" اس سے ظاہر تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت بلال حضور ﷺ سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ حالانکہ ایسا نہیں، کیونکہ کوئی نبی حضور ﷺ سے پہلے جنت میں داخل نہ ہوگا تو کوئی امتی کیسے داخل ہو سکتا ہے؟ اس کی توجیہہ گذر گئی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا داخل ہونا ایسے ہے جیسے کوئی خادم مخدوم کے آگے چلتا ہے۔

"قال يا رسول الله! ما أذنت" أذنت سے مراد ارادۂ اذان ہے۔

"قط الا صليت ركعتين" یعنی اذان سے پہلے نفل دو رکعات پڑھتا ہوں۔ البتہ راجح معنی یہ ہے کہ میں اذان کے بعد اقامت سے پہلے دو رکعات پڑھتا ہوں۔ اس حدیث سے مغرب کی نماز کو مستثنیٰ کہا جاسکتا ہے اس لئے کہ ہر عام کے لئے کوئی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاص ہوتا ہے اور اس عام کو بھی خاص کیا گیا ہے۔

"قط الا توضات عنده" بعده کے بجائے عنده کی تعبیر اختیار کرنے میں یہ بتانا مقصود ہے کہ طہارت کی مداومت پر سخت پابندی اور محافظت کر رہا ہوں۔

"ورأيت" "توضات" پر عطف ہے۔ ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ظننت اور ابن حجر نے اعتقدت کے معنی میں لیا۔ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول اس وقت درست ہوگا جبکہ مبالغہ مراد ہو، میرے خیال میں یہ اخترت کے معنی میں ہے۔

"ان لله على ركعتين" "تکلیف دہ چیز کے ازالہ اور طہارت کی توفیق کے شکر کے طور پر مجھ پر یہ دو رکعتیں واجب ہیں۔ علامہ طیبیؒ نے اس جملہ کو مواظبت و محافظت سے کنایہ قرار دیا ہے۔

ممکن ہے کہ حضرت بلالؓ نے ہر طہارت کے بعد دو رکعات پڑھنے کی نذر مانی ہو۔

"فقال رسول اللهﷺ بهما" لفظ بهما کی مراد میں مختلف اقوال ہیں:

① تو نے یہ سعادت انہی رکعات کے ذریعہ حاصل کی، بهما نلت مانلت۔

② تجھ پر ان کی پابندی لازم ہے، عليك بهما۔

③ انہی دو خصلتوں کی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہوا۔

ظاہر یہ ہے کہ بهماکی هما ضمیر کا مرجع دو قریب ترین مذکور چیزوں کو قرار دیا جائے یعنی دوام طہارت اور تمام طہارت۔ اسی طرح یہ حدیث باب کی پہلی حدیث کے موافق ہو جائے گی۔ اس کا مرجع الصلاة بين كل أذانين اور الصلاة بعد كل طهارة کو بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح الصلاۃ بین الاذانین اور دوامِ وضو و تمامِ وضو کے مجموعہ کو مرجع بنا سکتے ہیں۔

امام میرکؒ فرماتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

صلوٰۃ حاجت کا طریقہ اور دعا

۱۳۲۷: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ اِلَى اللّٰهِ اَوْ اِلٰى اَحَدٍ مِّنْ بَنِیْ اٰدَمَ فَلْيَتَوَضَّأْ فَلْيُحْسِنِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ لِيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لِيُثْنِ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لِيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِیَ لَكَ رِضًى اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

(رواه الترمذى وابن ماجة وقَالَ الترمذى هذاحديث غريب)

أخرجه الترمذي في السنن ٢/٣٤٤ حديث رقم ٤٧٩۔ وابن ماجه ١/٤٤١ حديث رقم ١٣٨٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی کوئی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاجت ہو اللہ تعالیٰ یا بنی آدم میں سے کسی ایک کی طرف، اس کو چاہئے کہ وہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعتیں نماز پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرے، اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے، پھر یہ دعا پڑھے **لا اله الا الله الحليم الكريم سبحان الله رب العرش العظيم** ...... کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے جو بردبار اور کریم ہے پاک ہے اور عرش عظیم کا مالک ہے تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو جہانوں کا پالنے والا ہے، اے اللہ! میں تجھ سے وہ چیز مانگتا ہوں جو تیری رحمت کا سبب ہو اور تیری بخشش کا سبب ہو اور میں حصہ مانگتا ہوں ہر نیکی سے اور میں سلامتی مانگتا ہوں ہر برائی سے اے اللہ! نہ چھوڑ میرے کسی گناہ کو مگر یہ کہ تو نے اس کو بخش دیا ہو نہ میرے کسی غم کو مگر یہ کہ تو نے اس کو دور کر دیا ہو اور نہ چھوڑ میری کسی ایسی عادت کو جو تجھے پسند ہو مگر یہ کہ تو نے اس کو پورا کر دیا ہو، اے بہت زیادہ رحم کرنے والے رحم کرنے والوں میں سے۔ یہ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت ہے اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

اسنادی حیثیت: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: ''**من كانت له حاجة**'' حاجت دینی ہو یا دنیوی، دونوں مراد ہیں۔

''**فليحسن الوضوء**'' حصن میں **فليحسن وضوء** کے الفاظ ہیں۔

''**ثم ليقل**'' حصن میں **وليقل** کے الفاظ ہیں۔

''**لا اله الا الله الحليم**'' **الحليم** سے مراد وہ ذات جو بدلہ لینے میں جلدی نہ کرے۔

''**الكريم**'' وہ ذات جو بلا استحقاق اور بغیر احسان جتلائے عطا کرے۔

''**سبحان الله رب العرش**'' وہ ذات جو تمام کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہ اضافت تشریفی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی کسی چیز کی طرف احتیاج معلوم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا حدوث کی تمام جہات جیسے استواء، استقرار، جہت، مکان اور زمان سے پاک ہونا واضح ہو جائے۔

''**العظيم**'' اس لفظ کی ترکیب کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ لو ب کی صفت ہے یا **العرش** کی جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں ''**لا اله الا الله رب العرش العظيم**''

ابن التین نے راوی سے **العظيم** کو مرفوع روایت کیا ہے اس صورت میں ''**الرب**'' کی صفت ہوگا۔ البتہ جمہور کے نزدیک **العرش** کی صفت ہے۔

قرآن مجید کی آیت ''**رب العرش العظيم**'' اور ''**رب العرش الكريم**'' میں جمہور کی قراءت جر کے ساتھ ہے (یعنی **العظيم** اور **الكريم**، **العرش** کی صفت ہیں) ابن محیصن نے ان دونوں لفظوں کو مرفوع پڑھا ہے۔ ابن کثیر اور ابو جعفر المدنی سے بھی شاذ قراءت یہی ہے۔

رب العرش العظيم کا مرادی معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عجز سے پاک ہے کیونکہ جو ذات عرش عظیم پر قادر ہے وہ اپنے بندے کو اس کی مانگی چیز دینے سے ہرگز عاجز نہیں ہو سکتا۔

''**والحمد لله رب العالمين**'' یعنی اللہ تعالیٰ عالمین کا خالق، مالک، مربی اور مصلح ہے۔ وہ ان کی حاجات کو عطا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے والا ہے ان کی دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ثناء کا اختتام ایسے جملے پر کیا گیا ہو تو تمام تعریفوں کی جامع ہے۔ بلکہ بعض حضرات کی رائے تو یہ ہے کہ یہ حمد کے الفاظ میں سب سے افضل لفظ ہے کیونکہ قرآن مجید کو اس سے شروع کیا گیا۔

''أسالك موجبات رحمتك'' موجبات سے مراد اسباب ہیں۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: موجبات، موجبة کی جمع ہے اس سے مراد وہ بات جو قائل کیلئے جنت کو واجب کردے۔

ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں موجبات سے مراد ایسے افعال، اقوال اور صفات ہیں جن کے سبب سے انسان کو اللہ کی رحمت حاصل ہوتی ہے۔

''وعزائم مغفرتك'' علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی بیان کیا ہے ''ایسے اعمال جن کی بنیاد پر تیری مغفرت پختہ اور مؤکد ہو جائے''۔

ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''عزائم، عزیمة کی جمع ہے، اس سے مراد وہ خصلت ہے جسے انسان پختگی سے پکڑ لے۔ حاصل یہ کہ اے اللہ! مجھے وہ خصال عطا فرما جن کی بنا پر تیری مغفرت حاصل ہوتی ہے۔

''والغنيمة من كل بر'' اس سے مراد طاعت وعبادت ہے۔ اس کو غنیمت اس لئے کہا گیا کہ انسان کی روح کا لشکر نفس کی فوجوں کے خلاف برسر پیکار ہو کر انہیں حاصل کرتا ہے۔ چونکہ روح و نفس کے درمیان ہمیشہ سے جنگ جاری ہے اس لئے اس جہاد کو جہادِ اکبر کہا جاتا ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے ہفتہ کی صبح کا انتظار کرنا چاہیے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے:

www.KitaboSunnat.com

''جو شخص اپنی حاجت ہفتہ کی صبح کو پوری کرنے کی کوشش کرے اس کی حاجت کو پورا ہونے کا میں ضامن ہوں''

علامہ جزری نے حصن میں تمام حاجات انسانی میں سے حفظ قرآن کی دعا کا ذکر کیا ہے میں بھی اس مقام پر اس کا ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ لکھتے ہیں کہ جو شخص قرآن مجید حفظ کرنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیئے کہ شب جمعہ کو تہائی رات کے بعد قیام کرے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو نصف شب میں قیام کرے اگر اس کی استطاعت بھی نہ ہو تو رات کے ابتدائی حصہ میں قیام کرے۔ اور چار رکعات پڑھے۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورہ یٰسین پڑھے۔ دوسرے رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورہ دخان پڑھے، جب تشہد سے فارغ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے۔ ثناء پڑھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ تمام انبیاء علیہ السلام کیلئے رحمت کی دعا کرے۔ تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کے استغفار کرے اور آخر میں یہ دعا پڑھے:

''اللهم ارحمني بترك المعاصي أبدا ما أبقيتني وارحمني أن أتكلف مالا يعنيني وارزقني حسن النظر فيما يرضيك عني اللهم بديع السموات والارض ذا الجلال الاكرام والعزة التي لا ترام أسالك يا الله يا رحمن بجلالك ونور وجهك أن تلزم قلبي حفظ كتابك كما علمتني وارزقني ان أتلوه على

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

النحو الذی یرضیك عنی، اللهم بدیع السموات والارض ذا الجلال والاکرام والعزة التی لا ترام أسالك یا اللّٰه یا رحمٰن بجلالك ونور وجهك ان تنور بکتابك بصری وأن تطلق به لسانی وأن تفرج به عن قلبی وأن تشرح به صدری وأن تستعمل به بدنی فانه لا یعیننی علی الحق غیرك ولایؤتیه الا انت ولاحول ولاقوة الا باللّٰه العلی العظیم"۔

تین یا پانچ یا سات مرتبہ یہ عمل کرے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قبول فرمائے گا۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

بَابُ صَلٰوۃِ التَّسْبِیْحِ

نمازِ تسبیح کا بیان

صلوٰۃ تسبیح انتہائی اجر وثواب کی حامل نماز ہے اس کی چار رکعتیں پڑھنی آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں اور یہ نماز آپ ﷺ نے اپنے محبوب چچا حضرت عباسؓ کو سکھلائی۔

صلوٰۃ تسبیح کا طریقہ:

صلوٰۃ تسبیح کی ان الفاظ میں نیت کرے نویت ان اصلی اربع رکعاتِ صلٰوۃ التسبیح کہ میں نے چار رکعات صلوٰۃ تسبیح پڑھنے کا ارادہ کیا۔ اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جائے اور سبحانك اللهم یعنی ثناء پڑھ کر اس کے بعد پندرہ مرتبہ سبحان اللّٰه الحمد للّٰه ولا اله الا اللّٰه واللّٰه اکبر. اور تعوذ تسمیہ اور سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت ملانے کے بعد رکوع میں جانے سے قبل دس مرتبہ پھر یہی تسبیح پڑھے پھر رکوع وقومہ اور سجدہ اور جلسہ اور سجدہ ثانی میں دس دس مرتبہ یہی تسبیح پڑھے اور سجدہ ثانی کے بعد جلسہ استراحت کی ضرورت نہیں پھر ہر رکعت میں پندرہ مرتبہ قراءت سے پہلے اور دس مرتبہ قراءت کے بعد اور باقی دس دس مرتبہ رکوع اور دونوں سجدوں اور قومہ اور جلسہ میں پڑھے یہ کل تین سو دفعہ ہو جائے گی۔ یہ طریقہ ابن مبارکؒ سے منقول ہے۔

طریقہ ثانی مشہور ہے:

اس کا مشہور طریقہ وہی ہے جو کہ حدیث ابن عباسؓ میں منقول ہے کہ ہر رکعت میں قراءت سے فارغ ہو کر رکوع سے قبل پندرہ مرتبہ یہ تسبیح پڑھے اور پھر دس مرتبہ رکوع میں، دس مرتبہ قومہ میں اور دس مرتبہ پہلے سجدہ میں اور دس مرتبہ جلسہ میں اور دس مرتبہ سجدہ ثانی میں اور دس مرتبہ دوسری رکعت سے قبل جلسہ استراحت کر کے پڑھے۔ نیز رکوع اور سجدہ میں تسبیحاتِ رکوع وسجدہ کے بعد یہ تسبیح پڑھے۔ تو یہ تسبیح کل ۳۰۰ بار ہو جائیں گی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الفصل الاول:

صلوٰۃ تسبیح گناہوں کا کفارہ ہے

۱۳۲۸: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ يَاعَبَّاسُ يَاعَمَّاهُ اَلَا اُعْطِيْكَ اَلَا اَمْنَحُكَ اَلَا اُخْبِرُكَ اَلَا اَفْعَلُ بِكَ عَشْرَ خِصَالٍ اِذَا اَنْتَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ ذَنْبَكَ اَوَّلَهُ وَاٰخِرَهُ قَدِيْمَهُ وَحَدِيْثَهُ خَطَأَهُ وَعَمْدَهُ صَغِيْرَهُ وَكَبِيْرَهُ سِرَّهُ وَعَلَانِيَتَهُ اَنْ تُصَلِّيَ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ تَقْرَأُ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً فَاِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِيْ اَوَّلِ رَكْعَةٍ وَاَنْتَ قَائِمٌ قُلْتَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُوْلُهَا وَاَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوْعِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَهْوِيْ سَاجِدًا فَتَقُوْلُهَا وَاَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُوْدِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا فَذٰلِكَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فِيْ اَرْبَعِ رَكْعَاتٍ اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تُصَلِّيَهَا فِيْ كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ شَهْرٍ مَرَّةً فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِيْ عُمُرِكَ مَرَّةً۔

(رواه ابوداؤد وابن ماجة والبيهقي في الدعوات الكبير)

أخرجه أبو داؤد في السنن ۲/۶۷ حديث رقم ۱۲۹۷۔ وابن ماجه ۱/۴۴۲ حديث رقم ۱۳۸۶۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ سرکار مدینہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا اے عباسؓ! اے میرے چچا! کیا نہ دوں آپ کو کیا نہ عطیہ کروں آپ کو کیا نہ بتاؤں آپ کو کیا آپ کو دس خصلتوں کا متولی اور فاعل نہ بنا دوں کہ جب آپ ان کو کریں تو اللہ آپ کے اگلے پچھلے نئے اور پرانے چھوٹے اور بڑے پوشیدہ اور ظاہر تمام گناہوں کو بخش دے۔ وہ یہ ہے کہ آپ چار رکعت نماز پڑھیں اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور دوسری کوئی بھی سورت پڑھیں جب پہلی رکعت میں قراءت سے فارغ ہو جائیں تو کھڑے کھڑے ہی پندرہ مرتبہ پڑھیں: "سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر" پھر آپ رکوع کریں اور رکوع کی حالت میں (تسبیحات رکوع کے بعد دس مرتبہ) یہ تسبیح پڑھیں، پھر رکوع سے سر اٹھائیں، پھر اس کو دس مرتبہ پڑھیں پھر سجدہ میں جائیں اور سجدہ کی حالت میں (تسبیح سجدہ کے بعد) دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھیں پھر سجدہ سے سر اٹھائیں اور دس مرتبہ اس کو پڑھیں، پھر دوسرا سجدہ کریں اور اس میں دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھیں، پھر (جب دوسرے) سجدہ سے سر اٹھائیں تو بیٹھ کر دس مرتبہ یہ پڑھیں، پس یہ ہر رکعت میں پچھتر ۷۵ تسبیحات ہو جائیں گی۔ اگر اس نماز کو روزانہ پڑھنے کی آپ طاقت رکھتے ہوں تو روزانہ پڑھیں اور اگر آپ روزانہ نہ پڑھ سکیں تو ہفتہ میں ایک مرتبہ پڑھیں، اگر ہفتہ میں نہ ہو سکے تو مہینہ میں ایک مرتبہ پڑھ لیں، اگر مہینہ میں نہ پڑھ سکیں تو سال میں ایک مرتبہ پڑھ لیں، اگر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہر سال میں ایک مرتبہ نہ پڑھ سکیں تو عمر میں ایک مرتبہ پڑھ لیں۔ یہ ابوداؤد، ابن ماجہ کی روایت ہے اور بیہقی نے کتاب الدعوت الکبیر میں بھی نقل کیا ہے۔

تشریح: ''یا عباس، یا عماہ'' عزت وشرافت اور استحقاق کے بیان کیلئے یہ انداز تخاطب اختیار فرمایا۔ منادی یاء متکلم کی طرف مضاف ہے۔ یاء کو الف سے بدل کر آخر میں ہائے سکتہ کو لگایا گیا جیسے ''یا غلاماہ'' ابن ملک کا کہنا یہی ہے۔

''**ألا أعطیك**'' لفظ الاتنبیہ کے لئے ہے یا اس میں ہمزہ استفہام کے لئے ہے درشگی کے ظاہر ہونے کی وجہ سے بغیر جواب کے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جواب دیا۔

''**ألا أمنحك**'' ای **الا أعطیك منحة** ''منحه سے مراد خصال عشر کی انجام دہی کا موقع فراہم کرنا ہے۔ مغرب کے مطابق **المنح** سے مراد یہ ہے ایک آدمی دوسرے کو کوئی بکری یا اونٹنی اس لئے دے کہ وہ اس کا دودھ پی لے۔ پھر جب اس کا تھن خشک ہو جائے تو واپس کر دے۔ اس کا اصل معنی تو یہی ہے پھر یہ ہر چیز کے عطا کرنے میں استعال ہونے لگا۔

''**ألا أخبرك**'' حصن میں **ألا أحبوك** کے الفاظ ہیں حبو کے معنی ہیں عطا کرنا۔

''**ألا أفعل بك**'' مصابیح کے بعض نسخوں میں **لك** ہے۔ علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ صحیح روایت باء کے ساتھ ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس جملے کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ایک سے زیادہ مرتبہ ارشاد فرمائی۔ اسی طرح مصابیح کے نسخوں میں ہے اور درست روایت **ألا أفعل لك** ہے۔

اس قول سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اصول معتمدہ میں یہ لفظ باء کے ساتھ ہے۔ یہ مشکوۃ کے نسخہ میں ہونے والی تحریف وتصحیف سے غفلت کا نتیجہ ہے۔ درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فعل خصال کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان پر ابھارنے والے اور ان کی راہ نمائی کرنے والے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب المعنی الفاظ کو تاکید وتائید کیلئے مکرر ذکر فرمایا تاکہ سننے والوں میں اس نماز کا داعیہ پوری طرح پیدا ہو جائے۔

''**عشر خصال**'' اس کی ترکیب میں دو احتمال ہیں:

① مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب، اس کا عامل افعال متقدمہ علی سبیل التنازع ہیں۔

② مرفوع، اس صورت میں بھی کہ محذوف مانیں گے۔

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خصلت سے مراد خلت ہے اور خلت نفس کو لاحق ہونے والی کیفیت کا نام ہے جو کسی چیز کی شدید خواہش یا ضرورت کی بنا پر پیدا ہوتی ہے۔

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس کو منصوب پڑھنے کی صورت میں اس کا عامل **خذها، دونك یاعدها** ہوگا۔

''**غفر الله لك ذنبك**'' میرک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خصال عشر سے مراد گناہ کی دس اقسام ہیں۔ چونکہ مصابیح کے اکثر قدیم وجدید نسخے اس سے خالی تھے اس لئے شارحین نے عشر خصال سے تسبیحات، تحمیدات، تہلیلات اور تکبیرات مراد لی ہیں۔

''**أوله و آخره**'' منصوب ہے، تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی '**مبدأه و منتهاه**' کیا ہے۔ وہ اس لئے کہ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جنہیں انسان یکدم نہیں کرتا بلکہ آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھتا ہے۔ اس میں **ماتقدم من ذنبه و ما تاخر** کا احتمال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی ہے۔

"قدیمه و حدیثه" ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصابیح کے نسخوں میں ان دونوں الفاظ کا اثبات ان کے سقوط سے زیادہ راجح ہے۔

شارح مصابیح علامہ تورپشتی کی رائے اس کے مخالف ہے۔

"خطأه" بفتحتین ،اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ خطا میں انسان کو گناہ گار نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا ونسیان کو اور جو چیز ان پر بار ہو، معاف کر دیا ہے"۔

پس خطا کو گناہوں میں کس بنا پر شمار کیا گیا؟

جواب اس سوال کا یہ ہے کہ ذنب سے مراد ہے "مافیه نقص" جس میں نقص ہو خواہ آدمی اس سے گناہ گار ہوتا ہو یا نہیں۔اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے:

"ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا أو أخطانا"

"اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے خطا ہو جائے تو ہمارا مؤاخذہ نہ فرما"۔

"صغیره و کبیره سره وعلانیة" ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان تمام الفاظ میں ھو ضمیر "ذنبك" کی طرف لوٹ رہی ہے۔مشکوۃ میں اس مقام پر لفظ "عشر خصال" ساقط ہے، جبکہ اصل میں موجود ہے جیسا کہ حصن وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔

صاحب ازہار فرماتے ہیں کہ اگر آپ بطور سوال کے یہ کہیں کہ اوله و آخره کے تحت سارے گناہ داخل ہیں تو گناہوں کو علیحدہ ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ تو میں جواب میں کہوں گا کہ وہم کو دور کرنے کیلئے ان گناہوں کا ذکر کیا گیا کہ اول وآخر بعض مرتبہ عمداً ہوتے ہیں۔بعض مرتبہ خطأ۔اسی طرح باقی گناہوں میں بھی ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ اقسام کو منصوص علیہ کرنا مقصود ہے تاکہ مخاطب کو پوری طرح تخوث علیہ پر ابھارا جائے۔پھر ہر قسم اپنے بعد والی قسم سے أعم ہے کیونکہ اول وآخر کبھی قدیم ہوں گے کبھی جدید۔قدیم وجدید کبھی خطأ ہوں گے' کبھی عمداً، خطا اور عمد کبھی صغیرہ ہوں گے کبھی کبیرہ، صغیرہ اور کبیرہ کبھی سراً ہوں گے کبھی علانیہ۔اسی طرح جانب اسفل کو لیجئے کہ سراً اور علانیہ کبھی صغیرہ ہوں گے کبھی کبیرا اور اول وآخر چلتے جائیں۔

"أن تصلی" أن مفسره ہے کیونکہ قول کے معنی میں ہے یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور ضمیر مقدر ذلك کی طرف لوٹتی ہے۔ای هو یعني المامور به أن تصلي "ایک قول یہ ہے کہ هي مقدر ہے اور وہ الخصال العشر کی طرف لوٹتی ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی بیان کیا ہے "أن تصلي بنیة صلاة التسبیح" خواہ وہ وقت مکروہ ہی میں کیونکہ نہ ہو جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ایسی کوئی بات ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ وہ احادیث صحیحہ جو اوقات مکروہ میں نماز کے بارے میں وارد ہوئیں وہ اس حدیث کا اطلاقی مفہوم لینے سے مانع ہیں۔شوافع نے اس حکم سے ان نمازوں کو مستثنیٰ کیا ہے جن کا کوئی سبب مقدم ہے اور اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز کا بالا جماع کوئی سبب نہیں لہٰذا ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا بطلان بالکل واضح ہو گیا۔

"أربع رکعات" ظاہر یہ ہے کہ یہ چار رکعات ایک سلام کے ساتھ ہوں گی خواہ دن میں پڑھے یا رات میں۔

"تقرأ فی کل رکعة فاتحة الکتاب وسورة" صلوٰۃ تسبیح کے افضل اوقات قراءت کی تعیین کے بارے میں روایات آگے آ رہی ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ صلاۃ تسبیح میں مسبحات سورتوں میں سے پڑھنا افضل ہے۔ سورۂ مسبحات یہ ہیں: ① حدید۔ ② حشر۔ ③ صف۔ ④ الجمعہ۔ ⑤ تغابن۔ اسی طرح نماز کے ٹائم اور سورتوں میں مناسبت ہو جائے گی۔

"ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر" امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر "ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" کا اضافہ کیا ہے۔

"خمس عشرة مرة" بسکون الشین وتکسر۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ تسبیح قراءت کے بعد کی جائے گی جیسے کہ ہمارے ائمہ کا مسلک ہے۔ ابن مبارک کے نزدیک قراءت سے پہلے پندرہ مرتبہ اور قراءت کے بعد دس مرتبہ تسبیح پڑھیں گے۔ اور قومہ میں تسبیح نہ پڑھیں گے۔ ان کا یہ قول اس حدیث کے مخالف ہے۔ لیکن ہمارے ائمہ فرماتے ہیں کہ ابن مبارک کی شان اس بات کی مقتضی ہے کہ ان کی مخالفت سے توقف کیا جائے۔ الاذکار میں امام نووی نے بھی ابن مبارک کی تائید کی ہے اور سورۂ فاتحہ سے پہلے دس مرتبہ تسبیح پڑھنے کا ذکر کیا ہے لیکن اس کے مقابلہ میں جلسہ استراحت کی تسبیح کو ساقط کر دیا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ابن مبارک سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ سجدہ ثانیہ میں بیس مرتبہ تسبیح پڑھتے تھے۔ یہ عمل بھی اثر سے ثابت ہے۔ البتہ قراءت سے پہلے پڑھنے والے عمل کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔

"وأنت راکع عشرا" یعنی رکوع کی تسبیح کے بعد دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھے۔ شرح السنۃ میں یہی مذکور ہے۔ اسی طرح سجدے میں سجدہ کی تسبیح کے بعد یہ تسبیح پڑھی جائے گی۔

"ثم تسجد فتقولها عشرا ثم ترفع رأسك فتقولها عشرًا" یہ دس مرتبہ کھڑا ہونے سے پہلے پڑھے گا جیسا کہ حصن میں مذکور ہے۔ اس میں جلسہ استراحت اور جلسہ تشہد دونوں کا احتمال ہے۔

"ان استطعت" استئناف ہے ای ان قدرت۔

"ففی کل جمعة" بضم المیم وتسکن، مراد یہ ہے کہ ہر ہفتہ میں ایک مرتبہ پڑھ لے۔ اس میں یہ اشارہ مقصود ہے کہ ہفتے کے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا ہے۔

۱۳۲۹: وَرَوَى التِّرْمِذِیُّ عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ نَحْوَہٗ۔

ترجمہ: امام ترمذی نے اس طرح کی روایت ابو رافع سے نقل کی ہے۔

تشریح: "وروی الترمذی عن ابی رافع نحوہ" امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صلوٰۃ تسبیح کے بارے میں بہت سی احادیث منقول ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر صحیح نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس باب میں ابن عباس، ابن عمر، فضل بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایات منقول ہیں۔ نیز عبداللہ بن مبارکؒ اور دوسرے اہل علم نے صلاۃ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تسبیح اور اس کی فضیلت کا ذکر کیا ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کو روایت کرنے والوں میں طبرانی، خطیب، آجری، ابوسعید سمعانی اور ابوموسیٰ مدینیؒ شامل ہیں۔ متقدمین اور متاخرین کا اس حدیث کی تصحیح کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن خزیمہ اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے جبکہ ایک جماعت محدثین نے اس کی تحسین کی ہے۔

عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ ابن جزری نے اسے موضوعات میں ذکر کر کے اچھا نہیں کیا۔

دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورتوں کے فضائل میں صحیح ترین حدیث سورۂ اخلاص کی فضیلت کے بارے میں ہے اور نمازوں کے فضائل میں صحیح تر حدیث صلاۃ تسبیح کی فضیلت کے بارے میں ہے۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صلاۃ تسبیح کی بہت سی ترغیب دی گئی ہے آدمی کو چاہیئے کہ اس کی عادت بنائے اور اس سے غفلت نہ برتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رکوع میں تین مرتبہ سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہے پھر مذکورہ تسبیحات پڑھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اگر کسی کو اس نماز میں سہو ہو جائے تو کیا سہو کے دو سجدوں میں دس دس مرتبہ پڑھے گا انہوں نے فرمایا نہیں۔ یہ تین سو تسبیحات ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اس نے بھول کر کسی معین محل میں تسبیح کی تعداد کو کم کر دیا تو کسی اور محل میں اس تعداد کو پورا کرے گا۔

امام ترمذیؒ نے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر آدمی رات میں صلوٰۃ تسبیح پڑھے تو زیادہ بہتر یہ ہے دو رکعات کے بعد سلام پھیرے اور اگر دن میں پڑھے تو چاہے تو دو کے بعد سلام پھیر لے اور چاہے تو چار کے بعد البتہ وہ تسبیح جو اس نے دوسرے سجدے سے فارغ ہو کر کہی ہے وہ جلسہ استراحت میں ادا کرے۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ وہ قراءت سے پہلے پندرہ مرتبہ تسبیح پڑھتے باقی نماز کو حدیث میں مذکورہ طریقے کے مطابق ادا کرتے تھے۔ وہ دونوں سجدوں سے اٹھنے کے بعد تسبیح نہیں پڑھتے تھے۔

علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مبارکؒ کی جلالت شان ان کی مخالفت سے مانع ہے لیکن بہترین عمل وہی جو ابن عباسؓ کی حدیث میں موجود ہے مجھے دو سجدوں کے بعد تسبیح پڑھنے سے رفع اور قیام کے درمیان فصل منع نہیں کرتا کیونکہ جلسہ استراحت اس مقام پر مشروع ہے۔ عبادت گزار کو چاہیئے کہ کبھی ابن عباسؓ کی حدیث پر عمل کرے اور کبھی ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث پر۔ نیز صلوٰۃ تسبیح زوال کے بعد ظہر کی نماز سے پہلے پڑھنا مناسب ہے۔ اس میں کبھی تو سورۂ زلزال، سورۂ اعادیات، سورۂ فتح اور سورۂ اخلاص پڑھے اور کبھی سورۂ الہاکم (التکاثر)، سورۂ عصر، سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص پڑھے۔ تشہد کے بعد سلام سے پہلے دعا مانگے پھر سلام پھیر کر اپنی حاجات کیلئے دعا مانگے۔ جن چیزوں کا میں نے ذکر کیا ہے ان کے بارے میں روایات موجود ہیں۔ زوال کے بعد پڑھنے کے بارے میں امام ابوداؤد نے ابو جوزاء کی روایت نقل کی ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تم کل میرے پاس آنا میں تمہیں ایک چیز دوں گا، عطیہ دوں گا' بخشش دوں گا''۔ میں سمجھتا رہا کہ وہ کوئی حسی عطیہ ہوگا لیکن جب اگلے دن حاضر خدمت ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب سورج زائل ہو جائے تو کھڑے ہو جاؤ اور چار رکعت پڑھو۔ اس کے بعد صلاۃ تسبیح کا ذکر فرمایا اور آخر میں فرمایا اگر تمہارا گناہ ساری دنیا کے انسانوں میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سب سے بڑا ہو تو اس نماز کی برکت سے معاف ہو جائے گا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا اگر میں اس وقت میں نہ پڑھ سکوں تو کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دن یا رات میں کسی بھی وقت پڑھ لو۔

امام غزالیؒ احیاء میں فرماتے ہیں۔ آدمی نماز کے شروع میں یہ پڑھے:

''سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالٰى جدك ولا اله غيرك''

پھر پندرہ مرتبہ قراءت سے پہلے اور دس مرتبہ قراءت کے بعد تسبیح پڑھے اور باقی ارکان میں دس دس مرتبہ تسبیح پڑھے۔ جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔ سجدہ اخیرہ کے بعد بیٹھ کر تسبیح نہ پڑھے۔ یہ اس کا احسن طریقہ ہے اور عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ کا اختیار کردہ ہے۔ اگر تسبیح کے بعد ان الفاظ کا اضافہ کرے:

''ولا حول ولا قوة الا باللّٰه العلي العظيم''

تو بہت بہتر ہے، بعض روایات میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔

ابن ابی الصیف نے کتاب اللمعة فی رغائب یوم الجمعة میں نقل کیا ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے بعد صلوٰۃ تسبیح پڑھنا مستحب ہے۔ سورۂ فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں سورۂ تکاثر دوسری میں سورۂ عصر، تیسری میں سورۂ کافرون اور چوتھی میں سورۂ اخلاص پڑھے۔ جب تین سو تسبیحات پوری ہو جائیں تو تشہد سے فارغ ہونے کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے یہ دعا پڑھے:

''اللهم انى أسئلك توفيق أهل الهدٰى وأعمال أهل اليقين ومناصحة أهل التوبة وعزم أهل الصبر وحذر اهل الخشية وتعبد أهل الورع وعرفان أهل العلم حتى أخافك اللهم انى أسالك مخافة تحجزنى عن معاصيك وحتى أعمل بطاعتك عملا أستحق به الرضاء حتى أنا صحك فى التوبة خوفا منك وحتى أخلص لك النصيحة حبًّا لك وحتى أتوكل عليك فى الامور كلها حسن ظن بك سبحان خالق النور بنا أتمم لنا نورنا واغفرلنا انك على كل شيء قدير برحمتك يا ارحم الراحمين''

پھر سلام پھیرے دے۔ مومن کیلئے مناسب ہے کہ ہر جمعہ کو صلوٰۃ تسبیح پڑھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا معمول یہی تھا وہ جمعہ کے دن زوال کے وقت صلوٰۃ تسبیح پڑھتے تھے۔ اور اس میں مذکورہ طرز عمل اختیار کرتے تھے۔

شیخ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ نے الکلم الطیب میں نقل کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ صلوٰۃ تسبیح میں سلام سے پہلے یہ دعا مانگتے تھے:

''اللهم انى أسألك توفيق اهل الهدى، وأعمال اهل اليقين ومناصحة أهل التوبة وعزم أهل الصبر وجد أهل الخشية وطلب اهل الرغبة وتعبد اهل الورع وعرفان اهل العلم حتى أخافك۔ اللهم انى أسالك مخافة تحجزنى عن معاصيك حتى أعمل بطاعتك عملا أستحق به رضا وحتى أنا اصحك فى لتوبة خوفاً منك وحتى أخلص لك النصيحة حياء منك وحتى أتوكل عليك فى الامور كلها حسن ظن بك سبحان خالق النار''۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ دعا حسن سند کے اعتبار سے پہلی دعا سے اولیٰ ہے۔

نوافل کا ذخیرہ بھی ہونا چاہئے

۱۳۳۰: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهٖ صَلَاتُهٗ فَاِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ وَاَنْجَحَ وَاِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ فَاِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيْضَتِهٖ شَيْءٌ قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اُنْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِیْ مِنْ تَطَوُّعٍ فَيُكَمَّلُ بِهَا مَاانْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ يَكُوْنُ سَائِرُ عَمَلِهٖ عَلٰى ذٰلِكَ وَفِیْ رِوَايَةٍ ثُمَّ الزَّكَاةُ مِثْلُ ذٰلِكَ ثُمَّ تُؤْخَذُ الْاَعْمَالُ عَلٰى حَسْبِ ذٰلِكَ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ١/ ٥٤٠ حديث رقم ٨٦٤۔ والترمذی ٢/ ٢٦٩ حديث رقم ٤١٣۔ والنسائی ١/ ٢٣٢ حديث رقم ٤٩٥ و ابن ماجه ١/ ٤٥٨ حديث رقم ١٤٢٥۔ وأحمد فی المسند ٢/ ٢٩٠۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت والے دن سب سے پہلے بندے سے اس کے اعمال میں سے نماز کا حساب لیا جائے گا۔ پس اگر وہ درست نکل آئی تو وہ فلاح پا گیا اور کامیاب ہو گیا اور اگر وہ خراب نکل آئی (یعنی ادا میں کمی ہو یا خشوع و خضوع میں کمی ہو) تو نقصان اور خسارے میں ہوگا۔ پس اگر اس کے فرض میں کوئی کمی نکل آئی تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا کہ دیکھو میرے بندے کے پاس کچھ نوافل بھی ہیں (اگر نفل نماز نکل آئی) تو ان کے ساتھ جو فرائض میں کمی رہ گئی ہے اس کو پورا کیا جائے گا پھر اسی طرح بندے کے دیگر اعمال کا حساب ہوگا (یعنی فرائض میں کمی آئی تو نوافل سے پوری کی جائے گی) اور ایک روایت میں ہے پھر ایسے ہی زکوٰۃ کا حساب ہوگا پھر بقیہ اعمال کا حساب بھی اسی طریقے پر ہوگا۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: ''ان اوّل ما یحاسب به العبد'' العبد سے نائب فاعل ہونے کی بنا پر مرفوع ہے۔

''عملہ'' سے مراد طاعات ہیں۔ ''صلاتہ'' سے مراد فرض نماز ہے۔

علامہ ابہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''قیامت کے دن سب سے پہلے خون کا حساب ہوگا'' کے درمیان وجہ تطبیق یہ ہے کہ نماز کا حساب حقوق اللہ میں سب سے پہلے ہوگا اور خون کا حساب حقوق العباد میں سب سے پہلے ہوگا۔ ایک وجہ تطبیق یہ بھی ہے کہ ترکِ عبادات میں سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا اور فعل سیئات میں سب سے پہلے خون کا حساب ہوگا۔

''فان صلحت'' بضم اللام و فتحها'' ابن ملک فرماتے ہیں کہ صلاح صلاۃ سے مراد اس کو صحیح طریقہ پر ادا کرنا ہے۔ نماز کا قبول ہونا بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔

''فقد أفلح و أنجح'' افلح کا معنی ہے مقصود کو حاصل کر لینا۔ أنجح بھی اسی معنی میں ہے اس صورت میں أنجح، افلح کے لئے تاکید ہوگا۔ لیکن ایک صورت اور بھی ہے وہ یہ کہ افلح سے مراد سزا سے نجات اور أنجح سے مراد حصول ثواب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔

"فقد خاب و خسر" "خاب" کا معنی ثواب سے محرومی اور خسر کا معنی عذاب کا وقوع ہے۔ایک قول یہ ہے کہ خاب کا معنی ہے نرم ہوا اور خسر کا معنی ہے فوز وخلاص سے محروم ہوا۔

"هل لعبدی من تطوع؟" اللہ تعالیٰ باوجود جاننے کے فرشتوں سے فرمائیں گے کہ دیکھو میرے بندے کے اعمال نامے میں نوافل بھی ہیں؟ نوافل سے مراد فرض نماز سے پہلے پڑھی جانے والی سنتیں اور نوافل بھی ہیں۔اور مطلق نوافل بھی۔

"فیکمل" بالتشدید والتخفیف ،اسے منصوب اور مرفوع پڑھا گیا ہے۔

"بھا" بھا ضمیر کا مرجع نفل نماز ہے۔ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ ضمیر کا مرجع "التطوّع" ہے اور تانیث کی ضمیر النافلۃ کے اعتبار سے ہے۔علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فیکمل کا منصوب ہونا راجح ہے۔اس وجہ سے کہ یہ کلام الٰہی کا حصہ ہے اور استفہام کا جواب ہے۔اس کی تائید سند احمد کی روایت سے ہوتی ہے جس میں آیا ہے۔"فکملوا بھا فریضۃ" اور بھا میں ضمیر کی تانیث الصلاۃ کے اعتبار سے ہے۔

"ثم یکون سائر عمله" جیسے روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ۔

"علی ذلك" یعنی اگر فرضوں میں کمی رہ جائے تو نفلوں کے ذریعہ پوری کردی جاتی ہے۔

"وفی روایة:ثم الزکاة مثل ذلك" یعنی اعمال مالیہ،اعمال بدنیہ کی طرح ہیں۔

"ثم تؤخذ الأعمال" یعنی جنایات اور سیئات میں سے تمام اعمال کا حساب ہوگا۔

"علی حسب ذلك" طاعات اور حسنات میں سے کیونکہ نیکیاں گناہوں کو مٹادیتی ہیں۔

ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مثال مذکور کے اعتبار سے ایسا ہوگا لہٰذا جس کا کسی پر حق ہوگا تو اس کی نیکیوں میں سے لے کر صاحب حق کو دے دیا جائے گا۔

۱۳۳۱: وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ رَّجُلٍ۔

ترجمہ: اس روایت کو امام احمدؒ نے کسی آدمی سے نقل کیا ہے

تشریح: میرکؒ فرماتے ہیں کہ ترمذی نے انہی الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

نمازِ نفل اور تلاوت کی برکات

۱۳۳۲: وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِعَبْدٍ فِیْ شَیْءٍ اَفْضَلَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ يُصَلِّيْهِمَا وَاِنَّ الْبِرَّ لَيُذَرُّ عَلٰی رَأْسِ الْعَبْدِ مَادَامَ فِیْ صَلَاتِهٖ وَمَا تَقَرَّبَ الْعِبَادُ اِلَی اللّٰهِ بِمِثْلِ مَاخَرَجَ مِنْهُ يَعْنِی الْقُرْاٰنَ ۔ (رواہ احمد والترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵/۱۷۶ حديث رقم ۲۹۱۱۔ وأحمد فی المسند ۵/۲۶۸۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت تامہ کے ساتھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بندے کے کسی عمل پر اتنا زیادہ متوجہ نہیں ہوتے جتنا کہ اس کے دو رکعت نماز پڑھنے پر متوجہ ہوتے ہیں اور بے شک نیکی اور جب تک کہ وہ نماز میں رہتا ہے بھلائی اس کے سر پر مسلسل انڈیلی جاتی ہے اور بندے خدا بزرگ برتر کی طرف جتنا کہ اس سے نکلے ہوئے سے یعنی قرآن سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں اتنا کسی اور چیز سے نہیں کر سکتے۔ (احمد، ترمذی)

تشریح: ''ما أذن اللّٰہ'' یہ أذنت الشيء أصغیت له سے ماخوذ ہے اور اس سے مراد غایت اصغاء ہے۔ اس کا معنی ہے لطف رحمت اور رضا کے ساتھ متوجہ ہونا۔

''لعبد في شيء'' من العبادات۔

''أفضل من رکعتین یصلیھما'' یعنی تمام عبادات میں افضل ترین نماز ہے۔ جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے ''الصلاۃ خیر موضوع'' یعنی اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو اپنے قرب کیلئے وضع کیا ہے ان میں سب سے بہتر نماز ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ أذن کا معنی ہے أقبل (توجہ ہونا)۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندے کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے رب کے ساتھ مناجات کے دوران کلی طور پر زبان، دل اور قالب کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ رہے۔

''وان البرّ لیذر'' بالذال المعجمة والراء المشددة۔ بمعنی بکھرنا، پھیلنا، بعض نسخوں میں لیدر (بالدال المھملة) بمعنی اترنا، لیکن یہ تصحیف ہے اصل روایت پہلی ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے دوسرے نسخے کو راجح قرار دیا ہے۔ جبکہ علامہ تورپشتی نے اسے تصحیف اور پہلے کو راجح کہا ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے نسخہ اول کے راجح ہونے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس مقام میں ملک کریم کے ساتھ تشبیہ کا بیان مقصود ہے جو اپنے اس غلام کے ساتھ احسان کرتا ہے جس نے اس کی اچھی خدمت کی اور بادشاہ اس سے خوش ہوا۔ تو اب اس کے بھلائی یہی طریقہ مناسب ہے کہ اس کی عظمت کی خاطر قیمتی جواہر اس کے سر پر لٹائے جائیں اور اس کے مرتبہ کو واضح کرنے کی خاطر۔

''علی راس العبد'' یعنی رحمت اور ثواب جو نیکی کی علامات میں سے ہیں نمازی پر نازل ہوتی ہے۔

''بمثل ما خرج منه'' اس جملہ کی مراد میں مختلف اقوال ہیں:

① ظھر من اللّٰہ من شرائعه ومن أحکامه۔

② منہ کی ضمیر کا مرجع کتاب مبین یعنی لوح محفوظ ہے۔

③ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کا علم کامل ہے۔

④ ضمیر کا مرجع العبد ہے اور اس سے خروج کا معنی یہ ہے کہ اس کے سینے میں محفوظ بات کا اس کی زبان پر ظاہر ہونا۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسلاف کے قول ''کلام اللّٰہ خرج منه والیه یعود'' کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعے اوامر ونواہی بیان فرمائے ہیں۔ اور وہ اس میں مذکور اوامر ونواہی کا حساب لے گا۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو مخلوق کے حق میں اور ان کے خلاف حجت بنا کر اتارا ہے تاکہ یہ عالمین کیلئے نذیر بنے۔ پھر اس میں بیان کردہ وعدہ و وعید کی حقیقت صدق کی وضاحت اسی کی طرف سے ہے۔ اسی وجہ سے جب عبداللہ بن عباسؓ نے ایک آدمی کو یارب القرآن کہتے سنا تو اسے منع کیا اور فرمایا ''کیا تو نہیں جانتا کہ قرآن اللہ سے ہے'' یعنی قرآن اللہ تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے جو اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ قائم بالذات ہے اس لئے یہ کسی طرح جائز نہیں کہ اسے ایسی ربوبیت کے ساتھ موصوف کیا جائے جو حدوث اور انفصال کی مقتضی ہے۔

"یعنی القرآن" یہ کسی راوی کی تفسیر ہے صحابی کی نہیں۔ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ابوالنصر راوی کی تفسیر ہے۔ایک قول یہ ہے کہ ماخوج من العبد وہی ہے جس کی زبان سے وہ تلاوت کرتا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصنف نے اس تفسیر کو مطلق رکھا جس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ تفسیر کسی کی طرف سے ہے۔اس حدیث کو مؤلف نے ترمذی سے نقل کیا اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے۔قال ابو الخیر: یعنی القرآن۔

محدثین عام طور پر ان امور میں تسامح سے کام نہیں لیتے کیونکہ یہاں یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ کسی صحابی کی تفسیر ہے اس طرح تو یہ متن حدیث کا حصہ بن جاتی۔

بَابُ صَلٰوةِ السَّفَرِ

سفر کی نماز کا بیان

سفر کا لغوی معنی ہے "قطع مسافت" ہر سفر سے احکام سفر لاگو نہیں ہوتے بلکہ اس کی کچھ شرائط ہیں۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سفر شرعی یہ ہے کہ انسان درمیانی رفتار سے تین دن تین رات کی مسافت کا ارادہ کرے۔امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک سفر شرعی سے مراد ہے "هو میسرة مرحلتين بسير الأثقا" یہ دو دن یا ایک دن اور ایک رات بنتے ہیں۔امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن کی مسافت پر قصر کیا جائے۔داؤد ظاہری کے نزدیک ہر بڑے چھوٹے سفر میں قصر نماز پڑھے گا۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص سفر شرعی کے ارادے سے اپنے گاؤں و شہر کی عمارات سے نکل جائے تو اس پر صلوٰۃ سفر پڑھنا واجب ہو جاتا ہے یعنی اس پر لازم ہے کہ چار رکعات والے فرائض کی دو رکعتیں پڑھے اگر چار پڑھے گا تو گنہگار ہوگا یعنی امام صاحب کے نزدیک قصر واجب ہے اب اگر وہ پوری پڑھتا ہے تو واجب کو ترک کرے گا، قصر کا تارک ہے جو کہ واجب ہے۔قعدہ اول ہی اس کے لئے قعدہ اخیرہ ہے لہٰذا اس کے بعد فوراً سلام پھیرنا واجب تھا اس نے دو رکعتوں کے ساتھ تاخیر کر دی تو اس نے یہ واجب چھوڑ دیا۔امام شافعیؒ کے نزدیک اولیٰ اور بہتر ہے اگر کر لے تو ٹھیک ہے اگر نہیں بھی کرتا بلکہ چار رکعات پڑھتا ہے تو جائز ہے اس کو کوئی گناہ نہیں ہے۔

مدتِ قصر:

جب سفر شرعی کے ارادہ سے انسان نکل جائے اور اپنے گاؤں کی عمارات سے تجاوز کر جائے تو قصر نماز پڑھے گا۔یہاں تک کہ وہ اپنے وطن اصلی میں واپس آ جائے، یا کسی جگہ پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ کر لے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مقام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹھہرنے کے قابل ہو اگر کوئی شخص دریا میں یا جنگل میں یا بیابان میں ٹھہرنے کی نیت کرتا ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، ہاں اگر خانہ بدوش جنگلات میں کسی جگہ ٹھہرنے کا ارادہ کرلے تو اس کی نیت معتبر ہے کیونکہ وہ زیادہ تر جنگلوں میں ہی رہتے ہیں۔

سفرِ شرعی کی مقدار:

وہ سفر جس میں قصر پڑھنا واجب ہے اس کی مقدار متوسط چال کے اعتبار سے تین دن کی مسافت ہے جو کہ انسان یا اونٹ وغیرہ کی چال کے اعتبار سے ہے اور وہ پورا دن بھی نہ چلے بلکہ صبح سے دوپہر تک چلے اور پھر پڑاؤ ڈال لے۔ موجودہ دور میں فقہاء نے اس کی مسافت کا اندازہ کرکے ۴۸ میل مقرر کی ہے جو کہ کلومیٹر کے حساب سے ۷۸ کلومیٹر بنتی ہے اب یہ اڑتالیس/۴۸ میل اور ۷۸ کلومیٹر معتبر ہے اگر کوئی گاڑی یا گھوڑے وغیرہ پر بہت کم وقت میں طے کرلے تو اس کا بھی حکم وہی ہے یعنی وہ مسافر ہے۔

مسائل متفرقہ

مَسْئَلَۃ: نمبر۱: اگر کسی شخص کا ارادہ پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ہو اور وہ پندرہ دن سے زیادہ ٹھہر جائے تو مسافر ہی ہوگا قصر واجب ہوگی۔

مَسْئَلَۃ: نمبر۲: اگر بالکل ٹھہرنے کا ارادہ نہ ہو بلا ارادہ کئی ماہ بھی ٹھہر جائے تو قصر ہی کرے گا مثلاً یہ ارادہ کرتا ہے شام کو چلا جاؤں گا یا صبح چلا جاؤں گا لیکن دن زیادہ گزر جاتے ہیں تو وہ مسافر ہی ہوگا۔

مَسْئَلَۃ: نمبر۳: اگر پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے مگر وہ مقام ٹھہرنے کا نہ ہو مثلاً دریا یا جنگل ہو پھر بھی قصر واجب ہے۔

مَسْئَلَۃ: نمبر۴: اگر پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ ہو مگر دو جگہ پر اور اُن میں اتنا فاصلہ ہو کہ ایک جگہ کی اذان دوسری جگہ نہیں سنائی دیتی تو پھر بھی قصر واجب ہے مثلاً (۲۰) دن ٹھہرنے کا ارادہ کرتا ہے مدینہ اور قبا میں اور دس دن مدینہ میں اور دس دن قبا میں۔

ہاں اگر دن کو مختلف جگہ پھرتا ہے رات ایک جگہ ہی رہتا ہے مثلاً مدینہ میں تو پھر نیت اقامت معتبر ہوگی اور پوری نماز پڑھے گا، قصر جائز نہیں ہوگی، اور اقامت میں اعتبار رات کا ہوتا ہے۔

مَسْئَلَۃ: نمبر۵: مقیم مسافر کی اقتداء کرسکتا ہے چاہے نماز ادا ہو یا کہ قضاء ہو امام مسافر دو رکعات پر سلام پھیر دے گا اور مقتدی کھڑا ہو کر اپنی نماز پوری کرلے گا۔

مَسْئَلَۃ: نمبر۶: مسافر صرف ادا نماز میں مقیم کی اقتدا کرسکتا ہے کیونکہ وقتی نماز یعنی ادا امام کے پیچھے پڑھنے سے امام کی متابعت میں پوری لازم ہوگی لیکن قضا میں مسافر مقیم کی اقتدا نہیں کرسکتا کیونکہ اب اس کی دو رکعات متعین ہوچکی ہیں اب اگر وہ مقیم کی اقتداء کرے گا تو اس کیلئے قعدہ اولیٰ فرض ہوگا اور امام کے حق میں واجب ہوگا پس قعدہ کے اعتبار سے فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے ہوئی جو کہ جائز نہیں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سفر میں نماز سنن کا حکم:

اگر سفر اقامت ہو یعنی کسی جگہ ٹھہرا ہوا ہو تو پھر سنتوں کو پڑھ لینا مستحب ہے اور اگر سفر سیر ہو یعنی چل رہا ہو تو نہ پڑھے۔

الفصل الاول:

سفر شروع کرتے ہی نماز قصر شروع ہو جاتی ہے

۱۳۳۳: عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِالْمَدِيْنَةِ اَرْبَعًا وَصَلَّى الْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٥٦٩۔ حديث رقم ١٠٨٩۔ ومسلم في صحيحه ١/٤٨٠ حديث رقم (١١۔ ٦٩٠)۔ وأبو داؤد في السنن ٢/٨ حديث رقم ١٢٠٢۔ والترمذي ٢/٤٣١ حديث رقم ٥٤٦۔ والنسائي ١/٢٣٥ حديث رقم ٤٦٩۔ والدارمي ١/٤٢٤ حديث رقم ١٥٠٧۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ظہر کی نماز چار رکعات پڑھی اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں دو رکعات پڑھی۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: ''صلی الظهر بالمدينة أربعا'' یعنی جس دن آپ نے حج یا عمرہ کیلئے مکہ جانے کا ارادہ فرمایا اس دن مدینہ میں ظہر کی چار رکعات نماز پڑھی۔

''وصلی الظهر بذی الحليفة'' ذوالحلیفہ اہل مدینہ کا میقات ہے جو ابیار علی کے نام سے مشہور ہے۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ذوالحلیفہ (صحیح قول کے مطابق) مدینہ سے تین میل کے فاصلے میں ایک جگہ کا نام ہے جیسے ''أبيار علی'' کے نام سے جانا جاتا ہے، عوام الناس کا خیال ہے کہ اس جگہ حضرت علیؓ نے ایک اژدہے سے لڑائی کی تھی۔

''رکعتين'' دو رکعات پڑھنے کی وجہ یہ تھی کہ آپؐ مسافر تھے۔

امام ابوحنیفہ، امام شافعیؒ، امام احمد اور ایک روایت کے مطابق امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ اپنے شہر کی آبادی سے جدا ہوتے ہی قصر نماز شروع کردی جائے۔

امام مالک کی رائے یہ ہے کہ اپنی آبادی سے تین میل کی دوری پر پہنچ کر قصر نماز شروع کرے گا۔

بعض تابعین کی رائے یہ ہے کہ (سفر کے ارادے کے بعد) اپنے گھر سے ہی قصر شروع کر دے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت علیؓ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ بصرہ سے نکلے اور چار رکعات ظہر کی نماز پڑھی، پھر فرمایا اگر ہم اس مقام کو پار کر لیتے تو دو رکعات پڑھتے۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ظاہریہ نے اس حدیث سے اپنے اس دعوی پر استدلال کیا ہے کہ سفر قصیر میں قصر کیا جائے گا۔ یہ استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے ارادے سے نکلے تھے آپ کی منزل سفر ذوالحلیفہ تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قصر نماز سفر کی وجہ سے ہے لہٰذا حالت امن میں بھی پڑھی جائے

۱۳۳۴: عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبِ الْخُزَاعِيِّ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ اَكْثَرُ مَا كُنَّا قَطُّ وَاٰمَنَهُ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۵٦۳۔ حدیث رقم ۱۰۸۳۔ ومسلم فی صحیحه ۱/۴۸۳ حدیث رقم (۲۰۔ ٦۹٦)۔

ترجمہ: حضرت حارثہ بن وہب خزاعیؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہمیں منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھائی اور اس وقت ہماری تعداد اتنی تھی کہ اس سے قبل اتنی مقدار کبھی بھی نہ تھی اور حالت بھی امن کی تھی۔ (بخاری، مسلم)

راوئ حدیث:

حارثہ بن وہب۔ یہ حارثہ بن وہب خزاعی عبید اللہ ابن عمر بن الخطاب کے ماں شریک بھائی ہیں۔ صحابہ میں سے ہیں۔ ان کا شمار کوفیین میں کیا جاتا ہے۔ ان سے ابو اسحٰق سبیعی (سین کے زبر اور بائے موحدہ کے کسرہ کے ساتھ) نے روایت حدیث کی ہے۔

تشریح: ''نحن اکثر ماکنا'' بالرفع۔ ایک قول اس کے منصوب ہونے کا بھی ہے۔ رفع نحن کی خبر ہونے کی بناء پر ہے اور ما مصدریہ ہے اور اس کا معنی جمع کا ہے کیونکہ جو فعل تفضیل اس کی طرف مضاف ہو وہ جمع ہوتا ہے۔

''قط'' بمعنی الدھر۔ یہ ظرف زمان کنا کے ساتھ متعلق ہے۔

اشرفؒ فرماتے ہیں کہ قط ماضی منفی کے ساتھ مختص ہے اور یہاں کوئی منفی نہیں اس لئے تقدیری عبارت یہ ہوگی۔ ''ما کنا اکثر من ذلك ولا آمنه قطّ''

''و آمنه'' یہ اکثر پر عطف ہے اور قط یہاں مقدر ہے اس کی ضمیر ما کنا کی طرف راجع ہے۔ ''و نحن'' میں جو واؤ ہے وہ صلی اور اس کے معمول ''بمنا'' میں حال معترضہ کیلئے ہے۔

''بمنًا'' یہ منصرف ہے اور ایک نسخہ میں ''بمعنی'' غیر منصرف ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس سے منیٰ کا خاص علاقہ مراد ہو تو یہ غیر منصرف ہوگا اور یاء کے ساتھ لکھا جائے گا اور اگر اس سے مقام مراد ہو تو منصرف ہوگا اور الف کے ساتھ لکھا جائے گا اس لفظ کو مذکر پڑھنا راجح ہے۔ منیٰ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے ''لکثرة ما یمنی فیه من الدواء'' یہاں کثرت سے خون بہایا جاتا ہے۔

ایک قول یہ ہے ''لانه تعالٰی فیها علی عباده بالمغفرة'' اللہ تعالیٰ اس میں بندوں کو معاف کر کے ان پر احسان فرماتے ہیں۔ ابن حجر کی رائے بھی یہی ہے۔ لیکن اس قول میں ذکر کردہ مادہ اشتقاق کی لفظ منی سے مناسبت معلوم نہیں ہوتی۔

ایک قول یہ ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام نے کہا تھا ''میں جنت کی تمنا کرتا ہوں''۔

''رکعتین'' یعنی حجۃ الوداع میں۔ یعنی اس حال میں کہ نبی کریم ﷺ تمام اوقات میں سب سے زیادہ امن کی حالت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں تھے اس کے باوجود آپ نے قصر نماز ادا فرمائی۔ امن کی اسناد اوقات کی طرف بطور مجاز کے ہے۔
شارح کا کہنا یہ ہے کہ آمنہ کی ضمیر "ما" کی طرف لوٹتی ہے اگر یہ ما موصوفہ ہو۔ تقدیری عبارت یہ ہوگی۔ "ونحن حينئذٍ أكثر عدد كنا قبل اياه وآمن عدد كنا قبل اياه" اگر ما مصدریہ ہو تو یہ ضمیر مصدر مقدر کی طرف راجع ہوگی اور تقدیری عبارت یہ ہوگی۔ "ونحن أكثر كون اى وجوده آمن كون ماكنا قبل" لفظ قط کو نفی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے لایا گیا ہے۔ عبارت یہ ہوگی: "ما كنا قبل ذلك الزمان مثل ذلك العدد ومثل ذلك العدد قطّ"۔
مفاتیح میں ہے یہ لفظ "آمنة" بھی روایت کیا گیا جو کہ آمن کی جمع ہے اس صورت میں اکثر کو کثیر کے معنی میں بھی لیا جا سکتا ہے۔ ما نافیہ ہے اور کنا کی خبر محذوف ہے، اصل عبارت یہ ہوگی:
"ونحن كثيرون ما كنا مثل ذلك قط ونحن أمنة"
ایک قول یہ بھی ہے کہ آمنہ فعل ماضی ہے، فاعل کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف اور مفعول کی ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف مضاف ہے۔ اصل عبارت یہ ہوگی "آمن الله بنيّه حينئذٍ"۔
علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ قول اس صورت میں درست ہوگا کہ اکثر کو کان کی خبر بنائیں کیونکہ "وآمنہ" کا عطف "اکثر" پر کرنا درست نہیں۔
واضح رہے کہ علماء کا اس بات تو اتفاق ہے کہ سفر میں قصر نماز پڑھی جائے گی لیکن اختلاف اس بارے میں ہے کہ سفر میں قصر کرنا عزیمت ہے یا رخصت؟
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کو عزیمت اور دوسرے حضرات اسے رخصت قرار دیتے ہیں۔
داؤد ظاہری سے نقل کیا گیا ہے کہ قصر نماز صرف سفر میں واجب ہوگی۔ ان سے یہ بھی منقول ہے کہ قصر خوف کی حالت کے ساتھ خاص ہے۔
ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سفر کی رخصتیں سفرِ معصیت میں لاگو نہیں ہوتیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سفر طاعت اور سفر معصیت دونوں میں تمام رخصتوں کا حق مسافر کو ہوگا۔

سفر میں قصر کرنا واجب ہے

۱۳۳۵: وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ قُلْتُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ إِنَّمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى أَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَقَدْ أَمِنَ النَّاسُ قَالَ عُمَرُ عَجِبْتُ مِمَّا عَجِبْتَ مِنْهُ فَسَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهُ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤٧٨/١ حديث رقم ٦٨٦/٤ وأبوداؤد في السنن ٧/٢ حديث رقم ١١٩٩۔ والترمذي ٢٢٧/٥ حديث رقم ٣٠٣٤۔ وابن ماجه ٣٣٩/١ حديث رقم ١٠٦٥۔ والدارمي ٤٢٣/١ حديث رقم ١٥٠٥۔ وأحمد في المسند ٢٥/١۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: حضرت یعلی بن امیہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم نماز میں قصر کرو اگر تم کو خطرہ ہو کہ کافر تمہیں فتنہ میں ڈال دیں گے، پس تحقیق اب ہم لوگ حالت امن میں ہیں (لہٰذا قصر کی ضرورت نہیں ہے) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کہ جس چیز سے تمہیں تعجب ہوا ہے اس چیز سے مجھے تعجب ہوا تھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا ایک صدقہ اور احسان ہے جو تم پر کیا لہٰذا اللہ تعالیٰ کے صدقہ کو قبول کرو۔ (مسلم)

راویٔ حدیث:

یعلی بن امیہ۔ یہ یعلی۔ امیہ کے بیٹے ہیں۔ خاندانی اعتبار سے تمیمی اور حنظلی ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ غزوہ حنین وطائف وتبوک میں شریک ہوئے۔ ان کا شمار اہل حجاز میں ہوتا ہے۔ ان سے صفوان، عطاء، مجاہد رحمہم اللہ وغیرہ نے روایت کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہوئے اور اسی میں شہید کیے گئے۔ ''امیۃ'' تصغیر کے ساتھ ہے۔

تشریح: ''وعن یعلی بن أمیّۃ'' مصغرًا۔ مؤلف فرماتے ہیں کہ انہوں نے فتح مکہ والے سال اسلام قبول کیا اور حنین، طائف اور تبوک کے غزوات میں شریک ہوئے۔

''فسألت رسول اللہ ﷺ صدقۃ'' یعنی سفر میں نماز کو قصر کرنا صدقہ ہے۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ قصر کرنا رخصت ہے واجب نہیں ہے اگر اسے صدقہ نہ کیا جاتا۔ میں کہتا ہوں کہ لفظ صدقہ عام ہے واجب اور غیر واجب سب کیلئے استعمال ہے ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول:

''انما الصدقات للفقراء......''

اس آیت میں زکوٰۃ کو ''الصدقات'' سے تعبیر کیا گیا حالانکہ زکوٰۃ بالاتفاق فرض ہے۔

''تصدق اللہ بھا علیکم فاقبلوا'' یعنی تم قصر کرو خواہ خوف ہو یا نہ ہو۔ آیت میں جو ان خفتم کی قید آئی ہے وہ اَغلب کو ظاہر کرنے کیلئے ہے۔ کیونکہ اس کو حقیقت پر محمول کریں تو معنی یہ ہوگا کہ اگر خوف نہ ہو تو قصر نہ کیا جائے۔

اس حدیث سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ قصر کرنا عزیمت ہے اور پوری نماز پڑھنا ناپسندہ فعل ہے۔

علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ اکثر حضرات وجوب قصر کے قائل ہیں۔

گھر واپسی تک مسافر قصر پڑھے

۱۳۳۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَكَانَ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِيْنَةِ قِيْلَ لَهُ أَقَمْتُمْ بِمَكَّةَ شَيْئًا قَالَ أَقَمْنَا بِهَا عَشْرًا ۔

(متفق عليه)

أخرج البخاري في صحيحه ٥٦١/٢۔ حديث رقم ١٠٨١۔ ومسلم في صحيحه ٤٨٠/١ حديث رقم (١٥۔ ٦٩٣)۔ وأبوداوٗد في السنن ٢٦/٢ حديث رقم ١٢٢٣۔ والترمذي ٤٣١/٢ حديث رقم ٥٤٨۔ والنسائي ١٢١/٣ حديث رقم ١٤٥٢۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم مدینہ سے مکہ مکرمہ کی طرف گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو دو رکعتیں پڑھاتے رہے یہاں تک کہ ہم مدینہ منورہ واپس پہنچ گئے۔ آپؓ (حضرت انسؓ سے) پوچھا گیا کہ آپ لوگ مکہ میں کچھ دیر ٹھہرے تھے، تو فرمایا کہ ہم وہاں پر دس دن ٹھہرے تھے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: ''من المدينة الى مكة'' ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس سے حجۃ الوداع کا سفر مراد ہے۔

''فكان'' نسخہ صحیحہ میں ''و كان'' واؤ کے ساتھ ہے۔

''يصلي ركعتين ركعتين'' یعنی رباعی نمازوں میں دو دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

''قال أقمنا بها عشرًا'' علامہ مظہر نے اس کی تشریح اس ''لیالی'' سے کی ہے۔

ابن حجرؒ نے اس کی تفسیر ''من الليالي أو من الأيام'' سے کی ہے۔ اس صورت میں تاء کو حذف کیا گیا اس لئے کہ جب معدود کو حذف کیا جائے تو تاء کو حذف کرنا اور ثابت رکھنا دو طرح جائز ہے۔

یہ حدیث اپنے ظاہر کے ساتھ امام شافعیؒ کے مسلک کے منافی ہے کیونکہ ان کا مسلک یہ ہے کہ جب آدمی کا چار دن قیام کرنے کا ارادہ ہو تو اس پر پوری نماز پڑھنا واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر پندرہ دن قیام کی نیت نہ ہو تو قصر کرے گا۔ اس وقت کے بارے میں صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہی منقول ہے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ پر اثر صحابی حدیث رسول کی طرح ہے کیونکہ مقدرات شرعیہ میں رائے کو دخل نہیں ہوتا۔

عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ ہم چھ مہینہ آذربائیجان میں مصروفِ جہاد رہے۔ اس دوران برف باری شروع ہو گئی تھی، وہاں ہم دو رکعات نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس میں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ اس واقعہ میں ان کے ساتھ دوسرے صحابہ بھی تھے جو یہی عمل فرمایا کرتے تھے۔

عبدالرزاق نے حضرت حسن سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم عبدالرحمٰن بن سمرۃ کے فارس کے کچھ علاقوں میں دو سال تک رہے وہ دو رکعات پر کچھ زیادتی نہ کرتے تھے۔

عبدالرزاق نے انس بن مالکؓ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ شام میں عبدالملک بن مروان کے ساتھ دو مہینے رہے اور وہ دو دو رکعات نماز پڑھا کرتے تھے۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ کے قول ''أقمنا بها عشرا'' میں بھا کو مطلق رکھا گیا ہے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الوداع کے موقع پر ایک جگہ دس دن قیام نہیں فرمایا اس لئے کہ آپ ہفتہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے اور جمعرات کی صبح وہاں سے نکلے، پھر منی میں قیام فرمایا اور جمعہ عرفات میں گزرا۔ پھر ادائیگی نسک کیلئے ہفتہ کو منی واپس آئے۔ پھر طواف افاضہ کیلئے مکہ آئے پھر اسی دن منی تشریف لے گئے اور باقی دن ہفتہ، اتوار اور پیر زوال تک وہیں قیام فرمایا پھر وہاں سے کوچ فرمایا اور محصب میں قیام فرمایا اور اسی رات طواف وداع فرمایا اور صبح کی نماز سے پہلے کوچ فرمایا۔ پس آپؐ نے اپنی اقامت کے تفرق کی وجہ سے ہر جگہ دخول وخروج کے دن کے علاوہ چار دن ٹھہرنے کی نیت نہ کرے وہ قصر کرے گا۔ (ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ) اس استدلال کے ماخذ کا خفا مخفی نہیں ہے۔

اس روایت کو محدثین اربعہ نے بھی روایت کیا ہے۔

بلا ارادہ پندرہ دن سے زائد بھی رہنے سے مقیم نہیں بنتا

۱۳۳۷: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَافَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَفَرًا فَأَقَامَ تِسْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَنَحْنُ نُصَلِّيْ فِيْمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَكَّةَ تِسْعَةَ عَشَرَ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَإِذَا أَقَمْنَا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ صَلَّيْنَا أَرْبَعًا ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحة ٢/ ٥٦١۔ حديث رقم ١٠٨٠۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر کیا، اور وہاں انیس دن قیام فرمایا، تو دورانِ قیام دو دو رکعتیں پڑھتے رہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ بھی جب اپنے اور مکہ کے درمیان جب انیس دن قیام کرتے ہیں تو دو دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔ (بخاری)

تشریح: ''فاقام تسعة عشر يومًا يصلى ركعتين ركعتين'' اس روایت کی بنا پر امام شافعیؒ کے ایک قول میں انیس دن تک قیام کی صورت میں قصر کے جواز کا حکم ملتا ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ قابل اعتماد عدد اٹھارہ دن کا ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب چار دن یا چار دن سے زیادہ قیام کی نیت نہ کرے۔

حدیث کا ظاہر ان کے قابل اعتماد قول کے منافی ہے اور حدیث میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں جس سے معلوم ہو کہ جب اقامت کی نیت کے بغیر اس عدد پر اضافہ کرے گا تو اتمام واجب ہوگا۔

''قال ابن عباس'' یعنی ابن عباسؓ اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''فاذا أقمنا اكثر من ذلك صلّينا أربعًا'' علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ عدد سابق میں قیام مراد ہے سیر یعنی چلنا مراد یہ ہوگی:

''نحن اذا أقمنا فی منزل بين مكة والمدينة تسعة عشر يومًا نصلی ركعتين واذا أقمنا أكثر من ذلك نصلی أربعًا''۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاید دخول اور کوچ کا دن اس میں داخل ہے۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک ابن عباسؓ کا یہ مذہب ان کا تفرد ہے۔ اور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ انہوں نے انیس دن قیام فرمایا کیونکہ وہ طائف کا محاصرہ کئے ہوئے تھے یا حرب ھوازن میں وہ ہر لحہ فتح کے انتظار میں تھے پھر وہاں سے کوچ کیا اس اعتبار سے وہ وہاں بالکل مقیم نہ ہوئے کیونکہ ان کا خروج ان کی حاجت کے پورا ہونے یعنی فتح پر موقوف تھا۔

حالتِ سفر میں نوافل نہ پڑھنے پر بھی مواخذہ نہیں

۱۳۳۸ وَعَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ فِيْ طَرِيْقِ مَكَّةَ فَصَلَّى لَنَا الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَاءَ رَحْلَهُ وَجَلَسَ فَرَاى نَاسًا قِيَامًا فَقَالَ مَايَصْنَعُ هٰؤُلَآءِ قُلْتُ يُسَبِّحُوْنَ قَالَ لَوْكُنْتُ مُسَبِّحًا اَتْمَمْتُ صَلَاتِيْ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ لَايَزِيْدُ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ وَاَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَذٰلِكَ ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۵۷۷۔ حديث رقم ۱۱۰۱۔ وأبو داوٗد في السنن ۲/۲۰ حديث رم ۱۲۲۳۔ والنسائي ۳/۱۲۳ حديث رقم ۱۴۵۸۔ وابن ماجه ۱/۳۴۰ حديث رقم ۱۰۷۱۔

ترجمہ: حضرت حفص بن عاصمؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مکہ کے راستہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا رفیق سفر بن گیا تو انہوں نے ظہر کی نماز ہمیں دو رکعت پڑھائی، پھر وہ اپنے کجاوے میں واپس آ کر بیٹھ گئے، کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ کھڑے (نوافل پڑھ رہے) ہیں تو پوچھا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ تو میں نے عرض کیا کہ نفلیں پڑھ رہے ہیں تو فرمایا اگر مجھے نفل پڑھنے ہوتے تو میں اپنی فرض نماز کو مکمل کرتا مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا شرف بھی حاصل رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں دو رکعات فرض قصر پر اضافہ نہیں کرتے تھے اور اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمانؓ بھی (یعنی یہ حضرات بھی حالت سفر میں صرف دو رکعت نماز فرض پڑھتے تھے) (بخاری، مسلم)

راویٔ حدیث:

حفص بن عاصم۔ یہ حفص بن عاصم بن عمر ابن خطاب قریشی عدوی ہیں۔ محدثین کے یہاں قابل اعتماد ہیں۔ ان پر لوگوں کا اجماع ہے۔ اجلہ تابعین میں سے ہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے احادیث کو سنا ہے۔ بہت زیادہ احادیث نقل کرنے والے ہیں۔

تشریح: ''لو كنت مسبحا أتممت صلاتي'' یعنی میں نفل پڑھتا تو بجائے اس کے فرض کو پورا کرتا۔ یہی بعض علماء کا مسلک ہے کہ سفر میں نفل نہ پڑھے گا۔

''وأبا بكرو عمرو عثمان رضي الله عنهم كذلك'' یعنی یہ تمام حضرات سفر میں دو رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ قصر پر مواظبت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی تائید کرتی ہے۔

ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جن کے نزدیک سفر میں نوافل نہیں پڑھے جائیں گے۔ اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نفلوں کی عدم مشروعیت قصر کے رخصت ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض حضرات کا کہنا ہے۔ اس لئے ترک نفل کی رخصت کسی دلیل کی محتاج نہیں کیونکہ اس کے جواز پر اجماع ہے۔

مسافر جمع صوری کر سکتا ہے

۱۳۳۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ اِذَا كَانَ عَلٰى ظَهْرِ سَيْرٍ وَيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۵۷۹۔ حدیث رقم ۱۱۰۷۔ ومسلم ۱/۴۹۰ حدیث رقم (۵۲۔ ۷۰۶)۔ وأبوداؤد فی السنن ۲/۱۰ حدیث رقم ۱۲۰۶۔ والترمذی ۲/۴۳۸ حدیث رقم ۵۵۳۔ والنسائی ۱/۸۵ حدیث رقم ۵۸۷۔ والدارمی ۱/۴۲۶ حدیث رقم ۱۵۱۵ ومالك فی الموطأ ۱/۱۴۳ حدیث رقم ۲ من كتاب قصر الصلاة۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ سفر پر ہوتے تو ظہر اور عصر کی نمازوں کو ایک ساتھ پڑھتے تھے اور اسی طرح مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ (بخاری)

تشریح: ''كان رسول الله ﷺ يجمع بين صلاة الظهر والعصر'' جمع سے جمع صوری یعنی تقدیم وتاخیر والی جمع ہے۔

''اذا كان على ظهر سير'' علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ ''ظهر'' کو تاکید کیلئے لایا گیا اور بعض کا کہنا یہ ہے کہ سیر کیلئے ظہر کو اس لئے بیان کیا گیا کہ چلنے والا جب تک چلتا رہتا ہے تو گویا کہ وہ اس پر سوار ہوتا ہے معنی اس کا یہ ہے کہ کبھی ظہر کو تاخیر کرنے کی نیت کرتے تو اسے عصر کے وقت میں پڑھتے اور کبھی عصر کو ظہر میں وقت میں ادا کرتے۔

ابن الملک نے بھی یہی کہا ہے لیکن معنی مخالف مذہب ہے اور یہ حدیث اپنے ظاہر کے اعتبار سے امام شافعی کے مسلک کی تائید کرتی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ جمع صوری پر محمول ہے یعنی ظہر کو اس کے آخر وقت میں اور عصر کو اس کے اول وقت میں پڑھتے تھے۔

''ويجمع بين المغرب والعشاء'' اس کے بارے میں بھی ہماری توجیہ وہی ہے۔ اس بحث کی تفصیل مشکل الآثار للطحاوی میں موجود ہے۔

نفل نماز سواری پر بھی پڑھی جا سکتی ہے

۱۳۴۰: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهٖ يُوْمِئُ اِيْمَاءً صَلَاةَ اللَّيْلِ اِلَّا الْفَرَائِضَ وَيُوْتِرُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ۔ (متفق علیه)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/ ۴۸۹۔ حدیث رقم ۱۰۰۰ ومسلم فی صحیحه ۱/ ۴۸۷۔ حدیث رقم (۳۹۔ ۷۰۰)۔ وأبوداؤد فی السنن ۲/ ۲۱ حدیث رقم ۱۲۲۴۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر ہوتے تو رات کی نماز سوائے فرض کے اپنی سواری پر پڑھتے تھے اشارہ کے ساتھ اور سواری کا منہ جس طرف متوجہ ہوتا تھا اسی طرف نماز پڑھتے تھے اور صلوٰۃ وتر بھی اپنی سواری پر ہی پڑھتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: ''حیث توجهت به'' اس ضمیر کا مرجع حیث یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ باء تعدیہ کیلئے ہے اور عائد الی حیث محذوف ہے۔ اور وہ ''الیہ''۔

''یؤمی'' علامہ طیبیؒ نے اس لفظ کو یصلی کے فاعل سے حال قرار دیا ہے۔ علی راحلته کے بارے میں بھی یہی فرماتے ہیں۔

''صلاۃ اللیل'' یہ یصلی کا مفعول ہے۔

''الا الفرائض'' یہ صلاۃ اللیل سے مستثنیٰ ہے یعنی استثناء منقطع ہے۔ علامہ طیبیؒ کی رائے تو یہی ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ اسے استثناء متصل مانا جائے۔ کیونکہ تمام فرائض کو بغیر عذر کے سواری پر ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

''ویوتر علی راحلة'' ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل مبارک سے وتر کے عدم وجوب کا ثبوت ملتا ہے۔

علامہ طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس روایت کی توجیہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وجوب وتر سے پہلے سواری پر وتر پڑھ لیتے تھے لیکن جب بعد میں ان کی تاکید آگئی تو ایسا نہ کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز (نفل) سواری پر پڑھتے اور وتر زمین پر اور ان کا خیال یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

۱۳۴۱ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُلُّ ذَالِكَ قَدْ فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصَرَ الصَّلَاةَ وَاَتَمَّ۔

(رواه فی شرح السنة)

أخرجه الدارقطنی فی السنن ۲/ ۱۸۹ حدیث رقم ۴۳ من باب القبلة للصائم۔

ترجمه: ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب کیا ہے حالت سفر میں صلوٰۃ قصر بھی پڑھی ہے اور پوری بھی پڑھی ہے۔ (شرح السنہ)

تشریح: ''عن عائشة قالت كل'' منصوب و مرفوع دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

''ذلك'' یہ بعد میں آنے والے قصر اور اتمام کی طرف اشارہ ہے۔

راجح یہ ہے کہ یہ اس سائل کے کلام کی طرف اشارہ ہے جس نے قصر اور اتمام کے بارے میں سوال کیا تھا اور کل مفعولیت کی بنا پر منصوب ہے۔ کل کو حذف عائد کی صورت میں مبتدا بھی بنا سکتے ہیں اصل عبارت یہ ہوگی۔ ''کل ذلك فعله رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ذی شان امر مبہم کی طرف اشارہ ہے جس کا علم تفسیر کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ اور اس کی تفسیر حضرت عائشہؓ کا قول ''قصر و أتم'' ہے۔

''قصر و أتم'' یعنی سفر میں رباعی نماز کو قصر کر کے بھی پڑھا اور مکمل بھی پڑھا۔

اس قول میں اتمام سے مراد سفر میں اس جگہ اتمام کرنا ہے جہاں اقامت کا ارادہ ہو۔ نیز اتمام کا ایک معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نماز اپنی اول وضع کے اعتبار سے قصر ہی ہے کیونکہ روایات کے مطابق پہلے دو دو رکعات فرض ہوئی تھیں۔ پس سفر میں اس کو اس کی حالت پر باقی رکھا گیا اور حضر میں اس پر اضافہ کر دیا گیا۔ اس صورت میں عطف تفسیری ہوگا۔

ابن الملک فرماتے ہیں کہ اس روایت کو حجت بنا کر امام شافعیؒ اس بات کے قائل ہیں کہ سفر میں قصر اور اتمام دونوں کی اجازت ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اتمام جائز نہیں ایسا کرنے سے آدمی گناہ گار ہوگا۔

میرکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو شافعی اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ابراہیم بن یحییٰ ہیں۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ عدم وجوب کے بارے میں نسائی اور دارقطنی کی روایت صریح تر ہے اس کی اسناد ہی حسن ہے۔ اسی طرح بیہقی کی روایت جسے انہوں نے صحیح قرار دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے عمرہ کی قضاء کیلئے گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ نہیں رکھا میں نے روزہ رکھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر کیا میں نے پوری نماز پڑھی میں نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ! آپ نے قصر کیا اور میں نے پوری نماز پڑھی آپ نے روزہ نہیں رکھا میں نے روزہ رکھا''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے عائشہ! تو نے اچھا کیا'' آپ نے میرے اس عمل کو معیوب قرار نہ دیا۔ نسائی کی روایت میں عمرۃ رمضان کا ذکر نہیں ہے۔

ابن حجرؒ کی اس دلیل کی تاویل یہ ہے کہ عمرہ رمضان غیر صحیحہ ہے کیونکہ ارباب سیر کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے فرماتے کہ چاروں ذی القعدہ میں تھے البتہ حج کے ساتھ والے عمرہ کے اعمال اسی میں تھے۔ اگر اس کو صحیح بھی مان لیں تو یہ اپنے سے صحیح روایات کے متعارض ہے ایک وہ روایت جس میں آتا ہے کہ نماز اولاً دو دو رکعات فرض ہوئی تھیں پھر سفر کی نماز تو اسی پر طے ہوئی اور حضر کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا۔

ان دونوں متعارض روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: ''اے عائشہ! تو نے اچھا کیا'' کو اس پر محمول کیا جائے کہ تو نے جائز فعل کیا اس لئے کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل قصر سے افضل بالاجماع قرار نہیں دیا جا سکتا۔

باقی دارقطنی اور بیہقی کی یہ روایت کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں قصر بھی فرماتے اور اتمام بھی، روزہ بھی رکھتے اور افطار بھی۔

بیہقی کہتے ہیں کہ دارقطنی نے اس کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس کی صحت کو تسلیم کر لینے کی صورت میں اسے اس پر محمول کریں گے۔ کہ سفر میں اتمام جائز تھا یا حضور نے ایک آدھ مرتبہ بیان جواز کیلئے اتمام کیا تھا یا ابتداء میں ایسا تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے سفر میں بالاتفاق قصر فرمایا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسافر امامت کرواسکتا ہے

۱۳۴۲ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَشَهِدْتُ مَعَهُ الْفَتْحَ فَاَقَامَ بِمَكَّةَ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ لَيْلَةً لَا يُصَلِّيْ اِلَّا رَكْعَتَيْنِ يَقُوْلُ يَا اَهْلَ الْبَلَدِ صَلُّوْا اَرْبَعًا فَاِنَّا سَفْرٌ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۲/۲۳ حديث رقم ۱۲۲۹۔ وأحمد في المسند ۴/۴۳۰۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ جہاد کیا، چنانچہ میں آپ ﷺ کے ساتھ فتح مکہ میں بھی شریک تھا، آپ ﷺ نے اس موقع پر مکہ میں اٹھارہ دن قیام کیا۔ تو آپ دو دو رکعتیں ہی پڑھتے تھے، اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ اے اہل شہر تم چار رکعتیں پڑھو، ہم مسافر ہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح: ''فانا سفر'' بسکون الفاء جمع مسافر۔

ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مکہ میں نماز پڑھائی اور سلام پھیرنے کے بعد کہا ''اپنی نماز پوری کرلو میں مسافر ہوں'' یہ سن کر ایک بے وقوف کہنے لگا ''ہم اس مسئلے کو تم سے زیادہ جانتے ہیں۔'' امام صاحب اس کی یہ بات سن کر مسکرا دیئے اور فرمایا ''اگر تم جانتے تو بات نہ کرتے''۔ (یعنی وہ نماز میں تھا اور بولنے سے اس کی نماز فاسد ہوگئی)۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں ''فانا سفر'' کی فاء لغت فصیحہ ہے۔ یہ اس محذوف کلام پر دلالت کررہی ہے۔ جو فاء کے بعد آنے والے کلام کا سبب ہے۔ اصل عبارت یہ ہوگی: ''صلوا أربعا ولا تقتدو ابنا فانا سفر''

اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول ''فانفجرت'' ہے۔

قصر صرف چار رکعت والی نماز میں ہوگی

۱۳۴۳: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي الْحَضَرِ الظُّهْرَ اَرْبَعًا وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي السَّفَرِ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ بَعْدَهَا شَيْئًا وَالْمَغْرِبَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَاءً ثَلَاثَ رَكْعَاتٍ وَلَايَنْقُصُ فِيْ حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ وَهِيَ وِتْرُ النَّهَارِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ۲/۴۳۷ حديث رقم ۵۵۲۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ظہر کی نماز آنحضرت ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں (یعنی سنت) ایک اور روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر و حضر میں نماز پڑھی، پس میں نے آپ ﷺ کے ساتھ حضر میں چار رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں، اور میں نے آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں ظہر کی دو رکعتیں پڑھی ہیں اور اس کے بعد دو رکعتیں اور اسی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح عصر کی دو رکعتیں پڑھی ہیں، اس کے بعد کچھ نہیں پڑھا۔ اور مغرب کی سفر و حضر میں تین رکعتیں پڑھتے تھے۔ اور سفر و حضر میں اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی۔ یہ مغرب کی نماز وتر النہار کہلاتی ہے۔ اس کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

(ترمذی)

تشریح: ''والمغرب في الحضر والسفر سواء'' یہ حال ہے ای مستو یا عدوها فیهما۔

''وهي وتر النهار'' علامہ طیبیؒ نے اسے جملہ حالیہ قرار دیا جو اس میں کمی نہ کرنے کی علت کو بیان کر رہا ہے۔ اس جملہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو تقویت ملتی ہے کہ وتر تین رکعات ہیں اس سے کم نہ پڑھے جائیں گے۔

''بعدها ركعتين'' ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ نمازوں کے بعد سنتوں اور نوافل کو سفر میں ادا کیا جائے گا۔

اس سلسلہ میں راجح بات یہ ہے کہ راستہ میں انہیں ادا نہ کرے البتہ منزل پر پہنچ کر پڑھ سکتا ہے۔

غزوۂ تبوک کے سفر کا واقعہ

۱۳۴۴: وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ اَنْ يَرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَاِنِ ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الظُّهْرَ حَتّٰى يَنْزِلَ الْعَصْرَ وَفِي الْمَغْرِبِ مِثْلَ ذَالِكَ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ اَنْ يَرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فَاِنِ ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَغِيْبَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتّٰى يَنْزِلَ لِلْعِشَاءِ ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا۔ (رواہ ابوداود والترمذی)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۲/۱۸ حديث رقم ۱۲۲۰۔ والترمذي ۲/۴۳۸ حديث رقم ۵۵۳۔ والنسائي ۱/۲۸۴ حديث رقم ۵۸۶۔ وأحمد في المسند ۵/۲۴۱۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں تھے جب سورج ڈھل جاتا تو کوچ کرنے سے پہلے پہلے ظہر اور عصر کے درمیان جمع کرتے تھے (یعنی ظہر اور عصر کو ایک ساتھ پڑھا کرتے تھے) اور جب آپ سورج کے ڈھلنے اور زوال سے پہلے ہی کوچ کر لیتے تو ظہر کو مؤخر کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ عصر کیلئے اترتے (یعنی ظہر اور عصر کو ساتھ پڑھتے) اور مغرب میں بھی یہ معمول تھا کہ جب سورج غروب ہو جاتا تو کوچ کرنے سے پہلے پہلے مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ پڑھ لیتے تھے۔ اور اگر آپ سورج غروب ہونے سے پہلے کوچ کر لیتے تو مغرب کو مؤخر کرتے یہاں تک کہ عشاء کیلئے اترتے اور ان دونوں نمازوں کو اکٹھا پڑھ لیتے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: ''في غزوة تبوك'' لفظ تبوک مشہور قول کے مطابق غیر منصرف ہے۔ یہ شام کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔

''قبل ان يرتحل'' یہ ماقبل اور مابعد دونوں کیلئے ظرف بن سکتا ہے۔

''جمع بين الظهر والعصر'' یعنی ظہر کو ~~ایک کے آخری~~ وقت میں اور عصر کو اس کے ابتدائی وقت میں ادا فرمایا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ میرکؒ نے امام ابوداؤد کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ وقت کی تقدیم کے بارے میں کوئی مضبوط حدیث نہیں ہے۔ یہ اس حدیث کے ضعیف ہونے اور شافعیہ کے قابل استدلال نہ ہونے کی شہادت ہے۔ اس سے ابن حجرؒ کا اس حدیث کو صحیح قرار دینے کا قول بھی باطل ہو گیا اور یہ ان احادیث میں سے ہے جو اپنے میں نص ہیں اور تقدیم وتاخیر کی جمع کے جواز میں یہ کسی تاویل کا احتمال نہیں رکھتیں۔

ابن اہمامؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ہماری دلیل صحیحین میں منقول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی مقررہ وقت کے علاوہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔

شاید ابن مسعودؓ نے عرفات کی جمع کو شہرت کی بنا پر چھوڑ دیا۔

سفر میں سواری پر نفل پڑھتے ہوئے بوقت تحریمہ قبلہ رو ہونا ضروری ہے

۱۳۴۵: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرَ وَاَرَادَ اَنْ يَّتَطَوَّعَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ بِنَاقَتِهٖ فَكَبَّرَ ثُمَّ صَلّٰى حَيْثُ وَجَّهَهٗ رِكَابُهٗ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد فى السنن ٢/ ٢١ حديث رقم ١٢٢٤ والدارقطنى ١/ ٣٩٦ حديث رقم ٣ من باب صفة صلاة التطوع فى السفر واستقبال القبلة عند الصلاة على الدابة۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ سفر کی حالت میں ہوتے اور نفل پڑھنے کا ارادہ ہوتا تو اپنی سواری (یعنی اونٹنی) کا منہ قبلہ کی طرف کرتے اور تکبیر تحریمہ کہتے پھر آپ اسی طرف نماز پڑھتے، جس طرف آپ کی سواری رخ کرتی۔

تشریح: اذا سافر سے مراد یہ ہے کہ اپنے شہر سے باہر تشریف لے جاتے خواہ مسافر ہوتے یا مقیم۔ کنایہ میں یہی ہے اور صحیح قول بھی یہی ہے۔ بعض نے اس سے سفر شرعی مراد لیا ہے۔

باقی شہر میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے جائز اور امام محمد رحمہ اللہ نے مکروہ قرار دیا ہے۔

''استقبل القبلة بناقته'' اس میں دونوں احتمال ہیں کہ سواری کا جانور خود چل رہا ہو یا کوئی آدمی اسے چلا رہا ہو۔

''کبّر'' تکبیر تحریمہ کہتے کہ یہ نماز کی شرائط میں سے ہے۔

بعض حضرات نے تکبیر تحریمہ کے وقت قبلہ رخ ہونے کی شرط بھی لگائی ہے یعنی اس شرط کے ساتھ کہ ایسا کرنا آسان ہو اور لگام اس کے ہاتھ میں ہو، امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں جبکہ ہمارے اصحاب نفل میں اس کی شرط نہیں لگاتے۔ البتہ فرض میں تکبیر تحریمہ کے وقت قبلہ رخ ہونا نماز کی شرائط میں سے ہے۔

''خلاصہ'' میں مذکور ہے کہ عذر کی صورت میں سواری پر فرض پڑھنا جائز ہیں جیسے بارش یا دشمن ودرندہ کا خوف وغیرہ۔

مولانا ابو مکارم نے شرح النقایہ میں بھی یہی لکھا ہے۔

''ثم صلّی'' اس سے معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ کہنا شرط ہے رکن نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ''وذکر اسم ربه

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فصلّی" سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ عطف میں اصل مغایرت ہے۔ ابن حجر نے اس کا معنی کیا ہے پھر اپنی نماز میں مشغول رہے۔ علامہ طیبیؒ نے ثم تراخی فی الرتبہ کیلئے قرار دیا ہے۔ اور جب تکبیر کا اہتمام نیت کے ساتھ ملے ہونے کی وجہ سے اشد ہے تو اسے توجہ الی القبلہ کے ساتھ خاص کر دیا گیا۔

اگر اشارے سے نماز پڑھ رہا ہو تو سجدے کا اشارہ رکوع سے پست ہونا ضروری ہے

۱۳۴۶: وَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَاجَةٍ فَجِئْتُ وَھُوَ یُصَلِّیْ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ نَحْوَالْمَشْرِقِ وَیَجْعَلُ السُّجُوْدَ اَخْفَضَ مِنَ الرُّکُوْعِ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۲/۲۲ حدیث رقم ۱۲۲۸۔ والترمذی ۲/۱۸۲ حدیث رقم ۳۵۱۔ وأحمد فی المسند ۳/۳۳۲۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے کسی کام کیلئے بھیجا، جب میں واپس آیا تو آپ اپنی سواری پر مشرق کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھ رہے تھے اور سجدے کا اشارہ رکوع سے پست کرتے تھے۔

تشریح: "وھو یصلی" یہ حال ہے۔

"علی راحلة نحو المشرق" یہ ظرف ہے، عبارت یہ ہوگی: "یصلی الی جانب المشرق" یا حال ہے۔ اس صورت میں عبارت یہ ہوگی۔ "متوجھا نحو المشرق" اور "کانت متوجھة الی جانب المشرق"۔

الفصل الثالث:

مسافر امام کے ساتھ چار رکعتیں پڑھے اور اکیلا دو ہی رکعتیں پڑھے

۱۳۴۷: عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمِنًی رَکْعَتَیْنِ وَ اَبُوْ بَکْرٍ بَعْدَہٗ وَعُمَرُ بَعْدَ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِّنْ خِلَافَتِہٖ ثُمَّ اِنَّ عُثْمَانَ صَلّٰی بَعْدُ اَرْبَعًا فَکَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا صَلّٰی مَعَ الْاِمَامِ صَلّٰی اَرْبَعًا وَ اِذَا صَلَّاھَا وَحْدَہٗ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۵۶۳۔ حدیث رقم ۱۰۸۲۔ ومسلم فی صحیحه ۱/۴۸۲ حدیث رقم (۱۶۔ ۶۹۴)۔ والنسائی ۳/۱۲۱ حدیث رقم ۱۴۵۱۔ والدارمی ۱/۴۲۳ حدیث رقم ۱۵۰۶۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھی اور آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے بھی دو رکعت پڑھی ان کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ نے بھی دو رکعت نماز پڑھی، اور حضرت عثمانؓ نے بھی اپنی خلافت کے شروع میں دو رکعت نماز پڑھی (یعنی قصر نماز پڑھی) لیکن پھر حضرت عثمانؓ باقی زمانہ خلافت میں چار رکعتیں پڑھنے لگے تو عبداللہ ابن عمر ؓ کی یہ حالت تھی کہ جب امام کے ساتھ پڑھتے تو چار رکعتیں پڑھتے تھے اور جب اکیلے پڑھتے تو دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح: ''صلی رسول اللهﷺ بمنًا'' یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔

''وعثمان صدرا من خلافته'' یعنی حضرت عثمان بھی اپنی خلافت کے ابتدائی زمانہ یعنی تقریباً چھ سال تک ہمیں دو رکعات نماز ہی پڑھاتے رہے۔

''ثم ان بعد أربعًا'' اس کی وجہ یہ تھی وہ مکہ میں مقیم ہوگئے تھے۔ امام احمدؒ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے منی میں چار رکعات نماز پڑھائی لوگوں نے اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا ''اے لوگو! میں جب سے مکہ آیا ہوں میں نے یہاں کی سکونت اختیار کرلی ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص کسی شہر کی رہائش اختیار کرلے تو وہاں مقیم کی نماز پڑھے''۔

لوگوں کا حضرت عثمان پر اعتراض کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں رباعی نماز کا اتمام نہ فرماتے تھے اور یہ کہ قصر ہی عزیمت ہے۔ وگرنہ اعتراض کیوں کیا جاتا۔

اس مقام پر ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ لوگوں کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ قصر اور اتمام دونوں جائز ہیں۔

ابن حجرؒ کی یہ بات درست نہیں کیونکہ جواز اور عدم جواز بتانا صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔

اور ابن حجرؒ کا یہ کہنا کہ اس عمل کا حضرت عثمان سے کئی مرتبہ صادر ہونا اور صحابہ کا اس پر انکار نہ کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ قصر واجب نہیں۔

ابن حجر کی یہ بات بالکل غلط ہے اور یہ علم کی کمی کی علامت اور پیش خیمہ ہے۔

''فكان ابن عمر اذا صلى مع الامام'' ظاہر تو یہ ہے کہ امام سے مراد حضرت عثمان ہیں۔ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ وہ کوئی ایسا امام تلاش کرتے ہوں جو پوری نماز پڑھائے۔

''صلى أربعًا'' اس لئے کہ مسافر مقتدی پر واجب ہے کہ وہ امام کی اتباع کرے خواہ امام قصر کرے یا پوری نماز پڑھے۔

''واذا صلاها وحده صلاها ركعتين'' اس لئے کہ وہ مسافر تھے اور مسافر کیلئے قصر افضل اور احوط ہے اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں۔

ابتداءً سفر و حضر کی نماز برابر تھی

۱۳۴۸: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فُرِضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ هَاجَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفُرِضَتْ اَرْبَعًا وَتُرِكَتْ صَلَاةُ السَّفَرِ عَلَى الْفَرِيْضَةِ الْاُوْلٰى قَالَ الزُّهْرِيُّ قُلْتُ لِعُرْوَةَ مَابَالُ عَائِشَةَ تُتِمُّ قَالَ تَاَوَّلَتْ كَمَا تَاَوَّلَ عُثْمَانُ ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ١/٤٦٤۔ حديث رقم ٣٥٠۔ ومسلم فی صحيحه ١/٤٧٨ حديث رقم (١/٦٨٥) وأبوداؤد فی السنن٢/٥ حديث رقم ١١٩٨۔ والدارمی ١/٤٢٤ حديث رقم ١٥٠٩۔ ومالك فی الموطأ ١/١٤٦ حديث رقم ٨ من كتاب قصر الصلاة۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابتداء میں نماز دو رکعتیں ہی فرض ہوئی، پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی، تو حضر کیلئے چار رکعتیں فرض کی گئیں اور صلوٰۃ سفر کو پہلی مقرر کردہ دو رکعتوں پر باقی چھوڑ دیا گیا۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عروہ بن زبیر سے عرض کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیا ہوا کہ سفر میں بھی پوری نماز پڑھتی ہیں، تو حضرت عروہ نے فرمایا وہ ایسی ہی تاویل کرتی ہیں جیسی کہ حضرت عثمانؓ نے کی ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: ''فرضت الصلاۃ رکعتین'' یعنی ابتداء مکہ میں واقعہ معراج کے موقعہ پر دو رکعات فرض ہوئیں۔

''وترکت صلوۃ السفر علی الفریضۃ الأولی'' پس اگر سفر میں پوری نماز پڑھے گا تو ہمارے نزدیک گناہ گار ہوگا۔ اور اس کی دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی اور اگر اس نے قعدہ اولیٰ نہ کیا جو حکمی طور پر قعدہ اخیرہ ہے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اس معنی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور روایت بھی منقول ہے۔

ابن حجر کا یہ قول درستگی سے بہت دور ہے کیونکہ شریعت میں کوئی ایسا فرض نہیں جو پڑھنے والے کے ارادے پر موقوف ہو۔ اس قول کے بطلان کی وجہ سے ائمہ میں سے کوئی بھی اس قول کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔

''قال الزھری: قلت لعروہ ما بال عائشہ تتم؟ قال تأولت کما تأوّل عثمان'' امام نووی فرماتے ہیں کہ محدثین کا ان دونوں حضرات کی تاویل کے بارے میں اختلاف ہے۔ محققین کی رائے یہ ہے ان دونوں حضرات نے قصر اور اتمام دونوں کو جائز قرار دیا ہے۔ پس انہوں نے دونوں جائز اعمال میں سے ایک یعنی اتمام کو اختیار کر لیا۔

امام نوویؒ کی یہ تشریح محل نظر ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کو اتمام کا یقین تھا جبکہ حضرت عثمانؓ کی تاویل تو گزر چکی۔ کہ انہوں نے مکہ میں سکونت کے ذریعے اتمام کو واجب کو لیا تھا لہٰذا ان دونوں کی تاویل ایک کیسے ہوگئی ان میں تو مناسبت نہیں ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مکہ میں اقامت کی نیت کر لی تھی۔ اس قول کو محدثین نے اس طرح روایت کیا ہے کہ مکہ میں مہاجرین کیلئے تین دن سے زائد قیام کرنا حرام ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ منیٰ میں حضرت عثمانؓ کی ایک زمین تھی اس قول کی وجہ بطلان یہ ہے کہ زمین کی موجودگی اقامت کا تقاضا نہیں کرتی۔

ابن بطال کہتے ہیں کہ ان دونوں کی رائے یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت پر آسانی کیلئے قصر کو اختیار کیا تھا۔ جب کہ یہ دونوں حضرات سختی پر عمل کرنا چاہتے تھے۔

علامہ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان کا اتمام کرنے کا سبب یہ تھا کہ وہ قصر کو اس شخص کے ساتھ خاص مانتے تھے جو چل رہا ہو اور جو شخص سفر کے دوران کسی جگہ ٹھہر جائے اس کیلئے مقیم کا حکم ہوگا لہٰذا وہ اتمام کرے گا۔

ابن اہمامؒ فرماتے ہی کہ حضرت عائشہؓ کے اتمام کی وجہ یہ تھی کہ انہیں اس بارے میں؟ تھا اور ان کا خیال یہ تھا کہ سفر میں قصر کا حکم اس مسافر کیلئے ہے جسے اتمام کرنے سے نقصان ہوتا۔ اس احتمال کی تائید بیہقی اور دارقطنی کی ایک صحیح روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت عروہؓ فرماتے ہیں کی حضرت عائشہؓ سفر میں چار رکعات پڑھتی تھیں۔ میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس میں کچھ دقت پیش نہیں آتی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عروہ کے قول ''انها تاولت'' کا معنی بھی یہی ہے کہ ان کی تاویل یہ تھی کہ اسقاطِ صلوٰۃ حرج کی صورت میں ہے۔ واللہ اعلم بمرادہ۔

اس صورت میں کماتاؤل کا کاف تنظیر کیلئے ہوگا تمثیل کیلئے نہیں ہوگا۔

صلوٰۃ سفر کو اللہ نے فرض ہی قصر یعنی دو رکعتیں کیا ہے

۱۳۴۹: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلَاةَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ اَرْبَعًا وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۴۷۹ حديث رقم ۶/۶۸۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کی زبانی حضر میں چار رکعتیں فرض کی ہیں اور سفر میں دو رکعتیں اور خوف کی حالت میں ایک رکعت۔ (مسلم)

تشریح: ''فرض اللّٰه الصلاة'' اس سے مراد رباعی نماز ہے۔

''على لسان نبيكم'' علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول قرآن مجید کی آیت ''وما ينطق عن الهوىٰ'' کی طرح ہے۔

''في الحضر أربعا وفي السفر ركعتين'' یہ ہمارے مذہب کی صریح دلیل ہے۔ جو جواب ابن حجر نے نقل کئے ہیں۔ وہ سارے کے سارے تردید شدہ ہیں۔ اور یہ جو نقل کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک سفر میں تھے اور حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ کی موجودگی میں اتمام کیا تو حضور ﷺ نے حضرت عائشہ کے عمل کی تائید فرمائی۔ یہ غیر صحیح ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو اختلاف نہ ہوتا۔

''وفي الخوف ركعة'' یعنی صلوٰۃ الخوف میں ہر جماعت کے ساتھ ایک رکعت پڑھی جیسا کہ آیۃ الخوف میں ہے۔ خواہ وہ ثنائی حقیقی ہو یا حکمی۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اسلاف کی ایک جماعت نے اس کے ظاہر کو لیا ہے۔ ان میں حسن بصری اور اسحاقؒ بھی شامل ہیں جبکہ امام شافعیؒ، امام مالک اور جمہور کا کہنا یہ ہے کہ صلوٰۃ الخوف رکعات کی تعداد میں صلوٰۃ الأمن کی طرح ہے اور انہوں نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ اس سے مراد امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھنا ہے اور دوسری رکعت کو وہ منفرد ادا کرے گا جیسا کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی صلوٰۃ الخوف کے بارے میں صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

باقی حضر کی چار رکعات اور تین رکعات میں امام کے ساتھ دو رکعتیں اور باقی نماز اکیلے پڑھے گا۔

قولہ: ''رواہ مسلم'' امام مسلم نے اس روایت کو موقوفاً نقل کیا ہے لیکن یہ مرفوع کے درجہ میں ہے۔

سفر میں دو رکعتیں پڑھنا عظمت ہے

۱۳۵۰: وَعَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَا سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَهُمَا تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرٍ وَالْوِتْرُ فِي السَّفَرِ سُنَّةٌ۔ (رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجه في السنن ۱/ ۳۷۷ حديث رقم ۱۱۹٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ سفر دو رکعتیں مقرر فرمائی ہے، اور وہ پوری ہیں ناقص نہیں ہیں۔ اور وتر سفر میں سنت ہیں۔

تشریح: ''قالا: سنّ رسول اللّٰہ ﷺ صلاۃ السفر رکعتین'' اس سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے قصر کے حکم کو بیان فرمایا ورنہ اس کا ثبوت تو قرآن مجید سے ملتا ہے۔ اس جملہ کی مراد میں ایک قول یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قول و فعل کے اس حکم کی وضاحت فرمائی جو کتاب اللہ میں موجود تھا۔

ابن حجرؒ کا یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا کہ جو قصر کرنا چاہے اس کا یہ طریقہ ہے۔ یہ قول تردید شدہ ہے کیونکہ دلیل مخصص موجود نہیں۔

''وھما تمام غیر قصر'' یہ سفر میں دو رکعتیں پڑھنا بھی پوری نماز ہے۔ پس آیت میں قصر کا اطلاق مجاز یا اضافی ہے۔

ابن حجرؒ کا کہنا یہ ہے کہ وھما تمام کا مطلب ہے تمام بالنسبة لی الثواب۔ یعنی قصر کا ثواب اتمام کے ثواب کے مقارب ہے۔

ابن حجر کا یہ قول ان کے قول کے مناقض ہے کہ سفر میں قصر کرنا افضل ہے۔ نیز یہ کہ کلام رکعات کی تعداد میں ثواب کے فرق کو بیان کرنے میں نہیں۔

''والوتر فی السفر سنة'' لفظ ''سنۃ'' کے معنی میں دو احتمال ہیں:

① سنت سے ثابت ہے۔

② اسلام کی سنن میں سے ایک سنت ہے۔ یہ معنی وجوب کے منافی نہیں۔

بلاشبہ یہ جملہ دو صحابیوں کا قول ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے۔

مسافتِ قصر کی مقدار

۱۳۵۱: وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقْصُرُ الصَّلَاةَ فِي مِثْلِ مَايَكُوْنُ بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَفِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَعُسْفَانَ وَفِي مِثْلِ مَابَيْنَ مَكَّةَ وَجَدَّةَ قَالَ مَالِكٌ وَذٰلِكَ اَرْبَعَةُ بُرُدٍ۔ (رواه في الموطا)

أخرجه مالك في الموطأ ۱/ ۱٤۸ حديث رقم ۱۵ من كتاب قصر الصلاة في السفر۔

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ سے روایت ہے کہ ان کو حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں یہ بات پہنچی ہے کہ بے شک حضرت ابن عباسؓ مکہ اور طائف کے درمیان مسافت کی مقدار سفر میں قصر کرتے تھے۔ اور اسی طرح اتنی مقدار جو مکہ اور عسفان کے درمیان ہے اس میں بھی قصر نماز پڑھتے تھے، اسی طرح وہ مسافت جو مکہ اور جدہ کے درمیان ہے اس میں بھی قصر نماز پڑھتے تھے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسافت چار برید ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح: ''وعن مالك بلغه'' یہ دوراستوں میں سے ایک کا ذکر ہے جو تین مراحل پر مشتمل ہے۔

''وفی مثل مابین مكة وعسفان'' یہ دومراحل پر مشتمل ہے۔

''وفی مثل مابین مكة وجدة'' بضم الجيم وتشديد الدال۔ یہ ساحل سمندر پر واقع ایک شہر ہے جو مکہ سے دو دشوار گزار مرحلوں کے فاصلے پر ہے۔

''وقال مالك وذلك اربعة برد'' یعنی ذکر کی گئی مقدار میں کم از کم چار برید ہے۔ برید دو فرسخ کو اور فرسخ تین میل کو کہتے ہیں ایک میل چار ہزار گز کا ہوتا ہے۔

(رواه فی المؤطا) مؤلف کو''عن مالك انه بلغه'' کی تعبیر کے بجائے''عن ابن عباس انه كان يقصر الصلاة'' کی تعبیر اختیار کرنی چاہیے تھی اور آخر میں کہتے۔''رواه مالك فی الموطا بلاغا ثم يقول قال وذلك'' جیسا کہ تمام احادیث میں کیا جاتا ہے۔ کہ صحابی سے شروع کرتے ہیں اور مخرج پر اختتام کرتے ہیں۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے موافق ایک صحیح روایت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ عرفہ میں قصر نماز پڑھیں گے؟ انہوں نے کہا نہیں، البتہ عسفان، جدہ اور طائف میں قصر کروں گا۔ اسی طرح ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کے بارے میں صحیح روایت ہے کہ وہ دونوں حضرات چار برید کے فاصلے پر قصر کرتے تھے اور روزہ نہیں رکھتے تھے۔ اور یہ عمل توقیف شرعی کی بنا پر ہی ہوسکتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر یہ توقیف ہوتی تو ظاہر ہوتی اور نقل کی جاتی۔ ظاہر یہی ہے کہ یہ ان دونوں حضرات کا اجتہاد تھا۔ باقی امام لیث کا یہ کہنا کہ''هذا هو الذی عليه عمل الناس'' تو یہ دعویٰ''الناس'' کی مراد کی چھان بین کا محتاج ہے۔ ابن حجرؒ کا یہ قول کتنا بعید از جواب ہے کہ''یہ اختلاف کے حدث سے پہلے کا اجماع ہے'' کیونکہ جس شخص کو فقہ سے ادنی سی مناسبت بھی ہو وہ آسانی سے جان لے گا کہ مجتہد اجماع کی مخالفت نہیں کرتا۔

ابن اہمامؒ فرماتے ہیں کہ قصر کی مسافت تین دن سے کم ہونے پر حدیث ابن عباسؓ دلالت کرتی ہے۔ وہ نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:''اے مکہ والو! مکہ سے عسفان تک چار برید سے کم میں قصر نہ کرو''۔ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ قصر چار برید میں ہے اور چار برید تین دن سے کم میں طے کیا جا سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ، عبدالوھاب بن مجاہد کی روایت کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے لہٰذا تین دن سے کم میں قصر کا دعویٰ بغیر دلیل کے رہ گیا۔

ہمارے مسلک کی تائید نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے:''يمسح المسافر ثلاثة ايام'' مسافر تین دن تک مسح کرے گا''۔

سفر میں سنت پڑھنے کا بیان

۱۳۵۲: وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَرًا فَمَا رَأَيْتُهٗ تَرَكَ رَكْعَتَيْنِ اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ۔ (رواه ابوداود والترمذی وقال هذا حديث غريب)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۲/۱۹ حديث رقم ۱۲۲۲۔ والترمذي في السنن ۲/۴۳۵ حديث رقم ۵۵۰۔

ترجمہ: حضرت براءؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں اٹھارہ دن آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہمسفر رہا، میں نے نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے ظہر سے پہلے اور سورج کے ڈھلنے کے بعد دو رکعتوں کو چھوڑا ہو۔ یہ ابوداؤد اور ترمذی کی روایت ہے اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

اسنادی حیثیت: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: ''فما رأيته ترك ركعتين'' شاید یہ تحیۃ الوضو کی رکعات ہوں گی یا ظہر کی سنتوں میں آپؐ نے انہی پر اکتفا فرمایا۔

''قبل الظهر'' یہ ترک کیلئے ظرف ہے۔

۱۳۵۳: وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ كَانَ يَرٰى ابْنَهُ عُبَيْدَاللّٰهِ يَتَنَفَّلُ فِي السَّفَرِ فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ۔

(رواه مالك)

أخرجه مالك في الموطأ ۱/۱۵۰ حديث رقم ۲۴ من كتاب قصر الصلاة۔

ترجمہ: حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے بیٹے عبیداللہ کو سفر میں نفل پڑھتا دیکھتے تھے اور منع نہیں فرماتے تھے۔ (امام مالک)

تشریح: ''ان عبدالله بن عمر كان يرى ابنه عبيدالله في السفر فلا ينكر عليه'' شاید یہ نوافل نماز کے بعد پڑھے جانے والے نوافل ہوں گے یا وہ وقت کی وسعت کی بنا پر جواز ترک کے علم کے باوجود نہیں پڑھتے ہوں گے۔ ان صورتوں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے انکار سابق کو وقت کی تنگی میں نفل مجرد یا وقت کی وسعت میں بھی اسی طرح پورا کرنا ضروری ہے جس طرح حضر میں۔ حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مسافر، بوڑھے اور مریض کے ثواب کو عمل کئے بغیر بھی لکھ دیتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہو تو نماز تقرب الٰہی کا موثر ترین ذریعہ ہے اور اس سے روکنا جائز نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''أرأيت الذي ينهٰى عبدًا اذا صلّٰى''

''کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو بندے کو نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے''۔

(رواہ مالک) ای فی الموطا۔ اس میں بھی مسامحت ہے اس لئے کہ امام مالک اور نافع کے درمیان اسناد نہیں ہے۔ اس لئے رواہ مالک کیسے کہا جا سکتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَابُ الْجُمُعَةِ

جمعہ کا بیان

"قوله الجمعه" فصیح ترین لغت کے مطابق لفظ جمعہ جیم اور میم کے ضمہ کے ساتھ ہے اور میم میں سکون کے ذریعے تخفیف بھی کی جاتی ہے ای الیوم المجموع فیه۔ اس لئے کہ فعلة کا وزن (عین کلمہ) سکون کے ساتھ مفعول کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے هزأة کا وزن۔ اور میم کے فتحہ کے ساتھ فاعل کے معنی میں ہوگا ای الیوم الجامع۔

اور لفظ جمعہ کی تا مبالغے کیلئے ہے جیسے ضحکۃ جو ضحک میں کثرت کرنے والے کیلئے ہے ثانیت کیلئے نہیں ہے ورنہ یوم کو اس کے ساتھ موصوف نہ کیا جاتا۔ ایک قول یہ ہے کہ جمعہ کو یہ نام اس لئے دیا گیا کہ اس میں حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت جمع کی گئی اور ایک قول یہ ہے زمین میں حضرت آدم اور حضرت حواء کا اجتماع اسی دن ہوا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس میں خبریں اکٹھی کی گئی۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں میم کا کسرہ بھی نقل کیا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ ان سے وہم ہے یہ تو فتح ہے قاموس کے اندر ہے۔

اور جب انہوں نے فتحہ نقل نہیں کیا اور کسرہ نقل کیا حالانکہ وہ احاطے کے درپے تھے یہ دلالت کرتا ہے۔ اس بات پر کہ یہ ان سے وہم ہے۔ ہاں اگر تینوں قول نقل کرتے، پھر کہتے کسرہ بھی منقول ہے تو اس کے وقوع کا احتمال تھا اس کے ساتھ صرف کی کتابوں سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ یہ وزن اوزان عربیہ میں سے نہیں ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں (لفظ جمعہ) میم کے فتحہ اور اس کے ضمہ اور اس کے سکون کے ساتھ ہے ان سے امام فراء نے فتحہ کی وجہ نقل کی ہے۔ بے شک یہ لوگوں کے جمع ہونے کا دن ہے اور اس میں لوگ کثرت سے ہوتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے۔ **همزة لمزة**، اور زمانے جاہلیت میں اسے عروبہ کہا جاتا تھا۔

جمعہ ایامِ ہفتہ میں سے ایک دن ہے لفظ جمعہ میں چند لغات ہیں:

① جیم اور میم کے ضمہ کے ساتھ یعنی جُمُعَة۔

② جیم کے ضمہ کے ساتھ اور میم کے سکون کے ساتھ جُمْعة۔

③ جیم کے ضمہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ جیسے جُمَعَة، لیکن فصیح لغت پہلی ہے۔

وجہ تسمیہ:

جمعہ کی وجہ تسمیہ میں چند اقوال ہیں۔

① اس دن میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مکمل ہوئی۔

② جب حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کو جنت سے زمین پر اُتارا تو اس دن میدانِ عرفات میں ان کی ملاقات ہوئی۔

③ بعض کے ہاں جمعہ کو جمعہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس دن میں زمین وآسمان کی تخلیق مکمل ہوئی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

④ جمعہ کو جمعہ اسلئے کہتے ہیں کہ اس دن مختلف محلوں اور گاؤں کے لوگ ایک جگہ جمع ہو کر خدا عزوجل کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اسلام سے قبل اس دن کا نام عروبہ تھا، اسلام نے اس کو تبدیل کر کے جمعہ نام رکھا ہے لیکن بعض محققین فرماتے ہیں کہ عروبہ بہت ہی پرانا نام ہے، اسلام سے قبل آنحضرت ﷺ کے دادھیال میں سے کعب بن لوئی نے اس کا نام جمعہ رکھا اور اس دن کی تعظیم شروع کی یوں تو جمعہ کا دن ہر مذہب وملت میں ممتاز تھا، لیکن اسلام نے اس کو حقیقی فضیلت وعظمت کے پیش نظر انتہائی معظم دن قرار دیا۔

نمازِ جمعہ کی مشروعیت کی وجہ:

نماز جمعہ کی مشروعیت کی عموماً دو وجہ بیان کی جاتی ہیں:

وجہ نمبر۱: اللہ تعالیٰ کو تمام عبادات میں نماز بہت محبوب ہے اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ کی بندوں پر ہوتی ہیں ان کا شکریہ بھی نماز سے زیادہ اور کسی چیز کے ساتھ ادا نہیں کیا جا سکتا تو ہر دن اللہ تعالیٰ کی نعمتیں انسان کی طرف متوجہ ہوتی ہیں تو ان کے شکر کے لئے دن رات میں پانچ نمازیں شروع کی گئیں کہ ان کو ادا کر کے بندہ ربّ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کر لے اور جمعہ والے دن چونکہ بندہ پر اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتیں نازل ہوتی ہیں اور اس دن میں انسانیت کی ابتداء ہوئی ہے لہٰذا اس دن خاص نعمتوں کے شکر کے لئے خاص نمازِ جمعہ شروع کی گئی ہے۔

وجہ نمبر۲: مسلمان ایک دوسرے کیلئے ایک جسم کی مانند ہیں روزمرہ کے معاملات میں ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں اس لیے روزانہ پانچ نمازیں ایک محلہ والوں کو مسجد میں پڑھنے کا حکم دیا تاکہ ایک دوسرے کی دادرسی ہو سکے اور ایک دوسرے کی پریشانی وحالات معلوم ہوں، اور پھر جمعہ کا دن مقدر فرمایا کہ اس دن میں مختلف محلوں اور گاؤں کے لوگ جمع ہو کر ایک جگہ نماز پڑھیں تاکہ ایک دوسرے کے حالات معلوم ہوں اور اسی طرح روزانہ اتنا اجتماع ممکن نہیں تھا جمع کا دن مقرر فرمایا کہ اس فضیلت والے دن میں مسلمان جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔

جمعہ اور اہلِ کتاب:

اہل کتاب کو بھی اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن کی تعظیم کا حکم دیا تھا لیکن انہوں نے اس میں اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سعادت سے محروم کر دیا اور یہودیوں نے ہفتہ کے دن کی تعظیم شروع کر دی یہ تاویل کرتے ہوئے کہ یہ دن عظمت والا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دن میں تمام مخلوقات کو پیدا کرنے سے فارغ ہوئے ہیں اور اب بھی یہودی اس دن میں اپنے اپنے عبادت خانوں میں جا کر عبادت کرتے ہیں۔

اور عیسائیوں نے اتوار کا دن مقرر کر لیا یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق شروع فرمائی اس لیے عیسائی لوگ اور عیسائی حکومتیں اتوار والے دن ہی چھٹی کرتے ہیں۔ اور دفاتر اور تعلیمی ادارے اور مراکز تجارت بند رکھتے ہیں اور اپنے گرجوں میں جا کر مذہبی رسومات ادا کرتے ہیں افسوس صد افسوس کہ بعض مسلمان حکومتیں بھی عیسائیوں سے مرعوب ہو کر بجائے جمعہ کے اتوار کی چھٹی کرتی ہیں، اور اسی دن کی تعظیم بھی کی جاتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشروعیت صلوٰۃ جمعہ:

نمازِ جمعہ ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں ہی فرض ہوگئی تھی لیکن اسلام کا غلبہ نہ ہونے کی وجہ سے پڑھنا مشکل تھا اس لئے جب آنحضرت ﷺ مدینہ آئے تو فوراً ہی نماز جمعہ پڑھانا شروع کردی۔

اور آپ ﷺ کے مدینہ آنے سے قبل ہی حضرت اسعد بن زرارہؓ نے اپنے اجتہاد اور نور ایمان کی فراست سے نماز جمعہ پڑھانا شروع کردی تھی۔

حکم نمازِ جمعہ:

نماز جمعہ فرض عین ہے اس کا ثبوت کتاب اللہ اور احادیثِ متواترہ اور اجماع امت میں ہے لہٰذا اس کا منکر کافر ہے اور بلا عذر چھوڑنے والا فاسق ہے، چنانچہ خالق کائنات کا ارشاد ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ؕ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (الجمعہ : ۹) اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کیلئے اذان کہی جائے تو تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت کو چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

اس آیت میں ذکر اللہ سے مراد نماز جمعہ ہے اور خطبہ جمعہ ہے اور خرید وفروخت کو چھوڑ و اس کا مطلب یہ ہے کہ تم دنیا کے تمام مشاغل کو چھوڑ دو ہر وہ کام جو کہ جمعہ کی تیاری میں رکاوٹ ہے وہ اس حکم میں داخل ہے اور ایسا کام اذانِ جمعہ کے بعد مکروہ تحریمی ہے اور اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ و اس کا مطلب یہ ہے کہ تم جمعہ کی نماز کیلئے انتہائی اہتمام کے ساتھ جاؤ۔

الفصل الاول:

امتِ محمدیہ کا منفرد اعزاز

۱۳۵۴: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بَیْدَ اَنَّهُمْ اُوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا وَاُوْتِیْنَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ ثُمَّ هٰذَا یَوْمُهُمُ الَّذِیْ فُرِضَ عَلَیْهِمْ یَعْنِیْ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاخْتَلَفُوْا فِیْهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ لَهٗ وَالنَّاسُ لَنَا فِیْهِ تَبَعٌ اَلْیَهُوْدُ غَدًا وَالنَّصَارٰی بَعْدَ غَدٍ۔

(متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٣٥٤/٢۔ حدیث رقم ٨٧٦۔ ومسلم ٥٨٥/٢ حدیث رقم (١٩۔ ٨٥٥)۔ والنسائی فی السنن ٨٥/٣ حدیث رقم ١٣٦٧۔ وأحمد فی المسند ٣٤١/٢۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم (دنیا میں) سب سے آخر میں آئے اور قیامت کے دن سب سے سبقت لے جانے والے ہیں، علاوہ ازیں اہل کتاب کو کتاب دی گئی ہم سے قبل اور ہمیں بعد میں دی گئی ہے پھر یہ دن اُن پر فرض کیا گیا یعنی جمعہ کا دن پس انہوں نے اس میں اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے ہماری اس دن کی طرف راہنمائی فرمائی اور لوگ (یعنی یہود و نصاریٰ) ہمارے تابع ہیں، یہود نے کل (یعنی ہفتہ) اور نصاریٰ نے پرسوں (یعنی اتوار) کو اختیار کیا۔ (یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ہم سب سے پہلے جنت میں داخل ہونگے علاوہ ازیں پھر آخر تک یہی حدیث منقول ہے اور امام مسلم ہی کی ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت حذیفہؓ دونوں سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے حدیث کے آخر میں فرمایا: ہم اہل دنیا میں سے سب سے پیچھے ہیں اور سب سے پہلے ہونگے قیامت کے دن جن کے لئے (حساب و کتاب کے بعد) جنت کا فیصلہ کیا جائے گا تمام مخلوقات سے قبل۔

تشریح: "نحن" ای انا وامتی۔ (الآخرون) فی الدنیا وجودًا (السابقون) شهودًا (یوم القیامة) یا مراد ہے دنیا میں تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والی امتوں سے آخر میں ہیں اور آخرت میں دخول جنت میں ان سے آگے ہوں گے۔

میرکؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم تمام انبیاء کی امتوں سے بعثت کے اعتبار سے یا دنیا سے خروج کے اعتبار سے آخر میں ہیں۔ اور آخرت میں ان پر فضیلت کے اعتبار سے سابق ہیں۔

اس لئے کہ حضور ﷺ کی امت کو ساری امتوں سے پہلے اکٹھا کیا جائے گا اور یہ امت پل صراط سے سب سے پہلے گزرے گی۔ اور ان کا فیصلہ تمام مخلوقات سے پہلے کیا جائے گا۔ **کما صرح به فی روایة اخریٰ**۔

قوله۔ بید با کے فتحہ کے سکون کے ساتھ خیر کے معنی میں ہے۔ **ای خیر**۔

قوله انهم ای غیرنا من الیهود والنصاریٰ اور ان کے علاوہ انبیاء سابقین کے ادیان کے پیروکار ہیں۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں پھر یہ کلام "**ولا عیب فیهم غیر ان سهو فهم**" یعنی **تاکید المدح بما یشبه الذم** کی قبیل سے ہے۔ یعنی مطلب یہ ہوگا کہ ہم ان کمالات کی بناء پر سابق میں جو ہم عطا کئے گئے ہیں۔ مگر وہ (یعنی امم سابقہ والے) کتاب ہم سے پہلے دیئے گئے ہیں اور ہمیں کتاب ان کے بعد عطا کی گئی ہماری کتاب قابل مدح اور یا کمال صفات کی بناء پر مؤخر ہے۔ اس لئے کہ یہ ان کی کتابوں کیلئے ناسخ ہے۔ اور ان کی رسوائیوں کے بارے میں بتلانے والی ہے۔ پس وہ فضیلت کے اعتبار سے سابق ہے اگرچہ وجود کے اعتبار سے مسبوق ہے۔

مولوی رومیؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی کاریگری سے یہ عجیب بات ہے ان کو ہمارے لئے عبرت بنایا ہے اور ان کی رسوائیوں کو ہمارے لئے نصیحتیں بنایا ہے اور ان پر آنے والے عذاب کو ہمارے لئے سبق سیکھنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ اور معاملہ اس کے الٹ نہیں بنایا اور حالت کو دشوار نہیں بنایا اور ساتھ یہ بھی کہ ہم اخیر میں ہونے کی وجہ سے زیادہ انتظار سے بھی بچ گئے۔ پس باری تعالیٰ کا ہم پر فضل بڑا ہے اور وہ ہر شئی پر قادر ہے۔ اور کیا ہی اچھا کارساز ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

قولہ (**ثم**) اس کے ذکر سے مقصود ہے بے شک اس سے پہلے والا کلام بعد میں آنے والے کلام کے لئے تمہید اور بنیاد ہے۔

(هذا) ای هذا الیوم وهو یوم الجمعة"

(قوله یومهم) یوم کی اضافت **هم** کی طرف ادنیٰ ملابست و مناسبت کی وجہ سے ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فانه(الذی فرض علیهم)اولاً۔ اس کی تخریج ان کی غور وخوض کے سپرد تھی۔ اور اس کی تعیین ان کے اجتہاد کیلئے تھی۔

قولہ(یعنی یوم الجمعة) یہ مجمل یعنی هذا یوم مبهم کی تفسیر ہے۔ راوی کی جانب سے۔

(فاختلفوا)ای اهل الکتاب۔

(فیه) ای فی تعینه للطاعة وقبوله للعبادة وضلوا عنه۔ واما نحتن بحمده

(فهدانا الله له) ای لهذا الیوم وقبوله والقیام لحصوقه۔

ہمارے ائمہ میں کچھ محققین کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر یہ لازم کیا کہ وہ کسی دن جمع ہوں اور اس میں اپنے خالق کی عبادت کے ساتھ تعظیم بجالائیں لیکن ان کیلئے بیان نہیں کیا بلکہ ان کو حکم دیا کہ اس کو اپنی فکروں کے ذریعے نکالیں اور اپنے اجتہاد سے متعین کریں۔ اور ہر ایک گروہ پر لازم کیا کہ وہ روایت کریں اس کی جہاں تک یا جس طرف ان کے اجتہاد کا رجحان ہو درست ہو یا خطا جیسے کہ مسائل اختلافیہ میں ہوتا ہے۔ پس یہود نے کہا ہفتے کا دن اس لئے کہ یہ فراغت اور کام کے مکمل ہونے کا دن ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس میں ارض وسماء کی تخلیق سے فارغ ہوئے۔

پس مناسب یہ ہے کہ لوگ اپنے اپنے کاموں سے الگ ہو جائیں اور اپنے مولیٰ کی عبادت کیلئے فارغ ہو جائیں نصاریٰ نے اس سے مراد اتوار کا دن ہے۔ اس لئے کہ یہ پیدائش کی ابتداء کا دن ہے جو شکر اور عبادت کو واجب کرنے والا ہے۔ پس اللہ نے مسلمانوں کو ہدایت دی۔ ان کو درست بات تک پہنچنے کی توفیق دی یہاں تک کہ انہوں نے جمعہ متعین کیا اور کہنے لگے بے شک اللہ تعالیٰ نے انسان کو عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ انسان کی تخلیق جمعہ والے دن ہوئی۔ پس اس میں عبادت اس کی فضیلت کی بناء پر اولیٰ ہوگی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام دنوں میں ان چیزوں کو پیدا کیا جن کا نفع انسان کی طرف لوٹتا ہے۔ اور جمعہ والے دن نفس انسان کو پیدا کیا اور وجود والی نعمت پر شکر زیادہ اہم اور زیادہ لائق ہے۔

اور بعض محققین کا قول ہے یہ بھی احتمال ہے بے شک باری تعالیٰ نے ہمارے لئے اس (یعنی یوم جمعہ) کو بیان کر دیا اور بے شک اسی نے ہمیں درست تک پہنچنے کی توفیق دی۔ اس لئے کہ ابن سیرینؒ سے صحیح طور پر ثابت ہے فرماتے ہیں: اہل مدینہ حضور ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے قبل اور جمعہ کے بارے میں نازل ہونے سے اسے اکٹھے ہوئے۔ انصار کہنے لگے بے شک یہود کیلئے ایک دن مقرر ہے جس میں وہ ہر ہفتے جمع ہوتے ہیں اور نصاریٰ کیلئے بھی ایسے ہی ہے۔ پس ہم بھی ایک دن مقرر کر لیں جس میں ہم اللہ کا ذکر اور نماز پڑھیں اور شکر کریں۔ انہوں نے یوم العروبہ مقرر کیا اور سعد بن زرارہؓ کے پاس اکٹھے ہو گئے انہوں نے ان کو اس دن دو رکعتیں پڑھائیں اور ان کو وعظ ونصیحت کی پھر انہوں نے اس کا نام یوم الجمعۃ رکھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد اتاری یہ آیت اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعة......

اور یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے اور جمہور کے نزدیک علی الاطلاق حجت ہے لیکن اس کے ساتھ اس کا شاہد حسن بھی موجود ہے بلکہ ابن خزیمہؒ نے اسے (شاہد حسن کو) صحیح قرار دیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بے شک پہلے وہ شخص جنہوں نے ہمیں ہجرت سے پہلے جمعہ پڑھایا وہ سعد بن زرارۃ ہیں۔ اور ابن ابی الحاتم نے روایت کیا ہے۔ سدیؒ سے اللہ تعالیٰ نے یہود پر جمعے والا دن فرض کیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پس انہوں نے انکار کیا اور کہنے لگے یا موسیٰ ہمارے لئے ہفتے کا دن مقرر کریں پھر انہوں نے ان پر مقرر کیا اور یہ سب تائید کرتا ہے اس قول کی جو شارح نے فرمایا۔ ہم نے اجتہاد کیا پس ہم اس میں درست رائے تک پہنچے اور انہوں نے اجتہاد کیا اور خطاء کی۔ اور باقی ابن حجرؒ کا یہ قول کہ یہ درست تین ہے اور اس کا معنی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کی زبانی ہماری رہنمائی کی بایں طور ان کو ہمارے لئے اس دن کی تعیین کا والی بتایا اور ہمارے اجتہاد کی طرف سے سپرد نہیں کیا اس بات پر کہ اگر ہماری طرف اسے سپرد کرتے تو ہمیں درستگی کی توفیق مرحمت فرماتے۔ حضور ﷺ کی برکت سے۔ پس ابن حجرؒ کا یہ کلام نقلی صریح دلائل کے مخالف ہونے کے ساتھ سیاق کلام کو بھی ظاہر نہیں کرتا اس لئے کہ اس وقت اس امت کی کوئی فضیلت سابقہ امتوں پر ظاہر نہ ہوگی۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اس قضیے سے خارج ہیں۔ واللہ اعلم۔

شمنیؒ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو پیر منگل بدھ اور جمعرات کے دن بنی عمرو بن عوف میں ٹھہرے اور ان کی مسجد کی بنیاد رکھی۔ پھر ان کے پاس سے نکلے پس پالیا ان کو جمعہ نے بنی سالم بن عوف میں۔ پس اس جمعہ کو آپ ﷺ نے بطن وادی والی مسجد میں ادا کیا۔

(فیہ) ای فی اختیار ھذا الیوم للعبادۃ۔

قولہ (تبع) بے شک وہ رہنمائی کئے گئے ان دنوں کے بارے میں جو جمعہ کے بعد جمعہ کے پیچھے آنے والے ہیں اس لئے کہ جب یوم الجمعہ انسان کی پیدائش کی ابتداء ہے اور پیدائش کے ایام میں پہلا دن ہے تو عادۃً اس میں عبادت قابل اتباع ہے اور اس کے بعد آنے والے دو دنوں میں عبادت تابع ہے۔ اسی طرح ہمارے کچھ ائمہ نے تحقیق کی ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یوں کہا جائے بے شک تینوں دن لگا تار ہفتے کے اعتبار سے قطع نظر کرتے ہوئے اس میں شک نہیں کہ جمعے والا دن انہیں وجود کے اعتبار سے بھی مقدم ہے۔ چہ جائیکہ رتبہ کے اعتبار سے (رتبہ کے اعتبار سے تو وہ بہر حال مقدم ہے) اس بات کا بیان حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ **(الیھود غدًا والنصارٰی بعد غدٍ)** "یعنی مطلب یہ ہے کہ ہم نے جمعہ کے دن کا چناؤ کیا اور یہود نے اس کے بعد والے دن کا اور نصاریٰ نے یہود کے دن کے بعد والے دن کا انتخاب کیا اور اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ سبقت معنوی بھی ہمارے لئے ہے یعنی مراد یہ ہے کہ بے شک وہ تقدم خارجی کے باوجود ہم سے تأخر کو اختیار کر چکے ہیں۔ اور اپنے اوپر تقدم ہمارے لئے چھوڑ چکے ہیں۔ **(لئلا یعلم اھل الکتاب الا یقدرون علی شیءٍ من فضل اللہ وان الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشآء واللہ ذوالفضل العظیم)** اور ظاہر ہوا۔ میرے لئے ایک باریک قسم کا نکتہ اور عمدہ قسم کی حکمت وہ یہ کہ لا کی زیادتی باری تعالیٰ کے قول لئلا میں اس لئے ہے تاکہ ان کی طرف علم کی نسبت بالکل نہ کی جائے اور یہ الہام نبی ﷺ کی برکت سے سید الایام یوم الجمعہ میں لکھتے ہوئے میرے اہتمام پر پہنچنے کی حالت میں ہوا۔

اور باقی ابن حجرؒ کا قول ہے کہ حضور ﷺ کے ارشاد **والناس متبع** سے معلوم ہوا ہے بے شک جمعے والا دن اگرچہ وجود میں مؤخر ہے اور ہمیں ان کے بعد عطاء کیا گیا لیکن فضل وکمال میں مقدم ہے۔ یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ یہ باعتبار وجود کے بھی ان دونوں سے مؤخر نہیں ہے۔ بلکہ ان دونوں میں واسطہ عقد (یعنی ملانے والا واسطہ ہے) ہے کیونکہ جمعہ اتوار سے مؤخر ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ہفتے سے مقدم ہے۔ کما فیھم من قضیۃ رد علیھم۔ گویا کہ انہوں نے وہم کیا ہے۔ اور جمعہ کو ان دونوں دنوں سے مؤخر سمجھا ہے۔ ہفتوں کے دور میں آجکل کے تعارف کا اعتبار کرتے ہوئے اور زمان سابق میں جو وجود اصلی کی ترتیب تھی اس سے غافل رہے۔ (یعنی ہفتے کی ابتدا ہفتے کے دن سے معتبر سمجھی جاتی ہے حالانکہ جمعہ حقیقتاً ہفتے کا پہلا دن ہے۔ واللہ المستعان۔

قولہ وفی روایۃ لمسلم قال(نحن الاخرون)ای خلقۃ (الاوّلون) حاۃ ورتبۃً۔

یوم القیامۃ : اور اعتبار اس دن اور اس میں ٹھہرنے کی جگہوں کا ہے۔

ونحن اول من یدخل الجنۃ : یعنی مطلب یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ تمام انبیاء سے پہلے تھے اور ان کی امت بھی ساری امتوں سے پہلے تھی۔ سبقت معنوی کے اعتبار سے نہ کہ وجود حسی کے اعتبار سے۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک جب صحابہ کرام کی ایک جماعت حضور ﷺ کے دروازے پر جمع ہونے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ ان میں حضرت عباس اور ابوسفیان وبلال رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ کچھ اور حضرات تھے حضور ﷺ کو خادم نے ان حضرات کے آنے کے بارے میں بتایا۔

حضرت بلالؓ کو داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ پس ابوسفیانؓ کے دل میں کچھ غیرت سی آئی اور حضرت عباسؓ سے کہنے لگے کیا آپ دیکھتے نہیں ہم عرب کے سرداروں کی جماعتوں پر ہمارے غلام کو مقدم کرتے ہیں عباسؓ نے کہا گناہ ہمارا ہے ہم نے دخول اسلام میں تاخیر کی اور حضرت بلالؓ مخالفت ودشمنی کے باوجود احکام کو قبول کرنے کیلئے آگے بڑھے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

والسابقون السابقون اولئک المقربون فی جنات النعیم۔ وقال عز من قائل والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار الآیۃ۔

نحوہ : یعنی متفق علیہ روایت کے ہم معنی نقل کیا ہے۔

الی اخرہ یعنی۔ یعنی اختلاف دونوں روایتوں کے ابتدائی حصے سابقون کی جگہ الاولون کو رکھنے میں ہے۔

اور ایک روایت میں روایت بالمعنی ہے اور زیادتی ہے۔ ونحن اول من یدخل ...... مسلم والی روایت میں ہے۔

۱۳۵۵: وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَنَحْنُ اَوَّلُ مَنْ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ بَیْدَاَنَّھُمْ وَذَکَرَ نَحْوَہٗ اِلٰی اٰخِرِہٖ وَفِیْ اُخْرٰی لَہٗ عَنْہُ وَعَنْ حُذَیْفَۃَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اٰخِرِ الْحَدِیْثِ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ مِنْ اَھْلِ الدُّنْیَا وَالْاَوَّلُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ الْمَقْضِیُّ لَھُمْ قَبْلَ الْخَلَائِقِ۔

ترجمہ: اور مسلم کی ہی ایک روایت میں سیدنا ابو ہریرہؓ اور حذیفہؓ سے منقول ہے دونوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث کے آخر میں فرمایا کہ دنیا والوں میں ہم سب سے پیچھے ہیں اور قیامت کے دن ہم سب سے آگے ہوں گے کہ تمام مخلوقات سے پہلے ہمارے لئے (جنت میں داخل ہونے کا) فیصلہ کیا جائے گا''۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح: (وفی اخری له عنه) ای وفی روایة اخری لمسلم عن ابی ھریرۃؓ

(وعن حذیفةؓ) اس کا عطف ہے عنه پر ای عنهما جمیعًا (دونوں سے مروی ہے)۔

(قالا قال رسول اللہﷺ فی آخر الحدیث نحن الاخرون)۔(الاخرۃ فی السبق لهم) طیبیؒ فرماتے ہیں الاخرون میں الف لام موصولہ ہے اور من اھل الدنیا صلہ میں جو ضمیر ہے اس سے حال واقع ہو رہا ہے۔ اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ ماقبل اس کیلئے خبر ہے اور پھر مبتداء خبر مل کر جملہ خبر ہے ضمیر (یعنی نحن) کیلئے۔ یا یہ صفت ہے اور موصوف محذوف ہے تقدیر عبارت نحن الناس الاخرون الموجو دون من اھل الدنیا ہے۔

(المقضی لهم قبل الخلائق) طیبیؒ فرماتے ہیں (یہ جملہ) الاخرون کی صفت ہے۔ ای الذین یقضی لهم قبل الناس لید خلوا الجنة اوّلاً۔ گویا کہ کہا جا رہا ہے الآخرون السابقون۔ (یعنی دنیا میں مؤخر اور قیامت میں دخول جنت میں مقدم)۔ اور اس میں قیامت کے دن ٹھہرنے کی جگہوں میں سے ہر جگہ اور فیصلے کے مرتبوں میں سے ہر مرتبہ میں ان کے تقدم رتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور حضور ﷺ کے قول لهم میں ان کے کمال اہتمام اور عظمت کی طرف اشارہ ہے۔ اور اشارہ ہے ان کے رفعت شان اور بلندی مکان کی طرف گویا کہ تمام مخلوقات ان کے تابع ہیں بلکہ انہی کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا ان کے ساتھ حشر کرے۔

تمام دنوں میں بہترین جمعہ کا دن ہے

۱۳۵۶: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَیْرُ یَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ یَوْمُ الْجُمُعَةِ فِیْهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِیْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِیْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۲/۵۸۵ حدیث رقم (۱۸۔ ۸۵۴)۔ والترمذی فی السنن ۲/۳۵۹ حدیث رقم ۴۸۸۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان دنوں میں سے جن میں آفتاب طلوع ہوتا ہے سب سے بہتر دن جمعہ کا ہے اس میں آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی دن میں ان کو جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن میں انہیں جنت سے نکالا گیا (یعنی زمین پر اتارا گیا) اور اسی دن میں قیامت قائم ہوگی۔ (مسلم)

تشریح: قوله : خیر یوم طلعت علیه ای علی ما سکن فیه قال تعالٰی وله ما سکن فی اللیل والنهار ذکرہ الطیبی۔

ابن حجرؒ کا قول ہے کہ یہ بہترین دن ہے جو سورج کے ظاہر ہونے کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے اس لئے کہ یوم لغت کے اندر طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک ہوتا ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ یوم سے مراد اہتمام پر نہار شرعی ہے۔ اس لئے کہ یہی شارع کی زبان پر اصل ہے اور جیسے آئندہ چل کر حضور ﷺ کے ارشاد میں آئے گا۔ ان ساعتها بعد الفجر قبل طلوع الشمس پھر ابن حجرؒ نے فرمایا یہ شارح کے قول سے بہتر ہے پھر اس کی توجیہ بیان کی ہے جس کے ذکر کرنے میں کچھ فائدہ نہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور میرے نزدیک زیادہ ظاہر یہ ہے کہ علی ظرفیت کیلئے ہے جیسے باری تعالیٰ کے کلام کے اندر ہے۔ ودخل المدینة علی حین غفلة جیسا کہ اس کی تصریح صاحب قاموس نے کی ہے۔ اور معنی نے بھی ان کی پیروی کی ہے اور اس کی تائید وہ نسخہ بھی کرتا ہے جس میں طلعت فیہ ہے۔ (الشمس یوم الجمعة فیه خلق آدم) جو تمام اجناس عالم سے افضل تھے اور بعض حفاظ نے حوآء لفظ بھی بڑھایا ہے۔ (وفیه ادخل الجنة) اولاً لفضل السالق (وفیه اخرج منها)۔ تاکہ بعد میں آنے والے اس کے ساتھ مل جائیں اور ان کی اولاد میں سے باطل پرست اور حق پرست کے احوال ظاہر ہو جائیں اور بعض محدثین کا قول ہے کہ اخراج زمین میں خلافت کے قائم کرنے کیلئے ہوا اور ان پر اور ان کی اولاد پر عظیم کتابیں نازل کرتا۔ یہ ساری باتیں اس دن کی فضیلت پر دال بننے کی صلاحیت رکھتیں ہیں۔

پس خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ ان کا اخراج تذلیل وتحقیر کی وجہ سے نہ تھا بلکہ منصب خلافت پر فائز کرنے کیلئے تھا۔ پس یہ (یعنی اخراج) کامل کرنے کیلئے تھا نہ کہ رسوا کرنے کیلئے اور یہ بھی ممکن ہے یوں کہا جائے۔ بے شک جب ان سے جدا ہوا اس دن میں جو عظمت کے ساتھ متصف ہے تو مستحق اخراج ہو گئے بلند مرتبے سے اس میں تنبیہ ہے اور اپنے نبی کیلئے اشارہ ہے اس دن کی تعظیم کی طرف برائی سے رک کر اور نیکی کے حصول پر مداومت اختیار کر کے پھر احتمال یہ ہے کہ ان کی پیدائش اور دخول جنت ایک دن میں ہوا اور یہ احتمال بھی ہے ایک جمعے والے دن ان کو پیدا کیا۔ اور پھر ان کو چھوڑ دیا دوسرے جمعے تک۔ پھر اس میں جنت کے اندر داخل کیا اور یہی احتمال ہے اخراج والے دن میں۔ بعض شارحین کا قول ہے جب خروج۔ (من الجنة) نسل انسانی کو زیادہ کرنے کیلئے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو زمینوں میں پھیلانے کیلئے اور اس نماز کے اظہار کیلئے تھا جس کے لئے مخلوق کو پیدا کیا تھا اور نہیں قائم کیا گیا آسمانوں اور زمینوں کو مگر اس نماز کیلئے۔ اور ان چیزوں تک رسائی ممکن نہ تھی مگر حضرت آدم علیہ السلام کے اس سے نکلنے کے ساتھ۔

تو پس زیادہ لائق ہوا فضیلت کا (جمعے والا دن) بوجہ جاری ہونے خروج کے اس میں اور قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ یہ مذکورہ قضایا اس کی فضیلت کو بیان کرنے کیلئے نہیں ہیں۔ اس لئے حضرت آدم علیہ السلام کا اخراج اور قیامت کا قائم ہونا یہ فضیلت شمار نہیں ہوتے تو یہ ان بڑے امور کا ذکر ہے جو اس دن واقع ہو چکے یا عنقریب واقع ہوں گے تاکہ بندے اس میں نیک اعمال اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو پانے کیلئے اور اس کے عذاب سے بچنے کیلئے۔

اور کوئی تضاد نہیں ہے ان کے قول اور بعد میں آنے والے قول کے اندر اسلئے کہ انہوں نے (یعنی عیاضا) کلام کی بنیاد ظاہر پر رکھی ہے اور شارح نے تاویل ظاہر کے خلاف کی ہے۔

ابن حجرؒ کا قول کہ عیاضؒ کا کلام شارح کے کلام کے مقابلے میں مردود ہے۔ ساتھ یہ بھی ہے کہ ان کا اپنا کلام اس کے (یعنی عیاضؒ) خلاف دلیل نہیں ہے پھر کہا (ابن حجرؒ نے) اور اس کے مردود ہونے پر صراحت کر رہا ہے وہ مضمون جو حدیث کے اندر ہے بے شک حضور ﷺ نے اس اخراج اور قیامت کے قائم ہونے کو اچھی وخیر والی چیزوں میں بتایا ہے۔ اور اس میں یہ بات ہے کہ بے شک عیاضؒ نے اس کو بری چیزوں میں سے شمار نہیں کیا اور نہ ہی اس کے اچھی چیزوں میں سے ہونے کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے تو اسے بقیہ نعمتوں کے ساتھ فضیلت سے شمار کرنے کی نفی کی ہے۔ واللہ اعلم۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ولا تقوم الساعة) ای القیامة اور یہ دوسرے صور کے بعد ہوگی۔
(الاّ فی یوم الجمعة) وهو المجمع الاعظم والموقف الافخم والمظهر لمن هو بين الخلائق افضل واكرم والله اعلم''۔
قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں اس کو شمار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ با کمال لوگوں کو ان ہمیشہ رہنے والی نعمتوں تک پہنچاتا ہے جو ان کے لئے تیار کی گئی ہیں۔ میں کہتا ہوں جب اپنے دشمنوں کو جہنم اور آگ میں دیکھیں گے۔ طیبیؒ فرماتے ہیں سب سے افضل دن کے بارے میں ایک قول یہ ہے یوم عرفہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ جمعہ ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب کلام مطلق ہو۔ اور جب کہا جائے کہ سال کے دنوں میں افضل دن کونسا ہے تو وہ عرفہ ہے اور ہفتے کے دنوں میں سے افضل دن پوچھا جائے تو وہ جمعہ ہے۔ طیبیؒ کا کلام مکمل ہوا اور جب عرفہ والے دن جمعہ ہو تو یہ مطلقاً تمام دنوں سے افضل ہوگا اور اس میں عمل زیادہ افضل اور زیادہ نیکی والا ہوگا۔ اور اسی سے حج اکبر ہے۔ اور ابن مسیبؒ کا قول ہے جمعہ نفلی حج سے اللہ کے نزدیک محبوب ہے اور جامع صغیر کے اندر ہے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً۔ الجمعة حج المساکین اور ایک روایت میں حج الفقراء کے الفاظ ہیں

جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی

۱۳۵۷: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَسْئَلُ اللّٰهَ فِيْهَا خَيْرًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ متفق عليه وَزَادَ مُسْلِمٌ قَالَ وَهِیَ سَاعَةٌ خَفِيْفَةٌ وَفِی رواية لَهُمَا قَالَ اِنَّ فِی الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَايُوَافِقُهَا مُسْلِمٌ قَائِمٌ يُصَلِّیْ يَسْئَلُ اللّٰهَ خَيْرًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ۔

أخرجه البخاری فی صحيحه ٤١٥/٢۔ حديث رقم ٩٣٥۔ ومسلم فی صحيحه ٥٨٤/٢ حديث رقم (١٥۔ ٨٥٢)۔ والترمذی فی السنن ٣٦٢/٢ حديث رقم ٤٩١۔ والنسائی ١١٥/٣۔ ١٤٣١۔ وابن ماجه ٣٦٠/١ حديث رقم ١١٣٧۔ والدارمی ٤٤٣/١ حديث رقم ١٥٦٩۔ ومالك فی الموطأ ١٠٨/١ حديث رقم٥ من كتاب الجمعة ۔ وأحمد فی المسند ٤٥١/٥۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آقا مدنی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک جمعہ میں البتہ ایک گھڑی ایسی ہے کہ نہیں موافقت کرتا اس کی کوئی مسلمان بندہ کہ سوال کرے اس میں اللہ تعالیٰ سے مگر اللہ تعالیٰ وہ بھلائی اس کو عطا کر دیتے ہیں۔ (بخاری، مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ زائد نقل کیے گئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ گھڑی بہت مختصر ہے، اور بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ والے دن میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ اگر کوئی مؤمن بندہ اس کو پائے اور اس میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے نماز پڑھے اور خدا سے خیر مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھلائی اور خیر ضرور عطا فرماتے ہیں۔

تشریح: ان فی الجمعة لساعة ای شریفة عظمية اور اس گھڑی کے پوشیدہ رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ لوگ اس دن کے سارے اجزاء میں عبادت کے اندر مشغول رہیں اس امید میں کہ ان کی عبادت و دعا اس گھڑی میں ہو جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(لا یوافقها) ای لا یصادقها

(مسلم)وفی نسخة صحیحةٍ عبد مسلم۔

(یسأل اللّٰہ فیها) ای بلسان الحال او بلسان القال

(خیرًا) یعنی ایسی بھلائی جس میں سوال مناسب ہو۔

(الا اعطاہ)ای ذلك المسلم۔

(ایاہ)ای ذلك الخیر۔یعنی یا تو اسے جلدی عطا کر دیتے ہیں یا اس کے لئے مؤخر کر دیتے ہیں۔ذخیرہ کر دیتے ہیں جیسے کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔

(وزاد مسلم، قال) ای النبی ﷺ

(وھی ساعة خفیفة)اور ظاہر ہے بے شک حضور ﷺ کا قول خفیفۃ اور حدیث میں ہاتھ سے اشارہ کرنا قلت کی طرف یہ بیان ہے اس بات کا کہ یہ گھڑی لیلۃ القدر کی طرح ممتد نہیں ہے۔پس اس حدیث کے منافی نہیں ہے جو ابن حبانؒ اور حاکمؒ کے نزدیک صحیح ہے۔جس میں ہے یوم الجمعه اثنا عشر ساعة فیها ساعة لا یوافقها عبد مسلم یسأل اللّٰہ شیئا الا أعطاہ ایاہ اور ابن حجرؒ اس مقام پر ایک لمبی بحث کر چکے ہیں۔جس میں تعارض وتناقض کی وجہ سے الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔فتأمل۔

(وفی روایة لهما) ای بخاری ومسلم

(قال:ان فی الجمعة لساعة)جزریؒ فرماتے ہیں وہ گھڑی قبولیت کے اوقات میں سے سب سے پرامید ہے۔

(لا یوافقها مسلم قائم)ای ملازم مواظبت علی حدّ قوله مادمت علیه قائمًا۔ وفی روایة بخاری وھو قائم۔محدثین نے ظاہر پر بناء کرتے ہوئے اسے (یعنی قائم کو) غالب واکثر کے مطابق قرار دیا ہے۔اس کا مفہوم مخالف نہیں ہے۔یا اس لئے قائم کو ذکر کیا۔اس لئے کہ تا کہ مناسب ہو حضور ﷺ کے قول۔یصلی کے عموم روایات میں موافقت ہو جائے۔

"یسأل اللّٰہ خیرًا" ابن حجرؒ فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ بے شک مراد اس خیر سے وہ ہے جو مباح کو شامل ہے۔اور اس میں یہ بات ہے کہ مباح خیر اور شر کے ساتھ موصوف نہیں ہوتا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ خیر عطا کر رہے ہیں تو مباح کہنے سے بھی مانع نہ ہوگی۔

"الا اعطاہ ایاہ" طیبیؒ فرماتے ہیں۔قائم یصلی سب کے سب مسلم کی صفات میں اور جائز ہے کہ یصلی حال ہو قائم سے متصف ہونے کی وجہ سے اور یسأل یا تو حال مترادفہ ہے یا حال متداخلہ۔زاد النووی۔ اذ معنی یصلی یدعو۔

جمعہ میں فضیلت والی ساعت کا تعین

۱۳۵۸ وَعَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ بْنِ اَبِیْ مُوسٰی قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ شَاْنِ سَاعَةِ الْجُمْعَةِ مَابَیْنَ اَنْ یَجْلِسَ الْاِمَامُ اِلٰی اَنْ تُقْضَی الصَّلٰوةُ۔(رواہ مسلم)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أخرجه مسلم في صحيحه ٢/ ٥٨٤ حديث رقم أخرجه أبو داوٗد في السنن ١/ ٥٦٣ حديث رقم ١٠٤٨۔

ترجمہ: حضرت ابو بردہ بن ابی موسیٰ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جمعہ کی اس گھڑی کے بارے میں کہ وہ امام کے منبر پر بیٹھنے سے نماز پڑھے جانے تک کے درمیان کا عرصہ ہے (یعنی جب امام خطبہ کیلئے بیٹھ جائے، اس سے لے کر نماز ختم ہونے تک وہ ساعت ہے)۔ (مسلم)

راویٔ حدیث:

ابو بردۃ ۔ یہ ابو بردہ عامر ہیں، عبداللہ بن قیس کے بیٹے ہیں۔ ابو موسیٰ اشعری کا نام عبداللہ بن قیس ہے۔ ''ابو بردہ'' ایک مشہور کثیر الروایت تابعی ہیں اپنے والد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہما سے روایت کرتے تھے۔ اور قاضی شریح کے بعد ان کی جگہ عہدہ قضاء پر کوفہ میں مقرر کئے گئے تھے۔ ان کو حجاج ابن یوسف نے معزول کر دیا تھا۔

تشریح: ''هي ما بين ان يجلس الامام اى بين الخطبتين'' اور یہ بھی احتمال ہے کہ امام کے منبر پر چڑھنے کے بعد والا بیٹھنا مراد ہو۔

(الى ان تقضى) مؤنث اور مذکر کے صیغے کے ساتھ۔

(الصلاة) اى يفرغ منها۔ طیبیؒ فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے یوں کہا جائے۔ خطیب کے بیٹھنے اور اس نماز کے پورا ہونے کے درمیان کا وقت۔ مگر یہ کہ بے شک حدیث میں الا ہے جو واضح کر رہا ہے۔ اس بات کو کہ ابتداء کا سارا زمانہ جلوس سے لے کر خاص اسی نماز کے مکمل ہونے تک ہے۔ اور اسی کی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول (من بيننا وبينك حجاب'' میں جو حجاب کے احتساب پر دلالت کر رہا ہے درمیانی مدت کیلئے اگر یہ من نہ ہوتا تو یہ معنی سمجھ نہ آتا۔

رواه مسلم، وكذا ابوداؤد ذكره في الحصن ثم قالي ومن حين تقام الصلاة الى اسلام منها رواه الترمذي وابن ماجة عن عمرو بن عوف المزني۔

شیخینؒ اور امام نسائیؒ اور ابن ماجہ سب نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے بے شک حضور ﷺ نے جمعے والے دن کا ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا اس میں ایک گھڑی ہے نہیں موافقت کرتا۔ اس کی کوئی مسلمان بندہ مگر وہ کھڑا نماز پڑھ رہا ہو اللہ سے سوال کرتا ہے کسی چیز کا مگر اللہ اسے مرحمت فرما دیتے ہیں۔ اور اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اس گھڑی کی قلت بتاتے ہوئے اور ایک قول یہ ہے کہ فجر کے طلوع کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ گھڑی طلوع آفتاب کے بعد ہے۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ اس بات کی طرف گئے ہیں یہ گھڑی تقریباً ایک ہاتھ سورج ڈھل جانے کے بعد ہے۔ رواه ابن المنذر وابن عبدالبر باسناد قوى عنه قاله ميرك۔

جزریؒ فرماتے ہیں جس بات کا میں اعتقاد کرتا ہوں بے شک وہ گھڑی امام کے جمعے میں سورۃ فاتحہ کی قراءۃ شروع کرنے سے آمین کہنے تک ہے۔ نبی کریم ﷺ سے صحیح طور سے ثابت روایات میں جمع کرتے ہوئے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں صحیح بلکہ صواب وہ روایت ہے جو ابی موسیٰؓ سے مسلمؒ میں ثابت ہے یعنی جس کا ذکر ابھی گزرا ہے۔ اور اسی قول کی تائید کرتا ہے وہ قول جو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیہقیؒ نے مسلم سے نقل کیا ہے بے شک یہ روایت قبولیت کی گھڑی کے بارے میں صحیح ترین اور عمدہ ترین روایت ہے۔

میرکؒ فرماتے ہیں ان اقوال سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ گھڑی بعینہ اس سارے وقت کو گھیرتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ انہی اوقات کے درمیان ہوتی ہے جیسے کہ بخاری کی روایت کے آخر میں ہے و اشار بیدہ یقللھا اور مسلم کی روایت میں ہے۔ ساعة خفيفة۔

اور مخفی نہیں ہے نوویؒ اور جزریؒ دونوں کے مختار قول اس گھڑی کی تعیین کا فائدہ نہیں دیتے خطبے کے اوقات مختلف ہونے اور مسلمانوں کی مساجد میں نماز جمعہ کے زمانے مختلف ہونے کی وجہ سے۔ اور بے شک جو ان دونوں (نوویؒ و جزریؒ) نے کہا ہے وہ ساعت اجابت کے احوال میں سے ہے۔ اس کے اوقات میں سے نہیں ہے مگر یوں کہا جائے بے شک یہ گھڑی۔ اس حالت کے ساتھ گھومتی ہے یا حضور ﷺ کے خطبے کا وقت ضبط شدہ ہوگا جیسے اسی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ حضرت ابوذرؓ کا قول لیکن عنقریب آئے گا۔ کہ حضور ﷺ سردیوں میں جلدی کرتے تھے دور گرمیوں میں تاخیر کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

اور شافعیہ میں سے کچھ متاخرین کو میں نے دیکھا کہ انہوں نے نوویؒ کی تصویب پر اعتراض کیا اور کہا باقی عصر سے غروب تک والا قول ضعیف ہے اور حدیث جس میں یہ ہے نماز کھڑی ہونے سے لے کر نماز مکمل ہونے تک یہ بھی ضعیف ہے۔ اگرچہ امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے اور باقی جو حدیث میں صحیح طور سے ثابت ہے اس گھڑی کی تلاش کے بارے میں دن کی آخری گھڑی عصر کے بعد۔ پاس احتمال ہے یہ گھڑی منتقل ہوتی رہتی ہے ایک دن ایک وقت میں ہوتی ہے اور دوسرے دن دوسرے وقت میں۔ جیسا کہ مختار قول ہے لیلۃ القدر کے بارے میں اور اسی قول یعنی اس گھڑی کے منتقل ہونے کے بارے میں اس کی تائید کرتا ہے امام غزالیؒ کا وہ قول جو احیاء میں ہے بے شک یہ گھڑی احادیث میں مذکورہ اوقات میں گھومتی ہے اور اس قول پر سارے اقوال کا اجتماع ہو جاتا ہے پس ایک جمعہ والے دن وہ گھڑی امام کے بیٹھنے (منبر پر) اور نماز سے فراغت کے درمیان ہوتی ہے۔ اور ایک دن نماز کھڑی ہونے سے لے کر سلام تک اور ایک دن عصر سے غروب آفتاب تک ہوتی ہے۔ اور ایک دن جمعے کے دن کی آخری گھڑی میں ہوتی ہے۔

لیکن عسقلانیؒ فرماتے ہیں جلوس الامام اور سلام کے درمیان والے قول کے علاوہ آخر الساعة من یومھا و لاقول یا تو اسناد کے اعتبار سے ضعیف ہے یا موقوف ہے۔ اس کے قائل نے اس کی نسبت اجتہاد کی طرف کی ہے۔ توقیف کی طرف نہیں۔ اور اس گھڑی کو یقینی طور پر حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے ایک جماعت جمعے والے دن کو تقسیم کر لیں ان میں سے ہر ایک اپنا حصہ لے لے اور اس میں اپنے لئے اور اپنے ساتھیوں کیلئے دعا کرے۔ یا لازم کر لیں اپنے دل پر دعا کا استحضار جمعہ کی فجر سے غروب آفتاب تک۔ اور امام بلقینیؒ سے سوال کیا گیا خطبہ کی حالت میں کیسے دعا کرے گا حالانکہ وہ خاموش رہنے کا مامور ہے۔ پس جواب دیا۔ تلفظ بالدعاء دعا میں ضروری نہیں دل سے متوجہ ہونا کافی ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے جمعے والی رات میں بھی دعا قبول ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الفصل الثّانی:

قبولیت والی ساعت ہر جمعے میں ہوتی ہے

۱۳۵۹: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجْتُ اِلَى الطُّوْرِ فَلَقِيْتُ كَعْبَ الْاَحْبَارِ فَجَلَسْتُ مَعَهٗ فَحَدَّثَنِىْ عَنِ التَّوْرَاةِ وَحَدَّثْتُهٗ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ فِيْمَا حَدَّثْتُهٗ اَنْ قُلْتُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيْهِ اُهْبِطَ وَفِيْهِ تِيْبَ عَلَيْهِ وَفِيْهِ مَاتَ وَفِيْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا وَهِىَ مُصِيْخَةٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ حِيْنَ تُصْبِحُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ شَفَقًا مِنَ السَّاعَةِ اِلَّا الْجِنَّ وَالْاِنْسَ وَفِيْهِ سَاعَةٌ لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّىْ يَسْاَلُ اللّٰهَ شَيْئًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ قَالَ كَعْبٌ ذَالِكَ فِىْ كُلِّ سَنَةٍ يَوْمٌ فَقُلْتُ بَلْ فِىْ كُلِّ جُمُعَةٍ فَقَرَاَ كَعْبُ التَّوْرَاةَ فَقَالَ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ لَقِيْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ سَلَامٍ فَحَدَّثْتُهٗ بِمَجْلِسِىْ مَعَ كَعْبِ الْاَحْبَارِ وَمَا حَدَّثْتُهٗ فِىْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَقُلْتُ لَهٗ قَالَ كَعْبٌ ذَالِكَ فِىْ كُلِّ سَنَةٍ يَوْمٌ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ كَذَبَ كَعْبٌ فَقُلْتُ لَهٗ ثُمَّ قَرَاَ كَعْبٌ التَّوْرَاةَ فَقَالَ بَلْ هِىَ فِىْ كُلِّ جُمُعَةٍ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ صَدَقَ كَعْبٌ ثُمَّ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ قَدْ عَلِمْتُ اَيَّةَ سَاعَةٍ هِىَ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِىْ بِهَا وَلَا تَضِنَّ عَلَىَّ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ هِىَ اٰخِرُ سَاعَةٍ فِىْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَقُلْتُ وَكَيْفَ تَكُوْنُ اٰخِرَ سَاعَةٍ فِىْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّىْ فِيْهَا فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ اَلَمْ يَقُلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا يَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ فَهُوَ فِىْ صَلَاةٍ حَتّٰى يُصَلِّىَ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ بَلٰى قَالَ فَهُوَ ذٰلِكَ۔

(رواہ مالک وابوداؤد والترمذی والنسائی وروی احمدالی قولِهٖ صَدَقَ كَعْبٌ)

أخرجه أبوداوٗد فى السنن ١/٦٣٤ حديث رقم ١٠٤٦۔ والترمذى ٢/٣٦٢ حديث رقم ٤٩١۔ والنسائى ٣/١١٣ حديث رقم ١٤٣٠۔ ومالك فى الموطأ ١/١٠٨ حديث رقم ١٦من كتاب الجمعة ۔ (١ بلفظ الخيل التى تركب يضاف إلى بقيع الخيل فى سوق المدينة عنددار زيد بن ثابت والخيل خيل ذكر فى المغارى [المعالم الأثيرة]۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں ایک دن کوہ طور کی طرف گیا، میں وہاں کعب احبار سے ملا، اور میں ان کے پاس بیٹھ گیا تو انہوں نے میرے سامنے تورات کی کچھ باتیں بیان کیں اور میں نے ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی کچھ احادیث بیان کیں۔ من جملہ جو احادیث میں نے ان کے سامنے بیان کیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے کہا، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان تمام ایام میں سے جن میں سورج طلوع ہوتا ہے افضل دن جمعے کا ہے اسی میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اور اسی میں ان کو زمین پر اتارا گیا، اور اسی دن میں ان کی توبہ قبول ہوئی اور اسی دن میں فوت ہوئے اور اسی دن میں قیامت قائم ہوگی اور کوئی بھی چوپایہ نہیں ہے مگر وہ قیامت قائم ہونے کے انتظار میں رہتا ہے، صبح سے لے کر سورج غروب ہونے تک قیامت سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں قیامت نہ آجائے۔ سوائے جنوں اور انسانوں کے اور اس جمعہ کے دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ نہیں پاتا اس کو کوئی مسلمان بندہ کہ وہ نماز پڑھتا ہو اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ وہ چیز اس کو عطا کر دیتے ہیں۔ تو کعب کہنے لگے یہ پورے سال میں ایک دن ہے (یعنی وہ مقبولیت والی ساعت سال کے جمعہ میں سے ایک جمعہ میں ہوتی ہے) میں نے کہا نہیں بلکہ یہ ہر جمعہ میں ہوتی ہے، پس حضرت کعب نے تورات پڑھی اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں حضرت عبد اللہ ابن سلامؓ سے ملا، پس میں نے حضرت کعب کے ساتھ اپنی مجلس کو ان کے سامنے بیان کیا اور اس حدیث کا تذکرہ کیا جو میں نے حضرت کعب کو سنائی تھی جمعہ کی فضیلت کے بارے میں پھر میں نے ان سے کہا کہ حضرت کعب نے کہا ہے کہ یہ گھڑی سال میں ایک مرتبہ ہے (یعنی ایک جمعہ میں ہے) تو حضرت عبد اللہ ابن سلامؓ نے فرمایا کعبؓ نے غلط کہا ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ یہ کہنے کے بعد حضرت کعب نے تورات پڑھی اور پھر فرمایا کہ یہ ہر جمعہ میں ہے (یعنی رسول اللہ ﷺ نے سچ کہا ہے) تو پھر حضرت عبد اللہ ابن سلامؓ نے کہا کہ کعب نے سچ کہا ہے اس کے بعد عبد اللہ ابن سلام نے کہا تحقیق میں جانتا ہوں وہ کونسی گھڑی ہے تو حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا مجھے ضرور بتائیں اور مجھے بتانے میں بخل نہ کریں، تو حضرت عبد اللہ بن سلام نے فرمایا وہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے تو حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا وہ جمعے کی آخری گھڑی کیسے ہوسکتی ہے حالانکہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مومن بندہ اس کو پالے اور وہ اس میں نماز پڑھتا ہو...... (یعنی اس میں تو یہ تذکرہ ہے کہ وہ نماز پڑھتا ہو حالانکہ جمعے کے دن کا آخری وقت مکروہ وقت ہے اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں) تو حضرت عبد اللہ بن سلامؓ نے فرمایا کیا آنحضرت ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص بیٹھا ہوا اپنی جگہ پر اس حال میں کہ وہ نماز کا انتظار کر رہا ہے، پس وہ نماز ہی کے حکم میں ہے، یہاں تک کہ وہ نماز پڑھ لے، تو حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے یہی فرمایا ہے۔ تو حضرت عبد اللہ نے فرمایا، پس نماز سے مراد انتظار ہی ہے۔

یہ مؤطا امام مالک، ترمذی اور نسائی کی روایت ہے۔ امام احمد نے اس کو روایت کیا ہے۔ صدق کعب تک۔

تشریح: ''خرجت الی الطور: طور معروف جگہ ہے متبادر الی الذہن یہ ہے کہ اس سے مراد طور سیناء ہے۔

(**فلقیت کعب الاحبار**) طیبیؒ فرماتے ہیں الاحبار فتحہ اور کسرہ کے ساتھ اس میں اضافت زید الخیل جیسی ہے ان کا نام ابو اسحاق تھا کعب بن ماتع حمیر قبیلے سے حضور ﷺ کا زمانہ پایا لیکن ان کی زیارت نہیں کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلام قبول کیا۔

(**فجلست معه فحدثنی عن التوراة وحدثته عن رسول اللہ ﷺ**) ای عن احادیثه (**فکان فیما حدثته**) خبر کان (**ان قلت**) اسم کان قاله الطیبیؒ ای مع القول ومقوله فیما حدثته۔ کان کی خبر مقدم اور ان قلت مقولہ کے ساتھ مل کر اسم کان)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(قال رسول اللهﷺ خیریوم) ای نهار۔

(طلعت علیه) ای علی مافیه

(الشمس یوم الجمعة فیه خلق آدم) وہ آدم جو کہ تمام عالم کے منی واصل ہیں۔

(فیه اهبط) یعنی اس میں اتارے گئے جنت سے زمین کی طرف۔ان کے جمعے والے دن کی تعظیم نہ کرنے کی وجہ سے بسبب اس لغزش کے جوان سے ہوگئی تھی تاکہ اترنے کے بعد اطاعت وعبادت میں لگ کر اس کا تدارک کرلیں اور جنت کے اعلیٰ درجات تک پہنچ جائیں اور اس لئے بھی تاکہ نعمت کی قدر جان لیں اس لئے کہ نعمت وعطاء کی قدر محنت ومشقت کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔اور ظاہر ہے لفظ اھبط اس حدیث میں اخرج کے معنی میں ہے۔جیسے پیچھے گزری ہوئی روایت کے اندر ہے۔

اور ایک قول یہ ہے اخراج جنت سے آسمان دنیا کی طرف تھا۔اور الاھباط وہاں سے زمین کی طرف یہ قول یہ فائدہ دیتا ہے کہ ان میں دونوں سے (یعنی الاهباط واخراج) ہر ایک جمعے والے دن ہوا تو ایک دن میں یا دونوں میں۔واللہ اعلم۔

(فیه) ای فی یوم الجمعة۔اور ظاہر ہے بے شک خاص اس دن میں ان کی توبہ قبول کی گئی۔

(تیبت علیه) یہ تاب سے ماضی مجہول ہے یعنی وفق للتوبة وقبلت التوبة منه۔اور یہ ان پر عظیم الشان احسان کا بیان ہے۔جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ثم اجتباه ربه فتاب علیه وهدیٰ۔

(وفیه تقوم الساعة اور اس میں مومنین کیلئے دو عظیم نعمتیں ہیں ایک تو ان کا ہمیشہ رہنے والی نعمتوں تک پہنچنا اور ان کے دشمنوں کیلئے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب حاصل ہونا۔

(وما من دابة) من کی زیادتی نفی میں استغراق کے افادے کیلئے ہے۔

(الا وهی مصیخة) ای منتظرة لقیام الساعة۔

(یوم الجمعة) اور مصابیح السنہ کے اکثر نسخوں کے اندر یہ مصیخة سین کے ساتھ ہے۔تو اس میں دو لغتیں ہوئیں۔ تورپشتی فرماتے ہیں مصیغة۔ مصغیة ومستمعته کے معنی میں ہے یعنی کان لگاتے ہیں۔اور مصیخة سین کے ساتھ بھی مروی ہے۔صاد کو سین کے ساتھ بدل کر اور چوپاؤں کے منتظر قیامت ہونے کی وجہ یہ ہے۔کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان پر اس (یعنی قیامت جمعے والے دن ہوگی)۔کا الہام کیا ہے۔اور ان کو اس بارے میں باشعور بنایا ہے۔

پس اس میں اللہ کی قدرت سے تعجب نہیں ہے۔اور شاید جنوں وانسانوں سے مخفی رکھنے میں حکمت یہ ہے بے شک اگر ان پر اس میں سے کچھ کشف کیا جاتا تو ابتلاء وتکلیف کے قاعدے وقانون میں خلل ہو جاتا اور ان پر بات واضح ہو جاتی اس کو طیبیؒ نے ذکر کیا ہے۔اور ابن حجرؒ نے ان کی پیروی کی ہے۔اور اس میں یہ بات ہے اگر ان پر (یعنی جن وانس پر) اس کا الہام کردیا جاتا جس کا چوپاؤں پر کیا گیا ہے اور یہ بھی قیامت کے وقوع کے انتظار میں لگ جاتے اس سے تکلیف کے قاعدے میں خلل پیدا ہونا لازم نہیں آتا۔اور نہ ہی وقوع قیامت میں۔

(شفقًا) ای خوفًا۔

(من الساعة) ای من قیام القیامة ~~ساعت~~ ساعت اس لئے کہتے ہیں کہ یہ گھڑی میں واقع ہوگی۔میں کہتا ہوں یہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث اس آدمی کیلئے ماخذ ہے جو اس کا قائل ہے۔ بے شک ساعۃ جمعۃ صبح کے ظاہر ہونے اور طلوع آفتاب کے درمیان ہے مطلب یہ ہے کہ بے شک حیوانات جب اس گھڑی میں ذکر کر رہے ہوتے ہیں۔ اور خوف زدہ وحاضر ہوتے ہیں۔ تو بے شک کامل انسان کیلئے زیادہ مناسب ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کے ذکر میں مشغول ہو اسلئے کہ چوپاؤں کو تو اپنے مٹی پر ہو جانے کا خوف ہے۔ اور عقل والوں کا خوف (صفحہ ۴۴۹) دروازے سے مردود ہونے اور بڑے عذاب اور پوشیدہ ناراضگی سے ہے۔ پس ان چوپاؤں کا خوف انجام کے اعتبار سے ہلکا ہے۔ اسی وجہ سے کافر کہیں گے۔ **یا لیتنی کت ترابًا قوله (الا الحسن والانس)** ابن حجرؒ فرماتے ہیں بے شک یہ نہیں جانتے اس کے بارے میں۔ اور بہتر یہ ہے کہ ان کو (یعنی جن وانس) اس بات کا القاء نہیں کیا جاتا کہ یہ دن وقوع قیامت کا احتمال رکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان میں سے اکثر اس سے غافل ہوتے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ جانتے نہیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

ابن مالکؒ فرماتے ہیں ان دونوں کا مصیحہ سے استثناء اور ان سے اس کا اخفاء اس لئے ہیں تاکہ ان کیلئے ایمان بالغیب ثابت رہے۔ اور اگر یہ اس کے بارے میں جان لیتے تو ان پر ان کی زندگی تنگ ہو جاتی۔ اور گزارے کے موافق روزی کے حاصل کرنے میں بھی مشغول نہ ہوتے اس کے خوف کی وجہ سے۔ اور اس میں بحث ہے۔

(وفيه) اى فى جنس يوم الجمعة۔

(ساعة لا يصادفها) اى لا يوافقها۔

(عبد مسلم وهو يصلى) یا تو حقیقتاً نماز پڑھ رہا ہو یا حکماً کہ نماز کے انتظار میں ہو یا اس کا معنی ہے دعا کر رہا ہو۔

(يسأل الله) ماقبل کیلئے حال ہے یا بدل ہے۔

(شيئًا) دنیا یا آخرت کے کسی معاملے میں۔

(الا اعطاه اياه) مگر اسے مل جاتی ہے۔ عطاء ہو جاتی ہے۔ دعا میں معتبر شرائط کی رعایت کے ساتھ۔

قولہ (قال) اور ایک نسخے میں وقال ہے۔

(كعب ذلك فى سنة يوم) طیبیؒ فرماتے ہیں (ذلك سے) اشارہ اس مذکورہ یوم کی طرف ہے جو اس عظیم گھڑی پر مشتمل ہے اور لفظ یوم اس کی خبر ہے۔

(فقلت بل فى كل جمعة) طیبیؒ فرماتے ہیں (مطلب ہے) یہ ہر جمعے میں ہے یا ہر ہفتے میں ایک دن ہے۔ یعنی یہ دن جو مذکورہ صفات پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ ہر ہفتے میں ہوتا ہے۔ اور یہ جواب کی مطابقت کے لحاظ سے زیادہ ظاہر ہے۔ اسی وجہ سے ابن حجرؒ نے اسی پر اختصار کیا ہے۔

(فقرأ كعب التوراة) زبانی پڑھا یا دیکھ کر

(فقال) اى كعب

(صدق رسول اللهﷺ) اور اس میں عظیم معجزہ ہے جو حضور ﷺ کے کمال علمی پر دلالت کرتا ہے۔ کہ باوجود امی ہونے کے ایسی بات کی خبر دے دی جو اہل کتاب کے بڑے عالم پر مخفی رہی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(قال ابو ہریرۃ لقیت عبداللّٰہ بن سلام) جوجلیل القدر صحابی ہیں پہلے یہود کے علماء میں سے تھے۔ پھر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

(فحدثته بمجلسی)ای بجلوسی

(مع کعب الاحبار وما حدثته)یعنی جوحدیث میں نے ان سے بیان کی تھی۔

(فی یوم الجمعۃ) ای فی شانہ

فقلت له)ای لعبد اللّٰہ

(قال کعب ذلك فی کل سنة یوم قال عبداللّٰہ بن سلام کذب کعب) ای فی ھذا القول۔

اور جزری نے کہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام کیلئے یہ علم ضروری کھول دیا گیا جوکعب کیلئے نظری امر تھا۔ حضور ﷺ کی صحبت کی برکت سے اور قبول اسلام کی سعادت میں سبقت کی وجہ سے اور باقی ابن حجرؒ کا قول (حضرت عبداللہ کے قول کے بارے میں) ان کا قول کذب کعب اس گمان سے تھا کہ بے شک کعب اس کی خبر دینے والے ہیں۔ اس کے بارے میں سوال کرنے والے نہیں ہیں۔ پس یہ درست نہیں اس لئے اگر وہ سوال کرنے والے ہوتے تو حضرت ابوہریرہؓ ان کو بل فی کل جمعۃٍ کے قول کے ساتھ جواب نہ دیتے۔ پس درست یہ ہے کہ انہوں نے اپنی خبر دینے میں غلطی کی۔ لہٰذا ان پر یہ بات صادق آئی کہ انہوں نے جھوٹ بولا ہے تو پھر اس حدیث سے کسی عالم کا اس آدمی پر جسے اس بارے میں اسے خبر پہنچتی ہو۔ کہ اس نے فتویٰ دینے میں غلطی کی ہے سختی کرنے کے جواز پر استدلال درست نہ ہوا جیسے اسے ذکر کیا ہے ابن حجرؒ نے۔

(فی کل جمعۃٍ) باقی ابن حجرؒ کا قول مطلب یہ ہے جمعہ ہر ہفتے میں ہے وہ ایسی بحث ہے۔ جس میں کچھ فائدہ نہیں۔

(فقال عبداللّٰہ بن سلام: صدق کعب) ای الآن یعنی اب سچ بولا ہے۔

(ثم قال عبداللّٰہ بن سلام قد علمت اية ساعة ھی) اية کے نصب کے ساتھ معنی ہوگا عرفت تلك الساعة۔ اور ایک نسخے میں ایته کے درفع کے ساتھ اور اسی پر بنا کی ہے۔ ابن حجرؒ نے اس لئے کہ انہوں نے کہا ہے یہ اس مقام پر ایسے ہی ہے جیسے لنعلم ایُّ الحزبین میں (ای مرفوع ہے)۔

(قال ابوھریرۃ فقلت) ای لعبد اللّٰہ۔

(اخبرنی بھا)ای بتلك الساعة۔

(ولا تضن) ضاد کے کسرہ کے ساتھ اور اسے فتح بھی دیا جاتا ہے اور نون مشددہ کے فتحہ کے ساتھ لا تبخل بھا کے معنی میں یعنی بخل نہ کرنا۔ (علی) اور عفیف کے نسخے میں (لاتضن) رفع کے ساتھ ہے اس پر کہ وہ نفی ہے جو نہی کے معنی میں ہے یا یہ کہ وہ حال ہے۔

(قال عبداللّٰہ بن سلام ھی آخر ساعة فی یوم الجمعة) اشرف کہتے ہیں یہ (جملہ) دلالت کرتا ہے حدیث میں موجود قول رسول اللہ ﷺ التمسوا الساعة پر جو آگے آرہا ہے۔

"قال ابو ھریرۃ فقلت وکیف تکون ای تلك الساعة۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(آخر ساعة فی یوم الجمعة وقد قال رسول اللهﷺ)ای والحال انه قال صلی الله علیه وسلم ای فی شانها۔

(لا یصادفها عبدمسلم وهو یصلی فیها)اور ایک نسخے میں وھویصلی کے الفاظ ہیں اور یہ گھڑی اس میں نماز تو نہیں پڑھی جاتی۔ میرکؒ فرماتے ہیں اسی طرح واقع ہے امام مالکؒ کی روایت میں مؤطا کے اندر۔

(فقال)اور ایک نسخہ میں قال ہے۔(بغیر فا کے)

(عبدالله بن سلام الم یقل رسول اللهﷺ من جلس مجلسًا) ای جلوسًا اومکان جلوس (یعنی مجلسًا یا تو مصدر میمی ہے یا ظرف مکان کا صیغہ ہے)۔

(ینتظر الصلاة) لای فیه۔

(فهو فی صلاةٍ) ای حکمًا یعنی نماز کا منتظر حکمًا نماز میں ہی ہوتا ہے۔

(فهو) ای المراد بالصلاة۔ (ذلك) الانتظار اور نماز سے یہی انتظار مراد ہے۔

اور ایک قول ہیں مراد وہ چھوٹی گھڑی جو آخری گھڑی ہے جمعے والے دن سے۔ اور ضمیر کو مذکر لانا وقت کے اعتبار سے ہے۔

رواه مالك وابو داؤد والترمذی والنسائی ای الی آخر الحدیث وروی احمد الی قوله صدق کعب۔

۱۳۶۰:وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلْتَمِسُوا السَّاعَةَ الَّتِىْ تُرْجٰى فِىْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلٰى غَيْبُوْبَةِ الشَّمْسِ ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/ ۳٦۰ حدیث رقم ٤٨٩۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ محبوب خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تلاش کرو جمعہ کی اس گھڑی کو جس میں دعا کی قبولیت کی امید ہے، عصر کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک۔(ترمذی)

تشریح: ''الساعة التی ترجی'' صیغہ مجہول کے ساتھ مطلب ہے۔ تطمع اجابة الدعاء فیها (دعا کی قبولیت کی اس گھڑی میں امید ہے)۔(فی یوم الجمعة بعد العصر الی غیبوبة الشمس'' ابن مالکؒ فرماتے ہیں اور یہ (جملہ) حضرت عبداللہ بن سلام کے قول کی تائید کر رہا ہے۔

(رواه الترمذی) وقال غریب ۔

اور اس روایت کو طبرانی نے ابن مہیمۃ کی روایت سے نقل کیا ہے اور اس کے آخر میں زیادہ کہا ہے۔ وہ گھڑی اتنی مقدار میں ہے اور اشارہ کیا اپنی مٹھی کی طرف اور اس کی سند ترمذی کی سند سے زیادہ صحیح ہے۔ اس کو میرکؒ نے نقل کیا ہے۔ عسقلانیؒ نے فرمایا ہے بخاری شریف کی شرح میں اور اس روایت کو حضرت ابن عباسؓ سے ان پر موقوفاً نقل کیا ہے۔ اس روایت کو ابن جریرؒ نے روایت کیا ہے اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہر جمعہ میں قبولیت کی گھڑیاں ہوں اور گھڑیوں میں سے زیادہ عظمت والی گھڑی مبہم ہو یا یہ گھڑی جمعہ کے دنوں میں گھومتی ہو جیسے لیلۃ القدر کے بارے میں کہا گیا ہے اور یہ گھڑیاں باقی گھڑیوں سے زیادہ قبولیت والی ہیں۔ جیسے طاق راتیں رمضان المبارک کے آخری عشرے میں۔

جمعہ کے دن درود زیادہ سے زیادہ پڑھنا چاہیے کیونکہ مقبول عبادت ہے

۱۳۶۱: وَعَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ فَاَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيْهِ فَاِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتَ قَالَ يَقُوْلُوْنَ بَلِيْتَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ۔

(رواہ ابوداود والنسائی وابن ماجۃ والدارمی والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۶۳۵ حدیث رقم ۱۰۴۷۔ والنسائی ۳/۹۱ حدیث رقم ۱۳۷۴۔ وابن ماجه ۳/۹۱ حدیث رقم ۱۳۷۴۔ والدارمی ۱/۴۴۵ حدیث رقم ۱۵۷۲۔ وأحمد فی المسند ۴/۸۔

ترجمہ: حضرت اوس بن اوسؓ فرماتے ہیں کہ سرکار طیبہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جمعے کا دن تمہارے بہترین دنوں میں سے ہے اسی دن میں آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی دن میں ان کی وفات ہوئی اور اسی دن میں صور پھونکا جائے گا، یعنی نفخہ ثانیہ ہوگا، اور اسی دن میں ہلاک کر دینے والا ہوگا، یعنی نفخہ اولیٰ جس میں ساری چیزیں مر جائیں گی، پس تم اس دن میں مجھ پر زیادہ درود پڑھو کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ تو صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ ﷺ پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جاتا ہے جبکہ آپ کی ہڈیاں تو بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔ راوی کہتے ہیں کہ صحابہ کی مراد ارمت سے بلیت تھی کہ آپ ﷺ کا جسد اطہر بوسیدہ ہو چکا ہوگا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے زمین پر انبیاء کے جسم کو کھانا (یعنی زمین انبیاء کے جسم کو فنا نہیں کرتی)۔ یہ ابوداود، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی اور بیہقی کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

اوس بن اوس۔ اوس بن اوس ''ثقفی ہیں''۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اوس بن ابی اوس۔ اور یہ عمرو بن اوس کے والد ہیں۔ ان سے ابواشعث سمعانی اور ان کے بیٹے عمرو غیرہما نے روایت کی ہے۔

تشریح: ''اور اس میں اشارہ ہے اس کی طرف بے شک عرفہ کا دن اس سے افضل ہے یا برابر ہے۔

(فیہ خلق آدم) یعنی ان کا خمیر پیدا کیا گیا جیسے پہلے گذر چکا۔

(وفیہ) ای فی جنسہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(قبض) ای روحه۔

(وفيه النفخة) مراد نفخہ ثانیہ ہے جو نیکوں کو باقی رہنے والی نعمتوں تک پہنچانے والا ہے۔ طیبیؒ نے کہا ہے اور انہی کی پیروی کی ہے ابن حجرؒ نے اس قول میں) مراد نفخہ اولی ہے کیونکہ وہ بھی قیام کے قائم ہونے کیلئے مبدأ ہے۔ اور دوسرے مرتبہ رکن ہونے کا مقدم ہے اور دونوں کو جمع کرنے میں مانع موجود نہیں۔

(وفيه الصعقة) ای الصعة كما في نسخةٍ۔ اور مراد اس (صعقه) سے خوفناک آواز ہے جس کے خوف سے انسان مرجائیں گے اور وہ نفخہ اولیٰ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔(ونفخ في الصور فصعق من في السموات ومن في الارض الا ماشاء الله) پس تکرار دو وصفوں کے تغایر کے اعتبار سے ہے اور پہلی صورت جسے ہم نے اختیار کیا ہے تغایر حقیقی سے ہے۔ اور جز این نیست نفخہ اولیٰ کو صعقۃ کے نام کے ساتھ موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسی صعقۃ پر مترتب ہوتا ہے اور اسی وصف کی بناء پر وہ نفخہ ثانیہ سے ممتاز ہوجاتا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے اس لئے اشارہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بے ہوش ہونے کی طرف جوان کو اس تجلی الٰہی سے لاحق ہوئی۔ جس کے برداشت سے مضبوط پہاڑ عاجز آگیا۔ پس ریزہ ریزہ ہوگیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوکر گر گئے۔ پس جب ان کو افاقہ ہوا تو فرمایا۔ سبحانك تبت اليك وانا اول المؤمنين۔

(فاكثروا على من الصلاة فيه) ای في يوم الجمعة اس لئے کہ درود افضل ترین عبادات میں سے ہے۔ اور وہ اس دن میں افضل ہے دوسری عبادات کی بہ نسبت بوجہ خاص ہونے اس درور کے سترتک دوگنا ہونے کے ساتھ تمام اوقات میں اور اس لئے بھی کہ افضل وقت کے اندر افضل عمل میں مشغول ہونا بھی زیادہ کمال اور جمال والی بات ہے۔ اور اس لئے جمعہ سیدالایام ہے لہٰذا اسے سید الانام علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں صرف کیا جائے۔ پھر جب تم نے جان لیا افضل دن کے بارے میں۔

(فان صلاتكم معروضة على "یعنی اس میں قبولیت کے طریقے پر ورنہ تو ہمیشہ حضور ﷺ پر فرشتوں کے واسطے سے درود پیش کیا جاتا ہے۔ سوائے ان کی قبر کے پاس کہ قبر کے پاس آنحضرت ﷺ خود سنتے ہیں۔ اور جمعہ والے دن اور اس کی رات میں درود پڑھنے کی فضیلت کے بارے میں اور سید الابرار ﷺ پر درود کی کثرت کی فضیلت کے بارے میں بہت ساری روایات وارد ہوئی ہیں اور ہزار اس سے زیادہ مقدار جو وارد ہوئی ہے۔ اسے اپنے اذکار میں سے ورد بنالو۔

(قالوا يا رسول الله وكيف تعرض صلاتنا عليك وقد أرمت)

(وقد ارمت) جملہ حالیہ ہے را کے فتحہ کے اور میم کے سکون اور تاء مخففہ کے فتحہ کے ساتھ۔ اور را کے کسرے کے ساتھ بھی مروی ہے۔ بلیت کے معنی میں (یعنی بوسیدہ ہوجائیں گے) اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ الارم سے جس کا معنی ہوتا ہے کھانا اس صورت میں مطلب ہوگا صرف ما كولاً للارض (یعنی زمین کے کھائے ہوئے ہوجائیں گے) اور ایک قول ہے اترمت میم مشدد اور تائے ساکنہ کے ساتھ معنی ہوگا ہڈیاں بوسیدہ ہوجائیں گی اور ہوجائیں گی ریزہ ریزہ اسی طرح ذکر کیا ہے حافظ تورپشتیؒ نے طیبیؒ نے فرمایا۔ ارممت دو میموں میں سے ایک کے حذف کے ساتھ ہو جیسے ظلت پھر راء کو کسرہ دے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا گیا ہوالتقاء ساکنین کی وجہ سے یا فتحہ دیا گیا۔ اخف الحرکات ہونے کی بناء پر یا نقل کے طور پر جیسے یہ امجان اپنے میں مذکور بھی خطابیؒ نے کہا ہے۔ اس کی اصل اتممت ہے۔ پس انہوں نے ایک کو دونوں میموں سے حذف کر دیا اور وہ بعض عرب کی لغت ہے اور خطابیؒ کے علاوہ کا قول ہے۔ ارممت راء کے فتحہ اور میم مشدد اور تا کے سکون کے ساتھ ہے۔ ای ارممت العظام (ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی)۔ اور اس میں اور بھی کچھ اقوال ہیں جیسے امام نوویؒ کی کتاب الاذکار کے اندر جسے انہوں نے سید جمال الدین سے نقل کیا ہے۔

(قال) ای اوس الراوی۔

(یقولون) ای الصحابة ۔ راوی فرماتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مراد اس قول (ارممت) سے بلیت ہے اور اس کی تائید اس لفظ سے ہوتی ہے جو مصابیح کے اندر ہے۔ **یقول:** ملیت الہذا طیبیؒ کے قول پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ جو مصابیح کے اندر وارد ہے۔ اور ان کا قول۔ **ارممت یقول بلیت** ہے۔ اور باقی مشکوٰۃ کے اندر حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: **قال یقولون بلیت** اور یہ ظاہر ہے۔ اس لئے کہ قائل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات استبعاداً (یعنی بعید جانتے ہوئے) کہی تھی۔ تأمل اس کو سید جمال الدینؒ نے ذکر کیا اور تأمل کی وجہ یہ بے شک لوٹتی ہے۔ اس پر غیبت **یقولون** کے قول میں اور قال کا تکرار ہے۔ اور منافی ہے اس کے جو مصابیح کے اندر ہے **وقد ارممت یقول۔**

تورپشتیؒ نے فرمایا یعنی راوی نے کہا بلیت **ارم المال والناس** سے مشتق ہے۔ غنا ہونے کے معنی میں اور ارض ارمة ایسی زمین جو کچھ نہ اگائے۔ پس معنی جو مشکوٰۃ کے اندر ہے۔ راویؒ نے فرمایا **یقولون** یعنی انہوں نے ارمت سے مراد بلیت یعنی اس کا معنی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے اس پر کوئی غبار نہیں جیسے مخفی نہیں۔ اور یہ جملہ معترضہ حدیث کے مشکل لفظ کیلئے بیان ہے سوال اور جواب کے درمیان (جواب) امیری مراد۔

(اجساد الانبیاء) ای من ان تأکلها۔

اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ طیبیؒ فرماتے ہیں۔ اگر تو کہے **ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء،** اپنے اس قول کے ساتھ جواب دینے کی کیا وجہ ہے۔ حالانکہ عرض اور سماع سے جو چیز مانع ہے۔ وہ موت ہے جو قائم ہے۔ میں کہوں گا اس میں شک نہیں ان کے اجساد کی بوسیدہ ہونے سے حفاظت جاری عادت کیلئے خارق ہے۔ پس جیسے بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کے اجساد کی بوسیدگی سے حفاظت کی اسی طرح انبیاء علیہم الصلاۃ پر عرض بھی ممکن ہے۔ اور انبیاء علیہم الصلاۃ کا اپنی امت کے درود کا سننا بھی ممکن ہے۔ اور اس کی تائید فصل ثالث کی تیسری حدیث میں عنقریب وارد ہوگا۔ **فنبی اللہ حتی یرزق۔**

سید جمال الدینؒ نے فرمایا۔ جواب کو مطابق کرنے کی وجہ میں اس تطویل کی چنداں حاجت نہیں۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول **ان اللہ حرم**...... ان کے قول **قد ارممت** کے مقابل ہے۔ اور جواب کا حاصل وخلاصہ ہے انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہوتے ہیں۔ ان کیلئے جو ان پر درود پڑھے اس کا سننا ممکن ہوتا ہے۔ تأمل تم کلامہ۔ پس ان کے کلام میں غور کرو۔ اس لئے جو انہوں نے ذکر کیا ہے یہ جواب کا حاصل ہے و ملخص سوال کا خلاصہ ہے جو طیبیؒ نے ذکر کیا ہے اور جواب زیادہ سے زیادہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وضاحت واطناب کے طریقے پر ہے۔

اور باقی سید جمال الدینؒ کا قول کہ حضور ﷺ کا قول ان اللہ حرم سائل کے قول قد ارمت کے مقابل ہے خوبصورت کلام ہے۔ جو محتاج بیان نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے صحابہ ؓ نے عرض کی ایک کیفیت کے بارے میں سوال کیا بعد اعتقاد امکان کے کہ عرض (امحالہ طور پر ہوگا۔ صادق ﷺ کے قول فان صلاتکم عروضۃ علی کی بناء پر لیکن ان کو اشتباہ ہوا عرض کیا خالی روح پر ہوگا۔ یا روح متصل بالجسم پر اور انہوں نے گمان کیا نبی ﷺ کا جسد ہر ایک کے جسم کی طرح ہے۔ پس جواب میں کافی ہے جو حضور ﷺ نے درست طریقے پر ارشاد فرمایا۔ اور باقی جو طیبیؒ نے پہلے ذکر کیا جزیں نیست عرض اور سماع بعد الموت انبیاء علیہم السلام پر بند کرنے کا فائدہ دیتا ہے۔ اور معاملہ ایسے نہیں ہے اس لئے کہ تمام اموات بھی سلام وکلام سنتے ہیں اور بعض دنوں میں ان پر ان کے اقارب کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں ہاں انبیاء علیہم السلام کی حیات زیادہ کامل طریقے پر ہوتی ہے اور ان کے کچھ وارثوں شہداء اولیاء علماء کو اس سے وافر حصہ ملتا ہے ان کے ظاہری جسموں کی حفاظت کے ساتھ بلکہ ان کو نماز اور تلاوت قرآن اور ان جیسی دوسری چیزوں سے اپنی پاکیزہ قبروں میں قیام قیامت تک لذت بھی حاصل ہوتی ہے۔ ان تمام مسائل کو السیوطیؒ نے اپنی کتاب شرح الصدور فی احوال القبور کے اندر ذکر کیا ہے صحیح احادیث اور صریح قسم کے آثار کے ساتھ۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں اس سے جو انبیاء علیہم السلام کی ایسی حیات ہے کے ثبوت کا افادہ ہوتا ہے۔ جس حیاۃ کے ذریعے وہ عبادت بھی کرتے ہیں۔ اور اپنی قبور میں نماز بھی پڑھتے ہیں باوجودیکہ فرشتوں کی طرح طعام وشراب سے مستغنی ہیں ایسا امر ہے جس میں کوئی شک نہیں اور تحقیق بیہقیؒ نے ایک جزء اس میں تصنیف کیا ہے۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ والدارمی)

(رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ والدارمی) میرکؒ نے کہا اس روایت کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ اور حاکم نے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور ابن حجرؒ نے زیادہ کہا ہے اپنے اس قول کے ساتھ اور کہا ہے صحیح علی شرط البخاری اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اسے روایت کیا ہے۔

(والبیھقی فی: الدعوات الکبیر) نوویؒ نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔ اور منذری نے کہا اس میں باریک قسم کی علت ہے جس کی طرف بخاریؒ نے اشارہ کیا ہے جسے میرک نے نقل کیا ہے۔ ابن دحیۃ کہتے ہیں یہ صحیح ہے عدل کے عدل سے نقل کرنے کی وجہ سے اور جس نے کہا ہے۔ یہ منکر ہے یا غریب ہے اس میں علۃ خفیفۃ کی وجہ سے تحقیق کمزور ہے اس لئے کہ دار قطنی نے اسے رد کردیا ہے۔

جمعہ کی فضیلت

۱۳۶۲: وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْیَوْمُ الْمَوْعُوْدُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَالْیَوْمُ الْمَشْھُوْدُ یَوْمَ عَرَفَۃَ وَالشَّاھِدُ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ وَمَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرَبَتْ عَلٰی یَوْمٍ اَفْضَلَ مِنْہُ فِیْہِ سَاعَۃٌ لَا یُوَافِقُھَا عَبْدٌ مُؤْمِنٌ یَدْعُوا اللّٰہَ بِخَیْرٍ اِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰہُ لَہٗ وَلَا یَسْتَعِیْذُ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا اَعَاذَہٗ مِنْہُ رواہ احمد والترمذی وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ لَا یُعْرَفُ اِلَّا مِنْ حَدِیْثِ مُوْسَی ابْنِ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عُبَيْدَةَ وَهُوَ يُضَعَّفُ۔

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٤٠٦ حديث رقم ٣٣٣٩۔ وأحمد في المسند ٣/٤٣٠۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قرآن میں **الیوم الموعود** سے مراد قیامت کا دن ہے اور یوم مشہود سے مراد عرفہ کا دن ہے اور **شاهد** سے مراد جمعہ کا دن ہے اور نہیں طلوع ہوتا سورج اور نہ ہی غروب ہوتا ہے کسی ایسے دن جو کہ جمعہ کے دن سے افضل ہو۔ اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ نہیں پاتا اس کو مومن بندہ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے خیر کی مگر اللہ تعالیٰ اس کی دعا ضرور قبول فرماتے ہیں اور نہیں پناہ مانگتا کسی چیز سے مگر اللہ تعالیٰ اس کو ضرور پناہ دیتے ہیں۔ یہ امام احمد اور ترمذی کی روایت ہے۔ اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے یہ صرف موسیٰ ابن عبیدہ سے منقول ہے اور وہ ضعیف ہے۔

تشریح: ''قال رسول اللہ ﷺ **الیوم الموعود**'' یعنی وہ جسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ البروج میں ذکر کیا ہے۔

''**یوم القیامة**'' اور ابن حجرؒ کی اصل میں یوم العید ہے جو کہ فحش قسم کی غلطی ہے اور اس کی علت بیان کی ہے کہ اہل بوادی (گاؤں والے) اس شہر میں آنے کے آپس میں وعدے کرتے ہیں۔

''**والشاهد یوم الجمعة**'' اور شاید یوم مشہود کو مقدم کرنے میں باوجودیکہ قرآن کریم میں وشاھد ومشھود ہے اشارہ ہے یوم عرفہ کی عظمت اور فضیلت کی طرف یا اس میں مجمع کی اکثریت کی طرف اشارہ ہے۔ پس یہ مجمع اور احرام کی حالت کی بنا پر قیامت کے مشابہہ ہے گویا کہ یہ چھوٹی قیامت ہے (گویا) وہ (حاجی) اپنے رب کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ بڑے پیش ہونے کی طرح اور شاید آیت قرآنی میں شاہد کو مشہود پر مقدم کرنے میں نکتہ رعایت تو اصل ہے جیسے الاخدود وغیرہ میں یا اس وجہ سے کہ جملہ اکثر اوقات عرفہ پر وجود میں بھی مقدم ہوتا ہے۔ طیبیؒ نے کہا مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس (یعنی یوم جمعہ) کی عظمت شان کو سورۃ البروج میں ذکر کیا ہے۔ اس لئے کہ اس کے ساتھ قسم اٹھائی اور اس کو دو عظیم دنوں کے ہار کیلئے درمیانی گرہ قرار دیا اور اس کو نکرہ ذکر کیا عظمت کی طرف اشارہ کرنے کیلئے اور اس کی طرف شہادت کی نسبت کی مجازاً کیونکہ اس میں لوگ حاضر ہوں گے۔ جیسے نھارہ صائم مراد یہ ہے اس عظیم دن میں مخلوقات حاضر ہوں گی۔ بڑی سعادت کو حاصل کرنے کیلئے۔

زیادہ ظاہر یہ ہے یہ دن گواہی دے گا ان نمازیوں اور ذاکرین اور مبلغین کیلئے جو اس میں حاضر ہوتے ہیں اور عنقریب آئے گا۔ یہ دن مشہود بھی۔ کیونکہ فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں پس یہ شاہد بھی ہے اور مشہود بھی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ وہ حامد بھی ہے اور وہی محمود بھی ہے۔

(**فیه ساعة لا یوفقها عبد مومن**'' عبارت تفنن کی قبیل سے ہے۔ دونوں حدیثوں سے معلوم ہو گیا۔ مومن اور مسلم شریف میں دونوں ایک ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **فاخرجنا من کان فیها من المؤمنین فما وجدنا فیها غیر بیت من المسلمین**''۔

''**یدعو الله بخیر**'' اس میں حضور ﷺ کے قول یصلی کی تفسیر ہے خیر کی قید بڑھانے کے ساتھ۔ پھر دعا ثناء کو شامل ہے اور یہ دونوں زبان سے ہوتی ہیں اور کبھی دونوں ولیپ بند ہوتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"الا استجاب اللّٰه له" ای بنوع من الاجابة"۔

"ولا یستعیذ" لفظاً او قلبا۔

(من شیءٍ) کسی نفس کے شر سے یا شیطان یا معصیت یا آفت یا عار اور آگ سے۔

(الاّ اعاذه) ای اجاره (منه) بقسمٍ من الاعاذة۔

ای موسیٰ (یضعف) لیکن میں کہتا ہوں اس کو دوسری احادیث جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور اس کے علاوہ تقویت بخشتی ہیں۔

الفصل الثّالث:

جمعہ سیّد الایام ہے

۱۳۶۳: عَنْ اَبِی لُبَابَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُنْذِرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ سَیِّدُ الْاَیَّامِ وَاَعْظَمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَهُوَ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ یَوْمِ الْاَضْحٰی وَیَوْمِ الْفِطْرِ فِیْهِ خَمْسُ خِلَالٍ خَلَقَ اللّٰهُ فِیْهِ اٰدَمَ وَاَهْبَطَ اللّٰهُ فِیْهِ اٰدَمَ اِلَی الْاَرْضِ وَفِیْهِ تَوَفَّی اللّٰهُ اٰدَمَ وَفِیْهِ سَاعَةٌ لَّا یَسْئَالُ الْعَبْدُ فِیْهَا شَیْئًا اِلَّآ اَعْطَاهُ مَالَمْ یَسْاَلْ حَرَامًا وَفِیْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ مَامِنْ مَلَكٍ مُقَرَّبٍ وَلَا سَمَاءٍ وَلَا اَرْضٍ وَلَا رِیَاحٍ وَلَا جِبَالٍ وَلَا بَحْرٍ اِلَّا هُوَ مُشْفِقٌ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ۔ (رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجه فی السنن ۱/۳۴۴ حدیث رقم ۱۰۸۴ وأحمد فی المسند ۳/۴۳۰۔

ترجمہ: حضرت ابولبابہ ابن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک جمعے کا دن تمام دنوں کا سردار ہے اور تمام دنوں میں سے زیادہ اللہ کے ہاں عظمت والا ہے۔ اور وہ اللہ کے ہاں عید اضحیٰ اور عید فطر سے بھی زیادہ عظمت والا ہے۔ اس میں پانچ خصلتیں ہیں (جن کی وجہ سے اس کو فضیلت ملی ہے) اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اسی دن میں پیدا کیا ہے اور اسی دن میں اللہ تعالیٰ نے آدم کو زمین کی طرف اُتارا ہے اور اسی دن میں اللہ تعالیٰ نے آدم کو وفات دی ہے اور اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ بندہ جس چیز کا سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو عطا کر دیتے ہیں جب تک کہ وہ حرام چیز نہ مانگے اور اسی میں قیامت قائم ہوگی۔ اور نہیں ہے کوئی مقرب فرشتہ اور نہ آسمان اور نہ ہی زمین اور نہ ہی ہوائیں اور نہ ہی پہاڑ اور نہ ہی سمندر مگر وہ ڈرتے ہیں جمعہ کے دن سے (اس لئے کہ اس میں قیامت قائم ہوگی)۔ یہ ابن ماجہ کی روایت ہے

راویٔ حدیث:

ابولبابہ۔ یہ ابولبابہ ہیں ان کا رفاعہ نام تھا۔ عبدالمنذر کے بیٹے ہیں۔ انصار و اوس میں سے ہیں۔ ان کی کنیت نام پر غالب ہے۔ نقیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ بیعت عقبہ اور غزوۂ بدر اور اس کے بعد دوسرے غزوات میں ہم رکاب ہوئے۔ بیان کیا گیا کہ غزوہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بدر میں شریک نہیں ہوئے بلکہ آپ ﷺ نے ان کو مدینہ کا امیر بنا دیا تھا اور غازیانِ بدر کی طرح ان کا حصہ بھی مال غنیمت میں مقرر فرمایا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں انتقال فرمایا۔ ان سے ابن عمر اور نافع وغیرہ نے روایت کی۔

''لبابہ'' میں لام مضموم اور بائے موحدہ تخفیف کے ساتھ ہے۔

تشریح: ''قال رسول اللّٰہ ان یوم الجمعة سید الایام ای افضلها او ارید بالسید المتبوع کما قال: والناس لنا تبع۔

(واعظمها عند اللّٰہ) اور ظاہر ہے یہ جملہ یوم عرفہ کو بھی شامل ہے لیکن حضور ﷺ کا قول:

(وهو اعظم عند اللّٰہ من یوم الاضحی ویوم الفطر) یہ قول تساوی کا فائدہ دیتا ہے یا عرفہ کی فضیلت کا لیکن رزین کی حدیث میں ہے تمام دنوں میں افضل دن عرفہ کا دن ہے۔ اور اگر عرفہ کا دن اور جمعہ والا دن ایک ہوں تو وہ ستر حجوں سے افضل ہے اس جمعے والے دن کے علاوہ میں اور اس سے حنابلہ کی ایک جماعت نے لیا ہے۔ جمعہ کی رات لیلۃ القدر سے افضل ہے۔ اور اس کا دن عرفہ کے دن سے افضل ہے۔ اھ۔ اس میں یہ بات ہے بے شک صحیح احادیث لیلۃ القدر کی باقی تمام راتوں پر افضلیت پر صریح ہیں۔ اور قرآن کریم میں اسی پر ناطق ہے۔ اور یہ (اور اس جیسی نصوص) یوم الجمعہ کی عیدین کے دنوں پر اس اعتبار سے عظمت کا احتمال رکھتی ہیں۔ کہ جمعہ والا دن عبادت میں مشغولیت کا دن ہے اور وہ دونوں خوشی اور مسرت کے دن ہیں۔

''مالم یسأل حراما'' جب تک اس کی مانگی ہوئی چیز حرام نہ ہو ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس سے یہ بات ماخوذ ہوگی جو میں نے پہلے ذکر کی تھی کہ خیر سے مراد وہ ہے جو مباح کو شامل ہے بلکہ یہ مکروہ کو بھی شامل ہے اور اس میں یہ بات ہے یہ حدیث عموم کا فائدہ دیتی ہے۔ اور وہ پہلی معصیت کی خیر کی خصوصیت کے ساتھ تقید کے منافی نہیں ہے۔ جو مانگنے والے کو تنبیہ کرنے کیلئے ہے۔ وہ نہ سوال کرے اللہ سے مگر بھلائی کا جیسے پہلے ہم نے اس طرف اشارہ کیا تھا۔ باوجود یکہ مکروہ امر کا سوال اللہ تعالیٰ سے مناسب نہیں۔ جیسے اس کے محل میں یہ بات موجود ہے اور زیادہ ظاہر بات یہ ہے یوں کہا جائے حرام ممنوع کے معنی میں ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ہے۔ ''وحرام علی قریة۔ الآیة۔ واللہ اعلم۔

وفیه تقدم الساعة: اور اسی میں اہل اطاعت کی عید ہے اسی وجہ سے یوم الجمعہ کو مؤمنین و مساکین کی عید کہا جاتا ہے۔

''ما من ملك مقرب ولا سماءٍ والارض ولا ریاح ولا جبال ولا بحر'' ای ولا من دابةٍ کما تقدم۔

''من یوم الجمعة'' ای خوفا من فجأة الساعة وعظمة الساعة۔

بے شک اللہ تعالیٰ اس بڑے دن میں غضب کی صفت کے ساتھ تجلی فرمائیں گے۔ ایسی تجلی اس جیسی تجلی نہ پہلے کی اور نہ اس کے بعد کریں گے۔ (رواہ، ابن ماجۃ)۔

۱۳۶۴: وروی احمد عَنْ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَخْبِرْنَا عَنْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ مَاذَا فِیْهِ مِنَ الْخَیْرِ قَالَ فِیْهِ خَمْسُ خِلَالٍ وَسَاقَ اِلَی آخِرِ الْحَدِیْثِ ۔

أخرجه ابن ماجه فی السنن ١/٣٤٤ حدیث رقم ١٠٨٤ وأحمد فی المسند ٣/٤٣٠۔

ترجمہ: اور احمد نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ ایک انصاری صحابی نبی کریم ﷺ کی خدمت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ مجھے جمعہ کے دن کے بارے میں بتائیے کہ اُس دن کی کون سی خوبیاں ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اس دن کی پانچ خوبیاں ہیں اور باقی حدیث آخر تک اس طرح نقل کی ہے"۔

راویٔ حدیث:

سعد بن معاذ۔ یہ معاذ کے بیٹے ہیں "انصاری اشہلی" اوسی ہیں۔ عقبہ اولیٰ اور ثانیہ کے درمیان مدینہ میں اسلام لائے۔ ان کے اسلام کو دیکھ کر "عبدالاشہل" کا قبیلہ اور ان کے تمام خاندان والے اسلام لے آئے۔ انصار کے تمام خاندانوں میں سے یہ پہلا خاندان تھا کہ جو اسلام لایا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو "سید الانصار" کا خطاب عطا فرمایا۔ یہ اپنی قوم میں بڑے بزرگ اور سردار تسلیم کیے جاتے تھے۔ جلیل القدر اکابر اور اخیار صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر اور احد میں شریک ہوئے اور مقابلہ پر بہادرانہ ڈٹے رہے۔ جنگ خندق میں ان کی شہ رگ پر تیر لگا اور خون بند نہیں ہوا یہاں تک کہ ایک مہینہ کے بعد ان کی وفات ہوگئی۔ یہ واقعہ ذی قعدہ ۵ھ کا ہے اس وقت ان کی عمر سینتیس (۳۷) برس کی تھی جنت البقیع میں سپرد خاک کیے گئے صحابہ کی ایک جماعت ان سے روایت کرتی ہے۔

تشریح: "ما ذا فیہ من الخیر: قال فیہ خمس خلال "طیبیؒ نے فرمایا یہ حدیث) دلالت کرتی ہے کہ یہ خصال بھلائیاں ہیں جو اس دن کی فضیلت کو لازم کرتیں ہیں۔ قاضیؒ نے کہا حضرت آدم کی تخلیق اس دن کیلئے شرافت و امتیاز کو لازم کرتی ہے۔ اسی طرح ان کی وفات اس لئے کہ وہ ان کے جناب اقدس تک پہنچنے کا سبب و وسیلہ ہے۔ اور ان کے مصیبتوں سے خلاصی پانے کا سبب ہے اور اسی طرح قیامت کا قائم ہونا یہ بھی بھلائی ہے اس لئے کہ کمال والوں کے لئے ہمیشہ رہنے والی نعمتیں جو ان کیلئے تیار کی گئی ہیں ان تک پہنچنے کا سبب و ذریعہ ہے۔

"وساق: ای ذکرھا مرتبا الی آخر الحدیث"۔

اور ظاہر ہے پانچ خصال سے مراد حصر ہے کیونکہ ایک طریق سے وارد ہوا ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یہ ہمارے ہاں یوم مزید ہوتا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے فردوس میں ایک کشادہ وادی بنائی ہے۔ مشک کے ٹیلے پر اس میں سارے انبیاء علیہم السلام بیٹھتے ہیں پھر صدیقین اور شہداء پس اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ میں تمہارا رب ہوں میں نے تم سے اپنا وعدہ سچا کیا پس مجھ سے مانگو میں تمہیں عطاء کروں گا۔ وہ عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہم آپ سے آپ کی رضا کا سوال کرتے ہیں اللہ رب العزت فرماتے میں تم سے راضی ہوگیا ہوں اور تمہارے لئے مجھ پر وہ ہے جو تم تمنی کرو اور میرے پاس کچھ اور بھی ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ اپنی نشست گاہوں میں لوگوں کے جمعہ سے واپس ہونے کے وقت تک ٹھہرتے ہیں پھر اپنے بالاخانوں کی طرف لوٹتے ہیں اور ان کی دوسری روایت میں ہے بے شک اہل جنت جب اس وادی میں داخل ہوتے ہیں تو اپنے اعمال کی فضیلت کے اعتبار سے منازل میں اتارے جاتے ہیں پس اس کیلئے ایام دنیا میں سے جمعے والے دن کی بقدر اجازت ہوتی ہے۔ وہ اللہ کی زیارت کرتے ہیں اللہ رب العزت ان کیلئے اپنا عرش ظاہر کرتے ہیں جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچے میں اور ان کیلئے نور کے منبر رکھے جاتے ہیں اور موتیوں کے منبر اور یاقوت کے منبر اور سونے کے منبر اور چاندی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے منبر اور بیٹھتے ہیں ان میں سے ادنی اور ان سے بھی ادنی کافور اور مشک کے ٹیلوں پر بیٹھیں گے۔ وفی اخریٰ له ایضًا۔ بے شک اہل جنت اپنے رب کی ہر جمعہ میں زیارت کریں گے کافور کے ٹیلوں میں اور ان میں سے مجلس میں مجھ سے زیادہ قریب جمعہ والے دن جمعے کی طرف جلدی جانے والے ہوں گے۔ اور سویرے سویرے نکلنے والے ہوں گے۔ اھ۔ اور اللہ تعالیٰ مسافت وجہت سے پاک ہے یہ تو مرتبہ اور قربت سے کنایہ ہے۔

جمعہ کے دن کی خصوصیات

۱۳۶۵: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قِیْلَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِاَیِّ شَیْءٍ سُمِّیَ یَوْمُ الْجُمُعَةِ قَالَ لِاَنَّ فِیْهَا طُبِعَتْ طِیْنَةُ اَبِیْكَ اٰدَمَ وَفِیْهَا الصَّعْقَةُ وَالْبَعْثَةُ وَفِیْهَا الْبَطْشَةُ وَفِیْ اٰخِرِ ثَلَاثِ سَاعَاتٍ مِنْهَا سَاعَةٌ مَنْ دَعَا اللّٰهَ فِیْهَا اسْتُجِیْبَ لَهٗ۔ (رواه احمد)

أخرجه أحمد في المسند ۲/۳۱۱۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ شفیع عالم ﷺ سے پوچھا گیا کہ جمعہ کا نام جمعہ کیونکر رکھا گیا ہے، فرمایا اس لئے کہ اس میں تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی جمع کر کے خمیر بنایا گیا اور اسی دن میں سب کو فنا کیا جائے گا (یعنی نفخہ اولیٰ ہوگا) اور اسی دن میں زندہ ہونا ہے (یعنی نفخہ ثانیہ ہے) اور اسی دن میں سخت پکڑ ہوگی (یعنی حساب وکتاب ہو گا) اور اس کی آخری تین ساعات میں ایک ایسی گھڑی ہے جو بندہ بھی اس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا اس کی دعا قبول ہوگی۔ (امام احمد)

تشریح: ''یوم الجمعة'' نصب کے ساتھ اس لئے کہ یہ مفعول ثانی ہے۔

''قال لان فیها'' (ضمیر کو) مونث ذکر کیا ہے۔ مضاف الیہ (الجمعہ) کا لحاظ کرتے ہوئے۔

''طبعت ای خمرت و جمعت۔

''طینة ابیك آدم'' جو کہ عالم کا مجموعہ میں اور خطاب سوال کرنے والے قائل کیلئے ہے۔

''فیها الصعقة'' یعنی وہ پہلی چیخ جس سے سارے دنیا والے مر جائیں گے۔

''والبعثة'' با کے کسرہ کے ساتھ اور باء کو فتحہ بھی دیا جاتا ہے یعنی نفخہ ثانیہ جس سے تمام فانی اجساد زندہ ہو جائیں گے۔

''وفیها البطشة'' یعنی بڑی پکڑ، بڑی مصیبت قیامت والے دن میں جو مخلوقات کیلئے عام ہوگی اور جو یہ کہا گیا ہے اس سے مراد قیامت ہے وہ ضعیف ہے و کمزور ہے۔ اس لئے کہ تاسیس بہتر ہے۔ تاکید کے مقابلے میں طیبیؒ نے فرمایا ان سے اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں دریافت کیا گیا انہوں نے جواب دیا بے شک جمعہ اس کا نام یہ اس وجہ سے رکھا گیا کہ اس میں بڑے امور کا اجتماع ہو گیا۔

اور یہ بات مخفی نہیں ہے جو ہم نے ذکر کیا اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف بے شک امور مذکورہ میں جمعیت والا معنی موجود ہے۔ ہیئت مجموعیہ سے قطع نظر کرتے ہوئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"وفی آخر ثلاث ساعات فیھا) ای من یوم الجمعۃ۔

"ساعۃ" طیبیؒ فرماتے ہیں اس میں صنعت تجرید ہے اس لئے کہ ساعۃ آخر ثلاث ساعات کا حصہ ہے۔ جیسے تیسرے قول فی البیضۃ عشرون منا من حدید میں اور بیضہ ارطال کا حصہ ہے۔

اوران کے قول کا پیچھا کیا ہے ابن حجرؒ نے جس میں بحث کا چنداں فائدہ نہیں اور شاید عدول کیا ہے۔ وفی آخرھا ساعۃ کہنے سے۔

"من دعا اللّٰہ فیھا استجیب لہ" اس میں اشارہ ہے اس گھڑی سے پہلے کی دو گھڑیوں کی محافظت کی طرف اس سے قرب کی وجہ سے واللہ اعلم۔

(رواہ احمد) یعنی علی بن ابی طلحہ کی روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے اور علی بن ابی طلحہ کا سماع حضرت ابو ہریرہؓ سے نہیں ہے اور اس کے رواۃ سے صحیح میں احتجاج کیا گیا ہے جسے میرکؒ نے منذری سے نقل کیا ہے۔

جمعہ کے دن درود پڑھنے کے فضائل

۱۳۶۶: وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْثِرُوا الصَّلَاۃَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَاِنَّہٗ مَشْھُوْدٌ یَشْھَدُہُ الْمَلَائِکَۃُ وَاِنَّ اَحَدًا لَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلَاتُہٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْھَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

أخرجہ ابن ماجہ فی السنن ۱/ ۵۲٤ حدیث رقم ۱٦۳۷۔

ترجمہ: حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ شفیع کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھ پر جمعہ کے دن زیادہ درود بھیجو کیونکہ یوم جمعہ مشہود ہے اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ فارغ ہو جائے۔ حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، کیا وفات کے بعد بھی؟ (یعنی وفات کے بعد بھی پیش کیا جاتا ہے) تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے نبی (قبر مبارک میں) زندہ ہیں رزق دیئے جاتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

تشریح: "مشھود تشھدہ" تشھد، یا اور تا کے ساتھ یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کی تائید کرتی ہے۔ کہ بے شک مشھود وہ جمعہ ہے جیسے حدیث سابق تائید کرتی ہے حضرت علیؓ کی تفسیر کی بے شک شاھد وہ جمعہ ہے اور یہی صحیح ترین ہے جو حضور ﷺ کی تفسیر کے تمام الفاظ کے موافق ہے اور اس مقام پر مشھود کا اطلاق دوسرے اختیار سے اس کے منافی نہیں ہے۔ فتدبر۔ باوجودیکہ اجتماع فانہ کی ضمی اس حدیث میں ہے۔ اکثار صلاۃ کی طرف راجع ہو جو اکثرا سے سمجھ میں آ رہا ہے اور اس کی تائید کر رہا ہے۔ اسلوب کلام۔

"وان احد الم یصل علی" اطلاق اور تقیید دونوں کا احتمال ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''الا عرضت علی'' یا تو یہ عرض مکاشفے کے ذریعے ہوتا ہے یا فرشتوں کے واسطے سے۔

''صلاته'' یعنی اگر چہ ابتداء کے بعد مدت زیادہ ہو جائے۔

''حتی یفرغ منها ای من الصلاۃ یعنی سارے درود مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں۔

''قال'' یعنی (قال کے قائل) حضرت ابوالدرداءؓ نے اس گمان سے کہا کہ یہ حیات ظاہرہ کے ساتھ مختص ہے۔

(قلت وبعد الموت) ای ایضًا اور استفہام مقدر ہے اور استبعاد پر محمول کرنا حسن اعتقاد کے خلاف ہونے کی وجہ بعید ہے یا مراد ہے موت کے بعد اس بارے میں کیا حکم ہوگا۔

(ان تأکل اجساد الانبیاء) ای جمیع اجزائهم۔ لہٰذا دونوں حالتوں میں کوئی فرق نہیں۔ اسی وجہ سے یہ قول ہے اولیاء اللہ مرتے نہیں ہیں بلکہ ایک گھر (دنیا) سے دوسرے گھر (آخرت) کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف بے شک عرض روح اور جسم کے مجموعے پر ہوان کے (انبیاء علیہم السلام) غیر کے خلاف اور جوان کے معنی میں ہیں۔ شہداء اولیاء میں سے بے شک امور کا عرض اور استیاء کی معرفت جزا ئیں نیت ان کو ارواح مع الاجساد سے ہوتی ہے۔

''فنبی اللہ'' جنس کا احتمال بھی رکھتا ہے۔ اور کسی فرد کامل کے ساتھ اختصاص کا احتمال بھی ہے۔ اور ظاہر ہے وہ پہلا قول ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جیسے مسلم کی حدیث میں ہے اور حدیث صحیح ہے۔ الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون۔ بیہقی فرماتے ہیں اور ان کا اترنا مختلف اوقات میں متعدد جگہوں میں عقلاً ممکن ہے کما ورد به خبر الصادق''۔

''حیٌّ ای دائمًا۔ (یرزق) معنوی رزق سے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی امت کے شہداء کے حق میں فرمایا۔ بل احیاء عند ربهم یرزقون۔ پس کیا حال ہوگا ان کے سردار اور بلکہ ان کے رئیس و بڑے کا اس لئے کہ حضور ﷺ کو بھی شہادت کا مرتبہ حاصل ہے۔ مزید سعادت کے ساتھ زہر آلود بکری کے کھانے کی وجہ سے اور اس کے پوشیدہ زہر کے لوٹنے کی وجہ سے بھی دوبارہ اثر کرنے کی وجہ سے اور جزا ئیں نیست اللہ نے ان کو شہادت حقیقیہ سے بچایا۔ صورۃً بشاعت کی وجہ سے اور اپنی کامل قدرت کو ظاہر کرنے کیلئے ایک آدمی کی حفاظت کے ساتھ مخلوق میں سے شریر دشمنوں کے درمیان اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ وہاں پر حسی طور پر بھی رزق موجود ہو اور وہی ظاہرُ اتبادر ہے۔

اور صحیح طور سے ثابت ہے بے شک شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹوں میں جنت کے پھلوں سے کھاتے ہیں۔

رواه الترمذی عن کعب مالك وفی روایةٍ ارواح الشهداء فی اجواف طیر خضر تسرح فی الجنة حیث شاء ت وتأکل من ثمرها ثم تأوی الی قنادیل من تحت العرش۔ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹوں میں جنت کے اندر جہاں چاہتے ہیں گھومتی ہے۔ اور اس کے پھلوں کو کھاتی ہیں۔ پھر اللہ عرش کے نیچے قندیلوں کی طرف ٹھہر جاتے ہیں۔ پھر یہ جملہ احتمال رکھتا ہے۔ نبی ﷺ کا مقولہ ہو بطور نتیجۂ کلام کے۔ اور یہ بھی احتمال رکھتا ہے راوی کا قول ہے حضور ﷺ کے کلام سے استفادت کے طور پر یا ان کے ارشاد پر تفریع کے طور پر۔

(رواہ ابن ماجہ) ای بسناد جید نقله میرك عن المنذریؒ وله طرق کثیرة بالفاظٍ مختلفةٍ''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمعہ کو مرنے والا فتنہ قبر سے محفوظ رہتا ہے

۱۳۶۷: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ اِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ رواه احمد والترمذی وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ۔

أخرجه الترمذی فی السنن ۳۸۶/۳ حديث رقم ۱۰۷٤۔ وأحمد فی المسند ۱۶۹/۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدنی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان بھی جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں فوت ہو اللہ تعالیٰ اس کو فتنہ قبر (یعنی عذاب قبر سے) سے محفوظ فرماتے ہیں۔ یہ ترمذی اور مسند احمد کی روایت ہے۔

اسنادی حیثیت: امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اس کی سند متصل نہیں ہے۔

تشریح: "قال رسول اللّٰه ﷺ ما من مسلم) من کی زیادتی عموم کے افادے کیلئے ہے تاکہ فاسق کو بھی شامل ہو گا مریوں کہا جائے تنوین تعظیم کیلئے ہے۔ (پس مسلم کامل کو شامل ہے)

"یموت یوم الجمعة او لیلة الجمعة" اور ظاہر ہے اور نوع بیان کرنے کیلئے ہے شک کیلئے نہیں ہے۔

"الا وقاہ اللّٰه ای حفظه فتنة القبر۔ یعنی اس کے عذاب اور سوال سے۔ اور یہ (جملہ) اطلاق اور تقیید دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ اور اول (اطلاق) ہی بہتر ہے مولیٰ کے فضل کی طرف دیکھتے ہوئے اور یہ (حدیث) دلالت کرتی ہے کہ شرف زمان کو بڑی تاثیر حاصل ہے۔ جیسے فضیلت مکان کو اثر جسیم حاصل ہے۔

(رواہ احمد والترمذی وقال هذا حديث غريب وليس اسناد بمتصل) میں کہتا ہوں۔ اس (روایت) کو سیوطیؒ نے باب من لا یسئل فی القبر میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے اس کی تخریج احمدؒ اور امام ترمذی نے کی ہے۔ اور اسے حسن درجے کی روایت قرار دیا ہے۔ اور ابن ابی الدنیا نے ابن عمروؓ سے پھر کہا اور اس کی تخریج ابن وھب نے اپنی جامع میں کی ہے۔ اور بیہقیؒ نے بھی ایک تیسرے طریق سے موقوفاً فی الفتان کے الفاظ کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے۔

قرطبیؒ فرماتے ہیں یہ احادیث جو قبر کے سوال کی نفی پر دلالت کرتیں ہیں گزشتہ سوال والی احادیث کے معارض نہیں ہیں۔ یعنی ان احادیث کے معارض نہیں بلکہ ان کو خاص کر دیتیں ہیں۔ اور بیان کر دیتیں ہیں۔ اس آدمی کے بارے میں جو قبر میں سوال نہ کیا جائے گا اور نہ ہی اس میں آزمائش میں ڈالا جائے گا۔ ان میں سے جن پر سوال جاری ہوگا۔ اور ان ہولناکیوں کو برداشت کریں گے۔ اور یہ ساری باتیں ان میں قیاس کو دخل نہیں اور نہ ہی غور و فکر کیلئے ان میں وسعت ہے۔ جز ایں نیست اس میں تو ماننا اور انقیاد ہے۔ صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی وجہ سے حکیم ترمذیؒ فرماتے ہیں جو آدمی جمعے والے دن مر گیا اس کے اور اللہ کے درمیان جو پردہ ہوتا ہے کھل جاتا ہے۔ اس لئے کہ جمعے والے دن جہنم نہیں بھڑکائی جاتی اور اس کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور آگ پر مقرر فرشتہ اس میں وہ کام نہیں کرتا جو وہ بقیہ ایام میں کرتا ہے۔ جب اللہ رب العزت اپنے بندوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سے کسی بندے کی روح قبض کریں اور یہ قبض جمعے والے دن ہو جائے تو یہ اس کی سعادت اور اس کے خاتمہ بالخیر کی دلیل ہے۔ اور اللہ رب العزت نہیں قبض کرتے اس دن میں مگر اس آدمی کی روح جو اللہ کے ہاں سعادت مندوں میں سے ہو۔ اسی وجہ سے اسے قبر کے فتنہ سے بچاتے ہیں اس لئے کہ عذاب قبر سے بچانے کا سبب منافق اور مومن کے درمیان تمیز ہے۔ میں کہتا ہوں اسی کے تمتہ میں سے ہے کہ جو آدمی جمعے والے دن وفات پا جائے اس کیلئے شہید کا اجر ہے۔ لہٰذا شھداء سے سوال نہ ہونے کے قاعدے کے مطابق ہوگا۔

جیسے ابونعیمؒ سے حلیہ میں حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے حضرت جابر روایت کرتے ہیں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جو جمعے والے دن اور یا اس کی رات میں وفات پا جائے عذاب قبر سے بچالیا جائے گا۔ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس پر شھداء کی مہر ہوگی۔ حمید نے اپنی ترغیب میں ایاس بن بکیرؓ سے تخریج کی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا **من مات یوم الجمعة کتب له اجر شهید ووقی فتنة القبر** ۔ جو جمعے والے دن وفات پا جائے اس کے لئے شہید جیسا اجر لکھا جاتا ہے اور فتنہ قبر سے بچالیا جاتا ہے۔ اور ابن جریر عن عطاء کے طریق سے تخریج کی ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کوئی مسلمان عورت یا مرد جمعے والے دن یا جمعے والی رات وفات پا جائے اسے فتنہ قبر اور عذاب قبر سے بچایا جاتا ہے اور وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس پر حساب نہیں ہوگا۔ اور قیامت والے دن اس حال میں حاضر ہوگا کہ اس کے ساتھ گواہ ہوں گے جو اس کے حق میں گواہی دیں گے یا مہر ہوگی۔ اور یہ حدیث لطیف ہے اس میں فتنہ قبر اور عذاب قبر دونوں کی تصریح کی گئی ہے۔ اھ۔ کلام السیوطی رحمۃ اللہ۔

جمعہ وعرفہ مسلمانوں کی عیدین ہیں

۱۳۶۸: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَرَاَ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الْآيَة وَعِنْدَهٗ يَهُوْدِيٌّ قَالَ لَوْ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ عَلَيْنَا لَاتَّخَذْنَاهَا عِيْدًا فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنَّهَا نَزَلَتْ فِيْ يَوْمِ عِيْدَيْنِ فِيْ يَوْمِ جُمُعَةٍ وَيَوْمِ عَرَفَةَ۔ (رواہ الترمذی وَقَالَ ھٰذ حدیث حَسَنٌ غَرِیْبٌ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۷۰/۸۔ حدیث رقم ۴۶۰/۶۔ والترمذی فی السنن ۲۳۳/۵ حدیث رقم ۳۰۴۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ یہ آیت پڑھی ﴿الیوم اکملت لکم دینکم﴾ (یعنی آج کے دن ہم نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا) تو آپؓ کے پاس ایک یہودی بیٹھا تھا اس نے کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو اپنی عید کا دن بنا لیتے، تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ آیت دو عیدوں کے دن میں نازل ہوئی یعنی یوم عرفہ اور یوم جمعہ میں۔ یہ ترمذیؒ کی روایت ہے اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: ''**الیوم اکملت لکم دینکم الآیة**'' **قال الطیبیؒ ای کفیتکم شر عدوّکم وجعلت لکم الید العلیا** جیسے کوئی بادشاہ کہے: **الیوم اکمل لنا الملك**۔ جب وہ لوگ ملک میں جھگڑا کرنے والے سے نجات پالیں اور اپنے اغراض ومقاصد تک پہنچ جائیں یا مطلب ہے۔ **اکملت لکم ما تحتاجون الیه فی تکلیفکم من تعلیم الحلال**

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والحرام وقوانين القياس واصول الاجتهاداه۔
دوسرا آیت کے اول حصے کیلئے ظاہر ہے اور پہلا زیادہ مقام کے مناسب ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے قول واتممت عليكم نعمتي میں باقی ہے۔ پس مطلب ہے میں نے تم پر تمہارے دین کے ارکان کامل کر دیئے اور تم پر تمہارے دنیاوی امور بھی مکمل کر دیتے۔ جو تمہاری اخروی نعمتوں کو شامل ہیں اور تمہیں تمہارے مولیٰ کی رضا تک پہنچانے والے ہیں۔
"ورضيت لكم الاسلام ديناً" اى اخترت ان يكون الاسلام وهو الانقياد التام دينا لكم۔ اس لئے کہ کامل دین اللہ کے ہاں اسلام ہے جس پر کامل انعامات کا ترتب ہوگا۔
(وعنده) وعند ابن عباسؓ۔
(يهودى) اى حاضر۔
(فقال) اى اليهودى۔
(لو نزلت هذه الآية علينا لا تخذناها) اى جعلنا يوم نزولها۔
(فى يوم الجمعة ويوم عرفة) جار کے اعادے کے ساتھ ماقبل سے بدل واقع ہو رہا ہے۔ مطلب یہ ہے ہم اسے خود کیا عید بناتے اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل واحسان کرتے ہوئے ہمارے ایسے دو دنوں میں اس آیت کو نازل فرمایا ہے۔ جو ہمارے لئے عید ہیں یا مطلب یہ ہے ہمارے لئے اس آیت کے نزول کی وجہ سے خوشی دو چند ہوگی کیونکہ ہم اس وقت کی بھی تعظیم کرتے ہیں جس میں یہ نازل ہوئی۔ اگر چہ اس آیت کے نزول کا وقت دو دنوں پر مشتمل ہے۔ یہ نبی ﷺ پر عرفہ میں اتری جو جمعے والا دن تھا۔ اسی وجہ سے اسے حج اکبر کہا جاتا ہے۔ جو عام طور پر مشہور ہے۔ پھر حضرت ابن عباسؓ کا جمعہ کو عرفہ پر ذکر میں مقدم کرنا یا تو اس وجہ سے ہے کہ جمعہ عرفہ سے افضل ہے یا اس وجہ سے کہ عرفہ والا دن عبادت والا دن ہے۔ عرفہ کی عبادت حرمین کے ساتھ خاص ہے۔ اور جمعہ والا دن مسلمانوں کیلئے عام ہے۔
قال الطیبیؒ ابن عباسؓ کا یہودی کو جواب سوال کے جواب میں زیادتی کی طرف مشیر ہے۔ یعنی ما اتخذناه عيدًا واحدًا بل عيدين اور یوم کا تکرار ہر دن کو اس کے رکھے ہوئے نام کے ساتھ استقلال کی پختگی کے لئے ہے۔ اور یوم کی اضافت عیدین اور یوم تکرار ہر دن کو اس کے رکھے ہوئے نام کے ساتھ استقلال کی پختگی کیلئے ہے۔ اور یوم کی اضافت عیدین کی طرف ایسے ہی ہے جیسے یوم کی اضافت جمعے کی طرف ہے۔ اى يوم الفرح المجموع والمعنى يوم الفرح الذى يعودون مرة بعد اخرىٰ فيه الى السرور قال الراغب العيد ما يحاود مرة بعد اخرىٰ۔ اور شریعت میں یوم الفطر اور یوم النحر کے ساتھ خاص ہے۔ اور جب یہ دن شریعت کے اندر خوشی کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔ جیسے جس کی طرف نبی ﷺ نے اپنے قول: ايام منى ايام اكل وشرب وبعالٍ کے ساتھ تنبیہ کی ہے پھر یہ لفظ عید ہر اس دن کیلئے استعمال ہونے لگا جس میں مسرت وخوشی ہو۔
واخرج ايضًا من طريق جعفر بن عون حدثنا ابو العميس اخبرنا قيس بن مسلم عن طارق بن شهاب عن عمر بن الخطاب یہود میں سے ایک آدمی نے حضرت عمرؓ سے کہا اے امیر المؤمنین آپ کی کتاب میں ایک آیت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جسے آپ لوگ پڑھتے ہو اگر ہم یہودی کی جماعت پر اترتی ہم اس کو عید قرار دے دیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کونسی آیت ہے اس یہودی نے کہا (الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینًا) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہم اس دن کو پہچانتے ہیں۔ اور اس جگہ کو بھی پہچانتے ہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتریا اور وہ یہ ہے عرفہ میں کھڑے تھے جمعہ والے دن وفی روایة الطبرانی فی تفسیرہ من روایة اسحاق بن قبیصة نزلت یوم جمعة یوم عرفة و کلاهما بحمد لله لنا عید۔

وعند الطبرانی فی الاوسط وهما لنا عیدان، والرجل المبهم المذکور فی الروایة الثانیة بلخاری هو کعب الاحبار کذا جاء مسمی فی مسند مسدد با سناد حسن۔

اورده ابن عساکر فی اول تاریخ دمشق من طریقه وهو فی المعجم الاوسط للطبرانی من هذا الوجه۔ وکان بسؤاله لعمر قبل ان یسلم ولعل سواله کان فی جماعة منهم ولذا قال فی الروایة الاولی قالت الیهود والله اعلم۔

۱۳۶۹: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ رَجَبٌ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ رَجَبٍ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ قَالَ وَکَانَ یَقُوْلُ لَیْلَةَ الْجُمُعَةِ لَیْلَةٌ اَغَرُّ وَیَوْمُ الْجُمُعَةِ یَوْمٌ اَزْهَرُ۔

(رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْکَبِیْرِ)

أخرجه البیهقی فی شعب الایمان ۳/۳۷۵ حدیث رقم ۳۸۱۵۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب رجب کے مہینے میں داخل ہوتے (یعنی رجب کا مہینہ شروع ہوتا) تو فرماتے اے اللہ ہمارے لیے برکت ڈال دے رجب اور شعبان میں، اور ہمیں رمضان تک پہنچا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرماتے تھے کہ جمعہ کی رات روشن رات ہے اور جمعہ کا دن چمکتا دن ہے۔ (بیہقی)

تشریح: (قال: اللهم بارك لنا) ای فی طاعتنا وعبادتنا۔

(فی رجب وشعبان وبلغنا رمضان) ای ادراکه بتمامه والتوفیق لصیامه وقیامه

(قال) ای انس۔

وکان یقول ﷺ لیلة الجمعة لیلة اغرّ: طیبیؒ نے فرمایا ای انور من الغرة اھ۔ اس کی رات کو اس کے دن کی جگہ اتارا گیا ہے اور اس کی اغر صفت ذکر کی گئی ہے۔ مشاکلت کے طریقے پر۔ یا (اغتر کو) مذکر اس اعتبار سے ذکر کیا ہے کہ لیلة لیل کے معنی میں ہے۔ تا وحدت جنس کیلئے ہے نہ کہ تانیث کیلئے۔

"یوم الجمعة یوم ازهر" قال الطیبیؒ الازهر الابیض ومن الکفروا الصلاة علی فی اللیلة القرآ والیوم الازهر ای لیلة الجمعة ویومها۔ اھ۔

اور نورانیت ان دونوں میں معنوی یا تو ان دونوں کی ذاتی ہے۔ پھر تو نسبت حقیقی ہے۔ یا جمعہ روز اس کی رات میں عبادت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی وجہ سے تو پھر نسبت مجازی ہے۔

بَابُ وُجُوْبِهَا

جمعہ کے واجب ہونے کا بیان

شرح السنہ میں ہے جمعۃ المبارک فرض عین چیزوں میں سے ہے عند اکثر اہل العلم اور کچھ اہل علم کے نزدیک فرض کفایہ چیزوں میں سے ہے نقلہ الطیبیؒ علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں جمعہ کتاب اللہ اور سنت اور اجماع کی بنیاد پر فریضہ محکمہ ہے۔ اور ہمارے اصحاب نے تصریح کی ہے۔ جمعہ نماز ظہر سے زیادہ موکد ہے اور اس کے منکر کے کفر کی بھی تصریح کی ہے۔ کتاب الرحمۃ میں اختلاف الامۃ کے تحت ہے۔ علماء اس بات پر متفق ہیں کہ جمعہ فرض عین ہے اور ان کی تغلیط کی ہے۔ جو فرض کفایۃ ہونے کے قائل ہیں۔

الفصل الاوّل:

ترکِ جمعہ پر مہر جباریت کا لگنا

۱۳۷۰: عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهُمَا قَالَا سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَلٰى اَعْوَادِ مِنْبَرِهٖ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ اَوْلَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٢/٥٩١ حديث رقم (٤- ٨٦٥)۔ والنسائي في السنن ٣/٨٨ حديث رقم ١٣٧٠۔ وابن ماجه ١/٢٦٠ حديث رقم ٧٩٤ والدارمي في السنن ١/٤٤٤ حديث رقم ١٥٧٠۔ وأحمد في المسند ٢/٨٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہؓ دونوں سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اپنے منبر کی لکڑی پر (یعنی منبر پر بیٹھ کر) فرما رہے تھے لوگ جمعہ چھوڑنے سے ضرور باز آجائیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دیں گے پھر وہ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔

تشریح: "سمعنا رسول اللہ ﷺ یقول علی اعواد منبرہ) ای درجاتہ او متکئًا علی اعواد منبرہ فی المدینۃ" (یعنی منبر کے درجوں پر تھے یا منبر کی لکڑیوں کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے)۔ اور اس جملے کو کمال نصیحت پر دلالت کی وجہ سے ذکر کیا اور اس حدیث کے مشہور ہونے کی طرف اشارے کیلئے ذکر کیا۔

(لینتھین اقوام) لام اس میں ابتدائیہ ہے اور وہ جواب قسم ہے اور اس کے بارے میں تفصیلی بحث باب المفاخرہ میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ودعھم) واؤ کے فتحہ اور دال کے سکون کے ساتھ اور پہلے یہ گزر چکا کہ اس جیسے کلمے کو مابعد کے ساتھ ملانے میں تین صورتیں ہیں۔

(الجمعات) ای عن ترکھم ایاھا والتخلف عنھا ودع یدع ودعًا بمعنی ترک سے ہے کذا فی النہایہ طیبیؒ فرماتے ہیں نحاۃ کا قول ہے۔ اہل عرب نے یدع کے مصدر اور ماضی کو گویا مار دیا ہے اور اس سے بے نیاز ہو گئے ترک کی وجہ سے۔ اور نبی ﷺ افصح العرب ہیں لہٰذا کے قول کو قلت استعمال پر محمول کیا جائے گا۔ یہ استعمال میں شاذ ہے لیکن قیاس قاعدے میں درست ہے۔

اور ایک قراءۃ شاذہ میں ما ودعك ربك دال کی تخفیف کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور صوفیوں پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے کہا ہے یدع میں واؤ کا حذف دلالت کرتا ہے۔ اس بات پر کہ محذوف واؤ ہے۔ یا نہیں اس لئے کہ اگر یا ہوتا تو حذف نہ ہوتا گویا کہ انہوں نے قراۃ وحدیث کی معرفت میں غور نہیں کیا۔

اس لئے ہمارے ائمہ میں سے تورپشتیؒ فرماتے ہیں نحاۃ کے قول کا اعتبار نہیں نبی ﷺ کا قول وہ دلیل فیصل ہے۔ ہر فصاحت والے پر۔

(او لیختمن اللّٰہ علی قلوبھم) ای لیمنعنھم لطفہ وفضلہ۔ یعنی ان سے اپنے فضل ولطف کو روک لے گا اور ختم طبع ہے۔ اور وہ ران رین ہے۔ (یعنی رنگ جس کا ذکر کلا بل ران علی قلوبھم میں ہے)۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں متکلمین نے اس میں بہت اختلاف کیا ہے ایک قول ہے اس ختم وطبع سے مراد الطاف ربانی اور اسباب خیر کا نہ ہونا ہے۔ اور ایک قول ہے اس سے مراد ان کے سینوں میں کفر کی تخلیق ہے اور یہی اکثر اہل سنت کے متکلمین کا قول ہے۔ نقلہ المیرك عن التصبحؒ

(ثم لیکونن من الغافلین) ای معدودین فی جملتھم طیبیؒ فرماتے ہیں ثم تراخی رتبہ کیلئے ہے۔ ان کا غافلین کے مجموعے میں سے ہونا جوان کی غفلت کو بتلاتا ہے زیادہ رائی ہے ان کی بدبختی کیلئے اور زیادہ ناطق ہے۔ ان کے خسارے کے بارے میں ان کے مطلق مہر زدہ ہونے کے مقابلے میں ہے۔

قاضیؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے دونوں باتوں میں سے ایک ابدی ہے۔ یا تو جماعت چھوڑنے سے رک جائیں۔ یا اللہ ان کے دلوں کو مہر زدہ کر دیں گے جمعہ چھوڑنے کی عادت بنانا دل پر زنگ کو غالب کرتا ہے اور اطاعت کے بارے میں نفوس میں اعراض پیدا کرتا ہے۔ اور یہ مؤدی ہوتا ہے اس بات کی طرف کہ وہ غافلین میں سے ہو جاتے۔

(رواہ مسلمؒ) وابن ماجۃ وغیرھما قالہ میرکؒ۔

الفصل الثانی:

۱۳۷۱: عَنْ اَبِی الْجَعْدِ الضَّمْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَکَ ثَلَاثَ جُمَعٍ تَھَاوُنًا بِھَا طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قَلْبِہٖ (رواہ ابوداود والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أخرجه أبوداوٗد في السنن ١/ ٦٣٨ حديث رقم ١٠٥٢۔ والترمذي في السنن ٢/ ٣٧٣۔ حديث رقم ٥٠٠۔ والنسائي ٣/ ٨٨ حديث رقم ١٣٦٩۔ وابن ماجه ٢/ ٣٥٧ حديث رقم ١١٢٥۔ والدارمي في السنن ١/ ٤٤٤ حديث رقم ١٥٧١ وأحمد في المسند ٣/ ٤٢٤۔

ترجمہ: حضرت ابو جعد ابن ضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرتاج انبیاء کرام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص محض سستی کی وجہ سے تین جمعہ کو چھوڑ دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔ یہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

ابو الجعد۔ یہ ابو جعد ضمیری ہیں۔ ان کے نام کے بارے میں کئی اقوال ہیں: ① وہب۔ ② اُدرع ③ عمرو بن بکر ④ جنادہ ⑤ عمرو بن الجابر۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے بخاری رحمہ اللہ سے ان کا نام پوچھا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ یہی ان کا نام ہے اور یہی ان کی کنیت ہے ابو جعد کا شمار صحابہ میں ہوتا ہے ان کا نام وہب ہے ان سے روایت حدیث عبیدہ بن سفیان نے کی ہے۔ ان سے صرف ایک حدیث مروی ہے۔ جنگ جمل کے دن قتل کر دیئے گئے۔ عبیدہ عین کے زبر اور باء کے زیر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

ضمیری کے ضبط کے بارے میں اختلاف ہے: ① ضمیری' صاد معجمہ کے ضمہ اور میم کے فتح کے ساتھ۔ ② ضمری ضاد معجمہ کے فتحہ اور میم کے سکون کے ساتھ۔ بنو ضمرہ بن بکر بن عبد مناف کی طرف منسوب ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ رمرو بن امیہ ضمری کی طرف منسوب ہے۔

تشریح: ''عن ابی الجعد الضمیری'' ضاد کے ضمہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ اسی طرح سارے نسخوں کے اندر ہے۔ میرکؒ نے اپنے نسخے کے حاشیے میں لکھا ہے۔ صوابہ الضمری پھر اس کے نیچے لکھا ہے من بنی ضمرۃ بن بکر بن عبد مناف اور یہی معتمد کتب کے موافق ہے۔ جامع الاصول میں ضاد کے فتحہ اور میم کے سکون کے ساتھ ضمرۃ بن بکر بن عبد مناف کی طرف منسوب ہے۔ اس طرح منقول ہے مغنی ابن قدامہ میں اور اسی طرح منضبط کیا ہے الانساب کے اندر اور کہا ہے منسوب الی ضمرۃ رھط عمرو بن امیۃ الضمری اھ۔

ان کے نام کے بارے میں ایک قول ہے کہ ان کا نام ادرع ہے۔ اور ایک قول میں عمرو بن بکر اور جنادۃ بھی ذکر کیا ہے اور عمرو بن ابی بکر بھی منقول ہے۔ اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں میں امام بخاریؒ سے ابی الجعد کے نام کے بارے میں دریافت کیا وہ نہیں جانتے تھے اور وہ صحابیؓ تھے اور ان کیلئے حدیث ہے۔ یوم الجمل والے دن شہید ہوئے۔ نقلہ میرک مؤلف کہتے ہیں ان کا نام کنیت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام وھب ہے۔

قال: قال رسول اللہ ﷺ من ترک ثلاث جمع ''لفظ جمع جیم کے ضمہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ جمعۃ کی جمع ہے۔

''تھاونًا بھا'' قال الطیبیؒ ای اھانۃً وقال ابن الملک ای تساھلاً عن التقصیر لاعن عذرٍ۔

(طبع اللہ) ای ختم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(علی قلبه) (اس کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں) خیر کے پہنچنے کو روک کر اور ایک قول ہے اس کو منافق لکھ دیتے ہیں۔
"رواه ابوبکر والترمذی" میرک کہتے ہیں امام ترمذیؒ نے اسے حسن درجے کی روایت قرار دیا ہے۔
(والنسائی ابن ماجة والدارمی) یہ روایت مختلف طرق سے منقول ہے اور محدثین نے اسے حسن درجے کی روایت قرار دیا ہے بعض نے صحیح علی شرط مسلم بھی کہا ہے۔ بعض نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔ من ترک الجمعة ثلاثاً من غیر عذرٍ فهو منافق۔

۱۳۷۲: ورواه مالك عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ۔

ترجمہ: اور امام مالکؒ نے اس روایت کو صفوان بن مسلم سے۔

"ورواه مالك عن صفوان بن سليم" سلیم تصغیر کے ساتھ ہے۔

راویٔ حدیث:

صفوان بن سلیم۔ یہ صفوان بن سلیم "زہری" ہیں۔ حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف کے آزاد کردہ ہیں۔ مدینہ کے مشہور اور جلیل القدر تابعین میں سے ہیں۔ انس ابن مالک رضی اللہ عنہ اور کچھ تابعین سے روایت کرتے ہیں۔ اللہ کے صالح اور برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ چالیس (۴۰) سال تک پہلو زمین کو چھوایا تک نہیں۔ لوگ کہتے تھے کہ ان کی پیشانی کثرتِ سجود کی وجہ سے زخمی ہوگئی تھی۔ شاہی عطیات کو قبول نہیں کرتے تھے۔ ان کے مناقب بہت زیادہ ہیں۔ ۱۳۲ھ میں انتقال ہوا ان سے ابن عیینہ روایت کرتے ہیں۔

۱۳۷۳: وَاَحْمَدَ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ۔

ترجمہ: اور امام احمدؒ نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

تشریح: (واحمد) قال میرك باسناد جید

(عن ابی قتادة) میرک فرماتے ہیں اس کے الفاظ یہ ہیں "من ترك الجمعة ثلاث مرات من غیر ضرورة طبع الله علی قلبه)۔
محدثین عظام نے اس روایت کو مختلف طرق اور مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض روایات میں ہے جس نے تین جمعے بغیر عذر کے چھوڑ دیئے اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں اور ایک میں ہے اسے منافقین میں سے لکھ دیتے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے اس نے اسلام کو پس پشت ڈال دیا۔ انتہیٰ۔

نمازِ جمعہ کا کفارہ

۱۳۷۴: وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَلْيَتَصَدَّقْ بِدِيْنَارٍ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِنِصْفِ دِيْنَارٍ۔ (رواه احمد وابوداود وابن ماجة)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۱/۶۳۸ حديث رقم ۱۰۵۳۔ والنسائي ۳/۸۹ حديث رقم ۱۳۷۲۔ وابن ماجه ۱/۳۵۸ حديث رقم ۱۱۲۸۔ وأحمد في المسند ۵/۸۔

ترجمہ: حضرت سمرہ ابن جندبؓ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ خاتم الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بغیر عذر کے نماز جمعہ ترک کردے، تو اسے چاہئے کہ وہ ایک دینار صدقہ دے، اگر ایک دینار نہ پائے تو آدھا دینار دے۔

(مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ''وعن سمرة بن جندب'' (جندب) دال کے ضمہ اور اس کے فتحہ کے ساتھ (دونوں طرح درست ہے) مفاتیح کے اندر ہے۔ امر یہاں ندب کیلئے ہے تا کہ ترک جمعہ کا گناہ زائل ہو جائے۔

(بدينارٍ) الازھار میں ہے دینار صدقہ کرے بطور کفارہ گناہ کے۔

(فان لم يجد) یعنی اگر دینار کامل نہ پائے۔

(فبصف دينار) اى فليتصدق بنصفه''

(رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجۃ) قال میرک والنسائی۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں یہ تصدق گناہ کو بالکل نہیں اٹھاتا کہ یہ حدیث من ترك الجمعة من غير عذر لم يكن لها كفارة دون يوم القيامة کے منافی ہو جائے ہاں اس تصدق سے گناہ میں تخفیف کی امید ہے۔ اور دینار اور نصف دینار کا ذکر کامل مقدار کا بیان ہے۔ لہٰذا درہم اور نصف درہم اور گندم کا صاع یا نصف صاع کے منافی نہیں جو ابوداؤد کی راویت میں مذکور ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں اس کم از کم مقدار کا بیان ہے۔ جس سے لذت حاصل ہو جاتا ہے۔

اذانِ جمعہ سن کر جمعہ کی تیاری واجب ہو جاتی ہے

۱۳۷۵: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجُمُعَةُ عَلٰى مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ۔

(رواه ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۱/۶۴۰ حديث رقم ۱۰۵۶۔ والدارقطني ۲/۶ حديث رقم ۲ من باب الجمعة على من سمع النداء۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خاتم الرسل ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ ہر اُس شخص پر فرض ہے جو اذان سنے۔ (ابوداؤد)

تشریح: ''الجمعة على من سمع النداء'' وهو الاذان اول الوقت۔ یہ اول وقت کی اذان ہے جیسے ہمارے زمانے میں متعارف ہے تا کہ لوگ جمعے کے وقت کو جان جائیں اور اللہ کے ذکر کیٔے سعی کر سکیں۔ اور حاضر ہو سکیں۔ ابن الملک نے ذکر کیا ہے اس اذان کو حضرت عثمانؓ نے زیادہ کیا تھا تا کہ آواز مدینہ کے اطراف تک پہنچ سکے۔ (ملا علی قاریؒ علیہ الرحمۃ الباری فرماتے ہیں) اس حدیث کو ظاہر پر محمول کرنا بہت بعید ہے۔ بہتر یہ ہے یوں مراد بیان کی جائے کہ جمعہ اس شخص پر واجب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جس کے مقام اور شہر کے درمیان آواز پہنچنے کی مقدار فاصلہ ہو (یعنی شہر سے اسے کوئی پکارے تو جہاں وہ ہے وہ سن سکے) هذا ای خذ هذا۔

منیہ کی شرح میں مذکور ہے جمعہ اس شخص پر واجب ہے جو شہر مصر کے اطراف میں ہو اس کے اور شہر کے درمیان فاصلہ نہ ہو بلکہ مکانات ملے ہوئے ہوں۔ مراد یہ ہے اذان اگرچہ نہ سن سکے۔ اور اگر اس کے اور شہر کے درمیان کھیت اور چراگاہوں کے حائل ہونے کی وجہ سے فاصلہ ہو تو اس پر جمعہ واجب نہیں اگرچہ اذان سنتا ہو۔

امام محمدؒ سے منقول ہے اگر اذان کی آواز سنتا ہو تو اس پر جمعہ واجب ہے۔ اھ۔ اور مسافر پر بالاتفاق جمعہ واجب نہیں۔

۱۳۷۶: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ الْجُمُعَةُ عَلٰی مَنْ اٰوَاهُ اللَّیْلُ اِلٰی اَهْلِهٖ۔

(رواه الترمذی وقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ اِسْنَادُهٗ ضَعِیفٌ)

أخرجه الترمذی فی السنن ۳۷٦/۲ حدیث رقم ۵۰۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ صاحب شریعت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نماز جمعہ ہر اس شخص پر فرض ہے کہ جو رات کو اپنے گھر واپس آسکے۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔ اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

تشریح: ''اللیل الی اهله'' نہایہ میں ہے عرب کہتے ہیں اویت الی المنزل و آویت غیری و اویته۔ اور حدیث باب متعدی سے ہے۔ مظہر کہتے ہیں جمعہ اس شخص پر واجب ہے۔ جس کے وطن اور وہ جگہ جس میں جمعہ ادا کیا جاتا ہے اتنا فاصلہ ہو کہ وہاں سے ادائیگی جمعہ کے بعد رات ہونے سے قبل وطن لوٹ آئے۔ یہی قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔ اور حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ اس شخص کے وطن کا خراج اس شہر کے دفتر میں منتقل ہوتا ہو جہاں جمعہ کیلئے جاتا ہے۔ اور اگر اس کے وطن کا دیوان و دفتر شہر کے دیوان و دفتر سے الگ ہے تو پھر اس پر جانا واجب نہیں ذکرہ الطیبی اور معتمد وہ ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے۔

اور علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں جو شہر کے توابع میں سے ہے۔ ان کا حکم جمعہ کے واجب ہونے میں مثل شہر والوں کے ہے۔ پھر توابع مصر میں بھی اختلاف ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اگر کوئی ایسی جگہ ہے جس میں شہر سے اذان سنائی دیتی ہو تو وہ توابع مصر میں داخل ہے۔ ورنہ نہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ ہی سے منقول ہے اس کی مقدار تین فرسخ تک ہے بعض کا قول ہے ایک میل کی بقدر، عند البعض دو میلوں کی بقدر۔ اور ایک قول ہے چھ امیال کی بقدر۔ اور ایک قول یہ بھی ہے اگر کسی آدمی کیلئے ممکن ہو جمعہ میں شریک ہو اور بغیر مشقت و تکلف کے رات اپنے اہل و عیال کے ساتھ گزار سکتا ہو تو اس پر جمعہ واجب ہے ورنہ نہیں۔ اور بدائع الصنائع کے اندر ہے۔ و هذا حسن۔

(رواه الترمذی و قال هذا حدیث اسناده ضعیف)

نمازِ جمعہ کیلئے جماعت شرط ہے

۱۳۷۷: وَعَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ اِلَّا عَلٰى اَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَّمْلُوْكٍ اَوِامْرَأَةٍ اَوْصَبِيٍّ اَوْمَرِيْضٍ ۔

(رواه ابوداود وفي شرح السنة بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي وَائِلٍ)

أخرجه أبوداؤد في السنن ٢/٦٤٤ حديث رقم ١٠٦٧۔ والدارقطني ٢/٣ حديث رقم ٢ من باب من تجب عليه الجمعة۔

ترجمہ: حضرت طارق بن شہابؓ راوی ہیں فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جمعہ حق ہے اور سوائے چار آدمیوں کے ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے (وہ چار آدمی یہ ہیں) غلام جو کسی کی ملکیت میں ہو عورت یا بچہ یا مریض۔ (ابوداؤد)

راویٔ حدیث:

طارق بن شہاب۔ یہ طارق بن شہاب ہیں جن کی کنیت ''ابوعبیداللہ'' ہے ''بجلی وکوفی'' ہیں۔ زمانہ جاہلیت (یعنی اسلام سے پہلے زمانہ) میں موجود تھے۔ آنحضور ﷺ کو بھی دیکھا۔ آپ ﷺ سے سماع حدیث میں بہت کم احادیث سنی ہیں۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ۳۳ غزوات میں شریک ہوئے۔ ۸۲ھ میں وفات پائی۔

تشریح: ''وعن طارق بن شهاب قال: قال رسول اللّٰها الجمعة حق'' ۔

مراد یہ ہے اس کی فرضیت کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

(**واجب**) واجب سے مراد فرض تاکیدی ہے۔

(**على كل مسلمٍ**) اس میں رد ہے اس شخص کا جو اس کے فرض علی الکفایۃ ہونے کا قائل ہے۔

(**في جماعةٍ**) اس لئے کہ جمعہ مخصوص جماعت کے ساتھ ہی درست ہوتا ہے اجماع کی بناء پر۔ پھر اس جماعت کے عدد میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی کم سے کم مقدار ہے۔ کہ امام کے علاوہ تین آدمی ہوں۔ اور یہ بھی شرط نہیں کہ ان میں سے ہوں جنہوں نے خطبہ سنا ہے اور صاحبینؒ فرماتے ہیں امام کے علاوہ دو ہوں۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا مذہب یہ ہے پورے چالیس ہونے ضروری ہیں۔ دار قطنی کی اس روایت کی بناء پر جو انہوں نے اپنی سنن میں ذکر کی ہے۔ عن جابرؓ: **مضت السنة ان في كل اربعين فما فوقه جمعة** اھ۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں حدیث جابرؓ ضعیف حدیث ہے امام بیہقیؒ نے کہا ہے۔ **لا يحتج بمثله**۔

(**الا على اربعةٍ**) طیبی کہتے ہیں الا غیر کے معنی میں ہے اور اس کا مابعد مجرور صفت ہے۔ مسلم کی تقدیر ہوگی۔ **على كل مسلمٍ غير**۔

(**عبد مملوك او امرأة او صبی**) اور ان کے حکم میں مجنون ہے۔

''**او مريض**'' مطلب یہ ہے ایسا مرض لاحق ہو جس کی وجہ سے عادۃً جمعہ میں شریک ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اور اس کے حکم میں داخل ہے مسافر اور مسافر کا صراحتاً ذکر آئندہ حدیث میں آئے گا۔ علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ کمزور قسم کا بوڑھا آدمی مریض کے ساتھ لاحق ہے۔ لہٰذا اس پر بھی جمعہ واجب نہیں اھ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اندھے پر مطلقاً جمعہ واجب نہیں اور صاحبین ؒ کے نزدیک اندھے پر جمعہ واجب ہے اگر اسے لے جانے والا موجود ہو۔ اور لنجے اور جس کے دونوں پاؤں کٹے ہوا س پر جمعہ واجب نہیں اگر چہ ان کو اٹھا کر لے جانے والا موجود ہو۔ اور ایسا تیماردار مریض کی طرح ہے۔ (فی عدم الوجوب)۔ جس کے جانے سے مریض کے ضائع ہو جانے کا خوف ہو۔ علی الاصح۔ کذا فی شرح المنیه اور کچھ نسخوں میں عبد اور اس کا مابعد رفع کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں یہ مبتدأ محذوف کی خبر ہوگی۔ وہ ہے ھم ضمیر اور أو واؤ کے معنی میں ہوگا۔

(رواہ ابو داؤد) ابوداؤدؒ فرماتے ہیں طارق بن شہابؓ نے حضور ﷺ کو دیکھا لیکن ان سے سماع نہیں کیا خطابیؒ کہتے ہیں پس اسناد هذا الحدیث بذالک۔

نوویؒ فرماتے ہیں اس سند کے رجال صحیحین کے رجال ہیں۔ اور جو ابوداؤد نے ذکر کیا وہ اس سند کی صحت میں عیب و جرح کا باعث نہیں اگر چہ ان کا سماع ثابت نہیں تو یہ مرسل صحابی ہے جو بالاتفاق حجت ہے۔ ذکرہ میرکؒ۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں یہ ان کی حجت اور نہ ہی حدیث میں عیب ہے۔ بلکہ بیان واقع ہے امام بیہقیؒ نے بخاری کے طریق سے نقل کیا ہے۔ **عن تمیم الداریؓ مرفوعًا الجمعه واجبة الاعلی بها او مملوك او مسافر ورواه الطبرانی عن الحکم بن عرویه وزادفیه المرأة والمریض۔**

(من بنی وائلٍ) یہ شرح السنہ کے الفاظ ہیں اسی طرح محمد بن کعب سے ہے انہوں نے بنی وائل کے ایک آدمی سے سنا۔ **یقول قال النبیﷺ تجب الجمعة علی کل مسلم الا امرأة اوجی او مملوك**۔ اور ان سے نقل کیا ہے طارق بن شہابؓ نے نبی ﷺ سے وزاد اور مریض اور طارق بن شہابؓ نے نبی ﷺ کو دیکھا لیکن ان سے سماع نہیں کیا اور مصابیح السنہ میں بھی اور مریض کی زیادتی نہیں ہے۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں یہ روایت سند صحیح کے ساتھ علی شرط الشیخین انہی الفاظ کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے بھی آتی ہے۔ لیکن انہوں نے الاربعۃ کے بعد والے کلام کو ساقط کر دیا۔

(شارح کہتے ہیں) میں کہتا ہوں یہ روایت ابن ہمامؒ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے۔ **الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة الا اربعة مملوك او امرأة اوصبی او مریض**۔ اور کہا ہے امام ابوداؤد نے اس روایت کو طارق بن شہاب سے نقل کیا ہے۔

الفصل الثّالث:

تارکِ جمعہ کیلئے وعید شدید

۱۳۷۸ : عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِقَوْمٍ يَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ رَجُلاً يُصَلِّىْ بِالنَّاسِ ثُمَّ اُحَرِّقُ عَلٰى رِجَالٍ يَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُيُوْتَهُمْ۔

(رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١/٤٥٢ حديث رقم (٢٥٤۔ ٦٥٢)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جمعہ سے پیچھے رہ جانے والوں کے متعلق فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ میں کسی آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز جمعہ پڑھائے اور پھر میں ایسے لوگوں کے گھر جلادوں جو کہ جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ (مسلم)

تشریح: (عن ابن مسعود ان النبی ﷺ قال لقوم) ای فی شأنهم،

ابن حجرؒ نے اعنتھم کہا ہے جو کہ درست نہیں جیسا کہ مخفی نہیں۔

(یتخلفون عن الجمعة) طیبیؒ فرماتے ہیں حدیث کا مطلب باب الجماعات میں گزر چکا۔

(لقد هممت ان آمر رجلا یصلی الناس ثم احرق) احرق نصب کے ساتھ اور ایک نسخہ میں تشدید کے ساتھ بھی ہے۔

(علی رجال یتخلفون) ای بغیر عذرٍ۔

(عن الجمعة) ای عن اتیانها۔

(بیوتهم) باء کے ضمہ کے ساتھ احرق کا مفعول ہے حدیث کا مطلب یہ ہے میں ارادہ کرتا ہوں نماز میں اپنا خلیفہ مقرر کرو۔ پھر اپنے خدام کے ساتھ متخلفین کی طرف جاؤں اور ان کے گھر ان کے جانوں اور مال ومتاع سمیت جلادوں۔ اس میں ایسی وعید ہے جو بیان سے باہر ہے۔

السیر بادشاہ رحمہ اللہ کہتے ہیں اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ حضور ﷺ جمعہ فرض چھوڑ کر کیسے ان متخلفین کے معاملے میں مشغول ہو سکتے تھے۔

میں جواب دیتا ہوں کہ اس کلام سے مقصود تغلیظ ومبالغہ ہے۔ حقیقت مقصود نہیں اور یہ بھی ہے کہ کسی مصلحت کی بناء پر بدل کی طرف چھوڑنا جائز ہو جبکہ حضور ﷺ کے اجتہاد میں یہ بات آجاتی۔ لیکن احراق اس وقت متصور ہے۔ جبکہ ان کا پیچھے رہنا انکار کی وجہ سے ہو اور شاید یہ واقعہ تحریق کے نسخ سے پہلے کا ہے۔

(قلت) میں کہتا ہوں خلیفہ مقرر کرنے میں جمعہ کو شروع سے چھوڑ دینا لازم نہیں آتا۔ اس میں تکرار کا تصور ہے۔ جیسا کہ اب یہ مسئلہ مسائل اختلافیہ میں سے ہے۔

شرح منیہ میں ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ظاہر الروایۃ میں ہے شہر میں جمعہ صرف ایک جگہ ہو سکتا ہے۔ نہ کہ زیادہ میں اور انہی سے امام محمدؒ کے قول کے مطابق بھی منقول ہے جس میں ہے کہ جمعہ شہر میں متعدد جگہوں پر بھی درست ہے۔ اور ایک قول کے مطابق یہی صحیح ترین قول ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے دو جگہوں میں ہو سکتا ہے۔ نہ کہ زیادہ میں۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں صحیح ترین قول یہ کے مطابق جمعہ کے شہر کے اندر دو اور دو سے زیادہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مساجد میں قائم کرنا جائز ہے۔ اور اسی قول کو ہم لیتے ہیں۔ حدیث لا جمعة الا فی مصر کے اطلاق کی وجہ سے جب جمعہ شہر میں ثابت ہو گیا تو سارے شہر میں اس کا ثبوت ہوگا۔ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں یہی صحیح ترین قول ہے۔ اس سے اشکال سرے سے دور ہو گیا۔ پھر صاحب شریعت کی پر حقیقت کا امکان ضروری ہے اگر چہ تغلیظ اور مبالغہ ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ بات ثابت ہو چکی ان کا پیچھے رہنا انکار کی وجہ سے تھا۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جماعت سے چہ جائیکہ جمعہ سے پیچھے رہنے والے صرف ایسے منافق تھے جو ظاہر النفاق تھے اور انکی بدبختی چھپی ہوئی نہ تھی۔ (رواہ مسلم)

بلا عذر نمازِ جمعہ چھوڑنے والا عملی منافق بن جاتا ہے

۱۳۷۹: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَیْرِ ضَرُوْرَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِیْ كِتَابٍ لَا یُمْحٰی وَلَا یُبَدَّلُ وَفِیْ بَعْضِ الرِّوَایَاتِ ثَلَاثًا۔ (رواہ الشافعی)

أخرجه الشافعي في سنده ص ٧٠۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے نماز جمعہ بغیر عذر کے چھوڑ دی وہ ایسی کتاب میں منافق لکھ دیا جاتا ہے جو نہ کبھی مٹائی جائے گی اور نہ کبھی تبدیل ہوگی اور بعض روایات میں تین جمعے چھوڑنے کا ذکر ہے۔ (امام شافعیؒ)

تشریح: (من غیر ضرورةٍ) ضرورۃ سے مراد جیسے خوف ظالم وغیرہ سے بارش برفباری اور کیچڑ وغیرہ اور اس جیسی چیزیں (ان کے بغیر چھوڑا) کذا فی شرح المنیه۔

(کتب منافقًا) شدید قسم کی وعید ہے۔

(فی کتاب لا یمحی) مافیہ۔

(وفی بعض الروایات ثلاثًا) ای قال ومن ترك الجمعة ثلاثا۔ (یہ جملہ تین مرتبہ کہا)۔ رواہ الشافعی۔

بلا عذر جمعہ کی نماز کو چھوڑنے والا اللہ تعالیٰ کی توجہ اور رحمت خاصہ سے محروم ہے

۱۳۸۰: وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَعَلَیْهِ الْجُمُعَةُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ اِلَّا مَرِیْضٌ اَوْ مُسَافِرٌ اَوِ امْرَاَةٌ اَوْ صَبِیٌّ اَوْ مَمْلُوْكٌ فَمَنِ اسْتَغْنٰی بِلَهْوٍ اَوْ تِجَارَةٍ اسْتَغْنَی اللّٰهُ عَنْهُ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ۔ (رواہ الدارقطنی)

أخرجه الدارقطني في السنن ٢/٣ حديث رقم ١ من باب من تجب عليه الجمعة۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ کے دن نماز جمعہ فرض ہے، سوائے مریض، مسافر، اور عورت اور بچے اور مجنون اور غلام کے، جو شخص جمعہ سے لہو ولعب یا تجارت میں مشغول ہو کر بے پرواہی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے بے پروائی کرتے ہیں اس لئے کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور قابل تعریف ہے۔

تشریح: "وعن جابر ان رسول اللهﷺ قال: من كان يومن بالله واليوم الاخر) یہ جملہ ہمارے مذہب کی تائید کرتا ہے کہ کفار فروع کے مخاطب نہیں ہیں۔

(فعليه الجمعة) اى يجب عليه صلاة الجمعة۔ (يوم الجمعة)۔ جمعہ کیلئے ظرف ہے۔

(الا مريض اومسافر) سفر چاہے مباح ہو یا غیر مباح ان کے خلاف جنہوں نے اسے مباح کے ساتھ مقید کیا ہے۔

(اوامرأة او صبى او مجنون او مملوك) طیبیؒ فرماتے ہیں یہ (یعنی امرأۃ وغیرہ) کلام موجب سے استثناء کی وجہ سے مرفوع ہیں۔ منج كان يومن فلا يترك الجمعة الا مريض وما کی تأویل پر، پس یہ یترک کی ضمیر مستکن سے بدل ہے جو من کی طرف راجع ہے۔

تورپشتی فرماتے ہیں اسی طرح رفع کے ساتھ مصابیح السنہ کے اندر ہے۔

میں کہتا ہوں اس کی تقدیر عبارت ہوگی۔ فلا يحرم احد من الغفران الا عبد اور اسی قبیل سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد۔ فشربوا منه الا قليل وما قليل رفع کے ساتھ کشاف میں ہے۔ اى فلم يطيعوه الا قليل اور ابن حجرؒ نے عجیب بات کہی وہ یا تو لغۃً ہے یا تأویل کے ذریعے۔

(فمن استغنى بلهوٍ اوتجارةٍ)اى استغنى بهما عن طاعة الله۔

(استغنى الله عنه) اى فليعلم انه تعالىٰ مستغن عنه وعن عبادته وعن جميع عباده وانما امرهم بالعبادة ليتسرفوا بالطاعة۔

(والله غنى) بذاته (حميد) محمود فى جميع صفاته سوآء حمد اولم يحمد۔ او (ملناه) حامد يثنى على مطيعه بالجميل ويشكره باعطاء الجزيل على العمل القليل۔ اور حدیث میں آیت: واذا راؤو تجارة وأولهوًا انفضوا اليها وتركوك قائمًا قل ما عند الله خير من اللهو ومن التجارة والله خير الرازقين، اور اس میں فقراء ومساکین اور متوکل قسم کے عبادت گزار لوگوں کیلئے تسلی ہے۔ کیونکہ لہب ولہو میں لگنا متنعمین کے احوال میں سے ہے۔ اور تجارت یہ کمائی کرنے والوں کے احوال میں سے ہے۔

(رواه الدار قطنى) وروى الطبرانى من حديث ابى سعيد الخدرى بمعناه۔

یعنی بدن کو اور کپڑوں کو میل کچیل سے پاک کرنا اور اس کے کمال میں سے تیل اور خوشبو لگانا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَابُ التَّنْظِيْفِ وَالتَّبْكِيْرِ

جمعہ کے دن پاکی حاصل کرنے اور جمعہ کیلئے جلدی جانے کا بیان

پاکی حاصل کرنے سے مراد یہ ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرے اور اسی طرح مونچھوں کو کتروائے۔ اور ناخن کاٹے اور زیر ناف اور بغلوں کے بال صاف کرے۔ نئے یا دھلے ہوئے پاک کپڑے پہنے اور خوشبو لگائے۔

تبکیر: اس کا معنی ہے صبح سویرے جانا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ والے دن نماز جمعہ پڑھنے کیلئے اگر کوئی شخص جلدی جامع مسجد میں پہنچ جاتا ہے اور دن کے اول حصہ میں جا کر بیٹھ جاتا ہے تو یہ اس کیلئے بہت بہتر اور باعث ثواب ہے۔ امام غزالی اور بہت سارے سلف وصالحین کا معمول تھا کہ وہ ان برکات کو حاصل کرنے کیلئے صبح سویرے ہی جامع مسجد میں پہنچ جایا کرتے تھے۔

فائدہ: بعض لوگوں نے خاص کر مدینہ والوں نے یہ معمول بنا رکھا ہے کہ وہ جمعہ کے روز دن کے اول حصہ میں مسجد میں جا کر مصلے وغیرہ بچھا دیتے ہیں لیکن خود جا کر وہاں نہیں بیٹھتے بلکہ واپس آ جاتے ہیں اور مصلے اس لئے بچھاتے ہیں تا کہ جگہ قبضہ میں رہے، یہ طریقہ ناجائز ہے اور باعث ثواب نہیں۔ کیونکہ اس سے دوسرے لوگوں کو تکلیف میں مبتلا کرنا ہے اور ان کا حق مارنا ہے، ایسے لوگ آ کر وہاں ہی بیٹھ کر ذکر وفکر کریں، تو مناسب ہے، لیکن اگر مصلے بچھا کر کھانا کھانے یا کسی اور کام کیلئے گھر چلے جائیں، تو یہ نامناسب ہے، ایسے لوگوں کو ایسے فعل سے روکنا چاہئے۔

(والتبكير) في النهاية بكر بالتشديد اتى الصلاة في اول وقتها، وكل من اسرع الى شيء فقد بكر اليه۔ اور جمعہ والی حدیث میں ہے بکر وابتکر۔ ان کے بارے میں ایک قول یہ ہے ان دونوں کا معنی ایک ہے اور تکرار مبالغہ کیلئے ہے اور ایک قول یہ ہے ابتکر کا معنی ہے خطبہ کے اول حصے کو پالیا اور ہر چیز کا اول اس کی باکورت ہے۔

الفصل الاول:

نمازِ جمعہ پورے ہفتہ کے صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہے

۱۳۸۱: عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهٖ اَوْيَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهٖ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَا كُتِبَ لَهٗ ثُمَّ يَنْصِتُ اِذَا تَكَلَّمَ الْاِمَامُ اِلَّا غُفِرَلَهٗ مَابَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى۔

(رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه حديث رقم ۸۸۳۔ والنسائي في السنن ۱۰۴/۳ حديث رقم ۱۴۰۳۔ والدارمي ۴۳۵/۱ حديث رقم ۱۵۴۱۔

ترجمہ: حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور حسب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استطاعت پاکی حاصل کرے، اور اپنے پاس سے تیل لگائے اور اپنے گھر کی خوشبو میں سے خوشبو لگائے اور پھر جمعہ کیلئے نکلے (مسجد میں پہنچ کر) دو آدمیوں کے درمیان حائل نہ ہو اور پھر وہ نماز جو اس کے مقدر میں ہے پڑھ لے، اور پھر خاموش رہے امام کے خطبہ پڑھنے کے دوران، تو اللہ تعالیٰ اس آدمی کے اس جمعہ اور گزشتہ جمعہ کے درمیان کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ (بخاری)

تشریح: ''عن سلمان قال: قال رسول اللّٰه ﷺ لا یغتسل : لا یغتسل، رفع کے ساتھ ہے۔

(رجل یوم الجمعة) ابن حجرؒ فرماتے ہیں اور اس کی مثل ہے عورت بھی جیسے صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے: من اتی الجمعة من الرجال او النسآء فلیغتسل ومن لم یأتها فلیس علیه غسل من الرجال و النسآء۔ اور اس میں یہ بحث ہے کہ عورتوں کا حکم ہمارے زمانے میں بدل چکا ہے اس لئے ان کیلئے جمعہ کیلئے نکلنا پسندیدہ نہیں۔

(ویتطهر) اور ایک صحیح نسخے میں فیتطهر ہے۔ یتنظف کے معنی میں۔

(ماا ستطاع) ای ما قدر۔

(طهرٍ) تنوین تکفیر کہتے ہیں قالہ الطیبیؒ، مظہر کہتے ہیں طهر سے مراد حدیث میں لبوں کتروانا اور ناخن تراشنا اور زیر ناف بال صاف کرنا اور بغلوں کے بال لینا اور کپڑوں کو صاف کرنا ہے۔

(ویدهن) بتشدید الدال ای هندهن۔

(من دُهنه) اول صرف کے ضمہ کے ساتھ۔

(اویمس) ایک قول او کے بارے میں ہے کہ یہ نوع بیان کرنے کیلئے ہے مطلب ہوگا: ان لم یجد الدهن یمس اور ایک قول ہے او شک کیلئے ہے اھ اور زیادہ ظاہر بات یہ ہے اُو واؤ کے معنی میں ہے اس لئے کہ مطلوب ان دونوں کا اجتماع ہے یا منع الخلو مراد ہے۔ والمعنی انه یستعمل۔

(من طیب بیته) طیبیؒ کہتے ہیں طیب کو بیت کے ساتھ مقید کرنا یا تو وسعت پیدا کرنے کیلئے ہے۔ جیسے ابو سعیدؓ کی حدیث میں ہے ''ومن من طیبه ان کان عنده یا استحباب کو ظاہر کرنے کے لئے ہے تاکہ ہر آدمی جان جائے کہ سنت یہ ہے خوشبو اپنے پاس رکھے اور اس کے استعمال کی عادت بنائے۔ اور اپنے گھر کے اندر اس کا ذخیرہ رکھے جمعے والے دن کو خوشبو کے استعمال میں خاص نہ کرے۔

سید جمال الدین فرماتے ہیں لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خوشبو کے استعمال کا اہتمام اس دن کی خصوصیت ہے اور یہ بات تو معلوم ہے خوشبو ہمیشہ مستحب ہے لیکن جمعہ میں حاضری کے وقت اس کی بہت زیادہ تاکید وارد ہوئی ہے۔

لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت جو امام ابوداؤد نے نقل کی ہے: یمس من طیب امرأته۔ یہ حدیث ابو سعیدؓ کی روایت عند مسلم۔ قال ولو من طیب المرأة کے موافق ہے اھ۔

اس میں یہ بحث بھی ہے کہ آدمی کا گھر بولا جاتا ہے اور اس سے اس کی بیوی مراد ہوتی ہے اور اس میں بھی بحث ہے۔ اس لئے کہ روایت: ''ولو من طیب المرأة'' تقاضہ کرتی ہے بیت سے مراد اسکا معنی حقیقی ہے تأمل قاله میرك ہم نے غور وفکر کیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور معاملہ ہم نے اس سے وسیع پایا حضور ﷺ کے ارشاد من طیب بیتہ سے آدمی کا حقیقی گھر مراد ہے اور وہ آدمی عام ہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو۔

اور یہ ارشاد من طیب امرأتہ کے منافی نہیں اس لئے کہ بیوی کی خوشبو عام طور پر آدمی کے پاس ہوتی ہے۔ اور اس پر طیب بیتہ کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ اضافت ادنیٰ ملابست کی وجہ سے درست ہوتی ہے۔ اور جب عورت کی خوشبو آدمی کی خوشبو سے جدا ہوتی ہے متعین ہونے کے ساتھ عورت کیلئے ممیز بھی ہوتی ہے۔ تو حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا آدمی کیلئے مناسب ہے اپنے استعمال کیلئے خوشبو مختص کرے اور جمعہ والے دن خوشبو لگانے کی تاکید اور تنبیہ کی اور یہاں تک کہہ دیا، ولو من طیب المرأۃ یعنی اگرچہ حقیقتاً عورت کی ملک سے خوشبو استعمال کرے کیونکہ میاں بیوی کے درمیان حسنِ معاشرت اس کشادگی کی تو مقتضی ہوتی ہے واللہ اعلم۔

(ثم یخرج) ای ابتغاء لوجہ اللہ تعالیٰ لا لسمعۃٍ وریاءٍ ولا لخوفٍ وحیاءٍ

(فلا یفرق) راء مکسورہ کی تشدید کے ساتھ۔

(بین اثنین) (اثنین سے مراد) جیسے باپ بیٹے کے درمیان یا دو مانوس ساتھیوں کے درمیان یا نہ تفریق کرے ایسے دو آدمیوں کے درمیان جن کے درمیان میں فاصلہ نہ ہو۔ کیونکہ ان کو تکلیف ہوگی۔ طیبیؒ فرماتے ہیں اس سے مراد تبکیر ہے یعنی مراد یہ ہے اس پر لازم ہے صبح سویرے آئے اور لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے اور دو آدمیوں کے درمیان تفریق نہ کرے اور یا عبارۃ ہے الابطاء سے یعنی تاخیر نہ کرے اسے تفریق کرے۔ اس وقت یہ حدیث باب یعنی تنظیف وتبکیر دونوں کے ساتھ مناسب ہو جائے گی۔ اور دونوں پر منطبق ہو جائے گی لیکن یہ بات مخفی نہیں کہ پورے عنوان کا باب کی ہر حدیث میں پایا جانا لازمی نہیں۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں اس سے ظاہری مضمون یعنی طلب عدم التخطی مراد لینا بھی درست ہے۔ اگرچہ جلدی نہ آئے بایں طور کہ مجلس کے اخیر میں بیٹھ جاتے۔ اور لوگوں میں سے کسی کی گردن نہ پھلانگے۔ فصل اول میں آنے والی روایت اس معنی ومقصود میں واضح ہے۔

(ثم یصلی ما کتب لہ) قال ابن حجر ای ما فرض علیہ من الجمعۃ وھو غیر صحیح لقولہ الآتی ثم ینصت ولقولہ لہ، درست یہ ہے جو آئندہ آنے والی حدیث میں ہے۔ ما قدر لہ ای من سنۃ الجمعۃ سنن جمعہ چار ہیں یا اس کے علاوہ قضاء ونوافل وغیرہ اور کم از کم دو رکعت تحیۃ المسجد ہی پڑھ لے اگر امام خطبے میں نہ ہو، اور اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے ان کا قول **(ثم ینصت)** یا کے ضمہ کے ساتھ یقال انصت ینصت انصاتاً اذا سکت سکوت سمعٍ وقد نصت ایضاً وانصتہ اذا السکتہ فھو لازم متعد کذا فی النھایہ۔

ابن حجرؒ کا قول فتحہ کے ساتھ وہم میں مبتلا کرنا ہے کہ یہ روایت ہے یہ نسخہ ہے اور اس طرح سے نہیں۔

(اذا تکلم الامام) ای خطیب، علامہ ابن ہمام کہتے ہیں دوران خطبہ کلام حرام ہے اگرچہ امر بالمعروف یا تسبیح ہی کیوں نہ ہو اور کھانا پینا اور کتابت وغیرہ بھی اور چھینک مارنے والے کا جواب دینا اور سلام کا جواب دینا مکروہ ہے اور چھینکنے والا کیا خود الحمدللہ کہے گا تو صحیح یہ ہے اپنے جی میں کہہ ~~لے اگر پہ تکلم نہ~~ کرے اور منکر کو دیکھ کر آنکھ یا ہاتھ سے اشارہ کر دینا صحیح قول کے مطابق

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مکروہ نہیں اور یہ ساری بحث اس وقت ہے جب یہ قریب ہو جہاں سے (خطبہ) سن رہا ہو۔ اور اگر دور ہو ایسی جگہ جہاں سے (خطبہ) نہ سن رہا ہو تو متاخرین کا اس میں اختلاف ہے محمد بن سلمۃ نے سکوت کو پسند کیا ہے اور نصیر بن یحییٰ قراءۃ کو پسند کرتے ہیں اور امام احمد حنبلؒ فرماتے ہیں جو آدمی (خطبہ) نہ سن رہا ہو اس کے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں اور باقی امام مالکؒ کا قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہے۔

(الا غفر له ما بينه وبين الجمعة الاخرى) ''الاخرى'' سے مراد یا تو گزرا ہوا جمعہ ہے یا آنے والا جمعہ ہے اور پہلا احتمال زیادہ بہتر ہے کیونکہ مغفرت کا گزشتہ سے متعلق زیادہ بہتر ہے۔

کرمانیؒ فرماتے ہیں دونوں احتمال ہی ممکن ہیں عسقلانیؒ کہتے ہیں الاخریٰ سے مراد وہ جمعہ ہے جو گزر چکا ہے جیسا صحیح ابن خزیمہ میں ہے اور اس کے الفاظ ہیں غفر له ما بينه وبين الجمعة التي قبلها۔

میرکؒ فرماتے ہیں میں کہتا ہوں سنن ابی داؤد میں ابوسعیدؓ کی حدیث اور حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث فصل ثانی کے شروع میں اس کے الفاظ میں ''كانت كفارة لما بينها وبين الجمعة التي قبلها'' (یہ عسقلانی کے قول کے مؤید ہیں) لیکن جو سنن ابی داؤد ہی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ان الفاظ کے ساتھ: فهي كفارة الى الجمعة التي تليها وزيادة ثلاثة ايام، کرمانی کے قول کی تائید کرتی ہے تامل اھ۔ پس ہم نے غور و فکر کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول التي تليها میں جو احتمال پائے پس ہم نے اس معنی پر محمول کر دیا جو بطور نصاً آخری دو حدیثوں میں وارد ہوا ہے۔ اور اس پر اشکال ہوتا ہے جو جمعہ بعد میں آنے والا ہے اس میں تو کوئی چیز مکفر نہیں (یعنی جو جمعہ بعد میں آئے گا اس کیلئے یہ جمعہ مکفر کیسے ہوگا۔

اس کا یہ جواب ہے کوئی مکفر جو زمانے یا عمل کے ساتھ مربوط ہو اس میں قاعدہ ہے اگر کوئی چیز (یعنی معصیت) ہو تو یہ کفارہ بن جاتا ہے ورنہ فاعل کی اطاعت کے بقدر رفع درجات کا باعث ہوتا ہے۔

نمازِ جمعہ پڑھنے اور خطبہ سننے کی فضیلت

۱۳۸۲: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اغْتَسَلَ ثُمَّ اَتَى الْجُمُعَةَ فَصَلّٰى مَا قُدِّرَ لَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَعَهٗ غُفِرَلَهٗ مَابَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى وَفَضْلُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فى صحيحه ۲/۵۸۷ حديث رقم (۲۶/۸۵۷)۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے غسل کیا، پھر نماز جمعہ پڑھنے آیا، اور جو نماز اس کے مقدر میں تھی پڑھی، پھر امام کے خطبہ سے فارغ ہونے تک خاموش بیٹھا رہا، پھر امام کے ساتھ نماز پڑھی، تو اس کے اس جمعہ اور پچھلے جمعہ کے درمیان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں بلکہ تین دن زیادہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (مسلم)

تشریح: ''وعن ابی ھریرۃ ...... الجمعة) اس میں ہمارے مذہب کے قول کے صحیح کی طرف اشارہ ہے۔ کہ غسل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز کیلئے ہے نہ کہ دن کیلئے اور اس پر یہ بات متفرع ہوتی ہے اگر کوئی صبح سے پہلے غسل کرے اور اسی کے ساتھ نماز پڑھ لے تو وہ سنت ادا کرنے والا ہوگا اور اگر غسل اور فجر کے بعد غسل کیا پھر محدث ہوگیا اور وضو کیا اور نماز پڑھی یہ سنت ادا کرنے والا نہ ہوگا اسی طرح نماز عید کے غسل کے بارے میں ہے۔ اور اصل ابن حجرؒ میں یوم الجمعۃ کی زیادتی واقع ہے من اغتسل فبنی علیھا کے بعد اور ابن حجرؒ نے کہا ہے اس سے لیا گیا وہ قول جس کے قائل ہمارے ائمہ ہیں اس دن غسل کا وقت اس کی فجر کا وقت داخل ہونے سے شروع ہو جاتا ہے اھ۔

اور یہ معتمد اصول اور تصحیح شدہ نسخہ جات کے مخالف ہے۔

(فصلی ما قدر له) ''قدر'' دال کی تشدید کے ساتھ۔

(ثم انصت حتی یفرغ) ای الخطیب

(من خطبته ثم یصلی معه) ''یصلی'' نصب کے ساتھ یفرغ پر معطوف ہے یہ (جملہ) خطبہ اور نماز کے درمیان خاموش رہنے کا افادہ کرتا ہے اور ایک قول رفع کے ساتھ ثم انصت پر معطوف ہے پہلا احتمال لفظ اور معنی کے لحاظ سے انسب ہے۔

(وبین الجمعة الأخرٰی وفضل ثلاثة ایامٍ) فضل رفع کے ساتھ واوٗ بمعنی مع کے ذریعے ماببینہ میں ما پر معطوف ہے مطلب ہوگا ای بین یوم الجمعة الذی فعل فیه ما ذکر مع زیادة ثلاثة ایام علی السبعة لتکون الحسنة بعشر امثالها۔ اور فضل میں علی الجمعۃ پر عطف کی وجہ سے جر بھی روا رکھی گئی ہے اور نصب بھی مفعول معہ ہونے کی وجہ سے اس قال الخطابیؒ سے مراد ہے جس گھڑی میں جمعہ کی نماز پڑھ رہا ہے وہاں سے اسی طرح اگلے جمعہ تک پھر عدد سات اور تین دن کی زیادتی ہوگا۔ پس ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہو جائے گی۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں یہ ماقبل روایات کے منافی نہیں۔ (تطبیق یہ ہے) اولاً حضور ﷺ نے سات دن کے گناہ معاف ہونے کی خبر دی پھر حضور ﷺ کیلئے تین دن کی زیادتی کر دی گئی پھر الحسنة بعشر امثالها کے بارے میں بتانے کیلئے خبر دے دی۔

(رواہ مسلم) قال میرکؒ ورواه ابو داؤد والترمذی وابن ماجه بمعناه۔

خطبہ کے وقت کسی چیز سے کھیلنا بھی لغو ہے

۱۳۸۳: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَفَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اَتَى الْجُمُعَةَ فَاسْتَمَعَ وَاَنْصَتَ غُفِرَلَهٗ مَابَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ وَمَنْ مَسَّ الْحَصٰى فَقَدْ لَغَا۔

(رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۲/ ۵۸۸ حدیث رقم (۲۷ ۔ ۸۵۷)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ~~ہے فرماتے~~ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے وضو کیا اور اچھا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وضو کیا (یعنی آداب کا لحاظ رکھ کر) پھر جمعہ کے لئے آیا اور بغور خطبہ سنا اور خاموش بیٹھا رہا تو اس کے لئے اس جمعہ اور گذشتہ جمعہ کے درمیان کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں بلکہ تین دن مزید گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور جس شخص نے کنکریوں کو چھوا اُس نے لغو کام کیا۔ (مسلم)

تشریح: ''وعنه'' ای: عن ابی هریرةؓ

(قال: قال رسول الله: من توضا) اس میں رخصت کی طرف اشارہ ہے اور اس بات پر دلالت ہے کہ غسل جمعہ سنت ہے واجب نہیں اور اس میں امام مالکؒ کے خلاف دلیل بھی ہے۔

(فاحسن الوضوء) یعنی وضو کو اس کے مکملات سنن و مستحبات کے ساتھ کیا اور ابن حجرؒ کا قول وضو کے واجبات کے ساتھ وضو کیا درست نہیں کیونکہ واجبات کی ادائیگی قول توضأ سے معلوم ہوگی ساتھ یہ بھی بات ہے کہ واجبات پر اکتفاء کرنے والا مسیٔ ہے محسن نہیں ہے۔

(فاستمع) ان كان قريبًا اور استماع کو انصادت بھی لازم ہے اس کا عکس نہیں۔

(وانصت) ای سکت ان کان بعیدًا لیکن ہمارے کچھ مشائخ نے اس وقت قرأۃ قرآن کو جائز کہا ہے اور اس میں اشارہ ہے خطیب کا قرب بہتر ہے اور ایک قول ہے خطیب سے بعد ہمارے زمانے میں کامل ہے ابن حجرؒ نے غرابت اختیار کرتے ہوئے کہا انصت تاکید بلکہ تاسیس ہے کیونکہ کبھی استماع کا قصد ہوتا ہے اور کلام بھی کیا جاتا ہے ان کے کلام سے افادہ ہوتا ہے دوامروں کا ہونا ضروری ہے۔ قصد الاستماع اور انصات اھ۔

ان کے قول میں غرابت کی وجہ ہے تاکید بلکہ تاسیس اور ان کا قول قصد الاستماع حالانکہ درست یہ ہے قصد السماع وہ استماع ہی ہوتا ہے (یعنی کسی چیز کو سننے کا قصد وہ استماع ہی ہوتا ہے پھر قصد الاستماع کہنا چہ معنی دارد)

(وزیادۃ ثلاثة ایام ومن مسّ الحصٰی) یعنی ایک سے زیادہ مرتبہ نماز میں کنکریوں کو برابر کرے اور ایک قول ہے کھیل کے طریقے پر نماز اور خطبہ کی حالت میں۔

(فقد لغا) یہ الف اور یا کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے ایسی آواز نکالی جو استماع کو روکتی ہے لہٰذا ان لوگوں کے مشابہ ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد وقال الذین کفروا لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فيه لعلكم تغلبون کے ساتھ مذمت کی تھی۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں حدیث میں آیا ہے جس نے بیکار کام کیا یعنی جو بات شریعت میں اس کیلئے مشروع نہیں وہ بات کی یا کھیلا ایسی چیز کے ساتھ جس کی آواز ظاہر ہو تو اس کا جمعہ کامل نہیں اھ۔

وقیل لغاعن الصواب ای مال یعنی ایک قول ہے درستگی سے ہٹ گیا لغا عن الصواب کا معنی ہے نہایۃ میں ہے لغٰی یلغی ولغا یلغوا اذا تکلم بمالا یعنی وهو اللغو۔ اور کنکریوں کے چھونے سے مراد زمین کو سجدے کیلئے ہموار کرنا ہے کیونکہ وہ زمین پر سجدہ کرتے تھے۔ اور ایک قول یہ ہے اس سے مراد تسبیح کو پلٹنا اور اس کو شمار کرنا لیکن معروف تسبیح حضور ﷺ کے زمانے میں نہیں تھی۔

(رواہ مسلم) قال میرک ورواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمعہ کیلئے پہلے آنا اونٹ صدقہ کرنے کے برابر ہے

۱۳۸۴: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْاَوَّلَ فَالْاَوَّ لَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِيْ يُهْدِيْ بَدَنَةً ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِيْ بَقَرَةً ثُمَّ كَبْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ۔

(متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۴۰۷/۲۔ حدیث رقم ۹۲۹۔ ومسلم فی صحیحه ۵۸۷/۲ حدیث رقم(۸۵۰/۲۴)۔ وأبوداؤد فی السنن ۲۴۹/۱ حدیث رقم ۳۵۱۔ والترمذی ۳۷۲/۲ حدیث رقم ۴۹۹۔ والنسائی ۹۷/۳ حدیث رقم ۱۳۸۵۔ وابن ماجه ۳۴۷/۱ حدیث رقم ۱۰۹۲۔ ومالك فی الموطأ ۱۰۱/۱ حدیث رقم ۱ من کتاب الجمعة۔ وأحمد فی المسند ۲۵۹/۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا جب جمعہ کا دن آتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں، تو وہ پہلے آنے والوں کے نام لکھتے ہیں کہ اور سب سے پہلے آنے والا (ثواب میں) ایسا ہے جیسا کہ کعبۃ اللہ میں اونٹ قربانی کیلئے بھیجنے والا، پھر اس کے بعد میں آنے والا ایسا ہے جیسا کہ گائے کی قربانی کعبۃ اللہ بھیجنے والا اس کے بعد آنے والا ایسے ہے جیسا کہ بکری قربانی کیلئے کعبۃ اللہ بھیجنے والا، پھر اس کے بعد آنے والا ایسے ہے جیسا کہ مرغی صدقہ کرنے والا اور اس کے بعد آنے والا ایسا ہے جیسا کہ انڈہ صدقہ کرنے والا اور جب امام خطبہ کیلئے آ جائے تو وہ اپنے رجسٹر کو لپیٹ لیتے ہیں، اور بغور خطبہ سننے لگتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: ''ابن حجر کہتے ہیں حفظہ کے علاوہ دوسرے فرشتے مراد ہیں اھ۔ مطلب یہ ہے یہ فرشتے صبح سے یا طلوع آفتاب سے یا زوال کے وقت سے یہ احتمال زیادہ قریب ہے برابر کھڑے رہتے ہیں۔

(یکتبون الاوّل فالاوّل) طیبیؒ کہتے ہیں پہلے داخل ہونے والا کا نام لکھتے ہیں فالاول میں فا اور ثم حضور ﷺ کے قول ثم کالذی یهدی بقرة میں دونوں اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف نزول میں ترتیب کے لیے ہیں لیکن دوسرے میں تراخی ہے جو پہلے میں نہیں۔

(ومثل المهجر) ای المبکر الی الجمعة والتبکیر الی کل شیٔ هو المبادرة الیه وهی لغة حجازیة کذا فی النهایه'' (مہجر سے مراد مبکر الی الجمعة ہے تبکیر ہر چیز کی طرف مبادرۃ و مسابقت ہے)۔ ہمارے ائمہ میں سے کچھ شارحین نے مہجر کا معنی کیا ہے السائر الی المسجد بعد الزوال اس لئے کہ تہجیر دوپہر کے وقت چلنے کو کہتے ہیں اور یہ نصف النہار ہی ہوتا ہے۔

اور ایک قول ہے التهجیر الی الصلاة سے مراد اس کی طرف جلدی جانا ہی ہے مجاز و اتساع کے طریقے پر وہ وقت جس میں دن بلند ہوتا ہے اور گرمی بڑھنا شروع ہو جاتی ہے اس کو دوپہر کا حصہ ہی قرار دے دیا جیسے دن کے پہلے آدھے حصے کو غدوہ کہا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے اور دوسرے آدھے حصے کو عشیہ کہا جاتا ہے اور و مثل المهجر میں واؤ کے ذریعے پورے جملے کا عطف پہلے والے جملے پر ہے اور ترتیب ذہن کے سپرد ہے اس لئے کہ یہ فا تفصیلیہ کے موقع میں واقع ہے اور واؤ کا یہاں واقع ہونا فا سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ (فاء) (الاول فالاول میں سے) اول ثانی پر عطف کا وہم پیدا کرتا ہے۔ حالانکہ اس کا عطف یکتبون پر ہے۔

(کمثل الذی یهدی) یہ الاہداء سے ہے۔

(بدنةً) ای ناقة تنحر بمکة (ایسی اونٹنی جو مکہ میں ذبح ہو) لفظ بدنة فتحہ اور ضمہ کے ساتھ بدن الرجل سے مشتق ہے جس کا معنی ہے بڑے جسم والا ہونا۔ اور لفظ بدنہ کا اطلاق عندالاطلاق ہمارے نزدیک اگرچہ گائے پر بھی ہوتا ہے لیکن یہاں اس کا تقابل ان کے قول (ثم کالذی یهدی بقرة) کے ساتھ اس کو اونٹنی کے ساتھ خاص کر رہا ہے۔

طیبیؒ فرماتے ہیں اس کو بدنہ جسیم ہونے کی وجہ سے کہا جاتا ہے اور یہ خاص طور پر اونٹ ہوتا ہے۔ اور ھدی کے ذکر اختصاص ہے حالانکہ وہ کعبہ میں قربان کی جانے والی قربانی کے ساتھ خاص ہے۔ بہتر ترتیب سے جمعات کے ابتدائی لحات میں عظمت والے معنی کا ذکر ہے اور یہ عرفات میں حاضر ہونے کے برابر ہے۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں بدنہ سے مراد یہاں اکیلا اونٹ ہے اگرچہ اس کا اطلاق گائے بلکہ بکری پر بھی ہوتا ہے اور کبھی ایک معنی مراد ہوتا ہے شارح فرماتے ہیں یهدی کا مطلب یہ ہے اسے حرم مکہ کی طرف منتقل کرے تاکہ اسے اللہ رب العزت کا تقرب حاصل کرنے کیلئے ذبح کرے۔ اور اس میں اس فرمان کی طرف اشارہ ہے جو وارد ہے الجمعة حج المساکین۔

(ثم کبشاً) وہ بھیڑ کا حمل ہوتا ہے جبکہ مؤنث ہو یا کبش اس مینڈھے کو کہتے ہیں جس کے رباعی دانت نکل آئے ہوں کذا فی القاموس اور ایک روایت میں کبشا اقرن کے الفاظ ہیں اس کے حسن میں مبالغے کے طور پر

(ثم دجاجه) دال کے فتحہ کے ساتھ دال کے کسرہ سے زیادہ فصیح ہے کذا فی الصحاح۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں دال کا ضمہ بھی منقول ہے اور ایک صحیح روایت میں الدجاجہ کی جگہ بطة کا لفظ ہے۔ اور ایک روایت میں ہے ثم کالذی یهدی عصفوراً۔

(ثم بیضةً) اور آخری دو اعداد کی جمعہ میں قبولیت اور حج میں عدم قبولیت میں اشارہ ہے کرم وفضل کی وسعت کی طرف اور اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حج اغنیاء پر فرض کیا گیا ہے اور جمعہ میں حاضر ہونے والے اکثر فقراء ہوتے ہیں۔

(فاذا خرج الامام) اس حضور ﷺ نے اپنی ذات مراد لی (اس صورت میں) حجرہ شریفہ سے حقیقی خروج مراد ہے۔ یا مراد ہے جب مسجد میں داخل ہو یا جب منبر پر ظاہر ہوں آخری معنی انسب ہے۔

(صحفهم) یعنی ان دفاتر کو جن میں وہ پہلے آنے والوں کے نام لکھتے ہیں اور اجر و ثواب ان کے سبقت میں مراتب کے اعتبار سے ہوتا ہے فرع واصل کا لحاظ رکھتے ہوئے اور نسائی شریف کی روایت میں ہے طووا صحفهم فلا یکتبون شیئاً ای من ثواب التبکیر۔ (یستمعون) ای الملائکة مع الناس)

(الذکر) ذکر سے مراد ہے خطبہ قال تعالیٰ: فاسعوا الیٰ ذکر اللّٰہ اور خطبہ کو ذکر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس ذکر پر مشتمل ہوتا ہے بلکہ خطبے کے جمال وکمال سے مقصود یہی ہے۔ و استمعوا کی جگہ یستمعون ذکر کرنے میں حالانکہ وہ طووا پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عطف کرنے میں مناسب تھا۔ خطبہ سننے میں فرشتوں کے ساتھ دوسروں کو شامل کرنے کیلئے ہے اور بطور اجتماع کے فرشتوں کو مؤمنین کے مداخل میں شامل کرنے کیلئے ہے۔

طیبیؒ فرماتے ہیں فاذا خرج الامام کا جملہ یہ بتلاتا ہے کہ امام کیلئے مناسب ہے منبر پر چڑھنے سے پہلے اپنے لئے ایک خالی مکان بنائے اپنی عظمت شان بتلانے کیلئے کذا وجدناہ فی دمشق المحروسۃ اھ۔

اور یہ بدعت ہے جسے امراء نے ایجاد کیا ہے جب وہ خطباء تھے اپنے فقراء پر تکبر اور اولیاء سے نہ ملنے کیلئے اور ان امراء کے طالب دنیا علماء پر تسلط کی وجہ سے (متفق علیہ)

شمنی کہتے ہیں امام بخاری نے ابو الدرداءؓ کی حدیث سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا من اغتسل یوم الجمعة غسل الجنابة ثم راح فکانما قرب بدنةً ومن راح فی الساعة الثانیة فکانما قرب بدنه ومن راح فی الساعة الثالثة فکانما قرب کبشاذا قرن ومن راح فی الساعة الرابعة فکانما قرب دجاجةً ومن راح فی الساعة الخامسة فکانما قرب بیضةً فاذا خرج الامام حضرت الملائکة یستمعون الذکر پس امام مالک اور کچھ شوافع جیسے امام الحرمین نے یہ قول اختیار کیا ہے ساعات سے مراد بعد التزوال چند خفیف سے لحات ہیں اس لئے کہ الرواح لغت میں زوال کے بعد جانے کو کہتے ہیں۔

جمہور کہتے ہیں اس سے مراد دن کے زوال کا حصہ ہے اور رواح کے بارے میں علامہ الازہری کہتے ہیں اس کا معنی جانا ہے چاہے دن کے پہلے حصے میں ہو یا آخری میں، یا رات میں اس لئے کہ ساعات کا ذکر صرف جمعہ کی طرف جلدی جانے پر ابھارنے اور سبقت کی فضیلت اور جمعہ کے انتظار اور ذکر و نوافل میں مشغولیت اختیار کرنے کی ترغیب کیلئے ہے اور یہ چیزیں زوال کے بعد جانے میں حاصل نہیں ہوتیں اھ۔

اور سلف تو چراغ کی روشنی میں چل کر جمعے والے دن جامع مسجد پہنچ جاتے تھے اور العیاء میں ہے پہلی بدعت جو اسلام میں پیدا ہوئی وہ مساجد میں جلدی جانے کا ترک تھی۔

خطبہ سننا واجب ہے کسی کو چپ کرانا بھی لغو ہے

۱۳۸۵: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَنْصِتْ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۴۱۴/۲۔ حدیث رقم ۹۳۴۔ ومسلم فی صحیحه ۵۸۳/۲ حدیث رقم (۱۱۔ ۸۵۱) وأبو داؤد فی السنن ۶۶۵/۱ حدیث رقم ۱۱۱۲۔ والترمذی ۳۸۷/۲ حدیث رقم ۵۱۲۔ والنسائی ۱۰۴/۳ حدیث رقم ۱۴۰۲ ومالك فی الموطأ ۱۰۳/۱ حدیث رقم ۶ من کتاب الجمعة وأحمد فی المسند ۲۷۲/۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تو اپنے ساتھ والے سے کہے چپ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جا جمعہ کے دن جبکہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو تم نے بھی لغو کام کیا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: ''وعنه'' ای عن ابی۔

(قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ اذا قلت لصاحبك) ای فی المسجد

(یوم الجمعة) ظرف

(انصت) الانصات سے مشتق سکوت کے معنی میں قول کا مقولہ ہے۔

(والامام یخطب) جملہ حالیہ ہے۔

(فقد لغوت) شرط کی جزا ہے اور ایک روایت میں لغیت ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ والغوا فیه۔ میرکؒ کہتے ہیں اس میں دلیل ہے اس پر کہ انصات کا وجوب اور کلام سے نہی وہ خطبہ کی حالت میں ہی ہے یہ تو ہمارا مذہب ہے اور جمہور اور امام مالکؒ کا مذہب ہے امام ابو قیصرؒ فرماتے ہیں الانصات امام کے نکلنے سے ہی واجب ہے اھ۔

اور حضور ﷺ کے قول لغوت کے مطالب درج ذیل ہیں لغوت ای تکلمت بما لا یعنیك اور ایک قول ہے ھبت وخسرت اور ایک قول ہے۔ ملت وعدلت عن الصواب طیبیؒ کہتے ہیں یہ حکم اس وجہ سے ہے کیونکہ خطبہ دو رکعتوں کے قائم مقام ہے جیسے اصل ومنوب میں کلام جائز نہیں نائب میں بھی جائز نہیں تم کلامہ۔

اور اس میں یہ بحث ہے یہ طیبیؒ کے طریقے اور روش کے لحاظ سے ضعیف رائے ہے باوجودیکہ کلام کی حرمت حضور ﷺ کی نہی کی بناء پر ہے اور یہ علت نہی کی حکمت ہے یہ قیاس نہیں ہے کیونکہ اگر یہ قیاس ہو تو اس کی نماز جمعہ باطل ہو جانی چاہیے حالانکہ ایسا نہیں۔

پھر طیبیؒ نے کہا یہ حکم اس آدمی کے حق میں ہے جو بھلائی کا حکم کرے اس آدمی کے حق میں کیا حکم ہوگا جو کسی منکر کا ارتکاب کرے یا خود کلام شروع کرے؟

اور ابن حجرؒ اس قول کے بارے میں کہتے ہیں یہ قول معتمد مذہب کے مخالف ہے دوران خطبہ کلام اگرچہ بے کار ہے لیکن مکروہ ہے حرام نہیں اھ۔

مظہر کہتے ہیں (دوران خطبہ) کلام سے نہی یا تو استحبابی طور پر ہے یا وجوبی طور پر پس طریقہ یہ ہے کہ خاموش کرنے کیلئے ہاتھ سے اشارہ کر دے اھ۔

امام مالکؒ کے مذہب میں ہے خاموشی اختیار کرنا واجب ہے چاہے خطبہ سنے یا نہ سنے۔

ابن ہمامؒ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا ارشاد'' فقد لغوت ودلالة النص '' کے طریقے پر نماز اور تحیۃ المسجد دونوں کے منع کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ جب امر بالمعروف سے روک دیا حالانکہ وہ سنن اور تحیۃ المسجد سے اعلیٰ ہے تو ان سے منع تو بطریق اولیٰ ہو گیا۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے معارضے کی صورت میں عبادت دلالت پر مقدم ہوتی ہے درآنحالیکہ یہ بات ثابت ہے ایک آدمی حضور ﷺ کے خطبہ دینے کی حالت میں حاضر ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے فلاں کیا تو نے نماز پڑھی ہے اس نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواب دیا نہیں تو ارشاد فرمایا دو رکعتیں پڑھ اور اس میں اختصار کر۔

جواب یہ ہے معارضہ لازم نہیں کیونکہ ممکن ہے حضور ﷺ نے خطبہ روک دیا ہو اور یہ بات ایسے ہی ہے حضرت انسؓ کی حدیث کی بنا پر ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا درانحالیکہ حضور ﷺ خطبہ دے رہے تھے نبی ﷺ نے اس سے فرمایا کھڑا ہو جا دو رکعتیں ادا کر اور حضور ﷺ خطبہ سے رک گئے یہاں تک کہ وہ اپنی نماز سے فارغ ہو گیا اھ۔

اور میرے نزدیک اسے حضور ﷺ کے خطبہ کے روکنے پر محمول کرنا بعید ہے کیونکہ علامہ ابن ہمامؒ نے ذکر کیا ہے خطیب کیلئے مکروہ ہے کہ وہ دوران خطبہ مخل نظم کلام کا تکلم کرے ہاں کسی معروف کا امر ہو تو وہ اور بات ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمانؓ کا مشہور قصہ ہے اھ۔

زیادہ بہتر بات یہ ہے یوں توجیہ کی جائے راوی کے قول یخطب کا مطلب ہے یرید ان یخطب (خطبہ دینے کا ارادہ رکھتے تھے) اور وامسك عن الخطبة یہ قول خطبہ کے قطع کرنے میں نص نہیں ہے کیونکہ ہم یہ کہیں گے امسك عن شروعها (خطبہ شروع کرنے سے ٹھہر گئے) ہاں اس میں صاحبینؒ کے قول کو تقویت ملتی ہے ان کا قول ہے کہ کلام کرنا مباح ہے یہاں تک کہ خطیب خطبہ میں شروع ہو جائے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب امام منبر پر چڑھ جائے تو نفلی نماز اور کلام کا ترک واجب ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے حضور ﷺ نے جان لیا ہو (بطریق وحی الکلام) آنے والے پر فجر کی دو رکعتوں کی قضاء ہے لہٰذا اسے ان کی ادائیگی کا حکم دیا ترتیب کی رعایت کرتے ہوئے جو کہ ہمارے نزدیک واجب ہے۔ واللہ اعلم۔

اور یہ بات بعید نہیں کہ اسے خصوصیت یا نسخ پر محمول کیا جائے ادلہ شرعیہ میں جمع کرنے کیلئے۔ (متفق علیہ)

ابن حجرؒ کہتے ہیں بعد کے زمانے میں جو یہ عادت بن گئی کہ ایک شخص اس حدیث کو بلند آواز سے خطیب کے سامنے اذان سے فراغت اور اس کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے پڑھتا ہے یہ اگرچہ بدعت مگر اچھی ہے کیونکہ اس میں لوگوں کو ہمہ تن گوش ہونے اور توجہ سے سننے اور کلام نہ کرنے پر ابھارنا ہے اور یہ امر بالمعروف ہے اور اس پر شاہد ہے کہ حضور ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب خطبے ارشاد فرمانے کا ارادہ کیا تو ایک آدمی کو حکم دیا جو خاموش رہنے کا کہے۔ پس اس پر قیاس کرتے ہوئے یہ بھی مسنون ہے پس جو آدمی یہ گمان کرتا ہے یہ بدعت ہے اور اس کے فاعل کی شفاعت بیان کرتا ہے تو وہ اس سے غافل ہے جو میں نے ذکر کیا فتأمل اھ۔ پس ہم نے غور و فکر کیا تو ہم نے ان کے کلام اول جبکہ انہوں نے کہا یہ بدعت ہے اور کلام ثانی جبکہ یہ کہا ومن زعم ان ذلك بدعة اھ میں تناقض پایا۔ پھر اس میں شک نہیں یہ بدعتِ غیر مستحسن ہے اس لئے کہ خطیب کا منبر پر دوسرے آدمی کے کلام سے فراغت کا منتظر بیٹھنا شرعاً وضعاً اور طبعاً ناپسندیدہ ہے۔

اور باقی حضور ﷺ کا خاموشی کے بارے میں کہنے کا امر کرنا اس کو صحیح تسلیم کرنے لینے کی صورت میں جواب یہ ہے یہ اس وقت کہا جب خطبہ دینے کا ارادہ کر چکے تھے منبر پر جلوہ افروز ہونے سے پہلے لہٰذا قیاس فاسد ہوا۔

اور اس زمانے میں ان کے قبیح افعال میں سے یہ بات بھی ہے کہ شافعی خطیب بمقتضی مذہب خویش منبر پر چڑھنے کے بعد سلام کرتا ہے اور کوئی بھی اس کے سلام کا جواب ~~نہیں دیتا پس~~ جو اس کے قریب ہوتا ہے اور اس کے سلام کو سنتا ہے وہ اس کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواب نہ دینے کی وجہ سے گنہگار ہوتا ہے اور اگر کوئی اس کا جواب دینا بھی چاہے تو متصور نہیں کیونکہ مؤذنین سلام کے بعد بغیر فصل کے اذان شروع کر دیتے ہیں۔

میں نے ایک خطیب سے کہا یا تو اس سنت کو چھوڑ دے تاکہ اس کی وجہ سے لوگوں کو ترک فرض میں مبتلا نہ کر دیا مؤذن کو حکم دو کہ وہ تمہارے سلام کا جواب تم پر لوٹائے اور پھر اذان کہے اس نے کہا یہ عادت ہے اور اس کو بدلنا ممکن نہیں۔

اور اس وقت مؤذنین کی بری عادتوں میں بری عادت یہ ہے ان کا دوران خطبہ اپنی آوازیں بلند کرنا اور خطیب کے برے فعل میں سے یہ بات ہے کہ وہ کبھی ان کی متابعت کرتا ہے اور ان کے سکوت کا انتظار کرتا ہے پھر سلاطین کے تذکرہ کے وقت آواز بلند کرنے میں مبالغہ آرائی کرتے ہیں۔ اور یہ سب سنت کے ترک اور بدعت کی نحوست ہے۔

اور اس کا منشأ علماء کو امراء کے سامنے ذلیل ظاہر کرنا ہے اور ان کا سلاطین کے ناموں کو خطبہ میں خلفائے اربعہ اور دوسرے حضرات کے ساتھ ذکر کرنا اپنی فاسد اغراض کے حصول کے وسیلے کے طور پر ہے۔ یہاں تک کہ ان کے مخالفین اور معاندین روافض کو گمراہی کا زائد راستہ مل گیا وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اہل سنت کی مدح کی جگہ اپنے منبروں پر صحابہ کو سب وشتم کرتے ہیں یہ ساری چیزیں بدعت ہیں پس اے مخاطب تو ان کا منکر ہو جا اپنے دل سے اگرچہ تجھے مفتیان فتوی دیں۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا کیا ہی اچھا کام تھا جبکہ انہوں نے بنو امیہ کے منبروں پر اہل بیت کے سب وشتم کی جگہ خطبے کے اخیر میں اس آیت شریفہ کو مقرر کر دیا: ان اللّٰہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاءِ ذی القربٰی وینھٰی عن الفحشاء والمنکر والبغی الایة۔

پس یہ بدعت حسنہ ہے بلکہ سنت مستحسنہ ہے جیسے حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے ما رآہ المسلمون حسناً فھو عند اللّٰہ حسن اور مسلمین سے مراد ان کے عمدہ اور بہتر لوگ مراد ہیں اور وہ کتاب وسنت کے علماء ہیں جو حرام اور شبہ حرام اور سے بھی بچنے والے ہیں:

''جعلنا اللّٰہ منھم فی الدنیا والآخرۃ''۔

پھر اس حدیث کی باب کے عنوان سے مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ اس سے تبکیر پر ابھارنا معلوم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے جمعہ کی سنتیں اور تحیۃ المسجد بھی فوت نہ ہو یا وجہ مناسبت یہ ہے افسحوا (مجلس کھلی کرلو) کے قول کی ضرورت پیش نہ آئے اور باقی جو ابن حجرؒ کا قول ہے اس حدیث کے عنوان سے مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ کبھی دوران خطبہ کلام کی ضرورت ہوتی ہے پس اس کا حکم بیان کر دیا۔ واللہ اعلم۔

مسجد میں کسی کو اُٹھا کر خود بیٹھنا جائز نہیں

۱۳۸۶: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُقِيْمَنَّ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ يُخَالِفُ اِلٰى مَقْعَدِهٖ فَيَقْعُدُ فِيْهِ وَلٰكِنْ يَقُوْلُ افْسَحُوْا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤/١٧١٥ حديث رقم (٣٠۔ ٢١٧٨)۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ مدنی سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص ہرگز اپنے بھائی کو جمعہ کے دن (یعنی مسجد میں) اس کی جگہ سے نہ اٹھائے پھر اس کے بیٹھنے کی جگہ کی طرف جائے اور خود بیٹھ جائے بلکہ وہ کہے کہ جگہ کشادہ کرو۔ (مسلم)

تشریح: (فیعقد فیه) طیبیؒ فرماتے ہیں مخالفت یہ ہوتی ہے کہ آدمی اپنے ساتھی کو اس کی جگہ سے اٹھائے اور پھر اس کی جگہ پہنچ جائے پس اس میں بیٹھ جائے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وما اُرید ان اخالفکم الٰی ما انھا کم عنه۔ اور اس میں متکبرین کیلئے ڈانٹ کا بیان ہے۔

ای کیف تقیم اخاك المسلم وھو مثلك فی الدین ولا مزیة لك فیه، یعنی تو اپنے مسلمان بھائی کو کیسے اٹھاتا ہے حالانکہ وہ تیرے جیسا ہے دین میں اور تجھے دین ان پر فوقیت نہیں۔

ابن حجرؒ نے مزید کہا ہے۔ یہ (یعنی کسی کو اس کی جگہ سے اٹھانا) بیٹھنے والے کی حقیقی رضامندی کے بغیر حرام ہے نہ کہ خوف اور حیاء کی وجہ سے۔ اس (اٹھانے والے نے) اسے بھیجا ہوتا کہ زحمت سے پہلے اس کیلئے ہے بلکہ جسے بھیجا جا رہا ہے وہ اس جگہ میں بیٹھنے کا زیادہ حق دار ہے اس کے اس جگہ کی طرف سبقت کی وجہ سے اگرچہ اس نے یہ نسبت کی ہو کہ یہ بھیجنے والے کی ہے۔ بلکہ خود اس شخص کا اپنے بھیجنے والے کیلئے اٹھنا یا اس کے ساتھ اس سلسلے میں ایثار کا معاملہ کرنا مکروہ ہے بشرطیکہ وہ شخص جس کیلئے کھڑا ہو رہا ہے فضیلت میں اول سے کم درجہ کا ہو اس لئے کہ یہ صف اول میں ہوگا پس اس کیلئے دوسری کی طرف بیٹھے گا اس لئے کہ قرب کا ایثار عبادت میں بلا عذر مکروہ ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''ویؤثرون علی انفسھم ''اس سے حظ نفس (یعنی طبعی ضروریات وخواہشات) کا ایثار مراد ہے۔ لطائف میں سے ہے ایک ظالم کے خدام جامع مسجد میں داخل ہوئے انہوں نے فقراء کو کھڑا کر دیا اور ان کے جائے نماز اٹھا دیئے ان کو دھکے دیئے اور ان کو مارا اس وقت ایک عارف سے پوچھا اے ہمارے سردار آپ ان کا ظلم دیکھ رہے ہیں تو انہوں نے فرمایا یہ تو ان کی عبادت کا حال ہے ان کے ظلم اور معصیت کو اس پر قیاس کر لو۔

(افسحوا) اور ایک روایت میں تفسحوا وتوسعوا اور اگر رحمکم اللّٰہ یا یفسح اللّٰہ لکم جیسے اس کی طرف آیت اور دوسری چیزیں مشابہ ہیں لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں۔

اور اس میں اللہ تعالیٰ کے قول ''یایھا الذین آمنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا یفسح اللّٰہ لکم ''الآیۃ، کی طرف اشارہ ہے لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ جگہ میں وسعت موجود ہو ورنہ کسی کو تنگ نہ کیا جائے بلکہ نماز پڑھ لے اگرچہ مسجد کے دروازے پر ہی۔

(رواہ مسلم) حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت کی صورت یہ ہے یہ حدیث تبکیر پر ابھارنے کو شامل ہے تاکہ آدمی اپنے مسلمان بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھانے اور کلام اگرچہ فافسحوا یفسح اللّٰہ لکم کے قول کے ساتھ ہی ہو ان میں نہ پڑ جائے جن سے بچنا ضروری ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمعہ کے دن عمدہ لباس پہننا اور خوشبو لگانا سنت ہے

۱۳۸۷: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَاَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ اغْتَسَلَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَلَبِسَ مِنْ اَحْسَنِ ثِیَابِہٖ وَمَسَّ مِنْ طِیْبٍ اِنْ کَانَ عِنْدَہٗ ثُمَّ اَتَی الْجُمُعَۃَ فَلَمْ یَتَخَطَّ اَعْنَاقَ النَّاسِ ثُمَّ صَلّٰی مَاکَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ ثُمَّ اَنْصَتَ اِذَاخَرَجَ اِمَامُہٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْ صَلَاتِہٖ کَانَتْ کَفَّارَۃً لِمَابَیْنَھَا وَبَیْنَ جُمُعَتِہِ الَّتِیْ قَبْلَھَا۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ١/٢٤٤ حديث رقم ٣٤٣۔ وأحمد في المسند ٣/٨١۔ الطبراني في الكبير ذكره في كنز العمال ١٥/٣٠٢ حديث رقم ٤١١١٨۔

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے دونوں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے جمعہ کے دن غسل کیا اور عمدہ لباس پہنا اور خوشبو لگائی اگر اس کے پاس ہو پھر جمعہ کیلئے آئے اور لوگوں کی گردنوں کو نہ پھلانگے، پھر نماز پڑھے جتنی اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں لکھ دی ہے یہاں تک کہ پھر جب امام خطبہ کیلئے نکلے خاموش ہو کے بیٹھ جائے' جمعہ کی نماز سے فارغ ہو جائے تو یہ اس کیلئے اس جمعہ اور گذشتہ جمعہ کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔ (ابوداؤد)

تشریح: ''عن ابی سعید ...... یوم الجمعة'' اور دوسری روایت میں ہے واستن یعنی مسواک کی۔

(ولبس من احسن ثیابه) طیبیؒ فرماتے ہیں اس سے سفید کپڑے مراد ہیں اھ۔

مطلب یہ ہے کپڑوں میں رنگ کے لحاظ سے سفید رنگ افضل ہے صحیح حدیث البسوا من ثیابکم البیاض فانها خیر ثیابکم و کفنوا فیها ''موتاکم'' کی بناء پر اور ایک صحیح روایت میں ہے فانها اطهروا طیب اور خطابیؒ نے الجدد کے لفظ زیادہ ذکر کئے ہیں۔ ابن حجرؒ کہتے ہیں اگر سفید نہ پائے تو وہ کپڑا پہنے جو بننے سے پہلے رنگا گیا ہو اور اس میں بہتر دھاری دار ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ایک دھاری دار کپڑا تھا جسے عیدین اور جمعہ میں پہنتے تھے باقی جو بننے کے بعد رنگا جائے تو اس کا پہننا مکروہ ہے اھ۔ اور شاید ان کی مراد وہ کپڑا ہے جسے سرخ یا زرد رنگ کیا گیا ہو کیونکہ یہی دونوں ہمارے نزدیک مکروہ ہیں لیکن عام ا سے بننے سے پہلے رنگے گئے ہوں یا بننے کے بعد۔

(ومس من طیب ان کان عنده) اگر سہولت سے اسے حاصل کر سکتا ہو بایں طور کہ اس کے گھر میں موجود ہو یا اس کی بیوی کے پاس ہو اور کسی دوسرے سے طلب نہ کرے کیونکہ تحقیق یہ ہے کہ طلب میں ذلت ہے اگرچہ کسی طریقے سے ہو۔

(ثم اتی الجمعة فلم یتخط اعناق الناس) بایں طور کہ جلدی کی اور مجلس کے اختتام پر بیٹھ گیا جو شخص متاخر ہونے کے باوجود تقدم کو چاہتا ہے وہ پیروی کی حد سے نکل جاتا ہے۔

(ما کتب الله) یعنی جو اللہ نے اس کیلئے فیصلہ کیا اور مقدر کیا ہے اسے ادا کیا۔

(له ثم انصت اذا خرج) ای ظهر (امامه) بطلوع المنبر۔

www.KitaboSunnat.com

(حتی یفرغ من صلاته) ابن حجرؒ کہتے ہیں گویا کہ نماز سے فراغت کے ذکر میں حکمت یہ ہے کہ خطبہ اور نماز کے درمیان خاموشی اختیار کرنے کی (ازروئے شرح) طلب ظاہر ہوا گرچہ ہمارے نزدیک کلام کی کراہت اور ہمارے علاوہ دوسروں کے نزدیک کلام کی حرمت خطبہ سے فراغت کے ساتھ منتہی ہو جاتی ہے۔

(رواہ ابو داؤد) یعنی انہی الفاظ کے ساتھ امام ابوداؤد کہتے ہیں حضرت ابوہریرۃ وزیادہ ثلاثة ایام بھی نقل ہے اور ان الحسنة بعشر امثالها بھی ذکر کیا ہے۔

بیہقی نے اس روایت کو جید اسناد کے ساتھ روایت کیا اور حاکم نے بھی اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ باقی مختلف محدثین نے مختلف طرق سے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

باقی شارح علیہ الرحمۃ کا ابن حجر کی اس حدیث کے بارے میں قول کہ امام ابوداؤد نے اسے جید اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے اور صحیحین میں اس مضمون کی روایات گذر چکیں اور اسی وجہ سے حاکم اور حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے الخ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تصحیح وغیرہ کا مدار حدیث کی اسناد پر ہے صحیح حدیث میں دوسرے طریق سے ذکر نہیں جیسے کہ علم اصول حدیث میں یہ بات ثابت ہے ہاں ایسی احادیث واسناد میں یوں تعبیر اختیار کی جاتی ہے یہ حسن لذاتہ صحیح لغیرہ ہے۔

۱۳۸۸: وَعَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَسَّلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْتَسَلَ وَبَكَّرَ وَابْتَكَرَ وَمَشٰى وَلَمْ يَرْكَبْ وَدَنَا مِنَ الْاِمَامِ وَاسْتَمَعَ وَلَمْ يَلْغُ كَانَ لَهٗ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عَمَلُ سَنَةٍ اَجْرُ صِيَامِهَا وَقِيَامِهَا۔ (رواه الترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجة)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۲۴۶ حدیث رُقم ۳۴۵۔ والترمذی فی السنن ۲/۳۶۷ حدیث رقم ۴۹۶۔ والنسائی ۳/۹۷ حدیث رقم ۱۳۸۴۔ وابن ماجه ۱/۳۴۶ حدیث رقم ۱۰۸۷۔ وأحمد فی المسند ۴/۱۰۴۔

ترجمہ: حضرت اوس بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن نہلائے اور خود بھی غسل کرے اور سویرے جائے اور پیدل جائے سوار نہ ہو اور امام کے قریب بیٹھے اور توجہ سے خطبہ سنے اور کوئی بے ہودہ بات زبان سے نہ نکالے تو اس کیلئے ہر قدم اٹھانے کے بدلے ایک سال کے روزوں اور رات کو قیام کی عبادت کا ثواب ہو گا (ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد)

تشریح: ''یوم الجمعة'' علامہ تورپشتیؒ کہتے ہیں (غسل) تخفیف وتشدید دونوں طرح مروی ہے اگر تشدید والی روایت کو لیا جائے تو اس کا مطلب ہوگا دوسرے کو غسل پر ابھارا (اس کی صورت ہوگی) بایں طور کہ اپنی بیوی سے وطی کی اور یہی قول اختیار کیا ہے عبدالرحمٰن بن الاسودؒ اور ہلالؒ نے اور یہ دونوں تابعین میں سے ہیں گویا جن حضرات نے یہ قول اختیار کیا ہے وہ اس بات کی طرف گئے ہیں اس میں آنکھ کی پاکیزگی ہے اور نفس کو ایسے خیالات سے محفوظ کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف پوری توجہ سے مانع ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ تشدید اس میں مبالغہ کیلئے ہے۔ تعدیہ کیلئے نہیں ہے جیسے قطع و کسر میں کیونکہ اہل عرب کی چوٹیاں اور لمبے بال ہوتے تھے اور ان کے دھونے میں مشقت ہوتی تھی اسی وجہ سے سر کے دھونے کو الگ سے ذکر کردیا اور یہی قول اختیار کیا ہے مکحول نے اور یہی قول ابوعبیدہ کا ہے اور اگر اس میں تخفیف کی جائے تو اس کا معنی یا تو تاکید ہے یا مراد ہے پہلے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خطمی وغیرہ کے ساتھ اپنے سر کو دھوئے پھر جمعہ کیلئے غسل کرے۔

(واغتسل) ای تغسل بنفسه" حاشیہ السید جمال الدین میں ہے زین العرب نے کہا غسل الرجل امرأته تشدید و تخفیف دونوں کے ساتھ جب وہ اس سے جماع کرے۔ اور ایک قول یہ ہے تشدید والی صورت میں اس کا معنی ہوگا جماع کے بعد غسل کیا پھر جمعہ کیلئے غسل کیا اسی معنی کیلئے تکرار سے ادا کیا اور ایک قول یہ ہے غسل کا مطلب ہے اعضاء کے غسل میں تکمیل اور تثلیث کے اعتبار سے مبالغہ کیا اور ایک قول یہ ہے یہ دونوں ایک ہی معنی میں ہیں تاکید کیلئے تکرار سے ذکر کیا گیا قال (وبکر وابتکر) ان میں سے بعض نے غسل کو تخفیف کے ساتھ نقل کیا ہے اس صورت میں فاغتسل زیادتی سے خالی نہیں جیسے کسب واکتسب یا اول کو وضوء پر محمول کیا جائے گا یا اول کو غسل الجمعہ پر اور دوسرے کو سر کو خطمی وغیرہ سے دھونے پر کیونکہ جو آدمی ایسے کرے گا اس کی پاکیزگی زیادہ عمدہ ہوگی اھ۔

زیادہ ظاہر یہ ہے اول کو سر کے دھونے پر محمول کیا جائے اور دوسرے کو (یعنی دوسرے اغتسل کو) جمعہ کے غسل کرنے پر طیبیؒ فرماتے ہیں امام احمدؒ کا رجحان پہلے اول (یعنی تشدید والے قول) کی طرف تھا پھر تخفیف کی طرف رجوع کر لیا امام نوویؒ فرماتے ہیں غسل میں مختار وہ قول ہے جو بیہقی اور دوسرے محققین نے اختیار کیا ہے کہ یہ تخفیف کے ساتھ ہے اور اس کا معنی ہے اس نے اپنے سر کو دھویا اور اسی قول کی تائید کرتی ہے ابوداؤد کی روایت: ومن غسل رأسه یوم الجمعة واغتسل اور ابوداؤدؒ نے اور بیہقیؒ نے یہ تفسیر مکحولؒ وغیرہ سے روایت کی ہے۔ بیہقیؒ فرماتے ہیں یہ تفسیر حضرت ابوہریرہؓ اور ابن عباسؓ کی نبی ﷺ سے روایت کے بین بین ہے۔

سیدؒ فرماتے ہیں بکر تشدید کے ساتھ اس کا معنی ہے اتی الصلاة فی اول وقتها اور جو آدمی کسی چیز میں جلدی کرے تو اس کی طرف تبکیر کرنے والا ہوتا ہے کسی بھی وقت میں ہو۔ حضور ﷺ کے ارشاد گرامی: لا تزال امتی علی سنتی ما بکروا بصلاۃ المغرب! طیبیؒ فرماتے ہیں وابتکر کا معنی ہے ادرک اول الخطبۃ اور ہر چیز کا اول اس کا باکورۃ کہلاتا ہے اور کہا جاتا ہے وابتکر اذا لقی باکورۃ الفاکحۃ (یعنی جب سے میوے کو پایا)

حافظ تورپشتیؒ فرماتے ہیں یہ حضرت ابوعبیدہ کا قول ہے اور ابن الانباریؒ کہتے ہیں بکر کا معنی ہے نکلنے سے پہلے صدقہ کیا یہ تأویل وہ حدیث میں مروی: باکروا بالصدقة فان البلاء لا یتخطاها کے مضمون کی وجہ سے کرتے ہیں انہی کی متابعت کی ہے خطابیؒ نے۔

(ملا علی قاریؒ کہتے ہیں) میری رائے یہ ہے ابوعبیدہ کی نقل اصول لغت کے مطابق ہونے کی وجہ سے تقدیم کے لائق و مناسب ہے اور اس قول کی صحت پر ترتیب کلام بھی شاہد ہے کیونکہ اس میں تبکیر اور پھر الابتکار پر شوق دلاتا ہے اس لئے کہ انسان پہلے مسجد کی طرف جائے گا پھر ثانیا خطبہ توجہ سے سنے گا۔ (تورپشتی کا کلام مکمل ہوا) (ملا علی قاریؒ کہتے ہیں) میں کہتا ہوں کلام کی ترتیب کی شہادت کا دعوی ابوعبیدہ کے قول کی صحت ثابت کیلئے مقبول نہیں بلکہ یہ (یعنی ترتیب کلام) ابن الانباری کے قول کیلئے شاہد ہے کیونکہ اس میں تبکیر پر شوق دلاتا ہے۔

(ومشی ولم یرکب) اور باقی اسے مباکرۃ صدقہ پر محمول کرنا ترتیب کلام سے خارج امر ہے۔ اور تورپشتی کا قول لغت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اصول کے مطابق ابن الانباری کا قول لغت کے مادّوں کے موافق نہیں ایسے ہی ہے اس لئے کہ بکر کا مادّہ تصدق کے معنی میں نہیں آتا ہے اور جو حدیث انہوں نے ذکر کی ہے اس میں لفظ کے اعتبار سے اس پر بالکل بھی دلالت نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس میں اس اصل معنی کی تقویت ہے جس کا انہوں نے ارادہ کیا ہے فتامل غور وفکر کر یہ غلطی سے خالی نہیں۔

اور باقی ابن حجرؒ کا قول بکر تخفیف کے ساتھ ای خرج من بیته باکراً صحیح اصول اور لغت کی کتابوں کے مخالف ہے قاموس میں ہے بکر علیه والیه وفیه بکوراً وبکر وابتکر وبکرو باکره اتاه بکرۃً اھ۔

اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ بکر تخفیف کے ساتھ حرف جارہ مذکورہ میں سے کسی ایک کے بغیر مستعمل نہیں ہاں یہ کہا گیا ہے بکر بکر تخفیف کے ساتھ جو الکورسے مشتق ہے کا مبالغہ ہے علی ما ذکره الطیبیؒ اور باقی جو یہ کہا گیا ہے یہ دونوں اس معنی میں ہیں کہ دونوں کو بطور تاکید کے جمع کیا گیا ہے۔

اور باقی ومشی ولم یرکب دونوں کو جمع کرنا ایک قول ان کے بارے ہیں یہ ہے کہ ان دونوں کو تاکید کے طور پر جمع کیا گیا ہے۔ اور امام نوویؒ کہتے ہیں مختار یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول: ولم یرکب مشی کو جانے پر اگر چہ سوار ہو کر ہی کیوں نہ ہو محمول کرنے کے وہم کو دور کرنے کا فائدہ دیتا ہے۔ اور اس احتمال کی نفی ہو کہ مشی سے مراد اولاً کچھ راستے پر چلنا پھر ثانیاً صدقہ کرنا اور پھر چلنا اور امام سے قریب ہونا مراد ہو: تم کلامہ: میں کہتا ہوں یہ کمزور ضعیف قسم کی رائے ہے کیونکہ نسق کلام سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں وغسل واغتسل ایک ہی باب سے تاکید حقیقی یا تغایر اعتباری کی قبیل سے ہیں اسی طرح ان کے کلام میں بعدوا لاقول بھی ہوگا۔

(کان له بکل خطوۃ)(خطوۃ) خاء کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ۔

(عمل سنۃٍ) ای ثواب اعمالھا۔

(اجر صیامھا قیامھا) یہ (جملہ) بدل ہے عمل سنۃ سے۔

(رواہ الترمذی) اور اسے حسن کہا ہے نووی کہتے ہیں اس کی اسناد جید ہیں میرکؒ نے نقل کیا۔

(وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ) مختلف محدثین نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے جیسے میرک حاکمؒ اور ابن حجرؒ کہتے ہیں امام احمدؒ نے اسے نقل کیا ہے ابن حبان وحاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور کہا ہے یہ علی شرط الشیخین ہے۔

کچھ ائمہ کا قول ہے ہم نے شریعت میں کوئی صحیح حدیث اتنے بڑے ثواب پر مشتمل نہیں سنی۔ مطلب یہ ہے عمل کی تاکید ہوگی تاکہ امید کو پالیا جائے۔

جمعہ کیلئے مخصوص لباس بنانا مستحب ہے

۱۳۸۹: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاعَلٰى اَحَدِكُمْ اِنْ وَجَدَ اَنْ يَّتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوٰى ثَوْبَيْ مِهْنَتِهٖ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/ ۶۵۰ حدیث رقم ۱۰۷۸ ـ وابن ماجه ۱/ ۳۴۸ حدیث رقم ۱۰۹۵ـ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت ہے کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی حرج نہیں تم میں سے کسی ایک پر کہ اگر طاقت ہو تو وہ دو کپڑے بنالے جمعہ کیلئے کام کاج والے کپڑوں کے علاوہ۔ (ابن ماجہ)

امام مالک نے یہ روایت یحیٰی بن سعید سے نقل کی ہے۔

راوی حدیث:

عبداللہ بن سلام۔ یہ عبداللہ بن سلام ہیں۔ جلیل القدر صحابہ کرام ؓ میں سے ہیں۔ ان کی کنیت ابو یوسف ہے۔ اسرائیلی تھے یوسف بن یعقوب علیٰ نبینا وعلیہما السلام کی اولاد میں سے تھے۔ یہ بنی عوف بن الخزرج کے حلیف تھے۔ علماء یہود میں سے تھے اور تورات کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ان لوگوں میں سے جن کے لئے آنحضور ﷺ نے جنت کے داخلہ کی بشارت دی ہے ان سے ان کے دو بیٹے یوسف و محمد وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ مدینہ میں ۴۳ھ انتقال ہوا۔ ''سلام'' میں لام پر تشدید نہیں ہے۔

تشریح: '' کہا گیا ہے ما موصولہ ہے طیبیؒ کہتے ہیں ما لیس کے معنی میں ہے اور اس کا اسم محذوف ہے اور علی احدکم اس کی خبر ہے۔

اور حضور ﷺ کا قول (ان وجد) ای سعة یقدر بها علی تحصیل زائدٍ علی ملبوس مهنةٍ یہ شرطیہ اور معترضہ ہے۔

اور ان کا قول (ان یتخذ) محذوف اسم کے ساتھ متعلق ہے اور اس کیلئے معمولی ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ علی محذوف سے متعلق ہو اور ان یتخذ خبر ہو جیسے اللہ تعالیٰ کے قول: لیس علی الاعمٰی حرج سے اس کے قول ان تأکلوا من بیوتکم اور مطلب ہے لیس علی حد حرج ای نقض یخل بذهده فی ان یتخذ

(ثوبین لیوم الجمعة) ای یلبسهما فیه وفی امثاله من العهد وغیره۔ اس میں یہ بات ہے کہ بے شک یہ (یعنی کپڑے خصوصیت سے بتانا ہے اگر جمعہ کی تعظیم اور اسلامی شعار کی رعایت نہ ہو تو متقین کا شعار نہیں۔

(سوی ثوبی مهنته) ''مهنة'' میم کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ای بذلته و خدمته کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے عمدگی کے لحاظ سے بقیہ ایام کے دو کپڑوں کے علاوہ۔ (لفظ مھنۃ میں) میم کا فتحہ اور کسرہ بھی مروی ہے اور کسرہ اثبات کے وقت غلط ہے۔ الاصمعی کہتے ہیں فتحہ کے ساتھ یعنی الخدمۃ۔

اور نہایہ میں بھی فتحہ پر ہی اکتفا کیا گیا ہے لیکن قاموس کے اندر ہے المهنة بالکسر والفتح والتحریك و ککلمة الحذق بالخدمة والعمل مهنة کمنعه ونصره مهنا ومهنةً ویکسر۔

(رواہ ابن ماجہ) میرکؒ کہتے ہیں اس حدیث کو ابو داؤدؒ نے حضرت عبداللہ بن سلام ہی کی روایت سے نقل کیا ہے جس میں ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو منبر پر یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔

۱۳۹۰: ورواه مالك عن یحی بن سعید۔

ترجمہ: اور امام مالکؒ نے یہ روایت یحیٰی بن سعید سے نقل کی ہے''۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راوئ حدیث:

یحیٰی بن سعید۔ یہ "یحیٰی" ہیں "سعید" کے بیٹے ہیں اور انصاری و مدنی ہیں۔ انس بن مالک، سائب بن یزید اور ان کے علاوہ بہت سے لوگوں سے حدیث کی سماعت کی۔ ان سے ہشام بن عروہ، مالک بن انس، شعبہ، ثوری، ابن عیینہ، ان المبارک وغیرہ نے روایت کی۔ مدینۃ الرسول میں بنوامیہ کے دور میں فصل خصومات کے ذمہ دار تھے۔ خلیفہ منصور نے ان کو عراق بلالیا اور ہاشمیہ میں قاضی مقرر کر دیا۔ اسی مقام پر ۱۴۳ھ میں انتقال فرمایا۔ حدیث وفقہ کے ائمہ میں سے تھے۔ عالم دین، پرہیزگار، زاہد، نیک نہاد اور دینی اور فقہی بصیرت میں مشہور تھے۔

تشریح: "ورواه مالك عن يحيٰى بن سعيد" (یحیٰی بن سعید) یعنی جو انصاری اور تابعی ہیں: قاله الطيبيؒ۔

بوقتِ جمعہ امام سے دور بیٹھنا جنت سے دوری کا سبب ہے

۱۳۹۱: وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُحْضُرُوْا الذِّكْرَ وَادْنُوْا مِنَ الْاِمَامِ فَاِنَّ الرَّجُلَ لَايَزَالُ يَتَبَاعَدُ حَتّٰى يُؤَخَّرَ فِي الْجَنَّةِ وَاِنْ دَخَلَهَا۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ١/٦٦٣ حديث رقم ١١٠٨۔

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خطبہ کیلئے حاضر ہو جاؤ اور امام کے قریب ہو کر بیٹھ جاؤ اس لئے کہ آدمی مسلسل دور ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہونے میں بھی پیچھے رہتا ہے، اگرچہ جنت میں داخل ہو بھی جائے۔ (ابوداؤد)

تشریح: "عن سمرة بن جندب" (جندب) دال کے فتحہ اور اس کے ضمہ کے ساتھ۔

(قال: قال رسول اللهﷺ احضروا الذكر) اى الخطبة المشتملة على ذكر الله وتذكير الأنام۔

(وادنوا) یعنی اقربوا قدر ما امكن (یعنی جتنا ہو سکے قریب ہو جائے امام کے)۔

(وان دخلها) طیبیؒ مسلسل آدمی خطبہ سننے سے دور پہلی صف سے جو مقربین کا مقام ہے اس سے دور رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے متسفلین (یعنی نیچے والے لوگوں) کی آخری صف کی طرف پیچھے کر دیا جاتا ہے اور اس میں متاخرین کے امر کی توہین ہے اور ان کی رائے کو نا مقبول سمجھنا ہے اپنے نفوس کو بلند درجے کے امور کے بجائے نچلے (درجے کے) امور میں رکھ دیا۔ اور حضور ﷺ کے قول وان دخلها میں اشارہ ہے کہ داخل ہونے والے نے جنت اور بلند درجات اور رفعت والے مقامات سے محض دخول پر قناعت کر لی ہے۔

(رواہ ابوداؤد) منذریؒ کہتے ہیں اس کی سند میں انقطاع ہے ورواه الطبراني۔ نقله ميرك۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمعہ کے روز گردنوں کو پھلانگنے کا بدلہ

۱۳۹۲: وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَخَطّٰى رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اتُّخِذَ جِسْرًا اِلٰى جَهَنَّمَ۔ (رواه الترمذی وقال هذا حديث غريب)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ۱/ ٦٦٤ حدیث رقم ۱۱۱۰۔ والترمذی فی السنن ۲/ ۳۹۰ وأحمد فی المسند ۳/ ٤٣٩۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن انس الجہنی اپنے والد مکرم سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے (جامع مسجد میں) جمعہ کے دن لوگوں کی گردنوں کو پھلانگا تو وہ جہنم کی طرف پُل بنایا جائے گا۔ یہ ترمذی کی روایت ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: ''وعن معاذ بن انس الجهنی عن ابیه'' سید جمال الدین نے فرمایا یہ (سند) سہو ہے اس لئے کہ معاذ کے والد انس ہیں ان کو نہ شرف روایت اور نہ صحبت حاصل ہے۔ اور درست یہ ہے عن سھل بن معاذ عن ابیہ جیسے ترمذی میں ہے یا (یہی سند) بغیر راوی کے قول عن ابیہ کے ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(**یوم الجمعة**) (جمعہ والا دن کو) تعظیم کے طور پر خصوصیت کی گئی۔

(**اتخذ**) مبنی للفاعل ہے اور مبنی للمفعول والا قول بھی ہے۔

(**الی جهنم**) قاضی کہتے ہیں پہلے احتمال (یعنی معروف ماننے) کی صورت میں اس کا معنی ہوگا اس کا یہ فعل اسے جہنم کی طرف لے جانے والا ہے کیونکہ اس میں لوگوں کو تکلیف دینا اور ان کی تحقیر کرنا ہے گویا کہ یہ پل ہے۔ جسے اس نے جہنم کی طرف بنایا جائے گا اس پر وہ لوگ گزریں گے جو جہنم کی طرف کھینچے جائیں گے اس کے فعل کے مثل اس کیلئے بدلے کے طور پر۔

طیبیؒ کہتے ہیں الشیخ تورپشتی نے مبنی للمفعول کو روایۃً اور درایۃً ضعیف قرار دیا ہے انتھیٰ کلامہ۔ اور اس حکم سے وہ صورت مستثنیٰ ہے جب کہ صف کے سامنے خالی جگہ ہو کیونکہ اس وقت پھلانگنے والا ان کی یعنی پہلے بیٹھنے والوں کی کوتاہی کی وجہ سے معذور ہوگا۔

(**رواه الترمذی وقال: هذا حديث غريب**) **لا نعرفه الا من حديث رشد بن سعد وقد تكلم اهل العلم فيه**: خلاصہ یہ ہے امام ترمذیؒ کہتے ہیں یہ حدیث غریب ہے کیونکہ یہ صرف رشید بن سعد کی طرف سے آئی ہے اور اس کے بارے میں اہل علم نے کلام کیا ہے نقلہ میرکؒ۔

لیکن صحیح طور سے آتا ہے حضور ﷺ نے ایک آدمی کو لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے دیکھا تو حضور ﷺ نے فرمایا بیٹھ جا تحقیق تو نے تکلیف دی اور تاخیر کی۔

اور باقی جو یہ مروی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے لوگوں کی گردنیں پھلانگیں درانحالیکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے ان پر کسی نے بھی انکار نہیں کیا یہ محمول ہے اس پر کہ صف کے سامنے خالی جگہ تھی یا اس پر کہ پھلانگا جانے والا شخص ان کیلئے راضی تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۳۹۳: وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الْحَبْوَةِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ۔

(رواه الترمذی)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۶۶۸ حدیث رقم ۱۱۱۹۔ والترمذی ۲/۴۰۴ حدیث رقم ۵۲۶ وأحمد فی المسند ۲/۳۲۔

ترجمہ: حضرت معاذ ابن انس سے روایت ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو گوٹ مار کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

اسنادی حیثیت: ترمذی نے یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: ''ان النبی ﷺ نهی عن الحبوة)''حبوة'' حاء کے ضمہ اور اس کے کسرہ کے ساتھ اسی طرح ہمارے علماء میں کچھ شارحین نے ذکر کیا ہے اور یہی صحیح اصولوں کے موافق ہے اور ابن حجرؒ نے کسرہ پر اقتصار کیا ہے اور نہایہ میں حا کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ۔ الاحتباء اسم ہے اور احتباء کا معنی ہے پنڈلی کو پیٹ کی طرف ملانا کپڑے کے ساتھ یا دونوں ہاتھوں کے ساتھ (مراد اس سے گوٹ مار کا بیٹھنا ہے جس میں کپڑے یا ہاتھوں کے ذریعے گھٹنے اور رانیں پیٹ کے ساتھ ملائی جاتیں ہیں) اور اس طرح بیٹھنے سے اس لئے روکا ہے کیونکہ یہ (بیٹھنے کا طریقہ) نیند کو کھینچتا ہے لہٰذا آدمی خطبہ نہ سن سکے گا اھ۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ بسا اوقات آدمی اس حالت میں پہلو پر گر جاتا ہے تو اس کی طہارت ٹوٹ جائے گی پس طہارت میں مشغول ہونا اسے خطبہ سننے سے روک دے گا۔ اور ایک قول یہ ہے (کہ اس طرح بیٹھنے سے اسلئے روکا) کیونکہ یہ متکبرین کے بیٹھنے کا طریقہ ہے ھذا۔

قاموس سے مفہوم ہوتا ہے حبوة واؤ کے ساتھ مثلث الحاء ہے۔ حباہ ای اعطاہ سے اسم ہے اور باقی الاحتباء سے اسم وہ الحبیة کسرہ کے ساتھ ہے۔ اس کلام سے صاحب قاموس نے دونوں کے مادوں کے درمیان فرق کی طرف اشارہ کیا ہے بایں طور کہ پہلا واوی ہے اور دوسرا یائی ہے۔

(یوم الجمعة والامام یخطب) یہ قید احترازی ہے اور پہلی (یعنی یوم الجمعہ) واقعی اتفاقی یا تاکیدی ہے۔

(رواه الترمذی) وقال حسن ذکره میرك۔

(ابو دائود) ورواه احمد والحکم بسند صحیح۔ نوویؒ کا اعتراض اپنے مجموعے میں کہ ترمذی کی سند میں دو ضعیف راوی ہیں لہٰذا اس کا حسن تام نہیں اور ان کا (نوویؒ کا) اعتراض بھی تام نہیں۔

۱۳۹۴: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَعَسَ اَحَدُکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْیَتَحَوَّلْ مِنْ مَجْلِسِهٖ ذٰلِكَ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۱/۶۲۔ حدیث رقم ۶۲۷۰۔ ومسلم ۴/۱۷۱۴ حدیث رقم (۲۷۔ ۲۱۷)۔ وأبوداود فی السنن ۵/۱۶۵ حدیث رقم ۴۸۲۸ والترمذی ۵/۸۲ حدیث رقم ۲۷۴۹۔ والدارمی ۲/۳۶۵ حدیث رقم ۲۶۵۳۔ وأحمد فی المسند ۲/۱۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کو جمعہ کے دن اونگھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آجائے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی جگہ بدل لے، اس سے نیند کا غلبہ کم ہو جائے گا۔ (ترمذی)

تشریح: ''وعن ابن عمر قال: قال رسول اللهﷺ اذا نعس) ''نعس'' عین کے فتحہ کے ساتھ۔

(احدكم يوم الجمعة فليتحول من مجلسه ذلك) ای الی غیره كما فی روایةٍ اخرى پھر چاہے اسی کی طرف لوٹ آئے یا نہ لوٹے کیونکہ اس جگہ سے بیٹھنے کی وجہ سے بوجھ دور ہو جائے گا۔

(رواه الترمذی) ورواہ احمد وابوداؤد ذکرہ ابن حجر اور سیوطی کی جامع صغیر میں ہے ان الفاظ کے ساتھ ہے، اذا نعس احدكم وهو فی المسجد فليتحول من مجلسه ذلك الى غيره رواه ابوداؤد والترمذی عن ابن عمر رضی الله عنهما۔

الفصل الثالث:

۱۳۹۵: عَنْ نَافِعٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُقِيْمَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَقْعَدِهٖ وَيَجْلِسُ فِيْهِ قِيْلَ لِنَافِعٍ فِى الْجُمُعَةِ قَالَ فِى الْجُمُعَةِ وَغَيْرِهَا۔ (متفق عليه)

۱۳۹۶: أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/ ٦٦٥ حديث رقم ۱۱۱۳۔

ترجمہ: حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اسکی جگہ سے اٹھائے اور پھر اس کی جگہ خود بیٹھ جائے۔ نافع سے پوچھا گیا کیا یہ ممانعت جمعہ کیلئے ہے؟ تو فرمایا جمعہ اور غیر جمعہ دونوں کیلئے ہے۔

تشریح: ''عن نافع قال...... مقعده) یعنی مراد ہے دوسرے آدمی کے بیٹھنے کی جگہ سے یا مطلب ہے کہ پہلا آدمی اپنی جگہ سے نہ اٹھائے بایں طور کہ جگہ چھوڑ کر چلا جائے اور اس میں دوسرا بیٹھ جائے پھر یہ پہلا لوٹے اور اس دوسرے کو اٹھانا چاہے۔

ابن حجر عسقلانیؒ کہتے ہیں یہ نصب کے ساتھ اور اگر رفع والی روایت صحیح ہو جائے تو مجموعہ منہی عنہ ہو جائے گا۔ ابن حجرؒ کہتے ہیں نصب کے ساتھ یقیم پر معطوف ہے ان میں سے ہر ایک علیحدہ طور پر منع ہے اور رفع بھی مروی ہے اس صورت میں یہ جملہ حالیہ ہوگا اور نہی مجموعے سے ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر کسی نے کسی کو اٹھایا اور اس کی جگہ پر بیٹھا نہیں اس نے منہی عنہ کا ارتکاب نہیں کیا اور بہتر وہ پہلی روایت اور اس کا افادہ ہے کیونکہ علت نہی کی ایذاء مسلم ہے اور وہ ہر ایک سے الگ الگ طور پر بھی حاصل ہوتی ہے لہٰذا ہر ایک حرام ہے کیونکہ یہ صحیح حدیث کی رو سے قاعدہ ہے۔ من سبقت الى المباح فهو احق به جو کسی مباح چیز کی طرف سبقت کرے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔ (حدیث یہ ہے) من سبق الى ما يسبق غيره فهو احق به اھ۔ اور ایذاء کا دارومدار وہ دوسرے آدمی کو اٹھانے پر ہے اس جگہ بیٹھنے پر نہیں پس اگر اسے اٹھائے اور خود نہ بیٹھے تو یہ بھی ممنوع ہے اور اگر خود بخود کھڑا ہو جائے اور کوئی بیٹھ جائے تو اس میں کوئی بھی حرج نہیں اسی طرح اگر کسی کو کھڑا کیا اور خود نہیں بیٹھا اور کوئی اس کی جگہ بیٹھ گیا تو اس کیلئے یہ جائز ہوگا اگرچہ اس کی اجازت کے بغیر ہی ہو پس جلوس کا ذکر سبب عادی کے طور پر ہے اور حدیث میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر کسی غرض شرعی کیلئے کسی کو اس کی جگہ سے اٹھایا تو جائز ہے لہٰذا ان کا یعنی ابن حجرؒ کا قول کہ انہیں سے ہر ایک علیحدہ طور پر ممنوع ہے علی الاطلاق درست نہیں۔

(قال فی الجمعة و غیرها) ابن حجرؒ نے کہا آدمی کیلئے اجازت ہے کہ وہ بھیجے اس آدمی کو جو مقرر کرے اس کیلئے جگہ مسجد میں مقام ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام اور روضہ شریفہ اور ان جیسی جگہوں میں جیسے میزاب رحمت کے نیچے۔ پس حرام ہے اس میں مصلوں کا بچھانا اور جو آدمی آئے اور مصلیٰ بچھا ہوا پائے تو اسے بنانے کی اجازت ہے اور اس کی جگہ پر بیٹھ سکتا ہے اور یہ آدمی اپنے ہاتھ سے ہٹانے سے بچے کیونکہ اس وقت یہ اس کے ضمان میں داخل ہو جائے گا۔ متفق علیہ۔

دعا بھی بے موقع فائدہ مند نہیں

۱۳۹۶: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْضُرُ الْجُمُعَةَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ فَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِلَغْوٍ فَذَالِكَ حَظُّهُ مِنْهَا وَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِدُعَاءٍ فَهُوَ رَجُلٌ دَعَااللّٰهَ اِنْ شَاءَ اَعْطَاهُ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَهُ وَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِاِنْصَاتٍ وَسُكُوْتٍ وَلَمْ يَتَخَطَّ رَقَبَةَ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُؤْذِ اَحَدًا فَهِيَ كَفَّارَةٌ اِلَى الْجُمُعَةِ الَّتِيْ تَلِيْهَا وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ وَذَالِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أحمد فی المسند ١/ ٢٣٠۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کیلئے تین قسم کے لوگ حاضر ہوتے ہیں، ایک وہ شخص جو لغو اور بے کار کام کے ساتھ حاضر ہوا، پس اس آدمی کیلئے اس کی حاضری سے یہی حصہ ہوگا (یعنی ثواب سے محروم ہوگا)۔ اور ایک آدمی ہے جو جمعہ میں حاضر ہوتا ہے دعا کی غرض سے پس وہ آدمی ہے جو اللہ سے دعا کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو دے دے گا اگر نہیں چاہے گا تو نہیں دے گا۔ اور ایک وہ شخص ہے جو جمعہ کیلئے آتا ہے خاموشی اور سکوت کے ساتھ یعنی خاموش ہو کر خطبہ سنتا ہے اور کسی مسلمان کی گردن نہیں پھلانگتا اور کسی مسلمان کو تکلیف بھی نہیں دیتا، پس یہ جمعہ اس کیلئے دوسرے جمعہ تک جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے اور تین دن زیادہ تک کیلئے کفارہ بن جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿من جاء بالحسنة فله عشر امثالها﴾ کہ جو شخص نیکی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو دس گنا زیادہ ثواب دے گا۔

تشریح: "فرجل" میں فاء تفصیلیہ ہے کیونکہ تقسیم حصر والی ہے اس لئے کہ حاضرین جمعہ تین قسم کے لوگ ہیں۔

(پہلی قسم) کا وہ آدمی ہے جو بیکار کام کرنے والا ہے لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر تکلیف دینے والا ہے اس کا حصہ حاضری سے لغو اور اڑی ہے۔

دوسری قسم کا وہ آدمی ہے جو اپنے ثواب کے حصے کا طالب ہے درانحالیکہ کسی کو تکلیف دینے والا بھی نہیں نہ تو اس پر کچھ وبال ہے اور نہ اس کیلئے کچھ ثواب ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس پر فضل فرما دیں اور اس کے مطلوب کو پورا کریں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسری قسم کا وہ آدمی جو حاضری سے رضائے الٰہی کا طالب ہے مخلوق کے احترام کا قصد رکھتا ہے۔ پس وہ تو پھر وہی ہے (یعنی ایسا آدمی تو قابل رشک ہے) ذکرہ الطیبیؒ۔

اور باقی ابن حجرؒ کا قول (فرجل) میں فا زائدہ ہے یہ فائدہ سے غفلت ہے اور باقی ان کا قول اس کا (یعنی امام کا) تفریع کیلئے قرار دینا بھی درست ہے کیونکہ تفصیل اجمال پر مفرع ہوتی ہے (ان کا قول) تفریع اور تفصیل کے درمیان فرق نہ کرنے پر مبنی ہے۔

(فذلك حظه منها) علامہ طیبیؒ کہتے ہیں فاء جزائیہ ہے کیونکہ مبتدا متضمن ہے معنی شرط کو کیونکہ نکرہ ہے جس کی صفت جملہ فعلیہ ذکر کی گئی ہے۔

ابن حجرؒ کہتے ہیں مطلب یہ ہے اس کیلئے کامل حصہ نہیں ہوگا کیونکہ بیکار کام جمعہ کے کام ثواب سے مانع ہے۔

یہ بھی جائز ہے لغو سے مراد تخطی اور ایذاء وغیرہ مراد ہوں کیونکہ تیسرے سے تخطی وغیرہ کی نفی کی گئی ہے۔ **ای فلذلك الاذی حظّه۔**

(ورجل حضرها بدعاءٍ) یعنی وہ آدمی دوران خطبہ دعا میں مشغول ہوں یہاں تک کہ مشغولیت اسے بالکل خطبہ سننے سے روک دے یا کامل طور پر سننے سے یہ (یعنی اصل خطبہ یا کمال خطبہ والا مفہوم) تیسرے شخص کے بارے میں منقول حضور ﷺ کے قول انصاتٍ وسکوت سے مأخوذ ہے۔

(فهو رجل دعا الله ان شآء اعطاه وان شاء منعه) یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے کرم و بردباری کی کشادگی کی وجہ سے اس کا مسئول عطاء کردیں یا چاہے تو اس سے وہ چیز روک لے اس کے سماع خطبہ کی بجائے دعا میں مشغول ہونے پر عذاب کے طور پر کیونکہ ہمارے نزدیک یہ حرام مکروہ ہے اور باقیوں کے نزدیک حرام ہے قالہ ابن حجرؒ۔

(وسکوت) صرف خاموش ہو۔ پہلی صورت تو اس وقت ہوگی جبکہ قریب ہو اور دوسری صورت اس وقت ہوگی جبکہ دور ہو اور یہ قول ہمارے اصحاب میں سے محمد بن ابی سلمۃ کے قول کی تائید کرتا ہے اور یہی ابن ہمامؒ کا مختار ہے۔

وفی القاموس انصت سکت وانصت له سکت له واستمع حدیثه وانصته اسکته اھ۔ اور ممکن ہے سکوت کو متعدی پر محمول کیا ہے معنی یہ ہوگا کہ وہ لوگوں کو اشارے سے خاموش کروائے کیونکہ تأسیس تاکید سے بہتر ہے۔

وقال ابن حجرؒ (تقدیره) بانصاتٍ للحطیب وسکوت عن اللغو۔

(ولم یؤذ احدًا) یعنی کسی قسم کی تکلیف نہ دی مثلاً کسی کو اس کی جگہ سے اٹھانا یا کسی دوسرے کے اعضاء پر بیٹھ جانے یا دوسرے کے مصلّی پر اس کی رضا کے بغیر بیٹھ جانا۔ یا لہسن و پیاز (جیسی چیزوں) کی بدبو سے مذکورہ کسی چیز سے تکلیف نہ دی)۔

(فهی) **ای جمعة الشاملة للخطبة والصلاة والاوصاف المذکورة۔**

(وزیادة ثلاثة ایام) ''وزیادة'' جر کے ساتھ الجمعۃ پر معطوف ہے۔

(وذلك) اور مذکورہ کفارہ جو کہ دو جمعوں کے درمیان سات اور تین دن کی زیادتی پر مشتمل ہے۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قول **من جآء بالحسنة فله عشر امثالها** کے مطابق ہے کیونکہ جب اس نے اس دن کی تعظیم میں اہتمام کیا تو اس نے ایک نیکی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی جو اس کے گناہ کا اس وقت میں کفارہ ہوگی اور کفارہ گزرے ہوئے دنوں کی طرف بھی متعدی ہو جائے گا نیکی میں تضاعف کے کم سے کم قاعدے کی بناء پر۔

(رواه ابو داؤد) قال ميرك وابن خزيمة في صحيحة۔

علم پر عمل نہ کرنے والے کی مثال

۱۳۹۷: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَكَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَهُوَ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا وَالَّذِيْ يَقُوْلُ لَهٗ اَنْصِتْ لَيْسَ لَهٗ جُمُعَةٌ۔ (رواہ احمد)

أخرجه ابن ماجه في السنن ۳٤۹/۱ حديث رقم ۱۰۹۸۔ ومالك في الموطأ ٦٥/۱ حديث رقم ۱۱۳ من كتاب الطهارة۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے جمعہ کے دن بات چیت شروع کر دی اس حال میں کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو وہ شخص گدھے کی مانند ہے جس پر کتابیں لاد دی گئی ہوں اور جو شخص اس کو کہے چپ ہو جا تو اس کیلئے جمعہ کا ثواب نہیں۔

تشریح: ''ابن حجرؒ کہتے ہیں غیر مشروع کلام کیا اور حدیث کے ظاہر سے اطلاق معلوم ہوتا ہے جیسے امام حنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالکؒ نے اختیار کیا ہے ہاں امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے کچھ اصحاب نے ذکر کو جائز قرار دیا ہے جبکہ وہ آدمی خطبہ نہ سن سکے۔ (آواز وغیرہ نہ آنے کی وجہ سے)۔

(**یحمل**) یہ جملہ صفت ہے یا حال ہے۔

(**اسفارًا**) ای **کتبا کبارًا من کتب العلم** علامہ طیبیؒ کہتے ہیں متکلم کو جو کہ دوران خطبہ کلام کرنے کے حرام ہونے کو جانتا ہے اس گدھے کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو احکام کی بڑی کتابیں اٹھائے ہوئے چلتا ہے لیکن جانتا نہیں ہوتا اس پر کیا چیز لادی گئی ہے۔

ان روایات میں سے صحیحین کی روایت ہے: جمعہ والے دن ایک دیہاتی نے حضور ﷺ سے عرض کیا درانحالیکہ حضور ﷺ خطبہ دے رہے تھے اے اللہ کے رسول ﷺ میرا مال تباہ ہو گیا اور اہل وعیال بھوکے ہو گئے ہمارے لئے اللہ سے دعا کیجئے تو حضور ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی بیہقیؒ کی روایت کی سند صحیح ہے ایک آدمی نے اسے خاموش ہونے کا اشارہ کیا اس نے اشارہ قبول نہ کیا اس نے دوبارہ کلام کیا لوگوں نے دوبارہ روکا پھر اس نے دوبارہ کلام لوگوں نے پھر روکا نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا تو نے اس کیلئے کیا تیاری کی ہے۔

اس آدمی نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کی محبت تو ارشاد فرمایا تو اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تو نے محبت کی۔ (یہ روایات) ابن حجرؒ کے مقصود پر دلالت نہیں کر رہیں۔ کیونکہ یہ ایسے حال کے واقعہ ہے جو قابل استدلال نہیں اس احتمال کی بناء پر کہ ان میں سے ہر ایک نے حضور ﷺ کے منبر پر بیٹھنے سے پہلے کلام کیا ہو یا خطبہ شروع کرنے سے پہلے یا خطبہ سے فراغت کے بعد۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور احادیث میں مذکور اللغو کو ترک ادب کے معنی میں لینا انتہائی بعید ہے کیونکہ حضور ﷺ ترک ادب سے گدھے کے ساتھ تشبیہ نہیں دیتے اور جمہور کے قول کیلئے باری تعالیٰ کا قول مؤید ہے کیونکہ بہت سارے مفسرین کا قول ہے اس سے مراد خطبہ شامل تھا۔

اس کی تائید کرتا ہے ابی رضی اللہ عنہ کا قول اس آدمی کیلئے جس نے ان سے سوال کیا درانحالیکہ نبی ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔اس نے سورۃ براءۃ پڑھی اور پوچھا یہ کب اتری۔

حضرت ابی نے اس سے کلام نہ کیا جب سب نماز پڑھ چکے تو اس آدمی نے حضرت ابیؓ سے کہا مجھے جواب دینے میں آپ کو کیا رکاوٹ پیش آئی۔ابیؓ نے فرمایا تم ہمارے ساتھ جمعہ میں حاضر نہ تھے۔

وہ آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ابی نے سچ کہا۔

اور یہ روایت جواز کلام کی سابقہ بحث کیلئے ناسخ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے کیونکہ سورۃ برائۃ آخری نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے ہاں جمہور کے نزدیک اس کے نفی مشہود سے مراد اس کے کامل ثواب کی نفی ہے ورنہ تو اسے نماز کے اعادے کا حکم دیتے ہیں۔

امام نوویؒ کہتے ہیں بلا خلاف کلام کی وجہ سے جمعہ باطل نہیں ہوتا اگر چہ ہم اس کی حرمت کے قائل ہیں اور حدیث: ''فلا جمعة له '' کا مطلب ہے کاملة (اس کا جمعہ کامل نہیں ہوتا)۔

جمعہ کے دن مسواک ضرور کرنی چاہیے

۱۳۹۸: وَعَنْ عُبَيْدِبْنِ السَّبَّاقِ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جُمُعَةٍ مِنَ الْجُمُعَةِ يَامَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ اِنَّ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ عِيْدًا ا فَاغْتَسِلُوْا وَمَنْ كَانَ عِنْدَهٗ طِيْبٌ فَلَا يَضُرُّهٗ اَنْ يَمَسَّ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ۔ رواه مالك ورواه ابن ماجة عنه)

أخرجه الترمذي في السنن ٢/ ٤٠٧ حديث رقم،٥٢٨ وأحمد في المسند ٤/ ٢٨٢۔

ترجمہ: حضرت عبید بن سباقؒ مرسلاً سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جمعوں (جمع جمعہ) میں سے ایک جمعہ میں فرمایا کہ اے مسلمانوں کی جماعت بے شک یہ ایسا دن ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عید بنایا ہے، پس تم غسل کرو، اور وہ شخص جس کے پاس خوشبو ہو اس پر کوئی حرج نہیں کہ اس کو لگا لے اور تم پر مسواک لازم ہے۔ یہ امام مالک کی روایت ہے۔
اور اسی روایت کو ابن ماجہ نے عبید اللہ سے نقل کیا ہے۔

راویٔ حدیث:

عبید بن السباق۔عبید''سباق'' کے بیٹے ہیں۔حجاز کے باشندہ ہیں۔ان کا شمار تابعین میں ہے۔یہ ''قلیل الروایہ'' راوی ہیں۔ اہل حجاز کے یہاں ان کی حدیثیں ملتی ہیں۔زید بن ثابت' سہل بن حنیف اور جویریہ سے روایت کی۔

تشریح: ''عيد'' ۔۔۔ [illegible]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن السباق : باء کی تشدید کے ساتھ مؤلف (صاحب مشکوٰۃ) کہتے ہیں ابن السباق حجازی ہیں ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔

قال:قال رسول اللہﷺ فی جمعة من الجمع : جمعہ جیم کے ضمہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ جمعہ کی جمع ہے۔

یا معشر المسلمین :ای جماعة المؤمنین (ان هذا)ای الیوم۔

یوم :ای عظیم

جعله الله عیدًا :ای یوم سرور وتزیین للفقر آء والمساکین والاولیاء والصالحین۔

فاغتسلوا :ای بالغو فی الطهارة والنظافة۔

(ومن کان عنده طیب)ای من طیب الرجال مردوں والی خوشبو ہو جس کا رنگ نہ ہو اور اس کی مہک ہو۔

ابن حجرؒ کہتے ہیں خوشبو میں افضل وہ مشک ہے جس میں عرق گلاب کی آمیزش ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشک کو ہی بطور خوشبو کے استعمال کرتے تھے۔

(فلا یضره ان یمس منه) اگرچہ وہ دنیوی لذات اور شہوات نفسانیہ کو چھوڑنے والا اور عبادت بدنیہ میں مشغول ہونے والا ہے کیونکہ خوشبو سنن نبویہ میں سے ہے اور ثواب کی بنیاد تصحیح نیت ہے۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں اگر یہ اشکال کیا جائے کہ یہ پیرائیہ بیان تو وہاں اختیار کیا جاتا ہے جہاں کسی قسم کے حرج کا گمان ہو اور خوشبو لگانا خاص طور پر جمعے والے دن سنت مؤکدہ ہے پھر اس کا کیا مطلب ہے۔تو جواب ہے کچھ مسلمانوں کو یہ وہم ہو گیا کہ خوشبو لگانا عورتوں کی عادت ہے۔لہٰذا مردوں کیلئے درست نہیں تو حرج کی نفی فرمادی جیسے کہ اس طرح کے پیرائیہ بیان کو اختیار کرنے کی وجہ ہے اللہ تعالیٰ کے قول (فلا جناح علیه ان یطوف بهما) میں حالانکہ سعی واجب ہے (کما عندنا) یا رکن ہے(کما عند غیرنا)۔

(وعلیکم بالسواك) مطلب یہ ہے جمعہ والے دن مسواک کو لازم پکڑو خاص طور پر وضو اور غسل کے وقت طہارت وصفائی ستھرائی کامل کرنے کیلئے۔

۱۳۹۹:وَ هُوَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مُتَّصِلًا۔

ترجمہ: ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث عبداللہ بن سباق سے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما متصل نقل کی ہے۔

تشریح: "وهو" ای عبید (عن ابن عباس متصلاً)

میرکؒ کہتے ہیں ابن عباسؓ والی حدیث کے الفاظ ابن ماجہ میں یوں ہیں:

قال: قال رسول اللہﷺ ان هذا یوم عید جعله الله للمسلمین فمن جآء الی الجمعة فلیغتسل وان کان طیب فلیمس منه وعلیکم بالسواك" امام منذریؒ کہتے ہیں اس کی سند حسن درجے کی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیوی سے خوشبو لے کر لگانا جائز ہے

۱۴۰۰: وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقًّا عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ اَنْ يَغْتَسِلُوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلْيَمَسَّ اَحَدُهُمْ مِنْ طِيْبِ اَهْلِهِ فَاِنْ لَمْ يَجِدْ فَالْمَاءُ لَهُ طِيْبٌ۔

(رواہ احمد والترمذی وقال ھذا حدیث حسن)

أخرجه الترمذي في السنن ۲/ ۴۰۷ حديث رقم ۵۲۸ وأحمد في المسند ۴/ ۲۸۲۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں پر جمعہ کے دن غسل واجب ہے اور چاہئے کہ ہر شخص اپنے گھر میں سے خوشبو لے کر استعمال کرے۔ پس اگر خوشبو نہ پائے تو پانی بھی اس کیلئے خوشبو ہے۔ (ترمذی، مسند احمد) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: **وعن البرآء...... المسلمین** : علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں حقا مصدر مؤکد ہے تقدیر عبارت ہوگی **حق ذلک حقا**: اختصار کی غرض سے فعل کو حذف کر دیا گیا اور مصدر کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ حق تو یہ تھا کہ اسے کلام کے بعد تاکید کلام کیلئے ذکر کیا جاتا اسے اس کی یعنی (غسل یوم الجمعۃ) کی عظمت شان بتلانے کیلئے مقدم کیا ہے۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں اس جملے سے یہ بات مأخوذ ہوتی ہے کہ غسل کا وقت فجر سے داخل ہوتا ہے لہٰذا فجر سے پہلے جائز نہیں امام اوزاعیؒ کا اس میں اختلاف ہے اور جانے پر موقوف نہیں امام مالکؒ کا اس میں اختلاف ہے اس بناء پر کہ حدیث: **من اغتسل ثم راح**'' یہ واضح دلیل ہے غسل کے حصول پر اگر چہ اس کے بعد جانا نہ بھی ہو ہاں اس میں افضل یہ ہے کہ جتنا ہو سکے جانے کے قریب کیا جائے، کیونکہ یہ بات صفائی کی غرض کے زیادہ مناسب ہے اور یہ غسل جمعہ میں حاضر ہونے کا ارادہ رکھنے والے کے ساتھ خاص ہے اگر چہ عورت ہی کیوں نہ ہو۔ امام احمد اور ہمارے کچھ اصحاب اس میں اختلاف کرتے ہیں لیکن صحیح حدیث ''**من اتی الجمعة من الرجال والنسآء فليغتسل ومن لم يأتها فليس عليه غسل من الرجال والنسآء**'' کی بناء پر اور اسے حدث اور جنابت کا طاری ہونا باطل نہیں کرتا۔ خلافاً للاوزاعی اھ۔

اور اس میں یہ بحث ہے کہ حدیث میں ایک دن پہلے غسل جائز نہ ہونے کے بارے میں دلالت موجود نہیں کیونکہ مقصود ہے نظافت وغیرہ نماز کے وقت موجود ہو اسی وجہ سے ہمارے کچھ اصحاب نے کہا ہے صحیح یہ ہے غسل نماز جمعہ کیلئے ہے۔ جمعہ کے دن کے کیلئے نہیں ہے۔ اس دلیل کے ساتھ کہ اگر نماز کے بعد غسل کرے تو بالا جماع کفایت نہیں کرے گا۔

پھر اس حدیث کا ظاہر اور اس سے پہلے والی حدیث میں غسل کا امر اور شیخین کی روایت **اذا اتی احدکم الجمعة فليغتسل** کا مضمون امام مالکؒ کے مذہب کیلئے مؤید ہے ساتھ حضور ﷺ کا واضح قول **غسل الجمعة** واجب ہے جیسے شیخینؒ نے روایت کیا ہے موجود ہے لیکن جمہور نے اسے سنت مؤکدہ پر محمول کیا ہے۔ اس کا ترک مکروہ قرار دیا ہے۔ جن درجے کی روایت کی بناء پر اسے سنت مؤکدہ پر محمول کیا ہے) بلکہ ابو حاتم الرازیؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے: **من توضأ يوم الجمعة فبها ای فبا لرخصة اخذ ونعمت ومن اغتسل فالغسل افضل**، اور وجوب والی حدیث کا صحیح ہونا اسے لذب کی تاکید پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمول کرنے سے مانع نہیں اس حدیث کے قرینے کی بناء پر کیونکہ احادیث میں جمع کرنا اگرچہ حجۃ میں برابر نہ ہی ہو کچھ کے الغاء کرنے اور کچھ کے لینے سے بہتر ہے اور بخاری میں ہے حضرت عثمانؓ تاخیر سے تشریف لائے درانحالیکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے پس حضرت عمر نے ان پر نکار کیا انہوں نے عذر بیان کرتے ہوئے کہا ان کو شغل تھا وضوء سے زیادہ نہ کر سکے اور حاضر ہو گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا الوضوء کہا صرف وضو کیا ہے ایضاً اھ۔

یہ واقعہ احتمال رکھتا ہے دونوں حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ وعثمانؓ غسل کے سنت یا واجب ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوں لیکن دونوں نے ضرورت تنگی وقت وغیرہ کی وجہ سے اس کا ترک جائز قرار دیا ہو۔

اور باقی ابن حجرؒ کا قول کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمانؓ کو مہاجرین وانصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں غسل کی طرف لوٹنے کا حکم نہیں دیا پس یہ بات غسل کے واجب نہ ہونے پر دلالت کررہی ہے۔ یہ قول غیر مانوس اور عجیب استدلال ہے کیونکہ بالاجماع غسل نماز جمعہ کے صحیح ہونے کیلئے شرط نہیں۔ حالانکہ حضرت عثمانؓ تاخیر سے آئے اور غسل چھوڑنے کا عذر مشغولی بتا چکے تھے۔ اور مسجد میں خطبہ کی حالت میں داخل ہوئے تھے اور تدارک کا وقت ان سے فوت ہو چکا تھا پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو غسل کی طرف لوٹنے کا حکم کیسے دے سکتے تھے جو نماز جمعہ کے فوت کرنے کی طرف مؤدی تھا ساتھ یہ بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صاحب شرع بھی نہیں ہیں لہٰذا ان کا حکم نہ دینا عدم وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔

(من طیب اهله) لیکن اپنے اہل کی رضامندی کے ساتھ استعمال کرے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''**لا یحل مال امرئٍ مسلمٍ الا عن طیب نفسٍ**'' (یعنی کسی مسلمان کا مال حلال نہیں مگر اس کی طیب خاطر کے ساتھ) یا مراد ہے اپنی اس خوشبو سے جو اپنے گھر والوں کے پاس رکھی ہے یا مطلب ہے اپنے گھر والوں کی خوشبو کی جنس سے نہ کہ اسی قسم سے استعمال کرے کیونکہ مردوں کو عورتوں کی خوشبو ممنوع ہے عورتوں کی خوشبو وہ ہوتی ہے جس کا رنگ ہو۔

(فان لم یجد) ای طیباً۔

(فالماء له طیب) اگرچہ خوشبو اور پانی دونوں کو جمع کرنے میں زیادہ صفائی ستھرائی ہے، ابن حجرؒ کہتے ہیں اسی وجہ سے وارد ہوا ہے **الماء طیب الفقر آء** یعنی پانی اس آدمی کی خوشبو ہے جس کے پاس خوشبو نہ ہو۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں اس پر لازم ہے کہ پانی اور خوشبو دونوں کو استعمال کرے اگر خوشبو میسر نہ ہو تو پانی کافی ہے کیونکہ مقصود پاکیزگی اور بدبو زائل کرنا ہے اور وہ پانی سے بھی حاصل ہو جاتی ہے پھر اس میں (اس جملے میں) مساکین کی دل جوئی ہے اور اشارہ ہے اس بات کی طرف جو سارا نہ پاسکے وہ سارا چھوڑے بھی نہیں **(مالا یدرك كله یترك كله)** عرب کا محاورہ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَابُ الْخُطْبَةِ وَالصَّلٰوةِ

خطبہ اور جمعہ کی نماز کا بیان

خطبہ لغت میں مطلقاً گفتگو اور تقریر اور اس کلام کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے لوگوں کو مخاطب کیا جائے، لیکن شریعت کی اصطلاح میں خطبہ اس کلام کے مجموعے کو کہتے ہیں جو کہ نصائح ذکر واذکار، درود وسلام اور شہادتین پر مشتمل ہو۔

حکم خطبہ:

نمازِ جمعہ کے لئے خطبہ شرط اور فرض ہے اس کے بغیر نماز بالکل درست نہیں ہے۔

مقدارِ خطبہ:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سبحان اللہ، الحمدللہ، لا الہ الا اللہ پڑھ دینا کافی ہے یعنی فرض ادا ہو جاتا ہے لیکن طویل خطبہ پڑھنا سنت اور واجب ہے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ طویل خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ لیکن امام صاحب کے نزدیک سبحان اللہ وغیرہ کہنے سے نمازِ جمعہ درست ہو جائے گی۔

امام شافعیؒ کے نزدیک دو خطبے دینا نماز کیلئے شرط ہے اور فرض ہے اگر ایک خطبہ بھی چھوڑ دیا تو نماز درست نہیں ہے۔

اور صاحبینؒ کے نزدیک طویل ذکر واذکار اور وعظ ونصیحت پر مشتمل مجموعہ جس کو عرف عام میں بھی خطبہ کہا جاتا ہے ضروری ہے صرف سبحان اللہ سے خطبہ ادا نہیں ہوگا۔

الفصل الاول:

نماز جمعہ کا وقت

۱۴۰۱: عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِيْنَ تَمِيْلُ الشَّمْسُ۔

(رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۳۸٦۔ حدیث رقم ۹۰٤۔ وأبو داوٗد فی السنن ۱/٦٥٤ حدیث رقم ۱۰۸٤۔ وأحمد فی المسند ۳/۱٥۰۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جبکہ سورج مغرب کی طرف مائل ہو جاتا تھا یعنی ڈھل جاتا تھا۔ (بخاری)

تشریح: ''عن انس ...... الشمس'' ای الی الغروب وتزول عن استوائها یعنی (مراد یہ ہے) زوال کے متحقق ہو جانے کے بعد نماز پڑھتے تھے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں زوال پر اتنا زیادہ کرتے تھے کہ سورج کا میلان محسوس ہونے لگ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتا تھا مطلب یہ ہے وقت مختار میں نماز ادا فرماتے تھے۔لیکن حدیث میں طیبیؒ کی ذکر کردہ بات پر دلالت موجود نہیں یہ مضمون تو خارج سے ماخوذ ہے۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں اس حدیث سے یہ بات ماخوذ ہوتی ہے کہ وقت داخل ہونے کے بعد جمعہ کی ادائیگی میں جلدی کی جائے اور جمعہ کا وقت زوال کے بعد داخل ہوتا ہے بخلاف امام احمدؒ کے کیونکہ طلوع آفتاب سے بھی جمعہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔

اور یہ روایت صحیحین کی روایت ''**کنا نصلی مع النبیﷺ یوم الجمعۃ ثم ننصرف ولیس للحیطان ظل یمشی فیہ**'' (مطلب یہ ہے ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز جمعہ ادا کے بعد لوٹتے درانحالیکہ دیواروں کا اتنا سایہ نہیں ہوتا تھا جس میں چلا جا سکے تام کے معارض نہیں کیونکہ یہ روایت (مطلقا) سائے کی نفی ظاہر نہیں کرتی بلکہ اس سائے کی جس سے سایہ لیا جا سکے دوسرے روایت کی دلیل کے ساتھ تتبع الظل اور علی سبیل التزل (یعنی اگر مان بھی لیا جائے کہ سایہ نہیں ہوتا تھا) (پھر بھی) یہ حدیث محمول ہے بہت زیادہ جلدی پڑھنے پر یہ توجیہ کی گئی ہے احادیث میں جمع کرنے کیلئے۔

اور باقی جو امام دار قطنی اور دوسرے حضرات نے عبداللہ بن سیدان (سین مہملہ کے کسرہ کے ساتھ) سے روایت کیا ہے عبداللہ کہتے ہیں میں ابوبکر الصدیقؓ کے ساتھ جمعہ میں حاضر ہوا ان کا خطبہ زوال سے پہلے تھا اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں اسی طرح ذکر کیا ہے اور عبداللہ آخر میں کہتے ہیں میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے اس پر کوئی طعن کیا ہو اور نہ کسی نے اس پر انکار کیا۔اس کا جواب ہے محدثین ابن سیدان کے ضعف پر متفق ہیں۔

سونے اور کھانے میں مشغول نہ ہو بلکہ جمعہ کی تیاری کرے

۱۴۰۲:وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَا كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَغَدَّى اِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۴۲۷۔ حدیث رقم ۹۳۹۔ ومسلم فی صحیحه ۲/۵۸۸ حدیث رقم (۳۰۔ ۸۵۹)۔ وأبو داوٗد فی السنن ۱/۶۵۴ حدیث رقم ۱۰۸۶۔ والترمذی فی السنن ۲/۴۱۳ حدیث رقم ۵۲۵۔ وابن ماجه ۱/۳۵۰ حدیث رقم ۱۰۹۹۔ وأحمد فی المسند ۵/۳۳۶۔

ترجمه:حضرت سہیل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ ہم جمعہ کے دن نہ قیلولہ کرتے تھے اور نہ کھانا کھاتے تھے، مگر نماز جمعہ کے بعد۔(بخاری،مسلم)

تشریح: (نقیل) نون کے فتحہ کے ساتھ مطلب یہ ہے ہم قیلولہ نہیں کرتے تھے اور قیلولہ کہتے ہیں نیند وغیرہ سے استراحت حاصل کرنے کو۔

ازہری کہتے ہیں **القیلولہ والمقیل** اہل عرب کے نزدیک نصف نہار کے وقت آرام کو کہا جاتا ہے اگرچہ اس کے ساتھ نیند نہ بھی ہو اللہ تعالیٰ کے قول واحسن مقیلا سے دلیل لیتے ہوئے (جنت کے بارے میں فرمایا بہترین قیلولہ واستراحت کا مقام ہے) حالانکہ جنت میں نیند نہیں ہے۔

(**الا بعد الجمعۃ**) ای بعد فراغ صلاتہم علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں یہ دونوں (یعنی قیلولہ اور غداء) تبکیر سے کنایہ ہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی جلدی جانے سے کنایہ ہیں مطلب یہ ہوگا کہ وہ نہ صبح کا کھانا کھاتے تھے اور نہ آرام کرتے تھے اور نہ کسی کام میں مشغول ہوتے تھے اور جمعہ کے سوا کسی دوسرے امر کا اہتمام نہ کرتے تھے اھ۔

اور مطلب یہ ہے کہ وہ یہ مذکورہ کام جمعہ کے بعد ان سے یہ کام جمعہ سے پہلے فوت ہو جانے کے عوض میں کرتے تھے اور یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کا دوپہر کا کھانا اور ان کا قیلولہ حقیقتاً جمعہ کے بعد ہوتا تھا کہ لازم آئے کہ خطبہ اور نماز زوال سے پہلے ہوئے تھے۔اور امام احمدؒ کی دلیل بن جائے۔

اور باقی ابن حجرؒ کا قول: کہ اس حدیث میں امام احمدؒ پر رد ہے کیونکہ اس حدیث میں غداء کا ذکر ہے اور وہ زوال کے بعد ہوتا ہے۔ابن حجرؒ کا قول عجیب استدلال اور غیر مانوس استنباط ہے۔

(متفق علیہ) قال ميركؒ ورواه ابو داؤد والترمذی۔

گرمیوں میں ظہر و جمعہ دیر سے پڑھنا سنت ہے

۱۴۰۳: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلٰوةِ وَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ يَعْنِي الْجُمُعَةَ ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۳۸۸۔ حدیث رقم ۹۰۶۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب سردی کا موسم ہوتا تو آنحضرت ﷺ نماز جمعہ کو جلدی پڑھاتے تھے اور جب موسم گرما ہوتا تو ٹھنڈا کر کے پڑھاتے تھے،یعنی نماز جمعہ دیر سے پڑھاتے تھے۔(بخاری)

تشریح: وعن انس قال: كان النبی ﷺ اذا اشتد البرد بكر ای تعجل واسرع۔

(بالصلاة)ای صلاها فی اول الوقت۔

(وذا اشتد الحر ابرد بالصلاة) مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھاتے تھے دیوار کا سایہ راستے پر پڑ جانے کے بعد تاکہ لوگوں کو سورج کی تپش سے تکلیف نہ ہو اسی طرح ذکر کیا ہے ہمارے اصحاب میں سے کچھ شارحین نے۔

حافظ تورپشتیؒ فرماتے ہیں: حضور ﷺ کی دوسری حدیث ''كان يصلي الجمعة حين تميل الشمس '' کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ یہ الگ فصل (بحث) میں وارد ہے دوسری فصل (بحث) کے علاوہ اور حضور ﷺ کے قول کان سے عموم احوال مراد نہیں لیا جائے گا تاکہ دونوں حدیثوں میں اتفاق ہو جائے اھ۔

اور حدیث کا ظاہر اس پر ہے کہ جمعہ میں ابراد (ٹھنڈا کر کے یعنی تاخیر کر کے پڑھنا) مسنون ہے سخت گرمی کی صورت میں ظہر کی طرح۔

اور شافعیہ نے اس کی مخالفت کی ہے اور اسے بیان جواز پر محمول کیا ہے۔

اور یہ توجیہ و حمل بعید ہے کیونکہ کان لغۃً اور عرفاً استمرار پر دلالت کرتا ہے۔

(يعنی الجمعة) یہ راوی کی جانب سے تفسیر ہے۔(رواہ البخاری)۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمعہ کی پہلی اذان کی ابتداء

۱۴۰۴: وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانَ النِّدَاءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوَّلُهُ اِذَا جَلَسَ الْاِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ وَكَثُرَ النَّاسُ زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَى الزَّوْرَاءِ۔ (رواه البخاری)

ترجمہ: اور حضرت سائبؓ بن یزید فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانے میں جمعہ کے دن پہلی اذان اس وقت ہوتی تھی جبکہ امام منبر پر بیٹھ جائے، اور یہی طریقہ کار ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے دورِ (خلافت) میں ہوا۔ پس جب حضرت عثمانؓ کا دور آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے، تو تیسری اذان کا اضافہ کیا جو کہ زوراء پر دی جاتی تھی۔ (بخاری)

تشریح: وعن السائب بن یزید قال: کان النداء: ای الاعلام۔

(اذا جلس الامام علی المنبر) مطلب ہے خطبہ اور اس کے ثانی سے پہلے (اور خطبہ کے ثانی سے مراد) اور وہ اقامت ہے جبکہ امام خطبہ سے فارغ ہو کر اتر آئے۔

(فلما کان عثمان) ای زمن خلافتہ۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کان تامہ ہے مطلب ہوگا حصل عهده۔ اور ابن حجرؒ فرماتے ہیں کان کا ناقصہ ہونا بھی درست ہے اور خبر محذوف ہوگی ای خلیفةً۔ اور یہاں یہ بات ہے کہ تقدیر کی طرف ضرورۃ کے وقت پایا جاتا ہے۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں یا مراد یہ ہے جبکہ بدعت ظاہر ہوگی جیسے یہ قول ہے کہ یہ پہلی بدعت ہے یعنی ترک تکبیر اور یہ بات ظاہر ہے (دوسری بات کی بہ نسبت) کیونکہ سارے مدینے والوں کا حضور ﷺ کے سامنے ہونے والی اذان کا سننا بھی تو بہت بعید ہے۔

(النداء الثالث) حدوث کے اعتبار سے تیسری اذان ہے اگرچہ وقوع کے اعتبار سے اول ہے پھر اس کے بعد دوسری اذان ہوگی اقامت کے ساتھ جو پہلے سے چلی آ رہی ہے۔

مفاتیح میں ہے حضرت عثمان ﷺ نے مؤذن کو حکم دیا اول وقت میں خطیب کے منبر پر چڑھنے سے پہلے اذان دے جیسے ہمارے زمانہ میں ہے اھ۔

اور ہمارے زمانے میں ایک چوتھی اذان بھی نکل آئی ہے اور یہ اذان خطیب کے مسجد میں دخول کو بتلانے کیلئے ہوتی ہے۔

(علی الزوراء) زاء کے فتحہ اور واؤ کے سکون رُا اور مد کے ساتھ مدینہ کے بازار میں ایک جگہ کا نام ہے۔ علامہ تورپشتیؒ کہتے ہیں اس کی (یعنی زوراء کی) تفسیر سنن ابن ماجہ میں ذکر کی گئی ہے کہ مدینہ کے بازار میں ایک گھر ہے جس کی چھت پر مؤذنین (اذان کے وقت) ٹھہرتے تھے اور شاید اس گھر کو زوراء کہنے کی وجہ اس کا شہر کی آبادی سے جھکا ہوا ہونا تھا جیسے عرب کہتے ہیں "زوراء ای مائلة وارض زوراء ای بعیدة لقلة السید"۔

اور ایک قول یہ ہے یہ دیوار تھی اور ایک قول ہے یہ بڑا پتھر تھا اور ابن بطال نے آخری (یعنی بڑا پتھر ہونے) پر جزم کیا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور کہا ہے الزوراء بڑا پتھر تھا مسجد کے دروازے کے پاس لیکن اس میں نظر ہے (اشکال ہے) کیونکہ ابن اسحاق عن الزہری عن ابن خزیمۃ اور ابن ماجہ میں یہ الفاظ ہیں۔ ''زاد النداء الثالث علی دار فی السوق یقال لھا الزوراء فکان یؤذن علیھا نقلہ میرك عن الشیخ'' اس سے معلوم ہوتا ہے زوراء گھر تھا بڑا پتھر نہیں تھا ابن حجرؒ کہتے ہیں پھر ہشام نے اس اذان کو مسجد کی طرف منتقل کر دیا۔

اور حضرت عثمانؓ نے یہ اذان لوگوں کی کثرت کی وجہ سے زیادہ کی ان کا خیال یہ تھا کہ مؤذن وقت سے پہلے اذان دے تا کہ آواز مدینہ کے اطراف تک پہنچ جائے اور لوگ امام کے نکلنے سے پہلے جمع ہو جائیں تا کہ ان سے خطبہ ابتدائی لمحات فوت نہ ہوں۔

اور اسے تیسری اذان کہا جاتا ہے اگر چہ وقوع کے اعتبار سے پہلی ہے کیونکہ یہ ان دو اذانوں سے تیسری ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانے میں تھی۔

اور ان دونوں اذانوں سے مراد ایک تو خطیب کے منبر پر چڑھنے سے اور خطبہ پڑھنے سے پہلے اور النداء الاول سے مراد یہی ہے اور دوسری امامت خطبہ پڑھنے سے فارغ ہونے کے بعد امام کے اترنے کے وقت اور النداء الثانی سے مراد یہی ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے عہد کی دو اذانوں سے مراد ایک تو اذان جو خطیب کا سامنے خطبہ سے پہلے دی جاتی تھی اور دوسری اذان سے مراد اقامت ہے۔

(اور طیبیؒ کے کلام میں موجود) اور ان کا قول ویؤذن المؤذن قبل الوقت باقی شراح اور اکثر فقہاء کے کلام اور ہمارے زمانے کے عرف کے خلاف ہے مگر یہ کہ اس سے وقت معتاد سے پہلے اذان دینا مراد ہو اور وقت معتاد سے مراد وہ امام کے سامنے اس کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد کا وقت ہے اور اسے زوال کے بعد پر محمول کیا جائے گا تو اشکال زائل ہو جائے گا۔

پھر یہ مروی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اسے بدعت کہتے تھے اس کے بارے میں کہا گیا ہے انہوں نے اس بات کی طرف دیکھا کہ بدعت وہ ہوتی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد ہوا گر چہ اچھی ہی کیوں نہ ہو ورنہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو اسے ایجاد کیا اس پر صحابہ کا اجماع سکوتی ہے۔

اور اس بات کے کہ اس کی ابتداء کرنے والے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی ہیں معارض نہیں ہے۔ وہ روایت جس میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد سے باہر پہلی اذان دینے کا حکم دینے والے ہیں تا کہ لوگ سن لیں پھر اس کے بعد اپنے سامنے دوسری اذان کا حکم دینے والے ہیں پھر فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہم نے اسے شروع کیا ہے مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے۔

یہ روایت معارض نہیں اس لئے کہ کیونکہ روایت منقطع ہے اور ثابت نہیں ہے۔

اور عطاء نے انکار کیا ہے اس بات کا کہ حضرت عثمانؓ نے اذان مقرر کی وہ تو صرف اعلان کا حکم دیتے تھے اور ان دونوں قولوں میں توفیق ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ والے زمانہ کا اعلام محض بدستور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں رہا پھر حضرت عثمانؓ نے دیکھا کہ اس کی جگہ کسی بلند جگہ پر اذان مقرر کر دیں۔ پس انہوں نے ایسا کر دیا اور اس وقت تمام شہروں میں لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے عمل کو لے لیا کیونکہ آپؓ اطاعت کیے جانے والے خلیفہ تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ایک قول یہ ہے کہ مکہ میں سب سے پہلے جس نے یہ اذان مقرر کی وہ حجاج ہے اور بصرہ میں زیاد۔ اور باقی جو کچھ مالکیہ نے ابن القاسم عن مالک سے نقل کیا ہے کہ یہ اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ ہوتی تھی بلکہ منارہ پر ہوتی تھی۔ اور ابن عبدالبرؒ نے جو امام مالکؒ سے نقل کیا ہے جو اذان امام کے سامنے ہوتی ہے یہ پہلے سے نہیں ہے۔ اور جو طبرانی وغیرہ میں ہے کہ محمد بن اسحاق نے اس حدیث کے ضمن میں کہا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد کے دروازے پر اذان دیا کرتے تھے۔ اس میں بہت سے لوگوں نے نزاع کہا ہے۔ ان لوگوں میں سے موالکیہ کی ایک جماعت ہے جن کا قول ہے کہ بے شک یہ اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی ہوتی تھی جیسے اس کا تقاضہ کر رہی ہے بخاری شریف کی روای۔ ھذا اھ۔

بخاری کی روایت میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس میں سے کسی چیز کیلئے مقتضی ہو لیکن دونوں قولوں میں جمع ممکن ہے کہ آخرکار جو طے ہوا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (اذان دینا) ہی تھا۔ یا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان مسجد کے دروازے پر بطور اعلام کے تھی۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے اعلام کیلئے اصل ہوتی اور شاید ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانے میں اسے ترک کر دیا گیا اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بدعت کہا اور تجدید سنت کو بدعت کہنا اسی طریقے پر ہے جیسے تراویح میں فرمایا **نعمت البدعة ھی** اھ۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جنہوں نے جمعہ سے پہلے کی سنتوں کی نفی کی ہے ان کا کہنا ہے یہ بات تو معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر چڑھتے تھے تو حضرت بلالؓ اذان شروع کر دیتے تھے اور جب اذان مکمل کر لیتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ شروع کر دیتے تھے پھر سنتیں کب پڑھتے تھے اور جو آدمی یہ گمان کرتا ہے کہ جب وہ اذان سے فارغ ہوتے تھے وہ کھڑے ہوتے اور نماز پڑھتے تھے وہ لوگوں میں سب سے بڑا جاہل ہے۔

اور یہ استدلال مرفوع ہے کیونکہ ظاہر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خروج زوال کے بعد ہوتا تھا پس ممکن ہے اس کے بعد چار رکعتیں پڑھتے ہوں اور وہ بھی زوال کو مانتے تھے کیونکہ ان کے اور آج کل کے زمانے کے مؤذن میں فرق نہیں کیونکہ دخول وقت میں جو اس کا اعتماد ہے وہی ان کا اعتماد تھا اھ۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں سعی الی الصلوٰۃ اور خرید و فروخت کو چھوڑنا اس وقت واجب ہے جب مؤذن اذان دے درانحالیکہ امام منبر پر موجود ہو کیونکہ یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا اور شیخین کے زمانے میں اور یہی زیادہ ظاہر ہے لیکن دوسرے علماء نے ان کا علاوہ آیا ہے اس سے مراد وہ آجکل منارے پر دی جانے والی اذان ہے جو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں مقرر ہوئی۔ شمنیؒ فرماتے ہیں یہی صحیح ترین قول ہے اور اسے پسند کیا ہے شمس الائمہ نے اھ۔ اور شاید انہوں نے آیت کے عموم کو لیا ہے۔ بین یدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے قطع نظر کرتے ہوئے یا اس بات کو مدنظر رکھا ہے کہ ان پر واجب ہے سعی الی الصلاۃ ایسے شغل کا چھوڑنا جو اذان خطبہ سے پہلے مانع ہوتا تاکہ ان سے خطبہ کا کچھ حصہ فوت نہ ہو جائے۔ اسی غرض کیلئے انہوں نے پہلی اذان کو مقرر کیا جو اول وقت میں ہوتی ہے۔ اور اسکی تائید اجماع سکوتی بھی کرتا ہے واللہ اعلم۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے

۱۴۰۵: وَعَنْ جَابِرِبْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ يُذَكِّرُ النَّاسَ فَكَانَتْ صَلَاتُهُ قَصْدًا وَخُطْبَتُهُ قَصْدًا۔ (رواه مسلم)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۳۹۳۔ ۹۱۲۔ وأبو داوٗد في السنن ۱/۶۵۵ حديث رقم ۱۰۸۷۔ والترمذي ۲/۳۹۲ حديث رقم ۵۱۶۔ وأحمد في المسند ۳/۴۵۰۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دو خطبے ہوتے تھے (یعنی آپ دو خطبے ارشاد فرماتے تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے، قرآن پڑھتے تھے اور لوگوں کو نصیحت کرتے تھے، آپ کی نماز بھی درمیانی ہوتی تھی اور خطبہ بھی درمیانہ ہوتا تھا۔ (مسلم)

تشریح: وعن جابر بن سمرة......بينهما: اى بين الخطبتين، اس میں (یعنی حدیث میں) اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ قیام کی حالت میں ہوتا تھا اور کھڑا ہونا دوران خطبہ امام شافعیؒ کے نزدیک شرط ہے۔ اور ہمارے نزدیک سنت ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک فرض ہے۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹھنا عذر کی وجہ سے تھا جبکہ ان کے پیٹ کی چربی زیادہ ہوگئی تھی۔ جیسے ابن ابی شیبۃ نے روایت کیا ہے۔هذا۔ اى خذ هذا۔

اور فعل اگرچہ امام شافعیؒ کے نزدیک وجوب پر دلالت کرتا ہے لیکن اس کا ترک جمعہ کے بطلان پر دلالت نہیں کرتا اور ان دونوں خطبوں کے درمیان اور پہلے بیٹھنے میں کیا فرق ہے؟ باوجود یکہ ان میں سے ہر ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

شافعیہ کی ایک جماعت نے کہا ہے معاملہ ایسے ہی ہے جیسے انہوں نے کہا ہے اور تعجب ہے اس کو تو واجب قرار دے دیا نہ کہ آئندہ والے کو۔

اور ابن حجرؒ نے اس کے جواب میں طوالت سے کام لیا ہے جس کے ذکر میں فائدہ نہیں ہے ہم نے اس کے ذکر سے اعراض کیا ہے۔ پھر ابن حجرؒ نے کہا ہے ہمارے ائمہ نے راوی کے قول يقرأ القران سے یہ بات لی ہے کہ دونوں خطبوں میں سے ایک کے اندر آیت کی قراءت ضروری ہے۔

اور اسی طرح راوی کے قول يذكر الناس سے یہ بات لی ہے کہ اللہ سے ڈرنے کی وصیت ضروری ہے۔ کیونکہ خطبہ سے بڑا مقصود یہی ہے، اور اس بحث کی تفصیل عنقریب آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

(ويذكر الناس) یہ اسی (یعنی يقرأ) کا معطوف ہے اور اسی کے حکم میں داخل ہے انتہی التذکیر وہ وعظ اور نصیحت اور ان چیزوں کے ذکر کا نام ہے جو ترغیب وترھیب کو لازم کریں۔

(وخطبته قصدًا) علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں قصد اصل میں استقامت فی الطریقۃ کو کہتے ہیں پھر اس کا استعارہ کیا گیا امور میں توسط اور افراط سے دوری کیلئے۔ پھر دو جانبوں میں توسط وسط ہی کی طرح ہوتا ہے (یعنی دو چیزوں میں میانہ روی وتوسط

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسے ہی ہوتا ہے جیسے ان کا درمیان ہے) اور یہ توسط نماز اور خطبہ میں مساوات کا تقاضہ نہیں کرتا کہ حضرت عمار کی آئندہ آنے والی حدیث کے معارض ہو جائے۔

(رواہ مسلم) اور ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں ہے حضور ﷺ دو خطبے ارشاد فرماتے تھے جب منبر پر چڑھتے تھے تو بیٹھتے تھے یہاں تک کہ مؤذن فارغ ہو جاتے پھر کھڑے ہوتے اور خطبہ دیتے پھر بیٹھتے اور کلام نہ کرتے پھر کھڑے ہوتے اور خطبہ دیتے۔

خطبہ مختصر مگر جامع ہونا چاہئے

۱۴۰۶: وَعَنْ عَمَّارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ طُوْلَ صَلٰوةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهٖ مَئِنَّةٌ مِّنْ فِقْهِهٖ فَاَطِيْلُوا الصَّلٰوةَ وَاقْصُرُوا الْخُطْبَةَ وَاِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۵۸۹/۲ حديث رقم (۳۴۔ ۸۶۲)۔ والشطر الثاني ۵۹۱/۲ حديث رقم (۴۱۔ ۸۶۶)۔ وأبوداؤد في السنن ۶۵۷/۱ حديث رقم ۱۰۹۴۔ والترمذي ۳۸۱/۲ حديث رقم ۵۰۷ والنسائي ۱۱۰/۳ حديث رقم ۱۴۱۸۔ وابن ماجه ۳۵۱/۱ حديث رقم ۱۱۰۶۔ والدارمي ۴۴۰/۱ حديث رقم ۱۵۵۷۔ وأحمد في المسند ۹۳/۵۔

ترجمہ: حضرت عمارؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کی لمبی نماز اور مختصر خطبہ اس کی دانائی کی علامت ہے لہٰذا تم نماز کو طویل اور خطبہ کو مختصر کرو، کیونکہ بعض بیان جادو کا سا اثر رکھتے ہیں۔ (مسلم)

تشریح: وعن عمار ...... الرجل: ای اطالتها۔

(وقصر خطبته) ''قصر'' قاف کے کسرہ کے اور صاد کے فتحہ کے ساتھ ای تقصیر ها۔

(مئنة) میم کے فتحہ اور ہمزہ کے کسرہ اور نون کی تشدید کے ساتھ (مئنّه) اور باقی ابن حجرؒ کا قول کہ ہمزہ کا فتحہ بھی منقول ہے یہ قول اصول میں ثابت نہیں۔

(من فقهه) ای علامة يتحقق بها فقهه:

(مئنّة) مفعلة کا وزن ہے ان مکسورۃ مشدد سے اور اس کی حقیقت ہے ظن اور مکان ہے قائل کے قول انه فقيه کا۔ کیونکہ نماز مقصود بالذات ہے اور خطبہ اس کیلئے بمنزلہ تمہید کے ہے پس توجہ کو پھیرا جائے زیادہ اہم کی طرف کذا قیل۔ یا اس وجہ سے کہ خطبے کی حالت میں توجہ مخلوق کی طرف ہوتی ہے اور نماز کی حالت میں مقصود خالق ہے۔ پس اس آدمی کی قلبی فقاہت سے ہے اپنے رب سے معراج کو طویل کرنا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں من فقهه یہ مئنّة کی صفت ہے۔ (تقدیر عبارت یہ ہوگی) ای مئنّة ''ما'' ناشئة ''ما'' من فقهه۔ نہایۃ اصول کے اندر ہے اس کا مطلب ہے یہ ایسی چیز ہے یعنی اطالت صلاۃ اور قصر خطبہ جس سے آدمی کی سمجھ وفقہ پہچانی جاتی ہے ہر وہ چیز جو کسی چیز کی طرف دلالت کرے وہ اس کے لئے مئنہ یعنی علامت ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوراس کی (مئنۃ کی) حقیقت یہ ہے کہ یہ مفعلۃ کا وزن ہے ان کے معنی سے جو تحقیق کیلئے ہوتا ہے اس کے لفظ سے مشتق نہیں کیونکہ حروف سے کوئی چیز مشتق نہیں ہوتی۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ ان سے مشتق ہے اسے اسم قرار دینے کے بعد تو یہ بھی ایک قول ہے اور نہایت عجیب بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ ہمزہ مظنۃ کی ظا کے بدلے میں ہے اور میم ان سب میں زائدہ ہے۔(مئنہ و مظنہ وغیرہ میں)۔

ابوعبیدہؒ فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے یہی وہ چیز جس کے ذریعے آدمی کی فصاحت پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔امام زہریؒ فرماتے ہیں ابوعبید نے میم کو اس میں اصلی قرار دیا ہے حالانکہ وہ مفعلۃ کی میم ہے۔

اور حضور ﷺ نے اسے (یعنی اطالت صلاۃ قصر خطبہ کو) اس کی فقہ پر علامت اس لئے قرار دیا کیونکہ نماز وہ ہی اصل ہے اور خطبہ وہ فرع ہے اور فقہ کے فیصلوں میں سے ہے کہ اصل کو فرع پر زیادہ ترجیح دی جائے۔

(فاطیلوا الصلاۃ و اقصرو والخطبۃ) ابن الملکؒ فرماتے ہیں اس طول سے مراد وہ طول ہے جو سنت کے مطابق ہو نہ تو اس سے کم ہو اور نہ اس سے زیادہ ہو یہ توجیہ اس لیے کی ہے تاکہ اس حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث میں تطبیق ہو سکے انتہیٰ۔

میں کہتا ہوں ان دونوں میں منافات نہیں ہے کیونکہ پہلی حدیث ان دونوں (یعنی خطبہ وصلاۃ) میں میانہ روی پر دلالت کرتی ہے اور دوسری حدیث ان دونوں میں سے دوسری چیز (یعنی نماز) میں خصوصیت کے اختیار کرنے پر دلالت کرتی ہے۔

پھر یہ مضمون منافی نہیں ہے اس مضمون کے جو مسلم میں وارد ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور ظہر تک خطبہ دیا پھر اترے اور نماز پڑھائی پھر منبر پر چڑھے اور عصر تک خطبہ دیا پھر اترے اور نماز پڑھائی۔پھر جلوہ افروز ہوئے اور مغرب تک خطبہ دیا پس خبر دی ان چیزوں کی جو ہو چکیں اور جو آئندہ ہوں گیں اھ۔

(وان من البیان لسحرًا) مطلب یہ ہے کچھ بیان جادو جیسا عمل کرتے ہیں جیسے جادو کی وجہ سے گناہ حاصل ہوتا ہے کچھ بیانوں سے بھی گناہ حاصل ہوتا ہے۔

یا مطلب ہے کچھ بیان ایسے ہیں جو سننے والوں کے دلوں کو جو وہ سن رہے ہوتے ہیں اس کے قبول کرنے کی طرف پھیر دیتے ہیں اگرچہ وہ حق نہ ہی ہو۔لہٰذا اس میں خطبہ کے مختصر کرنے میں حکمت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ خطیب مصیبت کی جگہ میں ہوتا ہے لہٰذا اس خطیب پر لازم ہے اس مشقت سے احتراز کرے کہ کسی ریا اور شہرت اور ابتغاءِ فتنہ میں نہ پڑ جائے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ جملہ فصاحت وبلاغت کی تعریف ومدح ہے مراد یہ ہے بے شک بلیغ جسے ایسا ملکہ حاصل ہوتا ہے جس کے ذریعے بلیغ کلام کی تالیف پر قادر ہوتا ہے اور کلام بلیغ سے مراد وہ کلام ہے مقتضی حال کے مطابق ہو، بلیغ لوگوں کو آخرت کی محنت اور دنیا میں بے رغبتی اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال پر اپنی فصاحت وبلاغت کے ذریعے ابھارتا ہے۔پس اس کا بیان وہ حلال جادو ہے قلوب کے کھینچنے میں اور دقائق اور لطائف پر مشتمل ہونے میں لہٰذا یہ تشبیہ بلیغ ہے اور ظاہر ہے یہ عطف الجمل کے قبیل سے ہے جسے بطور استطراد اذکر کیا ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں یہ جملہ :اقصروا سے حال واقع ہے مطلب یہ ہوگا خطبہ کو مختصر کرو درانحالیکہ تم اس میں جمیع مطالب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لے کر آنے والے ہو تھوڑے الفاظ میں اور یہ بات بیان کے مراتب میں سے سب سے اعلیٰ ہے اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اوتیت جوامع الکلم''۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں قاضی عیاضؒ نے اس جملے میں دو تاویلیں ذکر کی ہیں۔

ان دونوں میں سے ایک یہ ہے کہ یہ مذمت ہے قلوب کو مائل کرنے اور پھیرنے کی وجہ سے کلام کے ٹکڑوں کے ساتھ کیونکہ اس سے گناہ حاصل ہوتا ہے جیسے جادو سے گناہ حاصل ہوتا ہے اور امام مالکؒ نے مؤطا میں اسے باب ما یکرہ من الکلام کے تحت داخل کیا ہے اور یہ ان کا مذہب ہے حدیث کی تاویل میں۔

اور دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ جملہ مدح ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بیان سکھا کر احسان فرمایا ہے اور اسے جادو کے ساتھ تشبیہ دی ہے قلوب کے اس کی طرف میلان کی وجہ سے اور جادو کی اصل بھی پھیرنا ہے۔

اور بیان قلوب کو پھیرتا ہے اور مائل کرتا ہے اس چیز کی طرف جس کی طرف وہ دعوت دے رہا ہوتا ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں یہ دوسرا ہی صحیح مختار ہے۔ (رواہ مسلم)

خطبہ میں آواز بقدرِ ضرورت بلند ہونی چاہیے

۱۴۰۷ : وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَاخَطَبَ اِحْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَاصَوْتُهٗ وَاشْتَدَّ غَضَبُهٗ حَتّٰى كَاَنَّهٗ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُوْلُ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ وَيَقُوْلُ بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ وَيَقْرُنُ بَيْنَ اِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٢/٥٩٤ حديث رقم (٤٧۔ ٨٦٩)۔ والدارمي في السنن ١/٤٤٠ حديث رقم ١٥٥٦۔ وأحمد في المسند ٤/٢٦٣۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بلند ہو جاتی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ سخت تیز ہو جاتا تھا یہاں تک کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (دشمن کے) کسی لشکر سے ڈرانے والے ہیں کہ فرما رہے ہوں کہ دشمن کا لشکر تم پر صبح یا شام حملہ کرنے والا ہے اور خطبہ میں ارشاد فرماتے تھے مجھے اور قیامت کو اس طرح بھیجا گیا ہے اور اپنی شہادت اور درمیان والی انگلی کو ملاتے تھے۔ (مسلم)

تشریح: ''احمرت عیناہ'' کیونکہ آپ پر انوار جلال کبریائی کی تجلیاں اترتی تھیں اور کمال رحمانیہ کی روشنیوں کی چمکیں اترتی تھیں اور امت مرحومہ کے احوال کے مشاہدے اور ان کے اکثر امور معلومہ کے پورا کرنے میں کوتاہی کی وجہ سے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سرخ ہوتا تھا)

(وعلا صوتہ) صوتہ رفع اور نصب کے ساتھ ہے پہلی صورت میں مطلب ہوگا کہ آپ کا کلام بلند ہو جاتا تھا غموں کے اترنے کی وجہ سے دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپ ~~اپنی آواز بلند~~ کرتے تھے افادۂ عموم کیلئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن الملکؒ فرماتے ہیں آواز اس لئے بلند کرتے تھے تاکہ ان کے وعظ کو ان کے کانوں تک پہنچا دیں اور اس خبر کی ان کے دلوں تعظیم بیٹھانے کیلئے اور اس کی ان میں تاثیر کے ظہور کیلئے۔

(واشتد غضبه) یعنی غصے کے آثار سخت ہوجاتے تھے جو پیدا ہوئے تھے اس قلت ادب سے جس کی امت مرتکب تھی اللہ کی معصیت میں

(حتی كانه منذر جيشٍ) منذر میں اضافت مفعول کی طرف ہے مطلب یہ ہے کہ ڈراتے تھے اس آدمی کی طرح جو لوگوں کو ایسے بڑے لشکر کے قریب آنے سے ڈراتا ہے جو لوٹ کھسوٹ کا ارادہ رکھتے ہوں۔

(یقول) منذر کی صفت ہے یا اس سے حال ہے۔

(صبحكم ومساكم) دوصیغوں میں تشدید کے ساتھ۔ ابن الملک مطلب بیان کرتے ہیں سيصبحكم العدوّ وسيمسونكم يعني سيأتيكم وقت الصباح ووقت المساء۔

طیبیؒ معنی بیان کرتے ہیں صبحكم العدو وكذا امساكم۔ اور مراد اس سے لشکر کی صبح وشام غارت گری سے ڈرانا ہے علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں یہ بھی جائز ہے یہ جملہ منذر جیش کی صفت واقع ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انکے اسم سے حال واقع ہو اس وقت عامل اس میں تشبیہ کا معنی ہے اور قائل اس وقت رسول اللہ ﷺ ہوں گے اور يقول الثاني کا عطف ہوگا اول يقول پر اور پہلی صورت میں اس کا عطف ہوگا كانه جملے پر اھ۔

صحیح بلکہ درست پہلی صورت (احتمال) ہے کیونکہ اُن کے منبروں پر اس قول صبحكم ومساكم کا کوئی مطلب نہیں اور اس پر صحابیؓ کے لفظ يقول کا اعادہ بھی دلالت کرتا ہے۔

(ويقول) ای النبی ﷺ اس سے اشارہ ہے قول المنذر اور اس سے پہلے والا جملہ صحیح طور پر احمرت پر معطوف ہیں کیونکہ روایت میں یقول کے اندر رفع ہے۔ لہٰذا اس کے حتی کے مدخول پر (یعنی حتی كانه الخ) پر عطف کا احتمال اٹھ گیا۔

(بعثت انا والساعة) الساعة کا رفع ہے اکثر نسخ کے اندر اور یہی زیادہ بلیغ ہے اگرچہ نصب معنی کے اعتبار سے زیادہ ظاہر ہے۔

مفاتیح کے اندر ہے الساعۃ کا نصب بھی ہے اور اس کا رفع بھی ہے ابن الملک فرماتے ہیں رفع کے ساتھ اس کا عطف ہوگا ضمیر پر اور نصب کے ساتھ یہ مفعول معہ ہے تقدیر عبارت ہوگی بعثني اليكم قريبا من القيامة۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں ضمیر منفصل کو تاکیدً اذکر کیا ہے تاکہ عطف درست ہوجائے۔

(والوسطی) علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں حضور ﷺ کا لوگوں کو یوم قیامت کے آنے اور اس کے وقوع کے قریب ہونے اور لوگوں کے مہلک چیزوں میں پڑے رہنے، ڈرانے کی حالت کو تشبیہ دی ہے اس آدمی کی حالت کے ساتھ جو اپنی قوم کو ڈراتا ہے جو اپنے سے قریب لشکر سے غافل ہیں جو لشکر ان کا ہر جانب سے اچانک احاطے کا قصد رکھتا ہے۔

جیسے ڈرانے والا اپنی آواز بلند کرتا ہے اور اس کی دونوں آنکھیں سرخ ہوجاتیں ہیں اور اس کا غصہ ان کی غفلت کی وجہ سے شدید ہوجاتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوراس کی نظیر ہے جب آیت "وانذر عشیرتك الاقربین اتری تو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم صفا پر چڑھ گئے اور قریش کی شاخوں کو پکارنا شروع کر دیا اور اپنے چچاؤں کو اور اپنی پھوپھیوں کو اور ان کی اولاد کو اورارشاد فرمارہے تھے میں تمہیں اللہ سے نہیں بچا سکتا ہوں میں تو واضح ڈرانے والا ہوں۔ اسی طرح حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی حالت ہوتی تھی انذار کے وقت اور قرب قیامت کی طرف اپنی دونوں انگلیوں سے اشارہ کیا۔ (رواہ مسلم)

خطبہ میں آیات قرآنی پڑھنا سنت ہے

۱۴۰۸: وَعَنْ يَعْلَى بْنِ اُمَيَّةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ عَلَى الْمِنْبَرِ وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ۔ (متفق عليه)

أخرجه مسلم في صحيحه ۵۹۲/۲ حديث رقم (۴۳۔ ۸۶۷)۔ وابن ماجه في السنن ۱۷/۱ حديث رقم ۴۵۔

ترجمہ: حضرت یعلی بن امیہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے منبر پر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا ہے ﴿و نادوا یا مالك لیقض علینا ربك﴾ اے مالک تو اپنے رب سے سفارش کر کہ ہمارا کام تمام کر دے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: (قال سمعت النبی ﷺ یقرأ علی المنبر ونادوا) مطلب یہ ہے کفار جہنم کے خازن مالک سے کہیں گے۔ (یاملك لیقض علینا ربك) ای بالموت۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں (لیقض) قضی علیه ای اماته سے مشتق ہے جیسے قرآن کریم میں ہے۔ فوكزه موسٰی فقضٰی علیه۔ مطلب یہ ہوگا تو اپنے رب سے مطالبہ کر اس بات کا کہ وہ ہمارے بارے میں موت کا فیصلہ کرے اور یہ بات وہ ان شدائد کی وجہ سے کہیں گے جو ان پر ہوگئیں پس ان کو اس قول کے ساتھ جواب ملے گا۔ "انکم ماکثون ای خالدون یعنی تم ہمیشہ (اس میں) رہوں گے اور اس میں ان کے ساتھ ایک قسم کا استہزاء بھی ہے (انتہٰی) حدیث اور اس کا ماقبل دلالت کر رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول "ان انت الا نذیر" اور اللہ تعالیٰ کا قول وان من امة الا خلافیها نذیر اور اللہ تعالیٰ کا قول لیکون للعالمین نذیرا اس بات پر کہ لوگ انذار اور تخویف کی طرف زیادہ حاجت رکھتے ہیں بہ نسبت تبشیر کے ان کے غفلت میں بڑھنے کی وجہ سے اور ان کے شہوت میں منہمک ہونے کی وجہ سے۔

ابن الملک آیت کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ای لیبین لنا قدر لبثنا فی النار فیقول لهم مالك انكم ماکثون (یعنی اے مالک سوال کرتا کہ ہمارے لئے ہمارے جہنم میں قیام کی مقدار واضح ہو جائے۔ پس مالک ان سے کہے گا تم اس میں ہمیشہ رہو گے)

اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وعظ و نصیحت اور تخویف والی آیت کا منبر پر پڑھنا سنت ہے (متفق علیہ) ورواہ ابوداؤد والنسائی قاله میرك۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحابیہ کا ایمانی جذبہ

۱۴۰۹: وَعَنْ اُمِّ هِشَامٍ بِنْتِ حَارِثَةَ بْنِ النُّعْمٰنِ قَالَتْ اَخَذْتُ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ مِنْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهُوَ يَقْرَءُ بِهَا عَلَى الْمِنْبَرِ فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه البخاري في صحيحه ٥٦٨/٨۔ حديث رقم ٤٨١٩۔ ومسلم في صحيحه ٥٩٤/٢ حديث رقم (٤٩۔ ٨٧١)۔

ترجمہ: حارثہ بن نعمان کی بیٹی حضرت ام ہشامؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سورۃ ق و القرآن المجید آنحضرت ﷺ کی زبان سے سن کر یاد کی تھی کہ آپ ﷺ اس کو ہر جمعہ میں منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے پڑھتے تھے۔ (مسلم)

راویٔ حدیث:

امّ ہشام۔ یہ ام ہشام' حارثہ بن نعمان کی بیٹی اور مشہور صحابیہ ہیں۔ ان سے ایک جماعت نے روایت کی۔ ''ہشام'' ہا کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ کے نسخہ میں ''ام ھاشم'' ہے قلم کا سہو ہے۔

تشریح: (وعن ام هشام) (هشام) ھا کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ ام ہشام مشہور صحابیہ رضی اللہ عنہا ہیں كذا في التقريب اور باقی جو ابن حجرؒ کی اصل میں جو ہاشم کا لفظ ہے وہ قلم کا سہو ہے۔

(الاعن لسان رسول الله ﷺ يقرأها كل جمعة على المنبر اذا خطب الناس) علامہ طیبیؒ نے مظہر سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے اور ان کی پیروی کی ہے اس قول میں ابن الملک نے اس سے مراد سورۃ کا پہلا حصہ لیا ہے ساری سورت مراد نہیں لی ہے کیونکہ حضور ﷺ اس ساری سورت کو خطبہ میں نہیں پڑھتے تھے اھ۔

شارح فرماتے ہیں اس میں یہ بحث ہے کہ یہ بات محفوظ نہیں کہ حضور ﷺ اس کا (یعنی سورتِ قٓ کا) اول حصہ ہر جمعہ میں پڑھتے تھے۔ وگرنہ تو اس کی قراءت واجب یا سنت مؤکدہ ہوتی بلکہ ظاہر ہے وہ ہر جمعے میں اس کا کچھ حصہ تلاوت کرتے تھے پس ام ہشام رضی اللہ عنہا نے ساری سورت یاد کر لی واللہ اعلم۔

پھر میں نے ابن حجرؒ کا قول دیکھا کہ حضور ﷺ کے قول يقرؤها سے مراد ہے كلها ساری سورت اور اسے انہوں نے اس کے ظاہر سے پھیرتے ہوئے محمول کیا ہے سورۃ کے ابتدائی حصے (کے پڑھنے) پر۔

لیکن اس میں ظاہر علامہ طیبیؒ کا ساتھ دینا ہے لیکن اسے ظاہر سے پھیرتے ہیں ساری سورت کو متعدد خطبوں پر محمول کرتے ہوئے کیونکہ اسے ہر خطبہ میں پوری سورت پر محمول کرنا بہت بعید ہے۔

(رواہ مسلم) اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اپنے ہر جمعے کے خطبے میں قٓ پڑھا کرتے تھے اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے بے شک حضور ﷺ نے سورۃ براءۃ کے ساتھ خطبہ دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمامہ باندھ کر خطبہ پڑھنا سنت ہے

۱۴۱۰: وَ عَنْ عَمْرِوبْنِ حُرَيْثٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ قَدْ اَرْخٰى طَرَفَيْهَا بَيْنَ كَتِفَيْهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۲/۵۹۵ حديث رقم (۵۱۔ ۸۷۳) وأحمد في المسند ۶/۴۳۶۔

ترجمہ: حضرت عمروؓ بن حریث فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دن جمعہ کا خطبہ دیا آپ ﷺ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا اور اس کے دونوں کنارے آپ نے اپنے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکائے ہوئے تھے۔ (مسلم)

تشریح: (وعن عمرو بن حريث) حدیث تصغیر کے ساتھ ہے قرشی اور مخزومی ہیں نبی ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ نے ان کے سر کو چھوا اور ان کیلئے برکت کی دعا کی۔

اور ایک قول یہ ہے نبی ﷺ کی وفات ہوئی درانحالیکہ ان کی عمر بارہ سال تھی کوفہ کی امارت ان کو سونپی گئی ذکرہ المؤلف۔

(ان النبی ﷺ خطب) اور شمائل کے اندر ہے خطب الناس۔

(وعليه عمامة) عمامۃ عین کے کسرہ کے ساتھ ہے اور شمائل کے کچھ نسخوں کے اندر عصابۃ ہے۔

اور مغرب کے اندر ہے عصابہ کے ساتھ عمامہ کو موسوم کیا جاتا ہے اور ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے صلاة بعمامة خير من سبعين صلاة بغير عمامة (عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنا بغیر عمامہ کی ستر نمازوں سے بہتر ہے)۔

(سوداء) اور کچھ روایات میں دسماء کا لفظ بھی آتا ہے جس کا مطلب سوداء ہے۔

اور ایک قول ہے (دسماء کے مطلب میں) تر ہوتا تھا حضور ﷺ کے بالوں کی چکناہٹ کی وجہ سے جبکہ آپ زیادہ تیل استعمال کرتے تھے۔ (قد ارخی) ای سدل وارسل۔

(بين كتفيه يوم الجمعة) علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں اس حدیث میں یہ مضمون ہے کہ جمعے والے دن زینت والا لباس اور سیاہ عمامہ پہننا اور اس کی دونوں طرفوں کو کندھوں کے درمیان لٹکانا سنت ہے۔

میرکؒ نے شمائل کے حاشیے میں کہا ہے کہ یہ خطبہ نبی ﷺ کی اس مرض میں وقوع ہوا جس میں انکی وفات ہوئی۔

امام زیلعیؒ فرماتے ہیں سیاہ عمامہ پہننا سنت ہے اس حدیث کی وجہ سے جس میں یہ مذکور ہے اور صاحب مدخل کا ظاہر کلام یہ ہے کہ حضور ﷺ کا عمامہ سات گز کا تھا۔ ان سے ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے۔

(رواہ مسلم) قال ميرك والاربعة۔ اور شمائل کے اندر ہے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب عمامہ باندھتے تو اپنے عمامہ میں سدل کرتے تھے یعنی اس کے دونوں کناروں کو اپنے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکاتے تھے۔

نافعؒ فرماتے ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما اسی طرح کرتے تھے۔ اور عبیداللہؒ فرماتے ہیں میں نے قاسم بن محمد اور سالم دونوں کو دیکھا ایسا کرتے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور علامہ سیوطیؒ نے ثلج الفؤاد فی لبس السواد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے۔ انہوں نے سیاہ عمامہ پہنا اور اسے لٹکایا ہوا تھا اپنے پیچھے (یعنی اس کے کناروں کو)۔

ابن سعدؒ نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ عمامہ کو (یعنی عمامہ کے کنارے کو پیچھے) ایک بالشت یا ایک بالشت سے کم لٹکاتے تھے۔

ابن ابی شیبہ نے تخریج کی ہے ابن زبیرؓ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا درانحالیکہ اپنے پیچھے ایک گز (کنارہ) لٹکایا ہوا تھا۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بہت سے صحابہ کرام اور تابعین سے سیاہ عمامے کا پہننا نقل کیا ہے جن میں سے حضرت انس بن مالکؓ اور عمار بن یاسرؓ اور معاویہؓ اور ابوالدرداءؓ اور براء رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ اور سعید بن المسیب اور حسن بصری اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ عنہم اجمعین حضرات شامل ہیں۔

پھر فرمایا (علامہ جلال الدینؒ نے) اور ابن عدیؒ نے کامل میں اور ابونعیم اور بیہقیؒ دونوں نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباسؓ سے تخریج کی ہے فرماتے ہیں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔ اور میں ان کو دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ خیال کر رہا تھا۔ حضرت جبرئیلؑ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا یہ تو سفید کپڑوں والا ہے اس کی اولاد سیاہ کپڑے پہنے گی۔ علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ: المعمولة فی ارسال العذبه میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت کیا ہے فرمایا مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ پہنایا پھر اس کو (اس کے کنارے کو) لٹکایا میرے سامنے اور میرے پیچھے (کی جانب) رواہ ابوداؤد۔

وفی روایةٍ، ارسل من خلفه اربع اصابع ونحوها ثم قال هكذا فاعتم فانه اغرب احسن رواه الطبرانی فی الاوسط واسناد حسن۔

اور ایک روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمامے کے پیچ کو اپنے سر پر گھماتے تھے اور اسے پیچھے کی جانب داخل کر دیتے تھے۔ اسے (اس کے شملہ کو) اپنے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا دیتے تھے۔

اور باقی حدیث خالفوا الیهود ...... اور حدیث اعوذ باللہ من عمامة حماء ان دونوں کی کوئی اصل نہیں۔ اور جس آدمی نے جان لیا یہ سنت ہے پھر اسے ترک کیا اس سے تکبر کرتے ہوئے تو وہ گنہگار ہوگا اور تکبر کرتے ہوئے ایسا کہا تو پھر نہیں (یعنی پھر گنہگار نہیں)

امام نوویؒ نے شرح مہذب میں فرمایا ہے کہ عمامے کو پہننا اس کا کنارہ لٹکاتے ہوئے یا اس کے کنارے لٹکائے بغیر ان میں سے کسی میں کراہت نہیں ہے۔

اور ترک ارسال کے بارے میں (شملہ لٹکانے کے ترک میں) کوئی چیز ثابت نہیں اور اس (یعنی شملے کو) بہت زیادہ لٹکانا کپڑے کے لٹکانے کی طرح پس متکبرین کیلئے حرام ہے اور کسی اور کیلئے مکروہ ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث کی وجہ سے۔ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ازار قمیص اور عمامہ میں لٹکانا نہیں ہے (یعنی بہت زیادہ لٹکانا) جس نے کچھ کھینچا تکبر کی وجہ سے اللہ قیامت والے دن اس کی طرف رحمت سے نہ دیکھیں گے۔ رواہ ابوداؤد والنسائی باسناد صحیح۔

اور باقی اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شملے کے عمل میں اقتداء کرے اور اسے اس سے تکبر حاصل ہو اس کا علاج یہ ہے کہ اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اعراض کرے اور اپنے نفس کا اسے چھوڑ کر علاج کرے۔ اور یہ بات شملے کے ترک کو لازم نہیں کرتی۔ پس اگر وہ تکبر نہ زائل ہو مگر اس شملہ کو چھوڑ کر تو اسے چاہیے اتنی مدت اسے چھوڑے رکھے۔ یہاں تک کہ وہ تکبر زائل ہو جائے کیونکہ شملے کا ترک مکروہ نہیں ہے اور تکبر وغرور کو زائل کرنا واجب ہے۔

لیکن امام نووی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے بے شک وہ رنگ وہ جس پر نبی ﷺ اور خلفائے راشدین نے مواظبت کی ہے وہ سفید ہی ہے۔

پھر امام نووی نے فرمایا ہے صحیح یہ ہے کہ وہ سفید عمامہ پہنے نہ کہ سیاہ مگر یہ کہ اسے اس پر سلطان اور کسی اور کی جانب سے فساد کے ترتب کا غالب گمان ہو جائے۔

اور ابن عبدالسلام نے فتویٰ دیا ہے سیاہ کے پہننے پر ہمیشگی اختیار کرنا بدعت ہے۔ اور پہلے وہ لوگ جنہوں نے جمعات واعیاد میں اسے پہننا شروع کیا وہ بنو العباس تھے اپنے زمانہ خلافت میں اس بارے میں انہوں نے دلیل پکڑی تھی اس بات سے کہ فتح مکہ اور حنین والے دن ان کے جد امجد حضرت عباسؓ کیلئے جھنڈا بنایا گیا وہ سیاہ تھا۔ ابن ھبیرہ فرماتے ہیں یہ (یعنی سیاہ پر مواظبت بدعت وغیرہ ہے) اس وجہ سے کہ یہ رنگ زینت سے بہت زیادہ بعید رنگوں میں سے ہے۔ اور رنگوں میں سے زہد فی الدنیا کے بہت زیادہ قریب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عابدین وزاہدین اسے پہنتے ہیں۔

عمامہ باندھنے کا طریقہ:

امام نووی فرماتے ہیں کہ عمامہ باندھنے کے سنت طریقے دو ہیں عمامہ باندھ کر دونوں کناروں کو کندھوں کے درمیان لٹکانا اور یہی طریقہ مشہور ہے عمامہ باندھ کر کنارے سے شملہ بالکل نہ چھوڑا جائے۔

عمامہ کا رنگ:

آنحضرت ﷺ سیاہ عمامہ بھی باندھتے تھے اور سفید بھی باندھتے تھے اور دھاری دار عمامہ بھی باندھتے تھے۔ لیکن عموماً سفید اور سیاہ عمامہ ہوتا تھا اس لیے یہ دونوں سنت ہیں۔ علامہ سیوطی نے بہت سارے صحابہ اور تابعین کے بارے میں یہی نقل کیا ہے کہ سیاہ عمامہ باندھتے تھے۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت براء ابن عازب، حضرت انس بن مالک، حضرت عمار ابن یاسر، حضرت انس بن مالک، حضرت امیر معاویہ، حضرت واثلہ ابن اسقع اور سعید بن مسیبؒ، حسن بصریؒ اور سعید بن جبیرؒ۔

بوقت خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم

۱۴۱۱: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيْهِمَا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٢/ ٩٩٠ ~~حديث~~ رقم(٥٧- ٥٩ ١٣)۔ وأبو داوٗد في السنن ٤/ ٣٤٠ حديث رقم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۰۷۷ والنسائی ۸/۲۱۱ حدیث رقم (۵۳۴۶) وابن ماجہ مختصراً ۲/۹۴۲ حدیث رقم ۲۸۲۱۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اس حال میں کہ آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کیلئے آئے۔ اور امام خطبہ پڑھ رہا ہو، تو اس کو چاہئے کہ دو رکعتیں پڑھ لے۔ اور چاہے کہ ان دونوں میں انتہائی اختصار کرے۔ (مسلم)

تشریح: (اذا جاء احدکم یوم الجمعۃ و الامام یخطب) مطلب ہے خطبہ دینے کے قریب ہو یا اس کا ارادہ رکھتا ہو۔

(فلیرکع رعتین ویتجوز)

(ویتجوز) لام کے کسرہ اور سکون کے ساتھ ہے۔

(فیھما) مطلب ہے ہلکی دو رکعتیں پڑھے اور کہا گیا ہے مناسب یہ ہے کہ ان میں جمعہ کی سنتوں کی نیت کرے کیونکہ تحیۃ المسجد ان سے حاصل ہو جاتی ہے بخلاف اس کے عکس میں (یعنی تحیۃ المسجد سے سنتوں کا حصول نہیں ہوتا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں اور یہی قول اختیار کیا ہے ابن الملک نے مذہب کی مخالفت کے باوجود یہ روایت دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ تحیۃ المسجد دوران خطبہ مستحب ہے۔

(رواہ مسلم) قال میرك۔ و اللفظہ وللبخاری بمعناہ ولم یقل ویتجوز فیھما۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں مسلم کی روایت میں ہے سلیک غطفانی ؓ جمعہ والے دن آئے درانحالیکہ نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے پس حضرت سلیک بیٹھ گئے پس ان سے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اے سلیک کھڑا ہو جا اور دو رکعتیں پڑھ اور ان میں تخفیف کر پھر فرمایا اذا جاء احدکم ......۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں امام ابوحنیفہ ؒ کیلئے دلیل حضور ﷺ کا قول ہے۔ اذا خرج الامام فلا صلاۃ ولا کلام۔ ابن ہمام فرماتے ہیں اس کا رفع غریب ہے۔ اور معروف یہ ہے کہ یہ امام زہری کا کلام ہے جسے امام مالکؒ نے مؤطا میں نقل کیا ہے اور فرمایا خروجہ یقطع الصلاۃ و کلامہ یقطع الکلام۔

اور ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں تخریج کی ہے حضرت علی اور ابن عمر ؓ سے کہ یہ دونوں حضرات امام کے نکلنے کے بعد نماز اور کلام کو مکروہ سمجھتے تھے۔

اور حضرت عروہؒ نے تخریج کی ہے فرمایا جب امام منبر پر بیٹھے تو نماز نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قول صحابی ہمارے نزدیک حجت ہے جبکہ سنت میں سے کوئی دوسری چیز اس کی نفی نہ کرتی ہو۔ اور باقی جو امام مسلمؒ نے حضور ﷺ کا قول نقل کیا ہے۔ اذا جاء احدکم۔ یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ مراد یہ ہے کہ پڑھے (دو رکعتیں) خطیب کے خاموش ہونے کے ساتھ۔ کیونکہ سنت میں یہ بات بھی ثابت ہے (یعنی سنت میں یہ بات بھی ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے دوران خطبہ خاموشی اختیار کر لی تھی جب اس آدمی نے دو رکعتیں پڑھی تھیں)

یا یہ روایت خطبہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت سے پہلے کی ہے۔ انتہی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ایک قول یہ ہے یہ بھی احتمال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کا حکم اس لئے دیا تا کہ اس پر صدقہ کیا جائے۔ امام احمدؒ اور ابن حبانؒ نے تخریج کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نماز کا حکم تکرار کے ساتھ تین مرتبہ جمعوں میں کیا۔ لہٰذا یہ بات دلالت کرتی ہے کہ اس سے مقصود اس پر تصدق تھا۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بیٹھنے سے پہلے نماز کا حکم دیا لہٰذا یہ حکم تخصیص کے باب سے ہوا کیونکہ قائلین منع اسے تصدق کی علت کی وجہ سے جائز قرار نہیں دیتے جیسے کہ انہوں نے اس کی تصریح کی ہے۔

۱۴۱۲: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلَاةِ مَعَ الْاِمَامِ فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلَاةَ۔ (متفق علیه)

١٤١٢ : أخرجه البخاري في صحيحه ٥٧/٢۔ حديث رقم ٥٨٠۔ ومسلم في صحيحه ٤٢٤/١ حديث رقم (١٦٢۔ و٦٠٧)۔ وأبوداوٗد في السنن ٦٦٩/١ حديث رقم ١١٢١۔ والترمذی ٤٠٢/٢ حديث رقم ٥٢٤۔ والنسائي ٢٧٤/١ حديث رقم ٥٥٣۔ وابن ماجه ٣٥٦/١ حديث رقم ١١٢٢۔ والدارمي ٣٠١/١ حديث رقم ١٢٢٠ ۔ ومالك في الموطأ ١٠٥/١ حديث رقم ١١ من كتاب الجمعة ۔ وأحمد في المسند ٢٤١/١۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ جس شخص نے نماز کی ایک رکعت امام کے ساتھ پالی اس نے نماز پالی۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: "مع الامام" علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں یہ نماز جمعہ کے ساتھ خاص ہے اسے بیان کیا ہے فصل ثالث میں مذکور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت نے۔

(فقد ادرك الصلاة) امام شافعیؒ مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس سے نماز فوت نہیں ہوئی اور جس سے جمعہ فوت نہیں ہوا اس نے دو رکعتیں پڑھی۔

ابن الملکؒ فرماتے ہیں امام کے سلام کے بعد کھڑا ہو جائے اور دوسری رکعت پڑھے۔

اور زیادہ ظاہر اس حدیث کو عموم پر محمول کرنا ہے جیسے کہ باب: ما على المأموم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: من ادرك فقد ادرك الصلاة گزرا ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے من ادرك من الجمعة ركعة فليصل اليها اخرىٰ۔

ابن حجرؒ نے اسے یعنی فليصل کو ضمہ اور پھر فتحہ اور تشدید کے ساتھ ضبط کیا ہے۔ لیکن یہ درست ہے کیونکہ الیھا اس کے بعد موجود ہے۔ لہٰذا درست یہ ہے کہ اول لفظ کے فتحہ کے ساتھ دوسرے کے اور کسر اور لام مخففہ کے سکون (فليصل) کیونکہ وصول الی کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔ (متفق علیہ)

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الفصل الثانی:

دونوں خطبوں کے درمیان کلام جائز نہیں

١٤١٣: عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ كَانَ يَجْلِسُ اِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتّٰى يَفْرُغَ اَرَاهُ الْمُؤَذِّنَ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ ثُمَّ يَجْلِسُ وَلَا يَتَكَلَّمُ ثُمَّ يَقُوْمُ يَخْطُبُ۔

(رواه ابو داود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ١/٦٥٧ حديث رقم ١٠٩٢۔ وأحمد في المسند ٢/٣٥۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن دو خطبے پڑھتے تھے۔ آپ جب منبر پر چڑھتے تو بیٹھ جاتے یہاں تک کہ مؤذن اذان دے کر فارغ ہو جاتا، پھر آپ کھڑے ہوتے اور خطبہ ارشاد فرماتے پھر آپ بیٹھ جاتے، اور کلام نہیں فرماتے تھے اور پھر آپ کھڑے ہو جاتے اور دوسرا خطبہ ارشاد فرماتے۔ (ابوداؤد)

تشریح: (كان يجلس) استئناف مبین ہے (نیا کلام ہے ماقبل کیلئے مبین ہے)

(اذا صعد المنبر) علماء نے کہا ہے منبر پر خطبہ دینا مستحب ہے اور کچھ علماء کا قول ہے سوائے مکہ کے کہ اس کے منبر پر خطابت بدعت ہے اور اس میں سنت یہ ہے کہ کعبہ کے دروازے پر خطبہ دے جیسے یہ عمل کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ والے دن اور ان کی پیروی کی اس پر خلفائے راشدین نے اور مکہ میں یہ عمل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شروع کیا تھا۔

لیکن اس میں یہ بحث ہے کہ انہوں نے اسے کہا اور سلف نے اس کی تقریر کی باوجودیکہ ان کے ان پر دوسرے واقعات میں اعتراضات تھے یہ بات کرتی ہے اس کے جواز پر۔

(المؤذن) نصب کے ساتھ ارادہ کا مفعول ہے۔ اور اس میں رفع بھی آ سکتا ہے فاعلیت کی بناء پر لیفرغ المؤذن تقدیر ہوگی۔ مطلب یہ ہے راوی کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں میرا گمان ہے انہوں نے فرمایا حتی یفرغ المؤذن (یہاں تک کہ مؤذن فارغ ہو جائے) كذا قال بعض الشراح۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں مراد یہ ہے راوی نے کہا میرا گمان ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے راوی کے قول حتی یفرغ کے اطلاق سے تقید بالمؤذن (یعنی اسے مؤذن کے ساتھ خاص کرنا) مراد لیا ہے۔ اور معنی یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر اتنی مقدار بیٹھتے تھے کہ جب تک مؤذن اپنی اذان سے فارغ ہو جائے۔

(ثم يقوم فيخطب ثم يجلس) ای جلسة خفيفة ابن حجرؒ فرماتے ہیں اولی یہ ہے کہ سورۃ الاخلاص کی بقدر جلوس ہو۔

(ولا يتكلم) یعنی اپنے بیٹھنے کی حالت میں سوائے ذکر یا آہستہ قراءۃ کے علاوہ بات نہ کرے۔

اور زیادہ بہتر ہے قرآن کریم کی تلاوت ابن حبان کی روایت کی بناء پر جس میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھنے میں کتاب کی تلاوت کرتے تھے۔

(ثم يقوم فيخطب) منیہ کی شرح میں ہے سخت مکروہ ہے بادشاہوں کی ایسی باتوں کے ساتھ تعریف کرنا جو ان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں موجود نہ ہوں۔ کیونکہ اس میں عبادۃ کو معصیت جو کہ جھوٹ ہے اس کے ساتھ ملانا ہے۔ انتہی۔

اور ہمارے کچھ ائمہ کا قول ہے کہ جس نے ہمارے زمانے کے بادشاہ کو عادل کہا اس نے کفر کیا۔ اور کچھ ائمہ کا قول ہے انصات واجب ہے۔ یہاں تک کہ خطیب ظالموں کی تعریف شروع کر دے۔

اس وجہ سے کچھ ائمہ اس طرف گئے ہیں کہ ہمارے زمانے میں خطیب سے دوری بہتر ہے تا کہ ظالموں کی تعریف نہ سنے۔

(رواہ ابو داؤد) قال ميرك وفي اسناده عبدالله المعرى وفيه مقال۔

خطبہ کے وقت لوگ کس جہت مُنہ کر کے بیٹھیں

١٤١٤: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَوٰى عَلَى الْمِنْبَرِ اسْتَقْبَلْنَاهُ بِوُجُوْهِنَا (رواه الترمذى وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَا نَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ مُحَمَّدِ ابْنِ الْفَضْلِ وَهُوَ ضَعِيْفٌ ذَاهِبُ الْحَدِيْثِ)۔

أخرجه الترمذى فى السنن ٢/٣٨٣ حديث رقم ٥٠٩۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب منبر پر خطبہ کے لئے بیٹھ جاتے تھے تو ہم آپ کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے، اپنے چہروں کے ساتھ۔ (ترمذی) اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صرف فضل محمد کی سند کے ساتھ پہچانی جاتی ہے، اور وہ ضعیف ہیں، ان کا حافظہ کمزور ہے انہیں حدیث یا دنہیں رہتی تھی۔

تشریح: سنت ہے یہ کہ لوگ خطیب کی طرف مُتوجہ ہوں اور خطیب لوگوں کی طرف متوجہ ہو۔

منیہ کی شرح میں مذکور ہے لوگوں کیلئے مستحب ہے کہ خطبہ کے وقت امام کی طرف رخ کریں لیکن آج کل یہ طریقہ ہے کہ لوگ قبلہ کی طرف رخ کرتے ہیں۔ صفیں درست کرنے میں حرج کی وجہ سے کثرت ازدہام کی وجہ سے۔ كذا فى شرح الهدايه للخروجى۔

میں کہتا ہوں ان کے امام کی طرف رخ کر لینے کی وجہ سے استقبال قبلہ کا ترک لازم نہیں آتا جیسا کہ اس پر باب العید کے شروع میں آنے والی حدیث شاہد ہے۔

پس لوگوں کے سامنے کھڑا ہو اور لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے ہوں ہاں اس صورت میں ان دونوں میں اجتماع متعذر ہوگا جب مسجد حرام میں امام کی جہت کے علاوہ میں ہو۔ اجتماع عام اور خاص کے وقت۔

اور منیہ کی شرح میں ہے جب خطیب منبر پر چڑھے تو ہمارے نزدیک یہ ہے کہ لوگوں کو سلام نہ کرے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا اس میں اختلاف ہے اھ۔

(شارح اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں) اور عجائب میں سے ہے جو میرے ساتھ واقع ہوا میں نماز جمعہ سے فراغت کے بعد شافعی خطیب کے پاس گیا اور میں نے اسے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا ایک مرتبہ تو اس نے مجھے تعجب کیا۔

میں نے اس سے کہا تم اولاً سلام کرتے ~~ہو جبکہ~~ مؤذن اذان شروع کر دیتا ہے۔ اور کوئی بھی جواب نہیں دیتا اور اگر کوئی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواب دے تو تو سنتا نہیں۔لہٰذا (اس کا جواب) اسقاط غرض کا فائدہ نہیں دیتا۔یا تو مؤذن کو حکم دو کہ تمہارے سلام کا جواب دے وگرنہ سلام کرنا ترک کر دو تا کہ لوگ عام حرج میں اور پورے گناہ میں نہ پڑیں اس نے مجھے کہا یہ ممکن نہیں کیونکہ یہ عادت کے خلاف ہے میں نے کہا ارادہ ترک عادت ہے اوراس کے ترک سے عادۃ عبادت ہو جائے گی۔

(رواہ الترمذی وقال هذا حديث لا نعرفه الا من حديث محمدبن الفضل)ای ابن عطية قاله ميرك (وهو ضعيف) ای فی الرواية (ذاهب الحديث) ای واهم فی نقله۔

قاله الطيبی ای ذاهب حديثه غير حافظ للحديث وهو عطف بيان لقوله ضعيف۔

(مراد یہ ہے امام ترمذیؒ نے اسے محمد بن الفضل ابن عطیہ کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ محمد بن الفضل ضعیف راوی ہیں۔ضعیف کی تفسیر ذاهب الحديث سے کی ہے جس کا مطلب ہے اپنی نقل میں وہم کرنے والا ہے علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں ذاهب حديثه کا مطلب ہے اپنی حدیث کو یاد رکھنے والا نہیں اور واهم فی نقله اور غیر حافظ للحدیث یہ دو تفسیریں ہیں۔اور ذاهب الحديث ضعیف کیلئے عطف بیان ہے)۔

الفصل الثالث:

۱۴۱۵: عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَجْلِسُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ قَائِمًا فَمَنْ نَبَّأَكَ اَنَّهُ كَانَ يَخْطُبُ جَالِسًا فَقَدْ كَذَبَ فَقَدْ وَاللّٰهِ صَلَّيْتُ مَعَهُ اَكْثَرَ مِنَ اَلْفَيْ صَلَاةٍ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحيحه ٢/ ٥٨٩ حديث رقم (٣٥۔ ٨٦٢)۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے، پھر بیٹھ جاتے اور پھر کھڑے ہوتے۔پس کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے،لہٰذا جو شخص آپ کو یہ خبر دے کہ آنحضرت ﷺ خطبہ بیٹھ کر ارشاد فرماتے تھے تو وہ جھوٹ بولتا ہے،اللہ کی قسم میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ دو ہزار سے بھی زیادہ نمازیں پڑھی ہیں۔

تشریح: ''منیہ کی شرح میں ہے ہر وہ شہر جو تلوار کے ساتھ فتح کیا گیا ہو اس میں تلوار کے ساتھ خطبہ دیا جائے گا جیسے مکہ میں اور وہ شہر جس کے اہل نے بخوشی اسلام قبول کیا جیسے مدینہ اس میں بغیر تلوار کے خطبہ دیا جائے گا اور قیام کے بارے میں کلام عنقریب آئے گا۔

(ثم يجلس ثم يقوم فيخطب قائمًا) الينا بيع میں ہے کہ دوسرے خطبے میں جہر پہلے کے جہر سے کم ہو گا۔

(فمن نبأك) با کی تشدید کے ساتھ اخبرك اور حدثك کے معنی میں ہے۔

(فقد واللّٰه صليت) علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں واللہ قسم جو قد اور اس کے متعلق کے درمیان اعتراض کے طور پر ہے اور یہ جواب قسم پر بھی دلالت کرنے والا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فاسیہ ہے مطلب یہ ہوگا وہ ایسا جھوٹا ہے جس کا جھوٹ ظاہر ہے اس سبب سے کہ میں نے ان کے ساتھ دو ہزار سے زیادہ نمازیں پڑھی ہیں۔(معه كثر من الفى صلاة) (دو ہزار سے صرف جمعہ کی نمازیں مراد ہیں) بلکہ جمعہ اور اس کے علاوہ دوسری نمازیں مراد ہیں۔یا مراد یہ انہوں نے اس سے کثرت ظاہر کرنے کا ارادہ کیا تحدید ان کا مقصود نہیں کیونکہ حضور ﷺ مدینہ میں صرف دس سال ٹھہرے اور پہلا جمعہ جو انہوں نے پڑھا تھا وہ آپ کی مدینہ تشریف آوری کے ساتھ ملا ہوا تھا پس آپ ﷺ نے دو ہزار جمعہ نہیں پڑھے (فی المدینہ) بلکہ پانچ سو کے برابر پڑھے تھے۔(رواہ مسلم)

فمن کا فا شرط محذوف ہے اور فقد کذب میں فامن کا جواب ہے اور فقد و اللّٰہ میں

خلافِ سنت کام دیکھ کر غصہ آنا غیرت ایمانی ہے

۱۴۱۶: وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ اَنَّهٗ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ اُمِّ الْحَكَمِ يَخْطُبُ قَاعِدًا فَقَالَ اُنْظُرُوْا اِلٰى هٰذَا الْخَبِيْثِ يَخْطُبُ قَاعِدًا وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْلَهْوَا اِنْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحيحه ۲/ ۵۹۱ حديث رقم (۳۹۔ ۸٦٤)۔

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہؓ سے روایت ہے کہ وہ ایک دفعہ مسجد میں گئے تو عبدالرحمٰن ابن ام الحکم کو دیکھا کہ وہ بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا ہے تو حضرت کعب نے فرمایا کہ اس خبیث کی طرف دیکھو کہ بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْلَهْوَا اِنْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا۔" اور جب یہ لوگ سودا بکتا یا تماشا ہوتا دیکھتے ہیں تو اکثر بھاگ جاتے ہیں اور تمہیں (کھڑے کا) کھڑا چھوڑ جاتے ہیں" (مسلم)

تشریح: (کعب بن عجرة) (عجرة) عین کے ضمہ اور جیم کے سکون کے ساتھ کوفہ میں اترے اور مدینہ میں فوت ہوئے۔صحابہ کرام اور تابعین میں سے بہت سے لوگوں نے ان سے روایت کیا ہے اسے مؤلف نے صحابہ میں ذکر کیا ہے۔

وعبد الرحمن بن ام الحكم : الحکم دونوں یعنی حا اور کاف کے فتحہ کے ساتھ۔علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں میرا گمان یہ ہے کہ یہ بنی امیہ سے ہیں میں کہتا ہوں یا یہ ان کے اتباع میں سے تھے۔

(انظر والى هذا الخبيث) ترک ادب میں عین تعجب ہے ابن حجرؒ فرماتے ہیں اس میں مرتکب حرام پر تغلیظ کا جواز ہے جو لوگ اس کے (یعنی بیٹھ کر خطبے دینے کے) حرمت کے قائل ہیں۔

اور ان کے علاوہ دوسروں کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ اس عمل کے خلاف ظاہر کرنا جس پر حضور ﷺ نے مداومت کی لوگوں کے سامنے خباثت کا پتہ دیتا ہے۔

(يخطب قاعدًا وقال الله) اور ایک صحیح نسخے میں ہے وقد قال الله۔

(تعالٰى واذا رأوا) اى ابصروا او عرفوا۔

(اليها) اى الى التجارة وما ذكر معها الیھا کی ھا ضمیر تجارت اور اس کے ساتھ مذکورہ چیزوں کی طرف راجع ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لہٰذا یہ باب اکتفاء سے ہے اور مذکورین میں سے قریب ترین کی رعایت ہے۔ یا تجارت کو ذکر میں خاص اس لئے کیا ہے کہ دونوں امروں میں سے وہی مقصود اعظم ہے کیونکہ ڈھول (وغیرہ) اسباب تجارت کے آنے کی خبر دیتے کہتے تھے۔ اور وہ (یعنی عرب) جب قافلہ آتا تو اس کا استقبال قالی کے ساتھ کرتے تھے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں صحابیؓ کا قول قد قال اللّٰه حال ہے جو انکار کی جہت کو پختہ کرنے والا ہے انہوں نے دیکھا ہے کہ کیسے بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وترك قائمًا۔

اور وہ ساتھ رہنے والے اٹھارہ یا بارہ تھے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے حضرت جابرؓ سے باقی رہنے والے بارہ تھے ان میں سے حضرت ابوبکرؓ اور عمر رضی اللہ عنہ تھے اور ایک روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر سارے نکل جاتے تو اللہ ان پر وادی میں آگ بھڑکا دیتے۔

اور اذان تو اداء جمعہ کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے وقت ہے وقت کے بعد جمعہ درست نہیں بخلاف باقی نمازوں کے اور اس کا وقت اجماعًا ظہر کا وقت ہے اور زوال سے قبل جائز نہیں سوائے امام احمد بن حنبلؒ کے قول کے۔ اور نہ ہی عصر کا وقت داخل ہونے کے بعد بخلاف امام مالکؒ کے۔

اور اس کی شرائط میں سے ہے خطبہ اور اسی پر ہیں جمہور اور خطبے کی شرط ہے کہ وہ وقت کے اندر ہو وقت سے قبل درست نہیں اور یہ کہ جماعت کے حاضر ہونے کے وقت ہو اور اس خطبے کا رکن خطبے کی نیت کے ساتھ مطلق ہے اللہ کا ذکر ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور صاحبینؒ کے نزدیک۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک لمبے ذکر کو خطبہ کہا جائے گا۔ اور خطبے کا واجب یہ ہے کہ طہارت اور قیام اور ستر عورۃ کے ساتھ ہو۔

اور اس کی سنن یہ ہیں دو خطبے ہوں درمیان میں بیٹھنا ہو ہر ایک مشتمل ان میں سے حمد اور تشہد یعنی لفظ شہادت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پر اور پہلا تلاوت قرآن اور وعظ پر مشتمل ہو اور دوسرا مومنین اور مومنات کیلئے دعا پر مشتمل ہو وعظ کی جگہ اور یہ تمام چیزیں امام شافعیؒ کے نزدیک ارکان ہیں۔

پس اگر کسی نے الحمد للہ یا سبحان اللہ یا لا الٰہ الا اللہ یا اس کی مثل کہا تو یہ کافی ہو جائے گا اگر خطبے کے ارادے سے ہو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک۔ (کذافی شرح المنیہ)

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں خطبے میں کھڑا ہونا افضل ہے کیونکہ یہ اعلام میں زیادہ بلیغ ہے جبکہ آواز کو زیادہ پھیلانے والا ہو پس اس کی مخالفت مکروہ ہوگی۔

اور علامہ ابن ہمامؒ نے فرمایا اور انہوں نے نہیں حکم لگایا یعنی کعبؓ اور ان کے علاوہ کسی اور نے اس نماز کے فاسد ہونے کا لہٰذا اس سے معلوم ہوا یہ کہ ان کے نزدیک شرط نہیں یعنی صحابہ اور تابعین کے نزدیک اور اجماع ہوا۔

پس یہ وجہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصہ سے مستغنی کر دیتی ہے کیونکہ یہ احادیث کی کتابوں سے بھی نہیں جانا گیا۔ بلکہ فقہ کی کتابوں میں بھی نہیں وہ یہ ہے کہ جب خلافت ملنے کے بعد پہلے جمعہ میں خطبہ دینے منبر پر چڑھے اور فرمایا الحمد للہ اور خطبے میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رک گئے اور کہا ہے بے شک حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما اس مقام میں بات کرنے کے اہل تھے۔اور تم کام کرنے والے امام کی طرف زیادہ حاجت مند ہو بہ نسبت باتیں کرنے والے امام سے اور اس کے بعد تمہارے پاس خطباء آئیں گے اور اللہ مجھے اور تمہیں معاف کرے اور منبر سے اتر آئے اور ان کو نماز پڑھائی۔اور انہیں سے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے) کسی نے ان پر انکار نہیں کیا۔لہٰذا یہ ان سے اجماع ہوا یا تو اس کے (یعنی اس خطبہ کے) شرط نہ ہونے پر یا اس بات پر کہ الحمد للہ اور اس کی مثل ذکر کو لغۃً خطبہ کہا جاتا ہے۔اگرچہ عرفاً اسے خطبہ نہیں کہا جاتا۔

اور اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی سے کہا جس نے **من يطع الله ورسوله فقد رشد ومن يعصمها فقد غوى** کہنے والے کو فرمایا **بئس الخطيب انت** پس اسے اس قدر کلام کرنے پر خطیب کہا۔اور خطاب قرآن مفہوم لغوی کے اعتبار سے متعلق ہوتا ہے کیونکہ خطاب اس زبان والوں کے ساتھ ان کی زبان کے ساتھ تقاضا کرتا ہے اس لئے کہ یہی عرف لوگوں کی گفتگو میں ایک دوسرے کیلئے ان کی اغراض پر دلالت کرنے والا ہے۔اور باقی بندے اور اس کے رب تعالیٰ کے درمیان لغۃً لفظ کی حقیقت معتبر ہے۔اھ کلام المحقق۔(رواہ مسلم)

خطبہ کے وقت اُنگلی سے اشارہ کرنا جائز ہے

١٤١٧: وَعَنْ عُمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ اَنَّهٗ رَاٰى بِشْرَبْنَ مَرْوَانَ عَلَى الْمِنْبَرِ رَافِعًا يَدَيْهِ فَقَالَ قَبَّحَ اللّٰهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا يَزِيْدُ عَلٰى اَنْ يَّقُوْلَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ۔

(رواه مسلم)

أخرجه مسلم فى صحيحه ٢/٥٩٥ حديث رقم (٥٣ـ ٨٧٤)۔

ترجمہ: حضرت عمارہ بن رویبہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے بشر بن مروان کو دیکھا، کہ وہ منبر پر خطبہ کے وقت اپنے ہاتھ بلند کر رہا ہے،تو فرمایا اللہ تعالیٰ قبیح بنائے ان دو ہاتھوں کو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ نہیں زیادہ کرتے تھے اس سے۔یہ کہہ کر انہوں نے اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔(مسلم)

تشریح: "(وعن عمارة) عین کے ضمہ اور میم کی تخفیف کے ساتھ۔

(رویبہ) تصغیر کے ساتھ **ذكره المؤلف فى الصحابة**۔

(**انه راى بشر بن مروان على المنبر**) قاموس کے اندر ہے **بنر الشئ رفعه** اور انہی سے ہے منبر میم کے کسرے کے ساتھ (گویا منبر بلندی سے ہے)۔

(**رافعا يديه**) یعنی بات کرنے کے وقت جیسے کہ واعظین کی عادت ہوتی ہے جبکہ وہ قصد کرتے ہیں (یعنی سمجھانے کا) اور اس کیلئے شاہد ہے حضرت عمارہ کا قول **واشار باصبعه المسبحة قاله الطيبى**۔

(**فقال**) **عمارة** (**قبح الله ها تين اليدين**) اس کے خلاف بددعا ہے یا اس کے برے فعل کی خبر دیتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے **تبت يدا ابى لهب**......

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المسبحة) جر کے ساتھ اور اس میں رفع اور نصب بھی جائز ہے۔
علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں یقول کا مطلب ہے یشیر عند التکلم۔ یعنی اشارہ کرتے تھے خطبہ کے وقت اپنی انگلی کے ساتھ لوگوں کو مخاطب کرتے تھے اور ان کو غور سے سننے پر متنبہ کرتے تھے۔ (رواہ مسلم)

خطبہ شروع کرنے سے پہلے منبر پر کھڑے ہو کر خطیب کسی کو بلا سکتا ہے

۱۴۱۸: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا اسْتَوٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ اجْلِسُوْا فَسَمِعَ ذٰلِكَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَجَلَسَ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ فَرَاٰهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تَعَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ۱/ ٦٥٦ حديث رقم ۱۰۹۱۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ جمعہ کے دن جب منبر پر کھڑے ہوئے تو لوگوں سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، پس آپ ﷺ کا یہ ارشاد ابن مسعودؓ نے سنا۔ تو مسجد کے دروازے پر ہی بیٹھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھا تو فرمایا: کہ عبداللہ ابن مسعودؓ یہاں آجاؤ۔

تشریح: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں اس حدیث میں دلیل ہے منبر پر کلام کے جواز کی اھ۔
اور ہمارے نزدیک دوران خطبہ خطیب کا کلام کرنا مکروہ ہے جبکہ امر بالمعروف نہ ہو۔
ابن حجرؒ فرماتے ہیں ظاہر حضور ﷺ نے حاضرین میں ایک آدمی کو دیکھا کہ نماز پڑھنے کیلئے کھڑا ہوا ہے تو اسے بیٹھنے کا حکم دیا بیٹھنے والے پر نماز کے حرام ہونے کی وجہ بسبب امام کے منبر پر بیٹھنے کے اجماعًا۔
(فسمع ذلك) ای امرہ ﷺ بالجلوس۔
(ابن مسعود فجلس علی باب المسجد) پیروئ حکم کی طرف مبادرت کرتے ہوئے (ابن مسعودؓ مسجد کے دروازے پر ہی بیٹھ گئے)
(فرآه رسول اللّٰه فقال تعال) یعنی جوتوں والی صف سے مردوں والی صف کی طرف آجاؤ اور مسجد کی طرف آجاؤ۔
امام راغب (لفظ تعال کے بارے میں کہتے ہیں) اس کی اصل یہ ہے کہ کسی انسان کو بلند مکان کی طرف بلایا جائے پھر اسے ہر مکان کی طرف بلانے کیلئے مقرر کر دیا گیا (عرب کہتے ہیں) تعلی (ای) ذهب صاعدًا يقال عليته فتعلى۔
(یا عبد اللّٰه بن مسعود) تشریف و تخصیص کیلئے خطاب ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارباب کمال اور خاص لوگوں میں تھے جبکہ حضور ﷺ ان سے خصوصیات کی وجہ سے محبت کرتے تھے جو ان کے علاوہ کیلئے نہ تھیں۔ اور ان کے حق میں حضور ﷺ کا ارشاد کافی ہے۔ ”رضيت لا متى ما رضى لها ابن ام عبد۔
اسی وجہ سے ہمارے امام اعظمؒ ان کو خلفائے راشدین کے علاوہ بقیہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر مقدم کرتے ہیں۔ (رواہ ابوداؤد)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس شخص کی نماز جمعہ فوت ہو جائے تو ظہر پڑھ لے

۱۴۱۹: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً فَلْيُصَلِّ اِلَيْهَا اُخْرٰى وَمَنْ فَاتَتْهُ الرَّكْعَتَانِ فَلْيُصَلِّ اَرْبَعًا اَوْقَالَ الظُّهْرَ۔ (رواہ الدارقطنی)

أخرجه الدارقطني في السنن ۲/۱۱ حديث رقم ۷۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو جمعہ کی ایک رکعت مل جائے تو اسے چاہیے کہ وہ دوسری رکعت ملا لے اور جس شخص کی دونوں رکعتیں فوت ہو جائیں تو وہ چار پڑھ لے، یہاں راوی کہتے ہیں کہ چار کے بجائے ظہر کا لفظ ارشاد فرمایا کہ وہ ظہر کی نماز پڑھ لے۔ (دار قطنی)

تشریح: (الیها) ای الی تلك الرکعة۔ (أخری) کما مر فتذکر۔

(و من فاته الرکعتان) مراد ہے پوری نماز یا دونوں رکوع۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں اس کی صورت یہ ہوگی کہ امام کو دوسری رکعت کے رکوع میں پالے۔ جمعہ اور دوسری تمام نمازوں میں فرق یہ ہے کہ بے شک جمعہ کاملین کی نماز ہے اور جماعت اس کی صحت اداء کیلئے شرط ہے لہٰذا اس کے لیے ایسی احتیاط کی جائے گی جو دوسری نمازوں کیلئے نہیں کی جاتی تو یہ نہیں پائی جائے گی مگر ایک کامل رکعت کے پائے جانے کے ساتھ جیسا کہ اس میں اور اس سے پچھلی حدیث میں تصریح ہے اھ۔

لیکن اس میں یہ بحث ہے کہ یہ بات التصریح کے قبیل سے نہیں ہے بلکہ مفہوم مخالف کے قبیل سے ہے جو ان کے (یعنی شوافع کے) نزدیک معتبر ہے اور صحیح طور پر ہمارے نزدیک معتبر نہیں۔

(فلیصل) (یا کے) ضمہ کے ساتھ اور پھر (صاد کے) فتحہ کے ساتھ اور پھر (لام کی) تشدید کے ساتھ۔

اور امام نوویؒ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ ضعف سے خالی نہیں اور اسے مستغنی کر دیتی صحیحین کی وہ روایت جو گزری ہے من ادرك رکعة من صلاة فقد ادرك الصلاة۔

منیہ کی شرح میں ہے جس نے امام کو ان دونوں رکعتوں میں پالیا وہ امام کے ساتھ نماز پڑھے اور اس پر جمعہ کی بناء کرے اگرچہ اسے تشہد یا سجدہ سہو میں پالے۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں اگر وہ پالے امام کے ساتھ دوسری رکعت کا رکوع تو اس جمعہ کی بناء کرے اور اگر اس کے بعد پائے تو اس پر ظہر کی بناء کرے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں شیخینؒ کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا اطلاق ہے جس کی اصحاب صحاح ستہ نے اپنی اپنی کتاب میں تخریج کی ہے:

عن ابی سلمة عن ابی هریرة قال: قال رسول اللہ ﷺ: اذا اقیمت الصلا فلا تأتوها وانتم تسعون وأتوها تمشون وعلیکم السکینة فما ادرکتم فصلو ا وما فاتکم فأتموا وفی روایةٍ فاقضوا۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں دونوں لفظوں میں حکم کے لحاظ سے فرق ہے جس آدمی نے اتموا کا لفظ لیا ہے اس نے کہا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسبوق جو پاتا ہے وہ اس کی نماز کا اول ہے۔

اور جس آدمی نے فاقضوا کا لفظ لیا ہے وہ اس کا قائل ہے کہ مسبوق جو نماز پاتا ہے وہ اس کی نماز کا آخر ہے پھر یہ کہا یہ وہ روایت ہے: **من ادرك ركعة من الجمعة اضاف اليها ركعة اخرىٰ و الا صلى اربعًا** ثابت نہیں ہے۔اھ۔

اور باقی مشکوٰۃ کے الفاظ ثابت ہونے کی صورت میں ان کی صحت مخالفت پر کوئی دلالت نہیں۔ اس لئے کہ **من فاتته الركعتان** کا مطلب ہے۔ **من لم يدرك شيئاً منهما فليصل الظهر** (جو نہ پا سکے اس یعنی جمعہ سے کچھ پس وہ ظہر پڑھے)۔ مطلب یہ ہے کہ جمعہ کی قضاء نہیں اور باقی رکعتان کی تفسیر رکوعان سے کرنا نص کو اس کے ظاہر سے بغیر اس کے داعی اور بغیر کسی ایسی حدیث کے پھیرنا ہے جو اس پر دلالت کرنے والی ہو۔

اور اس کی شرائط میں سے مصر (یعنی شہر بھی ہے) کیونکہ ابن ابی شیبہ نے حضرت علیؓ سے موقوفاً نقل کیا ہے۔ **لا جمعة و لا تشريق ولا صلاة فطر ولا اضحى الا فى مصر جامع او فى مدينة عظيمةٍ**۔ علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں ابن حزمؒ نے اس کی تصحیح کی ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ مقتدا ہونے میں کافی ہیں۔

اور جو عبدالرحمٰن بن کعب نے اپنے باپ کعب بن مالک سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا پہلے وہ شخص جنہوں نے ہمیں حرہ بنی بیاضہ میں جمعہ پڑھایا اسعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت کعب جب اذان سنتے تو سعد پر رحم کھاتے اس وجہ سے راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا تم کتنے تھے فرمایا چالیس یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے کی بات ہے امام بیہقی اور دوسرے اہل علم نے اسے ذکر کیا ہے لہٰذا اس کا حجت بننا لازم نہ آیا کیونکہ یہ جمعہ فرض ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے بغیر بھی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے بعد اس کے بارے میں (کچھ) اتارا اور اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ حرہ فنائے مصر میں سے ہے اور فناء کا حکم شہر جیسا ہے لہٰذا حدیث معارض سے سلامت رہی۔

پھر ضروری ہے اسے سماع پر محمول کیا جائے کیونکہ کلام اللہ سے فرض ہونے کی دلیل تمام مضافات میں درست ہونے کا فائدہ دیتی ہے۔ لہٰذا اسے بعض مقامات میں نفی پر محمول کرنا سوائے سماع کے نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ خلاف قیام ہے جو اس میں اور دوسری نمازوں میں جاری ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام سے منقول نہیں کہ جب وہ شہر فتح کرتے تھے تو نصب منابر اور جمع میں مشغول ہوتے تھے بلکہ صرف شہروں میں یہ ہوتا تھا نہ کہ بستیوں میں آحاد کی نقل کے ساتھ بھی یہ نہیں ہے اھ۔

مصر کی حد میں ایسا کثیر قسم کا اختلاف ہے کم ہی ان شرائط کا وقوع کسی شہر میں ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے (فقہاء نے کہا ہے جس جگہ جمعہ کے جواز میں شک ہو مناسب یہ ہے کہ چار رکعتیں جمعہ کے بعد پڑھے ان میں دوسرے فرض کی نیت یوں کرے (جس کے وقت کو میں نے پالیا ہے اور ابھی تک میں نے ادا نہیں کیا)۔ اگر جمعہ صحیح نہیں ہوگا تو ظہر واقع ہو جائے گی اور اگر جمعہ درست ہو گیا اور اس پر ظہر تھی وہ اس سے ساقط ہوگی۔ ورنہ نفل ہوں گے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ جمعہ سے پہلے چار رکعتیں پڑھے۔ اس وقت کی سنتوں کی نیت سے پھر چار رکعتیں پڑھے پہلی والی گزری ہوئی نیت کے ساتھ پھر دو رکعتیں اس وقت کی سنتوں کی نیت کے ساتھ پڑھے۔ پس اگر جمعہ درست ہو گیا تو نمازی نے اس کی سنتوں کو کامل طریقے پر پورا کیا ورنہ اس نے ظہر کو اس کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنت کے ساتھ ادا کیا۔

اس آدمی کے قول سے دھوکہ نہ کھاؤ جس نے کہا ہے کہ حرمین شریفین میں سے ہر ایک مصر ہے حضور ﷺ کے ان میں نماز پڑھنے کی وجہ سے کیونکہ اوصاف اوقات کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہوتے ہیں۔

اور مصر کی تعریف سے ہے جس کی تصحیح صاحب ہدایہ نے کی ہے کہ وہ موقع ہوتا ہے جس میں امیر اور قاضی ہو احکام نافذ کرتا ہے اور حدود قائم کرتا ہے اور اس میں وہ شک و ریب نہیں احکام کو نافذ کرنے والا قاضی نادر بلکہ معدوم ہے کیونکہ اکثر قاضی عہدہ قضاء دراہم کے بدلے لیتے ہیں اور ان کے عہدہ قضاء میں اختلاف ہے۔

پھر ان میں سے اکثر احکام نافذ نہیں کرتے یا تو اپنی جہالت کی وجہ سے یا ان کے عدم التفات کی وجہ سے اور ان کے فسق کے پائے جانے کے۔

اور ان میں سے کوئی ایک قضاء کے اوصاف کے ساتھ متصف ہو اور احکام کے جاری کرنے کا ارادہ کرے اسلامی نظام کے موافق تو امراء اور حکام اس کو منع کر دیتے ہی۔ اور دین میں احتیاط متقین کی عادت ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْخَوْفِ

نمازِ خوف کا بیان

اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ صلوٰۃ الخوف کا حکم حضور ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔ امام مزنیؒ اس کی منسوخیت کے قائل ہیں۔ امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ صلوٰۃ الخوف حضور ﷺ کے ساتھ خاص تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ الخوف کے حکم کو ''واذا کنت فیھم'' (جب آپ ان میں ہوں) کی شرط کے ساتھ بیان کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں مذکورہ قید قید اتفاقی ہے جیسے صلوٰۃ المسافر کے بارے میں ''ان خفتم'' کی قید قرآن مجید میں مذکور ہے۔

پھر علماء کے اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ صلوٰۃ الخوف کی جو صفات حضور ﷺ سے مروی ہیں وہ سب کی سب قابل اعتبار ہیں۔ البتہ فقہاء کے مابین ترجیح کے بارے میں اختلاف ہے۔ محدثین کا کہنا ہے کہ صلوٰۃ الخوف کے تقریباً سولہ طریقے مروی ہیں۔ بعض نے کم یا زیادہ کا قول بھی اختیار کیا ہے۔

ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ جمہور کی رائے یہ کہ خوف رکعات کی تعداد کو نہیں بدلے گا اور وہ حدیث جس میں آتا ہے ''فی الخوف رکعة'' اور ابن عباسؓ نے جس کے ظاہر کو لیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ مقتدی امام کے بغیر ایک رکعت پڑھے۔ آئندہ احادیث میں بھی یہ بات آجائے گی۔ یہ معنی لینے کی صورت میں اس حدیث کی ان احادیث سے تطبیق ہو جائے گی جن کے مطابق نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے صلوٰۃ الخوف میں دو سے کم رکعات نہیں پڑھیں۔

کفار کے خوف اور دشمن کے مقابلے کے وقت جو نماز پڑھی جاتی ہے اسے صلوٰۃ الخوف کہا جاتا ہے۔ اور اس کا ثبوت قرآن مجید، سنت اور اجماع صحابہ سے ہے۔ اب آیا آنحضرت ﷺ کے بعد بھی یہ نماز مشروع ہے یا یہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاص تھی اس میں اختلاف ہے اور دو مذہب ہیں۔

مذہب اول: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صلوٰۃ خوف آنحضرت ﷺ کی حیات کے ساتھ خاص ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿و اذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ﴾ یہ خطاب صرف رسول اللہ ﷺ کو ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ محمد ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل کرنے کیلئے ہر ایک کی کوشش ہوگی جس کی وجہ سے جھگڑے وفساد کا خطرہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد یہ بات ختم ہے، کیونکہ سب کے پیچھے نماز پڑھنا برابر ہے، لہٰذا آپ ﷺ کی وفات کے بعد صلوٰۃ خوف مشروع نہیں۔

مذہب ثانی: جمہور ائمہ کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بھی صلوٰۃ خوف مشروع ہے۔ کیونکہ جس سبب کی وجہ سے آپ کی زندگی میں یہ نماز مشروع ہوئی ہے۔ یعنی خوف وہ آپ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔ اور اسی طرح آنحضرت ﷺ کے جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کے بعد بھی صلوٰۃ الخوف پڑھائی۔ مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت ابوموسیٰ اشعریؒ نے اصفہان میں صلوٰۃ الخوف پڑھائی۔ اور اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے طبرستان میں مجوسیوں سے جنگ کی، آپ کے ساتھ حسن بن علیؓ، حذیفہ بن اسحاق، عبداللہ ابن عمرو بن عاص تھے تو سعد بن ابی العاص نے ان حضرات کو صلاۃ خوف پڑھائی، کسی نے انکار نہیں کیا۔ اور حضرت علیؓ نے جنگ صفین اور نہروان میں صلوٰۃ خوف پڑھی۔ جمہور کے نزدیک سفر وحضر میں صلوٰۃ خوف پڑھی جاسکتی ہے۔ لیکن امام مالک کے نزدیک سفر کے ساتھ مخصوص ہے۔

طریقہ صلوٰۃ خوف:

صلوٰۃ خوف پڑھنے کے کل سولہ طریقے منقول ہیں، بعض نے اس سے بھی زیادہ نقل کیے ہیں۔ جتنے بھی طریقے منقول ہیں ان کے مطابق نماز خوف پڑھنا جائز ہے، صرف اولیٰ اور غیر اولیٰ میں اختلاف ہے، کسی نے کس طریقے کو ترجیح دی ہے کسی نے کس کو۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس باب کی پہلی فصل میں حضرت ابن عمرؓ سے جو طریقہ ثابت ہے اور صحاح ستہ میں منقول ہے اس کو ترجیح دی ہے۔

صلوٰۃِ خوف کی مشروعیت:

اس میں مختلف اقوال ہیں، بعض کے نزدیک ۴ھ میں ہوئی، بعض کے نزدیک ۵ھ میں اور بعض کے نزدیک ۶ھ میں، اور بعض کے نزدیک ۷ھ میں ہوئی اور یہی جمہور کے نزدیک راجح قول ہے۔ تو آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں چار دفعہ صلوٰۃ خوف پڑھائی غزوہ ذات الرقاع بطن نخلہ وادی عسفان وادی ذی مرو۔

الفصل الاول:

صلوٰۃ خوف کا طریقہ

۱۴۲۰: عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قِبَلَ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نَجْدٍ فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَفْنَا لَهُمْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ لَنَا فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَّعَهُ وَاَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ وَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْ مَّعَهُ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفُوْا مَكَانَ طَائِفَةِ الَّتِيْ لَمْ تُصَلِّ فَجَاءُوْا فَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمْ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ كُلُّ وَّاحِدٍ مِّنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهِ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَرَوٰى نَافِعٌ نَحْوَهُ وَزَادَ فَاِنْ كَانَ خَوْفٌ هُوَ اَشَدُّ مِّنْ ذٰلِكَ صَلُّوْا رِجَالًا قِيَامًا عَلٰى اَقْدَامِهِمْ اَوْ رُكْبَانًا مُّسْتَقْبِلِي الْقِبْلَةِ اَوْ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِيْهَا قَالَ نَافِعٌ لَا اَرٰى ابْنَ عُمَرَ ذَكَرَ ذٰلِكَ اِلَّا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواه البخاري)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٤٢٩۔ حديث رقم ٩٤٢۔ والنسائي في السنن ٣/١٧١ حديث رقم ١٥٣٩۔ والدارمي ١/٤٢٨ حديث رقم ١٥٢١۔ وأحمد في المسند ٢/١٥٠۔

ترجمہ: حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ اپنے والد عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ نجد کی طرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ جہاد کیلئے گیا، جب ہم دشمن کے آمنے سامنے ہوئے اور ہم نے ان کے ساتھ مقابلے کیلئے صفیں باندھ لیں، تو آنحضرت ﷺ نماز پڑھانے کیلئے کھڑے ہوئے، ایک گروہ نماز پڑھنے کے لئے آنحضرت ﷺ کے ساتھ کھڑا ہوا اور دوسرا دشمن کے مقابلے کیلئے کھڑا رہا، تو آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھ ایک رکوع اور دو سجدے کیے، پھر وہ لوگ ان لوگوں کی جگہ چلے گئے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی، وہ آئے، آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے، جب آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک رکعت پڑھائی اور ایک رکوع اور دو سجدے کیے، پھر سلام پھیرا، ان میں سے ہر ایک کھڑا ہو گیا اور اکیلے ایک رکوع اور دو سجدے کیے۔ اور نافعؒ نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے، انہوں نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ اگر خوف اس سے بھی زیادہ ہو تو لوگ پیادہ یا کھڑے کھڑے ہو کر اگر ممکن ہو تو قبلہ رو ہو کر ورنہ کسی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لیں۔ حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ میرا خیال یہی ہے کہ یہ الفاظ ابن عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے ہی نقل کیے ہونگے۔ (بخاری)

تشریح: (مع رسول اللّٰہ) یہ حال ہے۔

(قبل نجد) بکسر القاف وفتح الباء۔ ظرف ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ نجد کا لغوی معنی ہے "ابھری ہوئی زمین" علامہ ابہریؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نجد الحجاز ہے نہ کہ نجد الیمن۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ نجد کا اطلاق تہامہ سے لے کر عراق تک کے تمام بلند علاقے پر ہوتا ہے۔

(فصافقنا) یعنی ہم صفیں بنا کر کھڑے ہو گئے۔

(لھم) اس لفظ کے دو معنی ہیں:

① ہم ان سے جنگ کی صفیں بنا کر کھڑے ہو گئے۔ ② ہم نے ان کے مقابلے کیلئے خود کو دو صفوں میں تقسیم کر لیا۔

(فقام رسول اللّٰہ ﷺ لنا) حضور ﷺ نے دونوں صفوں کو نماز پڑھائی تا کہ دونوں کو برابر ثواب حاصل ہو۔ اس طرز عمل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے تعدد جماعت کی کراہت معلوم ہوتی ہے بالخصوص اس وقت جبکہ سب لوگ حاضر ہوں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کی اقتداء نہیں کرسکتا کیونکہ اگر ایسا ممکن ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جماعت کو پوری نماز پڑھا دیتے اور دوسری کی امامت میں نفل کی نیت فرماتے۔ یہ حدیث وجوب جماعت کی قوی ترین دلیلوں میں سے ہے کہ اس حالت میں بھی جماعت کو ترک نہیں کیا گیا۔

ابن الہمام فرماتے ہیں کہ واضح رہے مذکورہ صفت کے مطابق صلوٰۃ الخوف اس وقت واجب ہوتی ہے جب لوگوں کا امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں تنازع ہو جائے اگر لوگ کا تنازعہ نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ امام ایک جماعت کو پوری نماز پڑھائے اور دوسری جماعت کو کوئی دوسرا امام پوری نماز پڑھائے۔

(فرکع لنفسه رکعة وسجد سجدتین) اس کی تفصیل یہ ہے کہ دوسری جماعت دشمن کی طرف چلی جائے اور پہلی جماعت واپس آ کر بغیر امام کے اپنی نماز پوری کرلے اور سلام پھیر کر دشمن کے مقابلے کیلئے چلی جائے۔ پھر دوسری جماعت آ جائے اور واپس آ کر اکیلے اپنی نماز پوری کرے اور سلام پھیر لے۔ فقہ حنفی کے بعض شارحین علماء نے یونہی ذکر کیا ہے۔

یہ بات اسی طرح ہے لیکن ابن الہمام فرماتے ہیں کہ بلاشبہ یہ حدیث امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کے بعض پہلوؤں کو ثابت کرتی ہے جیسے پہلی جماعت کا چلے جانا اور دوسرے جماعت کا آ کر امام کے ساتھ اپنی نماز پڑھنا۔ البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس اس مذہب کے ثبوت میں مکمل روایت ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً منقول ہے۔ جسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام محمد نے کتاب الآثار میں اسے ذکر بھی کیا ہے انہوں نے امام صاحب کی سند کو بھی بیان کیا ہے اور یقیناً اس معاملہ میں رائے کی گنجائش نہیں۔ لہٰذا یہاں موقوف بھی مرفوع ہے۔

اس روایت سے امام نووی رحمہ اللہ کے کلام کا جواب بھی ہو جاتا ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ صحیحین وغیرہ کے طرق حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی کہ دو جماعتوں میں سے ایک اپنی جگہ واپس آ کر نماز پوری کرے گی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر جماعت امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی نماز کو واپس آئے بغیر اپنی جگہ پر پوری کرے گی۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رکعت پڑھی پھر دوسری رکعت خود ہی پڑھ لی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ امام بخاری نے بھی اس کو اختیار کیا۔

صلوٰۃ الخوف کے بارے میں ایک مسلک اور بھی ہے وہ یہ کہ پہلی جماعت اپنی نماز کو لاحق کی طرح بغیر قراءت کے پورا کرے گی اور دوسری جماعت مسبوق کی طرح قرات کے ساتھ یہ اس وقت ہے جبکہ امام مسافر ہو اور اگر امام مقیم ہو اور رباعی نماز پڑھ رہے ہوں تو وہ ہر جماعت کو دو رکعات پڑھائے گا اور مغرب میں پہلی جماعت کو دو رکعات پڑھائے گا۔

یہ کیفیت بھی جائز ہے باوجود اس کے کہ اس میں کثرت افعال بلاضرورت پائی جا رہی ہے اس کے جواز کی وجہ خبر صحیح ہے جس کا کوئی معارض بھی نہیں۔ اس لئے کہ یہ کیفیت کسی اور دن کی ہے اور مذکورہ روایت میں بیان کردہ کیفیت ذات الرقاع کی ہے جو غزوہ کسی اور موقع پر پیش آیا ہے اس مقام پر منسوخیت کا دعویٰ کرنا بھی باطل ہے کیونکہ نسخ کیلئے معرفت تاریخ اور تعذر جمع کی ضرورت ہوتی ہے اور ان دونوں میں سے یہاں کوئی موجود نہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(وروى نافع نحوه) ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے سورۃ البقرۃ کی تفسیر میں حضرت نافع کی ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صلوٰۃ الخوف کا طریقہ پوچھا جاتا تو فرماتے "امام آگے بڑھے اور ایک جماعت کو ایک رکعت پڑھائے اور دوسری جماعت دشمن کے سامنے رہے جب پہلی جماعت ایک رکعت پڑھ لے تو دوسری جماعت کی جگہ آجائے اور سلام نہ پھیرے پھر دوسری جماعت امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھے۔ پھر امام اٹھ جائے کیونکہ وہ دو رکعات پڑھ چکا ہے پس دو جماعتوں کی دو رکعات ہو جائیں گی۔

(فان كان خوف) ای خوف شديد اس کی تنوین تعظیم کیلئے ہے۔

(هو أشد من ذلك) یعنی محض پیش قدمی اور دشمنی سے آمنا سامنا نہ ہو بلکہ لڑائی ہو رہی ہو جس میں جماعت کروانا ممکن نہیں۔

(رجالاً) اس لفظ کے بارے میں مختلف قول ہیں۔

۱۔ بکسر الراء وتخفیف الجیم جمع رجلان بمعنی الراجل۔

۲۔ بضم الراء وتشدید الجیم جمع راجل۔

۳۔ بضم الراء وتخفیف الجیم جمع راجل۔

(قياما) کے بارے میں بھی مذکورہ تین اقوال ہیں۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے یہ دونوں لفظ صلوا کی هم ضمیر سے حال ہیں اصل عبارت یہ ہوگی:

"صلوا حال كونهم راجلين قائمين"۔

(على أقدامهم) ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے قول "قیاما" کے ذریعہ اس بات کی وضاحت کی کہ رجالا راجل کی جمع ہے رجل کی نہیں۔ اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ رکوع اور سجود کو چھوڑنا اور انہیں اشارے سے بجالانا ان سے عاجز آنے کے وقت ہے۔ اس بات کو قیاماً على اقدامهم) سے بیان کیا گیا۔

(أو ركبانا) أو تخییر، اباحت یا تنویع کیلئے ہے۔

(مستقبلي القبلة أو غير مستقبليها) الراجل اور المستقبل (قبلہ رخ ہونا) کی تقدیم میں افضلیت اور روایت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ چلنا، سوار ہونا اور قتال کرنا صلوٰۃ الخوف کو فاسد کر دیتا ہے۔

(لا ارى ابن عمر ذكر ذلك) اس زیادتی کے بارے میں ابن حجرؒ کا کہنا یہ ہے کہ اس سے مراد "ای فان كان خوف ...... مستقبلي القبلة......" کا جملہ ہے۔

ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ جیسا کہ امام نافع کا خیال ہے اسی طرح امام شافعیؒ نے اس بات کو فرمایا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے حاصل یہ کہ نماز کو اس کے وقت میں پڑھنے کو لازم ٹھہرایا اور تاخیر کو جائز قرار نہیں دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ کیفیت نماز سے مانع ہے اور اس صورت میں تاخیر کرنا واجب ہے یہاں تک کہ خوف دور ہو جائے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے دن ایسا کیا تھا۔ ~~اور جو شخص یہ~~ کہے کہ یہ قرآن سنت کے مخالف ہے اور غزوہ خندق کے معاملے کو منسوخ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرار دے تو آپ اس کی تصدیق نہ کریں۔

ابن حجرؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تاخیر جائز ہے واجب نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ شاید ان سے ایک روایت یوں بھی ہوگی۔

ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس حالت میں بھی جماعت کروانا مسنون ہے جیسا کہ آیت میں اس کی تصریح موجود ہے۔ لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس جماعت سے منع کرنا درست نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ تصریح آیت میں موجود نہیں لہٰذا امام صاحب پر اعتراض ختم ہوگیا۔

شاید اس قول کے قائل وقت نماز کے احترام کا ارادہ کیا ہے وگرنہ یہ عمل نماز کی ادائیگی کیلئے کافی نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ قول قرآن وسنت اور اجماع کے مخالف ہے۔

امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کیلئے کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھی آپ کے پیچھے ایک صف بنا کر دشمن کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک رکعت پڑھائی پھر دوسرے لوگ آگئے اور ان کی جگہ دشمن کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوگئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی ایک رکعت پڑھائی ہے پھر سلام پھیر دیا پھر یہ لوگ کھڑے اور انہوں نے اپنی ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا۔

ابوداؤد نے اس حدیث کو اس بنا پر معمول قرار دیا ہے کہ ابوعبیدہ کا سماع اپنے والد سے ثابت نہیں اور خصیف قوی نہیں ہے۔

غزوہ ذات الرقاع کا ایک واقعہ

۱۴۲۱: وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَمَّنْ صَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ صَلَاةَ الْخَوْفِ اَنَّ طَائِفَةً صَفَّتْ مَعَهُ وَطَائِفَةٌ وِجَاهَ الْعَدُوِّ فَصَلّٰى بِالَّتِىْ مَعَهُ رَكْعَةً ثُمَّ انْصَرَفُوْا فَصَفُّوْا وِجَاهَ الْعَدُوِّ وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰى فَصَلّٰى بِهِمُ الرَّكْعَةَ الَّتِىْ بَقِيَتْ مِنْ صَلَاتِهٖ ثُمَّ ثَبَتَ قَائِمًا وَاَتَمُّوْا لِاَنْفُسِهِمْ ثُمَّ ثَبَتَ جَالِسًا وَاَتَمُّوْا لِاَنْفُسِهِمْ ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ متفق عليه واخرج البخارى بطريق اخرعن القاسم عَنْ صَالِحِ ابْنِ خَوَّاتٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِىْ حَثْمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

أخرجه البخارى فى صحيحه ٤٢١/٧۔ حديث رقم ٤١٢٩۔ ومسلم فى صحيحه ٥٧٥/١ حديث رقم (٣١٠۔ ٨٤٢)۔ وأبو داوٗد فى السنن ٣٠/٢ حديث رقم ١٢٣٨۔ والترمذى ٤٥٥/٢ حديث رقم ٥٦٥۔ والنسائى ١٧١/٣ حديث رقم ١٥٣٧۔ والدارمى ٤٢٩/١ حديث رقم ١٥٢٢۔

ترجمہ: حضرت یزید ابن رومان حضرت صالح بن خوات سے نقل کرتے ہیں اور وہ اس شخصیت سے نقل کرتے ہیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع والے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلوٰۃ خوف پڑھی، فرماتے ہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک گروہ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ صف بندی کی، اور دوسرا گروہ دشمن کے مقابلہ میں کھڑا ہو گیا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے پہلی جماعت کو ایک رکعت نماز پڑھائی پھر آنحضرت ﷺ کھڑے رہے اور اس جماعت نے اپنی خود اکیلے اکیلے نماز پوری کی، پھر دوسرا گروہ آیا، آپ ﷺ نے اس گروہ کو وہ رکعت پڑھائی جو آپ کی باقی تھی، پھر آپ بیٹھے رہے اور اس گروہ نے اپنی بقیہ نماز پوری کی اور پھر آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھ سلام پھیرا۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔ اور بخاری نے اس کو ایک اور طریقہ سے بھی نقل کیا ہے۔ وہ یہ ہے عن قاسم عن صالح ابن خوات عن سهل بن ابی حثمة عن النبی ﷺ۔

راویٔ حدیث:

یزید بن رومان۔ یہ یزید ہیں رومان کے صاحبزادے ہیں۔ ان کی کنیت "ابوروح" ہے۔ اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں ابن الزبیر اور صالح بن خوات سے حدیث کی سماعت کی ہے۔ ان سے امام زہری رحمہ اللہ نے روایت کی۔ "رومان" راء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

تشریح: (عن صالح بن خوات) بفتح المعجمة وتشديد الواو وبالتاء فوقها نقطتان۔ یہ انصاری مدنی مشہور تابعی عزیز الحدیث ہیں ان کا سماع اپنے والد اور سہل بن ابی حثمہ سے ثابت ہے۔

(عمن صلی مع رسول ﷺ) اس مبہم شخص کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد کون ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سہل بن ابی حثمہ ہیں کیونکہ قاسم بن محمد نے صلوٰۃ الخوف کو "عن صالح بن خوات عن سہل بن ابی حثمۃ" کی سند سے ذکر کیا ہے لیکن راجح یہ ہے کہ یہ ان کے والد ہیں کیونکہ ابواویس نے اس حدیث کو یزید بن رومان کے حوالے سے نقل کیا اور کہا۔ "عن صالح بن خوّات عن أبيه" یہ روایت ابن مندہ کی معرفۃ الصحابۃ میں بھی موجود ہے اور بیہقی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

میرک رحمہ اللہ کا کہنا یہ ہے کہ ممکن ہے کہ صالح بن خوات نے اس روایت کو اپنے والد اور سہل دونوں سے روایت کیا ہو۔ اسی وجہ سے کبھی اسے مبہم کرتے اور کبھی واضح کر دیتے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ احتمال متعین ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی حدیث کو دونوں سے ثابت ہے اگر چہ ان میں سے ایک کو ترجیح دی گئی ہے اسی طرح کا ابہام کلام کی قوت کو نقصان نہیں پہنچاتا کیونکہ یہ قصہ عام پر محمول ہے اور تمام صحابہ علماء کا اعلام کے نزدیک عدول ہے۔

(یوم ذات الرقاع) بکسر الراء۔ یہ واقعہ سن ۵ ہجری میں پیش آیا۔ لفظ یوم صلی کیلئے ظرف ہے۔ جمال الدین فرماتے ہیں کہ اس غزوہ کو ذات الرقاع کہنے کی وجہ یہ ہے کہ الوقاع جمع ہے رقعة کی اس کا معنی ہے "کپڑا، پٹی"۔ اس غزوہ میں صحابہ کرام کے پاؤں لپٹ گئے تھے اور انہوں نے پاؤں پر پٹیاں باندھی تھیں۔ اس لئے اسے ذات الرقاع کہتے ہیں۔ ذات الرقاع کی وجہ تسمیہ کے بارے میں امام بخاری اور امام مسلم نے ابوموسیٰ اشعریؓ سے یہی روایت کیا ہے۔

سید جمال الدین کہتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت جابرؓ کا قول ہے "وحتی اذا کفا بذات الرقاع" بتا رہا ہے کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذات الرقاع کسی مخصوص جگہ کا نام ہے لیکن ممکن ہے کہ انہوں نے حال کا اطلاق محل پر کیا ہو۔

(و طائفة) اس کی ترکیب میں دو احتمال ہیں:

① عطف کی بنیاد پر منصوب۔ ② ابتداء کی بناء پر مرفوع۔

(و جاه العدوّ) بکسر الواو وضمها۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ طائفۃ کی صفت ہے ای و طائفة صفت مقابل العدوّ۔

(سلم بهم) دوسری جماعت کے ساتھ سلام پھیرنے میں حکمت یہ ہے کہ جس طرح پہلی جماعت کو امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہنے کی فضیلت ملی اسی طرح دوسری جماعت کو امام کے سلام پھیرنے کی فضیلت مل جائے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے امام مالک اور امام شافعیؒ جبکہ پہلی حدیث سے امام ابوحنیفہ نے استدلال کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث صحیح کے پائے جانے کے بعد یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ پچھلی حدیث کی سند میں رجل مبہم سے مراد حضرت صالح کے والد ہیں قطعی طور پر۔

سید جمال الدین کہتے ہیں کہ یہ ابوحثمہ احد میں نبی کریم ﷺ کے راہبر تھے اور بعد میں بہت سے معرکوں میں شریک ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں خیبر کی طرف کچھ ذمہ داریاں دے کر بھیجا تھا۔

ابن الملک فرماتے ہیں کہ یہ فعل مقدر کیلئے ظرف ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔

آنحضرت ﷺ کا اللہ پر اعتماد

۱۴۲۲: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِذَاتِ الرِّقَاعِ قَالَ كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا عَلٰى شَجَرَةٍ ظَلِيْلَةٍ تَرَكْنَاهَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَسَيْفُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَلَّقٌ بِشَجَرَةٍ فَاَخَذَ سَيْفَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَرَطَهٗ فَقَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَخَافُنِیْ قَالَ لَا قَالَ فَمَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّیْ قَالَ اللّٰهُ يَمْنَعُنِیْ مِنْكَ قَالَ فَتَهَدَّدَهٗ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَمَدَ السَّيْفَ وَعَلَّقَهٗ قَالَ فَنُوْدِیَ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰى بِطَآئِفَةٍ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ تَاَخَّرُوْا وَصَلّٰى بِالطَّآئِفَةِ الْاُخْرٰى رَكْعَتَيْنِ قَالَ فَكَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعُ رَكْعَاتٍ وَلِلْقَوْمِ رَكْعَتَانِ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٤٢٦/٧۔ حدیث رقم ٤١٣٦۔ ومسلم فی صحیحه ٥٧٦/١ حدیث رقم (٣١١۔ ٨٤٣)۔ أحمد فی المسند ٣٩٠/٣۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ جہاد کیلئے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ ہم ذات الرقاع پہنچ گئے، فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ طریقہ تھا کہ جب ہم راستہ میں کسی سایہ دار درخت کے پاس آتے تو ہم اس کو رسول

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ ﷺ کیلئے چھوڑ دیتے تھے (تاکہ آپ آرام کرلیں اور اس دن بھی ہم نے ایسا ہی کیا اور آپ آرام فرمانے لگے)۔ راوی کہتے ہیں اچانک مشرکین کا ایک آدمی آیا اس حال میں کہ نبی کریم ﷺ کی تلوار درخت پر لٹکی ہوئی تھی۔ تو اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا کیا تم مجھ سے ڈرتے ہو فرمایا نہیں تو اس نے کہا، کون ہے جو تم کو مجھ بچائے گا، فرمایا: اللہ تعالیٰ مجھے تجھ سے بچائے گا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں صحابہ نے اس کو ڈرایا اور دھمکایا، اس نے تلوار نیام میں رکھ دی اور اس کو درخت پہ لٹکا دیا۔ راوی کہتے ہیں پھر نماز کیلئے اذان کہی گئی، آنحضرت ﷺ نے ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں، پھر وہ گروہ پیچھے ہٹ گیا، پھر دوسرے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں، رُاوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی چار رکعتیں ہوئیں اور قوم کی دو دو رکعتیں ہوئیں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: (ترکناھا لرسول اللہ ﷺ) یعنی اس سایہ دار درخت کو ہم نے رسول اللہ ﷺ کیلئے چھوڑ دیا کیونکہ حضور ﷺ کے پاس خیمہ نہ تھا۔ ہم نے ذات الرقاع میں بھی ایسا ہی کیا اور نبی کریم ﷺ استراحت کیلئے درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے۔

(**فاخذ سیف النبي ﷺ**) پہلے سیف رسول اللہ ﷺ اور پھر سیف النبی ﷺ کی تعبیر سے تفنن مقصود ہے نیز دو لفظوں کے پے در پے پیدا ہونے والے ثقل سے بچانا چاہتے ہیں۔

(**فقال لرسول اللہ ﷺ أتخافني؟ قال لا**) کیونکہ صاحب کمال صرف ملک متعال سے ڈرتا ہے کیونکہ اللہ کا غیر تمام احوال میں نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔

(**قال فمن یمنعك مني؟**) بخاری شریف کی ایک روایت میں ''من یمنعك مني ثلاث مرات؟'' کے الفاظ ہیں۔

ابن حجرؒ نے اس استفہام کو استفہام انکاری قرار دیا ہے۔ ان کی یہ بات مناسب معلوم نہیں ہوتی۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ جواب میں ''اللہ'' کہہ دینا کافی تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ پر اعتماد و یقین کے اظہار کیلئے کلام کو پھیلایا۔

علامہ ابہریؒ فرماتے ہیں کہ اس کلام سے حضور ﷺ کی شجاعت صبر اور تحمل کا پتہ چلتا ہے۔

(**فتھددہ أصحاب رسول اللہ ﷺ فغمد السیف وعلقه**) علامہ واقدی نے ذکر کیا ہے کہ ڈر کی وجہ سے اس کی کمر میں درد اٹھا جس کی وجہ سے تلوار اس کے ہاتھ سے پھسل کر زمین پر گر گئی، یہ شخص مسلمان ہو گیا تھا اور بہت سے لوگوں نے اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

ابو عوانہ نے روایت کیا ہے کہ یہ شخص مسلمان نہیں ہوا تھا بلکہ اس نے عہد کیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ نہیں لڑے گا۔ حضور ﷺ نے اس کی تالیف قلب یا کسی اور وجہ سے اسے معاف فرما دیا تھا۔

(**فصلی بطائفة رکعتین ثم تاخروا صلی بالطائفة الأخریٰ رکعتین**) علامہ مظہر فرماتے ہیں کہ یہ روایت اپنے سے پہلے والی روایت کے مخالف ہے۔ باوجود اس کے کہ جگہ ایک ہی ہے اور اختلاف، اختلاف زمان کی وجہ سے ہے۔

پس اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ نبی کریم ﷺ نے اس جگہ دو مرتبہ نماز پڑھائی، ایک مرتبہ وہ جسے حضرت سھل نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایت کیا اور دوسری مرتبہ وہ جسے حضرت جابر نے روایت کیا ہے۔ پر حضرت سہل کی روایت کو فجر اور حضرت جابر کی روایت کو ظہر یا عصر پر محمول کیا جائے گا کیونکہ اس میں سایہ دار درخت کے سائے میں آرام کرنے کا ذکر موجود ہے یہ بھی ممکن ہے اسے غزوہ کے تعدد پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ آگے آئے گا۔ واللہ اعلم۔

زین العرب فرماتے ہیں کہ محدثین کا خیال یہ ہے کہ یہ واقعہ آیت قصر کے نزول سے پہلے کا ہے یا یہ نماز اقامت والی جگہ پڑھی گئی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ زین العرب کا یہ قول اشکال سے خالی نہیں، کیونکہ لوگوں کا دو رکعتیں پڑھنا صرف اس صورت میں درست ہوسکتا ہے جبکہ قصر مشروع ہو۔ جبکہ اس حدیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں نے دو اور حضور ﷺ نے پوری نماز پڑھی۔ لیکن امام شافعیؒ کا مذہب یہ نہیں ان کے نزدیک پوری نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرنے والا پوری نماز پڑھے گا خواہ وہ دونوں مسافر ہی کیوں نہ ہوں۔ پس اس مقام کی تحقیق ہونی چاہیے۔ مجھے اس مقام پر شارحین کی طرف سے کوئی واضح اور مکمل کلام نہیں ملا۔

میں کہتا ہوں (باللہ التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق) یہ کہنا کہ یہ واقعہ آیت قصر سے پہلے کا یا موضع اقامت کا ہے۔ صحیح ہے لیکن درست بات یہ ہے کہ جس کے علاوہ اور کوئی توجیہ نہیں وہ امام اعظمؒ کا مذہب ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر حدیث مذہب شافعی پر محمول کی جائے۔ نیز یہ کہ اگر حدیث کا یہ معنی درست ہوتا تو امام شافعیؒ اس کو جائز قرار دیتے۔

علامہ طیبیؒ نے اور ان کی اقتداء میں ابن حجرؒ نے حدیث کا یہ معنی کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلی جماعت کو دو رکعات نماز پڑھائی۔ اور سلام پھیر دیا اور لوگوں نے بھی سلام پھیر دیا اس کے بعد حضور ﷺ نے دوسری جماعت کو بھی یونہی نماز پڑھائی لیکن ان کے ساتھ حضور ﷺ نے نفلوں کی نیت کی تھی جبکہ لوگ فرض کی نیت سے نماز پڑھ رہے تھے۔

صاحب ازھار کا کہنا ہے کہ اس حدیث سے متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز کے صحیح ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ پہلے فرش بچھائیں پھر نقش ونگار کیجیے یعنی جس معنی کی بنیاد پر آپ اس مسئلہ کو ثابت کر رہے ہیں اور معنی ہی درست نہیں۔

غزوہ ذات الرقاع کی تاریخ کے بارے میں اختلاف ہے صاحب ازھار اور صاحب الروضۃ کے خیال کے مطابق یہ ہجرت کے پانچویں سال جبکہ ابن الجوزی نے عیون التاریخ میں لکھا ہے کہ ہجرت کے چوتھے سال یہ غزوہ پیش آیا۔

سید جمال الدینؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں اقوال نص بخاری کے خلاف ہیں کیونکہ امام بخاری فرماتے ہیں کہ غزوہ ذات الرقاع۔ غزوہ خیبر کے بعد پیش آیا کیونکہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جو کہ فتح خیبر کے بعد سن سات ہجری میں آئے تھے اور بالاتفاق غزوہ ذات الرقاع میں شریک تھے البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ غزوہ متعدد بار پیش آیا ایک مرتبہ پانچ ہجری میں ایک مرتبہ سات یا آٹھ ہجری۔

فتح الباری میں لکھا ہے کہ یہ بات تو طے شدہ ہے کہ غزوۃ الرقاع، غزوہ بنو قریظہ کے بعد پیش آیا کیونکہ صلوٰۃ الخوف غزوہ خندق میں مشروع نہ ہوئی تھی اور صلاۃ الخوف کا وقوع ذات الرقاع میں ثابت پیش آیا پس معلوم ہوا کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ خندق کے بعد کا ہے۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ نسائی میں حدیث خندق میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ یوم خندق میں نماز کی تاخیر صلوٰۃ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الخوف کے نزول سے پہلے کی بات ہے۔اسے ابن ابی شیبہ،عبدالرزاق ،بیہقی ،شافعی دارمی اور ابویعلی نے ابن ابی ذئب عن سعید المقبری عن عبدالرحمٰن بن ابی سعید الخدری عن اَبیہ کی سند سے نقل کیا ہے۔

علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ اس نماز کے طریقے میں اختلاف اس کے ٹھہرانے کے اختلاف کی بنا پر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مقام عسفان بطن نخلہ اور ذات الرقاع میں اس نماز کو صورتحال کو پیش نظر مختلف انداز میں پڑھا ہے اور علماء نے ہر روایت سے استدلال کیا ہے۔

صلوٰۃِ خوف کا ایک اور طریقہ

۱۴۲۳: وَعَنْهُ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْخَوْفِ فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ صَفَّيْنِ وَالْعَدُوُّ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَكَبَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَبَّرْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ رَكَعَ وَرَكَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ وَرَفَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُوْدِ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِيْ نَحْرِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السُّجُوْدَ وَقَامَ الصَفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ اِنْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالسُّجُوْدِ ثُمَّ قَامُوْا ثُمَّ تَقَدَّمَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ وَتَاَخَّرَ الْمُقَدَّمُ ثُمَّ رَكَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ اِنْحَدَرَ بِالسُّجُوْدِ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ الَّذِيْ كَانَ مُؤَخَّرًا فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِيْ نَحْوِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السُّجُوْدَ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ اِنْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدُوْا ثُمَّ سَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَلَّمْنَا جَمِيْعًا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱/۵۷۴ حديث رقم (۳۰۷۔ ۸۴۰)۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک مرتبہ صلوٰۃِ خوف پڑھائی، پس ہم نے آپ کے پیچھے دو صفیں باندھ لیں، اور دشمن ہمارے اور قبلہ کے درمیان تھا (یعنی ہمارے سامنے تھا) نبی ﷺ نے تکبیر کہی، ہم سب نے بھی تکبیر کہی، جب آنحضرت ﷺ نے رکوع کیا تو ہم سب نے بھی رکوع کر لیا جب آنحضرت نے اپنا سر رکوع سے اٹھا لیا تو ہم نے بھی سر اٹھا لیا، پھر آنحضرت ﷺ سجدے کیلئے جھکے تو وہ صف جو آپ کے ساتھ ملی ہوئی تھی وہ بھی ساتھ ہی سجدے میں چلی گئی اور پچھلی صف دشمن کے مقابلے میں کھڑی رہی جو جب نبی کریم ﷺ نے سجدہ پورا کر لیا اور کھڑی ہو گئی وہ صف جو آپ ﷺ کے قریب تھی تو پچھلی صف سجدے میں چلی گئی۔ پھر جب یہ کھڑے ہوئے تو پھر پچھلی صف آگے آ گئی اور اگلی صف پیچھے چلی گئی، پھر آنحضرت ﷺ نے رکوع کیا تو ہم سب نے بھی آپ کے ساتھ رکوع کیا، پھر آپ سجدے کیلئے جھکے اور وہ صف جو آپ کے قریب تھی جو کہ پہلی رکعت میں پچھلی صف میں تھی سجدے میں چلی گئی اور پچھلی صف دشمن کے مقابلے میں کھڑی رہی، پس جب نبی ﷺ نے سجدہ کر لیا اور اس صف نے بھی جو آپ ﷺ کے قریب تھی تو پچھلی صف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سجدے میں چلی گئی، پس انہوں نے سجدہ کیا، پھر آپ ﷺ نے سلم پھیرا اور ہم سب نے آپ ﷺ کے ساتھ سلام پھیرا۔

تشریح: وقال صلّی: صحیح نسخہ میں "صلّی بنا" کے الفاظ ہیں۔

(رسول اللّٰہ ﷺ صلوٰۃ الخوف) اضافت فی کے معنی میں ہے۔

(ثم انحدر بالسجود و الصف) اس لفظ کی ترکیب میں مختلف احتمالات ہیں:

① مفعول معہ ہونے کی بناء پر منصوب۔ ② انحدر کے فاعل پر عطف ہونے کی بناء پر مرفوع۔

علامہ طیبیؒ نے اس عطف کو فعل کے وجود کی بناء پر جائز قرار دیا ہے۔ اس مقام پر عطف زیادہ مناسب ہے کیونکہ مفعول معہ بنانے کی صورت میں متابعۃ الأشرف الاضعف لازم آئے گا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ الصّف ابتداء کی بناء پر مرفوع ہو اور خبر مقدر ہو۔ ای کذلك معنی یہ ہوگا "مثل نزوله للسجود نزل الصفُّ"۔

(وتأخر المقدم) ابن الملک نے اس مقام پر تاخر سے مراد ایک یا دو قدم پیچھے آنا مراد لیا ہے۔ لیکن اس شرط کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ صلوٰۃ الخوف کو صلاۃ الامن پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ متقدمین اور متاخرین میں ہر ایک کا فعل دو قدم سے زیادہ نہ ہونا چاہیے۔ ورنہ ان کی نماز باطل ہوجائے گی۔

واضح رہے کہ اس شرط کا صحیح ہونا دوسرے دلائل سے موقوف ہے اگر وہ صلاۃ الخوف کے بارے میں مل جائیں۔

(ثم رکع النبیّ) علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ کھڑے ہوئے۔ سورہ فاتحہ اور کوئی صورت پڑھی پھر رکوع کیا۔

سورۃ فاتحہ اور حالت کے مطابق کسی صورت پر اکتفا کرنا بھی ممکن ہے۔

(الذی علیه الذی کان مؤخرا فی الرکعة الاولی) یہ الصّف کی صفت ثانیہ ہے۔ ابن حجرؒ نے موصول ثانی سے پہلے "وهو" مقدر مانا ہے۔

(ثم سلم النبی وسلمنا جمیعًا) پس سب کی نماز امام کے ساتھ دو رکعتیں ہوگئی۔ حاصل یہ ہے کہ بعض مقتدیوں سے حالت قومہ میں امام کی متابعت متاخر ہوگی اور ظاہر یہ ہے آپ ﷺ تشہد کی مقدار بیٹھے۔ جیسا کہ لفظ "ثم سلّم" سے معلوم ہوتا ہے اور اس کی تائید صف مؤخر کے پیچھے ہٹنے سے بھی ہوتی ہے۔ اور سب کے سلام پھیرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ منحدرین تشہد کیلئے نہیں بیٹھے اگر سلام امام سے ماخر ہو تو اس پر صادق آئے گا کہ ان سب نے سلام پھیر دیا کیونکہ معیت جمعیت میں سے نہیں ہے۔

(رواہ مسلم) ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی یہ نماز مقام عسفان میں تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الفصل الثانی:

۱۴۲۴: عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ صَلَاۃَ الظُّهْرِ فِی الْخَوْفِ بِبَطْنِ نَخْلٍ فَصَلّٰی بِطَآئِفَةٍ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ جَآءَ طَآئِفَةٌ اُخْرٰی فَصَلّٰی بِهِمْ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ سَلَّمَ۔

(رواہ فی شرح السنة)

أخرجه النسائی فی السنن ۳/۱۷۸ حدیث رقم ۱۵۵۱۔ والدارقطنی ۲/۶۰ حدیث رقم ۱۰۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خوف کے وقت بطن نخل میں لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی پس ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں، اور سلام پھیر دیا پھر دوسرا گروہ آیا اس کو دو رکعتیں پڑھائیں اور سلام پھیر دیا۔

(شرح السنہ)

تشریح: (ان النبیّ کان) یہ کان استمرار کیلئے نہیں بلکہ محض ربط اور ماضی پر دلالت کیلئے ہے۔

(ببطن نخلة) یہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

ازھار میں ہے کہ یہ عرض عطفان سے نجد کا علاقہ ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ بطن نخلہ مدینہ کے قریب ہے لہٰذا قصر کا تصور نہیں ہو سکتا۔

ہم کہتے ہیں ایسا نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو نبی کریم ﷺ ایک جماعت کو دو رکعتیں پڑھاتے اور وہ حضور ﷺ سے الگ ہو کر اپنی نماز پوری کر کے چلے جاتے اور دوسری جماعت آتی۔ حضور ﷺ انہیں بھی دو رکعتیں پڑھاتے اور پھر وہ کھڑے ہو کر اپنی نماز پوری کر لیتے۔ حضر میں صلوٰۃ الخوف اس طرح پڑھنا بھی جائز ہے۔

قائل کا یہ کہنا کہ بطن نخلہ مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے اس لئے یہاں قصر نہیں ہو سکتا ایک عجیب اور غیر صحیح بات ہے کیونکہ مسافر تو مدینہ سے نکلتے ہی قصر شروع کر دے گا اور واپس مدینہ میں داخل ہونے تک قصر کرتا رہے گا۔

اس حدیث سے ایک طرف تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دو مرتبہ سلام پھیرا تھا اس لئے اتمام پر دلالت نہیں ہو سکتی۔ اور دوسری طرف اس میں نیت مفارقت پر بھی دلالت نہیں ہے اکثر علماء کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ پس امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق یہ حدیث اشکال سے خالی نہیں کیونکہ اسے حالت قصر پر عمل کیا جائے گا۔ اور دوسری جماعت کو پڑھائی گئی نماز نفل شمار ہوگی۔ لیکن ہمارے قواعد کے مطابق اس حدیث پر سخت اشکال ہے وہ اس طرح کہ اگر اسے سفر پر محمول کریں تو مفترض کا متنفل کی اقتدا کرنا لازم آئے گا۔ جو ہمارے نزدیک بالکل صحیح نہیں اور اگر اسے حالت حضر پر محمول کریں تو دو رکعات کے بعد سلام پھیرنا اس کے منافی ہے۔ پس ہم یہ کہیں گے کہ یہ حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے اور لوگوں نے حضور ﷺ کے سلام کے بعد اپنی دو رکعات پڑھی ہوں گی۔ امام طحاویؒ کا خیال یہ ہے کہ حضور ﷺ فرض نماز کو اس کے وقت میں دو مرتبہ پڑھ سکتے تھے۔ واللہ اعلم۔

(رواہ فی شرح السنۃ) میرک فرماتے ہیں کہ نسائی نے اسی طرح مختصراً روایت کیا ہے اور امام ابوداؤد اور نسائی نے بھی اسے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوبکرہ کی حدیث سے نقل کیا ہے۔

الفصل الثّالث:

صلوٰۃِ خوف کا ایک اور طریقہ

۱۴۲۵: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ بَيْنَ ضَجْنَانَ وَعَسْفَانَ فَقَالَ الْمُشْرِكُوْنَ لِهٰؤُلَاءِ صَلَاةٌ هِيَ اَحَبُّ اِلَيْهِمْ مِنْ اٰبَاءِ هِمْ وَهِيَ الْعَصْرُ فَاَجْمِعُوْا اَمْرَكُمْ فَتَمِيْلُوْا عَلَيْهِمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً وَاِنَّ جِبْرِيْلَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَهٗ اَنْ يُّقَسِّمَ اَصْحَابَهٗ شَطْرَيْنِ فَيُصَلِّيْ بِهِمْ وَتَقُوْمُ طَائِفَةٌ اُخْرٰى وَرَآءَ هُمْ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ فَتَكُوْنَ لَهُمْ رَكْعَةٌ وَلِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَانِ۔ (رواه الترمذی والنسائی)

أخرجه النسائی فی السنن ۳/۱۷٦ حديث رقم ۱۵٤۹۔ وأحمد فی المسند ۳/۳۷٤۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جہاد کیلئے ضجنان اور عسفان کے درمیان اُترے تو مشرک کہنے لگے کہ ان مسلمانوں کی ایک نماز ہے جوان کو اپنے آباء سے زیادہ محبوب ہے وہ عصر کی نماز ہے لہٰذا تم پختہ ارادہ کرلو اور ان پر یکبارگی حملہ کردو (یعنی جب نماز میں مشغول ہوں) اسی وقت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو دو حصوں میں تقسیم کریں اور ان کو نماز پڑھائیں (یعنی ایک حصہ کو) اور دوسرا حصہ ان کے پیچھے کھڑا ہو جائے (دشمن کی رکھوالی کیلئے) اور چاہیے کہ وہ اپنا بچاؤ اور اپنا اسلحہ ساتھ رکھے، پس ان کی ایک ایک رکعت ہو جاتی تھی اور آنحضرت ﷺ کی دو رکعتیں۔ (ترمذی، نسائی)

تشریح: (نزل بين ضجنان) بالضاد المعجمة و الجيم و النون۔ یہ حرمین کے کسی جگہ یا پہاڑ کا نام ہے۔ ابن حجرؒ نے اسے عسفان کے قریب کسی پہاڑ یا جگہ کا نام قرار دیا ہے۔

مغنی کے مطابق یہ مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔

قاموس کے مطابق ضجنان مکہ کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے۔

(وعسفان) یہ مکہ سے دو مرحلوں کے فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ہے۔ نہایہ کے مطابق حرمین کے درمیان کسی جگہ کا نام ہے۔ قاموس کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ضجنان منصرف اور عسفان غیر منصرف ہے۔ تصحیح شدہ نسخوں سے ان دونوں کا غیر منصرف ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ابن اہمام نے ''وحاصر المشركين'' کا اضافہ کیا ہے۔

(وهی العصر) کیونکہ قرآن مجید کی اس آیت میں نماز عصر کی پابندی کا حکم ملتا ہے:

''حافظوا على الصلوات والصلوة الوسطى''

''نمازوں کی حفاظت کرو اور بالخصوص درمیانی نماز (یعنی عصر کی نماز) کی''۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(فتميلوا) یہ جواب امر ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔

(عليهم ميلة واحدة) قرآن مجید کی اس آیت میں بھی یہی بیان ہے:

"ودّ الذين كفروا لو تغفلون عن أسلحتكم رأمتعتكم فيميلون عليكم ميلة واحدةً"

(وأن جبرئيل أتى النبیﷺ) یہ "فقال المشركون" سے حال ہے جیسے "جاء زيد والشمس طالعة"۔

(فيصلي بهم وتقوم طائفة أخرى وراء هم) ابن حجرؒ کا خیال یہ ہے کہ دونوں جماعتیں ابتداء سے ہی امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہیں گی۔

ظاہر یہ ہے کہ دوسری جماعت پہلی جماعت کے فارغ ہونے تک کھڑی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ولتات طائفة أخرى لم يصلوا فليصلوا امعك"۔

(وليأخذوا حذرهم وأسلتهم) ابن حجرؒ نے اس کی تفسیر پہرے داروں سے کی ہے حالانکہ راجح یہ ہے کہ اس سے مراد نماز میں شامل لوگ ہیں کیونکہ یہ بات گزر گئی کہ ہر رکعت میں ایک جماعت پہرہ دے گی۔

اس مقام پر غور کیجئے کہ حذر کو جس سے مراد ہوشیاری اور بیدار مغزی ہے، ایک جنگی آلہ قرار دیا گیا اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ مجاہد کو بیداری مغزی اور چالاکی کے ساتھ جنگ لڑنی چاہیے۔

(فتكون لهم ركعة ولرسول اللهﷺ ركعتان) ای كاملتان تابعة فيهما الطائفتان۔ ایک اور دو رکعات کا ذکر بیان واقع کیلئے ہے پس یہ اس حدیث کے منافی نہیں جس میں رسول اللہ ﷺ کی چار رکعات کا ذکر ہے اور لوگوں کی دو رکعات کا کیونکہ یہ دونوں واقعات محذوف ہیں۔ ہمارے امام نے باب کی پہلی اور آخری حدیث کو کتاب اللہ کے ظاہر سے موافقت کی بنا پر ترجیح دی ہے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ نیز ابو عیاش زرقی کی روایت میں اس سے مختلف الفاظ آئے ہیں۔

بَابُ صَلٰوةِ الْعِیْدَیْنِ

عیدین کی نماز

عیدین سے مراد عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں۔ یہ عود سے مشتق ہیں جس کا معنی ہے لوٹنا۔ یہ ہر سال لوٹ آتی ہیں۔ اس لئے اسے عید کہا جاتا ہے۔ ازھار میں لکھا ہے کہ ہر وہ اجتماع جو سرور کیلئے وہ عربوں کے نزدیک عید ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر رحمت و مغفرت کے ساتھ غور فرماتے ہیں۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے "ليس العيد لمن لبس الجديد انما العيد لمن أمن الوعيد" عید اس کی نہیں جس نے نیا کپڑا پہن لیا بلکہ عید تو اس کی ہے جو وعید سے بچ گیا ہے۔ اس کی جمع أعیاد آتی ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ عید کی نماز امام شافعیؒ اور جمہور علماء کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ ابو سعید اصطخری (جو کہ ایک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شافعی عالم ہیں) نے اسے فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے واجب قرار دیا ہے۔ اس کے وجوب کی وجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر مواظبت بغیر ترک ہے۔ ہدایہ میں یہی مذکور ہے اس کی تائید ابن حبان وغیرہ کی اس بات سے ہوتی ہے کہ عیدالفطر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ سن ۲ ہجری میں پڑھی تھی پھر وفات تک اس پر ہمیشگی اختیار فرمائی۔

عید لفظ عود سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں بار بار آنا اور عید کو بھی عید اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بھی بار بار ہر سال آتی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ عید کو عید اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مشتق ہے عود سے، اور اللہ تعالیٰ اس دن اپنے بندوں کی طرف عود کرتا ہے یعنی اپنی رحمت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس شخص کی عید نہیں جو نئے کپڑے پہنے، خوشبو لگائے، اور زینت اور آرائش اختیار کرے اور سواریوں پر سوار ہو۔ بلکہ عید تو اس کی ہے کہ جو اپنے رب کی رحمت کا مستحق ہو جائے اور اپنے گناہوں سے توبہ کر کے خاصان خداوندی کے حلقہ میں داخل ہو جائے اور اپنی آخرت کو سنوار لے۔

مسلمانوں کی دو عیدیں ہیں: عیدالفطر، یہ شوال کی پہلی تاریخ کو ہوتی ہے۔ عیدالاضحیٰ، یہ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو ہوتی ہے۔ اور ان دونوں کے مجموعہ کو عیدین کہتے ہیں اور ان دونوں عیدوں میں بطور شکر کے دو دو رکعات نماز پڑھی جاتی ہے جس کو صلوٰۃ عیدین کہتے ہیں۔

حکم نماز عید:

آیا عید واجب ہے یا سنت اس میں اختلاف ہے اور دو مذہب ہیں:

مذہب اول: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز عیدین واجب ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت اور ہمیشگی کے ساتھ نماز عیدین پڑھی ہے۔

مذہب ثانی: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز عیدین سنت مؤکدہ ہے۔

الفصل الاول:

نماز عیدین عیدگاہ میں پڑھنا مسنون ہے

۱۴۲۶: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ یَوْمَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰی اِلَی الْمُصَلّٰی فَاَوَّلُ شَیْءٍ یَبْدَاُبِہِ الصَّلَاۃُ ثُمَّ یَنْصَرِفُ فَیَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰی صُفُوْفِھِمْ فَیَعِظُھُمْ وَیُوْصِیْھِمْ وَیَاْمُرُھُمْ وَاِنْ کَانَ یُرِیْدُ اَنْ یَّقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَہٗ اَوْیَاْمُرَھُمْ بِشَیْءٍ اَمَرَبِہٖ ثُمَّ یَنْصَرِفُ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٢/٤٤٨۔ حدیث رقم ٩٥٦۔ ومسلم فی صحیحه ٢/٦٠٥ حدیث رقم (٩/ ٨٨٩)۔ والنسائی فی السنن ٣/١٨٧ حدیث رقم ١٥٧٦۔ وابن ماجه ١/٤٠٩۔ حدیث رقم ١٢٨٨۔ وأحمد فی المسند ٣/٣٦۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن عید گاہ کی طرف جاتے۔ تو سب سے پہلے وہاں نماز کے ساتھ ابتداء کرتے۔ پھر جب نماز سے فارغ ہوتے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کھڑے ہو جاتے اور لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے ہوتے تھے، آپ ﷺ ان کو وعظ اور وصیت کرتے اور ان کو کوئی حکم ارشاد فرماتے۔ اور اگر کوئی لشکر بھیجنے کا ارادہ ہوتا تو اس کو بھیجتے یا لوگوں کے معاملات میں کوئی حکم دینا ہوتا تو حکم صادر فرماتے۔ اور پھر گھر واپس آ جاتے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: (يخرج يوم الفطر والأضحى الى المصلى) اس سے مراد مدینہ سے شہر سے باہر کی عید گاہ مراد ہے یہ اب ایک مشہور جگہ ہے اور تبرک کے نام سے معروف ہے۔

صاحب شرح السنۃ فرماتے ہیں کہ سنت یہ کہ امام عید کی نماز کیلئے شہر کی مسجد کی طرف نکلے۔ البتہ اگر کوئی عذر ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ امام آبادی سے باہر جا کر نماز پڑھائے اور شہر میں کسی ایسے شخص کو اپنا نائب کر جائے جو ضعفاء کو نمازِ عید پڑھائے کیونکہ عید کی نماز بالاتفاق دو جگہوں پر جائز ہے۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ سارا کلام مسجد مکہ اور بیت المقدس کے علاوہ مساجد کیلئے ہے کیونکہ عیدین کی نماز ان میں دوسرے تمام مقامات سے افضل ہے اس میں سلف وخلف کی اتباع بھی ہے نیز یہ کہ ان کو مقام شرافت بھی حاصل ہے۔

(فاوّل شیء يبدأ به الصلاة) علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ''يبدأ به الصلاة'' صفت مؤکدہ ہے۔ ''فاوّل شیء'' کیلئے۔ اول شیء اگر مخصص ہو تو یہ خبر بنے گا کیونکہ الصلاۃ اس سے زیادہ معروف ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

''ان خير من استاجرت القوى الامين'' (القصص:)

پس خبر کی تقدیم اختصاص پر دلالت کرتی ہے۔ حضرت ابوسعیدؓ کا یہ قول بنوامیہ کے حکمران مروان بن حکم پر تعریض ہے جو خطبہ کو نماز پر مقدم کرتا تھا۔

(ثم ينصرف) اس سے انصراف عن الصلاة مراد ہے۔ ابن حجرؒ کہتے ہیں ''من صلاه الى المنبر'' ان کا یہ قول غفلت کی نشانی ہے کیونکہ وہاں منبر تھا ہی نہیں۔

(مقابل الناس) یہ حال ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ عید گاہ میں زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنے سے بہتر ہے۔ مسجد اور عید گاہ میں فرق یہ ہے کہ عید گاہ کھلی جگہ میں ہوتی ہے اور حاضرین میں سے ہر ایک آسانی سے امام کو دیکھ سکتا ہے جبکہ مسجد میں جگہ بند ہوتی ہے اور بعض لوگ امام کو دیکھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے عید کی نماز کیلئے منبر نہ بنوایا تھا جبکہ جمعہ کی نماز کیلئے منبر بنوایا گیا تھا کیونکہ ہر جمعہ کو منبر کی ضرورت تھی جبکہ عید کی حالت تو حالت نادرہ ہے۔ جب مسلمان زیادہ ہو گئے تو منبر کو اختیار کر لیا کیونکہ منبر کے ذریعہ زیادہ ظاہر اور فائدہ مند ہوتی ہے۔ پس یہ بدعت ہے اگر واضع کی نیت سیئہ تھی۔ واللہ اعلم۔

(والناس جلوس على صفوفهم) یعنی نماز والی حالت پر حضور ﷺ کی طرف رخ کر کے بیٹھے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(میعظھم) نبی کریم ﷺ بشارت ونذارت کے ذریعے دنیا سے بے رغبتی آخرت کی رغبت کی تلقین فرمار ہے تھے۔ ثواب وعقاب کا بیان فرمار ہے تھے تا کہ وہ دنیا کی زندگی میں گھر کر طاعت سے غافل نہ ہو جائیں۔اور معصیت میں نہ پڑ جائے جیسا کہ اس زمانے کے اکثر لوگوں کی شان ہے۔

(ویوصیھم) بالتخفیف والتشدید۔یعنی انہیں تقویٰ کی وصیت کرر ہے تھے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

''ولقدو صینا الذین اوتوا الکتاب من قبلکم وایاکم ان اتقوا اللّٰہ''

یہ کلمہ انتہائی جامع اور تمام مراتب کمال کو شامل ہے اس کا ادنی درجہ شرک سے بچنا، درمیان درجہ اوامر کو پورا کرنا اور زواجر سے بچنا اور اعلیٰ درجہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور ﷺ اور اللہ کے غیر سے بے نیاز ہو جانا۔

(یامرھم) اختصار کے ساتھ یامرھم کو ذکر کیا گیا ورنہ امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر بھی ہوتی تھی۔مراد یہ ہے کہ عید الفطر کے دن اس کے احکام اور عید الاضحیٰ کے دن قربانی کے احکام بتاتے تھے۔

علامہ طیبیؒ نے ان تینوں جملوں کی یہ تشریح کی ہے کہ حضور ﷺ لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے تا کہ وہ اس کی نافرمانی سے بچیں۔لوگوں کے حق میں وصیت کرتے تا کہ ان سے خیر خواہی کا معاملہ کریں اور انہیں حلال کا حکم دیتے اور حرام سے منع کرتے۔

(أو یامر) یہ منصوب ہے،اصل عبارت ہوگی۔''وان کان یرید أن یامر''۔

عیدین کی نماز کیلئے اذان واقامت مسنون نہیں

۱۴۲۷: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْعِيْدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَّلَا مَرَّتَيْنِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَةٍ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۲/۶۰۴ حدیث رقم ۷/۸۸۷۔ وأبوداوٗد فی السنن ۱/۶۸۰ حدیث رقم ۱۱۴۸۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک دو مرتبہ نہیں کئی مرتبہ عیدین کی نماز پڑھی، بغیر اذان واقامت کے۔(مسلم)

تشریح: (غیر مرة ولا مرتین) یہ حال ہے ای کثیرًا۔

(بغیر اذان ولا اقامة) عید کے اذان واقامت نہ ہوتی تھی بلکہ یہ اعلان کیا جاتا تھا''الصلاة جامعة''(نماز کھڑی ہوگئی ہے) لوگ یہ اعلان سن کر مسجد میں آجاتے۔یہ اعلان کرنا مستحب ہے۔

شرح السنہ میں لکھا ہے کہ اکثر صحابہ کرام کا مسلک یہ ہے عید اور تمام نوافل کیلئے نہ اذان ہے نہ اقامت۔صاحب ازہار نے اسے مکروہ کہا ہے اور یہ بھی کہا کہ کسی حکمران کے عہد میں اذان شروع کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عیدین کا خطبہ نماز کے بعد پڑھنا چاہئے

۱۴۲۸: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرَ يُصَلُّوْنَ الْعِيْدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ ۔

أخرجه البخاری فی صحیحه ٢/٤٥٣۔ حدیث رقم ٩٦٣۔ ومسلم فی صحیحه ٢/٦٠٤ حدیث رقم (٨٨٨/٨) والنسائی فی السنن ٣/١٨٣ حدیث رقم ١٥٦٤۔ وابن ماجه ١/٤٠٧ حدیث رقم ١٢٧٦٩ ومالك فی الموطأ ١/١٧٨ حدیث رقم ٣ من کتاب العبدین۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نماز عیدین خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے۔

تشریح: نبی کریم ﷺ کے ساتھ شیخین کا ذکر یہ بتانے کیلئے کہ یہ سنت ثابت اور معمول بہا ہے۔ اور کسی نے شیخین کو اس سے منع بھی نہیں کیا حالانکہ یہ دونوں حضرات بہت سے اکابر صحابہ کی موجودگی میں ایسا کرتے تھے۔ واضح رہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ کے ساتھ شیخین کا ذکر اشراک فی التشریع کیلئے نہیں کیا اس کا گمان کرنا بھی غلط ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا حضرت عثمانؓ کے بارے خاموشی اختیار کرنا اس بات کی طرف دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے خطبہ کو نماز سے مقدم کیا تھا۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ مروان بن حکم کا مدینہ کی گورنری کے دوران خطبہ کو نماز سے مقدم کرنا حضرت معاویہؓ کے ایماء پر تھا۔ اور صحابہ کرامؓ نے اس کا سختی سے انکار کیا تھا۔ باقی رہا حضرت عثمانؓ کا فعل تو اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ بیان جواز پر محمول ہوگا نہ کہ مداومت پر جیسا کہ مروان کا فعل جو اسی عمل کو سنت سمجھتا تھا۔ اور اسے مضبوطی سے اپنائے ہوئے تھا۔

ابن المنذرؒ فرماتے ہیں کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جمعہ کا خطبہ نماز کے بعد ہے اور اسے مقدم کرنا جائز نہیں البتہ اگر کسی نے ایسا کیا تو نماز صحیح ہو جائے گی۔ مروان نے سنت کو بدلا نہیں تھا بلکہ اسے جمعہ پر قیاس کیا جیسا کہ اس سے پہلے حضرت عثمان بھی یہ قیاس کر چکے تھے۔ جیسا کہ امام مالک فرماتے ہیں اور حضرت معاویہ بھی یہ قیاس کر چکے ہیں۔ جیسا کہ زہری کا کہنا ہے۔ عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں دونوں کے فعل کو ذکر کیا۔ حضرت عثمان کے فعل کی روایت کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ یہ کسی مخصوص سال پر محمول ہوگی۔

صاحب ازھار لکھتے ہیں کہ جمعہ اور عید میں خطبہ کی تقدیم و تاخیر سے مقصود ان دونوں میں فرق کرنا ہے کہ جمعہ فرض اور عید نفل ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جمعہ کا خطبہ صحت نماز کی شرط ہے۔ لہٰذا شروط کی تکمیل کیلئے اسے مقدم کیا گیا بخلاف عید کی نماز کے کہ اس میں خطبہ صحت صلوۃ کی شرط نہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ عید کا وقت جمعہ کے وقت سے بہت زیادہ ہوتا ہے اور وقت بعض مرتبہ کم پڑ جاتا ہے۔ اس لئے خطبہ مقدم کیا گیا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ جمعہ میں خطبوں کی تقدیم قرآن مجید کی اس آیت سے ماخوذ ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الأرض" (الجمعۃ:)

عیدین کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں کو رِقت آمیز وعظ

۱۴۲۹: وَسُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَشَهِدْتَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيْدَ ؟ قَالَ نَعَمْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى ثُمَّ خَطَبَ وَلَمْ يَذْكُرْ اَذَانًا وَّ لَا اِقَامَةً ثُمَّ اَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَرَاَيْتُهُنَّ يَهْوِيْنَ اِلٰى اٰذَانِهِنَّ وَحُلُوْقِهِنَّ يَدْفَعْنَ اِلٰى بِلَالٍ ثُمَّ ارْتَفَعَ هُوَ وَبِلَالٌ اِلٰى بَيْتِهٖ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٥٢٣/٢ حدیث رقم ٩٦١۔ ومسلم فی صحیحه ٦٠٢/٢ حدیث رقم (٢۔ ٨٨٤)۔ وأبوداوٗد فی السنن ٦٧٩/١ حدیث رقم ١١٤٦۔ وابن ماجه ٤٠٦/١ حدیث رقم ١٢٧٣۔ والدارمی ٤٥٦/١ حدیث رقم١٦٠٣۔ وأحمد فی المسند ٣٩٦/٣۔

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدین کی نماز میں شریک ہوئے ہیں تو انہوں نے فرمایا، جی ہاں (پھرانہوں نے تفصیل بیان کی) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ کی طرف تشریف لے گئے، آپ نے وہاں نماز پڑھائی، پھر خطبہ ارشاد فرمایا۔ راوی کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے اذان واقامت کا ذکر نہیں کیا۔ (راوی فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے فرمایا) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے پاس آئے۔ اوران کو نصیحت فرمائی اوران کو دین کے احکامات یاددلائے۔ اوران کو صدقہ دینے کا حکم فرمایا۔ پس میں نے ان کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں کو اپنے گلوں اور کانوں کی طرف لے جاتی تھیں اورگلوں اورکانوں کا زیور اتار کر حضرت بلالؓ کو دے دیتی تھیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت بلال اپنے گھر تشریف لے آئے۔ (بخاری)

تشریح: (أشهدت) مصابیح میں حرف استفہام نہیں ہے۔

(**فیصلی ثم خطب**) ابن الہمام کہتے ہیں کہ ابن ماجہ نے حضرت جابر سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کے دن عیدگاہ کی طرف نکلتے۔ کھڑے ہوکر خطبہ پڑھتے پھر تھوڑی دیر بیٹھتے پھر کھڑے ہوجاتے۔

امام نوویؒ خلاصہ میں فرماتے ہیں کہ ابن مسعودؓ کا یہ جو قول نقل کیا گیا ہے کہ عید کے دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑی دیر بیٹھ کر فصل کرنا سنت ہے۔ یہ قول ضعیف ہے اور غیر متصل ہے عید کے خطبوں کے تکرار کے بارے میں کوئی ثابت شدہ روایت نہیں بلکہ راجح یہ ہے کہ اسے جمعہ کے خطبہ پر قیاس کرکے ایسا کرتے ہیں۔

(**ولم یذکر أذانا ولا اقامة**) یعنی حضرت ابن عباسؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت میں اذان واقامت کا ذکر نہیں کیا۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان واقامت کا ذکر نہیں کیا۔ ابن حجرؒ کا بیان کردہ معنی معنوی اعتبار سے بعید اور لفظی اعتبار سے درست ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(وأمرهن بالصدقة) صدقہ فطر زکوۃ یا مطلق صدقہ مراد ہے۔

(فرأيتهن يهوين آذانهن وحلوقهن) یعنی عورتیں اپنے کانوں اور گردنوں کے زیور کی طرف ہاتھ بڑھانے لگیں۔

(يدفعن الى بلال) اور وہ زیور حضرت بلال کے کپڑے میں ڈالنے لگیں تا کہ وہ اسے فقراء پر صدقہ کردیں۔

صاحب شرح السنۃ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر عطیہ کرسکتی ہے۔ یہ اکثر فقہاء کا مسلک ہے البتہ امام مالک سے اس کے برخلاف روایت کیا گیا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس عمل کو حسن معاشرت اور مرد کی دلی خوشی پر محمول کیا جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "عورت خاوند کی اجازت کے بغیر کوئی چیز عطیہ نہ کرے" کو اس عورت کے بارے میں تصور کیا جائے گا جو زیادہ سمجھدار نہ ہو۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں کے پاس آ کر ان کو خطبہ دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کیلئے باپ کا درجہ رکھتے ہیں اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے خطیب کو دوسرا خطبہ لازم نہیں ہے۔

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں صدقہ کرنا سنت ہے اس لئے جو حضرات اسے مکروہ یا حرام قرار دیتے ہیں ان سے اتفاق نہیں ہوسکتا۔

یہ استدلال محل نظر ہے کیونکہ مذکورہ واقعہ عیدگاہ کا ہے مسجد کا نہیں۔ نیز اس دن کی تخصیص بھی ممکن ہے۔ اور جس نے مسجد میں صدقہ کو حرام یا مکروہ بتایا ہے اس نے اسے مانگنے والے لوگوں کے درمیان سے گزرنے والے اور اللہ کے ذکر سے غافل کرنے والے کے ساتھ خاص کیا ہے۔ وگرنہ مسجد میں رہنے والے فقراء کو دینے کے جواز بلکہ اس کے استحباب میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(وبلال الى بيته) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بعض نے حضرت بلال کا گھر مراد لیا ہے جو درست نہیں۔

عیدگاہ میں نماز نفل پڑھنا ناجائز ہے

۱۴۳۰: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهُمَا وَلَا بَعْدَهُمَا۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٤٥٣/٢۔ حديث رقم ٩٦٤۔ ومسلم في صحيحه ٦٠٦/٢ حديث رقم(١٣۔ ٨٨٤)۔ وأبوداؤد في السنن ٦٨٥/١ حديث رقم ١١٥٩۔ والترمذي ٤١٧/٢ حديث رقم ٥٣٧۔ والنسائي ١٩٣/٣ حديث رقم ١٥٧٨۔ وابن ماجه ٤١٠/١ حديث رقم ١٢٩١۔ وأحمد في المسند ٢٨٠/١۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر کے دن نماز عید کی دو رکعتیں پڑھی، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو رکعتوں سے پہلے اور ان کے بعد کوئی رکعت نہیں پڑھی۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو سعیدؓ کی روایت کی بنا پر یہ نفی عیدگاہ کے ساتھ خاص ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید سے پہلے کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے جب گھر لوٹ آتے تو دو رکعات پڑھا کرتے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کیلئے عید کی نماز سے پہلے یا اس کے بعد نفل پڑھنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ بیہقی نے حضرت انسؓ کا یہی فعل نقل کیا ہے۔ البتہ ممنوع وقت سے اجتناب کیا جائے البتہ امام کے خطبہ کے دوران نفل پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے کہ اس کی وجہ سے امام سے اعراض ہو جاتا ہے۔ امام مالک اور امام احمد کا مسلک یہ ہے عید کی نماز سے پہلے اور بعد میں نوافل نہیں پڑھ سکتا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعد میں پڑھ سکتا ہے پہلے نہیں پڑھ سکتا۔

عورتیں اگر عیدگاہ میں جائیں تو انتہائی پردے کے ساتھ جائیں

۱۴۳۱: وَعَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ اُمِرْنَا اَنْ نُّخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيْدَيْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ وَتَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ عَنْ مُصَلاَّهُنَّ قَالَتْ اِمْرَاَةٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ قَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٤٦٣/٢۔ حديث رقم ٩٧٤۔ ومسلم في صحيحه ٦٠٦/٢ حديث رقم (١٢۔ ٨٨٣)۔ وأبوداوٗد في السنن ٦٧٥/١ حديث رقم ١١٣٦۔ والترمذي ٤١٩/٢ حديث رقم ٥٣٩۔ والنسائي ١٨٠/٣ حديث رقم ١٥٥٨۔ والدارمي ٤٥٨/١ حديث رقم ١٦٠٩ وأحمد في المسند ٨٤/٥۔

ترجمہ: حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم ان عورتوں کو بھی عیدین کیلئے نکالیں جو حیض کی حالت میں ہیں اور ان عورتوں کو بھی جو پردہ نشین ہیں، تاکہ یہ عورتیں مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعا میں حاضر ہوں۔ اور حیض والی عورتیں نماز پڑھنے کی جگہ سے الگ رہیں گی۔ تو ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ اگر ہم میں سے ایک ایسی ہو کہ اس کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاہئے کہ اس کو اس کے ساتھ والی عورت چادر پہنا دے۔ (بخاری، مسلم)

راویٔ حدیث:

ام عطیہ۔ ان کا نام ”نسیبہ“ ہے۔ کعب کی بیٹی ہیں۔ بعض کے نزدیک ”حارث“ کی صاحبزادی ہیں۔ انصار میں سے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہوئیں۔ بڑی بڑی صحابیات کی ایک جماعت ان سے حدیث کی روایت کرتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکثر و بیشتر غزوات میں شریک رہیں۔ اور مریضوں کا علاج معالجہ اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

”نسیبہ“ میں نون پر ضمہ، سین مہملہ اور با موحدہ پر فتحہ ہے۔

تشریح: (أن نخرج الحيض) مفعولیت کی بناء پر منصوب ہے، یہ بضم الحاء وتشديد الياء المفتوحة حائض کی جمع ہے۔ اس سے مراد بالغ لڑکیاں یا حائضہ عورتیں ہیں۔

(يوم العيدين) امام مالکؒ فرماتے ہیں اس میں لفظ یوم مفرد اور العیدین کی طرف مضاف ہے یہ تثنیہ کے معنی میں ہے جیسے ”مسح أذنيه ظاهرهما و باطنهما“۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو اصل کے مطابق لفظ تثنیہ کے ساتھ بھی روایت کیا جائے تو جائز ہے جیسے یومی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

العیدین اوریوم العید۔

(ذوات الخدور) یہ ''الحیض'' پر عطف ہے۔ تقدیری عبارت یہ ہوگی ''أمرنا أن نخرج منا الحیض و ذوات الخدور'' یہ دونوں نیابتِ فاعل کی بنا پر مرفوع ہیں۔ ایک روایت ذوات الخدور کی جگہ العوائق کا لفظ ہے۔ یہ عائق کی جمع ہے جس کا معنی ہے بالغ۔

(وتعتزل) ایک روایت میں ''یعتزلن'' لغت شاذہ میں اثبات نون کے ساتھ ہے۔

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے تمام عورتوں کو عید کے دن عیدگاہ میں آنے کا حکم ارشاد فرمایا تاکہ جس عورت کا کوئی عذر نہیں وہ نماز پڑھے اور جو نماز سے معذور ہے وہ دعاء کی برکت حاصل کرلے۔ اس میں لوگوں کو نمازوں میں حاضری، مجالس ذکر میں شمولیت اور صلحاء کی قربت کی ترغیب دینا مقصود ہے۔ البتہ ظہور نساء کی بنا پر ہمارے زمانے میں عورتوں کا عیدگاہ میں آنا مستحب نہیں ہے۔

صاحب شرح السنۃؒ فرماتے ہیں کہ عیدین کی نماز میں عورتوں کی حاضری کے بارے میں اختلاف ہے بعض علماء نے اس کی رخصت دی ہے بعض نے اسے مکروہ قرار دیا۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ کراہت کی دلیل حضرت عائشہؓ کا یہ قول ہے ''اگر حضور ﷺ کو علم ہوتا کہ عورتیں حضور ﷺ کے بعد کیا کریں گی تو آپ انہیں مساجد سے منع کردیتے''۔

ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ عید کیلئے بوڑھی عورتیں جائیں گی جوان عورتیں نہ جائیں۔

یہ قول بہت بہتر ہے لیکن اس کی بھی کچھ شرائط ہیں۔ یہ کہ وہ عام کپڑوں میں جائیں نمایاں ہونے کی کوشش نہ کریں۔ مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو اور عورتیں زیورات، اعلیٰ کپڑوں خوشبوؤں وغیرہ سے اجتناب کریں۔ اسی طرح کے بہت سے مفاسد جو ہمارے زمانے میں وجود میں آگئے ہیں ان سب سے اجتناب کریں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گھروں میں رہنے والی عورتیں عید کی نماز کیلئے نہ جائیں۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اسلام کی ابتداء میں مسلمان تھوڑے تھے پس عورتوں کو مسجد میں آنے کا حکم دیا گیا تاکہ کثرت نظر آئے اور دشمنوں پر رعب پڑے۔

ان کی مراد یہ ہے کہ سبب زوال سبب سے زائل ہو جاتا ہے اسی وجہ سے مؤلفۃ القلوب کو زکوۃ کے مصرف سے نکال دیا گیا ہے ان کی یہ مراد نہیں کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ ابن حجرؒ نسخ کے قائل ہیں جو کہ درست قول نہیں۔ کیونکہ اس کیلئے محض احتمال کافی نہیں کیونکہ نسخ کے دعوی کے ناسخ اور اس کے منسوخ سے مؤخر ہونے کی معرفت کی تحقیق ضروری ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حائضہ عورت اللہ کے ذکر اور خیر کی جگہوں کو بالکل نہ چھوڑے۔ نیز بچوں کو لے جانا بھی مستحب ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے گھر میں سے جس کو عیدگاہ میں لے جانے کی طاقت رکھتے اس ساتھ لے جاتے تھے۔

(لیس لھا جلباب) بکسر الجیم ~~بمعنی پلیس~~ علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ جلباب سے مراد ازار ہے۔ الاسامی نے بھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے چادر کے معنی میں لیا ہے۔

(لتلبسها) یہ "الالباس" سے امر ہے جو ندب کیلئے ہے۔

(صاحبتها) یہ فاعلیت کی بناء پر مرفوع ہے۔

(من جلبابها) ایک قول یہ ہے کہ اس سے جنس مراد ہے یعنی جو کپڑے اس کیلئے زائد ہوں انہیں کسی کو عاریۃً دے دے۔ ایک قول یہ ہے جو کپڑے خود پہنتی ہیں ان میں اپنی ساتھ خاتون کو شریک کرلے۔ البتہ راجح یہ ہے کہ یہاں مبالغہ مقصود ہے یعنی عورتیں عید کیلئے ضرور جائیں خواہ ایک چادر میں دو ہی کیوں نہ نکلیں۔

١٤٣٢: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ اَبَابَكْرٍ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ فِيْ اَيَّامِ مِنٰى تُدَفِّفَانِ وَتَضْرِبَانِ وَفِي رواية تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْاَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَغَشٍّ بِثَوْبٍ بِهٖ فَانْتَهَرَهُمَا اَبُوْبَكْرٍ فَكَشَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَجْهِهٖ فَقَالَ دَعْهُمَا يَا اَبَابَكْرٍ فَاِنَّهَا اَيَّامُ عِيْدٍ وَفِيْ رواية يَا اَبَابَكْرٍ اِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ٢/٤٤٥۔ حديث رقم ٩٥٢۔ ومسلم فی صحيحه ١/٦٠٧ حديث رقم (١٦۔ ٨٩٢)۔ والنسائی فی السنن ٣/١٩٥ حديث رقم ١٥٩٧۔ وابن ماجه ١/٦٠٧۔

ترجمہ: حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کے ہاں تشریف لائے اس حال میں کہ ان کے ہاں انصار کی دو لڑکیاں ایام منیٰ میں یعنی ایام تشریق میں دف بجا رہی تھیں۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ اشعار گا رہی تھی، جو کہ انصار نے جنگ بعاث کے متعلق کہے تھے۔ اور آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنے چہرے کو کپڑے سے ڈھانپ کر لیٹے ہوئے تھے، تو حضرت ابوبکرؓ نے ان دونوں لڑکیوں کو جھڑکا تو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا ابوبکر انہیں چھوڑ دو کیونکہ یہ عید و خوشی کا دن ہے اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں اور کہ ابوبکر ہر قوم کی عید کے دن ہوتے ہیں اور یہ ہماری عید ہے۔ (بخاری)

تشریح: قالت ان أبابکرٍ دخل عليها) ابوبکر کی تعبیر کے بارے میں احتمال یہ ہے کہ یہ راوی کے تصرفات میں سے ہے کیونکہ معانی کو نقل کرنا بھی جائز ہے۔

(وعندها جاريتان) اس کے معنی میں دو قول ہیں: ① دو چھوٹی لڑکیاں۔ ② دو باندیاں۔ ان میں سے ایک کا نام "حمامہ" تھا۔

(فی أيام منى) اس کے منصرف و غیر منصرف ہونے کے بارے میں دونوں قول ہیں اس سے مراد ایام النحر اور ایام التشریق ہیں۔

(تدفغان) بالتشدید یعنی وہ دف بجا رہی تھیں۔

(وتضربان) یہ عطف تفسیری ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ الفاظ کا تکرار زیارتِ شرح کیلئے ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ناچتے ہوئے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاؤں زمین پر مارتی تھیں۔

ایک قول یہ ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ پر مارتی تھیں۔

(**وفی روایة تغنیان**) یہ ماقبل سے بدل یا اس پر زیادتی ہے پس یہ حال ہوگا کہ وہ اونچی آواز سے گنگنا کر اشعار پڑھتی تھیں۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ وہ گانا گانے والی نہیں تھیں۔ یعنی وہ اچھی طرح گانا نہیں گا سکتی تھیں اور انہوں نے اسے سیکھا بھی نہ تھا۔ یا یہ معنی ہے کہ وہ گانا گانے والی عورتوں کی طرح فتنہ انگیز نہ تھیں۔ اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ "**الغناء رقیة الزنا**"۔ گانا زنا کا رستہ ہے۔

(**بما تقاولت الأنصار**) اس سے مراد وہ اشعار ہیں جن کو انصار کو اوس وخزرج کی لڑائی کے دوران پڑھا کرتے تھے۔

(**یوم بعاث**) **بعضهم الباء**۔ یہ مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر ایک جگہ کا نام ہے۔ علامہ عسقلانی کے نزدیک اس کا غیر منصرف ہونا راجح ہے۔

نہایہ کے مطابق یہ اوس کے ایک قلعے کا نام ہے۔ اسی قلعہ کے پاس اوس وخزرج کی ایک خون ریز لڑائی ہوئی تھی۔ ان کی لڑائیاں ایک سو بیس سال تک جاری رہیں اور حضور ﷺ کی آمد کی برکت سے ان کا خاتمہ ہوگیا۔ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی اس آیت کو نازل فرمایا:

"**لو انفقت ما فی الأرض جمیعًا ما ألفت بین قلوبهم ولکن اللّٰه ألف بینهم**"

"اگر تم زمین میں موجود ہر چیز خرچ کر دیتے تو اُن کے دلوں میں محبت پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت پیدا کی ہے"۔

اسی طرح ان کے بارے میں فرمایا۔

"**واذکروا نعمة اللّٰه علیکم اذ کنتم أعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا وکنتم علی شفا حفرة من النار فأنقذکم منها**"

"تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم دشمن تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم جہنم کے کنارے پر تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے بچالیا"۔

(**فانتهرهما أبوبکر**) یعنی ابوبکرؓ نے انہیں حضور ﷺ کی موجودگی گانا گانے کی وجہ ڈانٹا کیونکہ انہیں اس بات کا علم نہ تھا کہ حضور ﷺ نے انہیں اس تفریح کی اجازت دے رکھی ہے۔

(**فانها أیام عید**) ابن الملک فرماتے ہیں کہ ایام منی یا ایام تشریق کو روزہ نہ رکھنے میں عید کی مشابہت کی بناء پر عید قرار دیا گیا۔ ابن الملک کا یہ قول مرجوح ہے۔ راجح قول ابن حجر کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ یہ خوشی اور فرحت کے دن ہیں۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرب کے اس کلام کو گا کر پڑھنے کی اجازت دی ہے جس میں ترنم اور نغمہ پایا جائے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی موجودگی میں اور بعد میں یہ عمل بھی کیا ہے۔ اس قسم کا گانا حرام نہیں ہے۔ حتی کہ گانے کی حرمت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے قائلین یعنی اہل عراق بھی اسے جائز بتاتے ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صالحین کی مجالس لہو سے پاک ہوتی ہیں خواہ اس میں گناہ نہ بھی ہو۔ نیز حضرت ابوبکرؓ کا عمل بتا رہا ہے کہ اگر کسی بڑے کی موجودگی میں اس کی شان کے خلاف کوئی کام ہو رہا ہو تو اس سے منع کر دینا چاہیے۔

(ان لکل قومٍ عیدًا) یعنی ہر قوم کیلئے عید کا دن ہوتا ہے جیسے نیروز کا دن مجوس کی عید ہے۔ ہمارے علماء نے غیر مسلموں کی مشابہت میں ان کی عید کے دن کی تعظیم اور اس دن زیب و زینت اختیار کرنے اور ان کے افعال کرنے کو کفر قرار دیا ہے۔

(و ھذا عیدنا) علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بیان حکمت ہے کہ عیدین کے دن اہل اسلام کیلئے اظہار سرور کے دن ہیں باقی دنوں میں ایسا نہیں۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ جو اشعار وہ بچیاں پڑھ رہی تھیں وہ جنگ و شجاعت کے اشعار تھے ایک نکتہ نظر سے تو یہ امر دین کی معاونت ہے۔ باقی وہ اشعار جن میں بے حیائی کی باتیں ہوں شریعت میں ان کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ان اشعار کے پڑھنے کا تصور نہیں ہوسکتا۔

ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی اگر دف میں جھنکار نہ ہو تو کبھی کبھار اسے بجانا جائز ہے دوسری بات یہ پتہ چلی کہ ہجو وسب سے خالی اشعار کو گا کر پڑھنا جائز ہے۔

فتاوٰی قاضی خان میں لکھا ہے کہ گانے کا سننا حرام اور معصیت ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''گانے کا سننا معصیت ہے۔ اس کی مجلس میں بیٹھنا فسق اور اس سے تلذذ حاصل کرنا کفر کا حصہ ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان تشدید پر محمول ہے۔ اگر اچانک کان میں آواز پڑ جائے تو یہ مکروہ نہیں ہے۔ لیکن اس سے بچنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے کیونکہ روایت میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بچنے کیلئے انگلیاں کانوں میں دے دی تھیں۔ عربوں کے وہ اشعار جن میں فسق و فجور، شراب اور لڑکوں کا ذکر ہوا نہیں پڑھنا مکروہ ہے۔

عیدالفطر کے دن عید سے قبل میٹھی چیز کھانا سنت ہے

۱۴۳۳: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَغْدُوْ یَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰی یَاْکُلَ تَمَرَاتٍ وَّیَاْکُلُھُنَّ وِتْرًا۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۴۴۶۔ حدیث رقم ۹۵۳۔ والترمذی فی السنن ۲/۴۲۷ حدیث رقم ۵۴۳۔ وأحمد فی المسند ۳/۱۲۶۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن کھجوریں تناول کئے بغیر عیدگاہ تشریف نہیں لے جاتے تھے اور طاق عدد میں کھجوریں کھایا کرتے تھے۔ (بخاری)

تشریح: (لا یغدو یوم الفطر حتی یاکل تمرات) اس سے مراد تین سے دس تک لیا جاسکتا ہے۔

(ویأکلھن) بالنصب والرفع۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(وترًا) یعنی تین، پانچ، سات یا دس۔ علامہ اشرفؒ فرماتے ہیں کہ عید الفطر کے دن کچھ جلدی کھانے پینے میں حکمت یہ ہے کہ رمضان کے فعل سے مخالفت ہو جائے کیونکہ رمضان کے دوران کھانا حرام ہے اور عید کے دن کھانا واجب ہے۔ آپ ﷺ عید الاضحیٰ کے دن نماز سے پہلے کچھ نہ کھاتے تھے کیونکہ اس دن میں مذکورہ معنی موجود نہیں۔

ایک وجہ یہ بھی کہ آپ ﷺ عید الاضحیٰ کے دن سب سے پہلی چیز قربانی کا گوشت کھانا پسند فرماتے تھے۔

(رواہ البخاری) مولف کا قول، رواہ البخاری محل نظر ہے کیونکہ امام بخاری نے ''یا کلھن وترًا'' کے الفاظ کو تعلیقاً ذکر کیا ہے جبکہ مصنف کا انداز بتاتا ہے کہ انہوں نے اسے موصولاً ذکر کیا ہے۔

ممکن ہے کہ مصنف کی طرف سے یہ توجیہ کی جائے گی کہ انہوں نے کتاب کے دیباچہ میں موصولات اور معلقات کی تمیز کا التزام نہیں کیا۔

عیدگاہ کی طرف ایک راستے سے جانا دوسرے سے واپس آنا سنت ہے

۱۴۳۴: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ عِيدٍ خَالَفَ الطَّرِيقَ۔

(رواه البخاري)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/٤٧٢۔ حديث رقم ٩٨٦۔ والترمذي في السنن ٢/٤٢٤ حديث رقم ٥٤١۔ وابن ماجه ١/٤١٢ حديث رقم ١٣٠١۔ والدارمي ١/٤٦٠ حديث رقم ١٦١٣۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عید والے دن راستہ تبدیل فرماتے تھے۔ (بخاری)

تشریح: (کان النبی ...... خالف الطریق) یعنی عیدگاہ کی طرف آنے اور واپس جانے کیلئے الگ الگ راستہ اختیار کرتے تھے۔ اس کے سبب کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

1. تا کہ دونوں راستوں کو نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ کی برکت حاصل ہو جائے۔
2. دونوں راستوں کے لوگ حضور ﷺ سے مسائل پوچھ سکیں۔
3. اللہ کے ذکر کی اشاعت کیلئے۔ ۴۔ کفار کی سازشوں سے حفاظت۔
4. جب دو راستے سامنے ہو تو حضور ﷺ دائیں طرف کے راستہ کو اختیار فرماتے ہیں۔
5. جاتے ہوئے لمبے راستے کو اختیار فرماتے تا کہ زیادہ قدم ہوں اور زیادہ نیکیاں ملیں، واپسی پر مختصر راستے کو اختیار فرماتے تا کہ جلدی منزل تک پہنچ جائیں۔
6. علامہ طیبیؒ اور ابن حجرؒ نے اس سبب کو ذکر کیا ہے لیکن اس سے اتفاق مشکل ہے کیونکہ مسجد کی طرف جانے کیلئے لمبا راستہ اختیار کرنا مقصود بالذات نہیں۔
7. دونوں راستوں کے فقراء پر صدقہ کرنا مقصود ہے۔ ۸۔ دو راستے قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دیں گے۔
8. اپنے رشتہ داروں کی قبور کی زیارت کرنا چاہتے تھے۔ ۱۰۔ منافقین کو اشتعال دلانا مقصود ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹ تغیر حال سے تفاؤل چاہتے ہیں۔

۱۰ اژدہام سے بچانا چاہتے ہیں۔

۱۱ عدم تکرار طبیعت کیلئے نشاط بخش ہے۔

شہر میں عید کی نماز سے قبل قربانی جائز نہیں

۱۴۳۵: وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ اِنَّ اَوَّلَ مَانَبْدَأُ بِهٖ فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا نُصَلِّيْ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ اَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ نُصَلِّيَ فَاِنَّمَا هُوَ شَاةُ لَحْمٍ عَجَّلَهٗ لِاَهْلِهٖ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْءٍ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٤٥٦/٢۔ حديث رقم ٩٦٨۔ ومسلم في صحيحه ١٥٥٣/٣ حديث رقم (١٩٦١/٧)۔ وأحمد في المسند ٢٨٢/٤۔

ترجمه: حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ امام الانبیاء نے قربانی والے دن ہمیں خطبہ دیا، فرمایا: اس دن پہلا کام جو ہم کو کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ ہم پہلے نماز پڑھیں پھر واپس گھر آ جائیں اور قربانی کریں جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت کو پالیا۔ اور جس نے ہمارے نماز پڑھنے سے پہلے ذبح کیا' پس وہ ایک گوشت والی بکری ہے جس کو اس نے اپنے گھر والوں کیلئے جلدی ذبح کر لیا، یہ قربانی بالکل نہیں ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: (قال خطبنا النبی ﷺ یوم النحر) یعنی مدینہ میں۔

(ان أوّل ما نبدأ به في يومنا هذا أن نصلّي) ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ "أن نصلي" کو انّ کا اسم ہونا چاہیے۔ لیکن ابن حجرؒ کا یہ قول اصول معتمدہ کے خلاف ہے۔

(ثم نرجع فننحر) بالنصب فيهما ويرفعان۔

اس کی تقدیری عبارت ہوگی: "أن نصلي صلاة العيد المستتبعة للخطبتين"۔

یہ تقدیر لینے کی صورت میں علامہ کرمانی کی اس بات کی تردید ہو جاتی ہے کہ اس حدیث میں اس بات پر دلالت موجود ہے۔ کہ خطبہ نماز سے پہلے ہوگا کیونکہ حضور ﷺ کا قول "اول ما نبدأ به ......" خطبہ کی تقدیم کو بتا رہا ہے۔ لیکن تامل کے وقت یہ دلالت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ حضور ﷺ نے درحقیقت پہلے نماز پڑھی پھر خطبہ دیا اور خطبہ میں یہ ارشاد فرمایا اور اس میں یہ بتایا کہ نماز کو خطبہ پر مقدم کرنا اور ان دونوں کو ذبح پر مقدم کرنا ہی مشروع طریقہ ہے اس کی مخالفت جائز نہیں۔

(فقدأ صاب سنتنا) یعنی ہمارے طریقے اور ہماری شریعت کو پالیا۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے قربانی کا وقت بھی معلوم ہوتا ہے۔ علماء کا اس بات پر اجماع ہے۔ کہ یوم النحر کو طلوع فجر سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔ ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ قربانی کا وقت تب شروع ہوتا ہے۔ جب سورج ایک نیزے کے بقدر بلند ہو جائے اور اس کے بعد اتنی دیر گزر جاتے کہ دو رکعات اور دو ہلکے خطبے پڑھے جا سکیں۔ اگر اس نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس وقت کے بعد ذبح کیا تو جائز ہے خواہ امام نے نماز پڑھالی ہو یا نہ ہو۔ اور یہ وقت ایام تشریق کے آخری دن غروب شمس تک رہتا ہے۔ امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔ ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ اس وقت ایام التشریق کے دو دن تک رہتا ہے یعنی ایام النحر کے آخری دن تک۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔

اس حدیث سے ان حضرات کے مستدل ہونے میں اشکال ہے کیونکہ اس میں ان کے مسلک کی اصلاً دلالت موجود نہیں ہے اور اسے ائمہ کے متفق علیہ مسئلہ پر محمول کرنے میں کوئی شک نہیں کیونکہ علماء کا اتفاق اس پر ہے۔ کہ اچھی طرح روشنی ہو جانے کے بعد قربانی کی جائے۔

ابن الملک لکھتے ہیں قربانی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ہے اور اس کا وقت شہری کیلئے عید کی نماز کے بعد شروع ہوتا ہے امام شافعیؒ کے نزدیک یہ سنت ہے اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ یوم النحر کو طلوع فجر سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔ بعض حضرات نے گاؤں والوں کیلئے اس کی رخصت دی ہے۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یوم النحر کے دن فجر سے پہلے کی قربانی کا اعتبار نہیں۔

یہ حدیث اپنے ظاہر کے ساتھ امام شافعیؒ کے خلاف اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک اور امام احمدؒ کے حق میں دلیل ہے۔ کیونکہ ان حضرات کے نزدیک قربانی کی شرط یہ ہے کہ امام نماز پڑھالے اور خطبہ دے دے۔ اس کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صریح ارشاد سے بھی ہوگی: "ومن ذبح قبل ان نصلی فانما هو شاة لحم علیه واهله ولیس من النسك فی شیء"۔

قربانی کا وقت

۱۴۳۶: وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْبَجَلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا اُخْرٰى وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ حَتّٰى صَلَّيْنَا فَلْيَذْبَحْ عَلَى اسْمِ اللّٰهِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۹/ ۶۳۰۔ حديث رقم ۵۵۰۰۔ ومسلم في صحيحه ۳/ ۱۵۵۱ حديث رقم (۲۔ ۱۹۶۰)۔ والنسائي ۷/ ۲۱۴ حديث رقم ۴۳۶۸۔ وابن ماجه ۲/ ۱۰۵۳ حديث رقم ۳۱۵۲۔

ترجمه: حضرت جندب ابن عبداللہ بجلی فرماتے ہیں کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے قربانی کا جانور عید کی نماز سے پہلے پہلے ذبح کیا، اسے چاہئے کہ وہ اس کی جگہ پر دوسرا جانور ذبح کرے اور جو شخص نماز پڑھنے تک جانور کو ذبح نہ کرے تو اُسے چاہئے کہ نماز کے بعد اللہ کے نام پر ذبح کر دے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: (وعن جندب) بضمهما وفتح الدال۔

(ابن عبدالله البجلی) قبیلہ بجیلۃ کی طرف نسبت ہے۔

(من ذبح قبل الصلاة فلیذبح مکانها الاخرٰی) کیونکہ پہلی قربانی نسک میں شمار نہ ہوگی۔ یہ حدیث جمہور کے مسلک پر صریح دلیل ہے۔ ابن حجرؒ کا یہ کہنا کہ قبل الصلوۃ سے مراد "قبل مضی قدر فعل الصلاة والخطبتین" ہے بالکل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غلط ہے۔

(فلیذبح علی اسم اللّٰہ) قربانی پر اللہ کا نام لینا ہمارے نزدیک واجب اور امام شافعی کے نزدیک مستحب ہے۔

۱۴۳۷: وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا يَذْبَحُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهٗ وَاَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ١٠/٣۔ حديث رقم ٥٥٤٦۔ ومسلم في صحيحه ١٥٥٢/٣ حديث رقم (٤۔ ١٩٦١)۔

ترجمہ: حضرت براءؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ فخر کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کیا' پس بے شک وہ اس کو اپنے نفس کیلئے (یعنی گوشت کھانے کیلئے) ذبح کرتا ہے اور جس شخص نے قربانی کا جانور عید کی نماز کے بعد ذبح کیا تو البتہ تحقیق اسکی قربانی مکمل ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کے طریقے کو پالیا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اتنی واضح نصوص کے باوجود نہ جانے امام شافعیؒ نے جمہور کے مخالف مسلک کیوں اختیار کیا۔ نہ جانے ان کے پاس ان احادیث کو ظاہر سے پھیرنے کا کیا قرینہ ہے۔ واللہ اعلم۔

گائے' بکری کا ذبح کرنا اور اُونٹ کا نحر مستحب ہے

۱۴۳۸: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلّٰى۔ (رواه البخاري)

أخرجه البخاري في صحيحه ٤٧١/٢۔ حديث رقم ٩٨٢۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ عیدگاہ میں ذبح اور نحر کرتے تھے۔ (بخاری)

تشریح: (کان رسول اللّٰہ ﷺ یذبح) یعنی گائے کو یا بکری کو ذبح کرتے تھے۔

(وینحر) یعنی اونٹ کو نحر کرتے تھے۔

(بالمصلّٰی) تاکہ قربانی علی الاعلان ہو اور لوگ آپ ﷺ کی اقتداء کریں۔

الفصل الثّانی:

اسلامی تہوار

۱۴۳۹: عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا فَقَالَ مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ قَالُوْا كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَبْدَلَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ٦٧٥/١ حديث رقم ١١٣٤۔ والنسائي ١٧٩/٣ حديث رقم ١٥٥٦۔ وأحمد في

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المسند ۳/۱۰۳۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ خاتم الرسل ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کے ہاں دو دن مقرر تھے ان دونوں میں وہ لہو ولعب کرتے تھے خوشیاں مناتے تھے تو آنحضرت ﷺ نے پوچھا یہ دو دن کیسے ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کی ہم ان دو دنوں میں زمانہ جاہلیت میں کھیلا کرتے تھے تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے بدلے میں تمہارے لئے ان سے بہتر دو دن مقرر فرما دیئے ہیں وہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن ہیں۔

(ابوداؤد)

تشریح: (قدم النبی ﷺ المدینة ولهم یومان یلعبون فیهما) ان دونوں سے مراد فیروز اور مہرجان ہیں۔ قاموس کے مطابق نیروز سال کے پہلے دن کو کہتے ہیں یہ نوروز کا معرب ہے۔نوروز مشہور دن ہے۔ یہ وہ پہلا دن ہے جب سورج برج حمل کی طرف تحول کرتا ہے۔ یہ شمسی سال کا پہلا دن ہوتا ہے۔مہرجان نیروز کے بالمقابل میزان کا پہلا دن ہوتا ہے یہ دونوں آب وہوا کے اعتبار سے معتدل ہوتے ہیں ان میں نہ گرمی ہوتی ہے نہ سردی، دن رات بھی برابر ہوتے ہیں۔ پس اس زمانے کے ماہرین فلکیات نے ان دو دنوں کو عید کا دن قرار دیا اور لوگوں نے ان کی تقلید میں ان دنوں میں عید منانی شروع کی اور جب انبیاء آئے تو حکماء کے اس عقیدے کو ختم کر کے ان کی تشریع کی بنیاد رکھی۔

(أبدلکم اللّٰه خیرًا بهما) باء یہاں متروک پر داخل ہے جو زیادہ فصیح ہے۔خیرًا یہاں اسم تفضیل نہیں ہے۔ کیونکہ خیر ان دونوں دنوں میں نہیں ہے۔

(یوم الأضحی ویوم الفطر) یوم الاضحیٰ کو اس لئے مقدم کیا کہ یہ بڑی عید ہے۔

نبی کریم ﷺ نے نیروز اور مہرجان کے دنوں میں کھیلنے اور خوشی منانے سے منع فرمایا اس میں لطف کی انتہاء اور عبادت کا حکم ہے کیونکہ اصل خوشی تو وہ ہے جو عید کے دن ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''قل بفضل اللّٰه وبرحمة فبذلك فلیفرحوا''

''آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے لوگوں کو خوش ہونا چاہیے''۔

علامہ مظہرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیروز، مہرجان اسی طرح کافروں کی عید کے دنوں کی تعظیم جائز نہیں ہے۔ ابوحفص کبیر حنفی فرماتے ہیں جس نے نیروز کے دن اس دن کی تعظیم کرتے ہوئے کسی مشرک کو انڈہ بھی تحفہ میں دیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا اور اس کے اعمال ضائع ہو گئے۔

قاضی ابوالمحاسن حسن بن منصور حنفیؒ فرماتے ہیں کہ جس نے اس دن کوئی خاص چیز خریدی جو عام دنوں میں نہ خریدتا تھا یا کسی کی طرف کوئی تحفہ بھیجا اگر اس کی نیت اس دن کی تعظیم کی تھی جیسے کفار کرتے ہیں تو یہ شخص کافر ہو گیا اگر تعظیم کی نیت نہ تھی بلکہ تفریح چاہتا تھا تو یہ کفر تو نہیں لیکن کفار کے تشبہ کی وجہ سے مکروہ ہے۔

اہل مکہ دخول کعبہ کے دنوں کو عید کا دن قرار دیتے ہیں یہ نہی میں تو داخل نہیں البتہ یوم عاشوراء میں خوارج کے ساتھ تشبہ ہے کہ وہ اس دن خوشی مناتے ہیں جیسا کہ اس دن ماتم کرنا شیعوں کا شیوہ ہے۔ اگرچہ دوسرا فعل پہلے سے زیادہ خطرناک نہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن ان دونوں کو چھوڑنا بہتر ہے۔

عید الفطر میں عید کی نماز سے پہلے کچھ کھانا مسنون ہے

۱۴۴۰: وَعَنْ بُرَیْدَةَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَایَخْرُجُ یَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰی یَطْعَمَ وَلَایُطْعَمُ یَوْمَ الْاَضْحٰی حَتّٰی یُصَلِّیَ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی)

سنن الترمذی، کتاب الجمعة عن رسول الله، باب ما جاء فی الأکل یوم الفطر قبل الخروج، ح ۴۹۷

ترجمہ: حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ عید الفطر کے دن جب تک کہ کچھ کھا نہ لیتے عیدگاہ کی طرف نہیں جاتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن کچھ نہیں کھاتے تھے یہاں تک کہ عید کی نماز پڑھ لیتے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: (کان النبی لا یخرج یوم الفطر حتی یطعم) عید الفطر کے دن کچھ کھا کر عیدگاہ کی طرف جانے کی حکمت گزر چکی ہے۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس چیز کا میٹھا ہونا مستحب ہے۔ بیہقی اور طبرانی کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ عید کے دن سرخ جوڑا پہنتے تھے۔

یہ جوڑا مطلقاً سرخ نہ تھا بلکہ یہ یمنی کپڑا تھا جس میں سرخ و سبز لائنیں تھیں۔

(ولا یطعم یوم الأضحی حتی یصلی) اس کی حکمت فقراء کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا ہے کیونکہ فقراء تو عید کے دن وہی گوشت کھائیں گے جو لوگ انہیں عطا کریں گے۔ اور قربانی عید کی نماز کے بعد ہوتی ہے۔ عید الفطر میں چونکہ صدقہ فطر عید سے پہلے ہوتا ہے۔ اس لئے حضور ﷺ بھی کچھ کھا کر عید کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

ایک توجیہ یہ ہے کہ حضور ﷺ امتثال امر کیلئے سب سے پہلی چیز قربانی کا گوشت تناول فرماتے تھے۔ بعض نے اس کے وجوب اور بعض نے سنیت کا قول اختیار کیا ہے۔

۱۴۴۱: وَعَنْ کَثِیْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَبَّرَ فِی الْعِیْدَیْنِ فِی الْاُوْلٰی سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَفِی الْاٰخِرَةِ خَمْسًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲/۴۲۶ حدیث رقم ۵۴۲۔ وابن ماجه ۱/۵۵۸ حدیث رقم ۱۷۵۶۔ والدارمی ۱/۴۵۵ حدیث رقم ۱۶۰۰۔ وأحمد فی المسند ۵/۳۵۲۔

ترجمہ: حضرت کثیر بن عبداللہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں، اور وہ کثیر کے دادا سے نقل کرتے ہیں، کہ آنحضرت ﷺ نے عید کی نماز میں قراءت سے پہلے پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہیں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہیں قراءت سے پہلے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: (وعن کثیر بن عبداللہ عن أبیه عن جدّهٖ) جدّ سے مراد کثیر کے دادا ہیں۔ ان کا نام عمرو بن عوف المزنی أبو عبداللہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(سبعًا) ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سات تکبیریں تکبیر تحریمہ کے علاوہ تھیں۔

(قبل القراء ۃ) علامہ مظہرؒ فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت کی سات تکبیریں تکبیر تحریمہ اور تکبیر قیام کے علاوہ تھیں اور دوسری رکعت کی پانچ تکبیریں رکوع کی تکبیر سے پہلے تھیں۔ نیز دونوں رکعات میں تکبیرات قرات سے پہلے ہوں گی امام احمد اور امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت میں جاتے ہوئے چار تکبیرات قیام کی تکبیر سمیت اور دوسری رکعت میں چار تکبیرات قرات کے بعد رکوع کی تکبیر سمیت ہوں گی۔ امام صاحب کی دلیل آگے آئے گی۔

(رواہ الترمذی) امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور أحسن شيء في هذا الباب قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بہت سے اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے علماء کا اس پر عمل ہے امام شافعی، امام احمد اور اسحاقؒ اسی کے قائل ہیں البتہ حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ عید کی پہلی رکعت میں قرات سے پہلے پانچ اور دوسری رکعت میں قرات کے بعد رکوع کی تکبیر سمیت چار رکعات ہوں گی۔ اہل کوفہ اور سفیان ثوری کا یہی مسلک ہے۔

اگر امام ترمذی کے قول اہل کوفہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگرد مراد ہیں تو پہلی رکعت میں پانچ تکبیرات سے مراد تکبیر تحریمہ اور رکوع کی تکبیر کے ساتھ پانچ تکبیریں ہیں۔ امام ترمذی کی تعبیر ''خمساً قبل القراءۃ'' مسامحت سے خالی نہیں۔ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ بہت سے صحابہ کرام سے اس طرح کی روایت منقول ہے اور یہ اثر صحیح ہے اسے عبداللہؓ نے بہت سے صحابہ کی موجودگی میں بیان فرمایا تھا۔ ایسی روایات مرفوع کے درجہ میں ہوتی ہیں اور یہ تعداد رکعات کی طرح ہے۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام کے لئے مسنون ہے کہ پہلی اور آخری تکبیر کے علاوہ ہر دو تکبیروں کے درمیان یہ کلمات کہے۔

''سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ و لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر''

اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک اثرِ قولی و فعلی سند جید کے ساتھ موجود ہے اور امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

اس حدیث کے بارے محدثین کی مختلف آراء کی رُوشنی میں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور استدلال کے قابل نہیں ہے کیونکہ اس کے راوی کثیر بن عبداللہ کو امام ابوداؤد، امام شافعی، ابن حبان، ابوحاتم اور ابن عدی نے کذاب اور ضعیف قرار دیا ہے۔

۱۴۴۲: وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ مُرْسَلًا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ كَبَّرُوْا فِي الْعِيْدَيْنِ وَالْاِسْتِسْقَآءِ سَبْعًا وَخَمْسًا وَصَلُّوْا قَبْلَ الْخُطْبَةِ وَجَهَرُوْا بِالْقِرَاءَةِ ۔ (رواہ الشافعی)

أخرجه الشافعي في مسنده ص ٧٦۔

ترجمہ: حضرت جعفر بن محمدؒ مرسلاً نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ عیدین اور استسقاء کی نماز میں سات اور پانچ تکبیریں کہتے تھے، اور ان نمازوں کو خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے اور ان نمازوں میں اونچی آواز سے قراءت کرتے تھے۔ (امام شافعیؒ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راوئ حدیث:

جعفر الصادق۔ یہ جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہیں۔ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔صادق ان کا لقب ہے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پوتے کے پوتے ہیں۔ یہ اہل بیت کے بڑے لوگوں میں سے ہیں۔انہوں نے اپنے والد محمد باقر سے اور دوسروں سے بھی روایات کی ہیں۔ان سے ائمہ حدیث اور بڑے بڑے علماء نے حدیث نقل کی ہے۔جیسے یحییٰ بن سعید اور ابن جریج اور مالک بن انس اور سفیان ثوری اور ابن عیینہ اور ابوحنیفہ وغیرہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔ان کی عمر اڑسٹھ (۶۸) سال کی ہوئی۔مقام بقیع میں ایک ایسی قبر میں دفن ہوئے جس میں ان کے باپ محمد باقر اور ان کے دادا علی زین العابدین تھے۔

تشریح: (وعن جعفر) یعنی جعفر الصادق۔

(ابن محمد) ای الباقر بن علی بن الحسین بن علی بن أبی طالب رضی اللّٰہ عنهم۔

(أن النبیﷺ وأبا بکر و عمر کبّروا فی العیدین والاستسقاء سبعًا و خمسًا) یعنی پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیرات پڑھتے تھے۔امام شافعیؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔

(وصلوا قبل الخطبة) ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ نماز کے خطبے پر مقدم ہونے پر اجماع ہے۔ بنوامیہ کے لوگوں کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ نفس پرستی کی بنا پر خطبہ کو مقدم کرتے تھے کیونکہ جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ کر چلے جاتے ہیں اور ان کا خطبہ نہیں سنتے اور یہ ان کے جبر وظلم پر احتجاج کی علامت تھی۔تو انہوں نے خطبے کو نماز سے مقدم کرنا شروع کر دیا تا کہ لوگ خطبہ سن کر جائیں۔

(وجهروا بالقراءة) امام مسلمؒ نے بھی حضور ﷺ سے یونہی نقل کیا ہے اس پر اتفاق ہے حتیٰ کہ اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے۔

(رواہ الشافعی) صاحب التخریج فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ سے اس روایت کو بیہقی نے نقل کر کے جعفر بن محمد عن أبیہ عن علی کی سند سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔انہوں اس روایت کو اپنی سند سے بھی لیا ہے۔اس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت علیؓ نے عید اور نماز استسقاء میں سات اور پانچ تکبیرات کہیں اور بلند آواز میں قرات کی۔ اسی طرح کی روایت شیخ جزری کی تصحیح المصابیح میں بھی ہے۔

مصنفؒ کے قول کا ظاہر "عن جعفر بن محمد مرسلاً" دونوں روایتوں میں سے کسی کے مطابق بھی درست نہیں کیونکہ وہ دونوں روایتیں موقوف ہیں مرفوع نہیں ہیں۔البتہ تکلف کر کے کہا جا سکتا ہے کہ مرسلاً سے مراد محمد باقر کا حضرت علی سے ارسال مراد ہے جعفر صادق کا نبی کریم ﷺ سے ارسال مراد نہیں۔یا یہ کہ ارسال سے مراد انقطاع ہے خواہ وہ مرفوع ہو یا موقوف اور یہ خلاف ظاہر ہے۔یہ بھی ممکن ہے امام شافعیؒ نے اسے اپنی کسی اور تصنیف میں ذکر کیا ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تکبیراتِ زوائد چھ ہیں

۱۴۴۳: وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَأَلْتُ اَبَامُوْسٰى وَحُذَيْفَةَ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُكَبِّرُ فِي الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ؟ فَقَالَ اَبُوْمُوْسٰى كَانَ يُكَبِّرُ اَرْبَعًا تَكْبِيْرَةً عَلَى الْجَنَائِزِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ صَدَقَ۔(رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ۱/ ۶۸۲ حديث رقم ۱۱۵۳ وأحمد في المسند ٤/ ٤١٦۔

ترجمہ: حضرت سعید بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ اور حضرت حذیفہ سے سوال کیا کہ شافع محشر ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں کتنی تکبیریں کہا کرتے تھے؟ تو ابوموسیٰؓ نے جواب دیا آپ ﷺ چار تکبیریں کہا کرتے تھے، جس طرح کہ جنازہ میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ ابوموسیٰؓ نے بالکل سچ کہا ہے۔

(ابوداؤد)

تشریح: (فقال أبو موسٰى كان يكبّر أربعًا) اى متوالية۔ معنی یہ ہے کہ پہلی رکعت میں احرام کی تکبیر کے ساتھ چار تکبیریں اور دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر کے ساتھ چار تکبیریں پڑھتے تھے۔

(فقال حذيفة صدق۔ رواه ابو داؤد) ابن ہمام نے اس روایت میں ان الفاظ کا اضافہ نقل کیا ہے:

''فقال ابو موسٰى كذلك كنت أكبّر في البصرة حيث كنت عليهم''

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ دو تکبیروں کے درمیان تین تسبیحات کے بقدر خاموش رہے گا کیونکہ پے در پے تکبیرات کہنے سے لوگوں کو اشتباہ ہوگا۔ نیز ہمارے نزدیک دو تکبیروں کے درمیان کسی قسم کا ذکر مسنون نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کا بوقت خطبہ کمان پر سہارا لینا

۱۴۴۴: وَعَنِ الْبَرَاءِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُوْوِلَ يَوْمَ الْعِيْدِ قَوْسًا فَخَطَبَ عَلَيْهِ۔

(رواہ ابوداوٗد)

أبوداوٗد في السنن ۱/ ۶۷۹ حديث رقم ۱۱٤٥۔

ترجمہ: حضرت براءؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ عید کے دن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک کمان پیش کی گئی، چنانچہ آپ ﷺ نے اس پر ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ (ابوداوٗد)

تشریح: (أن النبي ﷺ نوول) مجہول نووی کے وزن پر ہے۔ ناول کا معنی ہے ہاتھ میں دینا۔

(يوم العيد قوسًا فخطب عليه) یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ عیدگاہ میں منبر کا وجود حضور ﷺ کے بعد ہوا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بوقتِ خطبہ لاٹھی کا سہارا لینا مسنون ہے

۱۴۴۵: وَعَنْ عَطَاءٍ مُرْسَلاً اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا خَطَبَ يَعْتَمِدُ عَلٰى عَنَزَتِهِ اِعْتِمَادًا . (رواه الشافعي)

أخرجه الشافعي في مسنده ص ۷۷۔

ترجمہ: حضرت عطاء سے مرسلاً منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو اپنی لاٹھی پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔ (امام شافعیؒ)

تشریح: (وعن عطاء) عطاء بن اَبی یسار مشہور تابعی ہیں اور ابن عباسؓ سے کثیر الروایۃ ہیں۔

(كان اذا خطب يعتمد على عنزته) عنزۃ ایک خاص قسم کے نیزے کو کہا جاتا ہے۔

(اعتمادًا) مفعول مطلق ہے۔ای اعتمادًا كليًّا۔

بوقتِ خطبہ کسی انسان کا سہارا لینا بھی جائز ہے

۱۴۴۶: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ شَهِدْتُ الصَّلَاةَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ فَبَدَأَ بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَةٍ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَامَ مُتَّكِئًا عَلٰى بِلَالٍ فَحَمِدَاللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَكَّرَهُمْ وَحَثَّهُمْ عَلٰى طَاعَتِهِ وَمَضٰى اِلَى النِّسَاءِ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَاَمَرَهُنَّ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَ وَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ. (رواه النسائى)

أخرجه البخاري في صحيحه مختصرًا ۵۲۳/۲ حديث رقم ۹۶۱۔ ومسلم في صحيحه ۶۰۳/۲ حديث رقم (۴ ـ ۸۸۵)۔ والنسائي ۱۸۶/۳ حديث رقم ۱۵۷۵۔ وأحمد في المسند ۳۱۸/۳۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ عید کے دن میں نماز کیلئے حاضر ہوا، آپ ﷺ نے اذان اور تکبیر کے بغیر خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی۔ پس جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت بلالؓ پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور اللہ کی حمد وثناء بیان کی اور لوگوں کو وعظ کیا، اور ان کو عذاب اور ثواب کے احکام یاد دلائے۔ اور ان کو اللہ کی اطاعت پر ابھارا اور پھر عورتوں کی طرف گئے اس حال میں کہ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت بلالؓ تھے اور ان کو بھی اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا اور ان کو نصیحت کی، اور انہیں عذاب اور ثواب کے احکام یاد دلائے۔ (نسائی)

تشریح: (الصلاة) ای صلاة العيد۔

(فلما قضى الصلاة قام متكئًا على بلالٍ) علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ خطیب لاٹھی تلوار اور نیزے کے ساتھ ساتھ کسی انسان کا سہارا بھی لے سکتا ہے۔

(ووعظ الناس) امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ وعظ میں زجر وتوبیخ اور لوگوں کو اللہ سے ڈرانا ہوتا ہے۔

امام خلیل فرماتے ہیں کہ وعظ سے مراد نیکی کی ایسی نصیحت جس سے دل نرم ہو جائیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(وذكرهم) بالتشدید۔ ماقبل پر عطف تفسیری ہے۔ ابن حجرؒ کا کہنا کہ "وذكرهم العواقب" ماقبل سے بدل ہے۔ درست نہیں۔

ممکن ہے کہ وعظ الناس کا معنی ہو۔ "لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی نصیحت فرمائی"۔ اور "وذكرهم" کا معنی ہو"۔ آخرت، قیامت، جنت اور دوزخ کے احوال کے متعلق ارشاد فرمایا"۔

(وحثهم على طاعته) یعنی اللہ کی اطاعت کی ترغیب دی۔ حضور ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت کا حصہ ہے۔ یہ تعمیم بعد التخصیص ہے کیونکہ یہ تمام مکارم اخلاق کو شامل ہے۔ البتہ راجح معنی یہ ہے کہ طاعت سے مراد اسی دن کے اعمال جیسے صدقہ فطر اور قربانی وغیرہ ہیں۔ طاعت کا ایک معنی نفلی عبادت بھی کیا گیا ہے۔

ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی اطاعت کی ترغیب دی کیونکہ حضور ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ ابن حجر کا یہ قول سیاق وسباق سے بالاتر ہے۔

(فأمرهن بتقوى الله) اللہ کا تقوی مامورات کی انجام دہی اور منہیات سے اجتناب پر مشتمل ہے۔

اس مقام پر ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے عورتوں کو انجام سے ڈرایا اور یہ نصیحت کبھی بشارت کے انداز میں ہوتی کبھی نذارت کے۔ یہ عطف اعم ہے۔ ابن حجرؒ کا یہ قول ان کے سابقہ قول کے مخالف ہے کیونکہ انہوں نے پہلے اسے بدل بنایا تھا۔ اس کے عطف تفسیری ہونے کی تائید ان روایات میں سے بھی ہوئی جن میں صرف تذکیر کا ذکر ہے۔

شیخ جزریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جابرؓ کی یہ حدیث متفق علیہ ہے اور اسے امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ بہتر یہ تھا کہ مؤلف اسے صحاح میں ذکر کرتے اگرچہ الفاظ میں معمولی سا فرق ہے لیکن معنی تو ایک جیسا ہے۔ شیخ قدس سرہ نے صاحب مصابیح پر اعتراض کرتے ہوئے یونہی کہا ہے۔ پس انہوں نے بیان کر دیا کہ حضرت جابر کی حدیث سے کسی انسان کا سہارا لینے کے جواز کی دلالت معلوم ہوتی ہے۔ واللہ الہادی۔ اس جواب کو علامہ میرک نے نقل کیا ہے لیکن ان کا یہ جواب اعتراض کو دور کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس حدیث کا حق یہ تھا کہ اسے صحاح میں ذکر کیا جاتا۔ پھر احادیث حسان غیر آدمی کے جواز کے لئے مبین ومفسر ہوتیں جیسا کہ کتاب میں ان کا طرز ہے۔

عیدگاہ کی طرف جانے اور واپس آنے کا مسنون طریقہ

۱۴۴۷: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَاخَرَجَ يَوْمَ الْعِيْدِ فِیْ طَرِيْقٍ رَجَعَ فِیْ غَيْرِهٖ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٢/٤٢٤ حديث رقم ٥٤١۔ وابن ماجه ١/٤١٢ حديث رقم ١٣٠١۔ والدارمی ١/٤٦٠ حديث رقم ١٦١٣۔ وأحمد فی المسند ٢/٣٣٨۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب عید کیلئے جاتے تھے ایک راستے سے تو واپس آتے تھے دوسرے راستے سے۔ (ترمذی، دارمی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح: عید کے دن کے بارے میں ایک مسئلہ پر گفتگو کرنا باقی ہے وہ یہ کہ امام لوگوں کے ساتھ عید گاہ کی طرف تکبیرات کس طرح کہے گا۔ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں تکبیرات کہنے کے بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں کیونکہ یہ اللہ کا ذکر ہے البتہ صاحبین کے نزدیک بلند آواز سے تکبیریں کہی جائیں گی جیسا کہ عید الاضحیٰ میں کہی جاتی ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عید الفطر کے دن آہستہ آواز سے تکبیریں کہے گا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اونچی آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مخالف ہے:

''واذكر ربك في نفسك تضرعًا وخيفة ودون الجهر من القول''

پس بلند آواز سے پڑھنے کو شریعت کے مورد پر ہی رکھا جائے گا۔ اور وہ عید الاضحیٰ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''واذكروا الله في أيام معدودات''

اس کی تفسیر میں آیا ہے کہ اس سے مراد ان دنوں میں تکبیر کہنا ہے اور بہتر یہ ہے کہ انہی دنوں پر اکتفاء کیا جائے کیونکہ اس پر اجماع بھی ہے۔

اگر بطور سوال کے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''ولتكملوا العدة ولتكبروا الله على ما هداكم''

اور دار قطنی نے حضرت سالم سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن جب گھر سے نکلتے تو عید گاہ میں آنے تک تکبیر پڑھتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں مطلقاً تکبیر کہنے کا حکم ملتا ہے۔ اس کے تو ہم بھی قائل ہیں البتہ محل نزاع بلند آواز سے تکبیر کہنا ہے۔ اور اس پر اس آیت اور حدیث میں کوئی دلالت موجود نہیں۔ نیز آپ کی ذکر کردہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ حاکم نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے اس میں بھی جہر کا ذکر نہیں البتہ دار قطنی میں حضرت نافع کے حوالے سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل ملتا ہے کہ وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں میں جہر کیا کرتے تھے۔ امام بیہقی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے لیکن صحابی کا قول قطعیۃ الدلالۃ آیت (یعنی ''واذكر ربك'' سے لے کر ''ودون الجهر'') کے معارض نہیں ہو سکتا۔ نیز یہ عمل ایک اور صحابی ابن عباسؓ کے قول کے بھی خلاف ہے کہ جب لوگوں نے عید الفطر کے دن بلند آواز سے تکبیرات کہیں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ مؤذنین عید کی رات کو مغرب کی نماز کے بعد سے فجر تک تکبیرات کہتے ہیں میں نے اس کی کوئی اصل نہیں دیکھی۔

بوقتِ عذر مسجد میں بھی نمازِ عیدین پڑھی جا سکتی ہے

۱۴۴۸: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ اَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِیْ یَوْمِ عِیْدٍ فَصَلّٰی بِهِمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِیْدِ فِی الْمَسْجِدِ۔ (رواه ابوداود وابن ماجة)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۱/۶۸۶ حديث رقم ۱۱۶۰۔ وابن ماجه ۱/۴۱۶ حديث رقم ۱۳۱۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ عید کے دن بارش ہوگئی' آنحضرت ﷺ نے ان کو (یعنی صحابہ کو) نماز عید مسجد میں پڑھائی۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: مسجد سے مراد مسجد نبویؐ ہے۔

ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ عید کی نماز آبادی سے باہر پڑھتے تھے لیکن جب کچھ بارش ہوتی تو آپ مسجد میں ادا فرماتے۔ پس تمام شہروں میں نماز عید آبادی سے باہر ادا کرنا افضل ہے البتہ مکہ مکرمہ کے بارے میں اختلاف ہے اور:

مکہ کے بارے میں راجح قول یہ ہے کہ مسجد حرام میں عید کی نماز ادا کی جائے گی۔ جیسا کہ اس پر آج بھی عمل ہو رہا ہے۔ حضور ﷺ اور اسلاف سے بھی اس کے خلاف عمل منقول نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''ان اوّل بيت وضع للناس''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد حرام تمام عبادتوں جیسے جمعہ، عید، استسقاء، جنازہ' کسوف اور خسوف کیلئے ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ مسجد حرام میں مکروہ نہیں ہے۔ اس کی تائید امام سیوطیؒ کی ذکر کردہ اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت آدمؑ کی نماز جنازہ باب کعبہ کے پاس پڑھی گئی تھی۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں مسجد حرام کو مساجد سے تعبیر کیا گیا ہے:

''ماكان للمشركين ان يعمروا مساجد اللّٰه''۔

ایک قرات میں ''مسجد اللہ'' ہے۔ اور مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد مسجد حرام ہے۔ مسجد حرام کیلئے جمعہ کا صیغہ یا تو مذکورہ وجہ سے لایا گیا یا اس وجہ سے کہ اس میں کعبہ ہے جو تمام مساجد کا قبلہ ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی چار جہات ہیں اور ہر جہت مسجد ہے اور مسجد حرام کی یہ خصوصیت ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ اس کی عظمت کی وجہ سے اس کے ہر جز کو مساجد شمار کیا گیا۔

۱۴۴۹: وَعَنْ اَبِى الْحُوَيْرِثِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلٰى عَمْرِوبْنِ حَزْمٍ وَهُوَ بِنَجْرَانَ عَجِّلِ الْاَضْحٰى وَاَخِّرِ الْفِطْرَ وَذَكِّرِ النَّاسَ۔ (رواه الشافعي)

أخرجه الشافعي في مسنده ص ٧٤۔

ترجمہ: حضرت ابوالحویرثؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے عمرو ابن حزمؓ کی طرف خط لکھ کر بھیجا جبکہ وہ نجران میں گورنر تھے، کہ عید الاضحیٰ کی نماز جلدی پڑھائیں اور عید الفطر کی نماز تاخیر سے پڑھائیں، اور لوگوں کو خطبہ میں وعظ ونصیحت کریں۔ (امام شافعیؒ)

راوئ حدیث:

ابوحویرث: مؤلف نے ''الاکمال'' میں ان کا اسم گرامی ذکر نہیں کیا۔ بظاہر یہ تابعی ہیں ''حویرث'' تصغیر کے ساتھ ہے۔

تشریح: (عن أبي الحويرث) میرکؒ فرماتے ہیں کہ یہ متکلم فیہ راوی ہیں۔ مؤلف نے اپنے اسماء الرجال میں ان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا تذکرہ نہیں کیا ان کا تابعی ہونا راجح ہے۔

(أن رسول اللهﷺ كتب الي عمرو بن حزم) ان کی کنیت ابوضحاک انصاری ہے۔غزوہ خندق میں شریک ہوئے اس وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نجران کا گورنر بنایا تھا۔ یہ سن ۱۰ ہجری کی بات ہے۔

(وهو بنجران) بفتح النون وسکون الجیم۔یمن کے ایک علاقہ کا نام ہے۔

(عجل الأضحى) یعنی صلوۃ الاضحیٰ کو جلدی پڑھو تا کہ لوگ قربانی میں جلدی مشغول ہو سکیں۔

(أخر الفطر) یعنی صلوۃ الفطر کو دیر سے پڑھو تا کہ لوگوں کو نماز سے پہلے صدقۃ الفطر ادا کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع مل سکے۔

غور کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح مالدار اور نادار دونوں کی رعایت رکھی ہے اسی وجہ سے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللعالمین اور اللہ کے لطف کے مظہر ہیں۔

عید الفطر کی نماز دو شوال کو پڑھی جا سکتی ہے

۱۴۵۰: وَعَنْ اَبِیْ عُمَیْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ عُمُوْمَةٍ لَّهٗ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَكْبًا جَآءُوْا اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّهُمْ رَءَوُا الْهِلَالَ بِالْاَمْسِ فَاَمَرَهُمْ اَنْ يُفْطِرُوْا وَاِذَا اَصْبَحُوْا اَنْ يَغْدُوْا اِلٰى مُصَلَّاهُمْ۔ (رواہ ابوداود والنسائی)

أخرجه أبوداؤد في السنن ٦٨٤/١ حديث رقم ١١٥٧۔ والنسائي ١٨٠/٣ حديث رقم ١٥٥٧۔ وابن ماجه ٥٢٩/١ حديث رقم ١٦٥٣۔ وأحمد في المسند ٥٧/٥۔

ترجمہ: حضرت عمیر بن انس اپنے چچاؤں سے نقل کرتے ہیں جو کہ فخر کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے تھے کہ ایک قافلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور انہوں نے یہ گواہی دی کہ بے شک انہوں نے عید کا چاند کل دیکھا ہے (یعنی گزشتہ رات) تو آنحضرتؐ نے صحابہ کو افطار کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب صبح ہو جائے تو سویرے عیدگاہ کی طرف چلے جائیں۔ (ابوداؤد، نسائی)

راوی حدیث:

ابو عمیر بن انس۔ یہ ''ابو عمیر'' انس بن مالک کے بیٹے ہیں اور انصاری ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کا نام ''عبد اللہ'' ہے۔ اپنے انصاری چچوں سے روایت کرتے ہیں ان کا شمار کم عمر تابعین میں ہے اپنے والد حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد زمانہ دراز تک زندہ رہے۔

تشریح: (عن عمومة له) عمومۃ جمع ہے عم کی۔کبھی یہ مصدر کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

(يشهدون أنهم رأوا الهلال بالأمس) ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ ابن ماجہ اور دار قطنی کی روایت میں مذکور ہے۔ کہ وہ لوگ دن کے آخری حصہ میں آئے تھے۔ دار قطنیؒ اور امام نووی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ جبکہ طحاوی نے اسی روایت کے بعض طرق میں نقل کیا ہے کہ وہ لوگ زوال کے بعد آئے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اسی سے استدلال کیا ہے کہ عید

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی نماز کا وقت ارتفاع شمس سے زوال شمس تک ہے اس لئے کہ اگر عید کی نماز زوال کے بعد ادا کی جا سکتی تو رسول اللہ ﷺ اسے اگلے دن تک کیلئے مؤخر نہ کرتے۔

(واذا أصبحوا أن يغدوا الى مصلاهم) یعنی وہ سب کل صبح عید کی نماز کیلئے عید گاہ میں آ جائیں۔

علامہ مظہرؒ فرماتے ہیں کہ اگر لوگوں نے زوال کے بعد چاند دیکھنے کی گواہی دی تو لوگ روزہ توڑ دیں اور اگلے دن عید کی نماز ادا کریں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اور امام شافعیؒ کا ایک قول یہی ہے۔ جبکہ امام مالک اور امام شافعی کے راجح قول کے مطابق عید کی نماز اس دن یا اگلے دن قضاء کی جائے گی۔

شرح المنیۃ میں لکھا ہے کہ اگر یوم الفطر کو زوال سے پہلے کسی عذر کی بنا پر عید کی نماز ادا نہ کی جا سکی تو اگلے دن زوال سے پہلے پڑھی جائے گی اور اگر اگلے دن بھی ادا نہ کی جا سکی تو اسکے بعد ادا نہ کی جائے گی۔ بخلاف عید الاضحیٰ کے کہ اگر پہلے اور دوسرے دن کسی عذر کی بنا پر نماز ادا نہ کی جا سکے تو تیسرے دن ادا کی جائے گی۔ اسی طرح اگر عید الاضحیٰ کی نماز کو دوسرے یا تیسرے دن تک مؤخر کیا تو جائز ہے لیکن کراہت سے خالی نہیں۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اداء کی طرح عید کی قضاء نماز میں بھی دو ہی رکعتیں ہوں گی۔ امام شافعیؒ اور امام مالک کا یہی مسلک ہے۔ کیونکہ اصل یہ ہے کہ قضاء ادا کی طرح ہی ہو البتہ کسی دلیل کی بنا پر اس میں تبدیلی ہو سکتی۔ امام احمدؒ کے نزدیک عید کی قضا نماز میں چار رکعات پڑھی جائیں گی۔ جیسا کہ جمعہ فوت ہو جانے کی صورت میں چار رکعات پڑھی جاتی ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دو اور چار رکعات کے درمیان اختیار ہے۔ عید کی نماز کو جمعہ پر قیاس کرنا بعید از قیاس ہے کیونکہ جمعہ ظہر کا بدل ہے یا وہ دونوں ایک ہی وقت کی نمازیں ہیں۔ پس ایک سے دوسری کی تعداد کی طرف رجوع کرنا جائز ہے جبکہ یہاں معاملہ ایسا نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جو مسلک نقل کیا گیا وہ صحیح نہیں کیونکہ امام صاحب کے نزدیک اگر ایک آدمی امام کے ساتھ عید کی نماز نہ پڑھ سکا تو وہ قضا نہیں کرے گا۔

علامہ میرکؒ فرماتے ہیں کہ ابوداؤد نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے اور منذری نے بھی اس پر خاموشی اختیار کی ہے۔

یہ بات گزر چکی ہے کہ ان دونوں حضرات کا سکوت تصحیح یا تحسین پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث امام مالک اور امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے۔

الفصل الثالث:

عید گاہ سے باہر عید کیلئے نداء درست ہے

١٤٥١: عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَا لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمَ الْأَضْحٰى ثُمَّ سَأَلْتُهُ يَعْنِي عَطَاءً بَعْدَ حِيْنٍ عَنْ ذٰلِكَ فَأَخْبَرَنِي قَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ أَنْ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَا اَذَانَ لِلصَّلَاةِ يَوْمَ الْفِطْرِ حِيْنَ يَخْرُجُ الْاِمَامُ وَلَا بَعْدَ مَا يَخْرُجُ وَلَا اِقَامَةَ وَلَا نِدَاءَ وَلَا شَيْءَ لَا نِدَاءَ يَوْمَئِذٍ وَلَا اِقَامَةَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۴۵۱۔ حديث رقم ۹۶۰۔ ومسلم في صحيحه ۲/۶۰۴ حديث رقم ۵/۸۸۶۔

ترجمہ: حضرت ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ مجھے عطاءؒ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کے بارے میں خبر دی انہوں نے فرمایا کہ نہ عید الفطر کے دن اذان دی جاتی تھی اور نہ ہی عید الاضحیٰ کے دن پھر میں نے اُن سے یہی سوال کیا (یعنی عطاءؒ سے) کچھ عرصے کے بعد تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے جابر بن عبداللہؓ نے خبر دی ہے کہ عید الفطر میں نماز کیلئے اذان نہیں ہے، نہ ہی امام کے نکلنے کے وقت اور نہ ہی امام کے باہر آ جانے کے بعد اور نہ ہی اقامت ہے اور نہ ہی نداء ہے اور نہ کچھ اور اس دن نہ نداء ہے اور نہ ہی اقامت ہے۔ (مسلم)

راویٔ حدیث:

ابن جریج۔ ان کا نام "عبدالملک" ہے۔ یہ "عبدالعزیز بن جریج" کے بیٹے ہیں' مکہ کے رہنے والے ہیں' مشہور فقیہ ہیں' پایہ کے علماء سے ہیں۔ انہوں نے حضرت مجاہدؒ' ابن ابی ملیکہؒ اور عطاءؒ سے حدیث کو سنا ہے۔ ان سے ایک جماعت نے روایت حدیث کی ہے۔ ابن عیینہ نے کہا کہ میں نے ابن جریج سے سنا وہ فرماتے تھے کہ علم حدیث کو جس طرح اور جس مشقت سے میں نے جمع کیا ہے کسی دوسرے نے نہیں جمع کیا ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ "جریج" اسم مصغر ہے۔

تشریح: ابن جريج: بضم الجيم الاولى۔ تقریب اور مغنی میں یونہی ہے۔

(يؤذن يوم الفطر) ظرفیت کی بنا پر منصوب ہے۔

(ثم سألته يعني عطاءً۔ بعد حين عن ذلك) یعنی اس کی تفصیل کے بارے میں پوچھا یا دوبارہ سوال کیا۔

(للصلاة يوم الفطر) یوم الفطر پر اکتفا کرتے ہوئے یوم الاضحیٰ کو چھوڑ دیا۔

ابن زبیر فرماتے تھے کہ عید کیلئے اذان دی جائے گی۔ سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ عید کیلئے سب سے پہلے حضرت معاویہ نے اذان دی تھی۔

۱۴۵۲: وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ فَيَبْدَأُ بِالصَّلَاةِ فَاِذَا صَلّٰى صَلَاتَهٗ قَامَ فَاَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَهُمْ جُلُوْسٌ فِيْ مُصَلَّاهُمْ فَاِنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ بِبَعْثٍ ذَكَرَهٗ لِلنَّاسِ اَوْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ بِغَيْرِ ذٰلِكَ اَمَرَهُمْ بِهَا وَكَانَ يَقُوْلُ تَصَدَّقُوْا تَصَدَّقُوْا تَصَدَّقُوْا وَكَانَ اَكْثَرَ مَنْ يَتَصَدَّقُ النِّسَاءُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَلَمْ يَزَلْ كَذٰلِكَ حَتّٰى كَانَ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ فَخَرَجْتُ مُخَاصِرًا مَرْوَانَ حَتّٰى اَتَيْنَا الْمُصَلّٰى فَاِذَا كَثِيْرُ بْنُ الصَّلْتِ قَدْ بَنٰى مِنْبَرًا مِنْ طِيْنٍ وَلَبِنٍ فَاِذَا مَرْوَانُ يُنَازِعُنِيْ يَدَهٗ كَاَنَّهٗ يَجُرُّ نِيْ نَحْوَ الْمِنْبَرِ وَاَنَا اَجُرُّهٗ نَحْوَ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الصَّلٰوۃِ فَلَمَّا رَأَیْتُ ذٰلِكَ مِنْهُ قُلْتُ اَیْنَ الْاِبْتِدَاءُ بِالصَّلَاۃِ فَقَالَ یَا اَبَا سَعِیْدٍ قَدْ تُرِكَ مَاتَعْلَمُ قُلْتُ كَلَّا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا تَاْتُوْنَ بِخَیْرٍ مِمَّا اَعْلَمُ ثَلَاثَ مِرَارٍ ثُمَّ انْصَرَفَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۲/ ۶۰۵ حديث رقم (۸۸۹/۹)۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ عیدالاضحیٰ کے دن اور عیدالفطر کے دن عیدگاہ کی طرف جاتے تو نماز سے ابتداء کرتے، جب نماز پڑھ لیتے تو کھڑے ہو جاتے اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو جاتے اس حال میں کہ لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے ہوتے (یعنی خطبہ ارشاد فرماتے) اگر آپ کو کہیں لشکر بھیجنے کی ضرورت پڑتی تو اس کا تذکرہ لوگوں کے سامنے فرما دیتے یا لوگوں کی کوئی اور حاجت ہوتی اس کے بارے میں ان کو حکم ارشاد فرما دیتے اور اپنے خطبہ کے درمیان فرماتے تھے اے لوگو! تم صدقہ کرو صدقہ کرو صدقہ کرو، اور عورتیں زیادہ صدقہ کیا کرتی تھیں، اور اس کے بعد آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے جاتے (پس آپ ﷺ کے زمانے سے) یہی معمول رہا (یعنی خطبہ نماز کے بعد ہوتا تھا) یہاں تک کہ مروان بن حکم کا زمانہ آیا پس میں ایک دن مروان بن حکم کا ہاتھ پکڑے ہوئے نکلا یہاں تک ہم عیدگاہ میں آئے تو کیا دیکھتے ہیں وہاں کثیر بن صلت نے مٹی اور کچی اینٹوں کا منبر بنا رکھا ہے، اچانک مروان مجھے اپنے ہاتھ سے کھینچنے لگا گویا کہ وہ مجھے منبر کی طرف کھینچ رہا تھا (یعنی میں عید سے پہلے خطبہ پڑھوں) اور میں اس کو نماز کی طرف کھینچ رہا تھا (یعنی پہلے نماز پڑھیں پھر خطبہ پڑھیں گے) جب میں نے اس کی ہٹ دھرمی کو دیکھا تو میں نے کہا ابتداء بالصلوٰۃ کا وہ فعل کہاں ہے، یعنی جو آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے سے چلا آ رہا تھا تو مروان بن حکم نے کہا اے ابوسعیدؓ جھگڑا نہ کرو، جو آپ جانتے ہیں اس کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ میں نے کہا ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اس سے بہتر چیز نہیں لا سکتے جو میں جانتا ہوں اور یہ بات تین مرتبہ کہی پھر ابوسعیدؓ واپس آ گئے (یعنی مروان کے اس فعل کی وجہ سے نماز میں شریک نہیں ہوئے)۔ (مسلم)

تشریح: کان یخرج یوم الأضحی ویوم الفطر فیبدأ بالصلاۃ) یعنی خطبہ سے پہلے نماز پڑھتے تھے۔

جمہور کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ عید کی پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیۃ پڑھی جائے۔ امام ابوداؤد نے اپنی سند سے حضور ﷺ کا یہی فعل نقل کیا ہے۔

(تصدقوا تصدّقوا تصدّقوا) اس لفظ کا تین دفعہ ذکر تاکید کیلئے ہے۔ یا ایک دفعہ سامنے والوں ایک دفعہ دائیں طرف والوں کیلئے اور ایک دفعہ بائیں طرف والوں کیلئے ارشاد فرمایا۔ ایک احتمال یہ ہے احوال ثلثہ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی دنیا کیلئے صدقہ کرو۔ موت کیلئے صدقہ کرو اور آخرت کیلئے صدقہ کرو۔ یا یہ معنی ہے کہ پہلا امر زکوٰۃ کیلئے، دوسرا امر صدقہ فطر کیلئے اور تیسرا امر عام صدقہ کیلئے ہے۔

(وکان اکثر من یتصدق النساء) اکثر نسخوں میں لفظ اکثر کے رفع اور النساء کے نصب کے ساتھ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ عورتوں کو کثرت سے صدقہ کی ترغیب دیا کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ نے عورتوں کو خاوند کی نافرمانی اور دنیا کی زینت کی محبت کی بنا پر اکثر ~~جہنم والوں~~ میں سے دیکھا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(فلم یزل کذلك) یعنی خطبہ نماز کے بعد اور منبر کے بجائے زمین پر کھڑے ہو کر دیا جاتا رہا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کان تامہ ہے اور مضاف محذوف ہے۔ای حدث عهده او امارة

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ابوسعید خدریؓ اس بات پر رد فرمانا چاہتے ہیں کہ بعض لوگوں کے خیال کے مطابق حضرت عثمان بن عفانؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں خطبہ کو نماز سے مقدم کیا تھا۔ اور یہ کہ حضرت عمر اور حضرت معاویہؓ نے بھی خطبہ کو نماز پر مقدم کیا تھا۔ اس کی تردید حضرت ابن عباسؓ کے ایک قول سے بھی ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علیؓ کے ساتھ عید الفطر کی نماز میں شریک ہوا وہ سب نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت معاویہؓ نے خطبہ کو نماز پر مقدم کیا۔ اسی وجہ سے قاضیؒ فرماتے ہیں۔

خطبہ کے نماز سے مؤخر ہونے کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین کا فعل ہے البتہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کے آخری زمانے میں لوگوں کی سستی کو دیکھ کر خطبہ کو نماز پر مقدم کر دیا تھا۔ اس طرح کا ایک قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ملتا ہے لیکن وہ درست نہیں ایک قول کے مطابق حضرت معاویہ، ایک کے مطابق مروان نے مدینہ میں ایک کے مطابق زیادہ نے بصرہ میں اور ایک قول کے مطابق حضرت ابن زبیرؓ نے اپنے آخری ایام میں خطبہ کو نماز پر مقدم کیا تھا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ صدر اول کے اجماع کے بعد اب بلا اختلاف خطبہ نماز سے مؤخر ہے کہ اسی پر اجماع ہے۔

(یا ابا سعید! قد ترك ما تعلم) یعنی کیا آپ نہیں جانتے کہ نماز خطبہ پر مقدم ہے اور ہم نے وہ کام کیا جو اس سے بہتر ہے اسی وجہ سے انہوں نے یہ جواب دیا۔

اس قول کی بہتر تشریح یہ ہے کہ کہا جائے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ اس نے وہ چھوڑ دیا جو آپ جانتے ہیں یعنی نماز کو خطبہ پر مقدم کرنا' اب بہتر اور سنت یہ ہے کہ خطبہ کو مقدم کیا جائے کیونکہ اس میں ایک مصلحت ہے اور وہ لوگوں کا خطبہ سنے بغیر چلے جانا۔

(ثم انصرف) حضرت ابوسعید یہ ارشاد فرمانے کے بعد چلے گئے اور جماعت میں حاضر نہ ہوئے آپ کا منشا مروان کے فعل پر احتجاج اور اس کے عمل کی قباحت کو بتلانا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ جہت معتبر سے جہت صلوۃ کی طرف انصراف کر گئے جیسا کہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت معاویہ کے بارے میں جو کچھ نقل کیا گیا ہے وہ درست نہیں۔ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی امام نماز سے پہلے خطبہ پڑھے تو اس نے سنت کی مخالفت کی ہے لیکن خطبہ کو لوٹانا ضروری نہیں تاکہ اعادہ نہ ہو جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَابٌ فِي الْاُضْحِيَةِ

قربانی کا بیان

امام اصمعیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ اضحیہ میں کئی لغات ہیں۔ اضحیہ بضم الھمزہ۔ اضحیہ بکسرہ الھمزہ اوران دونوں کی جمع اضاحیہ آتی ہے۔ ضَحیّہ اس کی جمع ضحایا آتی ہے۔ اَضحات اس کی جمع اُضحی آتی ہے۔ یہ اس جانور کو کہتے ہیں جو قربانی کے دنوں میں تقرب الی اللہ کے لئے ذبح کیا جائے۔

''الأضحية'' ۔لفظ ''أضحيه'' ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ، ''حاء'' کے کسرہ کے ساتھ اور ''یا'' کی تشدید کے ساتھ ہے۔ اور یہ مذکورہ اعراب اصول مصحہ کے مطابق ہے۔ جبکہ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ لفظ ''أضحيه'' میں تشدید کے بجائے تخفیف ہے۔ لیکن یہ قول کسی نقل صریح یا دلیل صحیح کا محتاج ہے۔

نیز علامہ نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ لفظ ''أضحيه'' میں چار لغات ہیں۔ اور لفظ اُضحیہ اس مذبوح پر بولا جاتا ہے جس کو یوم النحر میں ذبح کیا جائے۔ اور وہ چار لغات بالترتیب یہ ہیں: ① ''الأضحية'' ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ۔ ② ''الاضحية'' ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ان دونوں کی جمع ''أضاحي'' تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ آتی ہے۔ ③ ''ضحية'' اس کی جمع ''ضحايا'' آتی ہے۔ ④ ''أضحاة'' ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ۔ اس کی جمع ''أضحى'' آتی ہے جیسا کہ ''أرطاة'' کی جمع ''أرطى'' آتی ہے۔ اور اسی وجہ سے یوم النحر کا نام ''يوم الأضحى'' رکھا جاتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یوم النحر کو یوم الاضحیٰ اس لئے کہا جاتا کہ اس میں قربانی وقتِ ضحیٰ میں کی جاتی ہے۔

لفظ ''أضحى'' منصرف ہے جیسا کہ علامہ سیدؒ نے ذکر کیا ہے۔ اور علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ''الأضحية'' اس کا نام ہے کہ یوم النحر کو مخصوص جانور ذبح کیا جائے ثواب کی نیت کے ساتھ۔ اور اسی وجہ سے اس دن کا نام ''يوم الأضحى'' رکھا جاتا ہے اور علامہ طیبیؒ شاہد کے طور پر عرب کا مقولہ نقل کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی وقت ضحیٰ میں قربانی والے جانوروں میں سے کوئی جانور ذبح کرتا تھا تو اہل عرب ''ضحى بكبش'' کا جملہ استعمال کرتے تھے۔ پھر یہ اتنا کثیر الاستعمال اور عام ہوگیا کہ اگر کوئی وقت ضحیٰ کے علاوہ پورے دن میں بھی کسی وقت میں ذبح کرتا تو اس پر ''ضحى'' کا لفظ استعمال ہونے لگا۔

علامہ راغبؒ فرماتے ہیں کہ جیسا ماقبل ذکر کیا گیا کہ ''أضحيه'' کو ''اضحيه'' اس لئے کہتے ہیں کہ قربانی وقت ضحیٰ میں ہوتی ہے۔ تو وقت ضحیٰ کی نسبت سے اس عمل کو اُضحیہ کہا جاتا ہے۔ پس علامہ راغب اس وجہ تسمیہ پر ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''من ذبح صلاتنا هذه فليعد......''

ترجمہ: جس نے عید کی نماز سے پہلے ذبح کرلیا تو اس کا ذبح کرنا معتبر نہیں بلکہ وہ نماز کے بعد قربانی کا اعادہ کرے۔

پس ثابت ہوا کہ ''اُضحية'' ہے ہی وقتِ ضحیٰ میں اگر وقت ضحیٰ سے قبل ہو تو وہ معتبر ہی نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس کا نام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اُضحیہ'' رکھنا شرع سے ثابت ہے، بلکہ اگر ہم زیادہ گہرائی میں جائیں تو معلوم ہوگا کہ اس کا نام ''اُضحیۃ'' رکھنا ''کتاب اللہ'' سے ثابت ہے، قرآن مجید میں ہے:

﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ [الکوثر: ۲] ترجمہ: اپنے رب کی نماز پڑھیے پھر قربانی کیجئے''۔

قربانی واجب ہے یا سنت؟ اس میں اختلاف ہے امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبل اور صاحبین (امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ) فرماتے ہیں کہ یہ سنت موکدہ ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ شہر میں رہنے والے مقیمین پر واجب ہے۔ اور یہ اس کے وجوب میں نصاب کا اعتبار کرتے ہیں۔ اور علامہ ابن حجر العسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ ہماری دلیل وہ روایت ہے جو کہ سندِ حسن کے ساتھ پہنچی ہے کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں کے دونوں قربانی نہیں کیا کرتے تھے صرف اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں لوگ اس کو واجب نہ سمجھیں۔ لیکن ہم اس روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حضرات اہل وجوب میں سے نہ تھے۔ نیز یہ عموم الوجوب کے توھم سے بچنے کیلئے ایسا کرتے تھے۔ یعنی یہ اس لئے ایسا کرتے تھے کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ شاید قربانی سب پر واجب ہے۔ پس ان حضرات نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ قربانی واجب تو ہے مگر بعض پر ہے اور بعض پر نہیں۔ اور جو لوگ اس کے وجوب کے قائل ہیں وہ دلیل پکڑتے ہیں اس بات سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال تک اس پر مواظبت اختیار کی، اور یہی دس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری دس سال تھے جو کہ مدینہ منورہ میں گزارے تھے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی اس کے وجوب پر تائید کرتا ہے۔ کہ جو نماز عید سے قبل قربانی کرلے تو وہ اعادہ کرے، اور ہم تو یہی جانتے ہیں کہ شریعت میں اعادہ کا حکم واجب سے کم پر نہیں ہوتا۔ اور جو اس کے مستحب ہونے کے قائل ہیں جیسا کہ ابن حجر العسقلانیؒ تو یہ قول بالکل مردود ہے۔ جبکہ اس کے وجوب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی مؤید ہے:

''من وجد سعة لأن يضحي فلم يضح فلا يحضر مصلانا'' ۔ (ابوداؤد وغیرہ)

ترجمہ: جس کو قربانی کی وسعت ہو پھر بھی وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری نمازگاہ میں نہ آئے۔

الفصل الاول:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی

۱۴۵۳: عَنْ اَنَسٍ قَالَ ضَحّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِکَبْشَیْنِ اَمْلَحَیْنِ اَقْرَنَیْنِ ذَبَحَھُمَا بِیَدِہٖ سَمّٰی وَکَبَّرَ قَالَ رَاَیْتُہٗ وَاضِعًا قَدَمَہٗ عَلٰی صِفَاحِھِمَا وَیَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۰/۲۲۔ حديث رقم ۵۵٦٤۔ ومسلم في صحيحه ۳/۱۵۵٦ حديث رقم (۱۷۔ ۱۹٦٦)۔ وأبوداؤد في السنن ۳/۲۳۰ حديث رقم ۲۷۹٤۔ والترمذي في السنن ٤/۷۱ حديث رقم ۱٤۹٤ والنسائي ۷/۳۱۹ حديث رقم ٤۳۸۷ وابن ماجة ۲/۱۰٤۳ في حديث رقم ۳۱۲۰۔ والدارمي ۲/۱۰۳ حديث رقم ۱۹٤۵۔ وأحمد في المسند ۳/۹۹۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دُنبوں کی قربانی کی جو چتکبرے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے سینگوں والے تھے۔ان دونوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور بسم اللہ اور اللہ اکبر پڑھی۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا پاؤں ان دونوں کے پہلو پر رکھے ہوئے تھے اور بسم اللہ اللہ اکبر کہتے تھے۔(بخاری)

تشریح:(عن أنس قال ضحی) حدیث میں لفظ''ضحّٰی''تضحیہ سے ہے،بمعنیٰ قربانی کے جانور کو ثواب کی نیت سے ذبح کرنا۔

کبشین: لغت میں''کبش'' بکری کے اس بچے کو کہتے ہیں جس کے دو یا چار دانت موجود ہوں،اور لفظ''کبش'' میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ وہ جانور مذکر ہو تو افضل ہے اس لئے کہ اس کا گوشت زیادہ طیب ہوتا ہے۔نسبتاً مؤنث جانور کے گوشت کے۔(املحین) لفظ''أملح''ملحۃ سے تفضیل کا صیغہ ہے،بمعنی ایسا سفید جانور جس میں کالا رنگ بھی کہیں کہیں موجود ہو۔اور اسی معنی پر اکثر اہل لغت کا اتفاق ہے،جبکہ بعض نے یوں بھی کہا ہے کہ اس سے مراد ایسا جانور ہے جس میں سفیدی زیادہ ہو اور سیاہی کم ہو اور بعض نے کہا کہ اَملح ایسا جانور ہوتا ہے جو خالص سفید رنگ کا ہو۔لیکن پہلے قول کی تائید کیلئے ہمارے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اشارہ ہے فرماتی ہیں کہ:

''هو الذي ينظر في مواد ويأكل في مواد ويمشي في سوادٍ''۔''وہ جانور یعنی اَملح ایسا تھا جس کی آنکھوں کے اردگرد کا حلقہ سیاہ تھا۔اور اس کے منہ کا اگلا حصہ بھی سیاہ تھا اور اس کے پاؤں بھی سیاہ تھے۔الغرض اس کے جسم کے کچھ حصے سیاہ تھے جبکہ اکثر حصے سفید تھے۔''

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایسا ایک جانور جس کے جسم کا اکثر حصہ سفید ہو اس کی قربانی اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ محبوب ہے ایسے دو جانوروں سے جن کا رنگ کالا ہو۔(اس روایت کو حاکم نے مستدرک میں اور امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے) یاد رہے کہ اس حدیث کے مرفوع ہونے میں امام بخاریؒ نے تنازع کیا ہے،لیکن ان کا یہ تنازع اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا اسلئے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے یہ جو فرمایا ہے،اپنی طرف سے نہیں فرمایا۔پس یہ مرفوع ہی کے حکم میں ہوگی۔

علامہ ابن حجر العسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اگر جانور کے رنگ میں گوشت کے اچھے ہونے میں تعارض ہو جائے۔مثلاً ایک جانور ایسا ہے جو رنگ کے اعتبار سے تو املح ہے مگر گوشت کے اعتبار سے زیادہ اچھا نہیں اور اس کے بالمقابل ایک ایسا جانور ہے جو رنگ میں تو املح نہیں لیکن جسم کا خوب فربہ ہے،تو ایسی صورت حال میں اچھے گوشت والے کو ترجیح ہوگی۔لیکن ابن حجرؒ کا یہ فرمانا حدیث کے ظاہری معنی کی وجہ سے قبول نہ کیا جائے گا،کیونکہ حدیث مبنی ہے فقط رنگ پر قطعِ نظر اس سے کہ اس میں گوشت کیسا ہو اور کتنا ہو،باوجودیکہ گوشت کے زیادہ ہونے میں فقراء وغرباء کیلئے منفعت زیادہ ہے مگر یہاں پر ان چیزوں اور علتوں کو نہ دیکھا جائے گا کیونکہ یہ اَمر تعبدی ہے اور اَمر تعبدی کو ہر حال میں بجا لانا ہوتا ہے۔علتیں تلاش نہیں کی جاتیں۔(واللہ اعلم بالصواب)۔

(أقرنین) یعنی اس جانور کے دو لمبے لمبے سینگ تھے جبکہ بعض نے کہا لمبے ہونا ضروری نہیں،مطلقاً سینگ ہونے چاہیے۔

(ذبحهما بيده) یہاں سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا مستحب ہے مگر اس کیلئے جو ذبح

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے آداب کو جانتا ہو۔ اور اس پر قادر بھی ہو وگرنہ وقت ذبح موجود ہونا ہی کفایت کر جائے گا ایک حسن خبر کی وجہ سے۔ بلکہ امام حاکم نے تو اس کو صحیح قرار دیا ہے اور دلیل کے طور پر ایک روایت پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

”قومی الیٰ أضحیتك فأشهديها فانه بأول قطرةٍ من دمها يغفرلك ما سلف من ذنوبك۔

اے فاطمہ! اپنے قربانی کے جانور کے پاس کھڑی رہ اور اس کو ذبح ہوتے ہوئے دیکھ کیونکہ جب سب سے پہلا قطرہ گرے گا تو تیرے گذشتہ سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

علامہ مظہر فرماتے ہیں کہ سنت یہی ہے کہ جانور کو اپنے ہاتھ ہی سے ذبح کیا جائے کیونکہ ذبح کرنا ایک عبادت ہے اور عبادت میں اصل یہ ہے کہ وہ کام از خود کیا جائے۔ اور اگر کسی دوسرے کو وکیل بھی بنا دیا تو یہ بھی جائز ہے۔

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو جانور کیوں ذبح کئے؟

جواب: ایک اپنی اور اپنے اہل کی طرف سے اور دُوسرا اپنی امت کی طرف سے۔

اور جاننا چاہیے کہ تسمیہ ہمارے نزدیک شرط ہے، جبکہ تکبیر سب کے نزدیک مستحب ہے۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ذبح کرنے والے کیلئے تسمیہ پڑھنا مطلقاً ہے، یاد رہے کہ ہمارے نزدیک تسمیہ پڑھنا قبل الذبح ہے۔ پس علامہ اسی قول پر بخاری شریف کی ایک روایت پیش کرتے ہیں، جس میں مسلم کے مذبوح کو مباح قرار دیا گیا ہے کیونکہ ایسی صورت میں یہ گمان ضرور پایا جاتا ہے کہ اس نے پہلے اللہ کا نام ضرور لیا ہوگا۔ پس یہ روایت مرفوع ہے اس وجہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ایسی صورتحال کو محمول کیا ہے۔ بہر حال ہمارے مذہب کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے:

”فكلوا مما ذكر اسم الله عليه ان كنتم بآياته مؤمنين ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وأنه لفسق“۔ ”جن جانوروں پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہے ان میں سے کھاؤ اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو اور ان جانوروں میں سے ہرگز نہ کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اور بے شک یہ حرام ہے“۔

اور علامہ ابن حجرؒ نے یہ جو کہا کہ بالاتفاق متروک التسمیہ کا کھانا حرام نہیں پس ان کا یہ قول مردود ہے کیونکہ یہ مخالف ہے ہمارے ائمہ کے اقوال و مذاہب کے۔

نیز علامہ ابن حجرؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے امام شافعیؒ نے یہ اُخذ کیا ہے کہ اضحیۃ میں اختیار دیا جائے گا کہ چاہے تو وہ تسمیہ سے پہلے تکبیر کہہ دے اور چاہے تو تسمیہ کے بعد تین بار تکبیر کہہ لے۔ مگر ان کا یہ قول اس حدیث کے مخالف ہونے کی وجہ سے غریب ہے، اور یہ مخالفت اس حدیث کے ساتھ دو وجہ سے ہے:

(اول) حدیث میں پہلے تسمیہ کا ذکر ہے پھر تکبیر کا جبکہ علامہ کے مطابق پہلے تکبیر پھر تسمیہ۔

(ثانی) آخر میں تین مرتبہ تکبیر کا ذکر اس حدیث میں نہیں ہے۔ پس اس طرح دو وجہ سے اس قول کی مخالفت حدیث کے ساتھ پائی گئی اور پھر علامہ ابن حجرؒ تکبیر کے بعد تسمیہ پڑھنے کو قیاس کرتے ہیں رکوع کی تسبیح پر، کہ نماز میں بھی تو تسبیح سے پہلے تکبیر کہی جاتی ہے۔ پس اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ جس کو قیاس کے ساتھ ادنیٰ سی بھی مناسبت ہو وہ علامہ کے اس قول کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد صحیح اور فاسد میں صاف فرق کرسکتا ہے کہ ان کا اس کو نماز اور رکوع پر قیاس کرنا درست ہی نہیں۔ نیز جمہور کہتے ہیں کہ ذبح کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا مناسب نہیں جبکہ امام شافعیؒ نے اس کی مخالفت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ مسنون ہے۔

(واضعًا) حال واقع ہوا ہے۔

(قدمه علی صفاحهما) صفاح جمع ہے "صفح" کی، صفح حاء کے فتحہ اور فاء کے سکون کے ساتھ ہے، اور اس کے معنی "پہلو" کے آتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ صفاح جمع ہے۔ "صفحة" کی اور اس کے معنی "رخسار" کے آتے ہیں، اور بعض نے کہا کہ اس کے معنی گردن کی اطراف کے آتے ہیں، اور نہایہ میں ہے کہ صفح ہر چیز کے پہلو اور دامن کو کہتے ہیں۔

(ویقول بسم الله و الله اکبر) اس عبارت میں اشارہ ہے، اس بات کی طرف کہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ اور اللہ اکبر کے درمیان واؤ عاطفہ یا واؤ حالیہ کا لانا اولیٰ ہے، یعنی ذبح کرتے وقت بسم الله و الله اکبر کہنا اولیٰ ہے جبکہ بسم الله ، الله اکبر کہنا غیر اولیٰ ہے۔ اور صحیح ہے کبش أقرن کیلئے أضحیه کی خبر دینا، اور تضحیہ سے قرن کے مکسور ہونے کی وجہ سے اس کی نہی کو رد کیا گیا ہے جبکہ امام ترمذیؒ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور اعتراض کیا ہے بایں طور پر کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

۱۴۵۴: وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِكَبْشٍ اَقْرَنَ يَطَأُ فِيْ سَوَادٍ وَيَبْرُكُ فِيْ سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ فَاُتِيَ بِهٖ لِيُضَحِّيَ بِهٖ قَالَ يَا عَائِشَةُ هَلُمِّي الْمُدْيَةَ ثُمَّ قَالَ اَشْحِذِيْهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلْتُ ثُمَّ اَخَذَهَا وَاَخَذَ الْكَبْشَ فَاَضْجَعَهٗ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰى بِهٖ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۳/۱۵۵۷ حديث رقم (۱۹۔ ۱۹۶۷)۔ وأبوداؤد في السنن ۳/۲۲۹ حديث رقم ۲۷۹۲۔ وأحمد في المسند ۶/۷۸۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے لئے ایسا سینگ دار مینڈھا لانے کا حکم دیا جو سیاہی میں چلتا ہو اور سیاہی میں بیٹھتا ہو اور سیاہی میں دیکھتا ہو پس جب آپ کے پاس ایسا دنبہ لایا گیا تاکہ آپ قربانی کریں تو فرمایا اے عائشہ! چھری لاؤ۔ پھر فرمایا اس کو پتھر پر رگڑ کر تیز کرو پس میں نے اس کو تیز کیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری پکڑی اور مینڈھے کو پکڑ کر اس کو لٹایا اور اس کو ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا تو ارشاد فرمایا اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اے اللہ! تو اس کو قبول کر محمدؐ آل محمد اور امت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اور پھر اس کو ذبح کر دیا۔ (مسلم)

تشریح: (وعن عائشةؓ ...... أمر بكبش) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبش کا حکم دیا یعنی کبش کو اپنے پاس لانے کا حکم دیا۔

(في سواد) "يطأ في سوادٍ" اس سے کنایہ ہے اس بات کی طرف کہ اس کے پاؤں کالے ہوں۔

(ويبرك في سواد) "برک" کہتے ہیں چوپائے کے پیٹ کی وہ کھال جو بیٹھنے کی حالت میں زمین سے مل جاتی ہے، پس "يبرك في سواد" میں کنایہ ہے پیٹ کی کھال کالی ہونے سے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہاں سے ایسا کبش بتانا چاہتی ہیں جس کی پسلیوں کا نچلا حصہ، گھٹنوں، اور پاؤں کا حصہ اور آنکھوں کے ارد گرد کا حصہ کالا ہو اور باقی سارا جسم سفید ہو۔

(فاتي به) یعنی وہ کبش آپ کے پاس لایا گیا۔

(ليضحي به) اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امر دینے کی علت کا ذکر ہے۔ یعنی اُمر کی علت ذبح کرنا تھا۔

(قال يا عائشة هلمي الدية) هلمي المدية کا معنی ہے "هاتيها" یعنی اس کو میرے پاس لا، علامہ فرماتے ہیں کہ ھلم کی تثنیہ اور جمع بھی آتی ہے اور مؤنث بھی۔ جبکہ اھل حجاز کہتے ہیں کہ ھلم ہی ہر حال وصورت میں استعمال ہوسکتا ہے تثنیہ یا جمع لانے کی ضرورت نہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿قل هلم شهدآء كم﴾ [الأنعام۔ ۱۰]

اس آیت میں ھلم "أحضروهم" کے معنی میں ہے یعنی ان کو حاضر کرو۔ اور اسی آیت سے علامہ ابن حجرؒ کے اس قول کی تضعیف بھی ہو جاتی ہے جس میں آپؒ نے فرمایا کہ "هلمي المدية" "تعالي بها" کے معنی میں ہے۔

(المدية) میم کے ضمہ کے ساتھ اُصح ہے۔ جبکہ کسرہ اور فتحہ بھی صحیح ہے اور مدیۃ کہتے ہیں چھری کو۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو چھری لانے کو فرمایا تھا۔

(ثم قال اشحذيها" حاء کے فتحہ کے ساتھ بمعنی چھری تیز کرنا۔

(بحجر) ایک خاص پتھر مراد ہے۔ جس سے چھری تیز کی جاتی ہے یا پھر مطلقاً پتھر مراد ہے۔ اور مسلم شریف کی روایت میں ہے "وليحد أحدكم شفرته" یعنی تم میں سے کسی ایک کو چاہیے کہ چھری کی دھار کو تیز کرے نیز جانور کے سامنے چھری تیز کرنا مکروہ ہے، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں کسی آدمی نے جانور کے سامنے چھری تیز کی تو آپؓ نے اسے درّے سے مارا اور منع فرمایا کیونکہ ایسا کرنے سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے، اور ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنا بھی مکروہ ہے اور اس کی کراہت حدیث سے ثابت ہے۔

(ثم أخذها وأخذ الكبش فاضجعه) یعنی اس کے پہلو پر بیٹھ گئے۔

(ثم ذبحه) یعنی ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔

(ثم قال بسم الله) علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بسم اللہ تو ذبح سے پہلے ہے جو کہ اپنی جگہ برقرار ہے جبکہ یہ بسم اللہ جو دعا سے پہلے آرہی ہے، یہ مؤخر ہے ذبح سے پہلے والی تسمیہ سے۔

(اللهم تقبل من محمد وال محمد ومن أمة محمد) علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں اس دعا میں مشارکت سے مراد "مشارکت فی الثواب" ہے کیونکہ "مشاركت في الغنم الواحد" تو ہو ہی نہیں سکتی۔ جبکہ ابن الملک فرماتے ہیں کہ اگر کسی ایک فرد نے اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری ذبح کر دی تو ایسا کرنے سے سب کی طرف سے سنت ادا ہو جائے گی۔ اور اسی حدیث کی وجہ سے امام شافعیؒ امام احمدؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مستحب ہے آدمی کیلئے کہ جب وہ قربانی کرے تو یوں کہے کہ میں یہ قربانی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے کر رہا ہوں مگر یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ لیکن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ طیبیؒ اور ابن الملکؒ، ان دونوں باتوں کا انکار کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے نہ تو استحباب ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی منع، بلکہ اس حدیث میں تو اشارہ ہے آپ ﷺ کے رحمۃ اللعالمین ہونے کی طرف، کہ جب آپ نے اپنے لئے دعا کی تو پوری امت کی قربانیوں کی قبولیت کیلئے بھی دعا کر دی، یا پھر مطلقاً ان کی عبادات کی قبولیت کیلئے دعا کر دی۔ (از اد ذبحه) کی تائید کرتا ہے، نیز "علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں پر "ثم ضحی به" سے مراد صبح کا کھانا ہے"۔ لیکن یہ مجازی معنی ہے اور اس کے مقابلے میں حقیقی معنی ہی اولی ہے کیونکہ حقیقی معنی مراد لینے میں کوئی مانع نہیں ہے۔

قربانی کے جانور کی عمر کیا ہو؟

۱۴۵۵: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْبَحُوْا اِلَّا مُسِنَّةً اِلَّا اَنْ يَّعْسُرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوْا جَذَعَةً مِنَ الضَّانِ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۳/۱۵۵۵ حديث رقم (۱۳۔ ۱۹۶۳)۔ وأبوداؤد في السنن ۳/۲۳۲ حديث رقم ۲۷۹۷۔ والنسائي ۷/۲۱۸ حديث رقم ۴۳۷۸۔ وابن ماجه ۲/۱۰۴۹ حديث رقم ۳۱۴۱۔ وأحمد في المسند ۳/۳۱۲۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم قربانی میں مسنہ جانور ذبح کرو اگر مسنہ پانا مشکل ہو تو پھر دنبہ یا بھیڑ کا جذعہ ذبح کرو۔ (مسلم)

تشریح: مسنّۃ کا معنی بڑی عمر کا جانور ہے پس اونٹ میں بڑی عمر کا جانور وہ ہوگا جو اپنے پانچ سال مکمل کر چکا ہو۔ اور چھٹے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ اور گایوں میں بڑا جانور وہ ہوگا جو دو سال مکمل کر چکا ہو اور تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ اور اسی طرح دنبہ، بھیڑ اور بکری میں وہ جانور بڑا متصور ہوتا ہے جو ایک سال سے زیادہ عمر کا ہو، اسی طرح ابن الملک نے کہا ہے۔

(الا أن يعسر) مگر یہ کہ تم پر مشقت ہو

(علیکم) یعنی اس کا ذبح کرنا تم پر مشقت کا سبب بن جائے بایں طور پر کہ تم اسے نہ پاؤ، یہ قول ابن الملک کا ہے، اور تم پر مشقت ہونے کا مطلب ظاہر ہے کہ تم پر اس کی قیمت ادا کرنا مشکل ہو جائے، اور ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد "الا أن يعسر" کی وجہ سے بعض فقہاء نے کہا کہ اگر کوئی شخص مسنّہ پر قادر ہو اور وہ پھر بھی جذعہ کو ذبح کرے تو یہ کفایت نہ کرے گا، کیونکہ رعایت مشقت کی صورت میں ہے اور یہاں کوئی مشقت نہیں پائی جا رہی بلکہ وہ تو قادر ہے مسنّۃ پر، اور جن لوگوں نے اس کے جواز کا فتوی دیا ہے وہ اس حدیث کو استحباب پر محمول کرتے ہیں۔ اور یہی قول مذہب میں معتمد ہے اور اس کی تائید اس حدیث یعنی:

"نعمت الأضحيه الجذعة من الضأن"

"بھیڑوں میں سے بہتر قربانی جذعہ کی قربانی ہے"۔ سے بھی ہوتی ہے، نیز امام احمد وغیرہ روایت کرتے ہیں: "ضحوا بالجذعة من الضأن" (بھیڑوں میں سے جذعہ کی قربانی کرو)۔ پس ثابت ہوا کہ جذعہ کی قربانی جائز ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(من الضأن) ضأن ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے اور جذعہ سے بدل بن رہا ہے اور جذعہ اس بھیڑ کو کہتے ہیں جو ایک سال سے چھوٹا ہو ابن الملک نے یہی کہا ہے، لیکن اتنی قید ضروری ہے کہ وہ چھ ماہ یا چھ ماہ سے زیادہ کا ہو اور دیکھنے میں ایک سال والے بھیڑ کے برابر لگتا ہو اور نہایہ میں ہے کہ جذع اونٹوں میں بھی ہوتے ہیں، گایوں میں بھی ہوتے ہیں اور اسی طرح بھیڑوں میں بھی ہوتے ہیں۔ کیونکہ دراصل جذع کہتے ہیں اس جانور کو جس کے دو دانت آچکے ہوں اور وہ وہی ہوتا ہے جو جوان ہو۔ پس یہ صفت اونٹوں میں سے اس میں ہوتی ہے جو پانچویں سال میں داخل ہو چکا ہو، اور گائیں میں وہ ہوتا ہے جو دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو اور بھیڑوں میں سے وہ بھی بذع کہلائے گا جو ایک سال سے کم ہو۔

لیکن شرح السنہ میں ہے کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ خواہ اونٹ ہو یا گائے دونوں میں دو دانتوں والا جانور ہی جائز ہے۔ اور وہ اونٹوں میں وہ ہوتا ہے جو پانچ سال مکمل کر چکا ہو، اور گائے اور بکری میں سے وہ ہوتا ہے جو دو سال مکمل کر چکا ہو اور تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ اور اب رہی بات بھیڑ کی، تو اس میں اختلاف ہے پس اکثر اہل علم جن میں کچھ صحابہ اور تابعین بھی شامل ہیں، فرماتے ہیں کہ بھیڑ اگر ایک سال سے چھوٹا ہو تب بھی جائز ہے لیکن ان میں سے بعض یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ دیکھنے میں ایک سال والے کے برابر بھی لگتا ہو۔ جبکہ امام ارہریؒ فرماتے ہیں کہ بھیڑوں میں اسی بھیڑ کی قربانی جائز ہوگی جو دو سال یا اس سے زیادہ کا ہو جیسا کہ اونٹ اور گائے میں چھٹے اور تیسرے سال میں داخل ہونے کی شرط ہے۔ لیکن اصح قول وہی ہے جو ماقبل ذکر کر دیا گیا کیونکہ حدیث میں ہے:

''نعمت الأضحية الجذع من الضأن......''

مگر یاد رہے کہ یہ جو شرح السنۃ میں بکری کے بارے میں ہے کہ دو سال مکمل اور تیسرے سال میں داخل ہو تو جائز ہے اور اس پر تمام کا اتفاق ثابت کیا ہے، یہ شرح السنۃ والے کا تسامح ہے کیونکہ یہ قول تو صرف امام شافعیؒ کا ہے، پس اس کو اتفاق کے ساتھ تعبیر کرنا درست نہ ہوا۔

الازہار میں ایک روایت نقل کی گئی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے ادنیٰ جانور ذبح کرنے سے منع فرمایا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان اپنے آپ کو مشقت میں ڈال دے کیونکہ اور احادیث میں ہے کہ ''الا أن يعسر عليكم'' یعنی تم پر مشقت نہ ہو، پس اس منع والی حدیث کو ترغیب علی الأکمل والافضل پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی آنحضرت ﷺ یہ ترغیب دینا چاہتے ہیں کہ قربانی میں افضل سے افضل جانور ذبح کرو اور جو افضل پر قادر ہو وہ ادنیٰ کی طرف رخ نہ کرے، اور افضلیت میں مراتب یوں ہیں کہ پہلے اونٹ پھر گائے پھر بھیڑ، مگر یہ مذکورہ ترتیب شرط کے درجے میں نہیں یعنی اگر کوئی شخص اونٹ پر قادر تھا مگر اس نے بکری ذبح کر دی تو اس کی قربانی ہو جائے گی، اگرچہ وہ اونٹ کرتا تو اس میں فقراء وغرباء کا زیادہ نفع تھا۔ جبکہ بعض شارحین نے کہا ہے کہ اس حدیث سے مراد مسنہ ہے اور وہ صرف گایوں میں ہی ہوتا ہے لیکن ان کا یہ کہنا درست نہیں اور نہ ہی یہ گائے کے ساتھ خاص ہے، (ان باتوں کو علامہ سیدؒ نے بھی ذکر کیا ہے)۔ (رواہ مسلم)

۱۴۵۶: عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَاهُ غَنَمًا يَقْسِمُهَا عَلٰى صَحَابَتِهٖ ضَحَايَا فَبَقِيَ عَتُوْدٌ فَذَكَرَهٗ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ضَحِّ بِهٖ اَنْتَ وَفِيْ رواية قُلْتُ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَالِيْ جَذْعٌ قَالَ ضَحِّ بِهٖ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ٤/١٠۔ حديث رقم ٥٥٤٧۔ ومسلم فی صحيحه ١٥٥٦/٣ حديث رقم (١٦۔ ١٩٦٥)۔ والترمذی فی السنن ٧٤/٤ حديث رقم ١٥٠٠۔ والنسائی ٢١٨/٧ حديث رقم ٤٣٧٩۔ وابن ماجه ١٠٤٨/٢ حديث رقم ٣١٣٨۔ والدارمی فی السنن ١٠٦/٢ حديث رقم ١٩٠٥٣۔ وأحمد فی المسند ١٤٩/٤۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک بکریوں کا ریوڑ دیا تاکہ وہ اسے صحابہؓ میں قربانی کے لئے تقسیم کریں۔ تقسیم کے بعد بکریوں کا ایک بچہ باقی رہ گیا۔ انہوں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ اس کی قربانی کر لیں اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے دنبے کا ایک بچہ ملا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کی قربانی کر لو۔ (بخاری)

تشریح: (وعن عقبة...... غنمًا) یعنی بہت سی بکریاں دیں۔

(یقسمها علی صحابته) صحابتہ سے أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

(ضحايا) یعنی قربانی کا ارادہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن عامر کو بکریاں عنایت فرمائیں، نیز لفظ ضحایا، لفظ یقسمها میں ھا ضمیر جو کہ منصوب ہے، سے حال بن رہا ہے۔

(فبقی) یعنی تقسیم کے بعد باقی بچی،

(عتود) نہایہ میں ہے کہ لفظ عتود، عین کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس کا معنی ہوتا ہے بکری کا یکسالہ طاقتور بچہ۔

(فذكره) یعنی عقبہ بن عامرؓ نے عتود کے باقی بچ جانے کے بارے میں بتایا۔

اس حدیث میں اس صحابی کے ساتھ اختصاص ہے اور اسی طرح ابن نیار نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو یہ بھی فرمایا تھا:

"یجزئ عنك ولا یجزی عن احدٍ بعدك" (أخرجه البخاری)۔

"یہ بکری کا بچہ تیری طرف سے تو کافی ہو جائے گا مگر تیرے بعد اور کسی کیلئے کفایت نہ کر سکے گا۔

علامہ ابن حجرؒ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔

لیکن ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اختصاص کے باب میں یہ قاعدہ ہے کہ اختصاص کیلئے کوئی صریح اور متفق علیہ روایت ہونی چاہیے۔ جو کہ یہاں پر نہیں کیونکہ ایک روایت میں ابن نیار کے روایت کردہ الفاظ نہیں جبکہ دوسری روایت میں ہیں، تو ایسی صورت میں کوئی ایسی راہ نکالی جائے جس پر چلنے سے دونوں پر عمل ہو جائے اور وہ یہی ہے کہ ہم "جذعة" کے معنی کو عام رکھیں یعنی بکری کا بچہ خواہ وہ چھ ماہ سے زیادہ کا ہو یا کم کا بچہ یوں کہیں کہ وہ جذعہ جوان صحابی کے پاس بچا تھا وہ چھ ماہ سے بھی کم کا تھا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جذعہ (بچہ) جو کہ چھ ماہ سے بھی چھوٹا ہے) صرف تیرے لئے ہے تیرے بعد کسی اور کیلئے یہ کفایت نہ کرے گا۔ پس ایسا کرنے سے دونوں روایتوں پر عمل ہو جائے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اونٹ میں نحر اور باقی جانوروں میں ذبح افضل ہے

۱۴۵۷: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلّٰى۔

(رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ٥٤٦/٢ حديث رقم ٩٨٢۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کے جانور کو ذبح اور نحر کیا کرتے تھے عیدگاہ میں۔ (بخاری)

تشریح: (وعن ابن عمر قال:...... يذبح) یعنی بکری اور گائے۔

(وينحر) یعنی اونٹ کو نحر کرتے تھے۔ ذبح اور نحر میں فرق بتانا مقصود ہے کہ اگر بکری، بھیڑ یا گائے کو اللہ کے راستے میں یوم الاضحیٰ کو قربان کیا جائے تو اس کو ذبح کہتے ہیں جبکہ یہی معاملہ اگر اونٹ کے ساتھ کیا جائے تو اس کو نحر کہتے ہیں۔

(بالمصلى رواه البخارى) علامہ سید فرماتے ہیں کہ تحقیق یہ حدیث ابن عمر ﷺ کی روایت سے صلاۃ العید میں بھی گذر چکی ہے پھر اس حدیث کو مکان الذبح کے بیان کیلئے یہاں پر ذکر کر دیا، اس لئے کہ عیدگاہ میں ذبح کرنا شعار کو ظاہر کرنے کے اعتبار سے افضل ہے۔ نیز اس لئے بھی کہ اس کو ذکر کیا تا کہ قربانی کا وقت معلوم ہو جائے، جیسا کہ حضرت براءؓ بن عازب کی روایت ہے کہ:

''أول ما نبدأ في يومنا هذا أن نصلي فننحر''۔

اس دن یعنی عید کے دن ہم سب سے پہلے جو کام کرتے تھے وہ نماز عید تھی پھر اس کے بعد ہم نحر کرتے تھے۔ (اور یہی قول زین العرب کا بھی ہے)۔

اور اس سے ماقبل بھی صحیح مذہب کر چکے جس پر تمام جمہور کا اتفاق ہے نماز سے پہلے قربانی کسی صورت میں جائز نہیں۔

اونٹ اور گائے میں سات آدمی قربانی میں شریک ہو سکتے ہیں

۱۴۵۸: وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ۔

(رواه مسلم وابوداود واللفظ له)

أخرجه مسلم فی صحيحه ٩٥٥/٢ حديث رقم (٣٥٢۔ ١٣١٨)۔ وأبوداؤد فی السنن ٢٣٩/٣ حديث رقم ٢٨٠٨۔ والنسائی ٢٢٢/٧ حديث رقم ٤٣٩٣۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قربانی کے لئے ایک گائے اور ایک اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہے۔ (مسلم۔ ابوداود)

تشریح: (وعن جابر...... عن سبعة) یعنی گائے سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہو جائے گی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(والجزور) جیم کے فتحہ کے ساتھ، بمعنی نحر کرنا اور یہ خاص ہے اونٹ کے ساتھ خواہ اونٹ مذکر ہو یا مؤنث، جزور عربی میں ذبح ہونے والے یا ذبح کئے ہوئے اونٹ کو کہتے ہیں۔

(عن سبعة) یعنی اونٹ بھی سات آدمیوں کی طرف سے قربان کیا جا سکتا ہے، نیز امام شافعیؒ اور بہت سے فقہاء کہتے ہیں کہ اونٹ اور گائے کی قربانی سات آدمیوں سے زیادہ کی طرف سے ادا نہیں ہو سکتی کیونکہ حدیث سے یہی مفہوم ہوتا ہے۔

علامہ زین العرب فرماتے ہیں کہ اگر تم میں سے کسی ایک کی نیت اپنا حصہ کھانے کی تھی یعنی قربانی مقصد نہ تھا بلکہ صرف کھانا وغیرہ ہی مقصد تھا تو ایسی صورت میں امام شافعی کے نزدیک جواز کا قول ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تمام حصے داروں کی نیت خالص قربانی کی نہ ہوگی یہ جائز نہ ہوگا۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ بُدن میں سات آدمیوں کیلئے اشتراک جائز نہیں جب تک کہ نہ ہوں شرکاء ایک ہی گھر کے رہنے والے۔ (اس کو نقل کیا ہے علامہ سیدؒ نے) جبکہ علامہ ابن حجر العسقلانیؒ فرماتے ہیں: گائے میں سات حصے درست ہیں خواہ ایک ہی گھر کے رہنے والے ہوں یا علیحدہ علیحدہ اور اسی طرح اونٹ میں سات حصے درست ہیں۔ (رواہ مسلم)

بعض نے اس حدیث کو بخاری کی حدیث گمان کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ اور اس کے علاوہ مسلم شریف میں ایک روایت ہے:

''نحرنا مع رسول اللهﷺ البدنة عن سبعة، والبقرة عن سبعة'' کہ ہم نے قربانی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، اونٹ کی سات حصوں کے ساتھ اور گائے کی بھی سات حصوں کے ساتھ۔

(وابوداؤد واللفظ) یعنی حدیث کے الفاظ (له)۔

قربانی کرنے والے کے لئے مستحب امور

١٤٥٩: وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَاَرَادَ بَعْضُكُمْ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَمَسَّ مِنْ شَعْرِهٖ وَبَشَرِهٖ شَيْئًا وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلَا يَاْخُذَنَّ شَعْرًا وَّلَا يَقْلِمَنَّ ظُفُرًا وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ رَاٰى هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ وَاَرَادَ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَاْخُذْ مِنْ شَعْرِهٖ وَلَا مِنْ اَظْفَارِهٖ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحيحه ١٥٦٥/٣ حديث رقم (٣٩۔ ١٩٧٧)۔ وأبوداؤد فی السنن ٢٢٨/٣ حديث رقم ٢٧٩١۔ وأخرجه الترمذی فی السنن ٨٦/٤ حديث رقم ١٥٢٣ والنسائی ٢١١/٧ حديث رقم ٤٣٦٤۔ وابن ماجه ١٠٥٢/٢ حديث رقم ٣١٤٩۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب ذی الحجہ کا عشرہ شروع ہو جائے تو تم میں سے جس شخص کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو وہ اپنے بال اور ناخن بالکل نہ کٹوائے اور ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ پس ہرگز بال نہ کٹوائے اور نہ ہی ناخن تراشے۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جو شخص عید الاضحیٰ کا چاند دیکھ لے اور اس کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو قربانی تک اپنے بال اور ناخن نہ کٹوائے۔ (مسلم)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح: (وعن أم سلمة...... دخل العشر) یعنی جب ذی الحجہ کا عشرہ اولیٰ داخل ہو جائے۔

(وأراد) یعنی قصد ہو اور پکا ارادہ ہو۔

(بعضكم أن يضحى) وأراد بعضكم أن يضحى سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کرنے والے پر قربانی کی خواہ فرض تھی یا نفل ہر طرح کی قربانی کرنے والے پر یہ حدیث صادق آتی ہے۔ پس اس حدیث سے فرض یا نفل قربانی کی کوئی تخصیص معلوم نہیں ہوئی۔

شرح السنۃ میں ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قربانی فرض یا واجب نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پر ''أراد'' کے الفاظ استعمال کئے گئے۔ پس اگر یہ فرض ہوتی تو آپ اس کو ارادے پر محمول نہ کرتے بلکہ لزوم کے ساتھ ارشاد فرماتے۔ یہی مذہب حافظ ابن حجر العسقلانی کا ہے۔

لیکن میں (ملا علی القاری رحمہ اللہ الباری) ان کے اس قول کو رد کرتا ہوں، کیونکہ ایسے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے بارے میں بھی فرمایا:

''من أراد الحج فليعجل''

''جس کا حج کا ارادہ ہو، اسے چاہیے کہ وہ جلدی کرے''۔

اسی طرح جمعہ کے بارے میں فرمایا: ''من أراد الجمعة فليغتسل''۔

''جو جمعہ پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ غسل کرے''۔

تو کیا ان ارشادات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حج اور جمعہ فرض نہیں؟

پس یہی وجہ ہے کہ متاخرین شافعیہ میں سے بہت سے لوگوں نے یہی قول اختیار کیا ہے یعنی احناف والا قول اختیار کیا ہے۔

لیکن علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ:

ابن حجر العسقلانیؒ نے قربانی کے عدم وجوب کا قول کیا ہے اس لئے کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما قربانی نہ کیا کرتے تھے، اس خدشے کی بناء پر کہ کہیں لوگ اس کو واجب نہ سمجھ لیں۔ حالانکہ یہ تو مستحب ہے۔ لیکن میں (ملا علی القاریؒ) اس کا جواب دیتا ہوں کہ اس حدیث کو محمول کیا جائے گا اس بات پر کہ ان حضرات پر قربانی واجب تھی ہی نہیں اس لئے کہ وہ دونوں حضرات صاحب نصاب نہ تھے، اور اگر وہ دونوں حضرات نصاب نہ ہونے کے باوجود بھی قربانی کرتے تو لوگ یہ سمجھتے کہ قربانی فقراء پر بھی واجب ہے حالانکہ ایسا نہیں، اور ویسے بھی جب ہم صحابہ کی حیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ صحابہ نے کسی ایک سنت کو اس لئے چھوڑا ہو کہ کہیں لوگ اس کو واجب نہ سمجھنے لگیں۔ کیونکہ ایسا کرنا تو شارع کی ذمہ داری ہوتی ہے، کیونکہ شارع ہی کا کسی چیز کو چھوڑنا یا نہ چھوڑنا اس کے وجوب یا عدم وجوب پر دلالت کرسکتا ہے۔ نیز اگر یہ دونوں حضرات قربانی کو چھوڑنے کے ساتھ ساتھ اس کی وجہ کی تصریح بھی فرما دیتے تو پھر شاید یہ دلیل بن سکتی مگر ان حضرات سے اس کے بارے میں کوئی صراحت نہیں پائی جاتی، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ قول اصحاب ابی حنیفہ رحمہ اللہ کا نہیں بلکہ خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔پھر علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ہے۔

''علی أهل كل بيتٍ في كل عام أضحية و عتيرة''۔

لیکن یہ حدیث ضعیف ہے،ابن حجر بھی اس کو ضعیف ہی کہتے ہیں مگر میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حسن ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا اور ویسے بھی کسی حدیث کو مجتہد کا لینا اس کے قوی ہونے پر دلالت کرتا ہے اور بعد میں حدیث بیان کرنے والوں کی وجہ سے پیدا ہونے والا ضعف اس کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

پھر فرمایا (علامہ طیبیؒ نے) کہ عتیرہ تو بالاتفاق واجب نہیں ہے،ابن حجر نے بھی اس کا اتباع کیا ہے،مگر میں کہتا ہوں کہ یہ بالاتفاق سنت نہیں کیونکہ یہ منسوخ ہے جیسا کہ امام ابوداوٗد نے فرمایا ہے۔

(فلا یمس) سین مشدد کے فتحہ کے ساتھ،بمعنی کاٹنا اور زائل کرنے کیلئے نہ چھونا۔

(من شعره) اس کو عین کے فتحہ اور سکون دونوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔

(و بشره) باء اور شین کے فتحہ کے ساتھ۔

(شیئًا) علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ بعض نے یہ کہا ہے کہ ان دونوں سے اس لئے منع کیا تا کہ حجاج کرام کے ساتھ مشابہت ہو جائے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ قربانی کرنے والا اپنے آپ کو سزا کا اہل سمجھتا ہے،کیونکہ وہ ایک جان (جانور) کو قتل کر رہا ہے مگر وہ جب اس جانور کو آنحضرت ﷺ کے طریقے پر ذبح کرتا ہے تو یہ قتل نہیں بلکہ اس کی طرف سے فدیہ بن جاتا ہے۔تو پس اس کے ہر جزو کے بدلے میں اس جانور کا ہر جزو فدیہ بن جاتا ہے۔لہٰذا قربانی کرنے والے کو بال اور مونچھیں وغیرہ کاٹنے سے منع کر دیا تا کہ اس کے بدن کے ہر ہر جزو کے بدلے اس پر رحمت نازل ہو سکے اگر وہ ناخن یا بال کاٹ لیتا ہے تو اس کے بدلے اس پر رحمت کا نزول نہ ہوگا۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ اس کے منع کرنے کی وجہ حجاج کے ساتھ تشبیہ ہے یہ درست نہیں کیونکہ اگر تشبیہ مقصود ہوتو پھر خوشبو لگانے سے بھی منع وارد ہونی چاہیے تھی،پس حجاج کے ساتھ تشبیہ مقصود نہیں ہے۔

علامہ مظہرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ''بشر'' سے ناخن مراد ہیں۔علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ علامہ مظہرؒ شاید اس وجہ سے یہ فرما رہے ہیں کہ باقی روایات میں بالوں کے ساتھ ناخن کا ذکر بھی ہے۔مگر علامہ مظہرؒ کا یہ خیال درست نہیں کیونکہ ''بشر'' کے معنی تو بالکل واضح ہیں۔کہ یہ انسانی کھال پر بولا جاتا ہے،اور ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس لئے اس سے منع فرمایا ہو کہ بعض دفعہ انسان کی کھال کسی جگہ سے خراب ہو جاتی ہے اس کو چھیلنے کی ضرورت پڑتی ہے۔پس اسی نقطۂ نظر کے تحت آنحضرت ﷺ نے اس کے چھیلنے سے بھی منع فرما دیا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس حدیث کے ظاہری معنی کو دیکھتے ہوئے جب تک قربانی نہ ہو جائے بال وغیرہ کاٹنے کو ناجائز قرار دے دیا۔جبکہ امام مالکؒ اور شافعیؒ اس کے استحباب کے قائل ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین اس میں رخصت دیتے ہیں۔الحاصل اس حدیث کی عبارت سے مختلف مذاہب وجود میں آتے ہیں مثلاً اگر کوئی قربانی کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کیلئے مستحب ہے کہ وہ ناخن اور بال ~~نہ کٹوائے~~۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے یہ مباح ہے لہٰذا اگر اس نے کٹوا لیے تو کوئی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کراہت نہیں اور نہ ہی یہ مستحب ہے، اور امام احمدؒ فرماتے ہیں، اگر اس نے ناخن یا بال کٹوائے تو اس نے حرام کام کیا یعنی امام احمد مکروہ تحریمی کے قائل ہیں۔

(رحمة الامة في اختلاف الأئمة میں ایسے ہی مذکور ہے) اس سبب کے باوجود حدیث کے شارحین کے کلام سے احناف کے بارے میں یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ مستحب ہے، تو ایسی صورت میں ماقبل رخصت کے قول کا معنی یہ کیا جائے گا کہ حدیث میں نہی سے مکروہ تنزیہہ مراد ہے، پس اس کا خلاف کرنا اولیٰ اور افضل کا خلاف تو ہوسکتا ہے مگر مکروہ نہیں ہوسکتا ہے جبکہ امام شافعی اس کے مکروہ کے قائل ہیں۔

فلا يأخذن نون تاکید کے ساتھ ہے یعنی ہرگز ہرگز زائل نہ کرے۔

(شعرًا و لا يقلمن) لام کے کسرہ اور یاء کے فتحہ کے ساتھ، اور بعض نے کہا کہ نون ثقیلہ کے ساتھ ہے بمعنی نہ کاٹے۔

(ظفرًا) دونوں کے ضمہ کے ساتھ، اور صرف فآء کے سکون کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں، اور قاموس میں ہے کہ اس کو کسرہ سے بھی پڑھ سکتے ہیں مگر یہ شاذ ہے کیونکہ دوسرے حرف کے سکون والی قراءت شاذ ہوتی ہے۔ جیسا کہ امام حسن بصری کی قراءت میں ہے:

وعلى الذين هادوا حرمنا كل ذی ظفر۔

(وفي رواية من رأى هلال ذی الحجة) یعنی اس نے خود دیکھا یا اس کو کسی کے ذریعہ علم ہوا۔

(وأراد أن يضحى فلا يأخذ من شعره، ولا من أظفاره رواه مسلم)۔

عشرہ ذوالحجہ کے اعمال کی فضیلت

۱۴۶۰: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ اَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهِنَّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْعَشْرِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاالْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ وَلَاجِهَادٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۲/۴۵۷۔ حديث رقم ۹۶۹۔ وأخرجه أبوداؤد ۲/۸۱۵ حديث رقم ۲۴۳۸۔ والترمذی ۳/۱۳۰ حديث رقم ۷۵۷۔ وابن ماجه ۱/۵۵۰ حديث رقم ۱۷۲۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بھی ایسے ایام نہیں ہے کہ ان میں نیک عمل کرنا اللہ کے ہاں ان دس دنوں سے (یعنی ذوالحجہ کے پہلے عشرہ سے) زیادہ پسند ہو صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا بھی ان دنوں کے اعمال کے برابر نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں اللہ کے راستے میں جہاد کرنا بھی ان کے برابر نہیں۔ مگر وہ شخص جو اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد میں نکلا ہو اور پھر وہ بالکل واپس نہ آیا ہو۔ (یعنی اس کے اعمال ان دنوں سے بھی زیادہ افضل ہیں)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح: (وعن ابن عباس قال...... من أیام) اس عبارت میں ''من'' زائدہ ہے، یعنی اَیام سے بعض اَیام نہیں بلکہ جملہ اَیام مراد ہیں۔

(العمل الصالح فیھن أحب) رفع کے ساتھ۔

علامہ طیبیؒ اس کی ترکیب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''العمل'' مبتداء ہے اور ''فیھن'' متعلق بہ ہے اور ''احب'' خبر ہے، جبکہ سارے کا سارا جملہ مَا کی خبر ہے۔ اور مَا کا اسم ''ایام'' ہے، اور پہلا ''حرفِ مِن'' زائدہ ہے جبکہ دوسرا مِن ''افعل'' کے ساتھ متعلق ہے جو کہ اس میں محذوف ہے گویا کہ یوں فرمایا گیا:

''لیس العمل فی أیام سوی العشر أحب الی اللّٰہ من العمل فی ھذہ العشر''

علامہ ابن الملک فرماتے ہیں ان اَیام کے اَفضل و اَحب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان ایام میں بیت اللہ کی زیارت ہوتی ہے اور اگر وقت اَفضل ہو تو اس جیسا کیا جانے والا ہر کام اَفضل ہوتا ہے۔

علامہ سیدؒ فرماتے ہیں کہ اس عشرہ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں سے رمضان کا آخری عشرہ مراد ہے کیونکہ اس میں لیلۃ القدر ہوتی ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اس سے ذی الحجہ کا اول عشرہ مراد ہے۔ جن لوگوں نے رمضان کا عشرہ مراد لیا وہ لیلۃ القدر کی فضیلت کی وجہ سے لیا اور جن لوگوں نے ذی الحجہ کا عشر مراد لیا وہ وقوف عرفہ کی فضیلت کی وجہ سے لیا ہوگا۔

ہم کہتے ہیں کہ آپ کی دونوں باتیں درست ہیں کہ رمضان بھی افضل ہے اور ذی الحجہ کا عشرہ بھی افضل ہے، مگر یہاں پر ذی الحجہ کا عشرہ ہی مراد ہے کیونکہ آپ ﷺ نے ''أیام'' کا لفظ استعمال کیا۔ اگر رمضان مراد ہوتا تو اَیام کے بجائے ''لیال'' کا لفظ استعمال فرماتے (الأزھار میں ایسے ہی لکھا ہے)۔

(قالوا یا رسول اللّٰہ ولا الجھاد) رفع کے ساتھ ہے۔

(فی سبیل اللّٰہ) علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ان ایام کے علاوہ میں جہاد فی سبیل اللہ سے بھی افضل ہے ان ایام میں کوئی صالح عمل کرنا، اور اس معنی کی اچھے طریقے سے وضاحت کر دی جائے گی فصل ثانی میں حضرت ابو ہریرۃؓ کی حدیث کے تحت۔ (بشيء) یعنی وہ خرچ کرے اپنے مال اور اپنی جان کو اللہ کے راستے میں، علامہ ابن الملک فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مال کو لگائے اور اپنے خون کو بہائے اللہ کے راستے میں پس یہ جہاد اَفضل اور اَحب ہوگا اعمال میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان ایام میں، اس لئے کہ ثواب تو بقدر مشقت کے ہوتا ہے۔ اور اس کی تعلیل میں ایک لمبی بحث ہے۔

(رواہ البخاری) میرکؒ فرماتے ہیں: اور ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ۔

الفصل الثانی:

خصی جانور کی قربانی جائز ہے

۱۴۶۱: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ ذَبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَوْجُوْئَيْنِ فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰى مِلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَاُمَّتِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ (رواه احمد وابوداود وابن ماجة والدارمي وفي رواية لِاَحْمَدَ وَاَبِيْ داود والترمذى) ذَبَحَ بِيَدِهٖ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّيْ وَعَمَّنْ لَّمْ يُضَحِّ مِنْ اُمَّتِيْ۔

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۳/۲۳۰ حديث رقم ۲۷۹۵۔ والترمذي ۴/۸۵ حديث رقم ۱۵۲۱وابن ماجه ۲/۱۰۴۳ حديث رقم ۳۱۲۱۔ والدارمي ۲/۱۵۳ حديث رقم ۱۹۴۶۔ وأحمد في المسند ۳/۳۷۵۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (قربانی کے دن) دو مینڈھے ذبح کئے جو سینگ والے اور چتکبرے اور خصی تھے پس جب ان کو ذبح کرنے کے لئے قبلہ رخ لٹایا تو فرمایا (یعنی یہ دعا پڑھی) انی وجهت وجهى ...... کہ بے شک میں اپنے چہرہ کو متوجہ کرتا ہوں اس ذات کی طرف جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ اس حال میں کہ میں ملت ابراہیمی پر ہوں جو کہ یکسو تھے اور نہیں ہوں میں مشرکین میں سے' بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کہ جہانوں کو پالنے والا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ اے اللہ یہ قربانی تیری عطاء سے ہے اور تیرے لئے ہی ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کی طرف سے۔ پھر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا اور پھر ذبح کر دیا (احمد۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ دارمی) احمد۔ ابوداؤد۔ ترمذی کی روایت میں ہے کہ اپنے ہاتھ سے ذبح کیے اور فرمایا بسم الله و الله اکبر (یعنی واؤ کا اضافہ کے ساتھ) اللہ کے نام سے اللہ بہت بڑا ہے یہ قربانی میری طرف سے ہے اور میری امت میں سے ان افراد کی طرف سے ہے جنہوں نے قربانی نہیں کی۔

تشریح: (عن جابر قال: ذبح النبی ﷺ) اس سے مراد ذبح کرنے کا ارادہ کرنا ہے کیونکہ آگے "فلما" کے الفاظ آرہے ہیں جو کہ اس بات پر دلالت کررہے ہیں کہ آپ ﷺ نے اب تک ذبح نہیں کیا تھا بلکہ صرف ارادہ فرمایا تھا۔

(یوم الذبح) یعنی یوم الاضحیٰ اس کو یوم الذبح بھی کہتے ہیں۔

(کبشین أقرنین أملحین موجوء ین) موجوء ین، میم کے ضمہ، جیم کے فتحہ، واؤ کے سکون، پھر جیم کے ضمہ، واؤ کے سکون اور ہمزہ مفتوح کے ساتھ ہے، جبکہ مصابیح میں ہے کہ یہ لفظ "موجین" میم کے ضمہ، جیم کے فتحہ اور یا مخففہ ومشددہ کے ساتھ ہے۔ لیکن یہ دونوں غلط ہیں کیونکہ "المغرب" میں ہے کہ اس کا معنیٰ "خصیین" ہے۔ علامہ ابن الملک فرماتے ہیں کہ موجیین بھی روایت کیا جاتا ہے۔ اور دراصل یہ موجوء ین ہی سے مقلوب ہے کیونکہ اس میں ہمزہ اور واؤ کو یاء کے ساتھ بدل دیا گیا ہے بغیر کسی قاعدے کے۔

نہایہ میں ہے "الوجآء" کہتے ہی کوٹنے کو یعنی ایسا جانور جس کے خصیتین کو کوٹا گیا ہوتا کہ اس کی شہوت جماع ختم ہو جائے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ جانور ہے جس کی مخصوص جگہ کی رگوں کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دبا دیا گیا اور خصیتین اپنی اصل حالت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی میں موجود ہوں۔ اور القاموس میں اس کا معنی کیا ہے کہ خصیتین کی رگوں کو دو پتھروں کے درمیان میں رکھ کر اس طرح کوٹنا کہ وہ باہر بھی نہ نکلیں اور اندر ہی اندر اپنی اصل حالت کھو دیں۔ یعنی ٹوٹ جائیں (شرح السنۃ میں ایسے ہی ہے) بعض اہل علم نے ایسا کرنے کو مکروہ کہا ہے کیونکہ اس میں عضو کا ضائع کرنا ہے۔ لیکن اصح قول یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنے سے لحم کی لذت میں اضافہ ہوتا ہے اور اسی کو خصی کرنا کہتے ہیں اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ یہ عضو جس کو خصی کیا گیا، ماکول نہیں ہے، اور قربانی میں مستحب یہی ہے کہ اپنے ہاتھ سے ذبح کیا جائے اگر اس پر قادر ہو تو اور یہی استحباب کا حکم عورت کیلئے ہے۔

(فلما وجههما) علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں فلما وجههما کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان دونوں میں سے ہر ایک کا منہ قبلہ کی طرف کر دیا گویا کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کر دیا۔

(قال انی وجهت وجهی) یاء کے سکون کے ساتھ اور فتحہ کے ساتھ بھی ہے یعنی میں اپنی ذات کو بناتا ہوں منہ کرنے والا اس ذات کی طرف

(للذی فطر السموات والأرض) جس آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا

(علی ملة ابراهیم) یہ وجهت وجهی میں پائے جانے والے فاعل یا مفعول سے حال بن رہا ہے یعنی ”أنا علی ملة ابراهیم“ یعنی میں ملۃ ابراہیمی پر ہوں اصول میں اور بعض فروع میں۔

(حنیفًا) ابراہیم سے حال بن رہا ہے۔ یعنی تمام ادیان باطلہ کو چھوڑ کر ایک ملت قیمہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے، ایسی ملۃ قویمہ جو کہ حقیقی توجیہ پر مبنی ہے اور سیدھے راستے کی طرف دلالت کرتی ہے۔ اور آپ ابراہیم علیہ السلام بالکل بھی ماسوی اللہ کسی طرف متوجہ نہیں ہوتے جب ہی تو آپؑ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو یہ جواب دیا تھا جب جبرئیل علیہ السلام نے آپؑ سے عرض کیا تھا:

”ألك حاجة؟ تو آپؑ نے فرمایا: ”أما الیك فلا“۔

مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں۔ میرے لئے اللہ ہی کافی ہے۔

(وما أنا من المشرکین) یعنی شرک کرنے والا نہیں نہ شرک جلی اور نہ ہی شرک خفی۔ علامہ سیدؒ الازھار سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آنحضرت ﷺ نبوت سے قبل کس شریعت پر تھے؟ بعض نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر، بعض نے کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر، بعض نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ آپ کسی بھی شریعت کے عبادت نہ کرتے تھے کیونکہ تمام شریعتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی وجہ سے منسوخ ہو چکیں تھیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر بھی آپ عمل پیرا نہ تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَٰبُ وَلَا الْإِيمَانُ﴾ [الشوری۔ ۵۲] ”تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو۔“

پس آپ کسی شریعت یا اس کے احکام کے تحت عبادت نہ کرتے تھے۔ علماء فرماتے ہیں کہ آپ پہلے دن سے اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور بتوں کی عبادت سے بالکل پاک تھے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے، ہاں آپ کی عبادت کا طریقہ کیا تھا؟ یہ ہمارے علم میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں، علامہ ابن برھانؒ فرماتے ہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس امر کو پردۂ خفا میں رکھا جیسا کہ آپ کے اور بہت سارے معجزات کو پردہ خفا میں رکھا، اور جاننا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ سے قبل النبوۃ میں بھی معجزات صادر ہوتے تھے۔ ان کا نام طیبی ''ارھاص'' رکھا جاتا ہے۔ پس یوں کہا جائے گا کہ آپ ﷺ قبل النبوۃ سب سے بڑے ولی تھے اور بعد النبوۃ انبیاء کے سردار بنے۔

(ان صلاتي ونسكي) یعنی میری ساری عبادات اور قربانی کے ذریعے قرب حاصل کرنا۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں اس دعا میں نماز اور ذبح کو جمع کیا گیا جیسا کہ اس آیت میں ہے: ﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [الکوثر۔۲]

(ومحياى) یاء کے فتحہ اور سکون کے ساتھ،

(ومماتي) سکون اور فتحہ دونوں کے ساتھ۔ علامہ الطیبیؒ فرماتے ہیں کہ محياى ومماتي کا مطلب ہے کہ تمام وہ اعمال جو میں نے زندگی میں کئے اور وہ اعمال جن پر میری موت آئی ایمان اور اعمال صالحہ میں سے۔ یا پھر اس کا مطلب یہ ہے ''میری زندگی اور میرا مرنا''

(لله) صرف اور صرف اللہ کیلئے ہے۔

(رب العالمين) لفظ اللہ کی صفت ہے۔ بمعنی عالم کا خالق اور مالک، اور عالم میں عقلاء کو تغلیب ہوگی غیر عقلاء پر۔

(لا شريك له) یعنی الوھیت اور ربوبیت میں۔

(وبذلك) یعنی توجیہہ اور اخلاص کا۔

(اُمرت) حکم دیا گیا ہے۔

(وأنا من المسلمين) یعنی یہ قربانی کا جانور آپ ہی کا عطیہ ہے۔

(اليَّ) میری جانب آپ کی طرف سے عطاء ہوا ہے۔ حدیث میں ترجمہ یہ ہوگا کہ ''یا اللہ یہ قربانی کا جانور تیری طرف سے ہی تھا اور تیرے لئے ہی اس کو قربان کرتا ہوں، پس یہ جملہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ امثال میں کہا جاتا ہے: ''مما لكم يهدى لكم''۔ علامہ ابن الملک فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے:

''اللهم اجعل هذا الكبش منك، وجعلته لك وأتقرب به اليك''۔

(عن محمد) یعنی محمد ﷺ کی طرف سے

(وأمته) یعنی امت میں سے وہ لوگ جو قربانی کرنے سے عاجز ہیں ان کی طرف سے۔ پھر اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ خاص ہے اسی زمانے کے لوگوں کے ساتھ، لیکن تعمیم مناسب ہے، لیکن یہ شمولیت اور شرکت امت کی طرف سے قربان میں ثواب کے اعتبار سے ہے حقیقت کے اعتبار سے نہیں ہے۔

(بسم الله والله اكبر ثم ذبح) یعنی اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور اسی کا حکم دیا۔

(رواہ احمد) اسی طرح ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس کی سند پر سکوت کیا ہے کیونکہ اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہیں اور وہ ''عنعن'' سے بیان کرتے ہیں یعنی یہ حدیث ''حدیث معنعن'' ہے۔ (ذكره ميرك)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(وابن ماجه والدارمي) ابن حجرؒ فرماتے ہیں اس کو الحاکم نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔

(وفي رواية لأحمد وأبي داؤد والترمذى ذبح بيده وقال: بسم الله والله اكبر اللّٰهم هذا) یعنی یہ کبش یا کبشین (جیسا ماقبل کبشین کا ذکر بھی آیا ہے)۔

(وعمن لم يضح من أمتي) پس اس موقع پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قربانی واجب ہے اور اس کا حساب بھی لیا جائے گا اس شخص سے جس پر قربانی کا نصاب پورا تھا مگر پھر بھی اس نے قربانی نہ کی۔

فوت شدہ کی طرف سے قربانی درست ہے

۱۴۶۲: وَعَنْ حَنَشٍ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهُ مَا هٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصَانِيْ اَنْ اُضَحِّيَ عَنْهُ فَاَنَا اُضَحِّيْ عَنْهُ۔ (رواه ابوداود وروى الترمذى نحوه)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۲۲۷/۳ حديث رقم ۲۷۹۰۔ والترمذى ۷۱/۴ حديث رقم ۱۴۹۵ وأحمد في المسند ۱۵۰/۱۔

ترجمہ: حضرت حنشؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ وہ دو دنبے قربانی کرتے تھے تو میں نے آپؓ سے عرض کیا یہ کیا؟ (یعنی دو دنبوں کی قربانی کیوں کرتے ہو) تو فرمایا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی ہے کہ میں (ان کی وفات کے بعد) ان کی طرف سے قربانی کروں پس میں اب آپ ﷺ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔

(ابوداؤد۔ترمذی)

راویٔ حدیث:

حنش بن عبداللہ۔ یہ ''حنش'' عبداللہ سبائی کے بیٹے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور حضرت علی کی شہادت کے بعد مصر چلے آئے۔ ۱۰۰ھ میں وفات پائی۔ ''حنش'' حائے مہملہ مفتوحہ نون مفتوح اور شین معجمہ کے ساتھ ہے۔

تشریح: (قال: رأيت عليًّا رضي الله عنه يضحى بكبشين) یعنی آپؓ نے دو جانور ذبح کئے یعنی اپنی قربانی کے علاوہ ایک مزید جانور ذبح کیا۔

(فقلت له ما هذا) یعنی اس دوسرے جانور کے ذبح کرنے کا سبب کیا ہے؟

(فقال: ان رسول اللهﷺ أو صاني) یعنی مجھے آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا۔

(أن أضحى عنه) یعنی مجھے حکم دیا تھا کہ میں ان (ﷺ) کی طرف سے قربانی کروں ان کے وصال کے بعد، پس حضرت علیؓ نے دو جانور ذبح کئے ایک آپ ﷺ کی طرف اور ایک اپنی طرف سے۔

(فأنا أضحى عنه) ابن الملک فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کی طرف سے جو کہ فوت ہو چکا ہو، قربانی کرنا جائز ہے، شرح السنۃ میں ہے کہ بعض اہل علم ایسا کرنے کو درست نہیں جانتے۔ علامہ ابن المبارک فرماتے ہیں کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پسندیدہ یہ ہے کہ وہ شخص مرحوم کی طرف سے صدقہ کرے قربانی نہ کرے۔ کیونکہ قربانی جس سے تو وہ کچھ کھا نہیں سکتا البتہ صدقہ کی صورت میں اس کو ثواب ضرور ملے گا۔

(رواہ ابوداؤد وروی الترمذی نحوہ) اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے، یہ حدیث شریک کے علاوہ کسی اور طرق سے معروف نہیں ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک کبش اپنی طرف سے اور دوسرا کبش آنحضرت ﷺ کی طرف سے ذبح کیا، اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ان کی طرف سے ہمیشہ قربانی کرتا رہوں پس میں ان کی طرف سے ہمیشہ قربانی کرتا رہوں گا۔

عیب دار جانور کی قربانی درست نہیں

۱۴۶۳: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْاُذُنَ وَاَنْ لَّا نُضَحِّيَ بِمُقَابَلَةٍ وَلَا مُدَابَرَةٍ وَلَاشَرْقَاءَ وَلَاخَرْقَاءَ۔(رواہ الترمذی وابوداود والنسائی والدارمی وابن ماجة وَانْتَهَتْ رِوَايَتُهُ اِلٰی قَوْلِهٖ وَالْاُذُنَ۔

أخرجه الترمذي في السنن ٤/٧٣ حديث رقم ١٤٩٨۔ والنسائي ٧/٢١٦ حديث رقم ٤٣٧٣۔ وابن ماجه ٢/١٠٥٠ حديث رقم ٣١٤٢۔ والدارمي ٢/١٠٦ حديث رقم ١٩٥٢۔ وأحمد في المسند ١/١٠٨۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم (قربانی کا جانور خریدتے وقت اس کا) کان اور آنکھ کو اچھی طرح چیک کرلیں اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس جانور کی قربانی نہ کریں جس کا کان اگلی یا پچھلی طرف سے کٹا ہوا ہو اور نہ ہی اس جانور کی جس کے کان لمبائی میں چیرے ہوئے ہوں۔ یا گولائی میں پھٹے ہوئے ہوں۔

(ترمذی، ابوداؤد، دارمی، نسائی) ابن ماجہ کی روایت صرف الاذن تک ہے۔

تشریح: (وعن علي قال...... والأذن) ذال کے ضمہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ ہے، یعنی ہم ان دونوں (آنکھ اور کان) کی حفاظت کریں، ایسا جانور خریدیں جس کی آنکھیں اور کان دونوں صحیح سالم ہوں اور خریدنے کے بعد بھی اس کو خراب ہونے سے بچانے کیلئے ہر ممکن کوشش کریں۔

(وأن لا نضحی بمقابلة) باء کے فتحہ کے ساتھ بمعنی ایسا جانور جس کے کان کا اگلا حصہ مقطوع ہو۔

(ولا مدابرة) ایسا جانور جس کے کان کا پچھلا حصہ مقطوع ہو۔

(ولا شرقاء) مدّ کے ساتھ ہے۔ بمعنی پھٹن اور کٹا ہوا ہونا، مراد یہاں یہ ہے کہ اس کے کان طولاً کٹے ہوئے نہ ہوں، کیونکہ اس سے زخم کا ارد گرد کا حصہ بھی متاثر ہوتا ہے۔

(ولاخرقاء) مد کے ساتھ ہے، گولائی کے ساتھ کٹے ہوئے اور پھٹے ہوئے پر بولا جاتا ہے۔ پس جانور ایسا بھی نہ ہو۔ بعض نے کہا کہ الشرقآء وہ ہے جس کا کان طولاً کٹا ہوا ہو اور ''الخرقاء'' وہ ہے جس کا کان عرضاً کٹا ہوا ہو۔ علامہ مظہرؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک ایسی بکری کی قربانی جائز نہیں جس کا کان کچھ کٹا ہوا ہو۔ اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر کان کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نصف سے کم حصہ کٹا ہوا ہو تو قربانی جائز ہے اور اسی طرح اگر سینگ ٹوٹا ہوا ہو تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔ علامہ طحاوی فرماتے ہیں کہ امام شافعی کا مستدل یہی حدیث ہے جب کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب دو حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ ایک تو یہی حدیث اور دوسری حدیث حضرت قتادہؓ والی جس میں یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے **عضباء القرن والأذن** سے، حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن میتب سے پوچھا کہ **عضباء القرن والأذن** کیا ہوتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا نصف یا زیادہ حصہ سینگ سے ٹوٹا ہوا ہو یا کان سے کٹا ہوا ہو۔ حاصل یہ کہ سارے کا سارا کان مقطوع ہو یہ جائز نہیں یا اکثر مقطوع ہو تب بھی جائز نہیں۔ اسی طرح نصف ہو تو تب بھی جائز نہیں۔ بخلاف اس جانور کے جس کا خلقۃً کان ہی نہ ہو، اسی طرح قربانی کا جانور نہ ہی تو دم کٹا ہوا اور نہ ہی ناک کٹا ہو، اور دم اور ناک میں بھی وہی مقدار معتبر ہوگی جو کہ اُذن میں تھی، اور نہ ہی وہ جانور جس کے تھن خشک ہو چکے ہوں، اور نہ ہی وہ جانور جس کی ایک آنکھ ضائع ہو چکی ہو کیونکہ ایک آنکھ کے ضائع ہونے سے وہ صحیح طرح چارے وغیرہ کو نہ دیکھ سکے گا۔ اور نہ ہی وہ جانور ایسا ہو جس کی ہڈیوں میں روغن ختم ہو گیا ہو اور اس کی وجہ سے کمزور اور لاغر ہو گیا ہو، اور نہ ہی ایسا ہو جو اپنے منسک کی طرف از خود چل کر نہ جا سکتا ہو، اور نہ ہی اتنا بیمار ہو کہ چارہ نہ کھا سکتا ہو اور نہ ہی ایسا ہو کہ اس کی آنکھ میں ڈیلا نہ ہو۔ پس ان تمام کی تمام صفات کا قربانی کے جانوروں میں نہ پایا جانا ضروری ہے۔ (**رواه الترمذي**) اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس کو میرک نے بھی نقل کیا ہے (**وأبو دائود والنسائي والدارمي وابن ماجه وانتهت روايته**) یعنی ابن ماجہ کی روایت لفظ "**الأذن**" پر ختم ہو جاتی ہے۔

ٹوٹے سینگ والے جانور کی قربانی کا مسئلہ

۱۴۶۴: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُضَحِّيَ بِاَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْاُذُنِ۔

(رواه ابن ماجة)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۲۳۸/۳ حديث رُقم ۲۸۰۵ ۔ والترمذي ۷٦/٤ حديث رقم ۱۵۰٤ والنسائي ۲۱۷/۷ حديث رقم ٤۳۷۷۔ وابن ماجه ۱۰۵۱/۲ حديث رقم ۳۱٤۵۔ وأحمد في المسند ۸۳/۱۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ہم ایسے جانور کی قربانی کریں جس کے سینگ ٹوٹے ہوئے ہوں اور کان کٹے ہوئے ہوں۔ (ابن ماجہ)

تشریح: (قال: نهی...... والأذن) یعنی سینگ ٹوٹا ہوا اور کان کٹا ہوا ہو۔

لیکن حدیث کے ظاہری الفاظ پر ایک اشکال ہو سکتا ہے وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**بأعضب القرن والأذن**" اُعضب کہتے ہیں ٹوٹے ہوئے ہونے کو تو اُعضب کا تعلق قرن کے ساتھ ہو گیا مگر اُذن کے ساتھ نہیں ہو سکتا کیونکہ اُذن تو ٹوٹتا نہیں بلکہ کٹتا ہے۔ لہٰذا یوں کہا جائے گا ان دونوں میں سے ایک کا تعلق کٹنے اور دوسرے کا تعلق ٹوٹنے کے ساتھ ہے تو پھر ان دونوں کو ایک ساتھ ہی کیوں ذکر کیا گیا؟

جواب اس کا یہ ہے کہ عرب میں ایسا ~~ہوتا ہے~~ کہ دو مختلف الأفعال اشیاء کو ایک فعل کے تحت ذکر کیا جاتا ہے جیسا کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عرب کا قول ہے: "علفتها تبنًا وماءً باردًا" ترجمہ: "میں نے اس کو چارہ اور پانی کھلایا"۔
اس مثال میں تعلیف کا تعلق تو صرف تبنًا کے ساتھ بن سکتا ہے مگر ماءً باردًا کو بھی ذکر کر دیا۔ پس اسی طرح حدیث میں ہوا ہے۔ نیز سینگ ٹوٹنے کے بارے کچھ تفصیل ہے وہ یہ کہ سینگ اگر جڑ سے ٹوٹا ہوا ہو تو قربانی جائز نہیں اور اگر جڑ کے علاوہ اوپر سے ٹوٹا ہوا ہو تو قربانی جائز ہوگی۔

۱۴۶۵: وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ مَاذَا يُتَّقٰى مِنَ الضَّحَايَا فَاَشَارَ بِيَدِهٖ فَقَالَ اَرْبَعًا اَلْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ ظَلْعُهَا وَالْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوْرُهَا وَالْمَرِيْضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا وَالْعَجْفَاءُ الَّتِىْ لَا تُنْقِىْ۔ (رواه مالك واحمد والترمذى وابوداود والنسائى ابن ماجة والدارمى)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ۳/۲۳۵ حديث رقم ۲۸۰۲۔ والترمذى ۴/۷۲ حديث رقم ۱۴۹۷۔ والنسائى ۷/۲۱۵ حديث رقم ۴۳۷۰۔ وابن ماجه ۲/۱۰۵۰ حديث رقم ۳۱۴۴۔ والدارمى ۲/۱۰۵ حديث رقم ۱۹۴۹۔ ومالك في الموطأ ۱/۱۸۲ حديث رقم ۱ من كتاب الضحايا۔ وأحمد في المسند ۴/۲۸۹۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کس جانور کی قربانی سے بچا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ چار قسم کے جانور ① لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو ② ایسا کانا کہ اس کا کانا پن ظاہر ہو ③ ایسا بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو ④ ایسا دبلا کہ جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔ (مالک۔ ترمذی)

تشریح: (وعن البراء......ماذا يتقى) یعنی وہ کون سی صفات ہیں جو قربانی کے جانور میں نہ ہوں؟
(فأشار بيده) آنحضرت ﷺ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ کیا۔
(فقال أربعًا) پھر فرمایا کہ چار صفات ہیں جن سے بچا جائے یعنی ان جانوروں سے بچا جائے جن میں یہ چار صفات ہوں قربانی کے لحاظ سے۔
"أربعًا" پر ایک اعتراض ہوتا ہے کہ سوال میں مجہول کا صیغہ یعنی يتقى مذکور تھا تو اس کے پیش نظر "أربع" ہونا چاہیے تھا نہ کہ "أربعًا" تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض نسخوں میں نتقى (جمع متکلم) کا صیغہ ہے ممکن ہے کاتب نے یہاں پرتاء کے ساتھ لکھ دیا ہو اور اگر نون کے ساتھ مان لیا جائے تو أربعًا پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ یا أربعًا کا عامل فعل اَمر "اتق" کو مان لیا جائے تو بھی ٹھیک ہے۔ لیکن میرے نزدیک اظہر قول یہ ہے کہ اصل میں جواب آنحضرت ﷺ کے اشارہ کرنے میں تھا اور آپ کا "أربعًا" والا قول "أعني" فعل کی وجہ سے منصوب ہے۔
(ظلعها) لام کے سکون اور فتحہ دونوں کے ساتھ بمعنی ایسا لنگڑا پن جو چلنے میں مانع ہو۔
(والعوراء) العرجاء پر عطف ہے۔
(البين عورها) دونوں کے فتحہ کے ساتھ یعنی اس کا نابینا ہونا ایک آنکھ سے لیکن بہتر ہے کہ اس کا دونوں آنکھوں سے نابینا ہونا مراد لیا جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(والمریضة البین مرضها) یعنی اس کو ایسا مرض ہو کہ وہ از خود چارہ نہ کھا سکتا ہو۔ ابن الملک فرماتے ہیں کہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا عیب جو مخفی ہو قربانی میں معاف ہے۔

(والعجفاء) بمعنی کمزور ہونا۔

(التی لا تنقی) بمعنی اتنا کمزور ہونا کہ کھڑا بھی نہ ہوا جائے یعنی اس کی ہڈیوں میں روغن نہ ہو جس کی وجہ سے ان میں طاقت ختم ہو گئی ہو

(رواہ مالک واحمد والترمذی) اور فرمایا کہ یہ حسن اور صحیح ہے، ذکرہ میرک (وابو داؤد والنسائی وابن ماجه والدارمی)۔

موٹے تازے جانور کی قربانی کرنی چاہئے

۱۴۶۶: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُضَحِّیْ بِکَبْشٍ اَقْرَنَ فَحِیْلٍ یَنْظُرُ فِیْ سَوَادٍ وَّیَاْکُلُ فِیْ سَوَادٍ وَیَمْشِیْ فِیْ سَوَادٍ۔ (رواہ الترمذی وابوداود وابن ماجه)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۳/۲۳۱ حدیث رقم ۲۷۹۶۔ والترمذی ۴/۷۲ حدیث رقم ۱۴۹۶۔ والنسائی ۷/۲۲۰ حدیث رقم ۴۳۹۰۔ وابن ماجه ۲/۱۰۴۶ حدیث رقم ۳۱۲۸۔

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے سینگ دار اور موٹے دنبے کی قربانی کرتے تھے جو سیاہی میں دیکھتا تھا اور سیاہی میں کھاتا تھا اور سیاہی میں چلتا تھا۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ نسائی)

تشریح: (وعن أبی سعید...... أقرن فحیل) علامہ سیدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد موٹا وفربہ جانور ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد جسامت میں بڑا ہونا ہے، بہر حال قربانی کے جانور کا سمین ہونا مستحب ہے۔ پس ایک موٹا جانور دو کمزور جانوروں سے افضل ہے، نیز گوشت کا زیادہ ہونا چربی کے زیادہ ہونے سے افضل ہے، لیکن گوشت اعلیٰ قسم کا ہو، اگر گوشت ردی قسم کا ہے تو تب موٹے جانور کو فضیلت حاصل نہ ہو گی۔ قاله فی الأزهار۔

(ینظر فی سواد) یعنی اس کی آنکھوں کے ارد گرد کا حلقہ سیاہ ہو۔

(ویأکل فی سواد) یعنی اس کا منہ کا حصہ بھی سیاہ ہو۔

(ویمشی فی سواد) یعنی اس کے پاؤں سفید ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ سیاہ بھی ہوں۔ (رواہ الترمذی) اور فرمایا کہ یہ حسن صحیح غریب ہے۔ اس کو میرک نے بھی نقل کیا ہے۔ (وابوداؤد والنسائی وابن ماجه)۔

بھیڑ کے چھ ماہ کے بچے کی قربانی جائز ہے

۱۴۶۷: وَعَنْ مُجَاشِعٍ مِنْ بَنِیْ سُلَیْمٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اِنَّ الْجَذَعَ یُوَفِّیْ مِمَّا یُوَفِّیْ مِنْهُ الثَّنِیُّ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجة)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أخرجه أبوداؤد في السنن ۲۳۳/۳ حديث رقم ۲۷۹۹۔ والنسائی ۲۱۹/۷ حديث رقم ۴۳۸۴۔ وابن ماجه ۱۰۴۹/۲ حديث رقم ۳۱۴۰ وأحمد في المسند ۳۶۸/۵۔

ترجمہ: حضرت مجاشعؓ جو کہ قبیلہ بنو سلیم کے ایک فرد ہیں ان سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جذعہ کافی ہے اس سے کہ جس میں ثنی کافی ہو۔ (ابوداؤد۔ابن ماجہ۔نسائی)

راویٔ حدیث:

مجاشع بن مسعود۔ یہ ''مجاشع'' ہیں۔ ''مسعود'' کے بیٹے ہیں۔ اور ''سلمی'' ہیں۔ ان سے ''ابوعثمان نہدی'' نے روایت کی ہے۔ صفر ۳۶ھ میں جنگ جمل میں شہید ہوئے۔ ان کی حدیث اہل بصرہ کے یہاں مشہور ہے۔

تشریح: (وعن مجاشعؓ) میم کے ضمہ کے ساتھ۔

(من بنی سليم) تصغیر کے ساتھ۔ علامہ میرکؒ فرماتے ہیں یہاں مجاشعؓ سے مجاشعؓ بن مسعود بن ثعلبہ بن وهب السلمی مراد ہیں نیز یہ حضرت مجالدؓ کے بھائی ہیں اور یہ دونوں صحابی ہیں۔

(أن رسول اللهﷺ كان يقول ان الجذع) یعنی جذع، بھیڑ میں سے۔

(يوفی) من التوفية، اور مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ جبکہ بعض نے کہا کہ یہ توفیۃ کے بجائے ''ایفاء'' سے ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے (أوفاه حقه ووفاه) یعنی اس نے اس کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ (مما يوفی منه الثنی) یعنی جذع (چھوٹا بچہ) کفایت کر جائے گا ثنی میں سے یعنی بکری میں سے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ بھیڑ کا چھ ماہ کا بچہ کفایت کر جائے گا جیسا کہ بکری کا ایک سالہ بچہ کفایت کر جاتا ہے (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)۔

۱۴۶۸: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ نِعْمَةُ الْاُضْحِيَةِ الْجَذَعُ مِنَ الضَّأنِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی في السنن ۷۴/۴ حديث رقم ۱۴۹۹ وأحمد في المسند ۴۴۵/۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ دنبے کے جذع کی قربانی بہترین ہے (ترمذی)

تشریح: الأضحيه: ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ مگر ضمہ کے ساتھ زیادہ مشہور ہے۔

(الجذع من الضأن) نبی کریم ﷺ نے بھیڑ کے بچے کی تعریف فرمائی تا کہ لوگ جان لیں کہ قربانی دونوں میں جائز ہے یعنی بکری کے بچہ میں بھی اور بھیڑ کے بچے میں بھی۔

www.KitaboSunnat.com

قربانی کے حصے

۱۴۶۹: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَحَضَرَ الْاَضْحٰى فَاشْتَرَكْنَا فِی الْبَقَرَةِ سَبْعَةً وَّفِی الْبَعِيْرِ عَشَرَةً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجة وقال الترمذی هذاحدیث حسن غریب)

أخرجه الترمذی فی السنن ۴/۷۵ حدیث رقم ۱۵۰۱۔ والنسائی ۷/۲۲۲ حدیث رقم ۴۳۹۳۔ وابن ماجه ۲/۱۰۴۷ حدیث رقم ۳۱۳۱وأحمدفی المسند ۱/۲۷۵۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ عید قربان کا موقع آ گیا تو گائے کی قربانی میں ہم سات آدمی شریک ہوئے اور اونٹ کی قربانی میں ہم دس آدمی شریک ہوئے۔ (ترمذی۔ابن ماجہ۔نسائی) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: (وعن ابن عباس...... فی سفر) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے۔ یہاں پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ سفر میں قربانی واجب ہی نہیں ہوتی۔ اس کے دو جواب ہیں: ① تھے تو سفر ہی میں مگر کسی شہر میں اقامت کی نیت کر لی تھی اس لئے قربانی واجب ہوگئی تھی۔ ② قربانی ان پر مستحب تھی نہ کہ واجب۔

(فحضر الأضحی) یعنی عید کا دن۔

(فاشترکنا فی البقرۃ سبعة) نصب کے ساتھ ہے بمعنی سات آدمی، منصوب ہونے کی وجہ بیان واقع ہونا ہے۔ جمع کی ضمیر کیلئے (علامہ طیبی کے قول کے مطابق) جبکہ بعض نے کہا کہ یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور بعض نے کہا کہ یہ مرفوع ہے بدل ہونے کی وجہ سے اشترکنا کی ضمیر سے۔ لیکن میرے نزدیک یہ مرفوع ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے اور اس کی خبر مقدم ہے۔

(وفی البعیر عشرۃ) علامہ مظہرؒ فرماتے ہیں کہ اسحاق بن راھویہ نے اس پر عمل بھی کیا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ عشرہ والی روایت منسوخ ہے اس قول "البقرۃ عن سبعة والجزور عن سبعة" کی وجہ سے، پس میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ حدیث معارض ہے روایت صحیحہ کے، جس میں بدنہ کے بارے میں سبعۃ کا ذکر ہے لہٰذا روایت صحیحہ کو لیا جائے گا اور عشرہ والی روایت کو چھوڑ دیا جائے گا۔

دس ذوالحجہ کو سب سے پسندیدہ عمل قربانی ہے

۱۴۷۰: وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاعَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَيَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَانَفْسًا۔ (رواہ الترمذی وابن ماجة)

أخرجه الترمذی فی السنن ۴/۷۰ حدیث رقم ۱۴۹۳وابن ماجه ۲/۱۰۴۵ حدیث رقم ۳۱۲۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کا نحر یعنی قربانی کے دن ایسا کوئی عمل نہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں خون بہانے سے زیادہ محبوب ہو اور بے شک وہ (یعنی قربانی میں ذبح شدہ جانور) قیامت کے دن اپنے سینگوں کے ساتھ اور اپنے کھروں کے ساتھ اور بالوں کے ساتھ آئے گا اور بے شک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کا مقام حاصل کر لیتا ہے لہٰذا تم اس کی وجہ سے اپنے نفس کو خوش کرو۔ (ترمذی۔ابن ماجہ)

تشریح: (وعن عائشة......من عمل) من زائدہ ہے۔ استغراق کی تاکید کیلئے ہے یعنی کوئی بھی عمل ہو اس دن اھراق الدم سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا۔ (یوم النحر) نصب کے ساتھ، ظرفیۃ کی بناء پر۔

(أحب) نصب کے ساتھ، بعض نے کہا کہ رفع کے ساتھ ہے تقدیری عبارت ''هو أحب'' ہوگی۔

(الی اللّٰہ من اهراق الدم) یعنی خون بہانا۔

(وأنه) اس کی ضمیر راجع ہے۔ اس کی طرف جس پر اهراق الدم دلالت کر رہا ہے۔ علامہ طیبیؒ نے یہی فرمایا ہے۔

(لیؤتی یوم القیامة) یعنی قیامت کے دن اس جانور کو لایا جائے گا۔

(بفروثها) جمع فرث ہے بعض مینگنیاں یعنی وہ نجاست جو کہ جانور کی آنت میں ہوتی ہے۔

فائدہ: بکری کا بچہ جب تک صرف دودھ ہی پیتا ہو چارہ وغیرہ نہ کھاتا ہو تو اس کی آنت کو ''انفحة'' کہتے ہیں اور جب وہ بڑا ہو جائے اور چارہ کھانے لگے تو اس کی آنت کو کرش کہتے ہیں تو پس خرث کی تعریف یوں ہوگی:

''وهو النجاسة التی فی الکرش''۔

علامہ زین العرب فرماتے ہیں کہ قربانی کے جانور کے ہر عضو کے بدلے میں اجر ملے گا اور روز قیامت اپنے تمام اعضاء کے ساتھ آئے گا جیسا کہ دنیا میں تھا، نیز یہ جانور پل صراط پر سے گزرنے میں سواری کا کام دے گا اور فرماتے ہیں کہ ہر دن عبادت کے ساتھ خاص ہے مگر یوم النحر ایک ایسی عبادت کے ساتھ خاص ہے جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا یعنی قربانی، اور اگر بکری کو ذبح کرنے سے افضل اس روز کوئی اور کام ہوتا تو اللہ جل شانہ حضرت اسماعیل کے بدلے میں اسی کام کو بدل قرار دیتا۔

(وان الدم لیقع من اللّٰہ) یعنی اللہ کی رضا کیلئے اور اس کی رضا کے واسطے۔

(بمکان) یعنی رضا کی جگہ پر۔

(قبل أن یقع بالأرض) یعنی اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرما لیتے ہیں ذبح کے ارادے کے وقت ہی سے قبل اس سے کہ خون زمین پر گرے۔

(فطیبوا بها) یعنی قربانی خوش دلی کے ساتھ کرو۔ علامہ ابن الملک فرماتے ہیں کہ ''فطیبوا بها'' میں فاء شرط مقدر کا جواب ہے یعنی ''اذا علمتم أنه تعالی یقبله ویجزیکم بها ثوابًا کثیرًا فلتکن أنفسکم بالتضحیة طیبة غیر کارهة لها''

پس دل کی خوشی کے ساتھ قربانی کرنی چاہیے، اس طیب نفس پر ثواب بھی ملے گا اور قربانی کا ثواب تو الگ سے ملے گا ان شاء اللہ۔

(رواہ الترمذی) علامہ میرک نے فرمایا اور امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن غریب فرمایا ہے۔ امام حاکم نے بھی اس کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایت کیا ہے اور فرمایا کہ یہ صحیح الاسناد ہے۔ (وابن ماجۃ)

عشرہ ذوالحجہ کی عبادت کی فضیلت

١٤٧١: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ اَيَّامٍ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ اَنْ يُّتَعَبَّدَ لَهٗ فِيْهَا مِنْ عَشْرِ ذِی الْحِجَّةِ يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ مِنْهَا بِصِيَامِ سَنَةٍ وَقِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔

(رَوَاهُ الترمذی وابن ماجة وقال الترمذی اسناده ضعیف)

أخرجه الترمذی فی السنن ٣/١٣١ حديث رقم ٧٥٨ وابن ماجه ١/٥٥١ حديث رقم ١٧٢٨۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایسا کوئی عمل نہیں کہ اس میں عبادت کرنا عشرہ ذوالحجہ سے زیادہ افضل ہو اس کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور اس عشرہ کی ہر رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ (ترمذی) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

تشریح: (وعن أبی هريرة......ما) ما یہاں پر ''لیس'' کے معنی میں ہے۔

(من أيام) مِن زائدہ ہے۔ (وأيام) مَا کا اسم ہے۔

(أحب الی اللّٰه) نصب ہے اس بناء پر کہ یہ خبر ہے ما کی اور بعض نے کہا ہے کہ ''أحب الی اللّٰه'' مرفوع ہے أیام کی صفت ہونے کی وجہ سے اور یاد رہے کہ یہاں پر أیام محلاً مرفوع ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ''أحب'' مفتوح ہوگا اس بناء پر کہ أیام کی صفت ہے اور صورت میں لفظی اعراب کو دیکھ کر اس کو مفتوح سمجھا گیا ہے کیونکہ أیام مکسور ہے اور أحب درحقیقت مکسور ہی ہے مگر چونکہ یہ غیر منصرف ہے اس لئے اس پر کسرہ کی بجائے فتحہ کو ظاہر کیا گیا ہے۔

(أن يتعبد) یہ محلاً مرفوع ہے بتأویل مصدر، أحب کا فاعل ہونے کی وجہ سے۔

(له) یعنی للّٰہ تعالیٰ۔

(فيها) یعنی فی الأیام۔

(من عشر ذی الحجة)۔

(يعول) بمعنی برابر ہونا۔

(صيام كل يوم منها) یعنی ذی الحجہ کا پہلا عشرہ، ابن الملک بھی یہی فرماتے ہیں، یعنی اول ذی الحجہ سے لے کر یوم عرفہ تک۔

(بصيام سنة) یعنی ایک سال کے روزے کے برابر ہے لیکن اس میں رمضان کے روزے داخل نہ ہوں گے اور ذی الحجہ کا عشرہ یعنی اس کا ایک روزہ ایسے ایک سال سے افضل ہے جس میں رمضان اور ذی الحجہ کے صیام نہ ہوں۔

(وقيام كل ليلة منها بقيام ليلة القدر رواه الترمذی وابن ماجه وقال الترمذی اسناده ضعيف) علامہ منذری فرماتے ہیں کہ: بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے یحییٰ بن عیسیٰ الرملی سے انہوں نے یحییٰ بن الجبلی سے اور انہوں نے عدی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بن ثابت سے اور یہ تینوں کے تینوں ثقات مشہور راوی ہیں پس عدی بن ثابت حضرت سعید بن جبیر سے اور یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے ہاں ان ایام سے افضل یوم کوئی نہیں، اور نہ ہی ان میں کئے جانے والے عمل سے افضل کوئی عمل ہے (یعنی ذی الحجہ کا عشرہ) پس ان ایام میں کثرت کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہو، تکبیر پڑھو اور ذکر اللہ کرو۔ نیز اس کے ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزے کے برابر ہے اور اس میں کیا جانے والا عمل سات سو گنا سے بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

الفصل الثالث:

قربانی کا وقت عید کی نماز کے بعد ہے

۱۴۷۲: عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ الْاَضْحٰى يَوْمَ النَّحْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَعْدُاَنْ صَلّٰى وَفَرَغَ مِنْ صَلَاتِهٖ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَيَرٰى لَحْمَ اَضَاحِيَّ قَدْ ذُبِحَتْ قَبْلَ اَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلَاتِهٖ فَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُصَلِّيَ اَوْنُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا اُخْرٰى وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ ذَبَحَ وَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ اُخْرٰى مَكَانَهَا وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللّٰهِ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢ حديث رقم ٩٨٥ ومسلم ١٥٥١/٣ حديث رقم (١- ١٩٦٠)- والترمذي في السنن ٧٨/٤ حديث رقم ١٥٠٨- والنسائي ٢١٢/٧ حديث رقم ٤٣٦٨- وابن ماجه ١٠٥٣/٢ حديث رقم ٣١٥٢- وأحمد في المسند ١١٣/٣-

ترجمہ: حضرت جندب بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں قربانی کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید کی نماز کے لئے عیدگاہ میں حاضر ہوا ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ اور نماز سے پوری طرح فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کیا دیکھتے ہیں کہ قربانی کا گوشت رکھا ہوا ہے اور نماز عید سے فارغ ہونے سے پہلے ہی قربانی ہوگئی ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے عید کی نماز پڑھنے سے قبل قربانی کی یا فرمایا کہ ہمارے نماز پڑھنے سے قبل قربانی کی تو اسے چاہئے کہ اس جانور کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے اور ایک روایت میں ہے حضرت جندب فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید قربان کے دن نماز پڑھائی پھر خطبہ ارشاد فرمایا اور پھر قربانی کا جانور ذبح کیا اور فرمایا کہ کہ جس شخص نے قربانی کا جانور ذبح کیا ہے اس سے پہلے کہ وہ عید کی نماز پڑھ لے یا ہم عید کی نماز پڑھ لیں پس چاہئے کہ وہ اس کی جگہ اور جانور ذبح کرے اور جس شخص نے نماز عید سے پہلے جانور ذبح نہیں کیا اسے چاہیے کہ وہ عید کی نماز کے بعد اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔ (بخاری)

تشریح: (عن جندب) جیم اور دال دونوں کے ضمہ کے ساتھ، یا صرف جیم کے ضمہ اور دال کے فتحہ کے ساتھ۔

(ابن عبداللہ قال شہدت) یعنی میں حاضر تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(الاضحی) عید کے دن (ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہاں سے عیدگاہ مراد ہے) (یوم النحر) الأضحی سے بدل ہے۔

(مع رسول اللهﷺ فلم یعد) یعد، یاء کے فتحہ، عین کے سکون اور دال کے ضمہ کے ساتھ ہے، اور عدا یعدو سے ہے۔ اور بمعنیٰ ''لم یتجاوز'' ہے۔

(ان صلی وفرغ من صلاته وسلم) عطف تفسیری ہے۔

(فاذا هو یری لحم أضاحی) یاء کی تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ ہے، یعنی ابھی تک آپ نماز سے فارغ ہو کر خطبہ پڑھنے کیلئے نہ گئے تھے کہ آپ نے قربانی کے جانور کا گوشت دیکھا۔ بعض نے کہا کہ آپ نماز سے فارغ ہو چکے تھے مگر ابھی تک گھر نہیں گئے تھے کہ اچانک قربانی کا گوشت دیکھا۔

(قد ذبحت قبل أن یفرغ من صلاته فقال من ذبح) ایک نسخہ صحیحہ میں ''من کان ذبح'' ہے۔

(قبل أن یصلی) لام کے کسرہ کے ساتھ، اس کی ضمیر آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے۔

(فلیذبح مکانها) ذبیحہ سے بدل بن رہا ہے۔

(أخری) یعنی دوسرا قربانی کا جانور۔ حاصل یہ کہ وہ اب اس کی جگہ یا اسی کے بدلے میں دوسرا جانور قربان کرے۔

(وفی روایة قال: صلی النبیﷺ یوم النحر ثم خطب [ثم ذبح] وقال من ذبح) ایک نسخے میں ''من کان ذبح'' ہے۔

(قبل أن یصلی) یاء کے ساتھ۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ نون کے ساتھ ہے۔ اور بعض نسخوں میں تو ''أو نصلی'' کے الفاظ خود موجود ہیں۔

(فلیذبح أخری مکانها) حدیث کا یہ جملہ قربانی کے اعادہ کے واجب ہونے میں زیادہ صریح ہے۔

(ومن لم یذبح فلیذبح باسم الله) یہ ماقبل سے متعلق ہے۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ وہ بسم اللہ پڑھتے ہوئے ذبح کرے، اور اگر اس نے صرف اللھم کہا تو بھی جائز ہے، اور ''بسم الله'' صرف اس صورت میں ضروری ہوگا جب آنحضرت ﷺ نے خاص اسم اللہ کے ساتھ باء کے جڑے ہوئے ہونے کا قصد کیا ہو۔ اور اگر صرف اللہ کا نام لینے کا حکم دینا مقصد ہو تو فقط اللھم بھی کفایت کر جائے گا۔

قربانی کے تین دن ہیں

۱۴۷۳: وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ اَلْاَضْحٰی یَوْمَانِ بَعْدَ یَوْمِ الْاَضْحٰی۔ (رواہ مالک)

أخرجه مالك فی الموطأ ۲/۲۸۷ حدیث رقم ۱۲ من کتاب الضحایا۔

ترجمہ: حضرت نافع فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ عیدالاضحیٰ کے دن کے بعد بھی قربانی کے دو دن ہیں۔ (مالک)

تشریح: (وعن نافع أن ابن عمر قال الأضحی) علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں یہ أضحا کی جمع بمعنی قربانی،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''الأضحی اور ''الأضحاۃ'' ایسے ہے جیسے ''أرطی اور'' أرطاۃ'' ہے، مراد یہاں پر قربانی کا وقت بتانا ہے۔

(یومان بعد یوم الأضحی) یوم الأضحی سے پہلا دن مراد ہے۔ أیام النحر میں سے ہے پس یوں تین دن ہوئے قربانی کے۔ اور اسی حدیث سے امام ابوحنیفہ، امام مالک اور احمد استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قربانی کا وقت ایام تشریق کے چوتھے دن غروب شمس تک رہتا ہے، جبکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں قربانی کا وقت ایام تشریق کے آخری دن غروب شمس تک رہتا ہے۔ الحاصل ہمارے نزدیک قربانی کے تین دن ہیں اور امام شافعی کے نزدیک چار دن ہیں۔ لیکن یہ حدیث بالکل امام شافعی کے خلاف حجت ہے۔

علامہ ابن حجر العسقلانی فرماتے ہیں کہ ایک خبر صحیح میں ہے کہ عرفہ سارے کا سارا موقف ہے اور ایام منی سارے کے سارے قربانی کے دن ہیں (یاد رہے ایام منی گیارہ، بارہ، تیرہ ذی الحجہ ہے)۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: درحقیقت اس مسئلہ میں أحادیث متعدد ہیں، ایک حدیث میں ہے ''أیام تشریق میں ذبح جائز ہے'' اور ابن حبان نے اس کو صحیح بھی کہا ہے۔ لیکن امام نوویؒ نے اس پر اعتراض کیا ہے یہ کہتے ہوئے کہ یہ حدیث صحیح نہیں بلکہ موقوف ہے۔ اور ایک موقع پر فرمایا: ''یہ حدیث مرسل ہے''۔ جاننا چاہیے کہ یہ حدیث (جو کہ امام شافعی کا متدل ہے) مختلف ضعیف طرق سے ہم تک پہنچی ہے ایام التشریق کلھا ذبح والی حدیث کی سند ضعیف ہے جبکہ أیام منی، أیام نحر ہیں اس کی سند کو امام ابواسحاق المروزی نے صحیح کہا ہے لیکن امام بیہقی نے اس میں نظر کی ہے۔

جبکہ میں یہ کہتا ہوں کہ ایام تشریق اور ایام منی کو تغلیباً ایام النحر کہا گیا ہے۔ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ آپ کی بات صحیح ہے کہ ان کی اسناد میں کچھ ضعف ہے۔ مگر ایک ہی مفہوم کی احادیث متعدد طرق سے جب منقول ہوں تو اس سے ان کا ضعف ختم ہو جاتا ہے اور حسن کے درجے میں آ جاتی ہے۔ اور اسی وجہ سے ابن عباسؓ، جبیر بن مطعمؓ بھی اسی کے قائل تھے، اور حضرت علیؓ سے بھی یہی منقول کیا گیا ہے۔ نیز تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت اسی کی قائل ہے۔ پس جو لوگ اس مسلک میں امام شافعیؒ کو اکیلا سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں کیونکہ امام شافعیؒ کے ساتھ اس مُسلک میں بہت بڑی جماعت ہے۔ نیز امام بیہقی نے تو پورے حج کے مہینہ کو ایام النحر کہا ہے۔

۱۴۷۴: وَقَالَ بَلَغَنِیْ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ مِثْلَهُ۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے یہ روایت نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مجھے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح کی روایت پہنچی ہے۔

تشریح: (وقال) اس کے قائل امام مالک ہیں۔ www.KitaboSunnat.com

(بلغنی) ایک نسخہ میں ''قال وبلغنی'' ہے۔

(عن علی بن أبی طالب مثله) مثلہ مرفوع ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ روایت بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے مثل ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قربانی کے وجوب کی دلیل

۱۴۷۵: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشَرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ٤/٧٨ حديث رقم ١٥٠٧۔ وأحمد في المسند ٢/٣٨۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں دس سال رہے اور ہر سال قربانی کرتے تھے۔ (ترمذی)

تشریح: یعنی دس کے دس سال پابندی کے ساتھ قربانی کرتے رہے جو کہ اس کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔

قربانی کی ابتداء

۱۴۷۶: وَعَنْ زَيْدِبْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاهٰذِهِ الْاَضَاحِيْ قَالَ سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالُوْا فَمَا لَنَا فِيْهَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوْا فَالصُّوْفُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ۔ (رواه احمد وابن ماجة)

أخرجه ابن ماجه في السنن ٢/١٠٤٥ حديث رقم ٣١٢٧۔ وأحمد في المسند ٤/٣٦٨۔

ترجمہ: حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کی کیا حقیقت ہے؟ فرمایا کہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جاری کردہ طریقہ ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا پھر ہمارے لئے اس میں کیا ہے؟ یعنی کتنا ثواب ہے اے اللہ کے رسول۔ فرمایا کہ ہر بال کے بدلے نیکی ہے تو صحابہ نے عرض کیا کہ اون کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ اون کے ہر بال کے بدلے بھی نیکی ہے۔ (احمد)

تشریح: (وعن زيد بن ارقم...... والأضاحي) تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ ما هذه الأضاحي؟ یعنی یہ قربانی ہمارے ہی شریعت کا خاصہ ہے؟ یا سابقہ شرائع میں بھی تھی؟

(قال سنة أبيكم) یعنی یہ وہ طریقہ ہے جس کے اتباع کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أن اتبع ملة ابراهيم حنيفاً﴾ [النحل۔١٢٣]

پس یہ قربانی شرائع قدیمہ میں بھی تھی جس کو ہماری شریعت نے برقرار رکھا۔

(ابراهيم عليه السلام) ایک نسخہ میں ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ علیہ السلام کے بجائے صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

(قالوا فمالنا) ایک نسخہ میں اس کے بجائے "ومالنا" ہے۔

(فيها) ھآء ضمیر اُضاحی کی طرف راجع ہے۔ ومالنا فیھا کا مطلب یہ کہ اس میں ہمارے لئے ثواب کیا ہوگا؟

(قال بكل شعرة) عین کے سکون اور فتحہ دونوں کے ساتھ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(حسنۃ) ''بکل'' میں باء بدلیت کیلئے یا سببیت کیلئے ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں اس سے ثواب میں زیادتی اور کثرت بنانا مقصود ہے کہ جتنی کثرت سے جانور۔ کے جسم پر بال ہوتے ہیں اتنی ہی کثرت سے ثواب ملتا ہے۔ نیز آپ ﷺ نے ''شعر'' کا لفظ استعمال کیا تھا جو کہ کنایہ ہے بکرے سے، تو اس سے صحابہ کے ذہن میں بھیڑ کی اون کا سوال پیدا ہوا کیونکہ ان کے جسم پر بال نہیں بلکہ ''صرف'' (اون) ہوتی ہے۔ تو پس صحابہ نے پوچھا

(قالو فالصوف یا رسول اللہ) صحابہ کے پوچھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ یہ سمجھیں ہوں گے جس طرح ''دبر'' اونٹ کے بالوں اور اون کو کہتے ہیں تو شاید اسی طرح شعر صرف معز کے ساتھ خاص ہو۔

(قال بکل شعرۃ من الصوف حسنۃ) تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: اون کے بھی ہر ریشہ کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی۔

(رواہ احمد و ابن ماجہ) اور فرمایا کہ یہ صحیح الاسناد ہے۔

بَابُ الْعَتِیْرَۃِ

عتیرہ کا بیان

لفظ عتیرہ، عین کے فتحہ کے ساتھ ہے اور بکری پر بولا جاتا ہے، مشرکین رجب کے اول عشرے میں ایک بکری ذبح کیا کرتے تھے اپنے اصنام کے نام پر اور پھر اس کا خون اپنے اصنام کے سروں پر بہا دیا کرتے تھے، اور اس کو عتیرہ کہتے تھے۔

الفصل الاول:

فرع اور عتیرہ کی اسلام میں کوئی حقیقت نہیں

۱۴۷۷: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا فَرَعَ وَلَا عَتِیْرَةَ قَالَ وَالْفَرَعُ اَوَّلُ نِتَاجٍ كَانَ یُنْتَجُ لَهُمْ كَانُوْا یَذْبَحُوْنَهٗ لِطَوَاغِیْتِهِمْ وَالْعَتِیْرَةُ فِیْ رَجَبَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۹/۵۹٦۔ حدیث رقم ۵٤۷٤۔ ومسلم ۳/۱۵٦٤ حدیث رقم (۳۸۔ ۱۹۷٦)۔ وأبوداؤد فی السنن ۳/۲۵٦ حدیث رقم ۲۸۳۱۔ والترمذی ٤/۸۱ حدیث رقم ۱۵۱۲۔ والنسائی ۷/۱٦۷ حدیث رقم ٤۲۲۲۔ وابن ماجه ۲/۱۰۵۸ حدیث رقم ۳۱٦۸۔ والدارمی ۳/۱۱۰ حدیث رقم ۱۹٦٤۔ وأحمد فی المسند ۲/۲۳۹۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسلام میں فرع اور عتیرہ نہیں ہے۔ فرع جانور کا وہ پہلا بچہ ہے جو کافروں کے یہاں پیدا ہوتا تھا اور وہ اس کو اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے اور عتیرہ وہ جانور ہے جو رجب میں ذبح کیا جاتا تھا۔ (بخاری)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح: (عن ابی هريرة......لا فرع) یعنی اسلام میں فرع نہیں۔ فرع فآء اور عین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ ''فرع'' اونٹنی کے پہلے بچے کو کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے اس کی اور تعریف بھی کی ہے۔ بہر حال مشرکین زمانہ جاہلیت میں اس کو اپنے معبودوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ پھر جب اسلام کا سورج طلوع ہوا اور لوگ مسلمان ہونے لگے تو ابتدائے اسلام میں بھی مسلمان فرع کرنے لگے مگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ کر دیا مشابہت کی وجہ سے۔

(ولا عتيرة) عتیرہ اس بکری کو کہتے ہیں جس کو ماہ رجب میں مشرکین تقرباً الی الأصنام ذبح کرتے تھے، اور مسلمان بھی ابتدائے اسلام تقرباً الی اللہ اس کو ذبح کرتے تھے۔ پھر یہ منسوخ ہو گیا۔

(قال) اس کے فاعل ابو ہریرہؓ ہیں۔ اور الأزھار میں ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ قال کے فاعل ابو ہریرہ نہیں بلکہ قال کے بعد آنے والی تفسیر ابن شہاب کی ہے، یہی قول الخطابی کا ہے: الأعلام میں ہے کہ یہ تفسیر ابن رافعؓ کی ہے اور یہ کتاب مسلم میں بھی مذکور ہے، او بعض نے کہا کہ یہ تفسیر خود ابو ہریرہؓ کی ہی ہے۔ میرے نزدیک آخری قول یعنی ابو ہریرہؓ والا قول ہی زیادہ اُقرب اور راجح ہے اور امام بخاری اور امام ترمذی بھی یہی پسند کرتے ہیں۔

(كانوا يذبحونه لطواغيتهم) یاء کے سکون کے ساتھ، اور جمع ہے طاغوت کی یعنی وہ اُصنام کیلئے ذبح کرتے تھے جیسا کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کیلئے کرتے ہیں۔

(والعتيرة) رفع کے ساتھ۔

(في رجب شاة) یعنی وہ لوگ اس عتیرہ کو ماہ رجب میں ذبح کرتے تھے۔ علامہ ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ عتیرہ نام ہے ایک بکری کا جس کو مشرکین یہ کہتے ہوئے نذر کے طور پر ذبح کرتے تھے:

''ان كان كذا فعلي أن اذبح في رجب كذا'' (کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو ماہ رجب میں اس کو ذبح کروں گا)۔ اور اس کا نام عتیرہ رکھتے ہیں۔ پس یہ دونوں اسلام میں ممنوع قرار دے دیئے گئے۔ لیکن اس موقع پر حدیث نبیشہ کی وجہ سے ایک اشکال پیدا ہوتا ہے، پہلے حدیث سنئے فرماتے ہیں کہ:

''قال رجل يا رسول الله ان كنا نعتر عتيرةً في الجاهلية، في رجب ، فما تأمرنا؟''

ایک آدمی آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم زمانہ جاہلیت میں عتیرہ ذبح کرتے تھے اب ہمارے لئے کیا حکم ہے؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''اذبحوا لله في أى شهر كان وبروا لله وأطعموا'' (ابوداؤد)

اب تم اس جانور کو جس مرضی ماہ میں ذبح کرو اور اللہ کے ہاں اسکے ذریعے نیکی حاصل کرو۔ اور لوگوں میں اس کو تقسیم کرو۔

لیکن یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ یہ حدیث ابتدائے اسلام میں معمول بہ تھی مگر بعد میں اس کا حکم منسوخ ہو گیا، پس یہی اس کا جواب ہے۔ اور وجہ منسوخ ہونے کی ''تشبه بأهل الأصنام'' ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر کسی کو وسعت ہو تو وہ ضرور جانور ذبح کرے (یعنی عید الاضحیٰ کے علاوہ) کیونکہ اس میں فقراء محتاجین کا فائدہ ہے مگر ایک ماہ خاص کر لینا جیسا کہ مشرکین نے رجب کا ماہ کر رکھا تھا یہ درست نہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(متفق علیہ) اور علامہ میرک فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو چاروں ائمہ نے روایت کیا ہے۔

الفصل الثّانی:

عتیرہ منسوخ ہے

۱۴۷۸: عَنْ مِخْنَفِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ كُنَّا وُقُوْفًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَةَ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ عَلٰى كُلِّ اَهْلِ بَيْتٍ فِيْ كُلِّ عَامٍ اُضْحِيَّةٌ وَعَتِيْرَةٌ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا الْعَتِيْرَةُ هِيَ الَّتِيْ تُسَمُّوْنَهَا الرَّجَبِيَّةُ۔ (رواه الترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجة وقال الترمذی هذا حديث غريب ضعيف الاسناد وقال ابوداود) وَالْعَتِيْرَةُ مَنْسُوْخَةٌ۔

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۳/۲۲۶ حديث رقم ۲۷۸۸۔ والترمذی ۴/۹۹ حديث رقم ۱۵۱۸۔ والنسائی ۷/۱۶۷ حديث رقم ۴۲۲۴۔ وابن ماجه ۲/۱۰۴۵ حديث رقم ۳۱۲۵۔ وأحمد فی المسند ۴/۲۱۵۔

ترجمہ: حضرت مخنف بن سلیم فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میدان عرفات میں کھڑے تھے پس میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! ہر گھر والے پر ہر سال قربانی کرنا اور عتیرہ کرنا واجب ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ عتیرہ کیا ہے فرمایا عتیرہ وہ ہے کہ جس کو تم رجبیہ کہتے ہو۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ) اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب اور ضعیف ہے اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ عتیرہ منسوخ ہے۔

راویٔ حدیث:

مخنف بن سلیم۔ یہ ''مخنف'' ہیں سلیم کے بیٹے ہیں اور غامدی ہیں۔ ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے ''اصفہان'' کا حاکم مقرر فرمایا تھا۔ ان سے ان کے بیٹے اور ''ابورملہ'' نے روایت کی۔ ان کا شمار اہل بصرہ میں ہے۔ ''مخنف'' بروزن ''منبر'' ہے یعنی میم کے نیچے زیر' خائے معجمہ ساکن' نون پر زبر اور آخر میں فاء ہے۔ ''سلیم'' بصیغۂ تصغیر ہے۔

تشریح: (قال کنا وقوفًا) یعنی ہم ٹھہرے ہوئے تھے۔

(مع رسول اللہ ﷺ بعرفة) یعنی حجۃ الوداع میں۔

(فسمعته يقول يا ايها الناس ان على كل أهل بيت) ''انّ علی کل'' میں ''علیٰ'' وجوب کیلئے ہے۔

(فی کل عام) یعنی ہر سال۔

(أضحية وعتيرة......الرجبية) یعنی وہی ذبیحہ جس کے بارے میں ماقبل ذکر ہوا، اس کو آپ ﷺ نے ''رجبیہ'' اس لئے فرمایا کہ یہ منسوب تھا ماہ رجب کی طرف۔

(رواه الترمذی وابو داؤد والنسائی وابن ماجه وقال الترمذی: هذا حديث غريب) امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے حتی کہ علامہ میرک فرماتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو جانتے ہی نہیں مگر عون کے واسطے سے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ضعیف الاسناد) علامہ میرکؒ فرماتے ہیں کہ امام ترمذی کی طرف اس جملہ یعنی ''ضعیف الاسناد'' کی نسبت کرنے میں نظر ہے، کیونکہ امام ترمذی کی عبارت اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعدہ ہے:

''ھذا حدیث حسن غریب لا نعرف ھذا الحدیث مرفوعًا الا من ھذا الوجه من حدیث ابن عون''۔

پس اس عبارت میں ضعف کا حکم نظر نہیں آتا، اور یہی عبارت موجودہ بہت سے نسخوں میں پائی جاتی ہے اور اسی طرح ''صاحب التخریج'' نے نقل کیا ہے۔علامہ الخطابیؒ فرماتے ہیں: ضعف کی وجہ ابو رملۃ کا مخنف بن سلیم سے روایت کرنا ہے۔اور یہ مجہول ہیں، بالکل اسی طرح اس بات کو ذکر کیا ہے علامہ سیدؒ نے، جبکہ علامہ نوویؒ شرح المہذب میں فرماتے ہیں:

روی أبو داؤد باسانید صحیحة......''۔

ترجمہ: امام ابوداؤد نے اس مندرجہ ذیل حدیث کو صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے عتیرہ کے بارے میں پوچھنے والے کو جواب دیا:

''اذبحوا للّٰہ فی أی شھر کان''

ترجمہ: جس مرضی چاہے ماہ میں قربانی کرو (یہاں سے قربانی نفلی مراد ہے)،

میں (ملاعلی القاری) کہتا ہوں کہ فرع کا حکم دینا ٹھیک ہے لیکن تفصیل اس کی کچھ یوں ہوگی کہ اہل جاہلین تو سو اونٹوں پر ایک فرع دیتے ہیں جبکہ شریعت مطہرہ نے ہمیں پچاس اونٹوں پر ایک فرع کا حکم دیتی ہے، بلکہ اس کے ترک کو گناہ کبیرہ بتاتی ہے۔

نیز علامہ نووی یہ بھی فرماتے ہیں کہ صحیح وہی ہے جس پر امام شافعی ہیں اور احادیث بھی اسی کا تقاضا کرتی ہیں کہ ان دونوں کو مکروہ نہ کہا جائے بلکہ مستحب کہا جائے، یہی مذہب ہمارا ہے، جبکہ علامہ قاضی عیاض نے دعوی کیا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک فرع اور عتیرہ کا حکم دینا منسوخ ہو چکا ہے۔

(وقال ابو داؤد والعتیرة منسوخة) ایک نسخہ میں العتیرہ سے پہلے واؤ نہیں ہے۔علامہ ابوعبیدہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ عتیرہ اور فرع کے حکم کو علامہ سیدؒ کی نقل کردہ صحیح روایت نسخ کرتی ہے، روایت یہ ہے:

''لا فرع ولا عتیرة'' [أخرجه البخاری فی صحیحه]

علامہ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ عتیرہ اور فرع کے حکم والی حدیث اگر صحیح ہو بھی تو اس کو استحباب پر محمول کیا جائے گا۔

قربانی کا حکم:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث یعنی ''ان علی کل اھل بیت فی کل عام أضحیة'' سے قربانی کے وجوب کا قول کرتے ہیں کہ قربانی ہر مقیم پر جو کہ شہر رہتا ہو اور مالک نصاب ہو، واجب ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں: ہر مسافر پر بھی واجب ہے کیونکہ حدیث مطلق ہے۔ (اب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر قید لگانے کا اعتراض ہوگا پس غور سے پڑھئے ہم اس کا جواب پہلے ہی دے چکے ہیں)۔

اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں: سنة ~~مؤکدة ولا تجب~~ الا بالنذر۔ کہ قربانی سنت موکدہ ہے، واجب صرف اسی صورت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہوگی جب نذر مان لی جائے۔ دلیل ان کی دو احادیث ہیں، پہلی حدیث مندرجہ ذیل ہے:

"قال رسول اللّٰه ﷺ: الأضحى علی فريضة وعليكم سنة" ترجمہ: قربانی مجھ پر تو واجب ہے پر تم پر سنت ہے۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ بے شک قربانی حضور ﷺ پر واجب تھی مگر وہ اللہ تعالیٰ شانہ کے فرض کرنے کی وجہ سے تھی اور ہم پر جو قربانی واجب ہے وہ حضور ﷺ کی سنت کی وجہ سے ہے۔

دوسری حدیث:

"قال رسول اللّٰه: ثلاث كتبت علی، ولم تكتب عليكم الضحى والأضحى والوتر" (رواہ الطبرانی)

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جو مجھ پر فرض کی گئی ہیں مگر تم پر فرض نہیں: ① چاشت کی نماز۔ ② قربانی۔ ③ وتر کی نماز۔

ہم اس کے جواب میں عرض کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کا ارشاد بالکل ٹھیک ہے کہ وہ تین چیزیں آپ ﷺ پر تو فرض ہیں پر ہم پر فرض نہیں یعنی واجب ہیں جو کہ فرض سے کم ہے۔ پس یہ حدیث جس کو امام شافعی ہمارے خلاف پیش کرتے تھے یہ تو ہمارے ہی حق میں نکل آئی کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ چیزیں واجب ہیں فرض نہیں اور آنحضرت ﷺ نے بھی وہی فرمایا کہ یہ مجھ پر فرض ہیں تم پر نہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

الفصل الثالث:

۱۴۷۹: عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ بِيَوْمِ الْاَضْحٰى عِيْدًا جَعَلَهُ اللّٰهُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ قَالَ لَهٗ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ لَمْ اَجِدْ اِلَّا مَنِيْحَةً اُنْثٰى اَفَاُضَحِّيْ بِهَا قَالَ لَا وَلٰكِنْ خُذْ مِنْ شَعْرِكَ وَاَظْفَارِكَ وَتَقُصُّ شَارِبَكَ وَتَحْلِقُ عَانَتَكَ فَذٰلِكَ تَمَامُ اُضْحِيَّتِكَ عِنْدَ اللّٰهِ۔ (رواہ ابوداود والنسائی)

أخرجه أبو داؤد في السنن ۳/۲۲۷ حديث رقم ۲۷۸۹۔ والنسائی ۷/۲۱۲ حديث رقم ٤٣٦٥ وأحمد في المسند ۲/۱۶۹۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں قربانی کے دن کو عید بنالوں اللہ تعالیٰ نے اس دن کو اس امت کے لئے عید بنایا ہے تو ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر میں سوائے مادہ منیحہ جانور کے کچھ نہ پاؤں تو کیا پھر میں اس کی قربانی کرلوں تو فرمایا کہ نہیں لیکن تو اپنے بال کٹوالے اور اپنے ناخن تراش لے اور اپنی مونچھوں کو تراش لے اور زیر ناف بالوں کو مونڈ لے پس یہ تمام کے تمام اللہ کے ہاں آپ کی قربانی بن جائیں گے۔ (ابوداؤد۔ نسائی)

تشریح: (عن عبداللّٰه بن عمرو) عمرو واؤ کے ساتھ ہے قاعدہ ہے کہ جس عمر کے آگے واؤ لکھ دیا جائے وہ عمر، عمر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں بلکہ عمرو بن جاتا ہے۔

(أمرت بيوم الأضحى) یعنی مجھے اس دن کو عید بنانے کا حکم دیا ہے۔

(عيدًا جعله الله) ہ ضمیر کا مرجع یوم الاضحیٰ ہے۔

(لهذه الأمة) یعنی اس امت کیلئے اللہ تعالیٰ نے اس دن کو عید بنایا ہے۔ علامہ طیبیؒ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ عیدًا منصوب ہے اس فعل کی وجہ سے جو اس کے بعد آرہا ہے اور اس کیلئے مفسر بن رہا ہے، یعنی عبارت یوں ہوگی: ''بأن اجعله عيدًا''

مذکورہ بالا حدیث سے قربانی کا وجوب ثابت ہوتا ہے جو کہ ہمارا مذہب ہے اس سے وجوب کیسے ثابت ہوتا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ کیا آپ نے اس صحابی کا سوال نہیں پڑھا، اگر اس حدیث سے وجوب ثابت نہ ہوا ہوتا وہ صحابی کیونکر سوال کرتا، اور ایسی صورت میں ان کا سوال لغو چلا جاتا۔ پس ثابت ہوا کہ صحابی بھی وہی سمجھے تھے جو کہ ہم (ان کے قول سے) سمجھ سکے ہیں۔ یعنی وجوب۔

(قال له رجل يا رسول اللهﷺ أرأيت) اَرَاَیت بمعنی مجھے خبر دیجئے۔

(ان لم أجد الا منيحة) النہایۃ میں ہے کہ ''منيحة'' اس اونٹنی یا بکری کو کہتے ہیں جو ایک آدمی دوسرے آدمی کو نفع اٹھانے کیلئے دیتا ہے۔ تا کہ وہ اس سے دودھ وغیرہ حاصل کرے پھر بعد میں واپس کر دے۔ نیز منیحہ اس بھیڑ کو بھی کہتے ہیں جو ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کو دے تا کہ وہ ایک محدود زمانے تک اس کی اون وغیرہ سے نفع اٹھائے اور پھر واپس کر دے۔

(أنثى) کہا گیا ہے کہ لفظ ''انثى'' ''منيحة'' کی صفت ہے، اور اس کا منیحہ کی صفت ہونا منيحة کے مذکر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اگر چہ یہ دیکھنے میں مؤنث لگتا ہے بوجہ علامتِ تانیث کے۔

(افأضحى بها قال لا) علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ شاید یہاں منیحہ سے وہ منیحہ مراد ہے جس سے وہ نفع اٹھاتا تھا جب ہی تو آپ ﷺ نے منع فرما دیا کیونکہ اس کے پاس اس کے علاوہ اپنی ضروریات پوری کرنے کیلئے کچھ اور نہ تھا۔

(ولكن خذ من شعرك) عین کے فتحہ اور سکون دونوں کے ساتھ ہے۔

(وتحلق عانتك فذلك) اس اشارہ کا مشار الیہ وہ افعال ہیں جو ما قبل مذکور ہیں۔

(تمام أضحيتك عند الله) یعنی ان افعال کے بجالانے سے تجھے قربانی کا پورا ثواب ملے گا اگر چہ تو قربانی نہیں کر سکتا۔

حدیث کے ظاہری الفاظ سے عاجز کے علاوہ سب پر قربانی کا وجوب ثابت ہوتا ہے، اسی وجہ سے سلف کی ایک جماعت اس کی قائل ہوئی اور کہنے لگی: تجب حتى على المعسر (کہ قربانی سب پر واجب ہے حتی کہ تنگ دست پر بھی واجب ہے ، اور اس کی تائید ایک اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ایک صحابی نے حضور ﷺ سے پوچھا:

''يا رسول الله استدين وأضحى'' ترجمہ: یا رسول اللہ کیا میں قرض لے کر بھی قربانی کروں''۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! کیونکہ یہ بھی ایک قرض ہوتا ہے، جس کو ادا کرنا ضروری ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن حجر فرماتے ہیں: یہ حدیث ضعیف، مرسل ہے۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر یہ مرسل ہے تو ہمارے نزدیک حجت ہے اور اگر ضعیف ہے تو مؤید ہے اس لئے کہ ضعیف احادیث، فضائل میں مؤید کے طور پر ذکر کی جاسکتی ہیں۔ جبکہ جمہور کہتے ہیں کہ اسی کو مستحب پر محمول کیا جائے گا۔ نیز امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قربانی واجب نہیں مگر اس پر جو نصاب کا مالک، اور جمہور کہتے ہیں کہ یہ سنت مؤکدہ ہے، اور بعض نے کہا کہ یہ سنت کفایہ ہے۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

بَابُ صَلٰوةِ الْخُسُوْفِ

صلوٰۃ خسوف کا بیان

خسوف یعنی گرہن، چاند میں بھی ہوتا ہے اور سورج میں بھی۔ صحاح میں ہے کہ خسوف لغت میں کہتے ہیں آنکھوں کے اندر دھنس جانے کو اور سر کی جانب چڑھ جانے کو، اور جب چاند کی طرف نسبت کریں تو معنی گرہن لگنے کے ہوں گے۔ امام ثعلبؒ فرماتے ہیں کہ سورج کیلئے کسوف کا لفظ اور چاند کیلئے خسوف کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور یہی سب سے عمدہ ہے۔

قاموس میں ہے کہ جب سورج یا چاند کے بعض حصے کو گرہن لگے تو اس کیلئے خسوف کا لفظ اور جب مکمل سورج یا چاند کو گرہن لگے تو کسوف کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

لیکن مشہور وہی قول ہے کہ سورج کیلئے کسوف اور چاند کیلئے خسوف استعمال ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے: کسوف الشّمس اور خسوف القمر، نیز اولی یہاں پر مؤلف کیلئے یہ تھا کہ وہ خسوف کے بجائے کسوف کہتے یعنی باب صلوٰۃ الخسوف کے بجائے باب صلوٰۃ الکسوف فرماتے، کیونکہ اس باب میں ساری کی ساری احادیث کسوف الشّمس سے ہی متعلق ہیں۔ یا پھر مؤلف کو چاہیے تھا کہ وہ باب صلوٰۃ الخسوف کے بجائے باب صلوٰۃ الکسوف والخسوف فرماتے کیونکہ ان دونوں کا حکم ایک ہی ہے اکثر مسائل میں (واللہ اعلم)

علامہ میرکؒ فرماتے ہیں کہ کسوف میں سورج یا چاند کا رنگ سیاہی کی طرف مائل ہوتا ہے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ کسوف اور خسوف دونوں ایک دوسرے کے مترادف ہیں یا نہیں۔ علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں یہ دونوں ہم معنی ہیں، جبکہ بعض نے کہا کہ کسوف رنگ کے بدلنے اور خسوف سورج یا چاند کے گم ہوجانے کو کہتے ہیں۔ لیکن فقہاء کی اصطلاح میں مشہور یہی ہے کہ کسوف شمس کیلئے اور خسوف قمر کیلئے ہے۔

امام ثعلب نے بھی اسی کو پسند کیا ہے اور امام جوھری نے فرمایا کہ یہی اُفصح قول ہے۔

قاضی عیاض بعض سے حکایت کرتے ہیں کہ اس کا عکس ہے یعنی شمس کیلئے خسوف اور قمر کیلئے کسوف ہوتا ہے۔ بعض نے کہا کہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے پر بولا جاتا ہے اور جب ہم احادیث کو دیکھتے ہیں تو ان میں بھی ہمیں ان کا ذکر اکٹھا ہی ملتا ہے بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کسوف کا مدلول لغت کے اعتبار سے خسوف کے مدلول کا غیر نہیں ہے، کیونکہ کسوف کہتے ہیں رنگ کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیاہی کی طرف مائل ہونے کو اور خسوف کہتے ہیں نقصان کو، دونوں میں کسی قدر اشتراک ہے کیونکہ جب چیز سیاہ ہوتی ہے تو عام طور پر نظر نہیں آتی اور جب نقصان کی صورت میں کم ہوتی ہے تو تب بھی نظر نہیں آتی۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سبب کے باوجود ان دونوں کو مترادف نہیں کہا جا سکتا۔ اور بعض نے کہا کہ جب گرہن کی ابتداء ہو تو کسوف کہلاتا ہے اور جب انتہاء ہو تو خسوف کہلاتا ہے۔ (واللہ اعلم)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سنت مؤکدہ ہے، بعض نے کہا کہ یہ فرض کفایہ ہے، اور علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ صلاۃ العید تو واجب ہے اس لئے کہ اس کی تاکید یا نسبت صلاۃ الکسوف کے زیادہ ہے، اور صلاۃ الکسوف بذات خود جمہور کے نزدیک سنت ہے بغیر کسی اختلاف کے، یا پھر واجب ہے ایک قول کے مطابق۔ (فتح القدیر)

یہاں عموماً دو لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ خسوف، کسوف۔ کسوف کا اطلاق سورج گرہن پر ہوتا ہے اور خسوف کا اطلاق زیادہ تر چاند گرہن پر ہوتا ہے اور لغت کے اعتبار سے دونوں لفظوں کا اطلاق ایک دوسرے پر ہوتا ہے مثلاً کبھی چاند گرہن کو کسوف کہتے ہیں اور کبھی سورج گرہن کو خسوف کہتے ہیں۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ کسوف سورج گرہن کو کہتے ہیں اور خسوف چاند گرہن کو کہتے ہیں اس باب میں جتنی بھی احادیث نقل کی گئی ہیں ان کا تعلق سورج گرہن والی نماز سے ہے ایک حدیث چاند گرہن کے متعلق بھی ہے۔ اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ مصنف کو چاہئے تھا کہ باب صلوٰۃ الکسوف کا عنوان قائم کرتے۔

حکم:

جمہور کے نزدیک صلوٰۃ الکسوف سنت ہے اور احناف کے نزدیک یہ نماز دو رکعت با جماعت بغیر خطبہ کے پڑھی جائے گی اور دوسری نمازوں کی طرح ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ہوں گے اور صلوٰۃ خسوف کی احناف کے ہاں مستقل جماعت نہیں سب لوگ اکیلے اکیلے اپنے طور پر پڑھیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک صلوٰۃ کسوف اور خسوف دونوں جماعت کے ساتھ پڑھی جائیں گی اور دونوں میں خطبہ بھی ہوگا ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے بھی ہوں گے۔

الفصل الاول:

آنحضرت ﷺ نے صلوٰۃ کسوف طویل پڑھی

۱۴۸۰: عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ الشَّمْسَ خُسِفَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ مُنَادِيًا اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِيْ رَكْعَتَيْنِ وَاَرْبَعَ سَجَدَاتٍ قَالَتْ عَائِشَةُ مَا رَكَعْتُ رُكُوْعًا قَطُّ وَلَا سَجَدْتُّ سُجُوْدًا قَطُّ كَانَ اَطْوَلَ مِنْهُ۔ (متفق علیه)

أخرج البخاري في صحيحه ٥٣٨/٢۔ حديث رقم ١٠٥١ ومسلم في صحيحه ٦٢٧/٢ حديث رقم (٢٠۔ ٩١٠)۔ وأبو داؤد في السنن ٧٠٣/١ حديث رقم ١١٩٠۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج گرہن ہو گیا پس آنحضرت صلی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ علیہ وسلم نے ایک منادی کو بھیجا کہ وہ الصلوٰۃ جامعۃ کی ندا لگائے۔ (کہ اے لوگو! نماز جمع کرنے والی ہے) پس جب لوگ جمع ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھائی جن میں چار رکوع اور چار سجدے تھے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی اس سے لمبا رکوع نہیں کیا اور نہ ہی کبھی اس سے طویل سجدہ کیا ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: (عن عائشة قالت: ان الشمس خسفت) ایک نسخہ میں مجہول کا صیغہ ہے۔

(علی عهد رسول الله) یعنی ان کے زمانے میں۔

(ﷺ فبعث منادياً: الصلاة جامعة) یعنی وہ اس جملے کے ساتھ منادی کر رہا تھا، ابن ہمام کہتے ہیں کہ یہ اس لئے منادی کی گئی تھی کہ جو اب تک جمع نہ ہو سکا ہو وہ بھی اس جماعت میں مل جائے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں: ''الصلاة'' مبتداء ہے اور ''جامعة'' خبر ہے، ترجمہ یوں ہوگا کہ نماز لوگوں کو جمع کرنے والی ہے، اور جائز ہے کہ یہاں پر مقدر عبارت نکالی جائے۔ اور یوں کہا جائے ''الصلاة ذات جماعة'' یعنی یہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے انفرادی نہیں ہوتی۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں اس کو عید کی نماز کی طرح جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں، لیکن اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اختلاف ہے پس امام صاحب فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں جماعت نہیں ہوتی لوگ منفرداً نماز پڑھیں گے۔ اور امام مالکؒ نے امام صاحب سے موافقت کی ہے خسوف القمر میں اور اد کیا گیا ہے ان دونوں پر احادیث صحیحہ مسویہ بین الکسوفین کے ذریعے۔ علامہ ابن حجرؒ نے جو امام صاحب کی طرف یہ نسبت کی ہے کہ وہ کسوف الشّمس میں جماعت کے قائل ہیں درست نہیں چنانچہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ کسوف بالاتفاق مسجد میں یا عید گاہ میں جماعت کے ساتھ پڑھی جائے گی البتہ اوقات مکروہہ میں نہیں پڑھ سکتے۔

ہدایہ جلد ا صفحہ ۸۸ پر ''وليس في خسوف القمر جماعة'' کی عبارت بھی ملتی ہے اور اس کی تائید میں ابن الہمام فرماتے ہیں کہ دار قطنی نے جو حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ:

''أنهﷺ صلى في كسوف الشمس، والقمر ثمان ركعات في أربع سجدات واسناده جيد)

ترجمہ: حضور ﷺ نے کسوف الشّمس والقمر میں آئے (آٹھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ نماز پڑھی)۔ (اس کی سند جید ہے)۔

اور اسی طرح حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔

''ان رسول اللهﷺ كان يصلي في كسوف الشمس والقمر أربع ركعاتٍ وأربع سجدات''

[الدار قطنی ۶۳]

حضور ﷺ نے کسوف الشّمس والقمر میں چار رکوع والی نماز چار سجدوں کے ساتھ پڑھی۔

علامہ ابن القطان فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں سعید بن حفص ہیں جن کے احوال سے ہم ناواقف ہیں تو ان احادیث میں جماعت کے ساتھ پڑھنے کی کوئی تصریح موجود نہیں لہٰذا اس میں اُصل عدم جماعت ہی ہوگا جب تک کہ تصریح نہ ہو جائے۔ (فتح القدیر)۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(فتقدم) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے ہوئے۔

(فصلی أربع رکعات) یعنی چار رکوع۔

(فی رکعتین وأربع سجدات) یہ ذکر کرنے کا مقصد رکوع میں زیادتی بتاتا ہے نہ کہ سجدوں میں۔

(ما رکعت رکوعًا قط، ولا سجدت سجودًا قط، کان أطول منه) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خسوف کے رکوع اور سجود کو جتنا طویل کیا کسی اور نماز کے رکوع وسجود کو اتنا طویل کبھی نہیں کیا۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ الکسوف والخسوف دو رکعات کے ساتھ اسی صفت پر ہے۔ جس کو امام شافعیؒ اور امام احمدؒ ذکر کرتے ہیں۔ اور باقی رہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، تو آپ فرماتے ہیں یہ نماز دو رکعات ہیں، ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ہیں۔ نیز صلوۃ الخسوف والکسوف امام شافعیؒ اور امام احمد کے نزدیک جماعت کے ساتھ پڑھیں گے، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کسوف بھی انفرادی پڑھیں گے جب کہ امامِ جمعہ موجود نہ ہو، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسوف الشمس کی نماز جماعت کے ساتھ اور خسوف القمر علیحدہ علیحدہ یعنی بغیر جماعت کے پڑھی جائے گی، جبکہ رکوع ان دونوں نمازوں کے عام نمازوں کی طرف ہی ہوں گے۔

(متفق علیہ) ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ: امام ابوحنیفہ نے تکریر رکوع والی احادیث صحیحہ کے ہوتے ہوئے بھی تکریر رکوع کا قول نہیں کیا۔ لیکن میں (ملا علی القاریؒ) اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ اس کی تحقیق امام ابن الہمام کے مطابق یہ ہے، علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں:

”وعندنا أقلها رکعتان، کسنة الصبح ودلیل هذه خبر الحاکم......“۔

فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس کی کم از کم دو رکعات ہیں صبح کی نماز کی طرح اور دلیل اس کی وہ خبر ہے جس کو امام حاکم نے المستدرک میں جلد ۱ صفحہ ۲۳۵ پر ذکر کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے اور علامہ ذہبی نے بھی اس حدیث کے صحیح ہونے کا قول کیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے: حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعات نماز پڑھی، مثل تمہاری نماز کے، اور یہ روایت کسوف الشمس اور کسوف القمر دونوں کے بارے میں ہے، اور یہ بھی روایت صحیح ہے کہ ایک مرتبہ سورج گرہن ہوا:

”فخرج علیه السلام فزعا یجر ثوبه فصلی رکعتین فأطال فیهما القیام ثم انصرف وانجلت......“۔

ترجمہ: جب سورج گرہن ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر باہر تشریف لائے پھر دو رکعات نماز پڑھی، اور ان دونوں میں قیام خوب طویل کیا پھر واپس تشریف لے گئے اور سورج بھی اپنی اصلی حالت میں لوٹ آیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورج گرہن اور چاند گرہن اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں نشانی ہے پس جب تم یہ دیکھو تو نماز پڑھو جیسا کہ فرض نماز پڑھتے ہو۔

(النسائی: ۱۴۶۱)

پس اس حدیث میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی صریح دلیل موجود ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”فصلوا کأحدث صلاة صلیتموها من المکتوبة“ اور جب قول اور فعل دونوں چیزیں ہمارے سامنے ہوں تو قول کو فعل پر ترجیح ہوتی ہے۔ اور باقی رہی وہ احادیث جن میں رکوع کی تعداد زیادہ ہے وہ احادیث عقلاً بھی محل نظر ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ بعد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

النبوۃ ایک مدتِ قلیل ہے اور اتنی قلیل مدت میں سورج یا چاند گرہن کا بار بار ہونا عادتاً محال ہے۔ یہ بات یعنی عقلاً محال ہونے والی، اس لئے کہ کہیں کسی کے ذہن میں یہ بات نہ آئے کہ شاید حضور ﷺ نے کسی اور موقع پر نماز پڑھی ہو اور اس میں ایک رکعت میں دو رکوع کئے ہوں (واللہ اعلم)

نمازِ خسوف کا بیان

۱۴۸۱: وَعَنْهَا قَالَتْ جَهَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الْخُسُوْفِ بِقِرَاءَتِهِ۔

(متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۵۴۹۔ حديث رقم ۱۰۶۵۔ وأبوداؤد في السنن ۱/۷۰۲ حديث رقم ۱۱۸۸۔ والترمذي ۲/۴۵۲ حديث رقم ۵۶۳۔ والنسائي ۳/۱۴۸ حديث رقم ۱۴۹۴۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ خسوف کے اندر بلند آواز سے قراءت کی۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: (وعنها) یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

(قالت: جهر النبي ﷺ في صلاة الخسوف بقراء ته) بعض نے کہا کہ یہاں خسوف سے خسوف القمر مراد ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ رات کے وقت کا ہے، بہر حال آپ ﷺ نے اس میں قراءت بلند آواز سے کی، ابن الملک نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ جہراً قرآت مطلقاً ہے خواہ کسوف ہو یا خسوف۔ لیکن یہ مفہوم اس روایت کے مخالف ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے صلوٰۃ الکسوف اس طرح پڑھی کہ قراءت کی آواز کسی کو سنائی نہ دی، لیکن اس روایت پر ابن حبان کی روایت سے اعتراض ہوتا ہے، صحیح ابن حبان میں ہے ''أنه ﷺ جهر في كسوف الشمس'' کہ آپ ﷺ نے کسوف الشّمس میں جہراً قراءت کی''۔ علامہ ابن العربی ان دونوں روایتوں میں تطبیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اصل تو سراً ہی ہے مگر ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے جواز بیان کرنے کیلئے جہراً بھی کر دی۔ لیکن میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ اس حدیث کی صحت کے بارے میں توقف کیا جائے گا کیونکہ کتب احادیث میں ہمیں مختلف احادیث ملتی ہیں، باقی رہی یہ بات کہ کسی میں جہراً قراءت کی ہوگی اور کسی میں سراً تو اس کیلئے بہترین جواب یہ ہے کہ خسوف القمر میں جہراً قراءت ہوگی کیونکہ یہ رات کے وقت پڑھی جاتی ہے اور کسوف الشّمس میں سراً ہوگی کیونکہ یہ دن کے وقت پڑھی جاتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا سورج گرہن کے موقع پر لوگوں کے اعتقاد فاسد کی نفی کرنا

۱۴۸۲: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مَعَهٗ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا نَحْوًا مِّنْ قِرَاءَةِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ قَامَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ انْجَلَّتِ الشَّمْسُ فَقَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِيْ مَقَامِكَ هٰذَا ثُمَّ رَاَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ فَقَالَ اِنِّيْ رَاَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُوْدًا وَلَوْ اَخَذْتُهٗ لَاَكَلْتُمْ مِنْهُ مَابَقِيَتِ الدُّنْيَا وَرَاَيْتُ النَّارَ فَلَمْ اَرَ كَالْيَوْمِ مَنْظَرًا قَطُّ اَفْظَعَ وَرَاَيْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا النِّسَاءَ فَقَالُوْا بِمَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ؟قَالَ بِكُفْرِهِنَّ قِيْلَ يَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ وَيَكْفُرْنَ الْاِحْسَانَ لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰى اِحْدٰهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَاَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَاَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢/ ٥٤٠۔ حديث رقم ١٠٥٢۔ مسلم في صحيحه ٢/ ٦٢٦ حديث رقم (١٧۔ ٩٠٧)۔ وأبوداوٗد في السنن ١/ ٧٠٢ حديث رقم ١١٨٩۔ والنسائي في السنن ٣/ ١٣٧ حديث رقم ١٤٨٢۔ وابن ماجه ١/ ٤٠٢ حديث رقم ١٣٦٥ ومالك في الموطأ ١/ ١٨٧۔ حديث رقم ٢ من كتاب صلاة الكسوف وأحمد في المسند ١/ ٢٩٨۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہو گیا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ سورۂ بقرہ کی قراءت کی بقدر لمبا قیام کیا پھر لمبا رکوع کیا اور پھر رکوع سے اٹھ کر طویل قومہ فرمایا۔ لیکن یہ قیام یعنی قومے والا پہلے قیام سے کم تھا پھر طویل رکوع کیا جو کہ پہلے رکوع سے کم تھا پھر رکوع سے سر اٹھایا پھر سجدہ کیا پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے بہت طویل لیکن وہ پہلی رکعت سے قیام میں کم تھا اور پھر لمبا رکوع کیا جو کہ پہلے رکوع سے کم تھا پھر اپنا سر اٹھایا پھر سجدہ کیا پھر نماز سے فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ ان کو گرہن کسی کی موت کی وجہ سے نہیں لگتا اور نہ ہی کسی کی زندگی کی وجہ سے لگتا ہے۔ پس جب تم اس کو دیکھو تو اللہ کا ذکر کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے اپنی اس جگہ سے کسی چیز کو لینا چاہا پھر ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹ گئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں نے جنت دیکھی اور اس سے ایک انگور کا گچھا لینے کا ارادہ کیا اگر میں اس انگور کے گچھے کو لے لیتا تو بلاشبہ تم اسے رہتی دنیا تک کھاتے۔ اور میں نے جہنم کو دیکھا (یعنی جب تم نے مجھ کو پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا) میں نے کبھی بھی کوئی منظر نہیں دیکھا جو کہ آج کے دن کی طرح خوفناک ہو۔ اور میں نے دیکھا کہ دوزخ میں اکثر عورتیں ہیں صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کس وجہ سے فرمایا کہ ان کی ناشکری کی وجہ سے تو صحابہؓ نے عرض کیا کیا وہ اللہ کی ناشکری کرتی ہیں۔ فرمایا نہیں بلکہ وہ اپنے خاوندوں کی ناشکری کرتی ہیں اور نعمتوں اور احسان کی ناشکری کرتی ہیں اگر تم ان میں سے کسی ایک کے ساتھ پورا زمانہ حسن سلوک کرتے رہو اور پھر وہ تمہاری طرف سے کوئی ناگوارہ چیز دیکھ لے تو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہنے لگی میں نے کبھی بھی آپ کے پاس بھلائی نہیں دیکھی۔(بخاری، مسلم)

تشریح: (وعن عبداللّٰہ بن عباس قال: انخسفت الشمس) بخاری شریف میں اسی طرح ہے جبکہ مسلم شریف میں ''انخسفت'' کے بجائے ''انکسفت'' ہے جبکہ شرح السنۃ میں ''خسفت'' ہے۔

(علی عهد رسول اللّٰہﷺ فصلی رسول اللّٰہﷺ والناس معه فقام) ''قام'' ٹھہرنے کے معنی میں ہے۔

(قیامًا طویلاً) لفظ طویلاً یا تو قیامًا کی صفت ہے یا ''زمانا'' کی صفت ہے جو کہ مقرر ہے

(نحوًا) بمعنی تقریباً اور اس کا بیان آگے آنے والا قول ہے۔یعنی

(من قراء ۃ سورۃ البقرۃ) سورۃ البقرۃ کی مقدار کے برابر، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں دلیل ہے، وہ یہ کہ راوی نے حضورﷺ کی آواز سنی ہی نہیں کہ انہوں نے کیا پڑھا پس اگر آپ جہراً پڑھتے تو راوی اندازے سے سورۃ البقرہ کی مقدار کا کیوں بتاتا، پس راوی کا اندازاً مقدار کا بتانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ نماز سرّاً تھی۔

(ثم رکع رکوعًا طویلاً ثم رفع) یعنی سر رکوع سے اٹھایا۔

(فقام قیامًا طویلاً، وهو دون القیام الأوّل ثم رکع رکوعًا طویلاً وهو دون الرکوع الأوّل) یعنی ہر قیام اور رکوع اپنے بعد والے قیام و رکوع سے اَطول تھا۔

(ثم رفع) یعنی سر اوپر اٹھایا۔

(ثم سجد ثم قام) ایک نسخہ میں ثم قام کے بجائے ''فقام'' ہے۔یعنی آپ رکعت ثانیہ کیلئے کھڑے ہوئے۔

(قیامًا طویلاً وهو دون القیام الاوّل) ظاہر معنی ہے کہ یہاں پر قیام اول سے حقیقی اول نہیں بلکہ اضافی اول مراد ہے اور اسی طرح اس قول

(ثم رکع رکوعًا طویلاً وهو دون الرکوع الاوّل) میں بھی ہے یعنی یہاں بھی رکوع اول سے اضافی اول مراد ہے، خلاصہ یہ کہ تنزل تدریجاً پایا جا رہا تھا۔

(ثم رفع) یعنی سر مبارک قومہ کیلئے اٹھایا۔

(ثم سجد) یعنی دو سجدے کئے۔

(ثم انصرف وقد انجلّت الشمس) یعنی سورج دوبارہ سے روشن ہو گیا۔

(فقال ان الشمس والقمر) اس جملہ میں اشارہ ہے اس طرف کہ کسوف الشمس اور کسوف القمر کا حکم ایک ہی ہے۔

(آیتان) یعنی دو علامتیں ہیں

(من آیات اللّٰہ) اللہ کی نشانیوں میں سے یعنی اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ ہر چیز کا مالک ہے جس چیز کو چاہے، جیسے چاہے استعمال کرے اور حکم دے، لیکن مشرکین پھر بھی ایسے مالک کو چھوڑ کر دوسرے معبود بناتے ہیں افسوس ہے ایسے لوگوں پر۔

(لا یخسفان) مذکر کا صیغہ تغلیبًا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(لموت أحد) اس سے ''خیر'' مراد ہے۔

(ولا لحیاته) یعنی نہ ہی کسی شریر کی ولادت سے۔ شرح السنۃ میں ہے: لوگ زمانہ جاہلیت میں یہ گمان کرتے تھے کسوف الشمس اور کسوف القمر عالم میں کسی کی موت یا پیدائش کی وجہ سے یا پھر کسی کو خیر یا شر ملنے کی طرف مشیر ہوتے ہیں، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان تمام گمانوں کو باطل قرار دے دیا اور فرمایا: (فاذا رأیتم ذلك فاذكروا الله) یعنی اوقات مکروہ کے علاوہ میں نماز کے ذریعے سے اللہ کو یاد کرو اور اسی طرح تہلیل، تسبیح، تکبیر، استغفار اور سارے اَذکار سے اللہ کو یاد کرو۔ نیز آئندہ آنے والی روایت یعنی ''فادعوا الله وكبروا، وصلوا'' میں موجود اَمر استحباب پر دلالت کرتا ہے اسی لئے صلوۃ الکسوف بالاتفاق سنت ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ گرہن کے وقت میں ذکر اللہ اور نماز کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دراصل مشرکین کے غلط عقائد کو باطل کرنے کیلئے ہے کہ یہ مشرک جو سمجھتے ہیں بالکل غلط ہے بلکہ سب کچھ اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے، اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، اور جب اللہ کی نشانی ظاہر ہو تو ڈرنا چاہیے اور نماز وغیرہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

''وما نرسل بالآیات الا تخویفاً'' (الاسراء۔۵۹)

پس جب کوئی خوف دامن گیر ہو تو اللہ کا خوف دل میں بٹھاؤ اور نماز تکبیر، تہلیل، تسبیح کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ جیسا کہ ماقبل مذکورہ حدیث میں ہے۔ اور یاد رہے کہ نماز ایسی عبادت ہے جو بہت سے اذکار اور دعاؤں کو جمع کرنے والی ہے، اور بہت سے ایسے افعال کو شامل ہے جن پر اللہ تعالیٰ کو پیار اور رحم آتا ہے پھر اس کی وجہ سے اس پر آئی ہوئی پریشانی کو ختم فرما دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پریشانی کے وقت آپ ﷺ نماز کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

(قالوا: یا رسول الله رأیناك تناولت شیئاً) یعنی آپ ﷺ نے کسی چیز کو لینے کا ارادہ کیا اور اس کو پکڑنا چاہا۔

(فی مقامك هذا) یعنی اس جگہ ہی میں جہاں آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ جبکہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ نماز کی جگہ کا نہیں بلکہ اس جگہ کا ہے جہاں آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر وعظ و نصیحت کیلئے جلوہ افروز ہوئے تھے۔

(ثم رأیناك تكعكعت) یعنی پہلے آپ کو دیکھا تھا کہ آپ ﷺ کسی چیز کو لینے کی کوشش کر رہے تھے اور اب دیکھا کہ آپ ﷺ کسی چیز کو اپنے آپ سے دور فرما رہے ہیں اور دور دھکیل رہے ہیں۔ جب آپ ﷺ سے یہ پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا

(وقال انی رأیت الجنة) رؤیۃ یہاں پر مشاہدہ یا مکاشفہ کے معنی میں ہے

(فتناولت) میں نے اس کو لینے کا ارادہ کیا

(منها عنقوداً) انگور کا گچھا یعنی جب میں جنت کے انگوروں کا گچھا دیکھا تو اسے پکڑنا چاہا اور اپنی جگہ سے تھوڑا سا آگے بڑھا۔

(ولو أخذته) ہٗ کی ضمیر عنقود کی طرف راجع ہے۔

(لاكلتم) اس سے ساری امت مراد ہے۔

(منه ما بقیت الدنیا) یعنی جب تک دنیا باقی ہے وہ انگور کا ایک گچھا پوری امت کیلئے کافی ہو جاتا، علامہ طیبیؒ فرماتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ یہ خطاب عام ہے صحابہ کے ساتھ ساتھ قیامت تک آنے والے تمام لوگ مراد ہیں کیونکہ حدیث میں ''ما بقیت الدنیا'' کے الفاظ ہیں۔ یہاں پر ایک اشکال ہوسکتا ہے کہ انگور کا ایک گچھا میری امت کیلئے قیامت تک کیلئے کافی ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟
علامہ قاضی عیاضؒ اس کے دو جواب دیتے ہیں: ① جب گچھے میں سے ایک دانہ توڑا جائے گا تو اللہ تعالیٰ شانہ اپنی قدرت سے اس کی جگہ ایک اور دانے کا گچھے میں اضافہ کر دیں گے۔ الغرض گچھے میں انگور کم ہونے ہی نہیں پائیں گے، ایک کی جگہ دوسرے اگتے رہے گے۔ ② اللہ تعالیٰ اس انگور کے گچھے کو اس طرح تا قیامت باقی رکھیں گے کہ اس کا ایک دانہ زمین میں دبایا جائے گا پھر اس سے درخت اگے گا اس طرح اس کی نوع تا قیامت باقی رہے گی اور لوگ اس سے کھاتے رہیں گے۔
محدثین فرماتے ہیں کہ اگر حضور ﷺ انگور کے اس گچھے کو پکڑ لیتے اور صحابہ کو عطا فرماتے دیتے تو اس سے صحابہ کو ایمان بالغیب کی جو فضیلت حاصل تھی اس میں کمی آجاتی اور یہ ایمان بالغیب کے بجائے ایمان بالمشاہدہ بن جاتا جو کہ ایمان بالغیب سے ادنیٰ واسفل ہے۔

(ورأيت النار) اور جب میں نے آگِ جہنم کو دیکھا تو میں اسے اپنے سے دور کرنے لگا بوجہ اس کی شدت حرارت کے

(فلم أر كاليوم) یعنی آج کے دن

(منظرًا قطّ) یعنی جیسی شدت اور حرارت آج کے دن دیکھی اس جیسی حرارت وشدت اس کے علاوہ نہیں دیکھی۔

(أفظع) بمعنی أشد اور أکرہ۔

(ورأيت اكثر أهلها) یعنی مسلمانوں میں سے یا پھر مطلقاً انسانوں میں سے۔

(النسآء) اس پر طبرانی شریف کی ایک حدیث کی وجہ سے اشکال ہوسکتا ہے حدیث یہ ہے کہ ''ان أدنى أهل الجنة يمسى على زوجتين من نسآء الدنيا'' کہ ادنیٰ سے جنتی کو جنت میں دنیا کی عورتوں میں سے دو بیویاں ملیں گی جن کے ساتھ وہ وقت گزارے گا تو اب یہ کہنا کہ جہنم میں زیادہ عورتیں ہوگی یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ بلکہ طبرانی کی اس حدیث سے تو عورتوں کا جنت میں کثرت سے ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ابتداءً جہنم میں عورتوں کی کثرت ہی ہوگی مگر بعد میں وہ جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہوتی رہیں گیں اس طرح ایک وقت آئے گا کہ جنت میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہوجائے گی۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ایک ہوتا ہے کسی کام کا بالقوۃ ہونا اور دوسرا بالفعل ہونا، تو یہاں پر بالقوۃ مراد ہے، یعنی بالقوۃ تو عورتیں ہی کثرت کے ساتھ جہنم میں ہوگیں پھر اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمادیں گے اور جنت میں داخل فرمادیں گے۔ (واللہ اعلم)۔

(قالوا) ایک صحیح نسخہ میں ''فقالوا'' ہے۔

(بِمَ؟) یعنی کس عمل کے سبب؟

(يا رسول الله قال: بكفرهن قيل، يكفرن بالله قال يكفرن العشير) یعنی شوہر کی ناشکری اور ناقدری کرتی ہیں۔

(ويكفرن الاحسان) علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا عطف ہے سابقہ جملے پر ایک اجنبی طریق کے مطابق جیسا کہ کہا جاتا ہے ''زيدو كرمه'' اور یہاں کفر سے مراد ''شکر کی ضد'' ہے جس کی تفصیل یہ قول

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(لو أحسنت) ہے، کہ اگر تم اچھا سلوک کرو، اور اس صیغہ میں خطاب عام ہے ہر وہ شخص اس میں داخل ہے جو احسان کرے۔

(الٰی احداھن الدھر) یعنی ہمیشہ یا ایک طویل زمانے تک ان سے احسان کرو۔

(ثم رأت منك شیئًا) مگر پھر کسی موقع پر تمہاری طرف سے معمولی سی کوئی بات بری لگ جائے تو سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہیں۔ اسی بات کو حضور ﷺ نے:

(قالت ما رأیت منك خیرًا قط) کے الفاظ سے تعبیر کیا یعنی یوں کہتی ہیں کہ مجھے تو ساری عمر تیری طرف سے کبھی کوئی خوشی ملی ہی نہیں۔

(متفق علیہ) علامہ میرکؒ فرماتے ہیں: اور اس کو ابوداؤد اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

خسوفِ شمس کی صورت میں دعا تسبیح اور نماز میں مشغول ہو جانا چاہئے

۱۴۸۳: وَعَنْ عَائِشَةَ نَحْوَ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَتْ ثُمَّ سَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدِ انْجَلَّتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَايَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا ثُمَّ قَالَ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ مَا مِنْ اَحَدٍ اَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ اَنْ يَّزْنِىَ عَبْدُهٗ اَوْ تَزْنِىَ اَمَتُهٗ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ لَوْتَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۵۲۹۔ حدیث رقم ۱۰۴۴۔ ومسلم فی صحیحه ۲/۶۱۸ حدیث رقم (۱۔۹۱) والنسائی ۳/۱۳۲ حدیث رقم ۱۴۷۴۔ ومالك فی الموطأ ۱/۱۸۶ حدیث رقم ۱ من کتاب صلاة الکسوف ۔ وأحمد فی المسند ۳/۳۷۴۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا روایت کی طرح مروی ہے اور اماں جان فرماتی ہیں کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے پھر لمبا سجدہ کیا پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تعریف کی پھر ارشاد فرمایا بے شک سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ان دونوں کو کسی کی موت یا کسی کی زندگی کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ لہٰذا جب تم اس کو دیکھو تو اللہ سے دعا کرو اور اللہ کی بڑائی بیان کرو اور نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔ پھر فرمایا اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قسم ہے اللہ کی کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں ہے جبکہ زنا کرتا ہے اس کا کوئی بندہ یا زنا کرتی ہے اس کی کوئی بندی اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر تم وہ جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم بہت ہی کم ہنسو اور البتہ بہت ہی زیادہ روؤ۔

تشریح: (وعن عائشة نحو حدیث ابن عباس) "نحو" رفع کے ساتھ ہے یعنی گزشتہ حدیث کے مثل حضرت عائشہ سے بھی مروی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(وقالت: ثم سجد فأطال السجود، ثم انصرف وقد انجلت الشمس) یعنی سورج صاف ہوگیا۔

(فخطب الناس) یعنی لوگوں کو خطبہ دینے کا ارادہ کیا۔

(فحمد اللّٰہ) یعنی شکر کیا۔

(وأثنی علیه ثم قال ان الشمس والقمر آیتان، من آیات اللّٰہ لا یخسفان لموت أحد، ولا لحیاته فاذا رأیتم ذلك فادعوا اللّٰہ) یعنی اس کی عبادت کرو اور یاد رہے کہ سب سے افضل عبادت "نماز" ہے، جمہور کے ہاں یہ امر استحباب کیلئے ہے، امام ابن اہمام فرماتے ہیں کہ: الأسرار میں اس امر کو وجوب کیلئے لایا گیا ہے کیونکہ حدیث میں "اذا رأیتم شیئاً من هذه فافزعوا الی الصلوة" کہ جب تم ایسے حالات دیکھو تو نماز کی طرف متوجہ ہو جاؤ، کے الفاظ ہیں، جن سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ علامہ ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں دعا کا حکم اس لئے دیا کہ جب انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ دل کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس حالت میں دعا قبولیت کے زیادہ قریب ہو جاتی ہے۔

(وکبروا) اللہ کی عظمت بیان کرو، یا اللہ اکبر کہو کیونکہ یہ جہنم کی آگ ٹھنڈا کرتا ہے۔

(وصلوا) یعنی صلوٰۃ الکسوف یا الخسوف۔

(وتصدقوا) یعنی فقراء پر صدقہ کرو، اس حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے واقعات عام طور پر اغنیاء کو ڈرانے کیلئے رونما ہوتے ہیں کیونکہ صدقہ تو امیر شخص ہی کر سکتا ہے، نیز کثرتِ دولت کی وجہ سے ان کے قلوب غافل ہو چکے ہوتے ہیں اور ان کا ذہن متوجہ ہی نہیں ہوتا مگر اس قسم کے عبرتناک واقعات سے۔

(ثم قال یا أمة محمد واللّٰہ ما من أحد أغیر) فتحہ کے ساتھ، بعض نے کہا رفع کے ساتھ ہے یعنی أشد غیرة۔

(من اللّٰہ) غیرت دو طرح کی ہوتی ہے۔ (۱) ایک وہ جو انسانوں سے متعلقہ ہے اس کی تعریف "کراهة شرکة الغیر فی حقه" ہے۔ ۞۲ غیرت کی دوسری قسم کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہے اس کی تعریف "کراهة مخالفة أمره ونهیه" ہے۔ یعنی اللہ سے غیرت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے منع کردہ کام کو کرتے ہوئے یا اس کے حکم کردہ کام کو چھوڑتے ہوئے شرم محسوس ہو اور اس کو دل سے برا جانے۔

(أن یزنی) یہ أغیر سے متعلق ہے یعنی "علی أن یزنی"

(عبده أو تزنی امته) آدمی اور عورت دونوں کو الگ الگ ذکر کیا۔

(یا أمة محمد واللّٰہ لو تعلمون ما أعلم) یعنی میں جو اللہ کے عذاب ومغفرۃ اور قیامت کی ہولناکیوں کے بارے میں جانتا ہوں اگر تم بھی جان جاؤ تو

(لضحکتم قلیلاً) ہنسنا کم کر دو یا بالکل چھوڑ دو، دونوں مراد لئے جا سکتے ہیں۔

(ولبکیتم کثیراً متفق علیه) ورواہ ابوداؤد والنسائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورج گرہن کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پریشانی کا طاری ہونا

١٤٨٤: وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزِعًا يَخْشٰی اَنْ تَكُوْنَ السَّاعَةُ فَاَتَی الْمَسْجِدَ فَصَلّٰی بِاَطْوَلِ قِيَامٍ وَّرُكُوْعٍ وَّسُجُوْدٍ مَا رَاَيْتُهٗ قَطُّ يَفْعَلُهٗ وَقَالَ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ الَّتِیْ يُرْسِلُ اللّٰهُ لَا تَكُوْنُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ وَلٰكِنْ يُّخَوِّفُ اللّٰهُ بِهَا عِبَادَهٗ فَاِذَا رَاَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَافْزَعُوْا اِلٰی ذِكْرِهٖ وَدُعَائِهٖ وَاسْتِغْفَارِهٖ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ٢/٥٤٥۔ حديث رقم ١٠٥٩۔ ومسلم فی صحيحه ٢/٦٢٨ حديث رقم (٢٤-٩١٢)۔ وأبو داوٗد فی السنن ١/٦٩٥ حديث رقم ١١٧٧۔ والنسائی ٣/١٥٣ حديث رقم ١٥٠٣ وابن ماجه ١/٤٠١ حديث رقم ١٢٦٣۔

ترجمه: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ سورج کو گرہن لگ گیا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پریشانی کی حالت میں کھڑے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح خوف میں مبتلا تھے جیسا کہ قیامت قائم ہو گئی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں آئے تو طویل قیام اور رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز پڑھی اور میں نے ایسا کرتے ہوئے کبھی بھی آپ کو نہیں دیکھا (یعنی اتنا لمبا رکوع اور سجدہ اس سے پہلے آپ نے کبھی نہیں کیا) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نشانیاں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے یہ نہ کسی کی زندگی (یعنی پیدائش) کی وجہ سے ہوتی ہیں اور نہ ہی فوت ہونے کی وجہ سے ہوتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ پس جب تم ان میں سے کوئی نشانی دیکھو تو اللہ سے ڈرتے ہوئے جلدی اس کے ذکر اور اس سے دعا مانگنے اور استغفار کرنے میں مشغول ہو جاؤ۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: (وعن أبی موسی قال خسفت الشمس) رفع کے ساتھ ہے فاعل ہونے کی وجہ سے۔

(فقام النبی ﷺ فزعًا) بمعنی خائفًا، آپ ﷺ کا یہ ڈرنا، امت کو سکھانے کیلئے تھا کہ جب کوئی ایسا امر پیش آئے تو اللہ ہی سے ڈرو اور اسی طرف متوجہ ہو جاؤ، اور اس وجہ سے تھا کہ آپ ﷺ کائنات میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے عذاب و رحمت کو جاننے والے تھے۔

(یخشی) ایک نسخہ میں نخشی ہے بمعنی نخاف یعنی ہم سب ڈرے۔

(أن تكون الساعة) تکون منصوب ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ "یخشی أن تکون الساعة" راوی کی جانب سے ہے آنحضرت ﷺ کا نہیں کیونکہ آپ ﷺ تو قیامت کے بارے میں جانتے تھے کہ جب تک آپ ﷺ ان میں ہیں قیامت قائم نہیں ہوگی، بلکہ آپ ﷺ کا یہ گھبرانا امت کو سمجھانے کیلئے تھا اور آپ ﷺ جانتے تھے کہ پہلی امتوں پر جب عذاب آیا تو اسی طرح کی نشانیاں ظاہر ہوتی تھیں۔ علامہ المظہر فرماتے ہیں کہ یہ کہنا: "یخشی أن تکون الساعة" خطا ہے کیونکہ ابو موسیٰ (جو کہ راوی ہیں) کیا جانے کہ حضور ﷺ کے دل میں کیا تھا؟ یہ تو صرف ان کا اپنا ایک ظن اور خیال ہے جو کہ صحیح نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ واقعہ ان آیات کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے اور جب تک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ امت میں موجود ہیں قیامت نہ آنے کا وعدہ کیا ہے، تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ اس کے راوی ابوموسیٰ ہیں اور ابوموسیٰ فتح خیبر کے بعد ایمان لائے تھے حالانکہ آپ ﷺ فتح خیبر سے پہلے ہی نصرت کامیابی اور آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے قیامت کے نہ آنے کی خبریں امت کو سنا چکے تھے۔ پھر بعض لوگوں نے اس جملے کی نسبت حضور ﷺ ہی کی طرف کرتے ہوئے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ سے ان وعدے اور نصرتوں والی اخبار کا ذھول ہو گیا ہو۔

اور یہ بھی ممکن ہے راوی سے ذھول ہو گیا ہو کیونکہ اسی روز آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کا انتقال ہوا تھا اور آپ ﷺ کا پریشان ہونا اسی وجہ سے تھا۔ پس اسی وجہ سے بعض لوگوں کو گمان ہوا کہ شاید کسوف آپ ﷺ کے صاحبزادے کے انتقال کی وجہ سے ہوا ہے تو آپ ﷺ نے لوگوں کا عقیدہ درست کرتے ہوئے فرمایا: أيتان من آيات الله......"

علامہ میرک فرماتے ہیں کہ اگر ہم "يخشى" یعنی معروف غائب کے صیغے کو مجہول یا متکلم معروف کا صیغہ مان لیں تو کوئی اشکال وارد نہ ہوگا اور ایسی صورت میں یہ الفاظ حضور ﷺ کے نہ ہوں گے بلکہ راوی ہی کے ہوں گے جو کہ ایک راوی اپنی روایتیں سمجھانے کیلئے بولا کرتا ہے۔ والله اعلم بحقيقة الحال۔

(فأتى المسجد) یعنی مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لائے، اس موقع پر آ کر حافظ ابن حجر العسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اس جملہ "فأتى المسجد" میں رد ہے ان لوگوں کا جو انفرادی نماز کے قائل ہیں۔ لیکن ان کا یہ قول مردود ہے۔ اس قول کی وجہ سے جو ما قبل گزر چکا یعنی "انه أجمعوا على أن صلاة الكسوف، تصلى بجماعة في الجامع"۔

(فصلى بأطول قيام وركوع وسجود) مطلب ظاہر ہے کہ ہر رکعت میں رکوع، قیام اور سجود طویل کئے۔

(ما رأيته قط يفعله) "رأيته" میں ہٗ ضمیر کا مرجع حضور ﷺ کی ذات بابرکت ہے۔

(فقال) یعنی نماز کسوف سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا۔

(هذا الآيات) یعنی کسوف، زلزلے، آندھیاں وغیرہ

(التي يرسل الله) یعنی اللہ تعالیٰ ایسی نشانیاں بھیجتے ہیں جس طرح ان سے پہلی امتوں کے پاس نشانیاں بھیجیں تھیں۔

(لاتكون لموت أحد ولا لحياته) حیات سے مراد ولادت ہے۔

(ولكن يخوف الله بها) ھاء کا مرجع "آيات الله" ہے۔

(عباده) اس سے اشارہ ہے اس طرف کہ سبب صرف اللہ کا اپنے بندوں کو ڈرانا ہے۔ لہٰذا علم فلکیات و نجوم والے جو اپنے اندازے، تخمینے اور اسباب بتاتے ہیں وہ درست نہیں، علامہ ابن العربی المالکی اور سیف الآمدی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے جبکہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں یعنی اللہ تعالیٰ کا ڈرانے کیلئے ایسا کرنا اور علم فلکیات کا حساب و کتاب، ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں۔ بلکہ اس سے تو مزید اللہ کی قدرت پر یقین میں اضافہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام ایک نظام کے تحت چل رہا ہے اور ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے اس میں ذرہ برابر کمی بیشی نہیں ہوتی۔

(فاذا رأيتم شيئاً من ذلك) یعنی جب تم وہ علامات دیکھو تو

(فافزعوا) اس کے عذاب سے پناہ مانگو اور ڈر واور رجوع کرو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(الی ذکرہ) یعنی نماز کی طرف متوجہ ہو جاؤ
(ودعائہ واستغفارہ۔ متفق علیہ)
ورواہ النسائی ذکرہ میرکؒ۔

صلوٰۃ کسوف کے بارے میں ایک روایت

۱۴۸۵: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ سِتَّ رَكْعَاتٍ بِاَرْبَعِ سَجْدَاتٍ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٢/٦٢٣ حديث رقم ١٠/٩٠٤۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار مدینہ کے زمانہ میں سورج گرہن ہو گیا۔ جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو چھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ نماز پڑھائی۔ (مسلم)

تشریح: (وعن جابرؓ قال......مات ابراھیم) یہ واقعہ سن دس ہجری کا ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کی عمر آٹھ سال اور ایک ماہ یا کچھ اس سے زیادہ تھی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کا انتقال ہوا وہ مہینہ کا دسواں دن تھا جیسا کہ اور بھی بعض حفاظ نے کہا ہے مگر اس قول کو بعض لوگوں نے رد کیا ہے علم ہیئت والوں کے اعداد و شمار کی وجہ سے کیونکہ ہیئت والے کہتے ہیں کہ گرہن ہمیشہ، مہینے کے ساتویں، آٹھویں، نویں یا دسویں دن ہوتا ہے، اس کے علاوہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں مگر یہ خلاف عادت ہو جس کو خارق عادت کہا جاتا ہے۔

(ابن رسول اللہ ﷺ) یہاں پر ابن ہمزہ کو ثابت رکھا گیا یہ درست نہیں کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب ابن سے ماقبل اور مابعد میں ابوت اور بنوت کا رشتہ ہو تو ہمزہ گر جاتا ہے اور اس کے علاوہ میں باقی رہتا ہے۔

(فصلی بالناس ست رکعات بأربع سجدات) رکعات سے مراد رکوع ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعات پڑھیں اور ہر رکعت میں تین رکوع کئے یوں چھ رکوع ہوئے اور چار سجدے ہوئے۔ علامہ طیبیؒ کی یہ تشریح اس حدیث کے ظاہر کے بالکل مطابق ہے۔ اگرچہ یہ بھی کلام سے خالی نہیں جس کو آگے ذکر کیا جائے گا۔ امام شافعیؒ اور اکثر اہل علم کہتے ہیں کہ جب خسوف یعنی گرہن زیادہ لمبا ہو جائے تو جائز ہے کہ ہر رکعت میں تین، پانچ اور چار رکوع کرلے جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔

لیکن علامہ میرکؒ فرماتے ہیں کہ: مذکورہ بالا قول شافعیہ کے ہاں مفتیٰ بہ قول کے مخالف ہے جیسا کہ ان کی کتابوں مثلاً المنہاج، المحرر، العجالۃ اور الفونوی وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔ (یاد رہے کہ المنہاج دراصل المحرر کی مختصر ہے، المنہاج کے مؤلف امام نوویؒ (۶۷۶) ہیں اور المحرر کے مؤلف علامہ القزوینی (۶۲۳) ہیں۔

لیکن میں (ملاعلی القاری) کہتا ہوں کہ مذکورہ بالا قول امام نووی اور ان کے ماننے والوں کے ہاں مفتیٰ بہ قول کے عین

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطابق ہے، مخالف نہیں ہے جیسا کہ میرکؒ نے کہا۔ لیکن شافعیہ کے اس قول میں مجھے اشکال ہے وہ یہ کہ ہمیں پہلے ہی سے کیسے پتہ چلے گا کہ یہ خسوف لمبا ہوگا؟ کہ ہم تین، چار یا آٹھ رکوع کریں۔ نیز اس باب کی ساری احادیث کسوف الشمس کے بارے میں ہیں، اور اہل عقل کے نزدیک اتنی سی کم مدت میں کسوف شمس کا بار بار ہونا ناممکن ہے۔ (رواہ مسلم)

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ان دو حدیثوں اور ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو، دو رکعات کر کے بار بار نماز پڑھتے رہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے یہاں تک سورج سے گرہن دور ہو گیا اور سورج صاف ہو گیا، پس یہ حدیث امام شافعیؒ اور ان کے اکثر ساتھیوں کے قول کے خلاف ہے کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ اگر کسوف لمبا ہو جائے اور آپ ایک دفعہ نماز پڑھ چکے ہوں تو دوبارہ نماز نہیں پڑھ سکتے اور نہ ہی مطلقاً دو رکوعوں پر زیادتی کر سکتے ہو، جیسا کہ دو رکوعوں میں کمی نہیں کر سکتے اگر تم ان دو رکوعوں کی نیت کر چکے ہو اگرچہ سورج سے گرہن ہٹ ہی کیوں نہ جائے۔ لیکن امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"لا مساغ لحمل هذه الأحاديث على بيان الجواز الا اذا......"

کہ کوئی گنجائش نہیں ان احادیث کو بیان جواز پر محمول کرنے کیلئے مگر یہ کہ اس واقعہ کا متعدد ہونا مانا جائے، حالانکہ یہ واقعہ متعدد نہیں کیونکہ صلوٰۃ الکسوف سے متعلق ساری احادیث کا مرجع صرف وہ ایک نماز ہی ہے جو کہ آپ ﷺ نے اس دن پڑھی تھی جب آپ ﷺ کے پیارے صاحبزادے ابراہیم علیہ السلام کا وصال ہوا تھا، پس اب لازم ہے کہ ہم ترجیح دیں فقط دو رکوعوں والی اَخبار کو کیونکہ یہی سب سے زیادہ صحیح اور مشہور ہیں،

لیکن میں (ملاعلی القاری) کہتا ہوں کہ نہیں (بلکہ اب لازم یہ ہے کہ ہم ترجیح دیں فقط ایک رکوع والی اَخبار کیونکہ ایک رکوع ہی اَصل ہے اور تحقیق اس کے بارے میں اَخبار قولاً و فعلاً ہر دو طریق سے وارد ہو چکی ہیں جیسا کہ پہلے گزرا جبکہ دوسری قسم کی تمام اَخبار مضطرب ہیں اور مختلف الآثار ہیں۔ پھر فرمایا کہ فقہ جمع کرنے والوں اور حدیث جمع کرنے والوں مثلاً ابن منذر وغیرہ کے درمیان اختلاف ہوا، پس ان میں سے بعض نے اس واقعہ کے متعدد ہونے کا قول کیا، اور ان روایات جن میں رکوع کی تعداد میں زیادتی یا خود نماز کو مکرر پڑھنے کا ذکر تھا، کو محمول کیا بیان جواز پر، اور اسی قول کو امام نووی نے شرح مسلم وغیرہ میں مضبوط قرار دیا ہے"۔

لیکن ایک بات ضرور ہے کہ اس واقعہ میں تعدد عقلی دلائل کے ساتھ بغیر نقلی دلائل کے ثابت نہیں ہو سکتا۔ یعنی اگر ہمارے پاس اس کے تعدد پر نقلی دلائل نہ ہوں صرف عقلی دلائل ہوں تو ہم اس میں تعدد ثابت نہیں کر سکتے۔ واللہ الموفق۔

۱۴۸۶: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ ثَمَانَ رَكْعَاتٍ فِيْ اَرْبَعِ سَجْدَاتٍ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٢/٦٢٧ حديث رقم (١٨ـ ٩٠٨)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے وقت آٹھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ نماز پڑھائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۴۸۷: وَعَنْ عَلِيٍّ مِثْلَ ذٰلِكَ۔ (رواہ مسلم)

اور حضرت علیؓ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ (مسلم)

تشریح: (وعن علی مثل ذلك) یعنی حضرت علیؓ سے بھی حضرت ابن عباس کی روایت کے مثل مروی ہے۔ لیکن میں (ملا علی القاری) کہتا ہوں کہ اس موقع پر دو صورتیں بنتی ہیں ایک تو یہ کہ حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ کی روایات میں معنی مماثلت ہے یا پھر لفظاً۔ پس اگر معناً تھی تو مؤلف پر یہ حق بنتا تھا کہ وہ "وعن علی مثل ذلك" کے بجائے "وعن علی نحوه" فرماتے، اور اگر مماثلت لفظاً تھی تو زیادہ مناسب یہ تھا کہ پہلے حضرت علیؓ کی روایت نقل کرتے پھر بعد میں اگر حضرت ابن عباسؓ روایت نقل کرنا چاہتے تو یوں فرماتے:

"وعن ابن عباس مثل ذلك" واللہ اعلم۔ (رواہ مسلم)

(وعن عبد الرحمٰن بن سمرة قال: كنت أرتمي) یعنی میں تو اس سے تیر چلا رہا تھا۔

سورج گرہن کے وقت آنحضرت ﷺ کی طویل دعا

۱۴۸۸: وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنْتُ اَرْتَمِي بِاَسْهُمٍ لِي بِالْمَدِيْنَةِ فِي حَيَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِذَا كَسَفَتِ الشَّمْسُ فَنَبَذْتُهَا فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَاَنْظُرَنَّ اِلٰى مَاحَدَثَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كُسُوْفِ الشَّمْسِ قَالَ فَاَتَيْتُهٗ وَهُوَ قَائِمٌ فِي الصَّلَاةِ رَافِعٌ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يُسَبِّحُ وَيُهَلِّلُ وَيُكَبِّرُ وَيَحْمِدُ وَيَدْعُوْ حَتّٰى حُسِرَ عَنْهَا فَلَمَّا حُسِرَ عَنْهَا قَرَاَسُوْرَتَيْنِ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ۔ (رواه مسلم في صحيحه عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ وَكَذَا فِي شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ وفي نسخ المصابيح عن جابر بن سمرة)۔

أخرجه مسلم في صحيحه ٢/٦٢٩۔ حديث رقم (٢٦۔ ٩١٣)۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں اپنے تیروں کے ساتھ تیراندازی کر رہا تھا کہ اچانک سورج گرہن ہو گیا تو میں نے تیروں کو پھینک دیا اور دل میں کہا کہ اللہ کی قسم میں ضرور دیکھوں گا کہ سورج گرہن کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا حالت طاری ہوتی ہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے نماز میں کھڑے تھے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم تسبیح پڑھ رہے تھے۔ لا الہ الا اللہ۔ اللہ اکبر اور الحمد للہ پڑھ رہے تھے اور دعا فرما رہے تھے یہاں تک گرہن سورج سے ہٹ گیا پس جب سورج گرہن کا اندھیرا دور ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سورتیں پڑھیں اور نماز پڑھائی۔ (اس روایت کو امام مسلم نے اپنے کتاب صحیح مسلم میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے نقل کیا ہے اسی طرح شرح السنۃ میں بھی ان سے ہی ہے اور مصابیح کے بعض نسخوں میں جابر بن سمرہؓ سے منقول ہے)۔

تشریح: (باسهم) سہام کی جمع ہے۔

(لي بالمدينة) اس میں دونوں احتمال ہیں کہ یا تو وہ اس کے لیے تھے یا پھر ایک جماعت کے ساتھ تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(فی حیاۃ رسول اللہ ﷺ) یعنی بتانا چاہتے ہیں کہ میرا یہ تیر چلانا اپنی مرضی سے نہ تھا بلکہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرتے ہوئے ہی یہ کام کر رہا تھا کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

''وأعدوا لهم ما استطعتم من قوّة'' [الانفال۔۶۰]

اور نبی کریم ﷺ نے بھی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تیراندازی کو بیان فرمایا اور فرمایا کہ:

''من تعلم الرمي فتركه فليس منا''

ترجمہ: کہ جس نے تیراندازی سیکھی پھر اسے چھوڑ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔

(اذا كسفت الشمس فنبذتها) یعنی جب کسوف الشمس ہوا تو میں نے تیراندازی چھوڑ دی۔

(فقلت) اپنے دل سے کہا ''یا'' اپنی ساتھی سے کہا۔

(واللہ لأنظرن) یعنی میں ضرور دیکھوں گا۔

(لرسول اللہ ﷺ فی کسوف الشمس، قال فاتیته وهو قائم فی الصلوة، رافع يديه) یعنی نماز کی ہیئت میں کھڑے ہوئے تھے، چہرہ مبارک قبلہ کی طرف تھا اور لوگوں کا ایک بڑا مجمع آپ ﷺ کے پیچھے صفیں باندھے کھڑا تھا۔ ''یا'' پھر یہاں نماز سے دعا مراد ہے۔ کیونکہ نماز میں دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں (ہمارے مذہب کے مطابق)۔

لیکن حافظ صاحبؒ کی یہ بات محض تکلف ہے کیونکہ آگے صحابی کا قول آرہا ہے کہ ''فلما حسر عنها قرأ سورتين وصلى ركعتين'' یعنی جب سورج کا گرہن دور ہوگیا تو آپ ﷺ نے نماز پڑھی اور حافظ صاحبؒ پہلے ہی نماز پڑھنے کا فرما رہے ہیں۔

(فجعل يسبح ويهلل ويكبر، ويحمد ويدعو حتى حسر) یعنی جب کسوف زائل ہوگیا۔

(عنها) اور سورج صاف ہوگیا، ھا ضمیر شمس کی طرف راجع ہے۔

(فلما حسر عنها قرأ سورتين وصلى ركعتين) اس جملہ میں واؤ ترتیب کیلئے نہیں بلکہ مطلق جمع کیلئے ہے، تو ترجمہ یوں ہوگا کہ آپ ﷺ نے دو رکعات نماز پڑھی اور اس یں دو سورتیں پڑھیں، لیکن یہ نماز کسوف کے زائل ہونے کے بعد تھی۔ اور یہ روایت ماقبل ساری احادیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان میں کسوف کے وقت میں نماز پڑھنے کا ذکر تھا، اب ان دونوں قسم کی احادیث میں رفع تعارض کیلئے علامہ طیبیؒ یہ توجیہہ بیان کرتے ہیں کہ:

''آنحضرت ﷺ نماز میں داخل ہو چکے تھے، اور قیام اول میں ٹھہرے ہوئے تھے اور اسی حالت میں لمبی لمبی تسبیح، تحلیل، تکبیر اور تحمید کر رہے تھے یہاں تک خسوف ختم ہوگیا۔ پس جونہی خسوف زائل ہوا تو آپ ﷺ نے قرآن پڑھا پھر رکوع کیا پھر سجدے کئے پھر رکعت ثانیہ کیلئے کھڑے ہوگئے اور اس میں پھر قرآن پڑھا، پھر رکوع کیا، سجدے کئے تشہد کیا اور سلام پھیر دیا''۔

لیکن یہ اس سب کے منافی ہے جو اس سے پہلے علامہ طیبیؒ اور ان کے علاوہ اور حضرات بیان کر چکے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس نماز میں متعدد رکوع کئے تھے جب کہ کسوف طویل ہو رہا تھا، اور پہلے تو یہ بھی گذر چکا ہے کہ آپ ﷺ نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ سورج صاف ہوگیا، اور صحیحین کے حوالے سے ایک روایت گذری تھی کہ آپ ﷺ کے نماز سے فارغ ہونے سے قبل ہی سورج

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گرہن دور ہو چکا تھا۔
اس روایت کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے، علامہ میرک فرماتے ہیں کہ اس روایت کو امام ابوداؤد اور امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

(عن عبدالرحمٰن بن سمرة وكذا في شرح السنة) یعنی امام بغویؒ کی شرح السنۃ

(عنه) یعنی عن عبدالرحمٰن

(وفي نسخ المصابيح عن جابر بن سمرة) یعنی المصابیح کے ایک نسخہ میں عبدالرحمٰن بن سمرۃ کے بجائے حضرت جابر بن سمرۃ ہیں۔ لیکن مؤلف فرماتے ہیں کہ میں نے صحیح مسلم، کتاب الحمیدی اور شرح السنۃ میں الجامع میں ان دونوں روایتوں کو تلاش کیا تو ہر کتاب میں عبدالرحمٰن بن سمرۃ کی روایت کو پایا مگر کسی ایک جگہ بھی مجھے جابر بن سمرۃ کی روایت نہ مل سکی (اس کو علامہ طیبیؒ نے بھی ذکر کیا ہے)۔

الهدايۃ (جلد ا صفحہ ۸۸) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت ہے جو کہ امام شافعیؒ کی دلیل ہے، اور ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ائمہ ستہ نے بھی ذکر کیا ہے چنانچہ روایت یہ ہے:

"عن عائشة رضي الله عنها: قالت خسفت الشمس في حياة رسول الله ﷺ فخرج رسول الله ﷺ......"

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں سورج گرہن ہوا، تو آپ ﷺ مسجد کی طرف نکلے، پھر کھڑے ہوئے، پھر تکبیر کہی، پھر لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے صفیں بنائیں، پھر آپ ﷺ نے لمبی قراءت کی، پھر تکبیر کہی اور رکوع میں چلے گئے اور طویل رکوع کیا۔ پھر رکوع سے سر اٹھایا اور فرمایا: سمع الله لمن حمده، ربنا ولك الحمد، پھر کھڑے ہو گئے اور طویل قراءت کی، یہ قراءت پہلی قراءت سے کچھ کم تھی، پھر آپ ﷺ نے اس قراءت کے بعد پھر تکبیر کہی اور رکوع میں چلے گئے اور طویل وقت تک رکوع میں رہے مگر یہ پہلے رکوع کی بانسبت کچھ کم طویل تھا، پھر آپ ﷺ نے سر اٹھاتے ہوئے سمع الله لمن حمده کہا پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کیا جس طرح پہلی رکعت میں کیا تھا، پس اس طرح آپ ﷺ نے چار رکعات اور چار سجدات پورے کئے اور سلام پھیرنے سے پہلے پہلے سورج کا گرہن دور ہو چکا تھا۔ پھر سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور لوگوں کے سامنے خطبہ پڑھا جس میں اللہ کی حمد وثناء اس کی شان کے مطابق کی اور لوگوں سے فرمایا کہ یہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، نہ ہی کسی کی موت سے ان کو گرہن لگتا ہے اور نہ ہی کسی کی پیدائش سے، پس جب ان کو گرہن کی حالت میں دیکھو تو اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ"۔ (فتح القدير ۲/ ۵۳)

لیکن الهدایہ (جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۸۸) ہی میں ہماری ایک دلیل ہے جو کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، ابن ہمام اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام الترمذی نے شمائل میں اس کو ذکر کیا ہے حدیث یہ ہے:

"عن عطاء بن السائب عن أبيه، عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال: انكسفت الشمس، على عهد رسول الله ﷺ فقام عليه الصلاة والسلام فلم يكد يركع لم ركع......"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: حضرت عطاء بن السائب اپنے والد سے، ان کے والد حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں:
ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے دور میں سورج گرہن ہوا، پس آپ ﷺ نماز میں کھڑے ہو گئے اور اتنا طویل قیال کیا کہ یوں محسوس ہونے لگا کہ اب آپ ﷺ رکوع نہ کریں گے مگر آپ ﷺ نے رکوع کیا اور اتنا طویل رکوع کیا کہ یوں محسوس ہونے لگا کہ اب آپ ﷺ رکوع سے سر نہ اٹھائیں گے مگر آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا اور اتنا طویل قومہ کیا کہ یوں محسوس ہونے لگا کہ اب آپ ﷺ سجدہ نہ کریں گے مگر آپ ﷺ نے سجدہ فرمایا اور سجدہ بھی اتنا ہی طویل کیا آخر کار اس طرح ایک رکعت مکمل کی اور دوسری رکعت میں بھی ایسے ہی کیا۔

اس حدیث کی تخریج امام الحاکم نے بھی کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور ابوداؤد والنسائی نے اس کو روایت کیا ہے حضرت سمرۃ بن جندب سے، پس حدیث یہ ہے:

''عن سمرة بن جندب قال بينا أنا و غلام من الأنصار......''

حضرت سمرۃ بن جندب فرماتے ہیں کہ میں اور انصار میں سے ایک غلام، ہم دونوں تیر اندازی کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ سورج ایک ''تنّومة'' (نون کی تشدید کے ساتھ) یعنی درخت کی طرح ہو گیا، ہم میں سے ایک نے کہا کہ: آؤ مسجد میں چلتے ہیں، اللہ کی قسم! حضور ﷺ کی امت میں اس سورج کی ضرور بہ ضرور کوئی نہ کوئی شان اور معاملہ ہوگا یعنی آؤ آپ ﷺ سے مسجد میں جا کر اس سورج کے بارے میں معلوم کرتے ہیں۔ حضرت سمرۃ فرماتے ہیں جب ہم مسجد میں پہنچے تو دیکھا کہ حضور ﷺ نماز پڑھا رہے تھے۔ پس آپ ﷺ نے اتنا طویل قیام کیا کہ پہلے کبھی ایسا نہ کیا تھا، اور ہمیں آپ ﷺ کی قراءت کی کوئی آواز نہیں آرہی تھی، پھر آپ ﷺ نے دوسری رکعت میں بھی ایسے ہی کیا، حتی کہ سورج اپنی اصلی حالت میں لوٹ آیا اس حال میں کہ آپ ﷺ دوسری رکعت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے سلام پھیرا، پھر اللہ کی حمد و ثناء بیان کی اور فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہی عبادت کے لائق ہے اور میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ (ابوداؤد ۱/۱۰۷)

اور ابوداؤد ہی میں ایک حدیث حضرت نعمان بن بشیر کی ہے جو کہ مشکوۃ میں بھی ہے اور اس کا رقم الحدیث ۱۴۹۳ ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک اور حدیث ہے جس کو ابوداؤد نے قبیصہ الھلالی سے روایت کیا ہے کہ: ایک مرتبہ کسوف الشمس ہوا، پس آپ ﷺ نے دو رکعات نماز پڑھی اور اس میں قیام کو خوب طویل کیا، آخر کار سلام پھیرا جبکہ سورج سے گرہن دور ہو چکا تھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: یہ سورج گرہن وغیرہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں، اور مقصد اپنے بندوں کو ڈرانا ہوتا ہے، پس جب تم یہ دیکھو تو نماز پڑھو جس طرح کہ تم نے ابھی ابھی ایک فرض نماز پڑھی تھی (یعنی فجر کی نماز) (ابوداؤد ۱/۱۰۷ رقم الحدیث ۱۱۸۵)

اور امام بخاریؒ نے حضرت ابوبکرۃ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ خسوف الشمس ہوا نبی کریم ﷺ کے زمانے میں، پس آپ ﷺ مسجد کی طرف نکلے اور آپ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی پھر سورج سے گرہن ہٹ گیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ چاند و سورج اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں اور مقصد اللہ کا اپنے بندوں کو ڈرانا ہوتا ہے، پس جب ایسے ہوں تو نماز پڑھو یہاں تک کہ سورج صاف ہو جائے۔

ان سب روایات کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ ساری احادیث صحیح اور حسن ہیں، یعنی بعض صحیح ہیں اور بعض حسن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ بہر حال اس مسئلہ کا دار و مدار تین امور پر ہے: ① حضور ﷺ نے دو رکعات نماز پڑھی۔ ② حکم دینا صلوۃ الشمس ارتفاع شمس کے وقت ہوتا ہے یعنی جب سورج دو نیزوں کے برابر بلند ہو جائے اس وقت گرہن ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت سمرۃؓ کی روایت میں ہے۔ پس آپ ﷺ کے اس طرح حکم دینے سے بطور فائدہ کے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سنت دو رکعات ہی پڑھنا ہے۔ اور دونوں رکعتوں میں ایک ایک رکوع کرنا ہی سنت ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فجر کی نماز کی طرف اشارہ کیا تھا۔

③ تیسرا امر یہ ہے کہ وہ روایات جن میں رکوع متعدد ہونے کا ذکر ہے، ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہے، یا تو وہ احادیث جن میں تعدد رکوعات کا ذکر ہے، قوت میں ان سے کم ہیں جن میں تعدد رکوع کا ذکر نہیں ہے، یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ تعدد رکوع والی احادیث اُقوی ہیں عدم تعدد رکوع والی احادیث سے۔

پس اگر پہلی صورت ہو یعنی تعدد والی روایات قوت میں کم ہوں تو لازماً عدم تعدد والی احادیث کو ترجیح ہوگی، اور اگر تعدد رکوع والی احادیث اُقوی ہوں تو اس کے دو جواب ہیں۔

① ہم مانتے ہیں کہ ان احادیث میں بڑی قوت پائی جاتی ہے کیونکہ کتب ستہ میں سے ہر ایک میں یہ روایت موجود ہے، مگر عدم تعدد والی روایات میں بھی قوت کم نہیں ہے خاص طور پر امام بخاری والی روایت، اور اسی طرح نسائی، ابوداؤد والی روایات حسن کے درجے سے کم نہیں ہیں، اور اگر معنی کے اعتبار سے دیکھیں تو عدم تعدد والی روایات بھی کتب خمسہ میں پائی جاتی ہیں اور یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ معنی ہی مقصود اور منظور الیہ ہوتا ہے، الفاظ تو فقط معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ عدم تعدد والی اُحادیث ہی کو ترجیح ہوگی۔ (واللہ اعلم)

② تعدد رکوع والی جتنی بھی احادیث ہیں سب میں اضطراب ہے، وہ اس طرح کہ ان کا ایک راوی کہتا ہے حضور ﷺ نے دو رکوع کئے تھے ایک رکعت میں، دوسرا کہتا ہے کہ ایک رکعت میں تین رکوع کئے تھے تیسرا کہتا ہے کہ چار رکوع کئے تھے، چوتھا کہتا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک رکعت میں پانچ رکوع کئے تھے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ ہم کس کو لیں اور کس کو چھوڑیں، پس اس طرح ان احادیث میں اضطراب ہے لہٰذا یہ احادیث مرجوح ہوں گی اور عدم تعدد والی راجح ہوں۔

اشکال: اور اب اگر یہ اشکال کیا جائے کہ اس طرح تو کسوف سے متعلقہ مطلقاً روایات میں اضطراب پایا جاتا ہے، تو اب کیا کیا جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اب ہم اصل اور معہود کی طرف رجوع کریں گے اور ضمناً یہ دیکھیں گے کہ ان تمام روایات میں آخر وہ کون سا حکم ہے جو متحد اور مشترک ہے، تو جب ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد "فصلوا حتی ینکشف مابکم" کہ نماز پڑھو یہاں تک سورج سے گرہن دور ہو جائے، مشترک ہے تو اب اس مسئلہ کو اطلاق ہی پر باقی رکھا جائے گا، اور نماز کسوف ہو یا خسوف ایک رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے کئے جائیں گے جیسا کہ عام فرض نمازوں میں کئے جاتے ہیں۔

فائدہ: ساری کی ساری مذکورہ بالا بحث سے قطع نظر کرتے ہوئے آپ صرف یہ سوچئے کہ تعدد والی روایات میں اضطراب آخر کیوں پیدا ہوا؟ اس اضطراب کی وجہ جلدی سے ذہن میں نہیں آتی کیوں کہ تاریخ گواہ ہے کہ کسوف والا واقعہ حضور ﷺ کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حیات طیب میں ایک مرتبہ پیش آیا تھا، تو آخر ان روایات میں اضطراب اور اختلاف کیوں ہے؟ کوئی راوی دو رکوع بتاتا ہے، کوئی تین، ایسا کیوں؟

جواب: محدثین اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دراصل اس وقت جماعت میں کثرت سے صحابہ موجود تھے، کئی صفیں تھیں جن میں صحابہ کھڑے تھے، اور حضور ﷺ قراءت سرًّا کرنے کے ساتھ ساتھ طویل قیام اور رکوع اور سجود فرما رہے تھے، جب آپ ﷺ رکوع میں گئے اور رکوع خوب طویل کیا تو تھوڑی دیر بعد سب سے اگلی صف والے صحابہ یہ سمجھے کہ ہوسکتا ہے آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھالیا ہو اور ہمیں پتہ نہ چلا ہو، یہ سوچ کر انہوں نے سر اٹھایا مگر جب اٹھ کر دیکھا کہ آپ ﷺ رکوع ہی میں ہیں تو یہ اگلی صف والے پھر دوبارہ رکوع میں چلے گئے، اب یوں دوسری صف میں موجود صحابہ یہ سمجھے کہ شاید حضور ﷺ نے دو رکوع کئے ہیں حالانکہ آپ ﷺ نے تو ایک ہی طویل رکوع کیا تھا، پس اس طرح دوسری صف والے صحابہ نے جب آگے روایات بیان کرنا چاہی تو دو رکوعوں کا ذکر کیا۔ الغرض اس طرح جس صحابی نے جو دیکھا اس نے اتنی ہی دفعہ رکوع کرنے کا ذکر کر دیا، اب ان میں سے کچھ ایسے تھے جنہوں نے تین دفعہ اٹھ اٹھ کر دیکھا تھا پس ان تین دفعہ اٹھ اٹھ کر دیکھنے والوں کو جس نے دیکھا اس نے تین رکوعوں کا ذکر کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ اسی طرح چار اور پانچ تک کی تعداد ہم تک پہنچی، پس یہ تھی اضطراب کی وجہ۔

اس اضطراب کی وجہ سے ہمارا مذہب اور بھی نکھر کر سامنے آگیا کہ ایک رکعت میں ایک ہی رکوع ہے۔ (واللّٰہ اعلم بحقیقۃ الحال) [فتح القدیر ۲/۵۳-۵۵]

سورج گرہن کے وقت صدقہ

۱۴۸۹: وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَتْ لَقَدْ اَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْعِتَاقَۃِ فِیْ کُسُوْفِ الشَّمْسِ۔ (رواہ البخاری)

أخرجہ البخاری فی صحیحہ ۲/۵۴۳۔ حدیث رقم ۱۰۵۴۔ وأحمد فی المسند ۶/۳۴۵۔

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف شمس کے وقت غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ (بخاری)

تشریح: بالعتاقۃ) عین کے فتحہ کے ساتھ بمعنی غلام آزاد کرانا۔

(فی کسوف الشمس) اس لئے کہ غلام آزاد کرنا یا کرانا اور اسی طرح باقی تمام بھلائی کے کام اللہ کے عذاب کو دور کرتے ہیں۔ (رواہ البخاری)

الفصل الثانی:

صلوٰۃ کسوف میں قرآن آہستہ آواز میں پڑھنا مسنون ہے

۱۴۹۰: عَنْ سَمُرَۃَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ صَلّٰی بِنَارَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ کُسُوْفٍ لَا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نَسْمَعُ لَهُ صَوْتًا۔ (رواه الترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجة)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۷۰۱ حدیث رقم ۱۱۸٤۔ والترمذی فی السنن ۲/٤٥١ حدیث رقم ٥٦٢۔ والنسائی فی السنن ۳/۱٤۱ حدیث رقم ۱٤٨٤۔ وابن ماجه ۱/٤٠٢ حدیث رقم ۱۲٦٤ وأحمد فی المسند ٥/۱٦۔

ترجمه: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کسوف شمس کے موقع پر نماز پڑھائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت نہیں سنی جا رہی تھی۔ (یعنی پست آواز میں قراءت تھی جیسا کہ عام دن کی نمازوں میں ہوتی ہے)۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: (عن سمرة بن جندب) جیم کے ضمہ اور دال کے فتحہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ۔

(قال صلّی بنا رسول اللّٰه ﷺ فی کسوف) یعنی سورج گرہن میں

(لا نسمع له صوتًا) اس سے دلالت ہوتی ہے اس پر کہ امام قراءت جہراً نہ کرے گا، یہی مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے نیز امام وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ اسی پر حدیث ابن عباسؓ دلالت کرتی ہے جس کو امام احمد اور امام ابویعلی نے اپنے مسندین میں روایت کیا ہے، حدیث یہ ہے:

"صلیت مع النبی ﷺ فلم أسمع منه حرفًا من القرآءة" (احمد فی المسند ۱/۲۹۳)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ صلوۃ الکسوف پڑھی مگر ہم نے آپ ﷺ سے قراءت کا حرف بھی نہیں سنا۔

اور ابونعیم نے "الحلیة" میں حضرت ابن عباس ہی سے روایت کیا فرماتے ہیں:

"صلیت الی جانب رسول اللّٰه ﷺ یوم کسفت الشمس فلم أسمع له قرآءة"

اس روایت میں بھی قراءت جہراً کی نفی ہے۔

لیکن جب ہم مزید گہرائی میں جاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں حضرت عائشہ سے ایک روایت منقول ہے وہ یہ کہ:

"قالت: جهر النبی ﷺ فی صلوة الخسوف بقراءته" (بخاری رقم الحدیث ۱۰۶۵، مسلم رقم الحدیث ۹۰۱۵)

کہ نبی کریم ﷺ نے صلوۃ الخسوف میں جہراً قراءت کی۔

نیز بخاری شریف میں اس مذکورہ بالا حدیث سے دو حدیثیں پہلے حضرت اسماء کی حدیث ہے وہ فرماتی ہیں کہ:

"جهر علیه الصلوة والسلام فی صلوٰة الکسوف"۔

اس روایت میں صلوٰۃ الکسوف کے جہراً پڑھنے کا ذکر ہے۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے بلکہ اس کو حسن اور صحیح کہا ہے اور ابوداؤد اور ترمذی میں اس کے الفاظ یہ ہیں:

"صلی صلوٰة الکسوف، فجهر فیها بالقرأة" (ابوداؤد، رقم الحدیث ۱۱۸۸)

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اب ~~السیملیت~~ میں تعارض پایا گیا اور جب تعارض پایا جاتا ہے تو اصل کی طرف رجوع

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں، اور اصل دن کی نمازوں میں اخفاء ہے۔ پس اس اختلاف کے باوجود قراءت سرًا ہوگی اور سرًا والی احادیث ہی کو ترجیح ہوگی بوجہ اصل وقانون کے، [فتح القدیر] (رواہ الترمذی) علامہ ابن الہمام بھی اس کو صحیح اور حسن مانتے ہیں اور امام ترمذی بھی۔ (وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

کسی حادثہ کے وقت سجدہ کرنا

١٤٩١: وَعَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ قِيلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَاتَتْ فُلَانَةُ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَّ سَاجِدًا فَقِيلَ لَهُ تَسْجُدُ فِي هٰذِهِ السَّاعَةِ فَقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَأَيْتُمْ آيَةً فَاسْجُدُوْا وَاَيُّ آيَةٍ اَعْظَمُ مِنْ ذِهَابِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رواہ ابوداود والترمذی)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ١/٧٠٦ حديث رقم ١١٩٧۔ والترمذی ٥/٦٦٥ حديث رقم ٣٨٩١۔

ترجمہ: حضرت عکرمہؓ سے منقول ہے کہ جب ابن عباسؓ سے کہا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے ایک (یعنی حضرت صفیہؓ) فوت ہوگئی تو آپؓ یہ سن کر فوراً سجدہ میں گر پڑے پس آپؓ سے عرض کیا گیا آپ اس وقت کیوں سجدہ میں گر پڑے تو فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم کوئی حادثہ یا کرشمہ خداوندی کو دیکھو تو سجدہ کرو ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے بڑا حادثہ اور کیا ہوگا۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

تشریح: (وعن عكرمة) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

(قال: قيل لابن عباس ماتت فلانة) یعنی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا، اور بعض نے کہا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا مراد ہیں۔

(بعض ازواج النبی ﷺ) "بعضُ" رفع کے ساتھ ہے بدل ہونے کی وجہ سے یا بیان ہونے کی وجہ سے یا خبر ہونے کی وجہ سے مبتداء محذوف کیلئے۔ اور اس کو منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں تقدیر یعنون کی وجہ سے۔

(فخر) یعنی گر پڑے، چلے گئے

(ساجدًا) سجدے میں چلے گئے۔

(فقيل له تسجد) اس میں حرف استفہام محذوف ہے۔

(في هذه الساعة) یعنی فوتگی کے موقع پر سجدہ کرنا واجب تو نہیں، پھر آپ رضی اللہ عنہ سجدے میں کیوں گر پڑے؟

(فقال: قال رسول الله ﷺ: اذا رأيتم آية) یعنی کوئی ڈرانے والی علامت، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں یہاں علامات سے وہ علامات مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانے کیلئے ظاہر کرتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے کسی کی وفات انہیں علامات میں سے ہے کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت اور صحبت کا شرف حاصل کیا تھا، اور تحقیق ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں اور میرے صحابہ اُمن کا سبب ہیں"۔ لہٰذا جب ان میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اُمن میں کمی ہوگی اور خوف میں اضافہ ہوگا، تو پس حضرت حفصہؓ یا صفیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ایک خوفزدہ کر دینے والی علامت تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(فاسجدوا) یعنی نماز پڑھو اور بعض نے کہا کہ اگر سجدہ ہی کرلیا تو کافی ہے۔علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم عام ہے خواہ سورج گرہن ہو یا چاند گرہن، دونوں میں نماز پڑھ جائے گی، اور یہاں پر ''سجدے'' سے نماز ہی مراد ہے، اور اگر ان دونوں کے علاوہ کوئی اور علامت ہو مثلاً زلزلہ، آندھی اور طوفان وغیرہ تو ایسے موقع پر سجدہ ہی متعارف ہے۔اور سجدے کو نماز پر محمول کرنا بھی درست ہے۔

کیونکہ احادیث میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان ہوتے تھے تو نماز پڑھتے تھے۔

(وأی آیة أعظم من ذهاب أزواج النبی ﷺ) یعنی ان کی ذات بابرکت تھی پس ان کا زندہ رہنا لوگوں سے عذاب کو دور رکھنے کا سبب تھا۔پس ابن عباسؓ اس وجہ سے ڈرے اور نماز کی طرف متوجہ ہوئے۔

(رواه ابو داؤد والترمذی) اور فرمایا کہ یہ حسن، غریب ہے اور ہم اس کو نہیں جانتے مگر اسی طریق سے جس کو علامہ میرک نے نقل کیا ہے۔

الفصل الثالث:

۱۴۹۲: عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِهِمْ فَقَرَاَ بِسُوْرَةٍ مِّنَ الطُّوَلِ وَرَكَعَ خَمْسَ رَكْعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ اِلَى الثَّانِيَةِ فَقَرَ بِسُوْرَةٍ مِنَ الطُّوَلِ ثُمَّ رَكَعَ خَمْسَ رَكْعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَ تَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ كَمَا هُوَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ يَدْعُوْ حَتّٰى انْجَلٰى كُسُوْفُهَا ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/۶۹۹ حدیث رقم ۱۱۸۲۔ وابن ماجه ۲/۴۰۱ حدیث رقم ۱۲۶۲۔ وأحمد فی المسند ۵/۱۳۴۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج گرہن ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو نماز پڑھائی پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پہلی دو رکعت میں) لمبی سورتوں میں سے ایک سورت پڑھی اور پانچ رکوع اور دو سجدے کیے پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے پس اس میں قراءت فرمائی طویل سورتوں میں سے کسی ایک کی قراءت کی پھر پانچ رکوع اور دو سجدے کیے اور پھر اسی حالت پر قبلہ رخ ہو کر بیٹھ گئے اور دعا کرنے لگے یہاں تک کہ سورج سے گرہن دور ہوگیا۔(ابوداؤد)

تشریح: (عن أبی بن کعب...... فصلی بهم) یعنی صلوٰۃ الکسوف پڑھائی۔

(فقرأ سورة) ایک نسخہ میں سورۃ سے پہلے باء حرف جار ہے یعنی بسورۃٍ ہے۔

(من الطول) طاء کے ضمہ اور واؤ کے سکون کے ساتھ ''یا'' طاء کے کسرہ اور واؤ کے فتحہ کے ساتھ۔علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ طولی کی جمع ہے جیسے کبریٰ اور کبر ہیں۔

(ورکع خمس رکعات) یعنی پانچ رکوع کیے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(وسجد سجدتين ثم قام الثانية) یہ نصب ہے على نزع الخافض، اور ایک نسخہ "الى الثانية" ہے۔

(فقرأ بسورة) باء کے ساتھ ہے۔

(من الطول ثم ركع خمس ركعات وسجد سجدتين ثم جلس كما هو) یعنی اسی طرح دوبارہ بیٹھ گئے جس طرح پہلے بیٹھے ہوئے تھے۔

(مستقبل القبلة) نصب کے ساتھ یعنی بیٹھے نماز کے بعد جیسا کہ نماز میں بیٹھتے ہیں یعنی قبلہ کی طرف چہرہ کر کے۔

(يدعو حتى انجلى كسوفها) یعنی سورج اپنی اصلی حالت میں لوٹ آیا۔ یہاں پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ امام کو تو اختیار ہوتا ہے کہ وہ چاہے تو چہرہ قبلہ کی طرف کر کے دعا کرے اور چاہے تو کھڑے کھڑے دعا کرے اور اسی طرح چاہے چہرہ قوم کی طرف کر کے دعا کرے اور لوگ آمین کہتے رہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا؟

جواب: علامہ الحلوانی فرماتے ہیں: قبلہ ہی کی طرف چہرہ کر کے دعا کرنا اَحسن ہے اور کھڑے ہو کر کسی عصا پر سہارا لگا کر یا کسی قوس وغیرہ پر سہارا لگا کر دعا کرے تو یہ حسن ہے۔ (رواہ ابوداؤد)

۱۴۹۳: وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَيَسْاَلُ عَنْهَا حَتّٰى اِنْجَلَتِ الشَّمْسُ (رواه ابوداود وفى رواية النسائى) اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى حِيْنَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ مِثْلَ صَلَاتِنَا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ وَلَهٗ فِيْ اُخْرٰى اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا مُسْتَعْجِلًا اِلَى الْمَسْجِدِ وَقَدِ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى حَتّٰى اِنْجَلَتْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ اِلَّا لِمَوْتِ عَظِيْمٍ مِنْ عُظَمَآءِ اَهْلِ الْاَرْضِ وَاِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ وَلٰكِنَّهُمَا خَلِيْقَتَانِ مِنْ خَلْقِهٖ يُحْدِثُ اللّٰهُ فِيْ خَلْقِهٖ مَاشَآءَ فَاَيُّهُمَا انْخَسَفَتْ فَصَلُّوْا حَتّٰى يَنْجَلِيَ اَوْ يُحْدِثَ اللّٰهُ اَمْرًا۔

أخرجه أبوداؤد فى السنن ۷۰٤/۱ حديث رقم ۱۱۹۳۔ والنسائى ۱٤٥/۳ حديث رقم ۱٤۸۷۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج گرہن ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھنی شروع کی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ سورج روشن ہو گیا (ابوداؤد) اور نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ جب سورج گرہن ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری نماز کی طرح نماز پڑھائی اور رکوع اور سجدہ کرتے تھے۔ اور نسائی کی ایک اور روایت میں ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی طرف جلدی جلدی تشریف لے گئے تحقیق کی تو سورج گرہن لگ گیا تھا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ سورج روشن ہو گیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کہا کرتے تھے کہ بے شک سورج اور چاند کو گرہن نہیں لگتا مگر زمین میں رہنے والے بڑے لوگوں میں سے کسی بڑے کی موت کی وجہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔حالانکہ سورج اور چاند کو گرہن کسی کی موت اور پیدائش کی وجہ سے نہیں لگتا یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے دو مخلوق ہیں اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اپنی پیدا کردہ چیز میں تغیر پیدا کرتا ہے لہٰذا جب ان دونوں میں سے کوئی گرہن میں آ جائے تو نماز پڑھو یہاں تک کہ گرہن ہٹ جائے یا اللہ تعالیٰ کوئی حکم ظاہر فرما دیں۔(نسائی)

تشریح: (وعن النعمان بن بشیر......رکعتین)

علامہ مظہرؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ نماز حضور ﷺ نے کئی بار پڑھی اور جب کسوف کی مدت لمبی ہوتی تو آپ ﷺ بھی نماز کو لمبا کر دیتے اور تعداد رکوع میں اضافہ فرما دیتے اور جب مدۃ کسوف کم ہوتی تو آپ ﷺ نماز بھی مختصر فرما دیتے،اور یہ جائز ہے کہ انسان نماز علی حسب الحال اور علی مقدار الحاجۃ پڑھے۔اور فرمایا کہ بہت سے اہل علم کی بھی یہی رائے ہے۔کہ جب خسوف کا زمانہ طویل ہو تو تعداد رکوع میں زیادتی کی جائے یا قیام اور رکوع کو طویل کیا جائے اور سجود کو بھی طویل کیا جائے جیسا کہ قیام کو طویل کرتے ہیں،امام شافعیؒ کی بھی یہی رائے ہے جیسا کہ علامہ طیبیؒ نے ذکر کیا ہے،لیکن یہ شافعیہ کی کتاب ''الانور'' کے مخالف ہے،اس میں یہ لکھا ہے:

کہ اس نماز کی کم از کم دو رکعات ہیں جن میں سے ہر رکعت میں دو قیام اور دو رکوع ہیں،ان پر نہ تو کمی کی جا سکتی ہے اور نہ ہی زیادتی،اور اگر کسی نے کمی اور زیادتی جان بوجھ کر کی تو نماز باطل ہو جائے گی۔اور غلطی سے بھول کر کی تو معاف ہے،اسی طرح یہ علامہ ابن حجر کے قول کے مخالف ہے،علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جب کسی نے ایک نیت کر کے نماز شروع کی تو اب اس پر نہ تو کمی کر سکتا ہے اور نہ ہی زیادتی۔اس لئے کہ ان دونوں کا جواز خاص ہے مطلق نفل کے ساتھ۔نیز اس میں نماز کے متعدد ہونے والا قول بھی ہے جس کو پہلے ہی ضعیف قرار دیا جا چکا ہے۔

(ویسأل عنھا) یعنی اللہ سے دعا کی کہ اس کو ختم فرما دے۔

(حتی انجلت الشمس) اس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بار بار دو رکعات نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ سورج صاف ہو گیا مگر یہ درست نہیں کیونکہ ماقبل احادیث گذری ہیں جن میں ہے کہ آپ ﷺ کے سلام پھیرنے سے پہلے پہلے سورج گرہن ختم ہو چکا تھا تو اب بار بار نماز پڑھنے کا کیا معنیٰ؟ لہٰذا اس حدیث سے نماز کا بار بار پڑھنا تو ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس نماز کے دو رکعات ہونے سے احناف کے مذہب کی تائید ضرور ہوتی ہے۔

(رواہ ابو داؤد وفی روایۃ النسائی أن النبی ﷺ صلی حین انکسفت الشمس، مثل صلاتنا یرکع ویسجد) پس نسائی شریف کی اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز ایک رکوع اور دو سجدوں والی ہی تھی۔

(ولہ) یعنی نسائی شریف ہی کی ایک اور روایت ہے جس کو (فی أخری) کہہ کر ذکر کیا۔علامہ ابن الہمام نے فرمایا کہ یہ حدیث ابی قلابہ عن النعمان ہے۔

(أن النبی ﷺ خرج یوماً مستعجلاً الی المسجد) ابن الہمام کی ایک روایت میں ہے آپ ﷺ جب باہر نکلے تھے تو آپ ﷺ کی چادر زمین پر گھسٹتی جا رہی تھی اور آپ ﷺ مسجد میں پہنچ گئے۔

(وقد انکسفت الشمس فصلی) اور ایک روایت میں ہے ''لم یزل یصلی'' یعنی حضور ﷺ مستقل نماز میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہے۔

(حتى انجلت ثم قال: ان أهل الجاهلية، كانوا يقولون) یہاں تک سورج صاف ہوگیا۔ کانوا یقولون، یزعمون یعنی گمان کرتے تھے، کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ ایک اور روایت میں ہے۔(ان الشمس والقمر، لا ینخسفان)

ایک روایت میں ''لا ینکسفان'' ہے۔

(الا لموت عظيم، من عظماء أهل الأرض وأن الشمس)

ایک روایت میں ''أن الشمس'' سے پہلا ''ليس كذلك'' بھی ہے۔

(والقمر لا ينخسفان) ایک روایت میں ''لا ينكسفان'' ہے(لموت أحد ولا لحياة) حیات بمعنی ولادت ہے۔

(ولكنهما خليقتان من خلقه) علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں: یہ دونوں بھی اللہ کی مخلوق ہی ہیں جس طرح اور مخلوق ہے، پس جب دوسری مخلوق کسی کے مرنے یا جینے کا اثر نہیں لیتی تو یہ کیونکر ایسا کرسکتی ہے، یہ محض مشرکین کا گمان تھا کہ کسوف یا خسوف کسی کی موت یا پیدائش کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

(يحدث الله في خلقه ما شآء) ایک نسخہ میں ''ما يشآء'' ہے یعنی چاہے کسوف ہو، خسوف ہو، روشنی ہو یا اندھیرا ہو سب کچھ اللہ ہی پیدا کرتا ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ماشآء مصدر کا مفعول ہے اور مضاف ہے فاعل کی طرف۔

(فأيهما انخسف فصلوا) اور ایک روایت میں ہے ''أن الله اذا بدأ أى تجلى للشى من خلقه، خشع له فاذا رأيتم...... '' کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق یعنی سورج یا چاند کو گرہن سے صاف کردیں تو نماز پڑھو جیسا کہ اس سے پہلے متصل وقت میں ایک فرض نماز پڑھ چکے ہو یعنی فجر کی طرح ایک اور نماز پڑھو۔

(حتى ينجلى أو يحدث الله أمرًا) یعنی کوئی بھی ایسا کام ہو، جو پریشانی کا سبب بن رہا ہو یا بن سکتا ہو نماز کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

بَابٌ فِيْ سُجُوْدِ الشُّكْرِ

یہ باب سجدۂ شکر کے بیان میں ہے

وہ سجدہ جو نماز سے باہر کیا جائے اس کا حکم کیا ہے تو اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اس سجدہ کی چند اقسام ہیں ہر ایک کا حکم الگ ہے

قسم اوّل: سجدہ سہو۔ یہ نماز کے حکم میں ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے

نمبر۲: سجدہ تلاوت یہ بھی بلا اختلاف مشروع ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمبر۳: سجدہ مناجات یہ سجدہ راجح یہی ہے کہ مکروہ ہے۔
نمبر۴: سجدہ شکر جو کسی نعمت کے حصول اور مصیبت کے دور ہونے پر کیا جاتا ہے اس میں اختلاف ہے اور دو مذہب ہیں۔

مذہب اول: امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک سجدہ شکر مسنون ہے۔
دلیل: ان حضرات کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں کسی نعمت کے ملنے اور مصیبت کے ہٹنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کرام سے سجدہ کرنا منقول ہے مثلاً جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوجہل کے مرنے کی خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ شکر ادا کیا اسی طرح جب مسیلمہ کذاب کے جہنم رسید ہونے کی خبر سنی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سجدہ شکر ادا کیا۔ اور حضرت علیؓ نے ذی الثدیہ خارجی کے قتل ہونے پر سجدہ شکر ادا کیا اور حضرت کعب بن مالکؓ نے اپنی توبہ کی قبولیت کا سن کر سجدہ شکر ادا کیا۔

مذہب ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک سجدہ شکر مکروہ ہے۔
دلیل: فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں تو پھر ہر نعمت پر شکر ادا کرنا پڑے گا تو بندہ کے اندر اتنی طاقت کہاں ہے کہ ہر نعمت کے مقابلے میں سجدہ کر سکے اس سے خواہ مخواہ اپنے آپ کو تکلیف میں مبتلا کرے گا۔
نعمتوں سے مراد یہ ہے کہ وہ نعمت جوئی ہو اور کبھی کبھی ملے تو اس پر انسان سجدہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ تعدد روایات کی وجہ سے احناف کے ہاں سجدہ شکر کے استحباب کا ہی فتویٰ دیا جاتا ہے۔
سجدۂ شکر اس سجدے کو کہتے ہیں جو آدمی کسی نعمت کے صلے پر کرتا ہے یا کسی مصیبت یا پریشانی کے دور ہونے پر کرتا ہے۔
یہ سجدہ امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت نہیں ہے اور صاحبین کا امام صاحب سے اس میں اختلاف ہے۔

وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الْاَوَّلِ وَالثَّالِثِ

اِس باب میں پہلی اور تیسری فصل نہیں ہے

(وهذا الباب خال عن الفصل الأول) یہ باب فصل اول سے خالی ہے۔''اس بات کو سمجھنے سے پہلے ایک بات کا سمجھنا ضروری ہے وہ یہ کہ مشکوۃ المصابیح اصل میں دو کتابیں ہیں: ① المصابیح ② مشکوٰۃ۔ پہلے المصابیح لکھی گئی جس میں صرف احادیث کو جمع کیا گیا تھا ابواب وفصول کی ترتیب نہ تھی پھر بعد میں خطیب تبریزیؒ نے المصابیح پر کام کیا اور اس میں ابواب وفصول کی ترتیب قائم کی اور ہر باب میں تین تین فصلیں قائم کیں، خطیب تبریزی کی عادت ہے کہ وہ فصل اول میں متفق علیہ اُحادیث ذکر کرتے ہیں۔ فصل ثانی میں متفق علیہ کے علاوہ اُحادیث ذکر کرتے ہیں اور فصل ثالث میں وہ احادیث ذکر کرتے ہیں جو اس باب سے متعلقہ ہیں مگر صاحب المصابیح اس کو ذکر نہ کر سکے تھے''۔ تو اس لئے صاحب مشکوٰۃ نے فرمایا کہ یہ باب فصل اول سے خالی ہے اور اس کا خالی رہنا صاحب المصابیح کی طرف سے ہے اس لئے کہ صاحب المصابیح کو متفق علیہ احادیث اس باب سے متعلقہ نہ مل سکیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(والثالث) اور یہ باب فصل ثالث سے بھی خالی ہے کیونکہ مجھے بھی ایسی احادیث مزید نہ مل سکیں جن کو میں پہلے کی طرح اپنی طرف سے فصل ثالث میں ذکر کرتا۔

الفصل الثانی:

خوشی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

۱۴۹۴: وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاءَہٗ اَمْرٌ سَرُوْرًا اَوْ یُسَرُّبِہٖ خَرَّ سَاجِدًا شَاکِرًا لِلّٰہِ تَعَالٰی۔ (رواہ ابوداود والترمذی وَقَالَ ھٰذاحدیث حسن غریب)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۲۱۶/۳ حدیث رقم ۲۷۷٤۔ والترمذی فی السنن ۱۲۰/٤ حدیث رقم ۱۵۷۸۔ وابن ماجه ٤٤٦/۱ حدیث رقم ۱۳۹٤۔

ترجمہ: حضرت ابوبکرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی خوش کن امر پیش آتا یا راوی فرماتے ہیں سروراً کی بجائے یسرہ کا لفظ فرمایا یعنی جس کام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گر پڑتے۔ (ترمذی، ابوداؤد) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: امرٌ: اُمرتنوین کے ساتھ ہے اور تنوین تعظیم کیلئے ہے۔

(مسروراً) منصوب علی نزع الخافض ہے، یعنی خوشی کے ملنے کی وجہ سے، یا یہ منصوب ہے تمیز ہونے کی وجہ سے۔ یا یہ منصوب ہے تقدیری عبارت ''أعنی'' کی وجہ سے، اور یہ تقدیری عبارت راوی کی جانب سے مانی جائے گی۔ یعنی راوی یہ کہنا چاہتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی معاملہ پیش آتا یعنی خوشی والا معاملہ۔ ایک نسخہ میں ''أمرٌ سرورٌ'' ہے یعنی سرور صفت ہے اُمر کی مبالغہ کیلئے، اور ایک نسخہ میں ''أمرُ سرورٍ'' ہے اضافت کی وجہ سے بمعنی تقدیری عبارت یوں ہوگی ''أمر ذو سرور''۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: اس کا مطلب ہے ''اذا جاءہ أمر عظیم حال کونہ سرورًا''۔ بہر حال یہ عبارت مکمل نہیں ہوتی مگر یہ کہ مضاف کو محذوف مانا جائے، یا اس کو مصدر مانا جائے اور فاعل یا مفعول کے معنی میں لیا جائے، یا پھر اس کو مبالغہ کے طور پر لیا جائے جیسا کہ کہا جاتا ہے ''رجل عدلٌ''۔

أو یسر به یعنی راوی کو شک ہے لفظ میں، لیکن یہ شک حدیث کی قوت میں کچھ کمی واقعہ نہیں کرتا کیونکہ دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔

(خرّ) بمعنی سقط۔

(ساجدًا شاکرًا) دونوں حال متداخل ہیں یا حال مترادف ہیں، ایک نسخہ میں ''ساجدًا شکرًا'' ہے، اور شکرًا منصوب ہے علت کی وجہ سے،

(للّٰہ تعالٰی)

علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ بہت سے علماء حدیث کے ظاہری الفاظ کو دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ سجدہ مشروع ہے کسی نعمت کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شکر میں جبکہ انہیں میں سے بعض علماء کی رائے یہ ہوئی کہ یہاں سجدے سے مراد نماز ہے۔یعنی شکر نعمت میں نماز پڑھو، جو علماء صرف سجدے کے قائل ہوئے وہ دارقطنی کی ایک حدیث جو کہ ابو جعفرؒ سے مروی ہے، کو دلیل بناتے ہیں، جس میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ابوجہل کا کٹا ہوا سر پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم شکر کرنے کیلئے سجدے میں چلے گئے۔اور جو علماء سجدے سے نماز مراد لیتے ہیں ان کی دلیل، حضرت عبداللہ بن اُبی اُوفیٰؓ کی روایت ہے یہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کی نماز پڑھی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ابوجہل یا ایک فتح کی بشارت پہنچی تھی۔ یہ تو ان علماء کی رائے تھی جو کہ ظاہری الفاظ کو دیکھ رہے تھے، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ان سے ہٹ کر ہے اللہ تعالیٰ ان پر بے شمار رحمت نازل فرمائے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر ہم سجدۂ شکر کو لازم کر دیں ہر نئی نعمت پر، تو سارے کے سارے انسان ایک لحہ کیلئے بھی سجدۂ شکر سے خالی نہیں رہ سکیں گے یعنی ہر وقت ان کو سجدۂ شکر ہی کرتے رہنا ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے انسان پر بے شمار احسانات ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو زندگی بخشی اور اس زندگی کا آنے والا ہر سانس ایک نئی نعمت ہے اس طرح ہر بندے پر ہر سانس کے بدلے میں ایک سجدہ لازم ہوگا۔ جبکہ بعض لوگوں نے کہا کہ یہاں سرور سے مراد وہ نعمت اور خوشی ہے جس کا آپ کو کافی عرصے سے انتظار تھا پھر اچانک وہ خوشی آپ کو مل گئی، اس کی تائید حضرت سعد بن اُبی وقاصؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جو کہ مشکوٰۃ میں بھی ہے اور ابوداؤد ۳/۲۱۷ میں بھی ہے۔

نیز اس حدیث کو حدیث النغاشی پر بھی محمول کہا جاسکتا ہے جس کی تفصیل اس سے اگلی حدیث (رقم الحدیث ۱۴۹۵) میں آئے گی۔ اگر چہ یہ حدیث یعنی حدیث النغاشی ضعیف ہے لیکن جب ایک ضعیف حدیث کی تائید دوسری احادیث سے بھی ہو رہی ہو تو وہ قوی بن جاتی ہے اور حسن کے درجے میں آجاتی ہے اور جو حدیث اس کے تحت آئے وہ بھی حسن بن جاتی ہے۔ رواہ ابو داؤد والترمذی عن أبی بکرۃ کذا ذکرہ الطیبی۔

رواہ أبو داؤد والترمذی وقال: هذا حديث حسن غريب) امام حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے، اور علامہ میرک نے بھی اس کی تصحیح نقل کی ہے نیز ابن ماجہ اور احمد نے بھی اس کو روایت کیا ہے، لیکن اس کی سند میں ''بكار بن عبد العزى'' ہے۔ جس کے بارے میں بعض نے کلام کیا ہے اور بعض نے ثقہ کہا ہے، جبکہ امام الترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن، غریب ہے، ہم نہیں جانتے اس حدیث کو مگر اس طریق سے۔

اور بیہقی فرماتے ہیں: اس باب میں حدیث ہے حضرت جابرؓ سے، حضرت جریرؓ سے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے، حضرت اُنسؓ سے، حضرت ابوجحیفہؓ سے، یہ سب حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، اور یہی حدیث حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے فعل سے مروی ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ اس باب میں حضرت ابوموسیٰ الاشعری، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

کسی مبتلاءِ مصیبت کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنی چاہیے اور پناہ مانگنی چاہیے

۱۴۹۵: وَعَنْ اَبِی جَعْفَرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی رَجُلًا مِنَ النَّغَاشِیِّیْنَ فَخَرَّ سَاجِدًا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(رواہ الدارقطنی مرسلا وفی شرح السنة لفظ المصابیح)

أخرجه الدارقطني ١/ ٤١٠ حديث رقم ١ من بَاب السنة في سجود الشكر ۔

ترجمہ: حضرت ابوجعفرؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انتہائی پست قد والے شخص کو دیکھا تو سجدہ ریز ہوگئے۔ یہ دارقطنی کی روایت ہے اور انہوں نے اس کو مرسل نقل کیا ہے اور شرح السنہ نے مصابیح کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

تشریح: أبی جعفر :ابوجعفر کنیت ہے اصل نام ''محمد بن علی بن الحسین بن علی بن أبی طالب'' ہے۔ آپؒ ''الباقر'' کے نام سے معروف تھے اس لئے کہ آپ علم میں بڑے پختہ نظر رکھتے تھے، اور بڑے وسیع علم والے تھے۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابوجعفر سے ''محمد'' الصادق'' مراد ہیں۔ لیکن حافظ صاحب کا یہ کہنا درست نہیں کیونکہ الصادق تو ان کے بیٹے کا لقب تھا، ان کا لقب تو ''الباقر'' ہی ہے۔

النغاشین) نون کے ضمہ اور یاء کی تخفیف کے ساتھ، بعض نسخوں میں یاء کی تشدید کے ساتھ بھی ہے۔ علامہ میرک فرماتے ہیں: النغاشی یاء کی تشدید کے ساتھ ہے، اور ''نغاشی'' یاء کے حذف کے ساتھ بھی ہے یعنی ''النغاش'' بہرحال النغاشی یا النغاش چھوٹے قد والے، کمزور جسم والے اور ناقص خلقت والے انسان کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ مصیبت زدہ کو کہتے ہیں، اور بعض نے کہا مجنون اور مختلط العقل کو کہتے ہیں۔ اور مصابیح میں ''رجلاً نغاشیاً'' کے الفاظ ہیں۔ اور ایک حدیث میں نغاشیا یاء مشدد کے ساتھ بھی ہے۔

(فخرّ) یعنی سجدے میں چلے گئے، علامہ مظہر فرماتے ہیں، جب کسی مصیبت زدہ کو دیکھو تو سجدہ کرو شکر کرتے ہوئے اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مصیبت سے دور رکھا، لیکن یہ سجدہ چھپ کر کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مصیبت زدہ دیکھ لے اور اس کی دل آزاری ہو، اور جب تم کسی فاسق کو دیکھو تو بھی سجدہ کرو شکر کے طور پر کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس فسق و فجور کی زندگی سے دور رکھا اور یہ سجدہ چھپ کر مت کرو بلکہ ظاہراً کرو تاکہ اس فاسق کو شرم آئے اور وہ توبہ تائب ہو جائے۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی ایسے شخص کو دیکھا جو دنیا کے مشاغل میں پھنسا ہوا تھا اور دین سے غافل تھا تو آپؒ نے فرمایا:

''الحمد للّٰہ الذی عا فانی مما ابتلاك به''

ترجمہ: ''تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے مجھے عافیت میں رکھا اُس سے، جس میں تجھے مبتلاء کیا''۔

(رواہ الدارقطنی مرسلاً) یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ حضرت ابوجعفرؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہ پایا تھا البتہ یہ حدیث اپنے والد امام زین العابدین اور حضرت جابر بن عبداللہ سے سنی تھی۔

(وفی شرح السنة لفظ المصابیح) اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ شرح السنۃ میں مصابیح کے الفاظ ہیں، یعنی شرح السنۃ کے مصنف نے اس حدیث کو مصابیح کے جس نسخے سے نقل کیا۔ اس میں ''من النغاشین'' کے بجائے ''نغاشًا'' ہے۔ اسی وجہ سے خطیب تبریزیؒ نے آگاہ کر دیا کہ شرح السنۃ میں مصابیح کے حوالے سے جو حدیث مذکور ہے اس میں ''من النغاشین'' کے بجائے ''نغاشًا'' ہے۔ یہ جملہ خطیب تبریزی کی کمال احتیاط پر دلالت کرتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُمت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا

۱۴۹۶: وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَّكَّةَ نُرِيْدُ الْمَدِيْنَةَ فَلَمَّا كُنَّا قَرِيْبًا مِّنْ عَزْوَزَاءَ نَزَلَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَدَعَا اللّٰهَ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَكَثَ طَوِيْلًا ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَكَثَ طَوِيْلًا ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا قَالَ اِنِّیْ سَاَلْتُ رَبِّیْ وَشَفَعْتُ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ ثُلُثَ اُمَّتِیْ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِّرَبِّیْ شُكْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَاْسِیْ فَسَاَلْتُ رَبِّیْ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ ثُلُثَ اُمَّتِیْ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِّرَبِّیْ شُكْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَاْسِیْ فَسَاَلْتُ رَبِّیْ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ الثُّلُثَ الْاٰخَرَ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِّرَبِّیْ شُكْرًا۔ (رواہ احمد وابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۳/۲۱۷ حدیث رقم ۲۷۷۵۔

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم آقائے دو عالم کے ساتھ مکہ سے مدینہ کا ارادہ رکھتے ہوئے روانہ ہوئے جب ہم غزوزاء کے قریب پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری سے اترے اور اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے اور تھوڑی دیر دعا فرمائی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گر پڑے اور کافی دیر تک سجدہ ہی میں رہے پھر آپ کھڑے ہوئے اور پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور دوبارہ پھر سجدہ میں چلے گئے اور بہت دیر تک سجدہ میں رہے اور فرمانے لگے۔ میں نے اپنی امت کے لئے اپنے رب سے دعا کی اور اپنی امت کے لئے رب سے سفارش کی پس مجھے تہائی امت عطاء کر دی گئی (یعنی ان کے بارے میں میری شفاعت قبول کر لی گئی) تو میں اپنے رب کے سامنے اس کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑا پھر میں نے سر اٹھایا اور اپنے رب سے اپنی امت کے بارے میں سوال کیا تو مجھے دوسرا ثلث بھی دے دیا گیا تو میں نے بطور شکر کے اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔ (احمد۔ ابوداؤد)

تشریح: (وعن سعد بن أبی وقاص) عشرۃ مبشرۃ میں سے ایک خوش نصیب یہ بھی ہیں۔

(قال خرجنا مع رسول اللہ ﷺ من مکة مزید) جمع متکلم کے صیغہ کے ساتھ جبکہ ایک نسخہ میں واحد مذکر غائب کے صیغہ کے ساتھ یعنی یرید اور ھو ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف راجع ہے۔

(المدینة) یعنی مدینہ کی طرف جانے کا ارادہ تھا اور ہم بھی تابع تھے رسول اللہ ﷺ کے۔ یعنی جہاں جانے کا ارادہ ان کا تھا ہمارا بھی ارادہ وہیں کا تھا۔

(فلما کنا قریبًا من عزوزاء) یعنی جب ہم عزوزاء کے قریب پہنچے، لفظ "عزوزاء" عین کے فتحہ کے ساتھ، پہلی زاء کے سکون کے ساتھ، واؤ کے فتحہ اور زاء کے مدّ کے ساتھ، بعض نے مد کے بغیر یعنی قصر کے ساتھ کہا ہے۔ بمعنی ایک ٹیلہ جو کہ مکہ سے مدینہ کی طرف جاتے ہوئے راستے میں آتا ہے۔ اس کا نام عزورآء اس لئے رکھا گیا کیونکہ یہ ایک سخت اور چٹیل زمین تھی، اور یہ ماخوذ ہے عزاز سے، عین کے فتحہ کے ساتھ، عزاز کہتے ہیں سخت اور چٹیل زمین کو جس میں پانی بھی کم ہو، اور عزوزآء ماخوذ من العزوز بھی ہو سکتا ہے۔ معزوز کہتے ہیں ایسی اونٹنی کو جس کے تھنوں کے سوراخ تنگ ہوں اور بڑی مشکل سے ان سے دودھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نکلتا ہو۔

ایک نسخہ میں عزورآء، رآء کے ساتھ بھی ہے، جیسا کہ علامہ سیدؒ کے نسخہ کے حاشیہ میں ہے، اور علامہ میرک علامہ السید اُصیل الدین کے خط سے نقل کرتے ہیں کہ اُلف کو حذف کرنے کے ساتھ زیادہ مشہور ہے، یعنی ''عزور''۔ شراح المصابیح اس کو العزازہ (عین کے فتحہ کے ساتھ) بھی کہتے ہیں۔ بمعنی سخت اور چٹیل زمین۔

صاحب المغرب اور شیخ الجزری فرماتے ہیں تصحیح المصابیح میں کہ: یہ لفظ عزوراء، عین کے فتحہ، زاء کے سکون اور واؤ اور راء کے فتحہ کے ساتھ ہے، پھر بعض اہل لغات نے راء کے بعد الف کو ثابت رکھا ہے جبکہ بعض نے الف کو حذف کیا ہے، بہر حال یہ مقام جحفہ کے قریب ایک گھاٹی کا نام ہے اور مکہ مکرمہ سے باہر واقع ہے، نیز الشیخ الجزری یہ بھی فرماتے ہیں کہ مناسب نہیں کہ متوجہ ہوا جائے ان ابحاث کی طرف جو شراح المصابیح نے لفظ ''عزوزآء'' کے بارے میں کی ہیں اور نہ ہی میں دیکھتا ہوں کہ ان میں سے کسی نے علی طریق الصواب اس کی تقیید کی ہو واللہ اعلم۔ اور قاموس میں جو ہے وہ بھی اسی کے یعنی الشیخ کے قول کے موافق ہے۔ اور النہایۃ سے بھی زآء معجمہ کے ساتھ پڑھنا ہی سمجھ میں آتا ہے۔

(نزل) نبی کریم صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر وحی نازل کی تھی کہ اس جگہ اترو، وگرنہ اس بستی میں تو کوئی ایسی خاص بات نہ تھی، لیکن اب اس بستی کو ایک خاصیت ضرور حاصل ہے وہ یہ اس میں نبی کریم صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اپنی امت میں سے ہر خاص اور عام کیلئے دعا فرمائی واللہ اعلم۔

(ثم قام فرفع یدیه ساعة ثم خرّ ساجدًا، فمكث طويلاً ثم قام) یعنی تیسری مرتبہ۔

(فرفع یدیه ساعة ثم خرّ ساجدًا) اس میں اشارہ ہے کہ آنحضرت صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے دعا آہستہ سے مانگی کیونکہ اگر بلند آواز سے مانگتے تو صحابی اس کو بھی ضرور بیان کرتے۔ اور ویسے بھی دعا میں اخفاء ہی افضل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات ہیں:

''أدعوا ربكم تضرعًا وخفية'' [الأعراف۔۵۵]۔

ترجمہ: اپنے رب کو پکارو عاجزی کرتے ہوئے اور آہستہ آہستہ۔

''اذ نادى ربه نداءً خفيًا'' [مریم۔۳]۔

ترجمہ: جب پکارا اس نے اپنے رب کو آہستہ سے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے مگر ان مواقع میں نہیں جہاں پر شریعت نے منع کر دیا ہو۔

(قال انی سألت ربی) یعنی میں نے اللہ سے دعا مانگی اور رحمت طلب کی۔

(وشفعت لأمتی) یعنی ان کے گناہ کو معاف کرنے کی، ان کے عیوب کو چھپانے، ان کے درجات بلند کرنے، اور ان کی شان میں اضافہ کرنے کی سفارش کی، یعنی یہ بیان ہے اس کا کہ میں صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اللہ سے کیا کیا مانگا۔

(فأعطانی) مجھے دے دیا۔

(ثلث أمتی) لام کے ضمہ اور سکون دونوں کے ساتھ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے میری اُمت کے تہائی حصہ کی مغفرت کی سفارش کرنے کی اجازت دے دی، اور یہاں اس ثلث سے امت میں سے ''سابقون'' مراد ہیں۔

(فخررت) راء کے فتحہ کے ساتھ بمعنی چلے جانے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ساجدًا لربی شکرًا) یعنی نعمت کے شکر میں اور اضافے کی طلب میں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ" [ابراھیم ۷]

(ثم رفعت رأسی فسألت ربی) یعنی اپنے رب کی رحمت اور مزید مغفرت۔

(لأمتی) یعنی سارے امت کیلئے۔

(فاعطانی الثلث الآخر) خاء کے کسرہ کے ساتھ اور بعض کے نزدیک خاء کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے۔ بہر حال اس ثلث امت سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا یعنی گناہ گار۔

علامہ توربشتی فرماتے ہیں: یعنی مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ چیز عطا فرمائی جو مانگی تھی، پس اب جنت اور میری شفاعت ان پر واجب ہوگئی۔ پس اب یہ گذشتہ امتوں کی طرح نہ ہوں گے۔ لیکن یہاں پر یہ دیکھنا ہوگا کہ امت کی دو قسمیں ہیں: ① امت اجابت۔ ② امت دعوت۔ تو یہاں پر جس کو شفاعت اور جنت کی بشارت دی گئی وہ امت اجابت ہے نہ کہ امت دعوت، کیونکہ امت دعوت سارے زندگی ایمان واسلام کے لباس سے عاری رہی تو اب روز آخرت جنت اور شفاعت کی پوشاک سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے عاری رہے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ [النساء۔۴۸]

"خدا اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کردے۔"

(فخررت ساجدًا لربی شکرًا) علامہ مظہر فرماتے ہیں کہ حدیث کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ شفاعت کی وجہ سے سارے گناہ معاف فرما دیں گے اور جس کی شفاعت ہوگی وہ جہنم میں نہ جائے گا کیونکہ اگر یہ معنی لئے جائیں تو بہت سی آیات اور احادیث کی مخالفت لازم آتی ہے۔ جن میں مال یتیم کھانے والے، سود کھانے والے، زنا کرنے والے، شراب پینے والے اور ناحق قتل کرنے والے کے بارے میں وعید وزجر وارد ہوئی ہے لہٰذا یہ معنی نہ ہوگا بلکہ یہ معنی ہوگا کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی تھی کہ میری امت کو باقی تمام امتوں پر فوقیت اور خاصیت حاصل ہو جائے۔ مثلاً گناہوں کی وجہ سے ان کی صورتیں مسخ نہ ہوں اور نہ وہ کبائر کی وجہ سے جہنم میں سے گناہ دھل جانے کے بعد ایک نہ ایک دن ضرور نکال لی جائے، اس کے علاوہ اور بہت سی خاصیات ہیں جن کی وجہ سے حضور ﷺ کی امت کو باقی امت پر فضیلت حاصل ہے۔ (علامہ خود اس معنی کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں) "وفیه نظر" اس معنی میں بھی نظر ہے وہ اس لئے کہ جس طرح اللہ کی سنت اہل کبائر کی تعذیب پر دلالت کرتی ہے اسی طرح ان کی مغفرت پر بھی تو دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

① ﴿إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا﴾ [الزمر۔۵۳]

بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف فرما دیں گے۔

② ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ [النساء۔۴۸]

"خدا اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کردے۔"

عفو، کریم ہی کی جانب سے ہوتا ہے تو کیا مناسب ہے کہ اس سے عذاب کی امید رکھیں؟ ہرگز نہیں کیونکہ وہ تو اکرم الاکرمین

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، اور باقی رہا جہنم میں داخل ہونا، تو وہ ان کیلئے ہے جو گناہ کو حلال سمجھ کر کرتے تھے بخلاف معتزلہ کے، کیونکہ معتزلہ کے نزدیک تو مطلقاً مرتکب کبیرہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں جائیں گے۔

ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ علامہ مظہر نے "**وفیہ نظر**" کہہ کر اشکال تو پیش کیا مگر یہ اشکال کچھ ظاہر نہیں ہو سکا، اور باقی رہا ان کا یہ قول کہ اللہ کی سنت جیسا کہ اہل کبائر کی تعذیب پر دلالت کرتی ہے اسی طرح ان کی مغفرت پر بھی دلالت کرتی ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ یہ ایک دوسرے کے منافی نہیں بوجہ اس کے جو مقرر شدہ ہے عقائد کے باب میں کہ اللہ تعالیٰ اولاً تو اہل کبائر کو جہنم میں بھیجیں گے پھر ثانیاً سب کو معاف فرما کر جنت میں بھیج دیں گے۔ پس یہی تفسیر ہے ان دونوں آیتوں کی بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے چاہے جہنم میں بھیج کر معاف فرمائیں یا بغیر داخل کئے معاف فرمادیں وہ مالک ہے بہر حال گناہ جیسا بھی ہو سوائے شرک کے، اللہ پاک اسے معاف فرمائیں گے۔ دوسری تفسیر ان آیات کی یہ کی جاتی ہے کہ دوسری آیت یعنی "**ان اللہ لا یغفر......**" محکم ہے اور پہلی آیت منسوخ یا مؤول ہے وہ اس طرح کہ "**الذنوب**" میں لام عہدی ہے اور مراد اس سے شرک و کفر کے علاوہ تمام گناہ ہیں، پس یہ مقید ہوں گے توبہ کے ساتھ۔

علامہ قاضی فرماتے ہیں: اور امت کی شفاعت کا مطلب یہ ہے کہ ان کو جہنم میں ہمیشہ کیلئے داخل نہ کیا جائے گا، اور ان کے صغائر سے درگذر کیا جائے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ علامہ قاضی اور علامہ مظہر کے کلام سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ شفاعت امت کے صرف صغائر میں مؤثر ہوگی اور اہل کبائر کے حق میں عدم خلود کیلئے مؤثر ہوگی یعنی اہل کبائر جہنم میں جائیں گے لیکن اپنے گناہوں سے پاک صاف ہو کر اسی شفاعت کی وجہ سے ایک نہ ایک دن جنت میں ضرور آئیں گے یعنی **شفاعت قبل الدخول فی النار** مؤثر نہ ہوگی۔ حالانکہ ہم ترمذی اور ابوداؤد میں حضرت انسؓ کے واسطے سے ایک حدیث پڑھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"**شفاعتی لأھل الکبائر من امتی**" (رقم الحدیث ۴۷۳۹) (فی الترمذی۔ ۲۴۳۵)

ترجمہ: میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کیلئے ہے۔

اور ترمذی شریف ہی میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"**من لم یکن من أھل الکبائر فما لہ للشفاعۃ**" (رقم الحدیث۔ ۲۴۳۶)

ترجمہ: جو اہل کبائر میں سے نہ ہو تو پس اس کیلئے میری شفاعت ہی نہیں۔ یعنی میری شفاعت ہے ہی اہل کبائر کیلئے۔

بہر حال ان سب احادیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے نبی کریم ﷺ کو شفاعت کا اختیار دیا جائے گا، جب یہ بات سامنے آئی اب کوئی محل نزاع باقی نہیں رہا کیونکہ اب یہ معلق ہوگئی نبی کریم ﷺ کی اذن واجازت پر۔ پس اب آپ ﷺ چاہیں تو قبل الدخول شفاعت کردیں اور اگر چاہیں تو بعد الدخول شفاعت کردیں۔ اب یہ ان ﷺ کی مرضی پر موقوف اور معلق ہے۔ **واللہ اعلم بحقیقۃ الحال**۔

(**رواہ احمد وابوداؤد**) یعنی عامر بن سعد بن ابی وقاص عن ابیہ کے طریق سے جید اسناد کے ساتھ جبکہ امام ابوداؤد نے اس کی سند پر خاموشی اختیار کی ہے، لیکن علامہ المنذریؒ نے اس کی تائید کی ہے ذکرہ میرکؒ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَابُ صَلٰوةِ الْاِسْتِسْقَاءِ

نمازِ استسقاء کا بیان

استسقاء باب استفعال کا مصدر ہے اس میں سین' تاء طلب کے لئے ہیں اور اس کا مادہ قی ہے اس کا لغوی معنی ہے بارش طلب کرنا اور پانی مانگنا اور اصلاحِ شریعت میں استسقاء کا معنی ہے **طلب السقي بو جه مخصوص بانزال المطر ودفع الجدب والقحط۔** پانی طلب کرنا مخصوص طریقے پر بارش کے نزول کے ساتھ قحط اور خشک سالی کو دور کرنے کے لئے۔

ایک صحیح نسخے میں ''باب الاستسقاء'' کے بجائے ''**باب صلوة الاستسقآء**'' ہے۔ اور یہ لغت میں ''**طلب السقيا**'' یعنی ''سیرابی کو طلب کرنا'' اور شرع میں ''**طلب السقيا للعباد من الله تعالىٰ عند حاجتهم اليها، بسبب قلة الأمطار او عدم جرى الأنهار**''

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ سے بندوں کیلئے سیرابی کو طلب کرنا، ان کی ضرورت کے وقت، جبکہ بارشوں کی قلت یا انہار کے خشک ہونے سے ان کی سیرابی میں کمی آچکی ہو''۔

علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں: ''لوگ تین روز تک استسقآء کیلئے باہر نکلیں گے''۔

لیکن یہ نقل نہیں کیا کہ تواضع کرنے والے، اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہوں، بوسیدہ کپڑوں میں پیدل چل رہے ہوں، ہر دن توبہ الی اللہ کے بعد صدقہ کرنے والے ہوں، اور سب کسی میدان میں جمع ہوں مگر مکۃ المکرمۃ اور بیت المقدس میں میدان کے بجائے مسجد ہی میں جمع ہوا جائے گا۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: اس کی تین قسمیں ہیں جو کہ اَخبارِ صحیحہ سے ثابت ہیں۔ ان تینوں میں سے سب سے کم ''مجرد دعا'' ہے، خواہ انفرادی ہو یا اجتماع کی صورت میں ہو۔ امام ابوعوان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ ایک جماعت نبی کریم ﷺ کے پاس بارش کی کمی کی شکایت لے کر آئی تو پس آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی اپنی سواریوں پر چڑھ جاؤ اور پھر کہو: ''یارب یارب'' پس سب نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمادی''۔ نیز عنقریب یہ حدیث بھی آئے گی کہ نبی کریم ﷺ نے زیتون کے پہاڑوں کے قریب بارش کی دعا بغیر نماز کے مانگی۔ امام شافعیؒ اسی قسم کے استسقاء کو پسند فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ طریقہ اہل صلاح کا ہے۔

اور استسقاء کی دوسری قسم جو کہ درمیانی قسم کہلاتی ہے، وہ یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد دعا کرنا خواہ نوافل ہی کیوں نہ ہوں اور اسی طرح جمعہ کے خطبہ میں بھی دعا کرنا۔

اور استسقاء کی سب سے اعلیٰ اور تیسری قسم یہ ہے کہ دعا کی جائے صلوۃ اور خطبہ کے ساتھ، جیسا کہ آگے آرہا ہے، اور مستحب ہے بار بار دعائے استسقآء کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دعا میں تضرع وزاری کرنے والے محبوب ہیں۔ واللہ اعلم۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الفصل الاول:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طلب بارش کے لئے نماز پڑھنا

۱۴۹۷: عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ زَیْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِالنَّاسِ اِلَی الْمُصَلّٰی یَسْتَسْقِیْ فَصَلّٰی بِهِمْ رَکْعَتَیْنِ جَهَرَفِیْهِمَا بِالْقِرَاءَ ۃِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ یَدْعُوْ وَرَفَعَ یَدَیْهِ وَحَوَّلَ رِدَآءَ ہٗ حِیْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/ ۵۱۴۔ حدیث رقم ۱۰۲۴۔ ومسلم فی صحیحه ۲/ ۶۱۱ حدیث رقم (۱۔ ۸۹۴)۔ وأبوداوٗد فی السنن ۱/ ۶۸۹ حدیث رقم ۱۱۶۶والترمذی ۲/ ۴۴۲ حدیث رقم ۵۵۶۔ والنسائی ۳/ ۱۵۷ حدیث رقم ۱۵۰۹۔ والدارمی ۱/ ۴۳۲ حدیث رقم ۱۵۳۳۔ ومالك فی الموطأ ۱/ ۱۹۰ حدیث رقم ۱ من کتاب الاستسقاء۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو لے کر عیدگاہ کی طرف نکلے بارش طلب کرنے کے لئے پس ان لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور دونوں رکعتوں میں بلند آواز سے قراءت فرمائی اور قبلہ رخ ہو کر دعا مانگی اور دعا میں اپنے ہاتھوں کو بلند کیا اور قبلہ رخ ہوتے ہوئے اپنی چادر کو پھیرا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: (عن عبد اللّٰہ بن زید) اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن زید سے مراد ''ابن عاصم بن زمان الأنصاری ہیں، عبداللہ بن زید بن عبدربہ الأنصاری الخزرجی مراد نہیں ہیں۔ جن کو خواب میں اُذان سنائی دی تھی اور جب ہی سے شریعت میں اذان مشروع ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ یہ دونوں خوش نصیب حضرات الگ الگ ہیں، ان میں سے اول یعنی ابن عاصم بن زمان وہ ہیں جو جنگ اُحد میں حاضر تھے مگر بدر میں حاضر نہ ہو سکے تھے لیکن حضرت وحشیؓ بن حرب کے ساتھ مسلیمۃ الکذاب لعن اللّٰہ علیه کے قتل میں شریک تھے۔ اور ان میں سے دوسرے یعنی ابن عبدربہ وہ ہیں جو العقبہ میں شریک تھے، بدر میں شریک تھے اور اس کے بعد بھی غزوات میں شریک ہوتے رہے۔ ان دونوں حضرات کے احوال کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کیونکہ بعض بڑے بڑے محدثین کو اس میں وہم ہو چکا ہے۔ لیکن صحیح تحقیق وہی ہے جس کو ہم نے ذکر کر دیا۔

(قال: خرج رسول اللّٰہ ﷺ بالناس) یعنی لوگوں کے ساتھ۔

(الی المصلی) یعنی مدینہ میں مسجد کی طرف نکلے۔

(یستسقی) حال ہے یا پھر اس استئناف ہے اور تعلیل کے معنی میں ہے۔

(فصلی بهم رکعتین) ''علامہ مظہر فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ استسقاء میں صلوۃ کے بجائے صرف دعا کے قائل ہیں، اور امام شافعیؒ کے نزدیک استسقاء اور نماز عید ایک ہی طرح پڑھی جاتی ہیں جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک اس کی دو رکعتیں ہیں باقی تمام نمازوں کی طرح۔

حافظ ابن حجرؒ سے منقول ہے آپ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک استسقاء بدعت ہے، حافظ صاحب کا یہ کہنا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکل غلط اور خطأ فاحش ہے، اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو سنت نہیں سمجھتے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اسے بدعت سمجھتے ہوں گے، کیونکہ اس کام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ کیا بھی اور بعض دفعہ چھوڑا بھی لہٰذا یہ بدعت کیسے ہوسکتی ہے۔ بہرحال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بدعت ہرگز نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود حافظ ابن حجر العسقلانی فرماتے ہیں:

''من جهله وعدم اطلاعه وقلة معرفته بمرتبة المجتهدين سيتما الامام الأعظم والهمام الأقدم الذى قال الشافعى فى حقه الناس كلهم عيال على أبى حنيفة فى الفقه وكأنه لم تبلغه تلك الأحاديث مع كثرتها''۔

(جهر فيهما بالقرآءة) علامہ ابن الملک فرماتے ہیں: سنت یہی ہے کہ استسقاء کی نماز بھی ایسے ہی جماعت کے ساتھ پڑھی جائے جیسا کہ عید کی نماز پڑھتے ہیں، امام ابو یوسفؒ کا بھی یہی قول ہے جبکہ امام محمدؒ کا قول ہدایہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اگر ایک مرتبہ پڑھا ہے تو ایک مرتبہ چھوڑا بھی تو ہے لہٰذا یہ سنت نہ ہوگی۔ (الہدایہ ۱/۸۸)

علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں: سنت وہ ہے ہوتی ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مواظبت اختیار کریں۔ اسی وجہ سے شیخ الاسلام فرماتے ہیں: فيه دليل على الجواز عندنا...... ''یعنی اس میں دلیل ہے جواز پر ہمارے نزدیک یعنی جائز ہے اگر اس کو جماعت کے ساتھ پڑھا جائے، لیکن یہ سنت نہیں ہے۔ اور الکافی میں ہے جو کہ امام محمدؒ کی کتب کا مجموعہ ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: استسقاء میں نماز نہیں لیکن صرف دعا ہے، ہم تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی پہنچا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور دعا فرمائی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی پہنچا ہے کہ آپ منبر پر چڑھے اور دعا کے استسقاء کی، اور جن احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صلوۃ الاستسقاء پڑھنے کا ذکر ہے وہ ایک ہی حدیث ہے جو کہ شاذ ہے اور اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ ابن الہمام حدیث کے شاذ ہونے کی وجہ بتا رہے ہیں فرماتے ہیں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل ثابت ہوتا تو بہت مشہور ہوتا اور اس کو نقل کرنے والے کثیر ہوتے، دوسری وجہ یہ کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف منبر پر چڑھ کر دعا کی تو اس وقت ہزاروں صحابہ کا مجمع تھا اگر عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل خلاف سنت تھا تو لوگ خاموش کیوں رہے۔

پھر بعض نے کہا کہ افضل یہ ہے کہ رکعتِ اولیٰ میں سورۃ قٓ یا سبح پڑھے اور دوسری رکعت میں اقترب یا الغاشیۃ پڑھے، اور بعض نے کہا ہے کہ افضل یہ ہے کہ دوسری رکعت میں ''انا ارسلنا نوحًا'' (نوح) اس لئے کہ یہ حال کے زیادہ مناسب ہے، اور ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ الأعلیٰ پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیہ۔

(واستقبل القبلة) یعنی نماز کے بعد۔

(يدعو) حال ہے۔

(ورفع يديه) یعنی دعا کیلئے۔

(وحوّل رداءه حين استقبل القبلة) علامہ مظہرؒ فرماتے ہیں: تحویل سے غرض ''تفاؤل'' ہے۔ تحویل حال سے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چادر پھیر کر یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یا اللہ جس طرح ہم نے چادر پھیری ہے تو ہمارے حال کو بھی ایسے پھیر دے یعنی عُسر کو یُسر سے بدل دے ~~بدحالی~~ کو خوش حالی سے بدل دے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحویل کا طریقہ:

تحویل کا طریقہ یہ ہے کہ چادر کے نچلے حصے کو دائیں ہاتھ سے پکڑے بائیں جانب سے اور اسی طرح دائیں جانب سے چادر کے نچلے حصے کو بائیں ہاتھ سے پکڑے اور ہاتھوں کو پلٹ لے اپنی پشت کے پیچھے سے اس طرح کہ دائیں ہاتھ سے پکڑی ہوئی چادر کی جانب اس کے کندھے پر ہو جو دائیں جانب ہے، اور بائیں ہاتھ سے چادر کی جانب اس کندھے پر ہو جو بائیں جانب ہے، پس جب اس نے ایسا کر لیا تو تحقیق اس نے بدل لیا اپنے دائیں کو بائیں اور بائیں کو دائیں سے، اور اعلیٰ کو اسفل سے اور اسفل کو اعلیٰ سے۔

ابن الہمام فرماتے ہیں، اس حدیث کو صحاح ستہ میں نقل کیا گیا ہے مگر امام بخاریؒ نے اس میں اضافہ کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں میں قراءت جہراً کی لیکن یہ مسلم میں موجود نہیں ہے، اس کے علاوہ حاکم نے روایت کیا حضرت ابن عباسؓ سے اور اس کو صحیح کہا ہے اور اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو رکعات نماز پڑھی اور پہلی میں سات تکبیرات کہیں اور سورۃ الاعلیٰ پڑھی اور دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیہ پڑھی اور دوسری رکعت ہی میں پانچ تکبیرات کہیں۔

لیکن یہ حدیث صحیح نہیں جیسا کہ سمجھا گیا ہے بلکہ یہ حدیث تو ضعیف معارض ہے، یعنی دو خرابیاں ہیں: ① تعارض ② ضعف، اور ضعف کی وجہ ''محمد بن عبدالعزیز بن عمر بن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں، امام بخاری ان کے بارے میں ''منکر الحدیث'' کا قول کرتے ہیں، اور امام نسائی متروک کا۔ ابو حاتم ضعیف الحدیث کا، بہر حال یہ حدیث مستقیم نہیں ہے، اور تعارض اس روایت کے ساتھ ہے جس کو طبرانی نے الوسط میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے:

آنحضرت ﷺ نے دعائے استسقاء کی پھر خطبہ پڑھا نماز سے پہلے اور قبلہ کی طرف چہرہ کیا پھر تحویل رداء کی اور نیچے اترے پھر دو رکعات نماز پڑھی جس میں ایک تکبیر کے علاوہ کوئی اور تکبیر نہ تھی۔

اور اسی طرح حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صبح کی نماز کی طرح دو رکعات پر اضافہ نہ فرماتے تھے۔ پس ان روایات سے حافظ ابن حجر العسقلانی کا قول بھی باطل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ عید کی طرح ہے اور امام مالکؒ کے قول کا بھی رد ہو جاتا ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ باقی نمازوں کی طرح ہے۔

صلوٰۃ استسقاء میں ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنا مستحب ہے

۱۴۹۸: وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ شَيْءٍ مِّنْ دُعَائِهٖ إِلَّا فِي الْإِسْتِسْقَاءِ فَإِنَّهٗ يَرْفَعُ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ إِبْطَيْهِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۵۱۷ حدیث رقم ۱۰۳۱۔ ومسلم ۲/۶۱۲ حدیث رقم (۷۔ ۸۹۵)۔ وأبو داوٗد فی السنن ۱/۶۹۲ حدیث رقم ۱۱۷۰۔ والنسائی ۳/۱۵۸ حدیث رقم ۱۵۱۳۔ والدارمی ۱/۴۳۳ حدیث رقم ۱۵۳۵۔ وأحمد فی المسند ۲/۲۳۶۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی دعا میں اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوائے استسقاء کے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو اس قدر بلند کرتے تھے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی تھی۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: یدیه یعنی رفعِ کامل۔

(فی شیء من دعائه) اس سے جنس دعا مراد ہے۔

(الا فی الاستسقآء) یعنی دعاء الاستسقآء۔

(فانه یرفع) یعنی ہاتھ اٹھاتے تھے۔

(حتی یری) مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے۔

(بیاض ابطیه) علامہ القاضیؒ فرماتے ہیں: بغلوں کی سفیدی اسی صورت میں نظر آسکتی ہے جب ہاتھ سر سے اوپر بلند کئے جائیں اور بدن پر کپڑے مت ہوں اور ایسا صرف استسقاء ہی میں ہوسکتا ہے۔ وگرنہ مطلقاً ہاتھ اٹھانے کا مستحب ہونا تو اکثر دعاؤں میں ثابت ہے۔

(متفق علیہ) قال میرک، اور اس کو ابوداؤد، النسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

استسقاء میں ہاتھ اُٹھانے کا ایک طریقہ

۱۴۹۹: وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَسْقٰی فَاَشَارَ بِظَهْرِ کَفَّیْهِ اِلَی السَّمَاءِ۔

(رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۲/۶۱۲ حدیث رقم ۶/۸۹۶۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استسقاء کے لئے دعا مانگی تو اپنے ہاتھوں کی پشت کے ساتھ آسمان کی طرف اشارہ کررہے تھے۔ (مسلم)

تشریح: (وعنه) یعنی عن أنس رضی اللہ عنہ۔

(أن النبی ﷺ استسقی فاشار بظهر کفیه الی السمآء) محدثین کہتے ہیں کہ یہ تفاؤل ہے تقلب حال سے یعنی ہاتھوں کو پلٹنے سے اشارہ ہے اس طرف کی اللہ ہمارے حالات بھی بدل دے۔ یا پھر اشارہ ہے اس طرف کہ وہ یہ دعا کرنا چاہتے تھے! یا اللہ جس طرح میرے ہاتھ کی پشت آسمان کی طرف اور پیٹ زمین کی طرف ہے اس طرح تو بادلوں کا پیٹ زمین کی طرف فرمادے تاکہ بارش برسے اور قحط ختم ہوجائے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ جو آدمی قحط یا پریشانی میں مبتلا ہو اور اللہ سے رفعِ بلاء کی امید رکھتا ہو تو وہ اپنے ہاتھ کی پشت آسمان کی طرف کرے اور جو آدمی اللہ سے نعمت کا طلب گار ہو تو وہ اپنے ہاتھ یعنی ہتھیلی کا پیٹ آسمان کی طرف کرے۔

اور امام احمد نے روایت کیا ہے کہ آنحضور ﷺ جب پناہ مانگتے تھے تو ہتھیلی کی پشت آسمان کی طرف کرتے اور جب کوئی اور دعا کرتے تو ہتھیلی کا بطن آسمان کی طرف فرماتے۔ (رواہ مسلم)۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارش کے وقت نفع بخش بارش کی دعا مانگنا مسنون ہے

۱۵۰۰: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَاَى الْمَطَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا۔ (رواه البخارى)

أخرجه البخارى فى صحيحه ۲/۵۱۸۔ حديث رقم ۱۰۳۲۔ والنسائى ۳/۱٦٤ حديث رقم ۱۵۲۳۔ وابن ماجه ۲/۱۲۸۰ حديث رقم ۳۸۹۰۔ و أحمد فى المسند ٦/٤١۔

ترجمه: حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب بارش دیکھتے تو یہ دعا فرماتے اے اللہ نفع دینے والی بارش کو ہم پر خوب برسا۔ (بخاری)

تشریح: صیباً: باء کی تشدید کے ساتھ، اصل میں صیوب تھا، واؤ کو یاء سے بدلا اور ادغام کر دیا جیسا کہ سید ہے۔ صیبًا بمعنی مطر کے ہے۔ امام بخاریؒ نے اس کو حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے، اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو ''الکشاف'' میں ہے۔ ''الصیب'' اس بارش کو کہتے ہیں جو خوب سیراب کرنے والی ہو۔ اور خوب بہنے والی ہو۔ اور اس میں ترکیب کی جہت سے مبالغہ بھی ہے۔ اور اس لفظ یعنی صیباً کا نکرہ ہونا بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ مطر کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔

امام ابن ماجہ نے ''سیبًا'' روایت کیا ہے سین کے فتحہ کے ساتھ بمعنی عطاء اور بخشش۔

(نافعًا) یعنی یہ بارش نقصان والی نہ ہو، جیسا کہ نوح علیہ السلام کا طوفان، یہ ابن الملک کا قول ہے۔

علامہ ابن حبانؒ نے اس دعا میں لفظ ''ھنیئًا'' روایت کیا ہے۔

علامہ النوویؒ فرماتے ہیں اگر آپ احادیث میں آنے والے الفاظ کو جمع کرنا چاہتے ہیں تو یوں کہیے:

''اللهم صيبًا، سيبًا نافعًا، هنيئًا''۔

بارش کا پانی متبرک و صاف شفاف ہے

۱۵۰۱: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اَصَابَنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَطَرٌ قَالَ فَحَسَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبَهٗ حَتّٰى اَصَابَهٗ مِنَ الْمَطَرِ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا قَالَ لِاَنَّهٗ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِرَبِّهٖ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فى صحيحه ۲/٦١۵ حديث رقم (۱۳۔ ۸۹۸)۔ وأبوداوٗد فى السنن ۵/۳۳۰ حديث رقم ۵۱۰۰۔

www.KitaboSunnat.com

ترجمه: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے کسی موقع پر تو بارش شروع ہوگئی راوی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے سر سے کپڑے کو ہٹالیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے سر مبارک پر بارش کا پانی برسنے لگا، ہم نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ نے یہ کام کیوں کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اس لئے کیا ہے کہ یہ پانی ابھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابھی اپنے رب کے پاس سے آیا ہے۔

تشریح: (وعن أنس قال أصابنا) یعنی ہم پر نازل ہوئی یا ہمیں پہنچی۔

(ونحن مع رسول اللہ ﷺ) فاعل یا مفعول سے حال ہے۔

(مطر قال) قال کے فاعل حضرت انسؓ ہیں۔

(فحسر) بمعنی کھولنا اور ہٹانا۔

(رسول اللہ ﷺ ثوبہ) یعنی اپنے بدن مبارک سے کپڑا ہٹایا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں: آپ ﷺ نے سر سے کپڑا ہٹایا ہوگا یہی بات اظہر ہے علامہ طیبیؒ کے نزدیک۔لیکن ''حاکم'' کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی پشت مبارک سے کپڑا اٹھایا تھا۔

(حتی أصابہ من المطر) امام شافعیؒ ایک ضعیف سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب بارش کی دعا مانگتے تو فرماتے:

''اقربوا بنا الی ھذا الذی جعلہ طھرًا فنتطھر منہ، ونحمد اللہ علیہ''۔

(فقلنا یا رسول اللہ لم صنعت ھذا) یعنی اس میں کیا حکمت ہے؟

(قال لأنہ) یعنی نئی بارش۔

(حدیث عھد بربہ) یعنی اسکا ابھی ابھی نازل ہونا میرا رب کے ابھی ابھی کے حکم سے ہوا ہے۔جیسا کہ نومولود بچہ ہوتا ہے نیز اسی وجہ سے ''لکل جدیدٍ لذۃ'' یا ''کل' جدید لذیذ'' مشہور ہے۔

اور احادیث میں ہے کہ جب کوئی نیا پھل آتا تو آپ ﷺ اسے اپنے ہونٹوں پر لگاتے اور آنکھوں پر بھی لگاتے، وجہ اس کی یہی تھی کہ اس کی پیدائش یا تخلیق کا زمانہ قریب تھا، یعنی وہ ابھی ابھی اللہ کی طرف سے آیا ہوا پھل ہوتا تھا، اس وجہ سے اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ نہ کچھ قرب کی نسبت حاصل تھی اور اسی طرح کی علت بارش میں بھی پائی جاتی ہے اس لئے آپ ﷺ اس پانی کو اپنے بدن مبارک سے لگانا چاہتے تھے۔نیز یہ بارش بُرکت ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وأنزلنا من السمآء ومآءً مبارکًا﴾ [ق۔۹]۔

امام شافعیؒ کی روایت کردہ خبر کے مطابق نزولِ مطر کے وقت دعا کرنا چاہیے کیونکہ یہ قبولیت کی گھڑی ہوتی ہے۔

علماء کہتے ہیں کہ یوں کہنا: ''مطرنا بفضل اللہ ورحمتہ'' جائز ہے۔(رواہ مسلم)

الفصل الثانی:

استسقاء میں تحویلِ رداء کا ذکر

۱۵۰۲: عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ زَیْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْمُصَلّٰی فَاسْتَسْقٰی وَحَوَّلَ رِدَاءَ ہٗ حِیْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ فَجَعَلَ عِطَافَہُ الْاَیْمَنَ عَلٰی عَاتِقِہِ الْاَیْسَرِ وَجَعَلَ عِطَافَہُ الْاَیْسَرَ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَلٰی عَاتِقِهِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ دَعَا اللّٰهَ۔ (روہ ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ١/٦٨٨ حديث رقم ١١٦٣۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ان زیدؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ عیدگاہ کی طرف نکلے وہاں بارش کیلئے دعا مانگی اور اپنی چادر کو پلٹا جب قبلہ رو کھڑے ہوئے۔ پس آپ ﷺ نے چادر کا دایاں کنارہ اپنے بائیں کندھے پر کیا اور چادر کا بایاں کنارہ اپنے دائیں کندھے پر کیا اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا مانگی۔ (ابوداؤد)

تشریح: (عن عبداللہ بن زید قال:...... فجعل) جعل بمعنی ڈالنا۔

(عطافه) چادر کی جانب یا چادر کا حصہ

وجعل عطافه الأيسر على عاتقه الأيمن) النہایۃ میں ہے "العطاف" رداء کو کہتے ہیں۔ اور اس حدیث میں "عطاف" کی اضافت رداء کی طرف کی اور مراد اس سے چادر کی ایک طرف یا چادر کا ایک حصہ ہے، اور اس میں ھاء رداء کی ضمیر ہے۔

علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں: رداء کو عطاف اس لئے کہہ دیا گیا کیونکہ یہ عطفین یعنی پہلوؤں پر ڈالی جاتی ہے۔

(ثم دعا الله) اس حدیث میں نماز کا ذکر موجود نہیں۔ (رواہ ابوداؤد)

سیاہ چادر بھی پہننا مسنون ہے

۱۵۰۳: وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ اسْتَسْقٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمِيْصَةٌ لَّهٗ سَوْدَآءُ فَاَرَادَ اَنْ يَّاْخُذَ اَسْفَلَهَا فَيَجْعَلَهٗ اَعْلَاهَا فَلَمَّا ثَقُلَتْ قَلَّبَهَا عَلٰی عَاتِقِهٖ۔ (رواہ احمد و ابوداود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ١/١٨٨ حديث رقم ١١٦٤۔ والنسائي ٣/١٥٦ حديث رقم ١٥٠٧۔ وأحمد في المسند ٤/٤٢۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن زیدؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے بارش طلب کرنے کیلئے دعا مانگی تو اس وقت آپ ﷺ پر سیاہ چادر تھی۔ آپ نے ارادہ کیا کہ اس کے نچلے حصہ کو پکڑیں اور اس کو اوپر کر دیں پس جب اس میں آپ کو دقت پیش آئی تو آپ ﷺ نے اس کو اپنے کندھے پر ہی پلٹ دیا۔ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: (وعنه) یعنی عبداللہ بن زید۔

(قال: استسقی رسول اللہ ﷺ وعليه خميصة) یعنی کالے رنگ کی چادر تھی۔ اور مربع شکل کی تھی، دونوں جانب دو نشان تھے اور اون وغیرہ سے بنی ہوئی تھی۔ النہایہ میں ہے کہ وہ ریشم اور اون سے بنا ہوا کپڑا تھا یا نشان زدہ اون کا کپڑا تھا۔

(له) ہٗ ضمیر آنحضرت ﷺ کی ذاتِ بابرکت کی طرف راجع ہے۔

(سودآء) خمیصۃ کی صفت ہے۔ اور اس میں تجرید ہے۔

(فأراد أن يأخذ أسفلها فيجعله أعلاها فلما ثقلت) یعنی جب آپ ﷺ پر مشکل ہوئی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(قلبها) تو اس کو پلٹ دیا۔

قلبها لام کی تشدید کے ساتھ ہے بعض نے تخفیف کا بھی قول کیا ہے۔

(علی عاتقیه) یعنی چادر کے نیچے والے حصے کو اوپر کر لیا، کندھوں کے اوپر اسی طرح ابن الملک کہتے ہیں کہ جو حصہ دائیں کندھے پر تھا اسے بائیں کندھے پر کر لیا۔

امام احمد کی اس روایت میں یہ اضافہ بھی ہے: وحوّل الناس معه، یعنی لوگوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تحویل رداء کیا۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تحویل امام کیلئے مشروع ہے مقتدیوں کیلئے مشروع نہیں ہے۔ (رواہ احمد وابوداؤد)۔

استسقاء کیلئے ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا مسنون ہے

۱۵۰۴: وَعَنْ عُمَيْرٍ مَوْلٰى اٰبِي اللَّحْمِ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَسْقِيْ عِنْدَ اَحْجَارِ الزَّيْتِ قَرِيْبًا مِّنَ الزَّوْرَاءِ قَائِمًا يَدْعُوْ لِيَسْتَسْقِيْ رَافِعًا يَدَيْهِ قِبَلَ وَجْهِهٖ لَايُجَاوِزُ بِهِمَا رَاْسَهٗ۔

(وروی الترمذی والنسائی نحوه رواه ابوداود)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/ ۶۹۰ حدیث رقم ۱۱۶۸۔ والترمذی ۲/ ۴۴۳ حدیث رقم ۵۵۷ والنسائی ۳/ ۱۵۸ حدیث رقم ۱۵۱۴۔ وأحمد فی المسند ۵/ ۲۲۳۔

ترجمہ: حضرت عمیرؓ جو کہ ابی اللحم کے آزاد کردہ غلام ہیں، فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو احجار الزیت کے پاس جو کہ مقام زوراء کے قریب ہے بارش کی دعا کرتے ہوئے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر بارش کیلئے دعا مانگ رہے تھے اس حال میں کہ آپؐ نے اپنے ہاتھ اپنے چہرے کے برابر اٹھائے ہوئے تھے جو کہ سر سے متجاوز نہیں تھے۔ (ابوداؤد)

راویٔ حدیث:

ابی اللحم خلف بن عبدالملک۔ یہ خلف ابن عبدالملک غفاری وحجازی ہیں۔ "آبی اللحم" کے نام سے مشہور ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ان کا نام "عبداللہ" ہے۔ اور ایک قول میں "حویرث" ہیں (آبی اللحم کے معنی ہیں گوشت سے انکار کرنے والا) اور یہ "آبی اللحم" کے لقب سے اس لئے مشہور ہوئے کہ گوشت مطلقاً نہیں کھاتے تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ اس جانور کے گوشت کو نہ کھاتے تھے جو بتوں پر ذبح کیا گیا ہو۔ (یعنی اسلام لانے سے پہلے بھی اس سے پرہیز کرتے تھے) اور ایک قول یہ ہے کہ ان کے غلام عمیر نے ایک مرتبہ ان کی اجازت کے بغیر کسی مسکین کو گوشت دیا تو انہوں نے اس کی پٹائی کی۔ اور بغیر اجازت کے گوشت دینے سے منع کر دیا تھا۔ یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ جلد چہارم حدیث: ۱۹۵۳ میں آئے گا۔ یوم حنین میں شہید ہوئے۔ ان کے آزاد کردہ عمیر ان سے روایت کرتے ہیں۔ وہ بھی صحابی ہیں کہا گیا ہے کہ ان سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے آبی میں ہمزہ پر زبر باء موحدہ مکسور اور یاء ساکن ہے۔ "آبی یابی" سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔

عمیر مولیٰ ابی اللحم۔ یہ "عمیر آبی اللحم غفاری حجازیؒ" کے آزاد کردہ ہیں۔ دونوں ہی طبقہ صحابہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ اپنے آقا "آبی اللحم" کے ہمراہ فتح خیبر میں شریک ہوئے ہیں۔ ان سے ایک گروہ روایت کرتا ہے انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارشادات کو سنا اور یاد بھی رکھا ہے۔

''عمیر'' صیغۂ تصغیر کے ساتھ ہے ''آبی اللحم'' میں ہمزہ کا زبر اس کے بعد الف ساکن اور بائے موحدہ مکسورہ ہے۔

تشریح: (وعن عمیر) تصغیر کے ساتھ۔

بعض نے کہا کہ یہ وہ صحابی ہیں جن کا ذکر صرف اسی حدیث میں ملتا ہے۔ لیکن پھر بھی ان کو شرف صحبت حاصل ہے۔

(أنه رأى النبیﷺ یستسقی عندأ حجار الزّیت) أحجار الزیت مدینہ منورہ کے راستے میں ایک جگہ کا نام ہے، اس کو أحجار الزّیت اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس کے پتھر سیاہ رنگ کے ہیں اور جب وہ پتھر بکھرے ہوئے ہوتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا کہ شاید زیتون بکھرے پڑے ہوں۔ اس کو بعض اوقات ''حرّہ'' بھی کہتے ہیں کیونکہ ح ر ہ عربی زبان میں سیاہ پتھروں والی زمین کو کہا جاتا ہے۔

(قریباً من الزوراء) زاء کے فتحہ کے ساتھ ہے، ایک جگہ کا نام ہے۔

(قائمًا یدعو یستسقی) دونوں حال ہیں یعنی اس حال میں دعا مانگ رہے تھے اور بارش کی دعا مانگ رہے تھے۔

(رافعًا یدیه قبل وجهه) قاف کے کسرہ اور بآء کے فتحہ کے ساتھ، بمعنی طرف، یعنی اپنے چہرے کی طرف ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کبھی آپ ﷺ اس طرح دعا مانگتے تھے جس طرح اس حدیث میں ہے اور بعض دفعہ اس طرح مانگتے تھے جیسا کہ ماقبل احادیث میں ہے۔

(لا یجاوز بهما رأسه) یعنی جب ہاتھ اٹھاتے تو سر سے بلند نہ کرتے۔ یہ منافی نہیں اس کے جس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں، کہ حضور ﷺ دعا میں ہاتھ اٹھانے میں مبالغہ کرتے تھے کیونکہ اس حدیث میں احتمال ہے کہ شاید راوی کثرتِ احوال بتانا چاہتے ہوں، یا اس کا برعکس بتانا چاہتے ہوں۔

(رواه ابو داؤد وروی الترمذی والنسائی نحوه) یعنی اس کے معنی کو روایت کرتے ہیں۔

دُعا کے اندر خشوع وخضوع اور عاجزی کا ہونا ضروری ہے

۱۵۰۵: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِيْ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ مُتَبَذِّلاً مُتَوَاضِعًا مُتَخَشِّعًا مُتَضَرِّعًا۔ (رواہ الترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجة)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۱/ ۶۸۸ حدیث رقم ۱۱۶۵۔ والترمذی ۲/ ۴۴۵ حدیث رقم ۵۵۸۔ و النسائی ۳/ ۱۵۶ حدیث رقم ۱۵۰۸۔ وابن ماجه ۱/ ۴۰۳ حدیث رقم ۱۲۶۶۔ وأحمد فی المسند ۱/ ۳۵۵۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ بارش طلب کرنے کیلئے باہر نکلے اس حال میں کہ آپ ﷺ زیب وزینت ترک کیے ہوئے تھے اور انتہائی تواضع کی حالت میں تھے اور انتہائی عاجزی اور انکساری کی حالت میں تھے اور انتہائی تضرع اور عجز کی حالت میں تھے۔ (ترمذی)

تشریح: (وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما ...... الاستسقآء) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ دعا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے استسقاء کیلئے باہر تشریف لاتے تھے، یہی راوی کے کلام سے مفہوم ہو رہا ہے۔

(متبذّلاً) تآء، باء سے پہلے ہے، متبذلا، بذلة ہے بمعنی عام روزمرہ کے استعمال کے کپڑے، یعنی آپ ﷺ نے عام کپڑے پہنے ہوئے تھے، النہایہ میں ہے مراد یہاں سے "ترك التزين" ہے تواضع کے طور پر۔ اور کپڑوں کا معمولی ہونا انسان میں عاجزی، انکساری اور حاجت مندی کو ظاہر کرتا ہے۔

(متواضعًا) یہاں سے ظاہری تواضع مراد ہے ورنہ قلبی تواضع تو آپ ﷺ میں ہر وقت موجود ہوتی تھی۔

(متخشعًا) یہاں سے باطنی خشوع مراد ہے۔

(متضرعًا) زبان سے تضرع مراد ہے۔

(رواه الترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے علامہ میرک نے یہی نقل کیا ہے۔ (وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

بارش کیلئے خاص دعاء

وَعَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَااسْتَسْقٰى قَالَ اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ۔ (رواه مالك وابوداود)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۶۹۵ حدیث رقم ۱۱۷۶۔ ومالك فی الموطأ ۱/۱۹۰ حدیث رقم ۲ من كتاب الاستسقاء۔

ترجمہ: حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاصؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ جب بارش مانگتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے: اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ ۔ اے اللہ اپنے بندوں کو اور اپنے جانوروں کو پانی سے سیراب فرمادے اور اپنی رحمت کو پھیلا دے اور اپنی خشک زمین کو اور بنجر زمین کو آباد فرمادے۔ (ابوداؤد)

تشریح: (وعن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جدّه) یعنی عن عبداللہ بن عمرو بن العاص اور اس سند کی تحقیق ماقبل گزر چکی ہے۔

(قال: كان النبیﷺ اذا استسقى قال اللهم اسق) ہمزہ وصلی اور قطعی دونوں ہوسکتے ہیں۔

(عبادك) لفظ عباد، مردوں عورتوں، غلام اور باندیوں سب کو شامل ہے۔

(وبهيمتك) چوپاؤں سے تمام چوپائے اور حشرات الارض مراد ہیں۔

(وانشر) شین کے ضمہ کے ساتھ، بمعنی پھیلا دے۔

(رحمتك واحي بلدك الميت) یعنی فصلوں کے خشک ہونے کے بعد انہیں دوبارہ سرسبز کردے گویا کہ انہیں دوبارہ زندگی مل گئی ہو۔ یعنی ان کو بارش کے ذریعے تر کردے۔ (رواه مالک وابوداؤد)۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طلبِ بارش کی ایک اور دُعا

۱۵۰۷: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوَاكِئُ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اسْقِنَاغَيْثًا مُّغِيْثًا مَّرِيْئًا مُرِيْعًا نَّافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ قَالَ فَاَطْبَقَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ۔ (رواہ ابوداؤد)

سنن ابی داوٗد' کتاب الصلاۃ' باب رفع الیدین فی الاستسقاء' ح ۹۸۸

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۱/۶۹۱ حدیث رقم ۱۱۶۹وابن ماجه ۱/۴۰۴ حدیث رقم ۱۲۷۰وأحمد فی المسند ۴/۲۳۵۔

ترجمہ:حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے اور پھیلائے ہوئے طلب بارش کیلئے یہ دعا فرما رہے تھے : اَللّٰهُمَّ اسْقِنَاغَيْثًا مُّغِيْثًا مَّرِيْئًا مُرِيْعًا نَّافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ۔ اے اللہ تو ہمیں ایسی بارش سے سیراب فرما جو کہ مددگار ثابت ہو اور جس کا انجام اچھا ہو (یعنی خوشگوار ہو) جو سرسبز بنانے والی ہو' نفع بخش ہو نقصان دینے والی نہ ہو اور جلد آنے والی ہو دیر سے آنے والی نہ ہو تو راوی (یعنی حضرت جابرؓ) فرماتے ہیں کہ آسمان ان پر ابر آلود ہو گیا۔ (رواہ ابوداؤد)

تشریح:یواکی۔المواکاۃ والتوکؤ ٹیک اور سہارا لگانے کو کہتے ہیں، النہایہ میں ''التوکؤ علی العصا'' ہے۔

(فقال:اللهم اسقنا)ہمزہ وصلی اور قطعی دونوں کے ساتھ ہے۔

(غيثا)یعنی بارش۔

(مغيثا)میم کے ضمہ کے ساتھ بمعنی ''الاعانة''ایک روایت میں ''هنيئا'' بھی ہے۔

(مريئا)میم کے فتحہ کے ساتھ،اور مد کے ساتھ،اس میں ادغام بھی جائز ہے،بمعنی ''هنيئا''،یعنی ایسی بارش جو ''محمود العاقبة'' ہو یعنی جس کا انجام اچھا ہو،اور اس میں غرق اور ھدم وغیرہ نہ ہو۔

مسلم شریف کی روایت میں ''اللهم أغثنا'' بھی ہے۔علامہ القاضی فرماتے ہیں الاغاثة بمعنی المعونة ہے۔

(مريعا)میم کے فتحہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ ہے، بمعنی کثیرًا۔شرح السنة میں ہے مريعا کہتے ہیں ایسی بارش کو جو سرسبزی کا پیغام لائے۔اور ایک روایت کے مطابق ''مريعا'' کے بجائے ''مربعا'' باء کے ساتھ اور میم کے ضمہ کے ساتھ، بمعنی بہار لانے والی بارش، یعنی جیسے موسم بہار میں ہر چیز سرسبز ہو جاتی ہے تو بارش بھی ایسی ہو جو سرسبز کر دینے والی ہو۔اور ایک روایت میں ''مرتعا'' میم کے فتحہ اور تاء کے ساتھ بمعنی وہ چیز جس سے سبزہ اگے، اسی سے ''يرتع ويلعب'' ہے، علامہ طیبیؒ نے یہی ذکر کیا ہے۔جبکہ بعض نے مريعا کے معنی خصيبًا کئے ہیں۔

(نافعا غير ضار)''غير ضار'' تاکید ہے۔

(عاجلا غير آجل)غير آجل مبالغتًا ہے۔

(قال)اس کے فاعل حضرت جابرؓ ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(فاطبقت) اس کا فاعل ''السماء'' ہے اس لئے مؤنث کا صیغہ استعمال کیا۔

(علیھم السماء) اطبق کا لفظ جب بولا جاتا ہے جب کوئی چیز کسی کے سر کو ڈھانپ لے، یعنی راوی کنایہ چاہتے ہیں کہ بادل اتنے گہرے اور زیادہ تھے کہ ہمیں آسمان نظر نہیں آ رہا تھا۔

نیز اس حدیث میں اطباق کی نسبت آسمان کی طرف مبالغتاً کی ہے وگرنہ آسمان سے تو بارش ہرگز نہیں ہوتی بلکہ بارش تو بادلوں سے ہوتی ہے۔

الفصل الثالث:

آنحضرت ﷺ کا صلوٰۃ استسقاء کیلئے مناسب وقت اور موقع کا انتظار فرمانا

۱۵۰۸: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ شَكَى النَّاسُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُحُوْطَ الْمَطَرِ فَاَمَرَ بِمِنْبَرٍ فَوُضِعَ لَهٗ فِي الْمُصَلّٰى وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْمًا يَخْرُجُوْنَ فِيْهِ قَالَتْ عَائِشَةُ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ اِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ وَاسْتِئْخَارَ الْمَطَرِ عَنْ اِبَّانِ زَمَانِهٖ عَنْكُمْ وَقَدْ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَدْعُوْهُ وَوَعَدَكُمْ اَنْ يَّسْتَجِيْبَ لَكُمْ ثُمَّ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَايُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّتًا وَبَلَاغًا اِلٰى حِيْنٍ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمْ يَتْرُكِ الرَّفْعَ حَتّٰى بَدَاءَ بَيَاضُ اِبْطَيْهِ ثُمَّ حَوَّلَ اِلَى النَّاسِ ظَهْرَهٗ وَقَلَّبَ اَوْحَوَّلَ رِدَاءَهٗ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَنَزَلَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَاَنْشَاَ اللّٰهُ سَحَابَةً فَرَعَدَتْ وَبَرَقَتْ ثُمَّ اَمْطَرَتْ بِاِذْنِ اللّٰهِ فَلَمْ يَاْتِ مَسْجِدَهٗ حَتّٰى سَالَتِ السُّيُوْلُ فَلَمَّا رَاٰى سُرْعَتَهُمْ اِلَى الْكِنِّ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنِّيْ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبوداؤد في السنن ۱/۶۹۲ حديث رقم ۱۱۷۳۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ لوگوں نے محبوب خدا ﷺ کے سامنے بارش کے نہ ہونے کی شکایت کی، تو آپ نے منبر رکھنے کا حکم دیا، جب آپ ﷺ کیلئے عیدگاہ میں منبر رکھ دیا گیا اور آپ ﷺ نے لوگوں کے ساتھ ایک دن مقرر کر لیا کہ وہ اس دن عیدگاہ میں چلے جائیں تو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس دن دعا کیلئے عیدگاہ کی طرف نکلے جبکہ سورج کا کنارہ ظاہر ہو گیا، پس آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور تکبیر کہی اور اللہ تعالیٰ کیلئے تعریفی کلمات کہے اور پھر فرمایا کہ بے شک تم نے اپنے شہروں کے خشک ہونے کی اور بارش کے اپنے وقت پر نہ برسنے کی شکایت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تھی تو تحقیق اللہ نے حکم دیا ہے کہ تم اس سے مانگو اور تمہارے ساتھ وعدہ کیا ہے وہ تمہاری دعا کو قبول فرمائے گا۔ پھر فرمایا الحمدللہ رب العٰلمین...... تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جو جہانوں کا پالنے والا ہے' مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے' قیامت کے دن کا مالک ہے نہیں کوئی معبود مگر اللہ وہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ اے اللہ تو ہمارا معبود ہے، نہیں ہے کوئی معبود تیرے سوا، تو بے پرواہ ہے اور ہم محتاج ہیں، ہم پر بارش برسا، اور اس بارش کو جو تو اتارے ہمارے لئے قوت اور مقاصد تک پہنچنے کا ذریعہ اور طویل مدت کیلئے سبب بنا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور نہ چھوڑا اٹھانے کو یعنی اتنے اٹھائے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی پھر لوگوں کی طرف اپنی پشت مبارک کو پھیرا اور اپنی چادر اُلٹی کی یا اپنی چادر پھیری اس حال میں کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر منبر سے نیچے تشریف لائے اور دو رکعات نماز پڑھائیں، پس اسی وقت اللہ تعالیٰ نے بادل ظاہر کر دیا۔ پس وہ گرجنے اور چمکنے لگا پھر اللہ کے حکم سے بارش اترنا شروع ہوگئی یہاں تک آپ ﷺ اپنی مسجد تک نہیں پہنچے تھے کہ پرنالے بہنے لگے، پس جب آپ ﷺ نے دیکھا لوگوں کو اوٹ تلاش کرنے میں جلدی کرتے ہوئے تو ہنس پڑے یہاں تک آپ کی کچلیاں مبارک ظاہر ہونے لگیں اور فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ (ابوداؤد)

تشریح: (عن عائشة قالت شكا) الف کے ساتھ لکھا گیا ہے لیکن بعض نے یآء کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔

(الناس الى رسول اللهﷺ قحوط المطر) قاف کے ضمہ کے ساتھ بمعنی کسی چیز کا نہ ہونا۔

(فأمر بغنبر فوضع له فی المصلی) علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں: اس میں منبر کے باہر نکالنے کا حکم دیا تھا۔

(ووعد الناس يومًا يخرجون فيه) فیہ ــ فی ذلك اليوم یعنی ''اس دن'' مراد ہے۔

(قالت عائشة: فخرج رسول اللهﷺ حين بدا) ''بدا'' الف کے ساتھ ہے نہ کہ ہمزہ کے ساتھ بمعنی ظاہر ہونا۔

(حاجب الشمس) یعنی سورج ابھی ابھی طلوع ہوا تھا اور اس کی پہلی پہلی کرنیں زمین پر اور لوگوں پر پڑنے لگیں تھیں، اور دیکھنے میں مثلِ حاجب تھا۔

(فقعد على المنبر فكبر فحمد الله) امام مالک، امام شافعی اور امام احمد ایک روایت کے مطابق فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد دو خطبے مسنون ہیں، مشہور قول یہی ہے۔ اور اس خطبے کی ابتداء استغفار سے کرے گا جیسے خطبۂ عید کی ابتداء تکبیر سے کی جاتی ہے۔ اور ایک دوسرے قول کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد کے نزدیک اس میں خطبہ نہیں ہے فرماتے ہیں اسی پر نص موجود ہے، اور یہ تو صرف دعاء اور استغفار ہے۔

علامہ ابن اہمام فرماتے ہیں: ''أصحاب السنن الأربعة'' نے روایت کیا ہے اسحاق بن عبداللہ بن کنانہ سے، یہ فرماتے ہیں: کہ ولید بن عتبہ نے جو کہ امیرِ مدینہ تھے، مجھے حضرت ابن عباس کے پاس بھیجا، میں نے ان سے استسقاء کے بارے میں پوچھا تو آپؓ نے فرمایا:

''خروج رسول الله متبذ لا متواضعا متضرعا حتى أتى المصلى، فلم يخطب خطبتكم هذه......''

رسول اللہ ﷺ باہر نکلے تواضع کرتے ہوئے، عاجزی وانکساری کرتے ہوئے یہاں تک ایک میدان میں آگئے پھر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ نے کوئی خطبہ نہیں دیا لیکن مستقبل عاجزی وانکساری سے دعا مانگتے رہے، اور دو رکعات نماز پڑھی جیسا کہ عید کی نماز پڑھی جاتی ہے، امام ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں: دو خطبے ہوں گے اور ان کے درمیان جلوس سے فصل ڈالا جائے گا۔

(ثم قال انکم شکوتم) یعنی شکایت کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف۔

(جدب دیارکم) جیم کے فتحہ اور دال کے سکون کے ساتھ بمعنی قحط۔

(واستئخار المطر) بارش میں تأخیر ہونا۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں: اس میں سین مبالغہ کیلئے ہے، کیونکہ جب کسی کام کو بہت دیر ہو جائے تو کہا جاتا ہے ''استأخر الشيء اذا تأخر تأخرا بعیدًا''۔

(عن ابان زمانه) ہمزہ کے کسرہ اور باء کی تشدید کے ساتھ بمعنی وقت اور اس میں خاص کی اضافت ہے عام کی طرف بمعنی ''عن اوّل زمان المطر'' اور النہایۃ میں ہے کہ ''الابان'' ہر شئی کے اول کو کہتے ہیں۔

(عنکم) متعلق ہے ''استئخار'' کے ساتھ۔

(وقد أمرکم اللّٰه) یعنی قرآن مجید میں حکم دیا۔

(أن تدعوه) کہ ہمیشہ تم اسے پکارو خصوصاً سختیوں کے وقت میں۔

(ووعدکم أن یستجیب لکم) کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ادعونی أستجب لکم﴾ [غافر۔ ۶۰] مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

اور یاد رکھو اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

(ثم قال: الحمد للّٰه رب العالمین) یعنی اس حال میں بھی اور تمام احوال میں۔

(الرحمٰن الرحیم) یعنی وہ تو اپنے بندوں پر چاہے وہ کافر ہوں یا مؤمن نعمتیں برسانے والا ہے۔

(مالك یوم الدین) الف کے ساتھ۔ مالک کہہ کر اشارہ ہے اس طرف کہ مجھے اس روز بھی تمام کوتاہیاں معاف کرنے کا اختیار ہوگا جس کو چاہوں معاف کروں جس کو چاہوں عذاب دوں۔

(لا اله الا اللّٰه) اللہ کی ذات اُلوھیۃ میں منفرد ہے۔

(یفعل ما یرید ویحکم ما یشآء لا رادّ لقضائه ولا معقب لحکمه) اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا اور اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے اور وہ اپنی مرضی سے جو چاہے کر سکتا ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں جیسا کہ ایک حدیث قدسی ہے:

''یا عبدی أرید وترید ولا یکون الا ما أرید فمن رضی فله الرضا ومن سخط فله السخط''

[البخاری۔ ۵۰۱/۳] و [مسلم۔ ۶۱۲/۲]

''اے میرے بندے! ایک تیری چاہت ہے اور ایک میری چاہت ہے، لیکن ہوتا وہی ہے جو میری چاہت ہے، پس اگر تو میری چاہت پر راضی رہا تو تجھے تیری چاہت ملے گی جس پر تو خوش ہوگا اور اگر تو میری چاہت پر راضی نہ رہا تو تجھے تیری چاہت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی نہ مل سکے گی کہ تو اس پر خوش ہو سکے"۔

پس اگر تم یہ چاہتے ہو کہ ہر کام تمہاری مرضی کے مطابق ہو تو اس کا آسان حل یہ ہے کہ تم وہی چاہو جو اللہ کی مرضی ہے، اس طرح ہر کام تمہاری چاہت کے مطابق ہوتا جائے گا۔

جیسا کہ بعض صوفیا نے شعر کہا ہے:

أريد وصاله ويريد هجری ۔ فأترك ما أريد لما يريد

ترجمہ: میں اس کا وصال چاہتا ہوں مگر وہ میری جدائی چاہتا ہے تو پس میں اپنی چاہت کو اس کی چاہت پر قربان کرتا ہوں۔

علامہ بایزید بسطامیؒ نے ابو یزیدؒ سے پوچھا:

يا أبا يزيد ما تريد؟ (اے ابو یزید آپ کیا چاہتے ہو؟)

ابو یزید نے فرمایا:

"**أريد أن لا أريد**"۔ (میں یہ چاہتا ہوں کہ کچھ بھی نہ چاہوں)۔

(**اللهم انت الله لا اله الا أنت**) أنت تاکید ہے۔ (**الغنی**) یعنی وہ مستغنی ہے ہر کسی سے۔

(**ونحن الفقراء**) یعنی ہم محتاج ہیں تیری ہی طرف۔

(**أنزل علينا الغيث**) ایک نسخہ میں الغیث کے بجائے غیثًا ہے۔

(**واجعل ما أنزلت لنا قوة**) یعنی ایسی قوت جو ہمارے لئے حیات کا سبب ہو۔

(**وبلاغًا الى حين**) حین سے مراد موت کا وقت ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں: بلاغ اسے کہتے ہیں جو ہمیں مطلوب تک پہنچا دے۔ تو ترجمہ یہ ہوگا کہ ایسی بارش عطا فرما جو ہمارے لئے قوت ہو اور موت تک کیلئے سامان ہو۔

(**ثم رفع يديه فلم يترك الرفع**) یعنی ہاتھ اٹھائے رکھے۔

(**حتی بدا**) یعنی ظاہر ہونا۔

(**بياض ابطيه**) یعنی ان دونوں کی جگہ۔

(**ثم حوّل الى الناس ظهره**) یعنی قبلہ کی طرف رخ کر لیا اس میں مخلوق سے کنارہ کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

(**وقلب**) ایک نسخہ میں تشدید کے ساتھ اور دوسرے نسخہ میں تخفیف کے ساتھ ہے۔ ابط کی سفیدی اس لئے ظاہر ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابطین میں بال نہ تھے۔

(**أو حوّل**) تشکیک راوی ہے۔

(**رداءه**) تفاؤلا ایسا کیا جیسا کہ ماقبل بھی گذر چکا۔

(**وهو رافع يديه**) یعنی جب رخ قبلے کی طرف کیا اس وقت یہ حالت تھی۔

(**ثم أقبل على الناس**) یعنی لوگوں کی طرف کیا۔

(**ونزل**) اور منبر سے اترے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(فصلی رکعتین فأنشا اللّٰہ) بمعنی پیدا کرنا۔ وجود دینا۔

(سحابۃً فرعدت وبرقت) راء کے فتحہ کے ساتھ یعنی بادل ظاہر ہوئے اور ان میں بجلی اور کڑک بھی سنائی دینے لگی۔
النہایۃ میں ہے "برقت" راء کے کسرہ کے ساتھ ہو تو معنی "حیرت" کے ہوتے ہیں اور اگر فتحہ کے ساتھ ہو تو بجلی کی چمک کے ہوتے ہیں۔

(ثم أمطرت باذن اللّٰہ) اکثر علماء محققین کے نزدیک اس میں دونوں لغتیں ہیں یعنی "امطرت" اور "مطرت" یعنی الف کے ساتھ بھی اور بغیر الف کے بھی۔ جبکہ بعض اہل لغت کہتے ہیں لفظ "امرت" عذاب کے ساتھ خاص ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً﴾ [الحجر۔ ۷٤]
لیکن مشہور اکثر محققین کا قول ہی ہے۔

(فلم یأت) یعنی حضور ﷺ اس جگہ سے نہ آئے جہاں پر استسقاء کی دعا کی تھی یعنی صحراء سے۔

(مسجدہ) یعنی اس صحراء سے ابھی مسجد تک بھی نہ پہنچے تھے۔

(حتی سالت السیول) یعنی ہر طرف سے۔

(فلما رأی سرعتہم) یعنی ان کے تیز چلنے کو دیکھا۔

(الی الکنّ) کاف کے کسرہ اور نون کی تشدید کے ساتھ۔ اور کنّ کہتے ہیں ان گھروں کو جہاں لوگ گرمی اور سردی میں ٹھکانہ پکڑتے ہیں۔ یعنی جب آنحضرت ﷺ نے دعا کی اور بارش تیزی کے ساتھ ہونے لگی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اپنے گھروں کی طرف تیزی سے بھاگنے لگے۔

ضحك حتی بدت نواجذہ) نواجذ آخری داڑھوں کو کہتے ہیں۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں یہ جواب شرط ہے اور آپ ﷺ کا یہ مسکرانا تعجباً تھا، آپ ﷺ کو تعجب ہوا اس پر کہ پہلے کیسے بے قرار ہو کر بارش کی دعا کروا رہے تھے اور اب بارش پڑی تو اپنے گھروں کی طرف بھاگنے لگے۔ نیز اللہ کی قدرت عظیمہ پر خوشی ہو رہی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں جو مقام حضور ﷺ کو دیا تھا اس پر خوش ہو رہے تھے۔

(فقال: أشہد أنّ اللّٰہ علی کل شیءٍ قدیر وأنی عبداللّٰہ ورسولہ۔ رواہ ابوداؤد)
حضور ﷺ سے اس موقع پر مختلف دعائیں منقول ہیں لیکن ایک دعا جو کہ مندرجہ ذیل ہے، بہت جامع ہے:
"اللہم اسقنا غیثا مغیثًا ہنیئًا مریئًا مریعًا غدقًا مجللاً سحًا عامًا طبقًا دائمًا" (اے اللہ! ہم پر ایسی بارش فرما، جس سے کھیت سرسبز ہو جائیں، اور ایسی بارش فرما جو لگا تار ہو، مسلسل ہو، خوب بہنے والی ہو، دریاؤں اور نہروں کو بھر دینے والی ہو، اس کا نفع عام ہو، سب کیلئے فائدہ مند ہو)۔ اللہم اسقنا الغیث ولا تجعلنا من القانطین (یا اللہ! ہمیں بارش سے سیراب فرما اور مایوس نہ فرما)۔
اللہم انبت لنا الزرع، وأدرّ لنا الضرع واسقنا من برکات السماء، وأنبت لنا من برکات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الأرض،(اے اللہ! ہماری کھیتی کو سرسبز فرما اور ہمارے جانور کے تھنوں کو دودھ سے بھر دے، اور ہمیں آسمان کی برکات سے مستفید فرما اور زمین کی برکات کو ہمارے لئے ظاہر فرما)۔''اللھم انا نستغفرك انك كنت غفارًا فأرسل السمآء علینا مدرارًا''۔(یا اللہ! ہم آپ سے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں بے شک آپ تو بہت زیادہ معاف کرنے والے ہیں، پس ہم پر آسمان سے لگاتار بارش نازل فرما)۔

اور جب بارش ہو جاتی تو صحابہ یوں کہتے:''اللھم صیبًا نافعًا''اور یہ بھی کہتے مطرنا بفضل اللہ ورحمته۔

پھر اگر بارش زیادہ ہو جاتی اور نقصان کا خطرہ ہوتا تو یوں دعا فرماتے:

''اللھم حوالینا ولا علینا اللھم علی الآکام والظراب وبطون الأودیة ومنابت الشجر''(یا اللہ! ہمارے اردگرد تو بارش ہو مگر ہمارے اوپر بارش نہ ہو، اے اللہ! پہاڑوں پر، ٹیلوں پر، صحراؤں میں اور درختوں پر بارش فرما یعنی لوگوں پر اتنی بارش نہ فرما کہ ان کیلئے نقصان کا سبب بنے''۔

اور صحیحین کی روایت میں ہے کہ ایک شخص مسجد میں آئے اور حضور ﷺ کھڑے خطبہ دے رہے تھے، اس آنے والے نے عرض کیا یا رسول اللہ! ھلکت الأموال......''اے اللہ کے رسول! جانور مرنے لگے، نہریں خشک ہو گئیں آپ اللہ سے دعا فرما دیں، پس آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللھم أغثنا اللھم أغثنا اللھم أغثنا''(اے اللہ بارش فرما، اے اللہ بارش فرما، اے اللہ بارش فرما)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! آسمان پر بادل کا نام ونشان نہ تھا مگر دیکھتے ہی دیکھتے پیچھے سے بادل آئے ڈھال اور چادر کی طرح اور ہمارے سروں پر آ کر چھا گئے اور برسنے لگے حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

''فلا واللہ ما رأینا الشمس سبعًا''(اللہ کی قسم! ہم نے پورے سات روز تک سورج نہیں دیکھا) پھر سات روز کے بعد وہی آدمی دوبارہ اگلے جمعہ مسجد میں آئے اور رسول اللہ ﷺ پچھلے جمعہ کی طرح کھڑے خطبہ دے رہے تھے، عرض کیا یا رسول اللہ جانور مرنے لگے آپ دعا فرما دیں کہ بارش رک جائے آج پورے سات دن بارش ہوتے ہوئے گذر گئے، پس رسول اللہ ﷺ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا:

''اللھم حوالینا ولا علینا اللھم علی الآکام والظراب وبطون الأودیة ومنابت الشجر''

حضرت انسؓ فرماتے ہیں فوراً بارش رک گئی اور جب ہم باہر نکلے تو سورج کی روشنی میں چلتے ہوئے گھر گئے۔

کسی بزرگ کے وسیلہ سے دعا مانگنا

۱۵۰۹: وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ اِذَا قُحِطُوْا اسْتَسْقٰى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ۔

(رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲/۴۹۴ حديث رقم ۱۰۱۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ جب قحط سالی ہوتی تو امیر المومنین عمر بن الخطابؓ حضرت عباس بن عبد المطلبؓ کے وسیلہ سے بارش کیلئے دعا کرواتے تھے۔ چنانچہ فرماتے اے اللہ پہلے ہم تیرے نبی کے وسیلہ سے بارش کیلئے دعا کرواتے تھے، پس تو ہمیں سیراب کر دیتا تھا، اب ہم تیرے نبی کے چچا کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں تو ہمیں سیراب فرما دے۔ تو راوی فرماتے ہیں کہ وہ سیراب ہو جاتے تھے۔ (یعنی بارش شروع ہو جاتی تھی)۔

تشریح: قحطوا : مجہول کا صیغہ ہے۔

(استسقی بالعباس بن عبدالمطلب) یعنی استسقاء کیلئے سفارش کے طور پر پیش کیا دعا واستغفار کے بعد۔

(فقال اللهم انا كنا نتوسل اليك نبينا ﷺ) ہم حضور ﷺ کو وسیلہ بناتے تھے۔

(فتسقينا) حرف مضارع کے فتحہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ۔

(وانا نتوسل اليك بعم نبينا فاسقنا) حضرت عباس کو وسیلہ بنانا دو وجہ سے تھا: ① یہ حضور ﷺ کے چچا تھے۔ ② اللہ کے ہاں مقبول تھے۔

(قال فيسقون) رواه البخاری۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے استسقاء کیلئے حضرت یزید بن الأسود کو وسیلہ بنایا اور کہا:

"اللّٰهم انا نستسقي بخيرنا و أفضلنا"۔

یا اللہ ہم اپنے سے بہتر اور اپنے سے افضل یعنی یزیدؒ بن اسود کو وسیلہ بناتے ہیں پس حضرت یزیدؒ بن الاسود نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے، لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ ہاتھ اٹھائے دیکھتے ہی دیکھتے مغرب کی جانب سے بادل آئے اور خوب برسے حتی کہ لوگ سیراب ہو گئے۔

ساری مخلوق اللہ تعالیٰ سے استسقاء کی دعا کرتی ہے

۱۵۱۰: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ خَرَجَ نَبِيٌّ مِنَ الْاَنْبِيَآءِ بِالنَّاسِ يَسْتَسْقِي فَاِذَاهُوَ بِنَمْلَةٍ رَافِعَةٍ بَعْضَ قَوَائِمِهَا اِلَى السَّمَآءِ فَقَالَ ارْجِعُوْا فَقَدِ اسْتُجِيْبَ لَكُمْ مِّنْ اَجْلِ هٰذِهِ النَّمْلَةِ۔ (رواه الدارقطنی)

أخرجه الدارقطني في السنن ٢/٦٦ حديث رقم ١ من كتاب الاستسقاء۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ انبیاء میں سے ایک نبی لوگوں کے ہمراہ استسقاء کیلئے نکلے، انہوں نے اچانک ایک چیونٹی کو دیکھا جو اپنے بعض پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھی، تو یہ دیکھ کر اللہ کے نبی نے فرمایا واپس چلو۔ اس چیونٹی کی وجہ سے آپ کی دعا بھی قبول کر لی گئی۔ (دار قطنی)

تشریح: (يستسقي) حالیہ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(استجیب) ''فقد'' دال کے کسرہ کے ساتھ ہوگا اگر ہمزہ کو گرا دیں، اور اگر نہ گرائیں تو ''أستجیب'' ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

(لکم) ماقبل فعل سے متعلق ہے۔

(من اجل هذه النملة) اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت کا اظہار کرنا مقصود ہے۔ اور بتانا مطلوب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک چیونٹی کی بھی قدر ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر بارش فرمادی۔ (رواہ الدار قطنی) یعنی سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

بعض محدثین کی رائے ہے کہ وہ نبی جن کا ذکر حدیث بالا میں ہے حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔ اور یہ بھی روایت کیا گیا کہ چیونٹی نے اپنے بعض پاؤں آسمان کی طرف بلند کئے جس طرح دعا میں ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں اور کہا:

''اللهم انى خلق من خلقك لا غنى بنا عن رزقك فلا تهلكنا بذنوب بنى آدم''۔

اے اللہ! ہم بھی تیری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہیں، ہم میں سے کوئی بھی تیرے رزق سے مستغنی نہیں ہے۔ پس اے اللہ ہمیں ابن آدم کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک نہ کر۔

بَابٌ (فِى الرِّيَاحِ وَالْمَطَرِ)

[یہاں مشکوۃ کے اکثر نسخوں میں فقط باب کا لفظ لکھا ہوا ہے لیکن ہم نے بعد تحقیق کے مشکوۃ کے کچھ نایاب نسخوں میں یہ باب مندرجہ ذیل الفاظ میں دیکھا تو اس کا اضافہ کر دیا]

مشکوۃ کے اکثر نسخوں میں یہاں صرف لفظ باب لکھا ہوا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ مستقل اور الگ باب نہیں ہے بلکہ پہلے باب کے ملحقات میں سے ہے۔ اس لئے کہ اس باب میں ہواؤں کا ذکر ہے اور ہوائیں اکثر بارش کے آگے پیچھے ہی ہوتی ہیں اس لئے یہاں عنوان قائم نہیں کیا، اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مشکوۃ کے ایک صحیح نسخہ میں ''بابٌ فى الرياح'' کے الفاظ مذکور ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس باب میں ہواؤں کے متعلق احادیث نقل کی جائیں گی۔

اگر لفظ باب پر وقف کریں تو باء کو ساکن پڑھیں گے اور اگر مرفوع پڑھیں تو اس کو مبتداء محذوف کی خبر ماننا پڑے گا۔ ایک نسخہ میں باب فی الریاح کے بجائے باب الریاح ہے۔ بہر حال مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

الفصل الاول:

ہوا مدد کا ذریعہ بھی ہے اور عذاب کا ذریعہ بھی

۱۵۱۱: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ. (متفق عليه)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أخرجه البخاری فی صحیحه ٥٧٨/٨۔ حدیث رقم ٤٨٢٨ ۔ ومسلم فی صحیحه ٦١٦/٢ حدیث رقم (١٤۔ ٨٩٩)۔ وأبو داوٗد فی السنن ٣٢٩/٥ حدیث رقم ٥٠٩٨ وأحمد فی المسند ٦٦/٦۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری مدد کی گئی ہے بادِ صبا (جو مشرقی جانب سے چلتی ہے) کے ساتھ اور قوم عاد کو ہلاک کیا گیا ہے بادِ دبور کے ساتھ (جو مغربی جانب سے چلتی ہے)۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: یعنی واقعہ خندق کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ [الاحزاب۔ ٩]

ہم نے ان پر ہوا بھیج دی اور ایسے لشکر جن کو وہ دیکھ نہیں سکتے تھے۔

(بالصبا) یہ ہوا مشرق کی جانب سورج طلوع ہونے کی جگہ سے چلتی ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں: ''الصبا'' وہ ہوا ہے کہ اگر آپ قبلہ کی طرف منہ کریں تو آپ کی پشت کی جانب سے چلے۔ اور ''الدبور'' وہ ہوا ہے کہ جب آپ کا منہ قبلہ کی طرف ہو تو آپ کے چہرے کی جانب سے چلے۔

(واُهلکت عاد بالدبور) دال کے فتحہ کے ساتھ بمعنی عجیب وغریب ہوا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ''الدبور'' وہ ہوا ہے جو کعبہ کے پیچھے سے اُٹھتی ہے اور اس میں نمی اور ٹھنڈک ہوتی ہے۔ اور ''الجنوب'' وہ ہوا ہے جو کعبہ کے دائیں طرف سے اُٹھتی ہے اور اس میں گرمی کے ساتھ ساتھ نمی ہوتی ہے۔ اور ''الشمال'' وہ ہوا ہے جو کعبہ کے بائیں جانب سے اُٹھتی ہے اور اس میں خشکی اور ٹھنڈک ہوتی ہے۔ اور یہ ہوا جنت سے چلتی ہے۔ (رواہ مسلم)

روایت کیا گیا ہے کہ غزوہ احزاب قریش، غطفان اور یہود تینوں جو اس وقت کی بڑی طاقتیں تھیں مسلمانوں کے خلاف ہوئے اور مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ریح الصبا چلائی جس سے ان کے خیمے ٹوٹ گئے، جانور ہلاک ہو گئے، کمزور لوگ بھاگ گئے خود ان کی آنکھوں میں پتھر اور مٹی پڑنے لگی، ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے اس سبب رعب ڈال دیا، آخر کار اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مع ایک جماعت کے میدان میں نصرت کیلئے بھیج دیا، کافروں کو اپنی شکست اور مسلمانوں کو اپنی فتح کا یقین ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے اس ہوا کے سبب مسلمانوں کے خوف کو اطمینان سے بدل دیا۔

پس یہ ہوائیں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک ہیں جیسا کہ قوم عاد کو ''ریح الدبور'' کے ذریعے ہلاک کیا۔ اس قوم کا قد بارہ گز لمبا تھا مگر یہ آپس میں ٹکرا ٹکرا کر ہلاک ہو گئے۔ پس ان واقعات میں عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔

بادل اور ہوا دیکھ کر آنحضرت ﷺ کا متفکر ہونا

١٥١٢ : وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ مَارَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَاحِكًا حَتّٰى اَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهٖ اِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ فَكَانَ اِذَا رَاٰى غَيْمًا اَوْ رِيْحًا عُرِفَ فِيْ وَجْهِهٖ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٣٠٠/٦۔ حدیث رقم ٣٢٠٥۔ ومسلم فی صحیحه ٦١٦/٢ حدیث رقم (١٥۔ ٨٩٩)۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی بھی رسول اللہ ﷺ کو اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کا تالو نظر آتا ہو بے شک آپ مسکراتے تھے پھر جب بادل یا ہوا دیکھ لیتے تو آپ کے چہرے پر تغیر (یعنی پریشانی کے آثار) پہچانا جاتا تھا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: (وعن عائشة قالت...... ضاحكًا) حال ہے یا مفعول ثانی ہے۔

(حتی أری) یہاں تک کہ میں دیکھوں۔

(منه لهواته) لهوات جمع ہے لهاة کی۔ لهاة کہتے ہیں اس گوشت کے ٹکڑے کو جو حلق میں لٹکا ہوا ہوتا ہے۔ اس کو ''کوا'' بھی کہا جاتا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ منہ کا وہ گڑھا ہے جو زبان کی جڑ کے قریب ہوتا ہے۔

(انما كان يتبسّم) آپ ﷺ صرف مسکراتے تھے آپ کو کبھی قہقہ لگا کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا اس حدیث سے یہی مفہوم ہوتا ہے۔ لیکن یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرۃؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ہنسے حتی کہ آپ کے نواجذ یعنی داڑھیں نظر آنے لگیں، ان دونوں میں تعارض ہے، یہ کیسے رفع ہوگا؟

حقیقت یہی ہے کہ آپ ﷺ ساری زندگی قہقہ لگا کر نہیں ہنسے اور نہ ہی ایسے ہنسے کہ آپ کی داڑھیں نظر آنے لگیں ہوں، اب رہی یہ بات کہ حضرت ابوہریرۃ کی روایت کا کیا جواب ہے؟ تو اس کے دو جواب ہیں۔

① حضور ﷺ کے نواجذ تھے تو اندر ہی یعنی ظاہر نہیں ہوئے تھے مگر اپنی چمک کی وجہ سے ظاہر کی طرح محسوس ہوتے تھے۔

② اس حدیث میں نواجذ سے مطلقاً دندان مبارک مراد ہیں۔

علماء نے دوسرا جواب پسند کیا ہے۔

(فكان اذا رأى فيها) یعنی بادل۔

(أوريحًا عرف) یعنی تبدیلی۔

(في وجهه) علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ کے چہرے سے پریشانی کے آثار کا واضح ہونا مراد ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ ساری کائنات پر شفیق تھے۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ میری امت ہر قسم کے عذاب سے محفوظ رہے۔ اسی وجہ سے جب تھوڑی تیز ہوا چلتی تو آپ ﷺ گھبرا جاتے۔

(متفق علیہ) میرکؒ نے فرمایا: اور اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

آندھی کے وقت آنحضرت ﷺ کی ایک خاص دعا

۱۵۱۳: وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَصَفَتِ الرِّيحُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَخَيْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّمَا فِيهَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاِذَا تَخَيَّلَتِ السَّمَاءُ تَغَيَّرَلَوْنُهٗ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَاَقْبَلَ وَاَدْبَرَفَاِذَامَطَرَتْ سُرِّيَ عَنْهُ فَعَرَفَتْ ذٰلِكَ عَائِشَةُ فَسَاَلَتْهُ فَقَالَ لَعَلَّهٗ يَا عَائِشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا وَفِیْ رِوایة وَیَقُوْلُ اِذَا رَاٰی الْمَطَرَ رَحْمَةً .. (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٨/٢٩١۔ حديث رقم ٤٦٢٧۔ وأحمد في المسند ٢/٢٤۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب تیز ہوا چلتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے: اللّٰھم انی اسئلك...... اے اللہ میں تجھ سے وہ خیر مانگتا ہوں جو اس ہوا میں ہے اور اس چیز کی بھلائی اور خیر مانگتا ہوں جس کیلئے یہ ہوا بھیجی گئی ہے، اور میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے ہوا کے شر سے اور اس چیز کے شر سے جو اس ہوا میں ہے اور اس چیز کے شر سے جس کیلئے یہ ہوا بھیجی گئی ہے اور جب آسمان ابر آلود ہو جاتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ متغیر ہو جاتا تو آپ بے چینی کی وجہ سے گھر سے باہر نکلتے اور کبھی اندر تشریف لاتے اور اسی طرح آگے پیچھے پھرتے، پس جب بارش شروع ہو جاتی تو آپ کا اضطراب ختم ہو جاتا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک مرتبہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اضطراب محسوس کیا تو عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اس کا کیا سبب ہے تو فرمایا اے عائشہ کیا خبر ہے کہ کہیں یہ بادل ویسا ہی ہو جس کو دیکھ کر قوم عاد نے کہا تھا ھذا عارض ممطرنا کہ جب اس کو دیکھا کہ وہ بادل انکی وادیوں کی طرف آ رہا ہے تو کہنے لگے یہ وہ بادل ہے جو ہم پر برسے گا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں، کہ جب بارش شروع ہو جاتی یعنی جب بارش کو دیکھتے تو فرماتے یہ اللہ کی رحمت کا سبب ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: (وعنها) یعنی عن عائشةؓ۔

(قالت كان النبي ﷺ اذا عصفت الريح) یعنی جب ہوا تیز ہوتی۔

(قال اللهم انى أسألك خيرها) یعنی اس ہوا کی ذات میں جو خیر ہے وہ مطلوب ہے۔

(وخيرما فيها) اس سے اس کے تمام منافع مراد ہیں۔

(وخير ما أرسلت به) یہاں سے خاص اوقات میں چلنے والی ہوا مراد ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں: اُرسلت میں تاء ساکن نہ ہو بلکہ مفتوح ہو تو اس سے اللہ کی ذات مراد ہوگی مطلب یہ ہوگا کہ یا اللہ تیرے ہی ہاتھ میں اس کا چلانا، ہر خیر اور شر تیرے ہی ہاتھ میں ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے:

''الخير كله بيدك''

لیکن ہمیں چاہیے کہ ہم شر کی نسبت اللہ کی طرف نہ کریں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ علامہ طیبی کا یہ قول محض تکلف ہے۔ یہ مجہول اور مؤنث کا صیغہ ہی ہے۔ (وأعوذ بك من شرها وشر ما فيها وشر ما أرسلت به) یہاں بھی تاء ساکن ہے۔

(واذا تخيلت السماء) یعنی جب بادل چھا جائیں اور بارش کا خیال پیدا ہونے لگے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں یہاں السماء سے بادل مراد ہیں اور تخيلت السماء سے بادلوں کا چھا جانا مراد ہے۔

(تغير لونه) اللہ کی خشیت سے۔

(وخرج) کبھی گھر سے باہر آتے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(و دخل) اور کبھی اندر جاتے۔

(و أقبل و أدبر) یعنی خوف کی وجہ سے بے قرار سے ہو جاتے۔

(فاذا) بعض نسخوں میں واؤ کے ساتھ ہے۔

(مطرت) یعنی بادل۔

(سری عنه) یعنی خوف ختم ہو جاتا، سرّی میں تشدید مبالغہ کیلئے ہے۔ ابن حجر نے تخفیف کو بھی جائز کہا ہے لیکن یہ اصول کے خلاف ہے۔

(فعرفت ذلك) یعنی تغیر اور تبدیلی۔

(عائشة فسألته) یعنی اسکا سبب پوچھا۔

(فقال لعله یا عائشة) بعض نے کہا لعلہ سے "لعل هذا المطر" مراد ہے۔ لیکن ظاہر یہاں سے "لعلّ هذا السحاب" ہے۔

(کما قال قوم عاد) اضافت بیان کیلئے ہے۔ مثال دینا چاہتے ہیں۔ قوم عاد کے ساتھ کہ جب ان پر بادل آئے تو کہنے لگے یہ تو ہم پر برسنے آئے ہیں۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا۔

(فلما رأوه) یعنی بادل دیکھے۔

(عارضا) پھیلے ہوئے بادل۔

(قالوا) کہا انہوں نے یہ سوچتے ہوئے کہ یہ بادل ہم پر برسیں گے۔

﴿هذا عارض ممطرنا﴾ [الاحکاف آیة۔ ۲۳] یعنی یہ تو ہم پر برسنے والے ہیں۔

(وفی روایة: ویقول اذا رأی المطر رحمة:

رحمت منصوب ہے۔ اور فعلِ امر محذوف ہے۔ یعنی "اجعله رحمةً" کہ اس کو رحمت بنا دے عذاب بنا دے، اور اگر رفع پڑھیں تو مبتداء محذف "هذه" کی خبر ہوگی۔ (متفق علیه) لیکن بعض محدثین نے اس میں کلام کیا ہے۔ اور "الحصن" میں ہے کہ جب آپ ﷺ بارش دیکھتے تو دعا مانگتے: "اللهم صیباً نافعاً" (رواہ البخاری)

پانچ چیزوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے

۱۵۱۴: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ ثُمَّ قَرَأَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ الْاٰيَةَ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۲۲۲۸/۴ حدیث رقم (۴۴۔ ۲۹۰۴)۔ وأحمد فی المسند ۳۴۲/۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ غیب کے خزانے پانچ ہیں اور پھر یہ آیت پڑھی کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے ہی پاس قیامت کا علم ہے وہی بارش برساتا ہے ...... (بخاری)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح:قال رسول اللهﷺ :مفاتيح الغيب بعض نے کہا ہے کہ مفاتیح جمع ہے ''مفتح'' کی بمعنی مخزن یعنی مفاتیح الغیب سے مراد خزائن الغیب ہے۔

(خمس)ان پانچ پر اللہ کے علاوہ کوئی اور مطلع نہیں ہوسکتا۔

(ان الله عنده)یعنی اللہ کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں۔

(علم الساعة)یعنی قیامت کے قیام کا وقت۔

(وينزل)تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ۔

(الغيث)یعنی بارش اتارتا ہے۔جو کہ شہروں کو، بندوں کو سیراب کرتی ہے۔پس بارش کتنی ہوگی، کب تک ہوگی، کیسے ہوگی اس سب کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

(الاية)الآیۃ کو منصوب، مرفوع اور مجرور تینوں طرح پڑھ سکتے ہیں، منصوب اس صورت میں پڑھیں گے جب ''اقرأ'' فعل اُمر کو محذوف مانیں۔مرفوع اس صورت میں پڑھیں گے۔جب اس کو مبتدأ مانیں اور خبر کو محذوف مانیں۔اور مجرور اس صورت میں پڑھیں گے جب حرف جر اور مضاف کو محذوف مانیں۔یعنی ''الى آخر الاية''

(وهو يعلم ما فى الأرحام من ذكر أو أنثى)کہ وہ بچہ تام ہوگا یا ناقص ہوگا، گورا ہوگا یا کالا ہوگا، لمبا ہوگا یا قصیر ہوگا، نیک بخت ہوگا یا بد بخت ہوگا۔بہر حال اس کی تفصیل اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

نیز قرآن مجید میں ہے: ''وما تدرى نفس ماذا تكسب غدًا''

کوئی آدمی نہیں جانتا کہ کل اس کو کیا ملنے والا ہے یعنی کیا خیر یا شر اس کو ملنے والی ہے اس کا علم صرف ایک وحدہ لاشریک کے پاس ہے۔

خشک سالی سے ہی قحط نہیں پڑتا

۱۵۱۵:وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَتِ السَّنَةُ بِاَنْ لَّا تُمْطَرُوْا وَلٰكِنَّ السَّنَةُ اَنْ تُمْطَرُوْا وَلَا تُنْبِتُ الْاَرْضُ شَيْئًا ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فى صحيحه ٤/٢٢٢٨ حديث رقم(٤٤۔ ٢٩٠٤)۔ وأحمد فى المسند ٢/٣٤٢۔

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ حبیب خداﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قحط یہی نہیں ہے کہ تم پر بارش نہ برسے قحط تو یہ بھی ہے کہ تم پر بارش تو برسے لیکن زمین کچھ بھی نہ اُگائے۔(مسلم)

تشریح:قال رسول اللهﷺ :ليست السنة)السنۃ سے مراد قحط ہے،تو آپ ﷺ نے فرمایا قحط یہ نہیں۔

(بان لا تمطروا)بارش نہ ہو بلکہ قحط تو یہ ہے کہ بارش ہو، بار بار ہو مگر زمین سے سبزہ وغیرہ کچھ نہ پیدا ہو اسی کو ان الفاظ ولكن السنة أن تمطروا وتمطروا ولا تنبت الارض شيئًا سے نبی کریم ﷺ نے امت کو سمجھایا یعنی مطلوب کثرت نہیں بلکہ برکت ہے اگر برکت ~~نہ ہو تو~~ کثرت کسی کام کی نہیں۔(رواہ مسلم)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الفصل الثانی:

ہوا اللہ کی رحمت ہے

۱۵۱۶: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الرِّيْحُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ تَاْتِیْ بِالرَّحْمَةِ وَبِالْعَذَابِ فَلَا تَسُبُّوْهَا وَسَلُوا اللّٰهَ مِنْ خَيْرِهَا وَعُوْذُوْا بِهٖ مِنْ شَرِّهَا۔

(رواه الشافعی وابوداود وابن ماجة والبیهقی فِی الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

أخرجه أبوداوٗد فی السنن ۵/۳۲۸ حدیث رقم ۵۰۹۷۔ وابن ماجه ۲/۱۲۲۸ حدیث رقم ۳۷۲۷۔ وأحمد فی المسند ۲/۲۵۰۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہوا اللہ کی رحمت میں سے ہے اللہ کی رحمت بھی لاتی ہے اور عذاب بھی لاتی ہے، پس تم اس کو برا بھلا نہ کہو، اور اللہ سے اس کی بھلائی مانگو اور اللہ تعالیٰ سے اس کے نقصان سے پناہ مانگو۔ (ابوداوٗد، ابن ماجہ، بیہقی، الشافعی)

تشریح: (عن ابی هريرة...... روح اللّٰه) راء کے فتحہ کے ساتھ۔ بمعنی "رحمت" جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿فروح وريحان﴾ [الواقعہ۔ ۱۹]

(تأتی بالرحمة وبالعذاب فلا تسبوها) یعنی اس میں ضرر بھی ہے اس لئے بعض لوگ اس کو برا بھلا کہتے ہیں مگر ایسا نہیں کہنا چاہیے کیونکہ اس میں خیر اور رحمت بھی تو ہے۔

نیز ایک اور جگہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ﴾ [یوسف۔ ۸۷] (اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو)۔

بہر حال یہ ہوا اللہ کے بندوں کیلئے رحمت ثابت ہوتی ہے جبکہ ظالموں کیلئے عذاب۔

(وسلوا اللّٰه من خيرها وعوذوا به من شرها)

بعض نے کہا ہے کہ "الریاح" یعنی ہوائیں آٹھ قسم کی ہیں جن میں سے چار رحمت کی ہیں اور چار عذاب کی ہیں۔

رحمت والی چار ہوائیں:

① الناشرات۔ ② المرسلات۔ ③ الذاریات۔ ④ المبشرات۔

عذاب والی چار ہوائیں:

① العاصف۔ ② القاصف۔ (ان دونوں کا تعلق سمندر سے ہے) ③ الصرصر۔ ④ العقیم (ان کا تعلق خشکی سے ہے)

(رواہ الشافعی وابوداوٗد وابن ماجہ والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

ہوا پر لعنت نہیں کرنی چاہئے

۱۵۱۷: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا لَعَنَ الرِّيْحَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَلْعَنُوا الرِّيْحَ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَإِنَّهَا مَأْمُورَةٌ وَإِنَّهُ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهُ بِأَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ۔ (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب)

أخرجه أبوداوٗد في السنن ٥/٢١٢ حديث رقم ٤٩٠٨ والترمذي في السنن ٤/٣٠٩ حديث رقم ١٩٧٨۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حبیب خدا ﷺ کے پاس ہوا پر لعنت کی، تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہوا پر لعنت نہ کرو، اس لئے کہ وہ اللہ کی جانب سے مامور ہے (یعنی جو کچھ کرتی ہے اللہ کے حکم سے ہے) اور بے شک جو شخص ایسی چیز پر لعنت کرتا ہے جو لعنت کی مستحق نہیں ہوتی تو وہ لعنت 'لعنت کرنے والے پر ہی لوٹ آتی ہے۔

اسنادی حیثیت: یہ روایت امام ترمذی نے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: فقال لا تلعنوا الريح فانها مأمورة : یعنی یا تو رحمت کے ساتھ یا عذاب کے ساتھ مأمور ہے۔ یعنی اس کو جو حکم ملا ہے اس کا کام اس کو پورا کرنا ہے۔

(و انه) ضمیر شان ہے۔

(من لعن شیئًا لیس) یعنی وہ چیز۔

(له) ہٗ ضمیر اللعن کی طرف راجع ہے۔

(بأهل) یعنی جس چیز پر لعنت کی گئی اور وہ اس لعنت کی حق دار نہ تھی۔

(رجعت اللعنة عليه) وہ لعنت لوٹ آتی ہے اسی پر جس نے لعنت بھیجی تھی۔ یاد رکھئے لعنت رحمت کی ضد ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں لعنت کے مستحق تین افراد ہیں۔

① کافر۔ ② بدعتی۔ ③ فاسق۔ ہوا لعنت کی مستحق نہیں ہے۔

(رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب)

ہوا کے چلنے کے وقت دعا مانگنی چاہیے

۱۵۱۸: وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الرِّيحَ فَإِذَا رَأَيْتُمْ مَا تَكْرَهُوْنَ فَقُوْلُوا اللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الرِّيحِ وَخَيْرِ مَا فِيهَا وَخَيْرِ مَا أُمِرَتْ بِهِ وَنَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الرِّيحِ وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُمِرَتْ بِهِ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ٤/٥٢١ حديث رقم ٢٢٥٢۔ وأحمد في المسند ٥/١٢٣۔

ترجمہ: حضرت ابی ابن کعبؓ سے روایت ہے کہ محبوب کبریا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہوا کو گالی مت دو، پس جب تم اس میں وہ چیز دیکھو جو تمہیں ناگوار محسوس ہو تو یہ دعا پڑھو۔ اے اللہ ہم تجھ سے اس ہوا کی بھلائی طلب کرتے ہیں اور جو کچھ اس ہوا کے اندر ہے اور اس چیز کی جس کیلئے یہ ہوا مامور کی گئی ہے اور ہم تجھ سے پناہ طلب کرتے ہیں اس ہوا کی شر سے اور اس چیز کے شر سے جو اس میں ہے اور اس چیز کے شر سے جس کیلئے یہ ہوا مامور ہے۔ (ترمذی)

تشریح: (وعن أبي كعب ...... الريح) کیونکہ یہ تو مأمور اور معذور ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(فاذا رأيتم ما تكرهون) یعنی تمہیں یہ بری لگ رہی ہو زیادہ سرد یا زیادہ گرم ہونے کی وجہ سے

(فقولوا) یہ کہو۔

(اللهم انا نسألك من خير هذه الريح وخير ما فيها وخير ما أمرت به ونعوذبك من شرهذه الريح وشرما فيها وشرما أمرت به رواه الترمذى)

اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ریح اور ریاح میں فرق

۱۵۱۹: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَاهَبَّتْ رِيْحٌ قَطُّ اِلَّا جَثَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَّلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحًا وَلَاتَجْعَلْهَا رِيْحًا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِى كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا وَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ وَاَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ وَاَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ۔ (رواه الشافعى والبيهقى فى الدعوات الكبير)

أخرجه الشافعى فى مسنده ص ۱۸۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے جب کبھی بھی تیز ہوا چلتی تھی تو آنحضرت ﷺ دوزانو ہو کر بیٹھ جاتے تھے اور یہ دعا پڑھتے تھے ”اللهم اجعلها رحمة ولا تجعلها عذابا اللهم اجعلها رياحا ولا تجعلها ريحًا“ اے اللہ تو اس ہوا کو رحمت بنا اور عذاب نہ بنا اور اس ہوا کو ریاح (رحمت والی) بنا، ریح (یعنی عذاب والی) نہ بنا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اللہ کے اس ارشاد ﴿انا ارسلنا عليهم ريحًا صرصرًا وارسلنا عليهم الريح العقيم وارسلنا الرياح لواقح. وان يرسل الرياح مبشرات﴾ اور بھیجی ہم نے ان پر تیز وتند ہوا اور بھیجی ہم نے ان پر بانجھ ہوا (یعنی جوان کے درختوں کے پھل ختم کر دیتی تھی، اور بھیجی ہم نے ان پر پَل لانے والی ہوائیں اور یہ کہ بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ بارش کی خوشخبری لانے والی ہوائیں۔ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان آیات میں ریح عذاب والی ہوا کیلئے ہے اور ریاح رحمتوں والی ہواؤں کیلئے ہے۔ (بیہقی، شافعی)

تشریح: (وعن ابن عباس......) بمعنی ”قعد“ یعنی بیٹھ گئے۔

(على ركبتيه) بعض نسخوں میں رکبتین کے بجائے ”ركبة“ ہے۔ اور اس طرح بیٹھنے سے عاجزی سے کنایہ ہے۔

(وقال اللهم اجعلها رحمة) یعنی ہمارے لئے رحمت بنا دے۔

(ولا تجعلها عذابًا) یعنی ہمارے اوپر عذاب نہ بنا۔

(اللهم اجعلها رياحًا ولا تجعلها ريحًا قال ابن عباس: فى كتاب الله) مؤلف نے ابن عباس کا قول تائیدًا ذکر کیا۔ قرآن مجید میں ہے:

”انا ارسلنا عليهم ريحًا صرصرًا“۔ ”ہم نے ان پر سخت سرد ہوا بھیجی“۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''ارسلنا علیهم الریح العقیم''۔ ''ہم نے ان پر ایسی ہوا بھیجی جس میں خیر نہ تھی''۔
ان دونوں آیتوں میں ریح شر والی ہوا کو کہا ہے اسی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریح سے پناہ مانگی جبکہ قرآن مجید میں ہی ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
''وأرسلانا الریاح لواقح''۔ ''ہم نے ایسی ہوا بھیجی جو درختوں کو لہلہانے والی تھی''۔
''أن یرسل الریاح مبشرات''۔ ''خوش خبری دینے والی ہوا بھیجی گئی''۔
پس اس سے معلوم ہوا کہ ریح عذاب والی ہوا اور ''الریاح'' رحمت والی ہوا کو کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ علیہ السلام نے ریح سے پناہ مانگی اور ''الریاح'' کو طلب کیا۔

بارش کے وقت کی دُعا

۱۵۲۰: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَبْصَرْنَا شَيْئًا مِنَ السَّمَآءِ تَعْنِي السَّحَابَ تَرَكَ عَمَلَهُ وَاسْتَقْبَلَهُ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَافِيْهِ فَاِنْ كَشَفَهُ اللّٰهُ حَمِدَ اللّٰهَ وَاِنْ مَطَرَتْ قَالَ اَللّٰهُمَّ سَقْيًا نَافِعًا۔ (رواه ابوداود والنسائى وابن ماجة والشافعى واللفظ له)

أخرجه أبوداؤد في السنن ٥/ ٣٣٠ حديث رقم ٥٠٩٩۔ والنسائي ٣/ ١٦٤ حديث رقم ١٥٢٣۔ وابن ماجه ٢/ ١٢٨٠ حديث رقم ٣٨٨٩۔ وأحمد في المسند ٦/ ١٩٠۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب آسمان سے کوئی بادلوں کی گھٹا اٹھتی ہوئی دیکھتے تو اپنا کام کاج چھوڑ دیتے تھے اور اس کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور یہ دعا کرتے تھے، اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس چیز کی برائی سے جو اس میں ہے اگر اللہ تبارک وتعالیٰ اس ہوا کو بارش برسانے سے پہلے ہی ختم فرما دیتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی حمد وثناء کرتے اور اگر بارش ہو جاتی تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ اے اللہ تو نفع دینے والا پانی ہم پر خوب برسا۔ (ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' شافعی) یہ الفاظ شافعیؒ کے ہیں۔

تشریح: (وعن عائشة ...... شيئاً) یعنی بادل دیکھتے۔
(من السماء) مراد دونوں کی یہی ہے کہ آسمان پر بادل دیکھتے۔
(تعني السحاب) یہ جملہ معترضہ ہے۔ ماقبل کی تشریح وتفسیر کیلئے تھا۔
(ترك) اس کے فاعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
(عمله) یعنی وہ مباح عمل چھوڑ دیتے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشغول ہوتے تھے۔
(واستقبله) یعنی بادل۔
(وقال اللهم انی اعوذبك من شر ما فيه فان) فاء تفصیلیہ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(كشفه الله) یعنی بارش نہ ہو اور بادل چھٹ جائے۔

(حمد الله) تو اس پر بھی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں شر سے نجات دی۔

(وان مطرت قال: اللهم سقياً) سین کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ بمعنی "اللهم اسقنا سقياً" "یا" "وأسالك سقياً۔

یعنی یہ مفعول مطلق ہے یا مفعول بہ۔

(نافعًا) فائدہ مند۔

(رواه ابو داؤد والنسائی وابن ماجه والشافعي واللفظ له) یعنی لفظ الحدیث للشافعي وللباقين معناه۔

گرج اور بجلی گرنے کے وقت کی دُعا

۱۵۲۱: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَاَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا سَمِعَ صَوْتَ الرَّعْدِ وَالصَّوَاعِقَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ۔

(رواه احمد والترمذی وقال هذا حديث غريب)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٥٠٣ حديث رقم ٣٤٥٠ وأحمد فی المسند ٢/١٠٠۔

ترجمه: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب گرج کی آواز سنتے تھے یا بجلی گرنے کی آواز سنتے تھے تو دعا فرماتے اے اللہ تو ہمیں اپنے غضب سے ہلاک نہ کر اور اپنے عذاب کے ساتھ ہمیں نہ مار اور ہمیں اس سے پہلے پہلے عافیت عطا فرما دے۔ (ترمذی) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

اسنادی حیثیت: احمد ترمذی اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: أن النبی ﷺ كان اذا سمع صوت الرعد) اس میں بیان کیلئے عام کی خاص کی طرف اضافت ہے۔ بہر حال رعد کہتے ہیں اس آواز کو جو بادلوں سے سنائی دیتی ہے۔ جیسا کہ ابن الملک نے فرمایا، لیکن صحیح یہ ہے کہ "رعد" اس فرشتے کی آواز ہے جو بادلوں پر مقرر ہے۔ امام شافعیؒ نے الثقہ سے اور یہ مجاہد سے نقل کرتے ہیں کہ:

"رعد" ایک فرشتے کا نام ہے اور "برق" اس کے پر ہیں۔ جن کے ذریعے سے وہ سحاب کو ہانکتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: www.KitaboSunnat.com

"اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو بھیجا، پس انہوں نے نطق کیا تو کمال کا نطق کیا اور اسی طرح وہ مسکرائے تو کمال کا مسکرائے، پس ان بادلوں کا نطق "رعد" ہے اور ان کا مسکرانا "برق" ہے"۔

اور بعض نے کہا کہ "البرق" سوط کی چمک ہے جبکہ الرعد اس سوط کو کھینچنے سے پیدا ہونے والی آواز ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(والصواعق) نصب کے ساتھ ہے پس اس کی تقدیری عبارت یوں ہوگی۔''احس الصواعق''اور اگر مجرور ہو جیسا کہ حدیث میں ہے تو یہ معطوف ہوگا الرعد پر۔

(قال) آپ ﷺ فاعل ہیں۔

(اللھم لا تقتلنا بغضبك ولا تھلکنا بعذابك) اپنے غصے کی وجہ سے ہمیں مارمت ڈالنا۔یعنی ہمیں ایسی حالت میں ہی نہ لا کہ جس سے تیرا غصہ ہم پر ہو اور ہم مارے جائیں اور نہ ہی اپنے عذاب وعقوبت میں ہمیں ہلاک کر۔کیونکہ جب اللہ کا عذاب آتا ہے تو ہر نیک اور بد پر یکساں آتا ہے۔

(وعافنا) یعنی اے اللہ! میری امت کو عافیت سے رکھنا۔

(قبل ذلك) ہر عذاب سے۔

رواہ احمد، والترمذی وقال ھذا حدیث غریب۔

قال میرك: نقلاً عن التصحیح ورواہ النسائی فی الیوم واللیلۃ والحاکم واسنادہ جید ولہ طرق۔

الفصل الثالث:

گرج کی آواز سن کر تسبیحات میں مشغول ہو جانا چاہیے

۱۵۲۲: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا سَمِعَ الرَّعْدَ تَرَكَ الْحَدِيْثَ وَقَالَ سُبْحٰنَكَ الَّذِيْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ۔ (رواہ مالك)

اخرجہ مالك فی الموطأ ۲/۹۹۲ حدیث رقم ۲٦ من کتاب الکلام۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ گرج کی آواز سنتے تھے تو بات چیت چھوڑ دیتے تھے اور سُبْحٰنَكَ الَّذِيْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ پڑھنا شروع کر دیتے تھے۔''پاک ہے وہ ذات جس کی رعد پاکی بیان کرتا ہے اس کی تعریف کے ساتھ اور فرشتے بھی اس کے خوف کے ساتھ''۔

(امام مالک)

تشریح: (عن عبداللہ بن الزبیر أنہ کان اذا سمع الرعد) یعنی اس کی آواز۔

(ترك الحدیث) یعنی لوگوں کے ساتھ بات چیت چھوڑ دیتے۔

(وقال: سبحان الذی یسبح الرعد) اور یہ وہ فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے۔

(بحمدہ) یعنی اللہ کیلئے ہی ہر تعریف ہے۔علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں: اس کی نسبت مجازی ہے کیونکہ الرعد سبب ہے اس کا کہ اس کو سننے والا اللہ کی تسبیح کرے ڈرتا ہوا اور امید رکھتا ہوا، لیکن یہ ضعیف ہے بوجہ اس کے جو صحیح حدیث میں ہے کہ الرعد ایک فرشتے کا نام ہے۔پس تسبیح کی نسبت اس کی طرف کرنا حقیقی ہے مجازی نہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(والملائکة من خیفته) یعنی اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے۔اور بعض نے کہا کہ رعد یعنی فرشتے کے خوف سے کیونکہ یہ ان کا سردار ہے۔(رواہ مالک)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر میں تھے، اچانک بجلی چمکنے اور کڑکنے لگی، حضرت کعب نے ہم سے کہا کہ جو شخص بجلی کے کڑکنے کے وقت یہ تین دفعہ پڑھے تو وہ عافیت میں رکھا جاتا ہے۔

''سبحان من یسبح الرعد بحمده والملائکة من خیفته''۔

پس ہم سب نے مندرجہ بالا دعا پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں حفاظت میں رکھا۔نیز حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی بجلی کڑکنے کے وقت یہ دعا پڑھے لیکن پھر بھی بجلی اسے کوئی نقصان پہنچائے تو اس کی دیت (خون بہا) مجھ پر ہے۔یعنی میں اس کی جان کا بدلہ دوں گا۔

ابن السنی سے مروی ہے۔اگرچہ اسناد ثابت نہیں لیکن یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جب ستارے ٹوٹ کر گریں تو ہمیں ان کو دیکھتے ہی مت رہیں بلکہ یوں کہیں ''ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ''۔

امام شافعیؒ سے ضعیف مرسل سند کے ساتھ مروی ہے کہ دن اور رات میں کوئی گھڑی ایسی نہیں گذرتی مگر یہ آسمان برس رہا ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسے جہاں چاہتے ہیں پھیر دیتے ہیں۔(مسند الشافعی ص:۸۲)

اور حضرت کعب سے ضعیف سند کے ساتھ مروی ہے:

''قیامت کے قریب سیلاب زیادہ آنے لگیں گے''۔میرکؒ کہتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔

لِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَّظَاهِرًا وَّبَاطِنًا وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ